

Acc 16009

✓

1257
S

Checked
1987

الم
از

ابو فضل محمد بن عبد الله بن عباس

CHECKED 1995

Er

CHECKED - 1968

RARE BOOK
NOT TO BE ISSUED

Checked
1967

12917

نسخه
۳۲۱



الاسلام

از

علامہ عباسی

CHECKED 1995

۱۱۵۱

ایوم الکملت لکم دینکم و تہمت علیکم نعمتی وضیت لکم
الاسلام

۱۷۹۱۶
۳۲۰

دیناً
کی تفسیر ہے

اس میں ہر پہلو سے اسلام کا نعمت خدا ہونا دکھایا گیا ہے
تمام مسائل اسلام بیان کیے گئے ہیں
اور انکی خوبوں کی توضیح کی گئی ہے
معرضوں کے جواب بھی بزبان شستہ دیے گئے ہیں

اور

تمام غلط فہمیان بعنوان شالیستہ رفع

کی گئی ہیں
مولف اس کے

علامہ ابوالفضل محمد احسان اللہ عباسی

مولف

تاریخ الاسلام بمناظرہ المجاہد وغیرہ وغیرہ ہیں
۱۹۰۲ء میں

مطبع پٹیوڈسٹ پبلشنگ ٹاؤن لکھنؤ میں چھپی

محمد سعید زار نے مقام دفتر سابق "الوقت" لکھنؤ پر سے شائع کی قیمت ہے

فہرست مضامین

۱	فہرست مضامین		
الف	دیباچہ		
۱	اصول ہدایت	فصل ۱	باب اول
۱۹	سند اور اہل اسلام	فصل ۲	ملکی اور اخلاقی مسائل
۳۵	سلیف اور اسلام	فصل ۳	"
۴۶	طبقة اولیٰ اسلام کی ابتدائی حالت	"	"
۴۷	طبقة دوم اسلام کا عروج زمانہ رسول مبین	"	"
۹۰	طبقة سوم صحابہ رسول کا زمانہ	"	"
۱۰۰	طبقة چهارم سلاطین عرب کا زمانہ	"	"
۱۰۲	طبقة پنجم دیگر سلاطین اور رعایا اسلام	"	"
۱۰۳	اسپین	"	"
۱۰۹	سند وستان	"	"
۱۲۳	مسلمانان چین و مجمع الجزائر	"	"
۱۲۹	اخلاق محمدی	فصل ۴	"
۱۴۷	تمدن اور حسن معاشرت پر مفہوم قرآنی	فصل ۵	"
۱۵۷	مال باب کی اطاعت	فصل ۶	"
۱۶۳	صدقہ اور زکوٰۃ	فصل ۷	"
۱۶۳	مصالح عام	"	"
۱۶۹	حکومت	"	"
۱۷۸	احادیث نبوی	"	"
۱۹۸	عربوں کی ہدایت	فصل ۸	"
۲۰۵	غلاموں کی حالت	فصل ۹	"
۲۰۸	عورتوں کے متعلق مفہوم قرآنی	فصل ۱۰	"
۲۱۵	کاروباری	فصل ۱۱	"
۲۱۸	الرفیق سیم الطریق	فصل ۱۲	"
۲۲۱	قومی امتیازات	فصل ۱۳	"
۲۲۶	سجیل اور اسراف	فصل ۱۴	"
۲۳۰	حسن پرستی	فصل ۱۵	"
۲۳۵	جہاد	فصل ۱۶	"
۲۴۰	مسلمانوں کے احکامات دینیہ پر	فصل ۱۷	"
۲۶۹	جنگ صلیبی	فصل ۱۸	"
۲۷۵	اشرف اسلامی	فصل ۱۹	"
۲۸۱	جوابیم	فصل ۲۰	باب دوم
۲۸۷	رہنمائی	"	تقریرات

۲۸۵	فصل ۳۰
۲۸۶
۲۹۲	فصل ۳۱
۲۹۶	فصل ۳۲
۲۹۸
۳۰۱
۳۱۹	فصل ۳۳
۳۲۲	فصل ۳۴
۳۲۴	فصل ۳۵
۳۲۸	فصل ۳۶
۳۳۴	فصل ۳۷
۳۳۶	فصل ۳۸
۳۴۳	فصل ۳۹
۳۵۶	فصل ۴۰
۳۶۲	فصل ۴۱
۳۶۶	فصل ۴۲
۳۶۶	فصل ۴۳
۳۶۸
۳۸۳
۳۸۶
۳۹۰
۳۹۱
۳۹۶	فصل ۴۴
۴۰۱	فصل ۴۵
۴۰۲
۴۰۶	فصل ۴۶
۴۲۱	فصل ۴۷
۴۲۲	فصل ۴۸
۴۲۶
۴۳۳
۴۳۶
۴۴۱	فصل ۴۹
۴۵۳	فصل ۵۰
۴۵۹	فصل ۵۱
۴۶۵	فصل ۵۲
۴۹۴
۵۰۸	فصل ۵۳

باب ستونم
عبادات

باب چہارم
شخصی معاملات اور قضا و طبعیات

۵۱۵	عبداللہ کا ردی	فصل ۳۴	"
۵۱۵	عمدہ قصا	"	"
۵۱۸	دیوالیہ	"	"
۵۱۹	پنجایت	"	"
۵۱۹	شہادت	فصل ۳۵	"
۵۲۰	شفعہ	"	"
۵۲۱	مفقود الخیر	"	"
۵۲۲	حقیقت اسلام	فصل ۳۶	"
۵۲۹	رسالت	"	"
۵۳۶	کارخانہ قدرت پر قصص قرآنی	فصل ۳۷	"
۵۴۵	حکمت اور فلسفہ کے متعلق آیات قرآنی	فصل ۳۸	"
۵۵۶	اسلام اور فلسفہ	فصل ۳۹	"
۵۶۵	آفرینش ارض و سما	فصل ۴۰	"
۵۸۳	سحر و جادو	فصل ۴۱	"
۶۰۰	سلسلہ جبر و اختیار و قضا و قدر	فصل ۴۲	"
۶۱۲	قصص قرآنی	فصل ۴۳	"
۶۱۷	الہادیشہ آدم (حضرت نوح - ذوالقرنین - حضرت ابراہیم)	"	"
۶۳۲	حضرت یوسف	"	"
۶۳۵	حضرت داؤد	"	"
۶۳۶	حضرت سلیمان	"	"
۶۳۷	حضرت موسیٰ	"	"
۶۳۹	حضرت خضر	"	"
۶۴۱	قارون	"	"
۶۴۲	حضرت یونس	"	"
۶۴۳	حضرت عیسیٰ	"	"
۶۴۴	اصحاب کعبہ	"	"
۶۴۷	لقمان	"	"
۶۴۷	اصحاب نبیل	"	"
۶۴۹	شیطان اور جن	فصل ۴۴	"
۶۶۱	قوی ترقی	فصل ۴۵	"
۶۶۹	ضعف اسلام	فصل ۴۶	"
۶۷۱	نہی نفاق	فصل ۴۷	"
۶۷۷	دنیا فروش رہنے کی جگہ نہیں ہے	فصل ۴۸	"
۶۸۴	لیست الشباب لہو	فصل ۴۹	"
۶۸۸	سورت	فصل ۵۰	"
۶۹۳	لغات دنیا	فصل ۵۱	"
۶۹۶	انجیا براہ	فصل ۵۲	"

باب پنجم
عقاید علی مباحث

۷۰۰ حرص	فصل ۶۳	..
۷۰۳ خلق الانسان ضعيفا	فصل ۶۴	..
۷۰۸ فطرت اور دل و دماغ سے اُسکا تعلق	فصل ۶۵	..
۷۱۱ ترک حیوانات	فصل ۶۶	..
۷۱۹ آب زم زم	فصل ۶۷	..
۷۲۸ منہ کے سلی نال	فصل ۶۸	..
۷۳۴ جھاڑ پھونک - دعا گوئی	فصل ۶۹	..
۷۳۸ اسلام اور غلامی	فصل ۷۰	X ..
۷۴۶ سود خوری	فصل ۷۱	..
۷۵۱ رسم پرودہ	فصل ۷۲	..
۷۵۷ روح اور مسئلہ تناسخ	فصل ۷۳	..
۷۵۹ پنہن و تکفین	فصل ۷۴	..
۷۶۱ مختلف مباحث پر نفوس قرآنی	فصل ۷۵	..
۷۶۱ شہادت
۷۶۲ صبر
۷۶۳ حب دنیا
۷۶۳ صادق الیقینی دلیلی سے وعدہ
۷۶۴ شفاعت و رسالت
۷۶۶ مداخلت
۷۶۷ صدقہ
۷۶۸ مال شہیم
۷۶۹ شاعری
۷۶۹ حرام و حلال
۷۷۰ مسلمانان ہند کی حالت زار	فصل ۷۶	..
۷۷۶ اشتہار	+	+

لکھ دینیکم و امنت علیکم لغتی و نصیت لکم الاسلام دیناً ترجمہ۔ مسلمانوں کا مین نے تمہارا
دین مکمل کیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کی اور تمہارے لیے اسلام کا دین مین نے پسند کیا
اس امر کا فیصلہ ناظرین پر ہے کہ اسلام کے تمام اہم مسائل کا ذکر کر کے کہاں تک انکا اپنی
نوعیت مین مکمل ہو یا باعتبار اثر کے نعمت خدا ہونا مین دکھا سکا۔ اس بحث سے میری
غرض یہ ہے کہ غیر مذہب بالوں کے لیے سوا دہم پر پناہوں اور مذہب اسلام کی طرف سے جو
انکے دل مین نفرت ہے اُسے دور کر دے اور بجائے اسکے محبت پیدا کر دے تاکہ مسلمانوں
کو دیکھ کر انہیں کریں اور خیال کریں کہ نہایت عمدہ قوم کے بگڑے ہوئے لوگ یہ مین اور ایسے
مہر دمی کے مستحق مین۔ ممکن ہے کہ یہ کتاب اس قابل سمجھی جائے کہ یورپ کی مختلف زبانوں
مین اسکا ترجمہ ہو اور یورپ مین مذہب اسلام پھیلنے کا باعث ہو۔ میرا ارادہ ہے کہ مین ترجمہ کی اس
مین بھی کوشش کرونگا۔ اسی مین والا تمام من اللہ۔

تعلیم یافتہ گروہ کے بعض اشخاص کہتے مین کہ اسلام وحشی قوموں کے لیے ہر مذہب و قانون
کے لیے نہیں ہے اس خیال کے دور کرنے کی طرف بھی مین نے توجہ کی ہے اور اسی سلسلہ
مین ان اعتراضات کے جواب دیے مین جو غیر مذہب بالوں بالافہم ہوں سے مین نے منے مین
یا کتاب مین دیکھے مین۔ مجھے امید ہے کہ نصف مزاج مومنین اس کتاب کو پڑھ کر تسلیم کریں گے
کہ ہر قرن اور ہر درجہ کے لوگوں کو تہذیب سکھانے کے لیے دین محمدی سے اچھا دین یا اسلام
سے اچھا فلسفہ طائر خیال کی حد پر داز سے باہر ہے۔ یہ کتاب ان مسلمان نوجوانوں کے
لیے نہایت بکار آمد ہے جو مذہبی تعلیم سے معری رہنے کی وجہ سے دین اسلام کی
طرف سے مختلف دوسو سے دل مین رکھتے مین ان نوجوانوں سے میری درخواست ہے
کہ اس کتاب کو بغور پڑھیں اور اپنے ساتھیوں کو اس کے پڑھنے کی ترغیب دین اور جب وہ خوب

ابھی طرح سمجھ جائیں تو اپنے عیسائی اور ہندو بھائیوں کے بھانے کی کوئی تشویش کریں کیونکہ
ابھی باتیں دنیا میں اسی طرح پھیلی ہیں۔ کچھ دلا پر فرض ہے کہ نادان قفون کو عمدہ باتوں سے
واقف کرے۔

مختصر یہ ہے کہ اس کتاب میں میں نے دین محمدی کے تمام مسائل کا اجمالی ذکر کر کے
دنیا کی مختلف قوموں کے قاعدہ اور رسوم سے مقابلہ کیا ہے اور دکھایا ہے کہ اسلام کی تمام
باتیں اسی ہیں کہ اُن سے ابھی صورت ذہن میں نہیں آسکتی ورنہ دنیا میں خوش رہنے کے
لیے اس سے اچھے قاعدے بن سکتے ہیں۔ ان قاعدوں پر جو قوم جتنا ہی زیادہ عمل
کرے گی اُتنا ہی زیادہ خوش رہے گی اور اسی لیے دین اسلام برحق ہے۔

دراستح رہے کہ یہ کتاب اپنی نوعیت میں انوکھی ہے اور غالباً اس طرز پر بزرگان دین
کی کوئی کتاب نہ نکلے گی۔ شاید وہ لکھنا چاہتے بھی (نہوذا باندہ) تو کچھ نہ سکتے۔ قدر عافیت کے
دانہ کہ یہ بھیتے گرفتار آید۔ نہ وہ اس ذلیل حالت میں تھے جیسی کہ ہماری ہے نہ مفسر ضعیف اُفت
پیدا تھے کہ اعتراض کرتے۔ اسلام تخت خدا کی صورت مجسم موجود تھا جو دیکھنا تھا "آسا بر محمد"
لکھو دڑا چلا آتا تھا۔ ضرورت تو اب پیدا ہوئی کہ مسلمانی کتاب میں ہے اور مسلمان گو زمین
ہیں۔ ان زمانہ حال کے مسلمان لکھنا چاہیں تو اس کتاب سے کہیں ابھی کتاب کچھ سکتے
ہیں۔ مجھے ایسے کہ لُبعاغت نے اتنا لکھا تو بڑے بڑے علماء اس سے کہیں زائد اور کہیں
اچھا لکھ سکتے ہیں اور اُن سے مجھے امید ہے کہ وہ اپنے خیالات سے دنیا فوٹا مجھے اطلاع
دیتے رہیں گے یا اخباری دنیا میں انھیں شائع کریں گے تاکہ اس کتاب کی اشاعت بڑے
انگریزی میں مجھے مد ملے۔ کچھ میری غلطیوں کی اصلاح ہو اور کچھ اصل مضمون پر اضافہ ہو۔
کیونکہ بزرگان دین کی کتابیں اگر انکو ضرورت نہ تھی پھر بھی ہر قسم کے مباحث سے بھری پڑی

ہیں انکا تلاش کرنے والا سب سے جدا درجے بہا اضاذ اس کتاب میں کر سکتا ہے۔
 اسے کہہ ارض کے باشندو۔ کبھی ہم بھی اس دنیا میں تھے اور کبھی ہم بھی کچھ رکھتے تھے۔
 جب ہم تھے تو دوسرا نہ تھا اور جو چیز ہمارے پاس تھی کسی دوسرے کے پاس نہ تھی "تک لایام
 مداولما بین الناس" خدا کہتا ہے کہ ہم لوگوں کے دن پھیرتے رہتے ہیں۔ اب ہماری حالت
 جیسی ہے وہ ظاہر ہے۔ پھر بھی خدا کا شکر ہے۔ ہمارے لیے اچھی ہے یا بُری ہے لیکن
 دوسروں کے لیے ضرور باعث عبرت ہے۔ ہمیں کوئی کتنا ہی بُرا کہے کچھ پروا نہیں ہم بُرے
 ہیں مئے لاکون۔ لیکن ہم یہ نہیں سن سکتے کہ ہمارے بزرگان دین بُرے تھے اور انکی روش
 زاب تھی۔ زمانہ بدلتا تعلیم پھیلی۔ خیالات میں آزادی آئی۔ ہم کس سے بخشن اور کس کا جواب
 دین۔ زمانہ کی ضرورتوں نے ہمیں مجبور کیا کہ اپنے خیالات کیجا کروں اور جب موقع ہو کتاب
 کا حوالہ دے کر خود کو الگ رکھیں۔

ہم نے اس کتاب میں یہ دکھلا دیا ہے کہ ہم میں تمام دنیا کی بُرائیاں ہیں لیکن ہمارے
 اسلاف ان بُرائیوں سے پاک تھے۔ ملکی اور اخلاقی معاملات میں وہ لاثانی تھے۔ سیاست
 میں وہ ہمیشہ تھے۔ طریقہ عبادت انکا بہت اچھا تھا۔ شخصی معاملات اور طریقہ عدل گسٹری
 میں انکی روش خردمندانہ تھی۔ عقاید اور علمی معلومات میں کوئی انکا سامنا نہ تھا اور یہ سب
 باتیں انکو اسلام نے سکھائی تھیں اور جب تک مسلمان اسلام کی رسی مضبوط پکڑے ہوئے
 تھے انہیں تمام برکتیں دنیا کی موجود تھیں۔ میں نے برکات اسلام کو اس کتاب میں یک جا
 جمع کر دیا ہے اور اسکے جمع کرنے میں بے تعصبی کو میں نے سب پر مقدم رکھا ہے۔ جسکو کسی
 شہب سے قصب نہیں ہے اور نہ میں کسی مذہب کو اسکی اصلی حالت میں بُرا سمجھتا۔ میرا
 خیال یہ ہے کہ جس طرح وہ نقطوں کے درمیان ایک ہی خط مستقیم کھینچ سکتا ہے اسی طرح

خدا کی راہ ایک ہی ہے اور ہر قوم اپنے عروج کے زمانہ میں اسی راہ پر چلی یا اسکے قریب تھی۔ اہل ہند۔ ایرانی۔ بنی اسرائیل۔ اہل مصر۔ اہل یونان۔ اہل روم باری۔ باری سے اس راہ مستقیم پر آئے اور جب تک وہ اس راہ مستقیم پر تھے خدا ان کا مدد کرتا تھا۔ خدا فرماتا ہے: "ولقد کتبنا فی الذبور ان الارض یرثها عبادی الصالحون" ہم نے زمین کو تمہارے لیے شروع سے ہی دستور ہے کہ بندہ صالح وارث ارض ہوتا ہے۔ جتنی قومیں ہم نے اوپر بیان کیں وہ سب اپنے زمانہ ترقی میں خدا کی محبوب تھیں۔ اس لیے کہ ان کے دستور اچھے تھے اور جب ان کے دستور بگڑے تو وہ راندہ درگاہ ہو گئیں اب عیسائی اسی راہ مستقیم پر ہیں یا اس کے قریب ترین اور وہی باتیں زائد کر کرتے ہیں جو خدا کو پسند ہیں جب تک وہ خدا کی پسند کے موافق کام کریں گے وہ اسی طرح باقی رہیں گے۔ جو قومیں اُن سے گری ہوئی ہیں وہ صرف اس لیے گری ہوئی ہیں کہ راہ مستقیم سے دور ہیں اور جب وہ راہ مستقیم پر آنے کی کوشش کریں گی تو انکو زیادہ تر اسی دستور پر چلنا ہوگا جس پر عیسائی قومیں اس وقت چلتی ہیں۔ اصطلاح شرع میں راہ مستقیم کا نام اسلام ہے۔ جتنی قومیں اوپر بیان کی گئی ہیں وہ سب اپنے عروج کے زمانہ میں طریقہ اسلام پر اس کے قریب رہیں اور اب اسی طریقہ پر عیسائی قومیں ہیں۔ لیکن یہاں دعویٰ یہ ہے کہ امت محمدی جب اس راہ مستقیم یعنی اسلام پر تھی تو سب سے زائد رونق تھی اور میں اس کتاب میں اپنے دعویٰ کو حقی الودیع ثابت کروں گا۔

میں نے یہ کتاب ملکی اور اخلاقی معاملات سے شروع کی ہے۔ "اصول اخلاق" جیسے مسلمانوں کا عمل متاخذ صفحے میں لکھ کر میں نے دیکھا ہے کہ ملکی معاملات میں بعض راست بازی پر عبور نہ کرنا اور حکمت عملیوں پر ہنر کرنا خاص مسلمانوں کا حصہ تھا۔

جس سے یہ اپنے اسلاف کا پتہ دے سکیں۔ ترک جو کسی زمانہ میں عربوں کے جانشین
 تھے۔ آزادی اور سیرجشی کے سوا تمام باتوں میں انکے قدم بہ قدم تھے۔ انکے کارہائے
 بڑے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا فنا ہو جائے گی لیکن یہ فنا نہ ہونگے۔ یہ بھی اس طرح
 سنے کہ کوئی نام اپنا نہ چھوڑا۔ ورنہ جائے ہندوستان ہی میں دیکھیے۔ شاہان تعلق کی
 شاہنشاہی اظہار اللہ۔ تمام ہندوستان انکی تھی میں اس طرح تھا جس طرح انگلستانی میں
 نگینہ ہوتا ہے۔ اور اب انکے وطن کے تعلق آباد دہلی میں گھاس کے گٹھے اپنی بیویوں کے سامنے
 جب گھر سی رات گئے یہ کہتے ہوئے لاگراتے ہیں کہ آج کوئی کجخت مفت میں بھی لینے والا
 نہ تھا اور بیبیان ماہوسانہ نظر سے انکی طرف دیکھ کر کہتی ہیں کہ بچے آج رات بھر سونے نہ دیں گے
 تو نا عبث و لایا اولیٰ البصار کا نقشہ کھینچ جاتا ہے ہندوستان کی تھیں نہیں ہو کہ ہمیشہ ہی حالت
 ایشیا کے تمام ترکوں کی ہے۔ یورپ میں کچھ حالت انکی تھی ہو لیکن وہ بھی مرث ہمارے
 دیکھنے میں ہے۔ ورنہ فی الواقعہ جس حالت میں ہیں خود ہی خوب جانتے ہیں بخلاف
 نے اسلام قبول کر کے جو تہذیب عالم میں پھیلانی تھی عجیب روزگار سے تھی لیکن بالآخر
 انکا زمانہ بھی ایسا پلٹا کہ نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ انکی اولاد جہاں ہے زبان حال سے کہہ ہی ہے
 ہم ایسے ہیں کہ جیسے کسی کا خدا نہ ہو

میں کہتا تو تھا تاریخ الاسلام لیکن ان واقعات کے سلسلہ نے مجھے مسلمانوں کی ترقی
 و تنزل کے اسباب کی طرف متوجہ کیا اور آخر کار برسوں کے غور و فکر کے بعد میری رہے
 قائم ہوئی کہ مسلمان جب تک قرآن پر عمل کرتے رہے دنیا کے پیشوا بن رہے۔ اور جب
 احکام قرآنی سے الگ ہوئے انہی پیشوائی کو بیٹھے۔ دوسری قوموں نے انکے گزشتہ
 طریقوں پر عمل کرنا شروع کیا اور اس طرح انکے اعمال و کام قرآنی کے مطابق ہونے لگے تو دنیا

کی پیشوائی تھی انکی طرف مغل ہوئی مسلمان مقتدری ملازم یا غلام رہ گئے۔ قضیہ بالکل متعکس ہو گیا جب انکے اخلاق اچھے تھے تو یہ مقتدر اسے عالم تھے اور جب بگڑے تو تقلید کی بھی قابلیت انہیں نہ رہی۔

جس زمانہ میں قرآن اتر اعیسائی قومیں بھی یہود اور کفار عرب کی طرح تمام اخلاقی بُرائیوں کی مشرق تھیں۔ اسلام آپر اچھ لایا دلا علی کے اعتبار سے غالب آیا۔ آنحضرت محمد نے کوئی نیا مذہب یا الوکھا دین جاری نہیں کیا۔ عیسائیت میں جو نقصانات پیدا ہو گئے تھے زائد تر انکی اصلاح کی۔ صدیوں کے بعد جب عیسائیوں کو مسلمانوں کے اثر و محبوبت اپنی حالت کا امتیاز نہ ہوا تو انکو تلافی مافات کی فکر ہوئی اور اس غرض سے انھوں نے مسلمانوں کی تمام عمدہ باتیں جو قرآن نے تعلیم کی تھیں اختیار کیں۔ وہ علانیہ طور پر تو نہیں ہوتے ورنہ وہ مسلمان ہی نہ کہلاتے بلکہ جب انھوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی پیروی کیے بغیر زندگی بسر کرنا مشکل ہے تو انکی آنکھیں کھل گئیں اور انھوں نے تقلید شروع کی۔ میدان تقلید میں وہ بڑھتے بڑھتے مسلمانوں کے برابر ہو چکے اور پھر اُسے بھی بڑھتا شروع ہوئے مسلمانوں کو خواب غفلت نے ایسا گھیر کر کہیں گے نہ ہے۔ وہ خواب سے چونکے بھی تو کب جب عیسائی بہت دور نکل گئے تھے۔ اور اب اس دُور میں جب تک کہ عیسائیوں پر خواب غفلت طاری نہ ہو گا یعنی وہ اخلاق حسنہ (احکام قرآنی) کی پیروی ترک نہ کریں گے مسلمان انکے برابر نہ ہو سکیں گے۔ میرے نزدیک ہزار کلا لاکھ دانہ کی تسبیح پر کوئی رات دن لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا کرے لیکن بھروسے سے احکام الہی کا بیان نہ کرے اور اقوال و افعال نبی کی پیروی نہ کرے تو وہ ہرگز برابر ہی نہیں کر سکتا اُس غیر خدا والے کی جو نہ خدا کو ایک بنانا اور نہ پیغمبر کو برحق جاننا لیکن عطا کرنا ہی زائد تر وہی جو قرآن میں محکوم ہے اور جسکو پیغمبر خدا پسند کرتے تھے۔ محض کنا کا فی نہیں ہے کہ نفاق کے بیدار ہونے

ن عربوں کے جانشین

نے۔ انکے کارہے

یہ بھی اس طرح

شاید ان نفاق کی

ح اکثری میں

عیسائیوں کے سامنے

میں بھی لینے والا

بھر سونے نہیں گئے

میش یہی حالت

مرت ہمارے

نتے ہیں بخلاف

لیکن بالآخر

ل سے کہہ ہی ہے

مسلمانوں کی ترقی

سیری رہے

ہے۔ اور جب

گزشتہ

نے لگے دنیا

اور بہادری کے چلے جانے سے مسلمان تباہ ہوئے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جب یہ کلام خدا
 و رسولؐ کے پیرو نہ رہے تو ان کے اخلاقی صفات جاتے رہے اور اخلاقی صفات کے جانے
 سے عادات میں کینہ بن خیالات میں غلامی پیدا ہوئی جس کا دوسرا نام ہے نفاق اور کم ہمتی۔
 بہر حال غور کرنے کے بعد نہایت استواری سے میں اس رائے پر قائم ہوا کہ اسلام کے
 اصول کی پیروی اس زمانہ کے مسلمانوں نے ترک کر دی ہے اور غیروں نے اسے اختیار
 کر لیا ہے یہی باعث ہے ایک کے تنزل اور دوسرے کی ترقی کا۔ اس کتاب میں ان باتوں کی طرف
 جا بجا توجہ دلائی گئی ہے جس کے مٹانے سے مسلمان بگڑ گئے اور جنگے پانے سے یورپین قومیں
 بن گئیں۔ تاکہ مسلمان خود کو درست کریں اور زمانہ حال کے عیسائیوں کی عمدہ باتوں کے اختیار
 کرنے میں متعصب نہ رہیں۔ اور سمجھیں کہ اُن سے بل کر وہ بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو کچھ
 محکمہ ایک حد تک اطمینان ہو لیکن طبعیت نے اس پر قناعت نہ کی اور اب مجھے یہ فکر ہوئی کہ مسلمانوں کی
 ترقی کے لیے کیا میں عیسائیوں کی ترقی کے زمانہ سے مقابلہ کروں اور یہ دیکھوں کہ مسلمانوں کی
 بعض باتوں کے اختیار نہ کرنے سے اس وقت کی عیسائی قوموں میں کوئی کمی ہے یا نہیں یا
 دوسرے لفظوں میں اسلام کی پوری پوری تقلید کیے بغیر عیسائی اپنے زمانہ ترقی میں گزشتہ مسلمانوں
 کی برابری کر سکتے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ ان سے معلوم ہوا کہ عیسائی اس وقت گواہی تمام خوبیوں
 کی وجہ سے سراج ہیں لیکن سابق مسلمانوں کے برابر انکی تہذیب مکمل نہیں ہے اور اس لیے
 تہذیب کی تمام شاخوں پر مجد اجد بحث کر کے مجھے یہ دکھانا پڑا کہ اسلام کی پیروی جہاں ابھی
 ہوئی ہے وہاں یورپین تہذیب بھی اس وقت ناقص ہے اور کوئی قوم تمام امور دنیا میں اپنی
 تہذیب کو درجہ کمال تک نہیں پہنچا سکتی جب تک وہ تمام مسائل اسلام کی پیروی پر چڑھے
 طور پر نہ کرے کیونکہ اسلام ہی ایک مکمل دین ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے الایوم اکملت

دلون میں قرآن کے مضامین کی وقعت قائم ہوگی۔ حکمت اور فلسفہ کے متعلق جنہی آیتیں قرآن میں تھیں وہ سب میں نے یکجا کر دی ہیں۔ انہیں پڑھ کر غیر مذہب والے بھی متعرف ہو گئے کہ حکمت اور فلسفہ کے متعلق اس سے زیادہ جاننا انسان کو درکار نہیں ہے اور جو کچھ کہا گیا ہے اسے انتہا لطف سے کہا گیا ہے۔ بعض قوموں کا یہ دعویٰ ہے کہ انکا مذہب عین فلسفہ ہے۔ مذہب اسلام کو عین فلسفہ ہونے کا فخر نہیں ہے بلکہ اسکو اس امر کا فخر ہے کہ فلسفہ کے دہیات سے وہ پاک ہے۔ ہاں جتن معاشرت اور جن تمدن کے معلم ہونے کا فخر ہے لیکن اسکے ساتھ ہی فلسفہ کا دشمن بھی نہیں ہے اور جو لوگ اسے دشمن فلسفہ سمجھتے ہیں غلطی پر ہیں اس مضمون کا پڑھنا ان لوگوں کو بہت ضرور ہے جو مذہب اسلام کو فلسفہ کا دشمن سمجھ کر سرے سے مذہب ہی کو غلط تصور کرتے ہیں۔ دیکھو اسلام و فلسفہ۔

آج کل علم ہیئت لوگوں کو شروع ہی میں پڑھایا جاتا ہے انکو علمی استعداد ہو یا انودم کچھ پڑھیں یا نہ پڑھیں لیکن اتنا ضرور کہیں گے کہ زمین آسمان کے گرد گھومتی ہے اور اسکے خلاف جو کچھ قرآن میں ہے غلط ہے۔ اسلئے ”آخر نیش آرض ہوسا“ کی ایک حد افضل قائم کر کے مجھے سمجھانا گزیرا کہ قرآن میں نہ انگریزی آسمان کا ذکر ہے اور نہ یونانی آسمان کا۔ سیدھے طور پر اس میں بدبیات سے بحث کی گئی ہے۔ نظام بطلمیوسی کے ماننے والے اسے اپنے طور پر سمجھتے اور اب نظام شمسی کے صحیح ماننے والے اسے اپنے طور پر صحیح سمجھ سکتے ہیں۔ نہ وہ کسی کے موافق ہے اور نہ مخالفت ہے۔ بلکہ ایک طور پر یہ مجوزہ قرآن ہے کہ ہر درجہ اور ہر طبقہ کے انسان کا وہ تفسی دینے والا ہے۔

ایک طرف یہ شہور ہے کہ جادو برحق ہے اور دوسری طرف دیکھتے ہیں کہ جادو گر اگر با طاقت ہے تو خدا کی طاقت اور قدرت سب پہنچ ہے۔ یہ دو متضاتی ہیں اسوقت کے

بلاکلام خدا
کے جانے
اور کہ سمجھتی
سلام کے
ما سے اختیار
اون کی طرف
بین تو میں
کے اختیار
نک پہنچ کر
کی کہ سلام
ما فون کی
یا نہیں
شہد سلام
م خود میں
اور اسلئے
جہاں اچھی
یا میں اپنی
چکر پورے
دوم ملک

مسلمانوں میں تسلیم کی جاتی ہیں اور دونوں کی سند قرآن مجید سے لجاتی ہے اس لیے لوگوں کے اعتراضات رفع کرنے اور عقائد صحیحہ کے ظاہر کرنے کی غرض سے سحر و جادو کی تحقیق وغیرہ بھی طور پر پیش کی ہے۔ آیات قرآنی سے جہاں تک اسے تعلق ہے بحث کر کے دکھایا ہے کہ قرآن میں کوئی بات ایسی نہیں ہے کہ اس پر کوئی کچھ شبہ کر سکے۔

مسئلہ جبر و اختیار ایک اہم مسئلہ شرع کا ہے۔ انسان مجبور بھی ہے اور مختار بھی ہے۔ اسلام میں یہ مسئلہ تمام ادیان سے آسان طریقہ سے سمجھا گیا ہے آیات قرآنی اور اقوال بزرگان دین سے سند لیکر میں نے ایک طور پر اسے بیان کر دیا ہے جس سے اسید ہے کہ لوگوں کی تشفی ہو جائے گی۔

قصہ قرآنی زائد تر تعلیم اخلاق کے لیے بیان کیے گئے ہیں "قصۃ الاولین و العقبین" میں نے تمام قصص قرآنی کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور حتی الوسع ہر قصہ میں ہر حکمت و نصیحت تعلیم کی گئی ہے اسکا بھی ذکر کر دیا ہے۔ ان قصوں پر جہاں کہیں مافوق العادۃ ہونے کا شبہ عاید کیا جاتا ہے وہاں مشکلانہ طور پر بحث کر کے دکھایا ہے کہ قرآن کے قصوں پر ہرگز حوٹ ہونے کا لگان نہیں ہو سکتا۔

قرآن میں شیطان اور جن کے الفاظ بہت آئے ہیں لیکن کہیں شیطان یا جن کی توفیق نہیں کی گئی ہے بعض صاحب شیطان اور جن کے وجود سے منکر ہو کر قرآن کو نہیں مانتے اور بعض حضرات قرآن کے ذریعہ سے دنیا بھر کے اوہام باطلہ کو جن کے مٹانے کے لیے قرآن نازل ہوا صحیح مانتے ہیں اس لیے معترضین کے جواب دینے اور گراہوں کی اصلاح کرنے کے لیے شیطان اور جن سے جہاں تک قرآن اور سائنس کو تعلق ہے میں نے بحث کی ہے اور کہاں تک میں کامیاب ہوا ہوں اسکا فیصلہ قارئین پر چھوڑا ہے۔

لیکن بطور خود مہین نے یہ اطمینان کر لیا ہے کہ قرآن پاک پر کسی قسم کا اتہام عاید نہیں ہو سکتا۔ وہ تمام عیب سے پاک ہے اور جو کچھ اس میں ہے صحیح اور درست ہے۔
 اسی باب میں قومی ترقی، دھنفت اسلام، مذہبی لفاق، دنیا خوش رہنے کی حکمت نہیں ہے، دیت انساب یحود، موت، لذت دنیا، دھنفت اور حرص، خلق الانسان ضعیفا، نطق اور دل و ماغ سے اسکا تعلق، ترک حیوانات، آب زمزم، و مہر کے مسلمان، و جہاز بھونک دعا توینہ و اسلام اور غلامی، و سود خاری، و دوسرے پرہ، و روح اور مسئلہ تاسخ، و تمجید و تکفین، و مختلف مباحث پر غور فرائی، و مسلمانان مہند کی حالت زار، کی سرخیوں سے مسائل اسلام کی توضیح کی گئی ہے۔ اور ان کے متعلق مباحث درج کیے گئے ہیں۔ سب کی تفصیل دیباچہ میں باعث طوالت ہے اصل کتاب سے معلوم ہو گا کہ ان میں کیا بیان ہے۔ سابق فصلوں کی تشریح جو اد پر کی گئی ہے وہ اس قدر اجمالی علم کے لیے کافی ہے کہ میں نے کیا روش اختیار کی ہے۔

بنی نوع انسانی ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ مذہب کا اختلاف ابتداء میں اختلاف آرا تھا لیکن پولیٹیکل ضرورتوں نے ایک کو دوسرے سے نفرت دلائی۔ اب زمانہ کی رہش جدا گانہ ہے۔ مذہب پولیٹیکل جھگڑوں سے پاک ہے۔ ہر ایک کو گورنمنٹ کی طرف سے اس بارہ میں آزادی ہو ذی عقل کا کام ہے کہ مذہب حق کی تلاش کرے۔ اسی خیال نے مجھے جرأت دلائی کہ یہ کتاب میں اپنے بھائیوں کے سامنے وہ یورپ میں ہون یا ایشیا میں ہوں۔ افریقہ میں ہوں یا امریکہ میں ہوں نہایت خلوص نیت سے

پیش کرتا ہوں۔ اسے خدا تو میری مدد کر اور اس کتاب کو مقبولی عام بنا۔

ابوالفضل محمد احسان اللہ

گورکھ پور۔ ۵۔ جولائی سنہ ۲۹

باب اول

ملکی اور اخلاقی معاملات

فصل اول

اصول جہان داری

اسلام نے وہ تمام باتیں سکھا دیں جنکا جاننا انسان کو بحیثیت انسان کے ضروری ہے۔ عربوں نے ایک بہت ہی چھوٹی حیثیت سے دفعتاً ترقی پائی۔ چڑچڑاہٹیں کسی تعلیم اور تربیت کے دنیا کے بہترین حصہ پر قابض ہو گئے۔ بیکارک عنوان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور پھر سب اور فیاض کی فیاضی نے انکو اس شکل اور غیر مانوس راستہ میں جو بصیرت عطا کی وہ بے انتہا حیرت افزا ہے اور عجائبات دنیا میں شمار کیے جانے کے لائق ہے۔ بلکہ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ مسلمانوں کی ابتدائی عرقیوں کے مقابلہ میں دنیا کے تمام عجائبات نظر انداز ہو جاتے ہیں۔

خالی کدو منہ بند کر کے قعر سمندر کے اندر رکھ دیا جائے۔ سیکڑوں فیٹ پانی کو وہ مثنون میں نہیں سکندرون میں ملے کر کے سطح آب پر آجائے گا۔ بس یہی کیفیت مسلمانوں کی تھی "الحق یعلو ولا یعلیٰ" زمانہ ہجرت تک پیغمبر خدا نے اپنی قوم کو آلائش جہالت سے پاک کرنے میں وہی کام کیا جو مثیلاً کدو کے اندر دنیوی حصہ کے صاف کرنے میں کرنا پڑتا ہے۔ پھر اس کے بعد تمام دنیا میں عرب اس سرعت سے پہنچے کہ اُسکی نظیر نہیں ملتی۔ کاغذ پر ایک قطرہ تیل کا

ڈال دیا جائے اور پھر ایک گھنٹہ کے بعد دیکھا جائے ایک مربع فٹ کا غنڈیل
 سے بھرا پڑا ہے۔ اس سے بھی زیادہ حیرت مسلمانوں کی ترقی سے ظاہر ہوتی ہے۔
 سنہ ہجری کے پہلے سال میں مسلمانوں کے پاس کوئی کنواں پانی پینے کو
 یا کوئی جگہ نماز پڑھنے کو بھی مدینہ میں نہ تھی۔ انتہا سے بیچارگی ملاحظہ فرمائیے۔ گویا
 مادری گیتی کے وہ فرزند ہی نہ تھے۔ اور پھر ۳۳ برس کے اندر انھیں بیچاروں کو
 دیکھیے تو جنوب میں یمن کا حصہ جنوبی۔ شمال میں بحر اسود مغرب میں افریقہ کا ساحل
 شمالی۔ مشرق میں حدود ہندوستان۔ اس وسعت میں بس ہی لوگ نظر آتے
 تھے۔ یونٹو چنگیز خان کے حملے۔ تیمور کے حملے۔ بونا پارٹ کے حملے۔ اور اُن کے
 پہلے اسکندر اور سبخت نصر کی چڑھائیاں بھی مشہور ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے
 ساتھ جو حیرت افزا امر ہے وہ یہ ہے کہ ۳۳ برس کے اندر وہ جہان تک پہنچ
 گئے وہاں کے باشندوں کو اپنا ہمدرد۔ اپنا خیال اور اپنا ہم مذہب بنا لیا۔
 کافروں سے بُت پرستی۔ عیسائیوں سے مسئلہ تثلیث۔ گبروں سے آتش پرستی
 ستارہ پرستوں سے ستارہ پرستی۔ وحشیوں سے رب۔ گی چھڑاوسی۔ رومیوں کی
 سلطنت بہت مستحکم اور بہت مذہب خیال کی جاتی ہے۔ اور ایک حد تک یہ خیال
 سچ بھی ہے۔ لیکن تاریخوں کے صفحہ اُلٹنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمین صدیاں
 صرف ہوئی تھیں۔ اور پھر بھی تمام جزئیات اور کلیات میں رومیوں کا قانون اسلامی
 قانون کا سا مکمل اور مذہب نہیں تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسا نام نہ تھا اور کیسے
 لوگ تھے۔ کیسا سچا خیال اور کتنا استقلال اُن لوگوں کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔
 آہائی مذہبوں کو ترک کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ لیکن معلوم نہیں کہ کیا منتر وہ

لوگ پڑھتے تھے کہ غیر قرین گو یا سحر ہو جاتی تھیں۔ منتر صرف یہ تھا کہ اپنے طرز عمل سے وہ لوگ دکھاتے تھے کہ مسلمان تمام امور میں دنیا کی بہترین قوم ہیں۔ مذہب گو اخروی خیال سے زیادہ تعلق رکھتا ہے لیکن عوام کے سمجھنے کے لیے آخر کوئی ذریعہ چاہیے۔ پس اس سے اچھا کیا ذریعہ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنی دنیوی حالت سے لوگوں پر ثابت کر دیا کہ جو قوم دنیا میں ایسی سچی۔ ایسی خلیق ایسی باقاعدہ ایسی سنکسر المزاج۔ ایسی بے طمع ہے اسکا حشر کیونکر بڑا ہو سکتا ہے اور جب اسکا حشر بڑا نہ ہوا تو اس کے ساتھیوں کا حشر کیونکر بڑا ہوگا۔

غرض کہ مسلمانوں نے جو کچھ کیا بنیں تینیں برس کے اندر کیا۔ اور اس کے بعد اسی کے اثر سے اب تک دنیا میں مسلمانوں کا نام چلا جاتا ہے۔ آج تیرہ سو برس گزر چکا ہے پر اور ہر طور سے مٹ مٹا کر اور گرا کر بھی مسلمان اچھے سے اچھا لازوال نمونہ دکھانے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اُس زمانہ کے دیگر حکمرانوں کے مقابلہ میں وہ مسلمان بدرجہا اچھے تھے ورنہ وہ حکمران کی حیثیت قائم کیونکر رکھتے۔ اتنا تو بے کسی حجت کے مانا جاتا ہے۔ مگر ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ اگلے مسلمان بہترین حکمران عالم ہوئے ہیں۔ اس وقت کی مذہب گورنمنٹوں سے انکا مقابلہ کیا جائے جب بھی وہ میزان عدل میں زاید نہیں تو برابر ضرورتیں گے۔

ہم اپنے دعویٰ کی تائید میں خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کو پیش کرتے ہیں یہی پیغمبر خدا کو صرف اصول جہانداری کی تعلیم کا موقع ملا۔ آنحضرتؐ کی خود مختار حکومت کا زمانہ سن برس سے بھی کم تھا اور وہ بھی زائد تر عرب کے چند حصوں پر محدود تھا۔ خلیفہ اول کا زمانہ حکومت قریب دو برس کے تھا اور وہ بھی زائد تر اندرونی اصلاح

اور استحکام سلطنت کی تدبیروں میں صرف ہوا۔ اس لیے خلیفہ اول کو یہ موقع نہیں ملا کہ پیغمبر خدا کے پڑھائے ہوئے سبق کے مطابق حکومت کر کے لوگوں کو عملی طور پر دکھا دین کہ اسلام نے بادشاہت اور حکومت کے متعلق کیا کیا برکتیں سکھائی ہیں۔ اول اول خلیفہ دوم کو یہ عزت حاصل ہوئی اور اس لیے جب فیصلہ کرنا ہو کہ اسلام نے امور سلطنت کے متعلق کیا بتایا ہے تو صرف خلیفہ دوم کے زمانہ حکومت کو سند ماننا چاہیے کہ اس وقت تک پیغمبر خدا کے پڑھائے ہوئے سبق انکی امت بھولی تھی یا بھولی بھی تھی تو بہت کم بھولی تھی۔ پیغمبر خدا نے اپنے وقت ہی میں یہ فیصلہ کر دیا تھا "خیر القرون قرنی شتم الذین یونسئم الذین یونسئم" یا ترجمہ میرا زمانہ بہترین زمانہ ہے اس کے بعد میرے زمانے کے دیکھنے والوں کا چہرہ لگے دیکھنے والوں کا۔

مسلمانوں میں ہر طرح کے بادشاہ ہوئے ہیں۔ فاسق۔ فاجر ظالم اور لوٹیر۔ یہ ضرور نہیں ہے کہ برابر مصدوموں کے ہاتھ میں عنان حکومت رہی ہو۔ لیکن ہم ضرور کہتے ہیں کہ دیگر قوم کے بڑے سے بڑے بادشاہ سے مسلمانوں کا بڑے سے بڑا بادشاہ نسبتاً اچھا رہا ہے۔ مسلمانوں کے پاس قواعد اور ضوابط تھے۔ قرآن ہر وقت حکم رہا۔ عالم۔ فاضل۔ فقیہ۔ قاضی۔ اچھے بڑے سبھی طرح کے لوگ تھے۔ بادشاہ بڑا سہی لیکن اس کے صلاح کار تو سب بڑے نہ تھے۔ یہ ایک بڑی بحث ہے تمام تاریخوں کے صفحے اٹھ جائیں۔ تمام قوموں کے حالات حکمرانی صحیح معلوم ہوں تو فیصلہ کرنے والا منصف مزاج ہو تو بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے۔ مگر جو لوگ بغیر سمجھے مسلمان بادشاہوں پر اعتراض کرتے ہیں اور اس طرح فتنہ اسلام کی برکتوں

پر اعتراض کرتے ہیں ان سے ہم کو صرف یہ کہنا ہے کہ تمام مسلمان بادشاہوں کے حمایتی نہ ہم ہیں اور نہ کوئی اور مسلمان ہو سکتا ہے۔ کسی مسلمان کا جثیت مسلمان ہونے کے یہ فرض نہیں ہے کہ تمام سلاطین عالم کی بھلائی بربائی کا تصفیہ کرنا پڑے یا اس مسئلہ پر خواہ مخواہ مباحثہ کرے۔ لیکن اگر مفسرین کا یہ منشاء ہے کہ اسلامی برکتوں پر جہان تک وہ اصول جہانگیری سے متعلق ہیں جرح کرین تو ہم کو جواب دینا فرض ہے۔ مگر وہ بھی کچھ بہت نہیں صرف اتنا کہنا کہ خلیفہ دوم کی سوانح عمری پڑھیے جس کے ذریعہ سے اصول جہانگیری کے متعلق اسلامی برکتوں کا اقل اول طور پر خلیفہ دوم کی سوانح عمری ہمارے کہنے سے کوئی کیوں پڑھنے لگا۔ اس لیے کچھ بطور نمونہ کے یہاں بیان بھی کر دینا چاہیے کہ دلچسپی مضمون شاید ناظرین کو خلیفہ دوم کے حالات پڑھنے کی طرف جس سے بہت سی اُردو کتابیں بھی پڑھی ہیں متوجہ کرے۔

خلیفہ دوم جب کسی ملک پر فوج بھیجتے تھے تو نہایت تاکید سے مفسد ذیل امور اہل فوج کو سمجھا دیتے تھے۔

(۱) عورت - لڑکا - بڑھایا ضعیف مارا نہ جائے۔

یہی اصول اب بھی مذہب قومن کا ہے۔ ابھی حال کا ذکر ہے کہ جنگ ٹرنسوال میں کروگرانی بی بی کو چھوڑ کر چلا گیا تھا اور سچا تھا کہ فٹش گورنمنٹ عورتوں اور بچوں سے مزاحم نہ ہوگی۔

(۲) ناک - کان نہ کاٹے جائیں۔

مذہب ملکوں میں یہ دشنام سننا صرف چند صدیوں سے ناپسند کی جاتی ہے

لیکن اسلام نے تیرہ سو برس پہلے اسکی ممانعت کر دی تھی۔ لیکن اسلام کے آغاز
(۳) عبادت کرنے والے گوشہ نشین قتل نہ کیے جائیں اور نہ انکے عبادتخانے
کو دے جائیں۔ اسپیہ سبب ہی حکومت نے اٹکا خدو کیا ہے۔ شرع شرع
اس تہذیب اور شاہنگی کے زمانہ میں بھی یورپ کی تمام مذہب قویں اسپر
سختی سے عامل نہیں ہیں۔ لیکن اسلام میں تیرہ سو برس سے یہ ممانعت چلی
آتی ہے۔

(۴) کوئی درخت پھلدار نہ کاٹا جائے۔ اور نہ کوئی گھیت جلا یا جائے۔

(۵) کوئی عمارت اور آبادی ویران نہ کی جائے۔

(۶) سواشی کی کوچین نہ کاٹی جائیں۔

سینو پیل ہائی لائین تو یہ ممانعت جا بجا ضرور ہوگی۔ لیکن فوجی ضرورتوں میں شاید
اب بھی اس بدنامی جرم کی ممانعت سختی سے کہیں نہ ہوگی۔ اسلام کی تہذیب بلا غلط
فرمائیے کہ جانوروں کے ساتھ بھی درشتا نہ برتاؤ کی ممانعت وہ شخص کرتا ہے جو چند
دلوں پہلے خود خوشی تھا۔ اسلام یہ تیری برکت ہے۔

(۷) کوئی کام بغیر صلاح و شورہ کے نہ ہو۔

خلیفہ دوم کوئی کام بغیر شورہ کے نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو ہرگز خود
مختار نہیں سمجھتے تھے انکی سوانح عمری پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ راستوں میں
گلیوں میں۔ مسجدوں میں ادنیٰ سے ادنیٰ شخص نے بھی ان پر کوئی اعتراض کیا
تو نہایت کشادہ پیشانی سے سُن لیتے تھے۔ اور قابل ماننے کے ہوا تو نہایت
شکرگزاری سے قبول کرتے تھے۔ احکام سلطنت جاری کرنے میں وہ مشورہ کرتے

تھے۔ تصفیہ مقدمات میں اور دن سے استقبواب راس کر لیتے تھے اور دوسروں کی ابھی رائیں نہایت احسانمندی سے قبول کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنی جانشینی کا معاملہ بھی آپ نے شورہ پر چھوڑا۔ لوگوں نے آپ سے کہا کہ بیٹے کو نامزد کر دیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ اُسکو دوسروں پر کیا ترجیح ہے۔

(۸) انصاف اور عدل کا پرتاؤ رہے۔ کسی پر جبر اور ظلم نہ ہونے پائے۔

یہ خالی غولی ہدایت نہ تھی۔ نہایت سختی سے اس پر عمل کرنے کی تاکید تھی اور خلیفہ دوم ہمیشہ بیان رہتے تھے کہ کہیں ظلم اور زیادتی تو نہیں ہوتی؟ مسلمانوں کی فوج کے ساتھ مارشل لا ضرور جاری رہتا تھا اور بے اس کے چارہ بھی نہ تھا۔ مگر دنیا کی تاریخین اٹھا کر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ دوم کی فوج میں جس خوبصورتی اور عدل کے ساتھ مارشل لا جاری رہتا تھا دنیا کی کسی فوج میں آج تک نہ جاری ہوا اور نہ آئندہ جاری ہونے کی امید ہے۔ پیغمبر خدا کے ساتھی فوج میں ہوتے تھے۔ اور بات بات پر حکم خدا اور حکم رسول یاد کرتے تھے۔ ایک بڑا ثبوت ہمارے بیان کا یہ ہے کہ خالد بن ولید ایسے جنرل کو جب کاشانی تاریخوں میں دوسرا دکھائی نہیں پڑتا حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے حضرت عبیدہ کو فوج کی سپہ سالاری عطا کی۔ لوگوں نے کہا کہ ایسے لاثانی امیر فوج کو آپ خدا کرتے ہیں۔ خلیفہ دوم نے کہا کہ یہ لوٹیر دن کا لشکر نہیں ہے۔ مسلمانوں کی فوج ہے جو متقین دیندارین کے لیے بھیجی گئی ہے۔ اسکی سپہ سالاری عبیدہ ایسے فرشتہ خصلت بوڑھے صحابی کو زیا ہے۔

(۹) غیر مذہب والوں سے جو عہد و پیمان کیا جائے وہ وفا کیا جائے۔

اس عہد و چہان کا بڑا لحاظ ہوتا تھا۔ خراج۔ جزیہ وغیرہ کے معاہدات میں بھی جس سے جو زبان دیدی جاتی تھی خلیفہ دوم اس میں ذرا بھی بدعہدی گوارا نہیں کرتے تھے۔ جزیہ یا خراج زمین میں بعض بعض مقامات پر غلطی سے بہت رعایت ہو گئی تھی مگر وہ پھر برقرار قائم رکھے گئے۔ غازی پور کے ضلع میں جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس حقہ میں استمراری سبب و سبب ہے وہاں کی مالگزار ہی اسی سالہ سبب والی زمین سے بدرجہا کم ہے۔ حکام انگریزی یہ تفاوت ہیجا صریح دیکھتے ہیں لیکن ٹوئکین صاحب نے جو سبب استمراری کرد یا برٹش گورنمنٹ نہایت کشادہ پیشانی سے اس پر قائم ہے۔ اور یہی مہذب گورنمنٹ کی نشانی ہے۔ ناظرین سمجھیں کہ اسی طرح پانہدی کے ساتھ مسلمان بھی اپنی بات پر قائم رہتے تھے۔

(۱۰) غیر مذہب والے اطاعت کریں تو انکی جان و مال مسلمانوں کی جان و مال کے برابر سمجھی جائیں۔ غیر فرعون سے انکی حفاظت کی جائے اور تمام معاملات میں یہ مثل مسلمانوں کے سمجھے جائیں۔

ایک مہذب گورنمنٹ سے اور کیا چاہیے۔ معاملات دنیا میں مومن اور غیر مومن کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ صرف غیر مذہب والوں سے جزیہ لیا جاتا تھا۔ لیکن جزیہ لینے کے صلہ میں جو احسان اُن پر ہوتا تھا وہ جزیہ سے بہت زائد ہوتا تھا۔ تمام مسلمان فوجی سپاہی تھے۔ غیر مذہب والے اس پابندی سے بری ہوئے اور صرف بری ہی نہ تھے بلکہ استحقاق کے تھے کہ بوقت ضرورت اپنی جان و مال کی حفاظت مسلمانوں سے کرائیں۔ مسلمان گلا گلائیں اور مفتوح تو ہیں

بیٹھی ہوئی تماشہ دیکھیں اور اسکے صلہ میں وہی جزیہ کی رقم ادا کریں۔ دینے
 والوں کے لیے تو خفیف رقم تھی اور لینے والوں پر کتنی سخت ذمہ داری تھی۔
 اسکے علاوہ مسلمانوں پر ایک اور ذمہ داری تھی جس سے غیر مذہب والے
 بری تھے یعنی متحمل مسلمان چالیس روپیہ میں ایک روپیہ سالانہ زکوٰۃ دیتے
 تھے۔ اور غیر مذہب والے اس سے ستانی تھے۔ خلاصہ یہ کہ پرانے زمانے کی
 کوئی مذہب گورنمنٹ اپنی مفتوح قوموں کے ساتھ مسلمانوں کا ساتھ دینا نہیں
 کرتی تھی۔ انصاف کی عینک لگا کر تاریخ کے صفحے اٹھ جائیں تو صاف معلوم
 ہوگا کہ اپنی خوبوں میں مسلمان سب سے الگ تھے۔ یہ غلط ہے کہ مسلمانوں
 نے بزدلی کا رونا بولنا شروع کیا۔ یہ محض انکا حسن اخلاق تھا جس نے مفتوحین
 کو انکا فرمانبردار بنا رکھا تھا۔ انگریزی شل ہے کہ زن خادمہ شوہر پر حکمرانی کرتی
 ہے۔ اگر مسلمان حکمران تھے تو اپنی خدمت کے صلہ میں اور معزز تھے تو صرف
 اس لیے کہ دوسروں کی خدمت کرتے تھے۔ "اشرف القوم خادمہم" (خادم قوم
 سردار قوم ہوتا ہے) کوئی شل ہے۔ زائد توضیح کے لیے "اسلام اور سیف"۔
 کلامیوں دیکھیے۔ بیان صرف یہ سمجھنا چاہیے کہ جو آرام اس وقت کی مفتوح قوم
 کو تھا وہ فاسخوں کو خواب میں بھی نصیب نہیں تھا۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کے غلاموں کو
 بھی وہ آرام تھا جو آقاؤں کو نہ تھا۔ دیکھیے غلاموں کی حالت ۷۷ غرض کہ دوسروں
 کو مجبور اور مطیع کرنے میں جو کچھ کیا اسلام کے حسن اخلاق نے کیا نہ کہ زور و تلوار نے۔
 این ہمہ سستی و مہوشی نہ جہاد و ہود بحر یفان ہر چہ کرد آن نگرستان کرد
 (۱۱) کوئی دفعہ نہ شروع کی جائے۔ بلکہ سمجھانے بجھانے کے بعد۔

اسکی پوری تصریح تو اسلام اور سیف "میں مذکور ہے۔ بیان صرف یہ بتانا کافی ہے کہ مسلمان جب چڑھائی کرتے تھے تو پہلے پیغام بھیجتے تھے۔ اور لڑائی شروع ہونے کے قبل بھی رفع حجت کرتے تھے۔ مسلمانوں کا حملہ وحشیانہ یا مجرمانہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ کھلا بھیجتے تھے کہ تم انظام کرنے کے قابل نہیں ہو مظلوم سے تمہارا ملک بھرا ہوا ہے۔ اب دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو ہمارے ہم خیال ہو کر ہماری طرح تم بھی بیہودی خلافت میں کوشش کرو تم اگر ایسا کرنے پر راضی ہو تو ہم تم کو اپنا بھائی بنانے پر راضی ہیں۔ اور اگر تم سے یہ بار نہیں اٹھتا تو آرام سے بیٹھو اور ہم کو خدمت قوم کرنے دو۔ اور اس قدر ہم تم کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم سچیلی صورت میں کسی طرح تمہاری حالت سے اچھی حالت دنیاوی زندگی کی اختیار نہ کریں گے۔ تمہارا عیش و آرام ہر حالت میں ہمارے عیش و آرام سے بڑھا ہوا رہے گا۔

اب یہ کوئی راز نہیں رہا کہ اس زمانہ کے بعض تعلیم یافتہ ہندو مسلمانوں سے ناخوش رہتے ہیں۔ مسلمانوں کی تمام گزشتہ خوبیاں بھلا کر صرف انکی بُرائیاں یاد کرتے ہیں۔ اور غلطی سے شخصی عیوب کو قومی عیوب سمجھتے ہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے بعض حملے اور انکے برتاؤ ہندوؤں کی عبادت گاہوں کے ساتھ جیسے ہوئے وہ ضرور نا پسندیدہ تھے۔ صرف اسیلے نہیں کہ ہندوؤں کے نزدیک وہ نا پسندیدہ تھے بلکہ اسیلے بھی کہ حضرت عمرؓ کی ہدایتیں جو اوپر بیان کی گئیں انکے خلاف تھے۔ ہندو اگر صرف ان افعال شکایتی کو برا سمجھتے تو بوجہ بجا غضب تو یہ ہے کہ ان افعال کی وجہ سے مسلمانوں کی قوم کی قوم کو برا سمجھنے

گئے۔ "مہند اور اہل اسلام" کے عقائد سے جو مضمون ہم نے لکھا ہے اس میں خود ہم نے اسلامی نظر سے اُن حملہ آوروں کی شکایت کی ہے۔ اور انہیں سے بعض حکمرانوں کے مسلم ہونے میں بھی شک کیا ہے۔ یہی خواہان قوم سے یہ درخواست ہے کہ تعلیم یافتہ ہندوؤں کو یہ دو مضامین پڑھ کر سنا دیں۔ اور اچھی طرح سمجھا دیں کہ کچھ قصوں کو یاد کر کے اپنے اور ہمارے دلوں کے دکھانے سے کیا حاصل ہے اور اگر اسپر بھی وہ سمجھیں اور محبت گزشتہ کے لطفوں کو بھلا کر صرف بے لطفیدن کا یاد رکھنا اور اس طرح تفرقہ کی بنیاد کو روز بروز مستحکم کرنا تعلیم و تربیت کا حاصل سمجھیں تو مجبوری ہے۔ ہمارا بھی خدا حافظ ہے ظالموں کو ہم آگے بھی نادمہ برا کئے کو تیار ہیں اور وہ نہیں مانتے تو ہمارا کیا بڑے گا۔ جس تعلیم نے سوا تعصب کے اور کچھ نہیں سکھایا اس تعلیم سے بے تعلیم بننا ہی اچھا تھا۔ ہمیں جاہل کہتے ہیں اور خود جہالت کرتے ہیں۔ بہر حال ہم تو خاظمی ہیں سننے لگا کون۔ لیکن یاد رہے کہ اس طرح تو تو میں میں سے قوم کی حالت کسی طور سے نہیں سدھرے گی۔ قومی ادبار کی یہ علامتیں ہیں کہ جو تعلیم تہہ ہندو ذرا ابھرے تھے وہ بھی ان لغویات میں آپھنسے۔ افسوس صد افسوس۔

خیر یہ تو ایک جملہ مترقہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے ان خطاات اور اس طرح اسلامی پالیسی کچھ اور سنئے اور اسلامی برکتوں کا اندازہ کیجئے۔

یہ لکھنا بیوقوف نہیں ہے کہ مسلمانوں کا بعض فرقہ حضرت عمرؓ کو بہترین صحابہ رسول نہیں بلکہ بدترین سمجھتا ہے۔ اس وقت حکو باہمی نزاعوں کا فیصلہ کرنا نہیں ہے اور نہ کبھی یہ لاطائل بحثیں مذہبی مضامین میں جگہ پانے کے لائق ہیں۔

ان خانہ جنگیوں اور شکر رنجیوں کو جو ایک طور پر گھر کا جھگڑا تھا تیرہ سو برس کے بعد میدان بیان میں لانا نہ مصلحت وقت ہوا نہ مناسب حال ہے اور نہ کوئی ضرورت لاحق ہے کہ خواہ مخواہ بھی یہ مباحث چھیڑے جائیں۔ اس وقت غیر قوموں کو اسلامی پالیٹکس کا نقشہ دکھانا ہے اور اس لیے اگر غیر قوم سے یہ کہا جائے کہ آنحضرتؐ کے ایک ادنیٰ شاگرد نے قوت پاکر یہاں تک اسلامی برکات پھیلانے میں تو ایک طور پر شاعرانہ خیال سے ہمارے مضمون میں اور بھی رونق آجائیگی اور جو کچھ ہم لکھیں گے وہ اور بھی با اثر ہوگا۔ جب اسلام کے دونوں فرقہ اس بارے میں ہمزبان ہونگے تو زاید خوش نما صورت بیان کے لیے پیدا ہوگی۔ اور اس کتاب کی اصلی غرض یعنی اشاعت اسلام میں مدد ملے گی۔

حضرت عمرؓ جب کوئی عامل (صوبہ دار یا گورنر) مقرر کرتے تھے تو اسکو مفصلہ ذیل ہدایتیں ضرور کرتے تھے اور ایام حج میں جب اطراف عالم کے مسلمان جمع ہوتے تھے تو تحقیقات کرتے تھے کہ عاملوں نے انکی ہدایتوں پر عدم توجہی تو نہیں کی۔ موسم حج میں مسافروں سے مل کر تمام بلاد اسلام کے حالات وہ اس طرح دریافت کر لیتے تھے جو دیگر حکمرانوں کو سالانہ دورہ سے بھی دریافت نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ صرف استفسار حال ہی نہیں کرتے تھے بلکہ رعایا کو آزادی سیکھاتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ عاملوں کی ناجائز خواہشیں پوری نہ کرنا۔ رشتہ کبھی نہیں۔ اپنے حقوق کو خوب پہچاننا۔ ایک خود مختار بادشاہ رعایا کو آزادی کا ستر دیتا ہے۔ اور اسلام کے مضبوط اصول پر پھر دسہ کر کے مطمئن ہے کہ حکومت میں کہیں سے ضعف نہ آئے گا۔ بلکہ اسکو اور استواری حاصل ہوگی۔ یہ حضرت

عمر رضی کے عہد سلطنت کی خصوصیات سے ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ عمل عجائبات دنیا سے ہے۔ اسلام کی کن کن باتوں پر غور کیا جائے۔ ہر ایک بجائے خود کارخانہ طلسم ہے۔ مذہب اسلام کے ساتھ خاص فضیلت عالمی نہیں تھا تو اور کیا تھا۔ اسی خصوصیت کی وجہ سے اسلام کو دینِ خدا یا مذہب ربانی کہتے ہیں۔

وہ ہایتین یہ ہیں۔

۱۔ چہ دار اور حاجب نہ رکھنا نہ کسی استغیث کو آنے سے روکنا۔

یہ حکم نہایت بیدار مغزی اور اصول جہانبانی پر مبنی ہے۔ اور اس مذہب زمانہ میں بھی جب اصول تمدن بہت کچھ بدل گیا ہے اس ہدایت کا ایک جزو عدالتی ضابطوں میں پایا جاتا ہے کہ در عدالت ہر وقت کھڑا رہتا ہے۔ اور قیادت گنجائش مقام عدالت میں لوگوں کا گھساروار کھا جاتا ہے۔ کوئی ممانعت نہیں کی جاتی ہے۔

۲۔ کوئی استغاثہ کرے تو اسکو سننا اور مدعی سے گواہ عادل اور شکر سے قسم لیکر مزاع کا فیصلہ کرنا۔

یہ ہدایت کارروائی عدالت اور طریقہ شہادت کے متعلق ہے۔ ان چند لفظوں میں جبکہ اصلاح قوم اور عدل گستری شامل ہے وہ خاص اسلام کا حصہ ہے۔ مزید واقفیت کے لیے وہ مضمون پڑھنا چاہیے جو شہادت کے ذیل میں مندرج ہے۔

۳۔ "مقدمات جلد فیصلہ کرنا ایسا نہ کہ کام میں تاخیر ہونے سے مدعی اپنا دعویٰ چھوڑ دے۔"

اس اصول پر عمل نہ ہونے سے عدالت میں حق رسی کے لیے جانا بار ہو جاتا ہے۔ جبکہ مقدمات اڑنے پڑتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ تعویق سے کیسی سون روح ہوتی ہے۔ آج کل کی مہذب گورنمنٹوں کی طرف سے بھی جلد فیصلہ کرنے کے لیے برابر حکام ماتحت کو تاکیدیں ہوتی ہیں۔ ممالک مغربی و شمالی کا تو ہمیں تجربہ ہے کہ عدالت ماتحت کے تمام حکام نالان رہتے ہیں کہ ہائیکورٹ انصاف کرنے نہیں دیتی۔ جلد فیصلہ چاہتی ہے تو اچھا کام کیونکر ہو۔ مگر ہمارے نزدیک یہ شکایت بجا ہے۔ اور ہائیکورٹ کی تاکید نہایت مستحسن ہے۔ حکام ماتحت اہل مقدمہ کی تکلیف کی پروا نہیں کرتے۔ اپنے خیالی انصاف پر مرتے ہیں۔ محنت نہ کریں گے تو عمر انصاف نہ کر سکیں گے۔ اور محنت کریں گے۔ آج کا کام کل پر نہ چھوڑیں گے تو کسی طرح دوران نہ بڑھے گا۔ اور نہ انصاف میں خلل واقع ہوگا۔

۴۔ تحریم حلال اور تحلیل حرام لازم نہ آتا ہو تو باہمی مصالحہ کو منظور کرنا۔

اسلام میں تمام نزاعیں اور اکثر جرائم قابل راضی نامہ ہیں۔ موقع موقع سے ہر ایک کا بیان کیا جائیگا۔

۵۔ تنہا صہیں پر سختی و رشتی اور غصہ نہ کرنا۔

۶۔ عصب قایم رکھنا مگر نہ اتنا کہ جبر کی حد تک پہنچے۔ اور اخلاق برتنا مگر نہ اتنا کہ بدعصبی پیدا ہو جائے۔ "میں خود داری کا خیال رکھنا۔

۷۔ ہمیشہ عدل کرنا اور حق بحق دار ہو نچانا۔

حضرت عمرؓ کے وقت میں جابجا یہودیوں۔ عیسائیوں۔ کافروں کے مقابلہ میں لڑائیاں چھڑ گئی تھیں اور ہر جگہ مارشل لا جاری تھا۔ لیکن اغراض عدالت کے

لیے مسلم اور غیر مسلم میں فرق نہیں کیا جاتا تھا اور بعد ازاں جب اس میں قائم ہو گیا
 اسلامی حکومت مستحکم ہو گئی ملک غیر آئین ملک آئین قرار پا گیا تب اس کہنے کی
 سبب ضرورت نہیں رہی کہ مسلم اور غیر مسلم میں کچھ فرق نہ کیا جائے۔ لوگوں کے
 خیال میں بھی نہیں آتا تھا کہ اس قسم کا فرق کیا چیز ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ سابق
 مسلمان جہاں پہنچے۔ وہاں کے باشندے مسلمانوں پر جان نذا کرنے لگے اور
 اپنے آبائی مذہب چھوڑ کر اخوت اسلامی میں شریک ہوتے گئے۔ ہندوستان کے
 مسلمان اس وقت نہ تھے کہ یا تو تالیف قلوب پر جھکے تو خود الکبریٰ کی طرح ہندو
 بن بیٹھے اور پھر تلافی مافات کی فکر ہوئی تو اورنگ زیب کی صورت میں اگر
 اطاعت شعار ہندوؤں کی پرستش گاہوں کو سمار کرنا چاہا۔ دل کی تسخیر
 نہ ہو سکی تو سنگ و خشت کی تسخیر پر کمر باندھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے وقت میں
 اسلام کو ایک ڈراوٹی صورت کی چیز بنا کر سامنے کھڑا کر دیا۔ اور اپنے مابعد
 زمانہ کے لیے دوزبردست محسایوں میں کھٹ پٹ کر دینے کے اسباب
 ہمیشہ کے لیے متیا کر دیے۔ عالمگیر کی مجبور یاں آئندہ بیان کیجا میں گی۔
 یہاں تک تو ہم نے شخصی ذکر کیا۔ اب آگے وہ اصول لکھتے ہیں جن پر
 تمام مسلمان بادشاہوں کو مذہباً پابند رہنا چاہیے اور خلفائے اربعہ کے
 وقت میں جن پر پابندی نہایت درجہ کو کی گئی تھی۔

”مسلمانوں کی بادشاہت شخصی نہ تھی جمہوری تھی۔“ اصطلاح شرع میں اسے
 اجماع کہتے ہیں۔ پیغمبر نے اپنے ^{مجال} مرحلہ کے وقت یا اس سے قبل کسی کو
 اپنا ولیعہد نہیں مقرر کیا تھا۔ حضرت علیؑ کی نسبت انھوں نے وقتاً فوقتاً

خلافت

اپنی رائین ظاہر کیں جیسا کہ شیعہ مذہب کے مسلمان سمجھتے ہیں مگر اس میں شبہ نہیں ہے کہ علانیہ طور پر آنحضرتؐ نے انکو ولیعہد مقرر نہیں کیا۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ نے شخصی سلطنت ناپسند کی اور سلطنت میں تورث بھی قائم نہیں رکھی۔ بعد انتقال آنحضرتؐ کے جماعت نے (وہ جماعت ملکی ہو یا بھاری) حضرت ابوبکر کو منتخب کیا۔ انتخاب گو سرسری تھا۔ اور مقتضایہ وقت بھی وہی تھا۔ لیکن بعد کو سب نے اسے پسند کیا۔ حضرت ابوبکر صاحب اولاد تھے۔ لیکن انھوں نے حضرت عمرؓ ایک غیر شخص کے خلیفہ ثانی ہونے کی نسبت اپنی رائے ظاہر کی اور تمام لوگوں نے اسے پسند کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے لایق بیٹوں کے ہوتے ہوئے ایک مجلس شوریٰ منعقد کی۔ اور کہا کہ یہی مجلس خلیفہ نامزد کرے گی۔ اپنے بیٹے کو اس مجلس میں بھی حضرت عمرؓ نے شریک ہونے نہیں دیا۔ بعض خوشامدیوں نے حضرت عمرؓ کو بیٹے کا خیال دلایا۔ آپ نے فرمایا بیٹے کا کوئی حق مرجع نہیں ہے۔ مجلس شوریٰ نے حضرت عثمانؓ کو منتخب کیا۔ حضرت عثمانؓ نے جیسے ہی اپنی اولاد کو نامزد نہیں کیا۔ اور نہ انکو بھی ایسا خیال تھا۔ حضرت عثمانؓ کے بعد لوگوں نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنایا۔ حضرت علیؓ کے بعد اتفاق سے انکے بیٹے امام حسن خلیفہ ہوئے۔ مگر لوگوں کے انتخاب سے نہ خود حضرت علیؓ نے انکو نامزد کرنے سے صریح الفاظ میں انکار کیا تھا۔ ان حالات کے بعد واضح ہے کہ اسلام نے شخصی سلطنت ناپسند کی ہے۔ اسکے خلاف اگر عمل درآمد ہوا تو اسے اسلامی علمدآمد نہ سمجھنا چاہیے۔ امیر معاویہ نے پہلے پہل اپنے بیٹے زید کو

و مبعودہ مقرر کیا تو کبار اسلام اسکو بدعت سمجھے اور کہنے لگے کہ شاہان عجم کی تقلید ہے۔ اور عکدرامہ صحابہ کرام کے برخلاف ہے۔

۲۔ بادشاہ خود مختار نہ ہوتا تھا۔ بلکہ وہ احکام شریعت کا پابند ہوتا تھا۔ اس عبارت کے دو مطلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب وہ اصول انتخاب سے مقرر ہوتا تھا۔ تو عوام کو اپنا مقرر کرنے والا سمجھا کرتے دیتا تھا۔ اور دوسرے یہ کہ قانون بنانا اسکا کام نہ تھا۔ قانون بن چکا تھا اسی قانون کو کسی قدر ضروری ترمیم کے ساتھ کہ اصول میں فرق نہ آئے وہ برتا تھا۔ یہ اصول رومن لاکے اصول سے بالکل جدا ہے۔ اس لایین بادشاہ کا کام ہے قانون بنانا حتی کہ قانون کی یہ تعریف ہے کہ بادشاہ کا ہر حکم جو بواسطہ بلا واسطہ صادر ہو قانون ہے لیکن اسلام میں قانون سے مراد ہے اللہ اور اللہ کے رسول کی قایم کی ہوئی شریعت۔ اور بادشاہ کا کام ہے کہ رسول کی نیابت سے اسکا نفاذ کرے۔

۳۔ رعایا اپنے حقوق میں نہایت آزاد تھے۔ اسوقت تمام مہذب ملکوں میں رعایا کی آزادی بڑھی ہوئی ہے۔ مگر اگلے مسلمانوں میں جو آزادی تھی وہ اس سے کہیں بڑھی چڑھی ہوئی تھی۔ اور انکی تمام کامیابیاں اسی آزادی کی بدولت تھیں۔ قرآن میں حکم ہے "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اٰلہٖ الامر منکم" ترجمہ "اللہ رسول اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرو۔ اگلے مسلمان قرآن پر عمل کرتے تھے۔ جو حدیث انکے نزدیک صحیح معلوم ہوتی تھی۔ اسکو سنتے تھے۔ جائز امور میں حاکموں کی اطاعت کرتے تھے۔ اور نہایت بفکری اور آزادی سے بسر کرتے تھے۔

آزادی رعایا کی ایک نقل قابل سننے کے ہے۔ حضرت عمرؓ شرارت کو
گشت کرتے ہوئے ایک مکان کے قریب پہنچے۔ گانے کی آواز کا نوں
مین آئی۔ سمجھے کوئی مجرم ہے اور اندر چلے گئے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ایک عورت
جام شراب سامنے رکھے ہوئے بیٹھی ہے۔ جرم شراب خوری مین آنحضرتؐ
نے اسے پکڑنا چاہا۔ اسنے کہا کہ اگر مین نے ایک جرم کیا تو آپ نے تین جرم کیے
ہیں۔ خدا کہتا ہے ”لا تجسسوا“ ترجمہ ”تجسس کرتے ہوئے نہ پھرو“۔
تم تجسس کرتے ہو۔ خدا کہتا ہے۔ ”لیس البران تا تو البیوت
من غوراً“ ”عقب مکان کی راہ سے کمین جانا نہ چاہیے“۔ تم نے دروازہ
میں پایا تو پشت مکان سے گھس آئے۔ پھر خدا کہتا ہے۔ ”لا تدخلوا بیوتاً
غیرہنّکم“ ”اپنے گھر کے سوا دوسرے کے گھر نہ جاؤ“۔ اور تم بغیر میری اجازت
کے میرے گھر میں چلے آئے۔ حضرت عمرؓ نادم ہوئے اور چپکے چلے آئے۔
۴۔ مجلس شوریٰ سے استصواب کر لینا چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے اس پر
بہت سختی سے عمل کیا تھا۔ اور اسی لیے اکاثرانہ بہت اچھا سمجھا جاتا ہے۔
قرآن مین لکھا حکم ہے۔ ”شاور ہم فی الامر فتوکل علی اللہ“ ”ترجمہ کوئی
کام کرنا ہو تو مشورہ کر لو اور جب قصد ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو“۔
۵۔ ملک کی آمدنی سے بادشاہ کو بقدر ضرورت لینا چاہیے۔ خلفاء
اربعة اس پر بہت سختی سے پابند رہے۔ حضرت عثمانؓ گھر کے مالدار تھے انھوں
نے شاید کچھ لیا ہی نہیں۔ آج کل مہذب ملکوں مین بھی پریسیڈنٹ یا بادشاہ
کے خرچ کی ایک تعداد مقرر رہتی ہے۔ بعض دیگر شاہان اسلام بھی اسکے پیرو

تھے۔ اور بعض تمام خزانہ کو اپنے اوپر وقف سمجھتے تھے۔ اچھے بُرے سب میں ہوتے ہیں۔ سند کے وقت اچھون کا ذکر کرنا چاہیے نہ کہ بدون کا۔

۶۔ وقت لشکر کشی کے مسلمان نہایت مراعات اور حسن سلوک مد نظر رکھتے تھے۔ آج کل اخباروں میں حالات چین کے چھپ رہے ہیں وہاں تمام مذہب سلطنتوں کی فوجیں پہنچ گئی ہیں۔ لیکن وہاں کے باشندوں کے ساتھ جو رعایت انگریز کرتے ہیں وہ روس اور جاپان باوجود حق ہمساگی کے نہیں کرتے اور کیا عجب ہے کہ اسی حسن سلوک کی بدولت انگریزوں کا اثر وہاں سب سے زائد ہو۔ انگریزوں کا ملک کیا ہو؟ ایک چھوٹا سا جزیرہ ہوتا ہے ان کے مقبوضات جو کچھ ہیں۔ غیر غیر ملکوں میں ہیں۔ لیکن ان کے حسن سلوک کا یہ نتیجہ ہے کہ یہ روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔ یہی کیفیت کبھی مسلمانوں کی تھی کہ عرب سے نکلتے ہی انھوں نے تمام دنیا سخر کر لی۔ محض تلوار سے نہیں بلکہ زائد تر اپنے حسن قانون سے اور اپنے اچھے برتاؤ سے۔

فصل دوم

ہند اور اہل اسلام

ہند کے مسلمان اچھے تھے یا بُرے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اپنے زمانہ حکومت میں وہ مذہب اسلام بخوبی رائج نہ کر سکے۔ اس مقام پر ہم صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہندوستان کا ملکی مذہب اسلام کیوں نہوا۔ اور اس لیے سب کے پہلے یہ لکھنا چاہیے کہ اسلام اپنی پوری روشنی میں کب تھا ملکی فتوحات کے اعتبار سے تو وہ اب بھی جا بجا موجود ہے اور فرسداد

شخصی کے لحاظ سے اس گئی گذری حالت پر بھی دنیا مسلمانوں سے خالی نہیں ہے۔ لیکن ہم سچے اسلام سے وہ ذوق اور شوق مراد لیتے ہیں جو رسول اللہ نے اپنے کلام اور فیض صحبت سے لوگوں کے دلوں میں ایک خاص طور پر پیدا کر دیا تھا۔ ہر شخص اس وقت دنیا کو محض نبی اغراض کے لیے کام میں لاتا تھا۔ مذہبی اغراض کے مقابل میں دنیاوی اغراض کو بیچ جاتا تھا۔ تمام مسلمان ایک دل ایک فریق ایک گروہ سمجھے جاتے تھے۔ گھنٹہ بھر پہلے جو مسلمانوں کے نزدیک کشتنی تھا وہ قرآن پر ایمان لانے کے ساتھ ہی بھائی ہو جاتا تھا۔ بھائیوں میں تو جھگڑے ٹٹنے بھی ہوتے ہیں اس لیے یوں کہیے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کا جزو بدن ہو جاتا تھا۔

چو عضوے بدر آورد روزگار دیگر عضو ہارا نماز قرار

ایک روئین کے ٹوٹنے سے سارے بدن میں درد ہوتا ہے اور جسم میں کسی ایک مقام کے سہلانے سے تمام جسم کو آرام ملتا ہے۔ جس ہی کیفیت ابتدائیں مسلمانوں کی تھی۔ کہ ایک مسلمان کی خوشی کا اثر تمام مسلمانوں پر پڑتا تھا۔ اور ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کی ناخوشی سے تمام قوم متاثر ہو جاتی تھی۔ جب تک مسلمانوں کی یہ حالت تھی ہم کہتے ہیں کہ اسی وقت تک دنیا میں سچا اسلام تھا۔ یعنی اس وقت تک اکثر مسلمان اس سبق کو ذرا بھی بھولے نہ تھے جو رسول عربی نے پڑھایا تھا۔ اسکے بعد قوم اس اعلیٰ صفت سے مستفید نہ رہی جس پر مسلمانوں کو نماز تھا۔ اور نماز جو جس طرح ہر قوم میں اچھے اور بُرے ہوتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں میں بھی

ہر قسم کے لوگ ہوئے اور ہوتے ہیں اور آئندہ ہوتے رہیں گے۔ لیکن
مجھ بھی جب تک قرآن و مسلمانوں کا دستور العمل رہا اپنے قانون کے اعتبار
سے یخیر الامم سمجھے گئے۔

مفصلہ بالا تقریر سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام کے اچھے دنوں کو ہم دیکھ سکتے ہیں۔ ایک وہ زمانہ جب سچے اسلام کا وجود دنیا میں تھا۔ اور دوسرا وہ زمانہ کہ طبیعتوں میں گونا گونا گویا اور دلوں میں بُرائیاں پیدا ہو گئیں۔ لیکن قرآن کو دستور العمل اور پولیٹیکل قانون جیسا عام طور پر سچا اسلام سمجھا جاتا تھا۔ پہلا زمانہ افسوس ہے کہ بہت تھوڑے دنوں تک قائم رہا اور دوسرا زمانہ اُس وقت تک تھا جو عام طور پر مسلمانوں کی ملکی ترقی کا زمانہ سمجھا جاتا تھا۔ اسلام کا پہلا زمانہ تین تین سو برس قائم رہا۔ سنہ ہجری سے دس گیارہ سال یعنی حیات رسولؐ تک اور اُس کے بعد کوئی ۲۳ سال کے قریب خلفاء راشدین کا وقت یعنی حضرت عثمانؓ، خلیفہ ثالث کے اخیر زمانہ کی بد نظمیوں کے پہلے پہلے۔ تین سو برس کا زمانہ ایسا تھا کہ ہبوطِ آدم سے اب تک ہوا اور نہ مسلمانوں کے عقیدہ کے موافق آئندہ ہونے کی امید ہے۔ ۳۳ برس کے بعد کوئی بُرا مانے یا بھلا۔ پیغمبر خدا کے سب سے اشرع صحابہ فراموش کر چلے گئے۔ جب تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ اُن ابتدائی ۳۳ سالوں کے مقابلہ میں نہایت ہی بُرا اور بُرا آشوب سمجھا گیا تو بعد کے وقتوں کا کیا تذکرہ۔ مسئلہ ہجری کے بعد جو اُترائیاں مسلمانوں نے لیکن انہیں مورخوں کے نزدیک خود غرضیدوں کو زیادہ تعلق تھا۔ مسلمان مسلمان سے لڑے جنہیں سے

ایک فرق کو بر خطا مانا پڑتا ہے۔ چند لڑائیوں کو باہمی غلط فہمیوں کے حوالے کرتے ہیں۔ لیکن بچہ آگے چل کر مورخوں کو صاف صاف کہنا پڑتا ہے کہ دنیا کے مقابلہ میں دین کا خیال رکھنا بشری طاقت سے باہر ہے۔ رسول اللہ کا زمانہ ایک عجیب قدرت کا زمانہ تھا۔ خدا کو دیکھنا تھا کہ انسان سے بھی فرشتوں کے کام لیئے جاسکتے ہیں۔

تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ ہجری کے بعد مسلمانوں کے اخلاق میں کمی پیدا ہوئی یعنی عام مسلمان قابل ستائش نہ رہے بلکہ یہ ڈھونڈھنا پڑا کہ کون حق پر قائم ہے اور کون جادہ اعتدال سے گرا ہوا ہے۔ تاریخ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سلسلہ ہجری تک جہاں جہاں مسلمان پہنچ سکے وہاں آج بجز اسلام کے اور کوئی دوسرا ملکی مذہب نظر نہیں آتا۔ اب ان دونوں باتوں کو پیش نظر رکھنے کے بعد کچھ شبہ نہیں رہتا کہ ۳۳ برس کے قبل جو وصف مسلمانوں میں تھا وہ بعد ازاں باقی نہیں رہا یعنی جو وصف قوم میں پہلے تھا وہ بعض افراد قوم کے ساتھ مختص ہو گیا۔

ملکی اور مذہبی پیشوائی سلسلہ ہجری تک ایک شخص میں تسلیم کی جاتی تھی۔ پہلے رسول اللہ دو جہان کے پیشوا سمجھے جاتے تھے۔ اسکے بعد ام خلافت میں کچھ تھوڑے سے اختلاف کے بعد عام مسلمانوں نے یہ تسلیم کیا کہ خلیفہ اول کا فعل چونکہ سنت نبوی کے خلاف نہیں ہے اس لیے وہ دینی اور دنیاوی امور میں پیشوا ہیں۔ یہی خیال لوگوں کا خلیفہ ثانی کی نسبت بھی تھا خلیفہ دوم کو اخیر تک اور اُن کے بعد خلیفہ سوم کو جب تک مروان کی مداخلت سے

بے لطفیان نہیں پیدا ہوئیں لوگ ایسا ہی سمجھتے رہے۔ اسکے بعد جو فتنے برپا ہوئے وہ تاریخوں میں بیان کیے گئے ہیں۔ یہاں انکے لکھنے کا موقع نہیں ہے۔ اب مسلمانوں کے دو فرقے ہوئے۔ ایک وہ جس نے دنیاوی امور کو دینی معاملات سے الگ کر کے عزت گزینی اختیار کی اور دوسرے فرقہ نے دین اور دنیا کو اُسی طرح ساتھ رکھنا چاہا جس طرح وہ اب تک دیکھتا آیا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ رسول اللہ کے پڑھائے ہوئے سبق کو بھول چلا تھا۔ اس دوسرے فرقہ میں کچھ لوگ تو سچے دل سے دین اور دنیا کا ساتھ چاہتے تھے۔ اور کچھ لوگ ایسے تھے کہ فی الواقع وہ اس خیال کے نہ تھے محض دنیاوی طمع سے وہ خود کو ایسا ظاہر کرنا ترغیبوں کا سبب سمجھتے تھے۔ پچھلے گروہ کی ان دو ضمنی تقسیموں نے غضب ڈھایا۔ ظاہر میں دونوں کی غرضیں ایک اور دونوں میں زمین آسمان کا فرق۔ اس پولیٹیکل گروہ کے اختلاف سے مسلمانوں میں ایسی خونریزیاں ہوئیں کہ سننے والوں کو حیرت ہوتی ہے کہ دفعتاً مسلمانوں کی کایا بلیٹ کیوں ہو گئی۔ تھوڑے دنوں کے بعد گروہ ثانی کا فرقہ اول بالکل معدوم ہو گیا۔ صرف فرقہ ثانی رہ گیا جسکی غرض دنیا کے لیے دین کا بیچنا اور دین کو بیوجہ بدنام کر کے اُسکے ذریعہ سے دنیا حاصل کرنا مقصود رہا۔ تلوار۔ خزانہ اور حکومت سب انکے ہاتھ میں تھی۔ گروہ اول جس نے دنیا کو لات ماری تھی نان شبینہ کا محتاج تھا اور بالکل انکے بس میں تھا۔ اس پولیٹیکل گروہ کے لوگوں میں جتنا نوا ایمان تھا اتنی ہی روشنی یہ بلاد مفتوحہ میں پھیلا سکتے تھے۔

زیادہ کمان سے لاتے۔

مختصر یہ ہے کہ پہلی صدی کے اندر ہی اندر صوفیوں۔ عالموں۔ قاضیوں۔ محدثوں اور فقہوں کا گروہ الگ ہو گیا۔ اور ظالموں۔ لوٹیروں اور لاندہوں کا گروہ جدا قائم ہوا۔ فرمان رواؤں کی جماعت اسی پچھلے گروہ سے پوری کی جاتی ہے۔ اس میں بعض بعض وقت اعلیٰ درجہ کے لوگ بھی تھے مثلاً عمر بن عبد العزیز دمشق میں۔ ناصر الدین محمود ہندوستان میں۔ لیکن الشاذ کالمعروم۔

اب ہم یہ دکھاتے ہیں کہ ہندوستان میں اسلام کب آیا۔ افغانستان تک اسلام مسئلہ ہجری کے اندر آچکا تھا۔ دیکھ لیجیے کہ وہاں کا ملکی مذہب اسلام ہے۔ ہندوستان کی حالت سنئے کہ خلیفہ دوم عمر کے وقت میں کچھ مسلمان جہاز کے ذریعہ سے سندھ میں آئے اور چلے گئے۔ ان کے آنے کی وجہ ظاہر نہیں ہوئی۔ کچھ لوگ اسکے بعد تحقیق حالات کے لیے آئے اور دیکھ بھال کر واپس گئے۔ مستقل طور پر اس ملک کو بلاد اسلام میں شامل کرنے کے لیے پہلی صدی کے اخیر میں محمد قاسم آیا۔ یہ وقت ولید ابن عبد الملک خلیفہ دمشق کا تھا۔ مسلمانوں میں مسئلہ ہجری کے بعد جرنفاق کی آگ بھڑکی تھی۔ وہ اب ایک طور پر بجھ گئی تھی۔ خیر سلاطین عجم کی سی کیفیت پادشاہوں میں آچلی تھی۔ ملکی فتوحات کا شوق پھر انہیں تازہ ہو چلا تھا۔ محمد قاسم کا ہندوستان میں آنا اشاعت اسلام کی غرض سے نہ تھا یا ان کیسے کہ اشاعت اسلام اس کا مقصد نہیں تھا۔ اصلی غرض توسیع سلطنت تھی

اب تک مسلمانوں میں سنت نبوی کی کچھ بوباس باقی تھی۔ اُسکا اُنکس غریز
 سے ہو لیکن لڑائی کی ابتدا اس نے مذہبی طریقہ سے کی۔ یعنی راجہ داہیر
 والی پنجاب کے پاس اُس نے کہلا بھیجا کہ تم مسلمان ہو جاؤ یعنی قرآن کو اپنے
 ملک کا قانون قرار دو کہ زندگان خدا کی اس میں بھلائی ہے۔ اور اگر تم اسے
 منظور نہ کرو تو تم ہمارے مطیع ہو کر کوئی خفیف رقم خرچ فوج کے لیے جزیہ کے
 نام سے دیا کرو تا کہ مسلمان تمہارے ملک کی لگائی کریں (یہ ایسا ہی تھا
 حبشہ کہ برٹش گورنمنٹ کی طرف سے ریزیڈنٹ حیدر آباد نظام کی بہت
 کانگراں رہتا ہے) اور اگر تم ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی نہ مانو
 تو تلوار کو حکم قرار دو۔ راجہ داہیر نے نہ مانا۔ لڑائی کی نوبت پہنچی۔ اور فتح
 غالب رہا۔ بہت سے ہندو مسلمان ہوئے۔ مسلمانوں کی حکومت ہند میں
 قائم ہوئی۔ مسلمانوں کے طرز تمدن اور حسن اخلاق پر ہندو اپنے خیالات
 قائم کرنے لگے۔ ابھی پورے طور پر محمد قاسم کی رنگت جمنے نہ پائی تھی کہ ولید
 ابن عبد الملک کی طرف سے الساجا ملانہ اور ظالمانہ فعل سرزد ہوا کہ تمام ہندو
 کو اچھٹا ہو گیا اور جو عمدہ خیالات مسلمانوں کی طرف سے اُنکے دلوں میں
 قائم ہوئے تھے وہ نفرت سے تبدیل ہو گئے۔ تشریح اس اجمال کی یہ ہے
 کہ راجہ کی دو لڑکیاں خلیفہ کے حرم بنانے کے لیے دمشق بھیجی گئی تھیں۔
 لڑکیوں نے اپنے باپ کے خون کا عوض یون لیا کہ محمد قاسم کا اپنی طرف
 ملقت ہونا خلیفہ سے بیان کیا۔ خلیفہ نے یہ حکم بھیجا کہ محمد قاسم جی کھال سے
 منڈھا جائے اور دمشق بھیجا جائے۔ خلیفہ کے حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور

ایک بار شہید

محمد قاسم کا جنازہ و شوق چلا۔ زیادہ تر تعجب تو یہ ہے کہ دشتق سے ہندوستان تک اعلیٰ سے اعلیٰ گورنر موجود تھے۔ کسی نے اس حکم کی ترسیم کی جرأت نہ کی۔ محمد قاسم بچاؤ ایک ادنیٰ عہدہ دار کیا کرتا۔ اور اُس پر سے عربی نسل ہونے کی وجہ سے یہ بات اُس کے رگ و پے میں سمائی ہوئی تھی کہ حاکم وقت کے حکم میں عذر کرنا شانِ جلالِ مہم دی کے خلاف ہے۔ محمد قاسم نے جو کچھ اسلام کی خوبیاں ہندو کے دل و زمین بٹھائی تھیں ان سب کو وہ اپنے جنازہ کے ساتھ ہندوستان سے لیتا گیا۔ ہندو سمجھے کہ جب مسلمانوں کے یہی اخلاق ہیں تو انہیں کیا خوبی ہے۔

ولید ابن عبدالملک کے زمانہ میں بہت سے فتوحات ہوئے۔ لاہور سے لیکر نصفِ فرانس تک اُسکی حکومت تھی۔ اور حکومت کی نوعیت محمد قاسم کے واقعہ سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ کس درجہ استحکام کے ساتھ تھی۔ مذہبی خیال کے مسلمان ممکن ہے کہ خوش ہوں۔ لیکن ان فتوحات پر فخر و ناز کرنے میں ضرورتاً تامل کریں گے۔ مسلمانوں کو جو کچھ ناز ہے وہ احکامِ قرآنی کی خوبیوں پر اور پیغمبرِ خدا کے اخلاقِ حسہ پر ہے۔

اسپین بھی ولید کے وقت میں فتح ہوا۔ اور جتنے دنوں تک ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت رہی قریب قریب اتنی ہی مدت تک اسپین میں بھی مسلمان رہے۔ اور مسلمان ایسے کہ وہ آج کل کے تمام کلمے بڑھے مسلمانوں کے مابہ ناز اور یورپ کی مذہب قوموں کے استاد تھے۔ لیکن جب عیسائیوں نے زور پکڑا تو اسپین سے مسلمان اس طرح نکالے گئے جس طرح دودھ ۱

سے کبھی یا اچھے نفلوں میں جسم سے روح۔ اسکا سبب کیا تھا؟ سبب بھی تھا کہ خلیفہ نے امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے نہیں۔ بلکہ سلطان عرب ہونے کی حیثیت سے ملک حاصل کیا تھا۔ مسلمانوں کا دوسرا گروہ جو محض دینی امور سے تعلق رکھتا تھا گرتا پڑتا وہاں پہونچا۔ اس کے سبب سے کچھ روشنی اسلام کی بھی پھیلی۔ کچھ لوگ مسلمان ہوئے۔ مسلمانوں کی نسل بڑھی۔ کچھ لوگ دنیاوی رسوخ کے لحاظ سے بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ لیکن ملک پر اپنے اخلاق کا عام اثر مسلمانوں نے ایسا نہ ڈالا کہ تمام ملک اسلام کی طرف راغب ہوتا۔ اور تمام ملک میں ایک ہی مذہب اسلام پھیل جاتا۔ جس طرح ہندوستان کے فتح ہوتے ہی ہندوؤں کے معبود کاٹنے کے لیے محمد قاسم کا جنازہ روانہ ہوا۔ اسی طرح اسپین میں بھی ایک اقعہ پیش آیا۔ طارق (فتح اسپین) نے اپنی خوشی سے حملہ کر کے اسپین فتح کیا۔ سوسے گورنر افریقہ نے طارق کو عدول حکمی کے جرم میں قید کیا۔ کیا اچھا انعام ملا۔ اسکا سبب کیا تھا؟۔ سبق کہ گورنر افریقہ کو رشک آیا۔ وہ ڈرا کہ کہیں خلیفہ کی طرف سے افریقہ کی گورنری طارق کو نہ مل جائے۔ بڑوں کا اثر چھوٹوں پر ضرور ہوتا ہے۔ جب بڑے بڑے لوگوں کے یہ خیالات تھے تو چھوٹے چھوٹے حکام بھی اسی رنگ کے ہونگے۔ ”دین الملوک ملک الادیان“ یہی سبب تھا کہ ان بادشاہوں کی بدولت اسلام کو رونق نہیں ہوئی۔ کچھ رونق اُن نفوس پاک (علمائے مذہب) سے ضرور ہوئی جو ان بادشاہوں کی حمایت میں اپنا مذہب و عظمت سنا تے

حررت باہ گیا

تھے۔ لیکن تمام ملک کے ایک مذہب ہونے کے لیے حاکم وقت کا مذہبی اثر جو ایک ضروری امر تھا ان مفتوحہ ممالک میں غیر سے کبھی نہیں پڑا۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا گیا۔ ایسے لوگ یا تو علم تاریخ سے جاہل ہیں۔ یا تعصب نے انکھوں پر پٹی باندھ دی ہے۔ اسلام ہرگز بزورِ شمشیر نہیں پھیلا۔ ہاں مسلمان بادشاہوں نے ملک الہندہ بزورِ شمشیر حاصل کیے۔ جن ممالک کو ایسے بادشاہوں نے فتح کیا۔ جنگی غرض صرف حکومت اور نام آوری تھی۔ وہاں اس وقت اسلام کی رنگت نہیں ہے۔ یا ہے تو بہت ہی پھینکی ہے۔ نو سو برس تک انڈس میں مسلمان تھے۔ اور آج وہاں ہزار میں ۹۹۹ شخص ایسے ہونگے جنہوں نے "اللہ اکبر" کی صدا کبھی نہ سنی ہوگی۔ اور "اللہ اکبر" کہنے والا تو ایک بھی نہ ہوگا۔ انگلستان اور فرانس میں تو اب مسجدیں بھی ہیں۔ اسپین میں ایک مسجد کا بھی پتہ نہیں ہے۔

اب ہندوستان کے حملہ آوروں کا کچھ حال سنئے۔ محمود غزنوی ہندوستان سے تعلق رکھنے والے مسلمان بادشاہ نہیں سب سے زیادہ متعصب سمجھا جاتا ہے۔ اکثر مسلمان اسکے مداح بھی ہیں۔ ہند کے بُت پرستوں سے وہ بہت لڑا۔ سترہ حملے اسکے ہندوستان میں ہوئے۔ ہزاروں لاکھوں بُت اس نے توڑے ہوئے۔ لیکن افسوس کہ بعض مسلمان مورخ خود اسکے اسلام میں شک کرتے ہیں۔ اور اُسے دہرہ بتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ مسجد ہر گنا خدا کی درگاہ میں ناک رگڑنا۔ مذہبی چرچا کا ناخوش اس لیے

تھا کہ مسلمان دل توڑ کر اُسکا ساتھ دین۔ اور اس طرح مذہبی پیرایہ سے دنیاوی ترقی حاصل ہو۔ محمود غزنوی سے ہم اس درجہ بدگمان نہیں ہیں۔ لیکن اتنا ضرور کہتے ہیں۔ کہ اُسکے تمام حالات دیکھنے سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ شامت مذہب کے لیے اُسنے کچھ کبھی سختی کی ہو یا سنت نبوی کے مطابق لڑائیاں کی ہوں۔ لوٹ کھسوٹ میں اس نے ہزاروں گرونین مارے۔ لیکن شاید کسی ایک کو بھی اس حجت شرعی سے قتل نہیں کیا۔ کہ یہ اسلام یا جزیہ پر راضی نہیں ہوتا۔ سلیسے گردن زدنی ہے۔ ابتدا ان حملوں کی یہ ہوئی کہ جے پال راجہ لاہور نے سلطان سبکتگین پر حملہ کرنے میں سبقت کی جبکہ اپنے لیے سبکتگین آیا تو مہند کے تمام راجہ بل کر اُس سے لڑے۔ اب سبکتگین کا بیٹا محمود تمام راجاؤں سے جدا جدا لڑنے کی وجہ رکھتا تھا۔ ممکن ہے کہ انہیں تاویلات سے محمود نے اپنے دل کو ایک طور پر سمجھا لیا ہو۔ لیکن اس میں شبہ نہیں ہے کہ اسکی لڑائی مذہبی لڑائی نہ تھی۔ اور اسی اس امر کے کفے میز کچھ بھی پسینہ پیش نہ ہونا چاہیے کہ محمود غزنوی نے ہندوؤں کے دلوں میں اسلام کی طرف سے بوجہ نفرت پیدا کر دی۔ محمود غزنوی تو خیر اسلام کا بار بار نام لینا اپنی پالیسی کی ایک شان سمجھتا تھا۔ مابعد کے سلاطین اسے بھی ضروری نہ سمجھے۔

تیمور نے بوجہ مسلمانوں کی گرونین مارنے میں کوئی نئی بات نہیں کی کیونکہ بہت پہلے ایسا دستور ہو چلا تھا۔ لیکن مسلمان عورتوں کو اُسکے ایما سے اہل فوج اپنے تصرف میں لاتے تھے۔ اور لونڈیوں کی طرح کپڑا لہاتے تھے۔

یہ شاید اسی کے وقت کی بات ہے۔ اسکے پہلے ایسا نہ تھا۔ چھ سات سو برس
 میں مسلمان اتنی تارکی میں آگئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی دن کو
 سوئے اور آدھی رات کو آنکھ کھلے۔ یا پہاڑ کی چوٹی سے ڈھلک کر کسی بہت
 بڑے گہرے گڑھے میں جا پڑے۔ خلیفہ دوم کا وقت اور تیور کا وقت موازنہ
 کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر پہلا زمانہ اسلام کا تھا تو دوسرا زمانہ کفر کا ہے۔
 (نور اور ظلمت کے معنوں میں) خالد ایسا سپہ سالار تھا جس نے تمام شام
 اور مصر کے ملک فتح کیے۔ تمام یورپ کے موٹے اس کے مداح ہیں۔ اسکی
 غنیمت کی بدولت تمام صحابی مال مال ہو گئے۔ خلیفہ دوم عمرؓ نے خلیفہ بننے سے
 ہی حکم صادر کیا کہ خالد اسی وقت مغرب کیا جائے۔ اور فوج کی سپہ
 سالاری سے علیحدہ کر دیا جائے۔ جرم کیا تھا؟۔ صرف یہ کہ گولا کھون گڑھ میں
 اس نے حق پر مارین۔ لیکن ایک شخص کو اس نے ایسی حالت میں مارا کہ
 وہ پہلے مسلمان ہو چکا تھا۔ اور پھر مرتد ہوا اسکا تئیں نہ تھا۔ اسکی حسین بی بی
 خالد کو پسند تھی۔ مکن ہے کہ اس کے حسن کے شوق نے خالد کو مزید تحقیقات سے
 روکا ہو۔ تمام لوگ خالد کے سفارشی تھے۔ اور خود رسول اللہؐ نے اپنے
 زمانہ میں انکو ”سیف اللہ“ لقب دیا تھا۔ لیکن خلیفہ دوم نے ایک بات
 پکڑ لی کہ شنبہ شخص مسلمانوں کی فوج کی سپہ سالاری کا مستحق نہیں ہے۔
 ایسے شخص کو امیر المؤمنین کا نائب ہونا زیب نہیں دیتا۔ لیکن واہ رے خالد
 اسکے بعد بھی وہ تمام عمر فوج کا ادنیٰ سپاہی ہو کر رہا۔ اور برابر اسکی رائے
 سے فوجات ہوئے۔ کبھی اس نے دل میں یہ خیال نہ کیا کہ سپہ سالاری

(کمانڈر انچیف) کے بعد وہ ادنیٰ سپاہی ہو کر کیا رہے۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ اسوقت دنیاوی عروج کو مسلمان کیا سمجھتے تھے غرض ادنیٰ دنیا میں صرف دین کے لیے سرمایہ جمع کرنا تھا۔ جب اس واقعہ کو تاریخ میں پڑھ کر تیمور کے حالات پڑھے جاتے ہیں کہ فتح دہلی کے بعد وہ چھ روز تک جشن شادمانہ میں مشغول رہا۔ اور اسکی فوج چھ روز تک برابر مسلمانوں کو قتل کرتی رہی اور مسلمانوں گھر لوٹتی رہی۔ مسلمانوں کی بہنوں اور بیویوں سے مجلس عیش درست درستی کرتی رہی۔ تیمور اپنے کو امیر المومنین کہتا تھا اور پھر یہ تماشادیکھتا رہا۔ تیمور تو غیر ایک نو مسلم نسل تھا۔ اسکے ساتھ بڑے بڑے اکابر مسلمان بھی تھے کسی نے بھی اسلام کا پاس نہ کیا تو بہت حیرت ہوتی ہے کہ خدایا ابتدا میں اسلام کیا تھا اور پھر وہ کیا ہو گیا۔ تیمور کے قبل یا بعد جتنے سلاطین آئے وہ سلطنت کے شوق میں آئے۔ یہ ایک اتفاقی امر تھا کہ بلاد اسلام میں انکی آنکھیں کھلی تھیں۔ اور وہ مسلمان تھے۔ ورنہ اشاعت مذہب سے انکو کوئی تعلق نہ تھا۔ اور نہ انہیں یہ قابلیت تھی۔ اور یہی حال بعد ادنیٰ ہم پہلے کہ چکے ہیں کہ سچے مسلمانوں نے تو بہت جلد خیر باد کہا لیکن سلامی ترقیاں عرصہ تک قائم رہیں۔ اور انکے قیام کے زمانہ کی نسبت لکھا گیا ہے کہ جب تک مسلمان دنیوی معاملات میں قرآن ایسے عمدہ قانون کے پابند رہے انکی دنیاوی ترقی میں ضعف نہیں آیا۔ اس سوال پر ناظرین کو تعجب ہو گا کہ کیا یہ بھی ممکن ہے کہ مسلمان کسی قانون کو قرآن سے اچھا سمجھ لیں مگر کرنے سے محروم ہوتا ہے کہ لوگوں نے قرآن کے خلاف بہت سی باتیں

مولا نے کیا۔ ہوا اور میرے
کتب پر عبور نہیں ہو رہا
ہرگز اس خطہ کا قیام
نہ کرتا۔ تیمور کو جو فہم
تھی نہ خالد کو محفل
کرنے کا وجہ خاصاً
پر ظاہر کر دے تھے جسکو
مسترضیہ نام لیا تھا۔
دیکھو سچا عریضہ لکھ لکھ
مولانا فقیر عفو کا

تاریخی نام صرف ان کے لیے
کے تصدیق ہزار بار مسمیٰ
کو قتل کر آیا۔ اور مسلمان
اور بے ایمانوں کے مابین
یہ حد خوش ہوا ہم نے
چھوڑے خیر بد کیا
اور آج بھی ہر مسلمان
انہی خالوں میں ملتا ہے کہ
موتیا ہی یہ خوشیاں۔
مناظرین۔ فقیر عفو کا

پیدا کیں۔ ماحد قرآن کو معاملات میں غیر مکمل یا نامناسب سمجھنے لگے۔ اور اس وقت کے مسلمان تمام ہندوستان میں زاید تراسی خیال کے ہیں۔ خلاف قرآن مسلمانوں کا عمل کرنا اتنا حیرت انگیز نہیں ہے جتنا یہ امر حیرت افزا اور باعث تعجب ہے کہ باوجود اسکے وہ پھر مسلمان کہلاتے ہیں۔ غور نہ کے لیے ہم خود موجود ہیں۔ لیکن جو حالت ہماری اس وقت ہے وہی تمام مسلمانان ہند کی زوال قوم کے وقت تھی۔ ہم میں کیا بات قرآن اور سنت نبوی کے موافق ہے۔ عورتوں کو تو ریش میں حصہ شرعی دیتے وقت قرآن کو ہم ناقص سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں میں تنہیت کا دستور نہیں ہے۔ لیکن ہم بہت سے لادست مسلمان ہندوؤں کی طرح تنہیت کے خیال کو پسند کرتے ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ اعمال عاقبت میں کام نہ آئیں گے۔ بلکہ دنیا میں نام باقی رہے گا تو عاقبت درست ہوگی۔ احکام قرآن کے خلاف ہم عقد بیوگان کو نشان رذالت جانتے ہیں۔ ایفا سے وعدہ سے ہکو نفرت ہے۔ کہنے کو ہم شرکوں کے دشمن ہیں۔ لیکن فی الواقع ہماری ذات سے شرک کو ردفق ہے۔ ہندوؤں کے دیوتا جتنے تھے انہیں ہم نے بہت کچھ اضافہ کر دیا ہے۔ راستبازی سے ہکو دلی نفرت ہے۔ کاہلی سے از حد محبت ہے۔ بہت اور محبت ہم سے کوسوں دور ہے۔ کن کن باتوں کو روئیں۔ نام کے ہم مسلمان ہیں۔ احکام شرعی اول تو ہم جانتے نہیں اور جانتے بھی ہیں تو انہیں پسند نہیں کرتے۔ جب تمام قوم کے یہ خیالات تھے تو امیر قوم کے بھی یہی خیالات ہو گئے۔ اور انہیں خیالات نے مسلمانوں کو اس حالت تک پہنچایا۔ ”صورت ہمیں عالم سپر۔“

ہندوؤں کے قاعدے بہت ہی سخت کم ہیں۔ مگر کہ برہمنوں کے دستور نے
انکو بالکل ہی پابند اور مجبور کر رکھا ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس
مشعل نے افریقہ مغربی سے سندھ تک اپنی روشنی پھیلانی وہ ہندوستان
کے روشن کرنے کے قابل نہ تھی۔ وہ قابل ضرورت تھی۔ لیکن ہند تک پہنچنے
پہنچنے اسکا تیل ختم ہو چکا تھا اور اسکی روشنی قریب الاقوام تھی۔ مسلمانوں کے
قبل بودھ مذہب برہمنوں کے مذہب پر ہزار برس تک غالب رہا۔ مسلمانوں
کے اخیر زمانہ میں پنجاب کے نامک شاہی تمام پھیل گئے تھے۔ کبیر پنشنیوں
نے جا بجا اپنی جگہ کر لی۔ ابھی حال میں جو ترقی برہمنوں نے بنگال میں اور
آریہ سماج نے پنجاب میں کی وہ ظاہر ہے۔ اسلام نے کیا قصور کیا تھا کہ
بادشاہ وقت کے مذہب ہونے پر بھی اس نے پوری ترقی نہ کی۔ بودھ
سکھ۔ کبیر پنشی۔ آریہ سماج اور برہمنوں سے ہندو تعرض نہیں کرتے لیکن
اسلام سے نفرت کرتے ہیں۔ اسکا باعث صرف مسلمان بادشاہوں کا برتاؤ
اور انکے حکام کا طرز عمل ہے۔ ہند کے مسلمانوں پر ہم کوئی پولیشل الزام نہیں
رکھتے۔ ان بادشاہوں نے اپنی ہندو رعایا کے ساتھ جو برتاؤ کیا اگر قدیم
فاستون کا برتاؤ مفتوحوں کے ساتھ دیکھا جائے تو مسلمانوں کا زمانہ بہت ہی
غنیمت معلوم ہوتا ہے۔ ہندوؤں کو چاہیے کہ وہ مسلمانوں کے یہ احسانات
کبھی نہ بھولیں۔ ہمارے کہنے کا اشارہ یہ ہے کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے
ہند کے حکمرانوں نے کوئی مذہبی وقعت ہندو کے دل میں پیدا نہ کی۔
سلطنت مغلیہ کے قبل بعض حکمرانوں کی حیثیت لوٹ مار کی وجہ سے

اس طرح جادۂ اعدال سے گری ہوئی تھی کہ سلاطین مالعہ کو تلافی مافات
 ہی سے چھٹی نہ ملی۔ سلاطین مغلیہ میں اکبر نے ایک جہاندہب ہی قایم کرنا
 چاہا۔ وہ کامیاب بھی ہوا۔ اسلام میں بُت پرستی کا دستور زیادہ تر اکبر ہی کے
 وقت سے پیدا ہوا۔ عالمگیر نے اس پالیسی کے بدلنے کی کوشش میں سارا
 زمانہ صرف کیا۔ اکبر کے اثر کو تو وہ اٹھانہ سکا۔ اور نہ مذہب اسلام پھیلانے میں
 کامیاب ہوا۔ ہاں یہ کہ منہود کے دلوں میں مسلمانوں سے نفرت پیدا ہونے کے
 جہان کئی ایک قرن پہلے گزر چکے تھے وہاں یہ بھی ایک نیا قرن قایم ہوا۔
 اسلام کی تاریخ سلسلہ سے پڑھی جائے تو عجیب کیفیت ناظرین پر طاری
 ہوگی۔ جو زمانہ سیکڑوں برس میں طے ہوا ہے وہ گھنٹوں میں طے ہو گا۔
 ابھی رسول خدا اور اُن کے خلفائے مابعد کے زمانہ پر نظر تھی کہ ۲۲ گھنٹہ کے اندر
 ہی اندر ترکون۔ تاتارون۔ یا خلفائے عباسیہ کے گڑے ہوئے زمانہ میں
 ناظرین پہنچ گئے۔ آئیں! ہم کہاں سے کہاں پہنچے۔ اتنا انقلاب ہوا
 اور پھر اسلام کا نام ہے کہ چلا جاتا ہے۔ ٹان کیو جیلا جاتا ہے ذرا سوچو
 اس تحریر کا مؤلف انہیں خیالات سے متاثر ہے۔ کوئی اُسے سلاطین
 اسلام کا دشمن یا انکا ہجو گو نہ سمجھے۔ یہ صحیح ہے اور تمام مورخین اسکو مانتے ہیں
 کہ ہر دور کے برے سے بُرے مسلمان بادشاہ کا زمانہ بھی اسوقت کے
 دوسرے ہمسرہ بادشاہوں سے کمین اچھا تھا۔ بادشاہوں کے دلوں میں
 اسلام کی محبت کم سہی۔ لیکن جو احکام شرعی قاضیوں اور مفتیوں سے صادر
 ہوتے تھے وہ کسی گزری حالت پر بھی دیگر ممالک کے انتظام سے کمین اچھا

موقف حقیقی

نمونہ دکھاتے تھے۔ اسلام کے گئے گزرے دنوں کی برکتوں کی قدر
جب معلوم ہوگی کہ دوسرے ممالک کی تاریخ ساتھ ساتھ دیکھی جائے۔ لب
کتنا ہی ناصاف ہو پھر بھی چراغوں سے اُسکی روشنی کمین زیادہ ہوگی۔ غرض کہ
رسول اور صحابہ رسول کے اثر صحبت کا جتنا کم اثر ہند تک پہنچا اتنی ہی اسلام
کی زنگت بھی پھیلے رہی۔ ہکو زنگت سے چندان بحث کرنا نہیں ہے۔ بلکہ صرف
یہ کہنا ہے کہ تعلیم یافتہ نوجوان ہندو ہوں یا مسلمان۔ عیسائی ہوں یا پارسی۔
جب کبھی مسلمانوں کے ملکی معاملات پر اسے قایم کرنا چاہیں تو وہ دوسرے
ملکوں کے مسلمانوں کے حالات پڑھیں۔ یا صحابہ کرام کے زمانہ خلافت کی تاریخ
سنیں تاکہ معلوم ہو کہ مسلمانوں نے دنیا پر کیا کیا احسانات کیے ہیں۔ محض ہندوستان
کے مسلمان بادشاہوں کے حالات پڑھ کر اسلام اور اہل اسلام پر اسے زنی
کرنا بیجا ہے۔ فصل سیومین بھی ہند کے حالات پڑھیے۔ یہ سچ سچ سوس

فصل سیوم

سیف اور اسلام

مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انھوں نے تلوار کے زور سے
دنیا میں اسلام پھیلایا۔ اس اعتراض کو حالات کی نادانیت ممکن ہے کہ
کچھ بار رونق کر دے۔ لیکن تاریخی واقعات کو نظر آئل دیکھنے کے بعد اعتراضات
کی ذرا وقعت قائم نہیں رہ سکتی۔ غیر قوموں کی خصوصیت نہیں ہے۔ بعض
تاواقف مسلمانوں کا بھی خیال ہے کہ اسلام کی خوشنما چادر پر غریزیوں کا بڑنا
دھتا ہمیشہ کے لیے اسلام کی صورت کا بڑنا کرنے والا ہے۔ فتوحات اسلام کو

تاریخ
رسول
اسلام کے بعد
اس لاتی سے کہ دریا برد
دوبی جا۔ شرم شرم۔

۱۔ ہندو پر یہ اعتراض ہے کہ
اس بار ہندو ایک خاص
مفسر نے کہا ہے کہ
فصل سیوم ۱۲۔

سرسری طور سے پڑھنے والے ممکن ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اسے
 قایم کریں اور سمجھیں کہ سابق مسلمان جنہاں سوقت کے مسلمانوں کو ناز ہے خدا
 پرست ڈاکوؤں کی ایک جماعت تھی یا ربا کار قطاع الطرق کا ایک گروہ تھا
 ہم نے جب بعض مسلمان فوجیانوں کو متعرض پایا ہے تو دیگر اقوام کے خیالات
 کیا ذکر ہے۔ ظن غالب ہے کہ وہ دلوں میں بے انتہا شکایتیں رکھتے ہوں۔
 اور اپنی تہذیب کے لحاظ سے اتنا صاف صاف کہنا یا لکھنا پسند کرتے ہوں
 جتنا کہ اُنکے دلوں میں ہے۔ یہ کیفیت ہمارے ہندو مسالوں کی ہے۔ ورنہ
 یورپین لوگ جب اُنکی رائیں غلطی کرتی ہیں تو کیا کچھ نہیں لکھ جاتے۔ اور
 ہندوستانیوں کے لیے انھیں کی تحریر خوانہ معلومات ہوتی ہے۔ ہم چاہتے
 ہیں کہ تاریخی حالات کی ناواقفیت سے جو غلط فہمیاں پیدا ہیں رفع کی جائیں
 اور ناظرین کے لیے ہم ایک ایسی علیک ملیا کرین جسے لکھ پر رکھنے کے بعد
 اسلام کی صورت انھیں ویسی ہی خوشنام معلوم ہو جیسی کہ وہ فی الواقع ہے۔
 لڑائی میں لڑو نہیں بٹھتے۔ خونریزی ہی ہوتی ہے۔ بحث ہے صرف جائز
 اور ناجائز کی۔ اس لیے اسباب جنگ پر نظر چاہیے نہ کہ حالت جنگ پر۔ یہ دیکھنا
 چاہیے کہ لڑائی میں برحی ہوئی۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ میرحم لڑائی کا باعث کیا
 ہوا اور کیوں لڑائی قایم رہی۔

دنیا میں جتنے رفتار مر یا نہ ہی پیشوا گذرے ہیں۔ انہیں سے بعض کی
 زندگی ضرور سادہ تھی۔ حضرت عیسیٰ مسیح کو دیکھیے تو کبھی اُنکو لڑائی جھگڑ
 سے تعلق نہیں رہا۔ انھوں نے گھر نہیں بنایا۔ جو روئے اُنکے نہ تھے۔ ملک

میں ادھر ادھر پھرتے رہے۔ اور معرفت کر دگا ر سیکھتے رہے۔ اخیر میں انھوں نے
لوگوں کو خدا پرستی اور حسن اخلاق کی تعلیم دی۔ حاکم وقت کو بڑا معلوم ہوا اور
وہ سولی پر چڑھائے گئے۔ انکی زندگی میں انکے ہم خیال بہت کم تھے۔ لیکن
بعد کو انکی باتوں کی قدر ہوئی۔ لوگ انکے خیالات کے پیرو ہوئے۔ اور سید
علیوی پھیلے۔ ہند میں ایک شخص بودھ نام حضرت مسیح سے کچھ پہلے پیدا ہوا
جسکی مطیع دنیا کی ایک ثلث مخلوق بیان کی جاتی ہے۔ لیکن جیسے ہی اس نے
بہی حکومت سے تعلق نہیں رکھا۔ بلکہ موروثی حکومت بھی اُس نے چھوڑ دی
اور جو گیون اور فقیر دن کی طرح ادھر ادھر تنہائی اور یکس کی حالت میں زندگی
کے دن پورے کرتا رہا۔ قرآن میں جتنے نبیوں کے تذکرے ہیں ان میں سے
اکثر دن کے حالات میں اخیر تک بچا پرگی اور بے بسی برستی ہی صلیحان
قوم کے تذکرہ میں کو مد نظر رکھ کر غزوات احمدی پڑھے جاتے ہیں تو بعض وقت تاہن
آدمی کے ذہن میں یہ خدشہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت محمد نے مردم کشی کو غزوات
سے تعبیر کر کے اور ہلاکت انسان کو مرضی الہی بیان کر کے کیا نئی شریعت ایجاد
کی ہے۔ لیکن یہ اسے سرسری ہے پورے طور پر اسے قائم کرنے کے
لیے دیکھیں صلیحان قوم اور پیشوا ایمان مذہب کے بھی حالات پڑھنے چاہئیں۔ حضرت
داؤد پیغمبر نے اور انکے بیٹے حضرت سلیمان نے دنیا میں کیسی زبردست سلطنت
کی ہے۔ حضرت یوسف نے مصر کی بادشاہت کی۔ انکے حالات کہیں مفصل
بیان نہیں کیے گئے۔ مگر جب سلطنت تھی تو انکے ابا سے جنگ جہال قتل
قصاص کیا کچھ نہ ہوا ہوگا۔ حضرت موسیٰ بھی اخیر میں نبی اسرائیل کے امیر اور

سپہ سالار ہو گئے تھے۔ جب شروع شروع انھوں نے بحالت بیچارگی ایک قطبی کو مار ڈالا تھا تو اختیارات پا کر جائز امور میں قتل و قصاص سے کسی طرح دست کش ہو گئے۔ ہندوستان میں صرف بودھ ایک فقیرانہ روش پر چلا۔ ورنہ رام چندر جی کی لڑائیاں تمام ہندوستان میں مشہور ہیں۔ مہابھارت کا قیامت خیز سرکہ سری کرشن کی ذات کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب فقیرانہ طرز پر اصلاح قوم کی جائیگی تو حضرت عیسیٰ مسیح یا بودھ کی سی زندگی دوسروں کے لیے نمونہ ہوگی۔ اور جب دنیاوی تعلقات کے ساتھ قومی اصلاح پر کمر باندھی جائے گی تو رام چندر یا کرشن جی کی سی زندگی لامحالہ اختیار کرنا پڑے گی۔ اعتراض کا جواب ہم نے مجملہ دیدیا۔ مگر ہم اس موقع پر کسی قدر اور تفصیلی بیان کے ساتھ برکات اسلام کی تشریح کرنا چاہتے ہیں۔

انسان ہر وقت انسان ہے۔ وہ فرشتہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن فرشتوں کی تقلید کرنا چاہیے تو کر سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص ہر وقت معرفت الہی میں مستغرق رہے۔ کھیتی باڑی چھوڑ دے۔ بال بچوں سے کنارہ کرے۔ پہاڑ کے درہ میں جا بیٹھے۔ سدر بن کے جنگل میں جا چھپے۔ یہاں کے برفستان میں غائب ہو جائے۔ لیکن نیچر کہتا ہے کہ یہ لوگ انتظام عالم بگاڑتے ہیں۔ قانون قدرت کے دشمن ہیں اور گویا خدا سے لڑتے ہیں۔ یہ کہہ یہ بتایا گیا ہے کہ عورتوں سے تعلق پیدا کرو لیکن جائز طور سے۔ لڑکے پیدا کرو تو ان کے اسباب پرورش بھی ہتیا کرو۔ دوستوں کو خوش رکھو اور دشمنوں سے خائف رہو۔ انھوں کو شاباش کرو۔ اور بزدل کو سزا دو۔ اپنے حقوق طلب کرو۔ اور دوسروں کے حقوق غصب نہ کرو۔

پہنسنے کے موقع پر پہنسا اور روکنے کے موقع پر روڈ۔ یہ سب متضاد حقیقتیں
 قانون قدرت نے انسان میں ودیعت کر کے یہ حکم دیا ہے کہ ان قوتوں کو
 اعتدال سے صرف کر دو۔ اور اہل مذہب کا یہ عقیدہ ہے کہ اعتدال سکھانے
 کے لیے وقتاً فوقتاً پیغمبر مبعوث ہوتے ہیں۔ ان پیغمبروں میں سب اچھے معلم
 آنحضرت محمد رسول اللہ تھے۔ آنحضرت محمد پر جو قرآن اترنا۔ اُس میں خود انکی کوئی
 تعریف نہیں ہے۔ اسمین ابراہیم خلیل اللہ خدا کے دوست کھے ہوئے ہیں۔
 حضرت موسیٰ کلیم اللہ خدا سے باتیں کرنے والے کھے گئے ہیں۔ حضرت اسماعیل کو
 ذبح اللہ خدا کا فدائی تعبیر کیا ہے۔ حضرت مسیح کو روح اللہ خدا کی روح قرار
 دیا۔ لیکن محمد کو جہان لکھا "عبدہ و رسولہ" لکھا خدا کا بندہ اور خدا کا پیغام پہنچانے
 والا۔ جو کلام آنحضرت کے ذریعہ سے بندوں پر اترتا تھا اُس میں آنحضرت کی
 تعریف ہوتی تو لوگ کہتے کہ آپ اپنے منہ میان مٹھو بنتے ہیں۔ لیکن اہل نظر
 نے تمام حالات پر غور کر کے یہ رائے قائم کی کہ آپ افضل البشر ہیں آپ
 خاتم النبیین ہیں جس طرح تمام انسانوں میں نبیوں کا درجہ بڑھ کر ہوتا ہے
 اُسی طرح آپ کا درجہ تمام نبیوں میں بڑھ کر ہوا ہے۔ اسکی وجہ صرف
 یہ ہے کہ اچھے معلم میں جتنی اچھی باتیں ہونی چاہیں یا جو دیگر مسلمان
 (نبیوں) میں جدا جدا موجود تھیں۔ وہ سب آنحضرت میں یکجا موجود تھیں
 ہر ایک نبیوں کے ساتھ حسن سلوک کے قاعدے وہ نہیں بنا سکتا جسکے پیروان
 نہوں۔ ہر ایک لوگوں کی پرورش وہ کیا بنا کر جسکے لڑکے نہ ہوں گے۔ لڑائی
 کی تہذیب ہر ایک وہ نہیں بنا سکتا جو خود لڑائی میں کبھی شریک نہ ہوا ہوگا۔ دین کے

کاروبار میں ہکود ہی تہذیب سکھ سکتا ہے جو کاروبار میں مشغول ہو اور گھبرا گیا ہو۔ غالب آیا ہو مغلوب نہ ہو اہو۔ خود دنیا کی روش پر نہ چلا ہو بلکہ اپنی روش پر دنیا کو چلایا ہو۔ تعلقات دنیا سے گھبرا کر جنگل میں جا چھپنے والے ہم کو محنت مزدوری کرنے کے قواعد کی بتائیں گے۔ مہمان نوازی کے طریقے کی سکھائیں گے۔ گرد آلود بچوں کو خاک سے اٹھا کر سینہ سے لگا لینے کی ہدایت کیا کریں گے۔ سادھو نہیں بتا سکتے کہ بھیدوں کی خاطر داربان جن پر انتظام عالم کا مدار ہے کیونکر کی جائیں۔ جن حضرات نے یاد الہی کی دھن میں اپنے بوڑھے مان باپ کو روٹے ہوئے گھروں میں چھڑ کر باؤ پیٹائی کی ٹھہرائی ہے۔ وہ دوسروں کو معرفت الہی ضرور سکھا سکتے ہیں لیکن حقوق والدین کے متعلق ایک سبق بھی نہیں پڑھا سکتے۔ غرض کہ تمام دنیا کے پیغمبروں اور فرمانرواؤں میں سب سے بڑھ کر دنیا میں گھرا ہوا ہمارا پیڑ ہے اور اسلئے ہکود ہر طرح کے معاملات میں پوری ہدایت دینے کی قابلیت رکھتا ہے اس کے اعمال کے روزنامہ یعنی کتب احادیث سے ثابت ہے کہ اس نے تمام امور میں جو تعلیم ہکود ہی اعلیٰ درجہ کی دی۔ اور جو بتایا لا جواب بتایا۔ اس نے قرآن کو بطور دستور العمل کے ہمارے حوالہ کیا اور سمجھا دیا کہ جب تک اسے پکڑے رہو گے دنیا کی تمام قوتوں سے ہر بات میں بڑھے رہو گے۔ اس نے ہمارے دل میں کما نقش فی الحجرتہ کر دیا کہ وہ جو کچھ کہتا ہے ایک خاص فیضان الہی کے ذریعہ سے کہتا ہے۔ ایسا فیضان پہلے کبھی کسی دوسرے کے ساتھ اس درجہ تکمیل کے ساتھ نہ تھا اور نہ آئندہ ہونے کی امید ہے۔ اس فیضان کو اُنے ہمارے سمجھانے

کے لیے پیغامبری سے تعبیر کیا اور ہم اچھی طرح سمجھ گئے کہ پیغامبری کا لفظ ظاہر الفاظ میں ہلکا ہے لیکن باعتبار معنی بہت وزنی ہے۔ انہیں وجہ سے ہم اسکو اشرف المخلوقات کہتے ہیں اور حسب نبیوں میں کسی اسکا ثانی نہیں ہے اور نہ آئندہ اس سے اچھے قانون لانے والے کا خیال دل میں آتا ہے تو اُسے خاتم النبیین بھی کہتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ دنیا دار کیا اصلاح حال کر لگایا تو ہم کہیں گے کہ دنیا دار ہی دنیا دار کی اصلاح کر سکتا ہے۔ فرشتے باغ جنان کی آرائش کر سکتے ہیں لیکن انسان کو انسان نہیں بنا سکتے۔

معمولی باتوں پر لوگ غور نہیں کرتے ورنہ دین اسلام کی تمام باتیں سچا خود بخود قدرت ہیں۔ کیا دنیا میں کوئی اور پیغمبر ایسا ہوا ہے جس نے اپنی امت کے لیے پورا دستور اہل بنا دیا ہو؟ کیا سوائے مسلمانوں کے اور کوئی قوم ایسی ہے جس میں اسوقت مالی اور ملکی معاملات میں قانون ربانی دستور اہل ہو؟ کیا دنیا کی کوئی مجلس و اسمعان قانون بدخلقیت سے آج تک ایسی دیکھی گئی ہے کہ نصف صدی کے لیے بھی کوئی ایسا قانون بناوے جو محتاج ترسیم نہ ہو۔ جواب ان سب سوالوں کا نفی میں ہوگا۔ بطور عجائبات عالم کے دین اسلام پیش کیا جاسکتا ہے کہ تیرہ سو برس پہلے جو قانون آنحضرتؐ کے ذریعہ سے قائم ہوا وہ ملکی۔ مالی۔ فوجی۔ اخلاقی۔ تمدنی وغیرہ وغیرہ تمام اعتبارات سے آج تک بنی نوع انسانی کو اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ پر مہذب بنانے اور زیادہ سے زیادہ خوش رکھنے کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہے۔ آج اگر آنحضرتؐ رسول اللہ کو غزوات میں شریک ہونے اور اُسکے

متعلق ہدایات دینے کا موقع نہ ملتا تو قانون محمدی جنگی اور فوجی معاملات میں
 مکمل رہتا اور دین محمدی اکمل الادیان نہ سمجھا جاتا۔ ہم اپنے پیغمبر کو کمر سے
 تلوار لگا کر ہوئے میدان جنگ میں اچھے کام پر استعداد دیتے ہیں تو ہم خوش
 ہوتے ہیں کہ ہمارا پیغمبر کسی اچھے کام کرنے میں بودا نہیں ہے۔ اور اس کے
 ملفوظات میں کہیں سے نا تجربہ کاری کی بودا نہیں آسکتی مسلمانوں کے پیشوا
 کا اہل سیف ہونا کہیں سے شان پیغمبری یا شان پیشوائی کے خلاف نہیں
 ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہم تاریخی پیرایہ سے یہ بھی دکھانا مناسب سمجھتے
 ہیں کہ پیغمبر خدا نے کن کن مجبور یوں کے بعد تلوار باندھنے اور کن کن قیود
 اور شرائط کے ساتھ اپنی امتوں کو پیام سے تلوار باہر نکالنے کا حکم دیا ہے۔
 آنحضرت نے اول اول دین اسلام کی تعلیم خفیہ طور پر کرنا چاہی جو مسلمان
 ہوتے تھے وہ بھی قرآن کو دوسرے سے چھپا کر پڑھتے تھے۔ لیکن عربوں نے
 اسلام کا اس کمزور حالت میں بھی رہنا پسند نہ کیا۔ پیغمبر کو مجنون کہا۔ ساحر کہا۔
 اور دغا باز کہا۔ مسلمانوں پر وہ شروع شروع ہنستے تھے۔ پھر آواز سے کہنے
 لگے اور بالآخر انکو آزار دینا شروع کیا۔ مسلمان جب بہت تنگ ہوئے تو مکہ
 چھوڑ کر ابی سینیا کی طرف سمندر پار بھاگ گئے۔ گویا مسلمانوں کی کیفیت تھی
 کہ شام کو جس نے پیغمبر سے کہا کہ آپ بیشک قوم کے سچے خیر خواہ ہیں۔ اور
 قوم کے بڑے اطوار پر آپ کا ردنا بہت بجا ہے۔ دوسرے دن صبح کو اس پر
 جلا وطنی لازم تھی۔ تبوں کو چھوڑ کر خدا پر ایمان لانے کی سزا کفار قریش نے جلا وطنی
 قرار دی تھی۔ کفار قریش نے ابی سینیا تک مسلمانوں کا تعاقب کیا۔ وہاں کے شاہ

نجاشی سے درخواست کی کہ ان نئے مذہب والوں کو یہاں پناہ نہ دیجائے
 اکثر مسلمان تو باہر چلے گئے تھے لیکن غمخیز کچے ساتھ جو دہل میں آدمی مکہ میں
 رہ گئے تھے انہیں ظلم و تعدی کی انتہا نہ تھی۔ بالآخر پیغمبر نے بھی مکہ چھوڑا۔ طائف
 کی طرف تشریف لے گئے۔ دشمنوں کی سازش وہاں تک پہنچی۔ پیغمبرؐ پھوٹا
 آئے۔ تین برس تک انھیں مع اپنے اہلی خاندان اور ہمراہیان کے شعیب
 ابوطالب میں بند رہنا پڑا۔ طرح طرح کی اذیتیں اور مصیبتیں پیغمبرؐ کو اُن کے
 ساتھیوں کو دی گئیں۔ آنحضرتؐ نے مدینہ چلے جانے کا ارادہ کیا۔ تو دشمنوں
 نے انکے قتل کرنے کے لیے سازش کی۔ آپ سازش سے مطلع ہونے کے
 بعد چپکے سے مدینہ کی طرف بھاگے۔ مسلمانوں کے بدن میں بھی خون تھا۔
 اور خون میں حرارت تھی۔ سینہ میں دل تھا اور دل میں مادہ خود داری تھا۔ ہاتھ
 میں تلوار تھی اور تلوار میں برش تھی۔ تعداد میں کم سہی لیکن غصہ تو کمزور بھی کہتے
 ہیں۔ لوگوں نے پیغمبرؐ خدا سے لڑائی کی اجازت مانگی۔ جواب ملا گھبراہٹ میں
 میں خدا سے دعا کرتا ہوں۔ وہ ان جاہلون کو ہدایت دیگا۔ بالآخر مدینہ میں
 پہنچنے کے بعد وہاں آنحضرتؐ کی بڑی خاطر داری ہوئی۔ وہاں بھی مسلمانوں کا
 گروہ بڑھنے لگا۔ لیکن مسلمانوں کی مالی حالت روز بروز خراب ہوتی جاتی تھی۔
 مسافرت کی تکلیف۔ نفلی کی مصیبت۔ منافقان اور یہودیوں کی مدینہ بھی مار تین
 تھے۔ کہ والوں کی چڑھائی کا الگ ڈر لگا رہتا تھا۔ تنہا پیغمبرؐ خدا ہوتے تو سقراط کی
 طرح کہتے کہ میں نے تمہاری اصلاح میں کوشش کی۔ نہیں مانتے تو ابنا کر
 کھاؤ۔ مجھے نہر کا پیالہ دو میں پی لیتا ہوں۔ یا حضرت عیسیٰ مسیح کی طرح بیٹوں

سے کہتے کہ جو چیز پرے نزدیک حق ہے میں اُسے چھپا نہیں سکتا۔ تھیں اختیار ہے جی چاہے مجھے سولی پر چڑھا دو۔ یہاں وقت یہ تھی کہ بہادران مکہ اور دلاور مدینہ آنحضرت کے عشق میں برباد اور خانہ خراب ہو کر ساتھ ساتھ گھومتے تھے اور ہر وقت یہی کہتے تھے کہ جب ہم خدا کی پرستش کرتے ہیں تو دشمن خدا سے دُکھ نہیں رہ سکتے۔ اور ہم دُکھ کر رہیں بھی تو وہ ہمیں کب رہنے دیتے ہیں۔ مہاجر جب وطن کی آسائش وطن کی آب و ہوا وطن کی دولت یاد کرتے تھے تو ان کے دل جوش میں آجاتے تھے اور اپنے مصائب بیان کرتے تھے تو پیغمبر خدا کا دل بھڑاتا تھا۔ اب بتائیے پیغمبر کیا کرتے۔ کیا شان پیغمبری یہ تھی کہ اپنے انصار کے گھر لٹا کر وہ تماشہ دیکھتے اور ساتھیوں کا گلا گتھا کر دل ٹھنڈا کرتے۔ فرض کر لو کہ شان پیغمبری اسی ذلت کی متقاضی تھی لیکن جو مسلمان وہاں تھے ان کو کیا مناسب تھا مدینہ میں رہ کر فقر و فاقہ سے مرجانا۔ یا اپنی دولت کا مکہ والوں سے طلب کرنا۔ مدینہ کے اندر گلا گتھانا یا مدینہ سے باہر نکل کر جان دینا۔ سب مسلمانوں نے بالاتفاق آنحضرت سے کہا کہ ہم دشمنوں سے ضرور لڑیں گے۔ ہم نے جو رسی نہیں کی ہے۔ صرف خدا پر ایمان لائے ہیں۔ ہم سبھی چاہتے ہیں کہ تلوار فیصلہ کرے کہ کون حق پر ہے۔ کب تک ہم بھاگیں گے اور وہ قوا قب کر میں گے۔ اگر دشمنوں کے ہاتھ سے مرنا ہے تو بجا ہے کل کے آج ہی مرجانا اچھا ہے۔ ان کی زندگی موت سے بدتر تھی۔ ان کو زلیست کی فکر نہ تھی۔ اب مسلمان مدینہ سے نکل کر تھیں حالات کرنے لگے۔ جو قافلہ تجارت شام سے مکہ اور مکہ سے شام جاتا تھا اس کا قافلہ مسلمان کرتے تھے۔ قریش کے مال لوٹنے کے لیے پادریافت کرنے کی عرض سے

کرا ب وہ کیا نیت رکھتے ہیں۔ وہ دونوں اعتبارات سے مسلمان حق بجانب تھے۔ اسی ایریا پھیری میں ایک مرتبہ کفار قریش مدینہ پر چڑھ آئے۔ دشمنوں کو روکنے کے لیے مسلمان ہر مقام بدر جمع ہوئے۔ جب وہ جمع ہونے چلے تو پیغمبر خدا کے لیے کیا مناسب تھا؟ کیا یہ مناسب تھا کہ وہ اپنے جان نثاروں کو چھوڑ کر مسجد مدینہ میں بیٹھے ہوئے فتح و نصرت کے لیے دعا مانگتے۔ یا فوج کے پیچھے پیچھے جان چھوڑے ہوئے مسلمان کی طرح چلتے۔ شاید دنیا کا کوئی شخص بھی اپنے پیشوا کا ایسا بے حییت اور بغیرت ہونا پسند نہ کرے گا۔ ایسے موقع پر پیغمبر نے وہی کیا جو ایک اعلیٰ درجہ کے انسان سے امید کی جاسکتی ہے۔ یعنی اپنے بدن پر ہتھیار لگائے اور سب کے آگے آگے چلے اور زبان حال سے کہنا شروع کیا کہ اگر جان ہی دینے کی راہ ہے تو سب کے پہلے ہیں جان دینا چاہیے کہ ہم ہی مجرم ہیں۔ اگر گلا ہی کٹوانا ہے تو سب کے پہلے ہم ہی کٹوائیں گے کہ ہم ہی ان تمام زحمتوں کے باعث ہیں۔ مسلمانوں نے یکجا ہو کر پہلے پہل جنگ بدر میں ہتھیار چلایا۔ اس لڑائی میں مسلمان فتحیاب ہوئے۔ اور اس فتح نے ملکی دستور کے مطابق ایک دوسری بلا مسلمانوں پر نازل کی جسکا انکو دہم و گمان بھی نہ تھا۔ یعنی اس فتح نے مسلمانوں کو مدینہ کا حکمران قرار دیا اور آنحضرت کو ان حکمرانوں کا سردار بنایا۔ آنحضرت کو بجائے حسن اخلاق تعلیم کرنے کے اب ملکی معاملات کا بھی سبق پڑھنا پڑا۔ آنحضرت کی خلقت سے جو مقصود خالق کا تھا یا دوسرے لفظوں میں فطرت نے آپکو جس کام کے لیے پیدا کیا تھا یعنی تمام امور دنیا میں اسے صائب دینا اُسکے ظہور کا وقت آیا۔ اب ایک

مذہب گورنمنٹ کو رعایا اور مہسایہ کے ساتھ حبسی مدارات چاہیے وہ مسلمانوں کو کرنا پڑی یعنی رحم کے موقع پر رحم کرنا۔ اور غضب کے موقع پر غضب کرنا لازم آیا۔ مسلمان اسکے بعد سیلاب کی طرح تمام عالم میں پھیلے اور انکے ساتھ انکا مذہب بھی پھیلا۔

دنیا میں کوئی مذہب اس سرعت کے ساتھ نہیں پھیلا جیسا کہ اسلام پھیلا۔ ریل نہیں۔ تار نہیں۔ پختہ ٹرکین بھی نہیں۔ راستہ کا اس تک نہیں۔ اور ازل کی صدائیں تیش برس کے اندر اندر افریقہ کے ساحل شمالی و مغربی سے حدود افغانستان تک برابر جاری ہو گئیں۔ اب باعث ترقی بجائے اس کے کہ اصول اسلام کی خوبی پر محول کیا جائے۔ زور تشییر پر لوگ محول کرتے ہیں۔ اس مضمون میں حکومت یہ دکھانا ہے کہ ایسا کننا غلطی ہے۔ ہمارا مخاطب وہ نہیں ہو سکتا جسکے سامنے تمام تاریخی واقعات اشاعت اسلام کے پیش نظر نہ ہوں اور کسی سے یہ کہنا کہ تاریخ الاسلام بڑھ کر آؤ جب ہمارے مضمون پڑھو شاید مناسب نہ ہوگا اسلئے ہم کچھ مختصر حالات اشاعت اسلام کے لکھ دیتے ہیں کہ ناظرین کو اسے زنی کا موقع ملے۔ اس مضمون کے اغراض کے لیے ہم تاریخی حالات کے پانچ طبقہ قرار دیتے ہیں۔ طبقہ اول۔ اسلام کی ابتدائی حالت۔ طبقہ دوم۔ اسلام کا عروج زمانہ رسولؐ میں۔ طبقہ سوم۔ صحابہ رسولؐ کا زمانہ۔ طبقہ چہارم۔ سلاطین عرب کا زمانہ۔ طبقہ پنجم۔ دیگر سلاطین اور دعاۃ اسلام۔

طبقہ اول (اسلام کی ابتدائی حالت)

جب آنحضرت محمدؐ کی عمر چالیس برس کے قریب ہوئی تو طبیعت گوشت نشینی کی

طرف مایل ہوئی۔ مکہ کے قریب ایک پہاڑ کا درہ غار حرا کے نام سے مشہور ہے وہاں جا کر اکثر آپ بیٹھتے تھے اور کئی کئی روز تک وہاں رہتے تھے۔ مضمون کو عام فہم کرنے کے لیے یوں کہہ سکتے ہیں کہ تزکیہ نفس کے لیے آپ وہاں جاتے تھے۔ اور اسی حالت میں ایک خاص فیضانِ الہی کو آپ سے تعلق ہوا جو باعتبار نتیجہ کے رسالت کہا جاتا ہے۔ اور تزکیہ نفس کے بعد جس قوتِ روح یا کیفیت کے ذریعہ سے فیضانِ الہی آپ تک پہنچتا تھا اسکو اصطلاحِ شیعہ میں جبریل فرشتہ کہتے ہیں۔

آنحضرتؐ کو ابتدا سے عقلِ سلیم عطا ہوئی تھی۔ آپ شروع سے موجد تھے۔ صادق المقال تھے۔ مسکات۔ زنا۔ نمامی۔ بد اعمالی۔ دروغ گوئی وغیرہ اخلاقِ ذمیمہ سے کنار کش تھے۔ آنحضرتؐ کو جب یقین ہوا کہ ابراہیم۔ عیسیٰ وغیرہ بنیغیرون کی طرح اُنکو بھی خدا نے اصلاح قوم اور درستی بنی نوع انسانی کے لیے نبی بنایا ہے اور لوگوں کو توحید سکھانے کو اپنا مرسل قرار دیا ہے۔ تو آپ نے ہدایتِ مشروع کی۔ سب کے پہلے حضرت خدیجہ کو دعوتِ اسلام کی اور فوراً ہی وہ اللہ کی وحدانیت اور آنحضرتؐ کی رسالت پر ایمان لائیں۔ معتبر خبر ہے کہ اُسی روز علی ابن ابی طالب بھی ایمان لائے۔ پھر زید ابن حارثہ حضرت خدیجہ کے آزاد کیے ہوئے غلام ایمان لائے۔ ان تینوں کے بعد حضرت عبداللہ ابن قحافہ ایمان لائے جو تاریخ اسلام میں ابوبکر صدیق کے لقب سے مشہور ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے تمام دوستوں کو اسلام کی ترغیب دی انہیں سے پانچ اشخاص عشرہ مبشرہ کے بھی ایمان لائے۔ اسکے بعد دوسرے

سلسلہ سیوم

اسلام لازم

نہ انکا

مصلحت

رہزن

سے

کے

ہیں

من

ن

ب

کو

ت

م

-

۹

دن چار اور پیش کیے گئے اور پھر سلسلہ چلا۔

آنحضرتؐ پہلے علانیہ دعوت اسلام نہ کرتے تھے۔ خاص خاص اصحاب اور ان کے متوسلین میں دعوت محدود تھی۔ کچھ لوگ باہر کے بھی آکر ایمان لائے تھے۔ مگر سب کم۔ تین برس کے بعد پھر آنحضرتؐ نے علانیہ دعوت اسلام شروع کی یعنی امر حق کے اظہار میں شرم اور تامل پسند نہیں کیا۔ آنحضرتؐ ابتدا سے عمر میں بہت زیادہ ہر دعوٰی پر تھے۔ لوگ عام طور پر آپؐ کی عزت کرتے تھے اور دل سے محبت کرتے تھے۔ لیکن یہ سب باتیں نبوت سے قبل تھیں۔ جب کفار کے مذہب اور بتوں کو آنحضرتؐ نے برا ٹھرایا اور ایسا کرنا لازم تھا کیونکہ کسی کو کسی فعل کے ترک کرنے کی ترغیب نہیں دی جاسکتی جب تک کہ اس فعل کی بُرائی ظاہر نہ کی جائے۔ تو پھر کفار عرب کے نزدیک آپؐ سے بُرا کوئی دوسرا نہ تھا۔ کفار کے ہاتھوں سے جو اذیتیں آنحضرتؐ کو پہنچیں ان کے تذکرے آگے آتے ہیں۔ اس وقت مختصر طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ ابتدا میں جس طرح تمام نبیوں یا قومی مصلحوں کو ذلتیں اٹھانی پڑی تھیں اُسی طرح آنحضرتؐ کو بھی زحمتوں کا سامنا ہوا۔ لوگوں نے بے ادبیوں کا کوئی درجہ اٹھا نہیں رکھا۔ جب آنحضرتؐ نے قوم کی حالت درست کرنے کی طرف توجہ کی تو پھر قوم کی نظر دن میں آنحضرتؐ کا سادہ ترین خلائق کوئی دوسرا نہ تھا۔

ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے کوہ صفا پر چڑھ کر آواز دی۔ ”یا معشر قریش۔ یابنی فہر۔ یابنی غالب۔ یابنی لوی۔ یابنی عدی۔“ مکر کے باشندے جھوٹے بڑے آکر جمع ہو گئے۔ دستور تھا کہ کوئی اہم کام پیش ہوتا تھا تو پہاڑ پر چڑھ کر

آواز دی جاتی تھی اور لوگ آواز سن کر جمع ہو جاتے تھے۔ دوڑتے وقت لوگ سمجھتے تھے کہ کوئی قومی مرحلہ مہین آیا ہوگا۔ وہاں پہنچ کر آنحضرتؐ کی زبان سے جو تقریر پڑھنی لگئی وہ یہ تھی۔ ”لوگو اگر میں تم سے کہوں کہ بہار کے دوسری سال ایک بڑا مشکلہ سیلے چھا ہوا ہے کہ دفعتاً تم پر حملہ کرے اور تم کو تباہ کر دے۔ تو کیا تم اسے باور کرو گے؟“ لوگوں نے جواب دیا۔ ”بیشک! اسے محمد تم سچے ہو اور ہم لوگوں نے تم سے کبھی جھوٹ نہیں سنا۔ تمہاری بات ہم کیون جھوٹ سمجھنے لگے۔“ آنحضرتؐ نے کہا تمہارے پیچھے عذاب سخت آنے والا ہے جو بغیر توحید کے رفع نہیں ہو سکتا۔ یہ تقریر سن کر وہ سب اپنے دل میں آنحضرتؐ کو خفیف الحول سمجھے۔ ابولہب سے نہ ہا گیا اسنے کہا۔ ”تباک سائر الیوم لہذا جمعنا“ تمہارے اوقات خراب ہوں ہیں اسی لیے بلا تھا۔ اور پھر اسی وقت سے کفار اور آنحضرتؐ کے درمیان میں کھلی کھلی عداوت کا آغاز ہوا۔

آنحضرتؐ کے ساتھ جو بڑا و اہل مکہ کا تھا اسکی نوعیت برابر بدلتی رہی یہی محمدؐ جو پہلے تمام اہل مکہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے۔ قوم نے انھیں ”امین“ خطاب دے رکھا تھا۔ اب اصلاح قوم کا مسئلہ پیش کرنے کی وجہ سے وہ کانٹے کی طرح دونوں میں پھینے لگے اور ”امین“ کی جگہ انھیں ”مجنون“ خطاب دیا گیا جب آپؐ راہ سے گزرتے تھے تو قریش مذاق کرتے تھے۔ آپس میں کہتے تھے کہ ”یہ شخص بھلا چکا تھا دفعتاً دماغ پھر گیا کہتا ہے تباہ ہے کہ مجھ سے اہل آسمان باتیں کرتے ہیں۔ اور آسمان کی خبر لاکر ہم لوگوں کو سناتا ہے“

خیر مجنون خطاب پانے سے تو چنداں نقصان آنحضرتؐ کا نہ تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ کفار عرب کی ہمتیں بڑھتی گئیں اور وہ آنحضرتؐ کی دشمنی پر پل گئے۔

ایک مرتبہ آپؐ نے اپنے خاندان کے چالیس مردوں کو دعوت کی تقریب سے جمع کیا۔ انہیں ابوطالب۔ حمزہ۔ عباس اور ابولہب بھی تھے۔ موقع پا کر آپؐ نے اپنی رسالت کا ذکر چھیڑا اور یہ چاہا کہ گھروالوں میں سے کوئی ایک بھی آپؐ کا ساتھ دینے کو آمادہ ہوتا تو بڑی تقویت ہوتی۔ موزخون نے لکھا ہے کہ کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن علیؑ ابن ابی طالب سے اس حیرت بخش شک اور حقارت آمیز سکوت کی برداشت نہ ہو سکی۔ اور کھڑے ہو کر انھوں نے بڑی ہمت اور جرات سے کہا کہ رسول اللہؐ کو اس مجمع میں سب سے کم سن میں ہوں مگر اس مشکل خدشت کے سببالانے کو یتیم رہوں۔ اس موقع کو ستر کارائیل یون لکھتے ہیں: "اس مجمع میں علیؑ کا باب ابوطالب جو محمدؐ کا دشمن نہ تھا موجود تھا۔ تاہم سب کو ایک ادھیڑ عمر کے ان بڑھ (محمدؐ) اور ایک سولہ برس کے (علیؑ) کا یہ فیصلہ کرنا کہ وہ دونوں ملکر تمام دنیا کے خیالات کے خلاف کوشش کریں گے۔ ایک مضحکہ کی بات معلوم ہوئی۔ اور سب لوگ تہقہ لگانتے ہو گئے۔ مگر آئندہ چل کر معلوم ہوا کہ یہ بات ہنسی کے قابل نہ تھی بلکہ سب ٹھیک اور درست تھی۔"

کہ بڑھنے پر ابولہب اور عتبہ بن سعید آنحضرتؐ کے گھر کے قریب عین گزرگاہ پر گندی چیزیں جمع کر دیتے تھے۔ اور غرض اس سے صرف آنحضرتؐ کو دق کرنا ہوتی تھی۔ آنحضرتؐ تحمل سے کام لیتے تھے اور پسینا ہی

فرماتے تھے ”کیا حق ہمسائیگی یہی ہے؟ اور کچھ نہ بولتے تھے۔ یوں ہی آہستہ آہستہ قریش کی طبعیتیں فساد کی طرف بڑھتی گئیں اور آنحضرتؐ کی عداوت لوگوں کے دلوں میں جگہ پکڑتی گئی۔

موسم حج میں جب لوگ باہر کے آتے تھے تو آنحضرتؐ دعوت اسلام کرتے تھے اور بعض بعض ایمان بھی لاتے تھے۔ ایسے موقع پر ابولہب سخت بے ادبیاں کرتا تھا۔ آنحضرتؐ تو لوگوں کو دعوت اسلام کرتے تھے اور یہ کجمنت پتھر مارتا تھا اور لوگوں سے کہتا پتھر مارتا تھا کہ یہ شخص ساحر ہے۔ شجرہ بانہ ہے۔ شاعر ہے اور کذاب ہے۔ کبھی وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اس شخص کا دماغ پھر گیا ہے۔ تم لوگ اسکی باتیں کیا سنتے ہو؟ آنحضرتؐ یہ سب کچھ سنتے تھے لیکن کچھ نہ بولتے تھے اور اپنے کام سے واسطہ رکھتے تھے۔

عبدالطلب کے بعد ابوطالب سوار مکہ سمجھے جاتے تھے۔ ان کے خوف سے کفار آنحضرتؐ سے کچھ بول نہ سکتے تھے اور اسی طرح ان مسلمانوں کا بھی کچھ نہ کر سکتے جبکہ کذبہ خوش حال تھا۔ لیکن غریب مسلمانوں کے ساتھ کفار بڑی سختیاں کرتے تھے۔ گرم ریت پر دھوپ میں ملاتے تھے۔ گرم پتھر جسم پر باندھتے تھے۔ دُور سے مارتے تھے۔ دانہ پانی بند کرتے تھے۔ سبھی کچھ کرتے تھے۔ لیکن جو ایک مرتبہ آنحضرتؐ کے سامنے توحید اور رسالت کا اقرار کر جاتا تھا پھر وہ اُس سے منحرف نہ ہوا تھا۔

جب مسلمانوں کے ساتھ کفار مکہ کا ظلم زیادہ بڑھا تو پیغمبر خداؐ نے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیا۔ ہجرت کا حکم اسوقت ہو کہ نہ تھا۔ حبشہ جسکو ابی سینیا کہتے ہیں

ہجرت کے لیے منتخب کیا گیا۔ اول اول گیرہ مرد اور چار عورتیں گل بندہ
 شخص مکہ سے چھپ کر باہر نکلے۔ جتہ ملک با پیادہ آئے اور وہاں سے جہاز
 میں بیٹھ کر حبشہ کے ساحل پر اتر پڑے۔ حبشہ میں اس وقت عیسائی بادشاہ
 تھا جسے نجاشی کہتے تھے۔ ان ہجرت کرنے والوں میں سب کے
 پہلے حضرت عثمان بن عفان اپنی زوجہ رقیہ بنت رسول کے ساتھ گھر سے
 نکلے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ نبوت کے پانچویں سال جب کے مہینے
 میں گھر سے نکلے تھے۔

کافروں نے جب دیکھا کہ اہل مکہ مسلمان ہوتے ہیں اور چپ چاپ حبشہ
 چلے جاتے ہیں تو انکی کد اور بر بھی۔ چند کفار نجاشی اور اسکے اراکین دولت
 کے لیے مخالف لیکر حبشہ میں پہنچے۔ اراکین دولت نے نجاشی سے
 عرض کیا کہ چند آدمی مکہ سے ہمارے ملک میں اپنا ابائی مذہب چھوڑ کر بھاگ
 آئے ہیں انکے اہل ملک انکا دعویٰ کرتے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ وہ انکے حوالہ
 کر دیے جائیں۔ نجاشی نے کہا کہ جب مجھ سے پناہ مانگی جائے تو مجھے پناہ
 دینا لازم ہے۔ میں اپنے ملک سے ان نو واردوں کو جانے نغدوں گا۔
 لیکن انکو بلانا چاہیے تا انکے باہمی نفاق کا پتہ چلے۔

یہ خانہ برباد مسلمان نجاشی کے دربار میں چلے۔ حضرت جعفر طیار سب کے
 پیشوا تھے۔ کفار کہ جب دربار میں آئے تو پہلے انھوں نے بادشاہ کو سجدہ کیا
 اور اسکے بعد ایک گوشہ میں موڈ بیٹھے۔ تھوڑی دیر میں مسلمان بھی آئے
 انھوں نے صوف سلام کیا سجدہ نہیں کیا۔ نجاشی کے ندیموں نے مسلمان

کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ تم نے بادشاہ کو سجدہ کیوں نہ کیا؟ "حضرت طیار نے کہا کہ ہم مخلوق کو سجدہ نہیں کرتے۔ ہمارے پیغمبر نے ہم کو یہی تعلیم دی ہے۔ اس گفتگو سے نجاشی کے دل میں مسلمانوں کی وقعت قائم ہوئی اور اس نے پوچھا کہ تم نے اپنے بھائیوں کا دین چھوڑ دیا۔ اور یہود و نصاریٰ کے دین پر بھی تم نہیں ہو تو پھر آخر تمہارا کیا دین ہے؟ " نجاشی کے دربار میں جو تقریر حضرت جعفر نے کی اسے مورخوں نے نقل کیا ہے ہم یہاں اسکا ترجمہ درج کرتے ہیں۔

" اے بادشاہ! ہم ایک جاہل اور گمراہ قوم تھے۔ بُت پوجتے تھے۔ مردار گوشت کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ یہاں سے برسی طرح پیش آتے تھے۔ زبردست کمزور کا مال کھا جاتا تھا۔ ایک مدت سے ہماری یہی حالت چلی آتی تھی۔ یہاں تک کہ خدا نے ہماری ہی قوم کا ایک پیغمبر بھیجا جسکی شرافت۔ نسب۔ راستبازی۔ ایمان داری۔ اور پاک اسنی سے ہم خوب واقف تھے۔ اُسے ہم کو خدا کی طرف بلایا تاکہ ہم ایک اسی خدا کو خدا جانیں اور اُس کی عبادت کریں اور بتوں اور مجسموں کی پرستش چھوڑ دیں جنکو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجتے تھے۔ اُس نے حکم دیا کہ ہم صرف خدا ہی کی عبادت کریں اور کسی چیز کو ذات اور صفات اور استحقاق عبادت میں اُسکے ساتھ شریک نہ کریں۔ پانچون وقت نماز پڑھنے اور سال بھر کے بعد بقیہ مال کا چالیسواں حصہ صدقہ دینے اور

بل سیم
ل بنبرہ
سے ہمارے
بادشاہ
کے
سے
میں
عیشہ
لیت
سے
بجگ
حوالہ
سے پناہ
ن گا۔
کے
بددہ کیا
نے
ملان

ماہ رمضان میں بیماری اور سفر کے سوار و زرہ رکھنے کو اُسے فرض
 بتایا۔ اُس پیغمبر نے ہکو سچ بولنے اور امانت کو اُسکے مالک کے
 پاس پہنچانے اور قرابت داروں سے رعایت یا مروت کرنے
 اور مہالیوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنے اور بے اور حرام کاموں
 اور خون خرابوں سے بچنے کا حکم دیا۔ اور بدکاریوں اور جھوٹی
 گواہی دینے اور بے مان باب کے بچوں کا مال کھالینے۔ اور
 پاک امن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ ہم نے اُسکو سچا
 جاننا۔ اور جو احکام اُسے خدا کی طرف سے سنائے اُن سب کی
 پیروی اختیار کی۔ ہم صرف ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں اور
 کسی چیز کو کسی بات میں بھی اُسکے ساتھ شریک نہیں کرتے۔ اور جو
 چیز خدا نے ہم پر حرام کر دی ہے اُسکو حرام اور جو حلال کر دی ہے
 اُسکو حلال جانتے ہیں۔ اس بات پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی
 اور طرح طرح سے ہکو دکھ دیا اور ہکو ہمارے دین سے پھرانچا ہا
 کہ ہم خدا کو چھوڑ کر کچھ ثبوت پوجنے لگیں اور جن بُری باتوں اور چیزوں کو
 ہم پہلے جائز سمجھتے تھے پھر اُنکو جائز جانیں جب انھوں نے ہکو
 نہایت عاجز کر دیا اور طرح طرح کے ظلم کیے اور نہایت تنگ کیا
 اور ہمارے دین میں مزاحم ہوئے تو ہم اپنا وطن چھوڑ کر اور شجکوا اور
 بادشاہوں کی بہ نسبت اچھا جان کر تیرے ملک میں چلے آئے
 اور یہ امید کر کے کہ تیرے سامنے کوئی شخص ہم پر ظلم نہ کر سکے گا تیری

پناہ اختیار کی۔

عمر بن الخطابؓ کے ایمان لانے کی کیفیت سوزخون نے کسی قدر جزوی اختلاف کے ساتھ یوں لکھی ہے کہ ایک دن ابو جہل نے باہم یہ ذکر کیا کہ ”کوئی محمدؐ کو قتل کر ڈالے تو میں ایک سواونٹ اور ہزار اوقیہ چاندی انعام دوں۔“ حضرت عمرؓ نے اُس سے بات کہی کر کے قتل کا بیڑا اٹھایا۔ سارا میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے حضرت عمرؓ کا ارادہ سن کر کہا کہ ”محمدؐ کو پیچھے مارنا پہلے گھر کی تو خبر لو کہ تمھاری بہن بھی مسلمان ہو گئی ہے۔“ عمر اپنی بہن کے گھر گئے وہاں حالت یہ تھی کہ دروازہ اندر سے بند تھا اور حضرت عمرؓ کی بہن اور اُس کے شوہر حارث کو حضرت خطابؓ سورہ طہ (ایک کاغذ پر لکھی ہوئی) پڑھا رہے تھے۔ عمرؓ کی آواز سن کر حضرت خطابؓ چھپ گئے۔ حضرت عمرؓ کے پوچھنے پر اُنکی بہن نے کہا کہ ہم لوگ باتیں کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بکری ذبح کر کے پکانے کو کہا جب وہ پکی تو زن و شو نے ذبیحہ کا فرسجھ کر اُسکے کھانے سے انکار کیا۔ حضرت عمرؓ نے خاص اسی غرض سے بکری ذبح کی تھی۔ جب حضرت عمرؓ کو اُنکے مسلمان ہونے کا یقین ہو گیا تو اُنکو مارنا شروع کیا۔ عورت کو چوٹ زیادہ آئی۔ اُس کا خون آلود چہرہ دیکھ کر حضرت عمرؓ پشیمان ہوئے۔ کچھ دیر ساکت رہ کر اُنھوں نے پوچھا کہ ”اچھا وہ پرچہ کہاں ہے جسے تم لوگ پڑھتے تھے؟“ کسی قدر تامل کے ساتھ وہ پرچہ عمرؓ کو دیا گیا اور وہ پڑھنے لگے۔ جب ”وان تبهر بالقول فانہ یعلم السر داخنی“ تک پہنچے تو کلام نے اپنا اثر دکھایا۔ حضرت عمرؓ کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ ”کیا

اجٹا کلام ہے "حضرت خیاب اتنا سہارا پا کر گوشہ سے نکل آئے اور بولے
 عمر مبارک ہو تجھے اسلام۔ رات آنحضرت دعا کرتے تھے "خدا یا ابوجہل بن
 ہشام یا عمر بن الخطاب سے اسلام کو عزت دے" حضرت عمر اُسی وقت
 آنحضرت کے پاس پہنچے اور مسلمان ہو گئے۔

حضرت حمزہ عم رسول کے اسلام قبول کرنے کی یہ کیفیت ہے
 کہ ایک روز وہ شکار سے آتے تھے راستہ میں سنا کہ ابوجہل نے آنحضرت
 محمد کو آج بہت تنگ کیا ہے۔ تنقضاے حیثیت وہ ابوجہل کے
 پاس باز پرس کرنے کو گئے۔ اور پھر خود علانیہ مسلمان
 ہو گئے۔

حضرت حمزہ اور حضرت عمر کا اسلام کفار مکہ کے لیے زاید اشتعال کا سبب ہوا
 پہلے نزاع شخصی تھی اور اب قومی جھگڑہ شروع ہوا۔ ابتدائیں دین میں
 مسند آنحضرت کے مخالف تھے اور اب کل قریش ایک دل ہو کر مخالفت
 پر کمر بستہ ہو گئے۔ نبوت کے ساتویں سال شروع ہونے پر ایک روز کفار
 مکہ نے جمع ہو کر ابوطالب عم رسول کو بلایا۔ اور صاف صاف لفظوں میں
 سنا یا کہ تم محمد کو ہمارے حوالے کر دو کہ ہم اسے ہلاک کر ڈالیں یا ہم سے
 جنگ کرو۔ ابوطالب گھر پہنچے اور آنحضرت کو بلا بھیجا۔ آنحضرت کے آنے
 پر چچا بھتیجے میں گفتگو شروع ہوئی۔ ابوطالب نے قریش کی گفتگو سنا کر کہا۔ محمد
 ہم میں قریش سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔ اپنی جان کا خیال کرو یا اہلی
 مکہ کے معبودوں کو برا نہ کہو۔ آنحضرت سمجھے کہ ابوطالب میری حمایت دست بردار

ہوتے ہیں۔ ابوطالب کی تقریر کا منشا ہی یہ تھا۔ آنحضرت نے کہا: "اگر آسمان سے آفتاب اور مہتاب اتر کر میرے واسطے اور بائیں آجائیں۔ جب بھی میں باز نہیں آسکتا۔" یا دوسری روایت کے مطابق یہ فرمایا کہ میں جو کچھ کرتا ہوں خدا کے حکم سے کرتا ہوں۔ آپ کی تحریف مجھے روک نہیں سکتی آپ میری مدد کیجیے تو بہتر نہیں تو خود اللہ کی مدد مجھے کیا کم ہے؟ آنحضرت یہ کہہ کر رونے لگے اور رونے کا مقام ہی تھا۔ ایک طرف دوسوز چپاکی نصیحت اور دوسری طرف خدا کا حکم۔ خدا کا حکم توٹانے کے لائق نہیں اور چچا ہے کہ فرط محبت میں خیر خواہانہ گفتگو کر رہا ہے۔ غرض کہ آپ وہاں سے افسردہ خاطر اٹھے اور گھر کا رخ کیا۔ آنحضرت کے مایوس اٹھنے پر ابوطالب بال بھرا یا اور ایک کٹن سال باعزت بہادر کی حیثیت سے انھوں نے کہا "اچھا جاؤ اپنا کام دیکھو جو جی میں آئے کرو۔ جب تک میں زندہ ہوں تمہارا بال بیکانہیں ہو سکتا۔"

ابوطالب نے جب آنحضرت کو کفار کے سپرد نہ کیا تو خود کفار آنحضرت کی فکر میں ہوئے کہ کسی طرح آپ کو ہلاک کریں۔ ابوطالب نے تمام ہاشمیوں (بنو ہاشم) کو جمع کر کے صورت حال بیان کی۔ سب نے ابوطالب کا ہاتھ دیا۔ اور نہ ہی لڑائی کی جگہ ایک گونہ خاندانی لڑائی ٹھن گئی۔ بنو ہاشم میں اس وقت تک بہت کم مسلمان تھے لیکن باقی قضاے حمیت خاندانی یہ ایک طرف تھے اور تمام قریش دوسری طرف تھے۔ مسلمانوں کو یہ خوف تھا کہ مسابدارات کو یارن کو اچانک قریش حملہ آور ہوں اس لیے آنحضرت صبح

تمام اصحاب کے ابوطالب کے وسیع مکان میں چلے آئے اور وہیں تمام
 بنو ہاشم بھی رہنے لگے۔ اس مکان کو ایک گڈھی فرض کرنا چاہیے۔ نورخون
 نے اسے شعب لکھا ہے۔ ماہ محرم کی پہلی تاریخ کا یہ واقعہ ہے۔ کفار نے
 یہ حالت دیکھ کر لڑنے کی توہمت نہ کی۔ لیکن آپس میں اتفاق کر کے اس
 شعب کے رہنے والوں کو اپنی قوم سے علیحدہ کر دیا اور انکے ساتھ ویسا ہی
 برتاؤ شروع کیا جیسا ہندوستان میں اکثر اقوام خطا کاروں کو خارج از برادری یا
 کوفات کر دیتے ہیں۔ اہل شعب کے ساتھ انھوں نے منکحت۔ مباحثت
 مخالفت اور برکالت بند کر دی۔ شعب سے جب کوئی نکلتا تھا تو لوگ
 اسکو مارتے تھے۔ بازار میں چیز خریدنے یا بیچنے نہ دیتے تھے۔ حتیٰ کہ
 ایام حج میں شعب سے باہر نکلنے نہ دیتے تھے۔ انسان کی فطرت یوں رکھی
 گئی ہے کہ ایک دوسرے سے استعانت چاہے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اس قید
 نے اہل شعب پر بڑی مصیبت ڈالی۔ جہانی اور روحانی تکلیف کے علاوہ
 کی تنگی بھی شروع ہوئی۔ سنا تے کہنے والے جب کبھی چھپ کے کوئی چیز بیچتے
 تھے او لوگوں کو خبر ہو جاتی تھی تو وہ اپنے پیچھٹوں میں رسوا کیے جاتے تھے
 اور بدعہد قرار پاتے تھے۔ تین برس یہ قید قائم رہی۔ قید سے چوٹنے کے
 حالات جاننے کے لیے تاریخ الاسلام پڑھنا چاہیے۔

ابوطالب کے مرنے پر چند دنوں کے بعد حضرت خدیجہ کبریٰ (رضی اللہ
 عنہا) زوجہ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے انتقال کیا۔ آنحضرت
 کو ابوطالب اور خدیجہ کے مرنے کا برا غم ہوا اور اسی لیے اس سال کو

آنحضرتؐ نے عام الحزن رنج کا سال کہا۔ ابوطالب اور خدیجہؓ کی موت نے
 کافروں کو دلیر کر دیا۔ انھوں نے پھر زیادتی شروع کر دی۔ ایک مرتبہ آنحضرتؐ
 پر کافروں نے راہ چلتے خاک ڈال دی۔ آپؐ اندر آئے تو آپؐ کی کسی لڑکی
 نے تمام جسم سے خاک جھاڑی۔ آنحضرتؐ ملول تھے اور کہتے تھے کہ ابوطالب
 کی حیات میں قریش دبے رہتے تھے خیر کچھ پروا نہیں اللہ تعالیٰ
 حمایت کرے گا۔

اب مکہ اس قابل نہ رہا کہ آنحضرتؐ وہاں قیام کرتے۔ لوگ بیطرح بے
 ادبیاں کرنے لگے۔ آنحضرتؐ نے نواح مکہ میں دعوت اسلام کا ارادہ
 کیا اور اس غرض سے مع اپنے خادم زید بن حارثہ کے قبیلہ بنی بکر میں
 پھرجی قوم قحطان کے پاس تشریف لے گئے۔ لیکن کہیں ٹھہرنے کی صورت
 نظر نہ آئی۔ صرف یہی نہیں کہ وہ لوگ اسلام کی طرف مائل نہیں ہوئے۔ بلکہ
 اہل مکہ کی طرح وہ لوگ بھی ایذا رسانی کے درپے ہوئے۔ شور کرتے
 تھے۔ بناتے تھے۔ آوازے کستے تھے۔ پتھر مارتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ وہ
 کسی طرح جہالت میں اہل مکہ سے کم نہ تھے۔

تھوڑے دنوں تک باہر رہ کر جب آنحضرتؐ پھرے تو راہ میں چند مسلمانوں
 سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے عرض کیا کہ "طائف میں یہود وہ لوگوں نے
 جو کچھ آپؐ کے ساتھ برتاؤ کیا اہل مکہ اس سے واقف ہیں۔ یہاں بھی چند
 ہنجرے آپؐ کے لیے طیار کیے گئے ہیں۔ مکہ چلنا کسی طرح مصلحت نہیں"
 آنحضرتؐ کوہ حرا پر ٹھہرے اور سرداران مکہ کے پاس پیغام بھیجا لیکن کسی نے

آپ کو اپنی حمایت میں لینا پسند نہیں کیا۔ اخیر میں مطعم بن عدی راضی ہوا اور کوہ حرا سے آنحضرتؐ کو ساتھ لایا اور لوگوں کے پوچھنے پر بلا کہ میں محمدؐ کا مجبور و حمایتی ہوں۔ دستور جاہلیت کے موافق پھر کوئی آنحضرتؐ سے بول نہ سکتا تھا۔ مطعم بن عدی آنحضرتؐ کو اپنے گھر لے گیا اور اس کے تمام گھر والے آنحضرتؐ کی محافظت کرنے لگے اور چند روز تک آنحضرتؐ اور ان کے اصحاب امن کے ساتھ رہے۔

نبوت کے گیارہویں سال قبیہ خزاج کے چار یا چھ شخص جو مدینہ سے حج کرنے آئے تھے مسلمان ہوئے۔ انھوں نے مدینہ میں جا کر آپؐ کا ذکر کیا اور یہی گویا ہجرت مدینہ کی بنیاد پڑی۔

تیرہویں سال ایک جماعت کثیرہ مدینہ سے حج کرنے آئی اور انہیں بہت لوگ مسلمان ہوئے۔

دوسرے سال ایام حج میں حضرت مصعب مکہ میں آئے اور پچھتر آدمیوں کو آنحضرتؐ کے ہاتھ بیعت کرنے کے لیے ساتھ لائے۔ ان لوگوں نے مسلمان ہو کر آنحضرتؐ سے اس دعا کی کہ آپؐ مدینہ میں چل کر قیام فرمائیے جب مدینہ والوں سے پورا اطمینان ہو لیا تو آنحضرتؐ نے مسلمانان مکہ کو مدینہ جانے کے لیے عام اجازت دی۔ مکہ میں یہ لوگ زندگی سے بیزار تھے حکم ہوتے ہی انھوں نے روانگی شروع کر دی۔

اہل مدینہ کے مسلمان ہونے اور مکہ سے مسلمانوں کی ہجرت کرنے سے کفار قریش بہت خائف ہوئے۔ ٹورے کہ محمدؐ یوں نے زور پکڑا تو بدلا ضرور

لیں گے۔ اور سب نے ملکر شوریٰ کیا پہلے آنحضرتؐ کا قید کرنا پھر جلاوطن کرنا شوریٰ میں پیش ہوا۔ اخیر میں ابو جہل نے یہ راے دی کہ محمدؐ ہلاک کیے جائیں اور کثرتِ راے سے یہی تجویز قرار پائی۔ لیکن ابو بکرؓ کے ساتھ آنحضرتؐ مکہ سے چھپ کر بھاگے اور مدینہ شامی دشمنوں سے خود کو بچاتے ہوئے مدینہ پہنچ گئے۔ مفصل حالات پڑھنے میں بڑی دلچسپی ہے۔

مہاجرون (ہجرت کرنے والے مسلمان قریش) کے لیے مدینہ باعتبار آب و ہوا کے اچھا تھا۔ مکہ کی بالکل خشک آب و ہوا تھی اور مدینہ کی مریضی سیر سے سفر کی بے سرو سامانی اور بے اعتدالی۔ مدینہ میں صفائی بھی کم تھی تھوڑے دنوں میں مسلمانوں کو تغیر آب و ہوا کا اثر معلوم ہونے لگا۔ اکثر مسلمان جاڑے بخار یا وبا کی بیماریاں مبتلا ہو گئے۔ جب بخار میں وہ نہریاں بہتے تھے تو کھارک کو گالیان دیتے تھے جنکی وجہ سے مکہ کی لطیف آب و ہوا اسنے چھوٹی تھی۔ یہ مصیبت زائد عرصہ تک نہ رہی۔ کچھ تو آب و ہوا موافق آگئی اور کچھ مسلمانوں کی صفائی نے گویا نیویسپل دانی لا جاری کر کے تمام شہر کو عفونت اور گندگی سے پاک کر دیا۔ ✓

اب صرف فاقہ کشی کی ایک تکلیف رہ گئی تھی صہین عرصہ تک مہاجر مبتلا رہے۔ جب تک متمول مہاجرون کے پاس سرمایہ تھا غریب مہاجرون کی خبر گیری ہوتی رہی۔ تھوڑے دنوں میں اسیر و غریب سب برابر ہو گئے۔ انصار یعنی مسلمانان مدینہ کب تک مہمانی کا بوجھ اٹھاتے۔ پھر بھی وہ بہت کچھ کرتے تھے۔ مسلمانوں پر یہ زمانہ بڑی عسرت کا تھا اور اسکے ساتھ ہی بڑے امتحان

کا بھی تھا۔

غرض کہ ہجرت کے اول ہی سال مسلمانوں کا پورا سکہ مدینہ میں بیٹھ گیا۔ صرف ایک فاقہ کشی کی تکلیف تھی وہ بھی چند سال کے بعد رفع ہو گئی۔ مسلمانوں کی تاریخ میں ہجرت مدینہ ایک بڑا واقعہ ہے اور اسی سے سنہ ہجری کا آغاز ہوتا ہے۔

آج تک مسلمانوں نے حقیقتاً صبر کیا وہ طاقت بشری سے باہر تھا۔ وہ بھی انسان تھے۔ عرب کا خون رگون میں تھا تعداد میں کم سی لیکن کیا کم تعداد کی جماعت میں غصہ ناپیدار ہوتا ہے۔ کمزور زبردست سے کبھی جھجھکا کر چپٹ نہیں جاتا۔ ”کنور مغلوب یصول علی اکلب“ لیکن مجبوری یہ تھی کہ آنحضرتؐ کے حکم بغیر اصحاب کچھ کرنے سکتے تھے اور آنحضرتؐ کا حکم بلا دجی (حکم ربانی) کے صادر نہ ہو سکتا تھا یا یہ کہ آپ کو ایک وقت خاص کا انتظار تھا۔ حکم جہاد ہوتے ہی مسلمان اس طرح پھر گئے جس طرح بھوکا شیر بچر سے باہر کر دیا جائے۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں غزوات کی تعداد ۱۹ سے ۲۴ تک اور سر یہ کی تعداد تقریباً ۶۵ تک بیان کی جاتی ہے۔ انہیں سے ابتدائی حملے مسلمانوں کے لوٹ مار کی قسم سے تھے اور اسی لیے یورپ کے بعض متعصب مؤرخین نے آنحضرتؐ محمد کو لوٹیر دن کا سردار لکھا ہے۔ فردوس کہ بیان لوٹ مار کی تشریح کر دی جائے تاکہ مسلمانوں پر یہ اتہام عاید نہ ہو۔ مکہ کے رہنے والے شام کو برابر تجارت کی غرض سے آتے جاتے تھے۔ مدینہ راہ میں پڑتا تھا۔ نواحی مدینہ سے جب یہ کفار گزرتے تھے تو مدینہ کے

مسلمانوں کو خبر ملتی تھی۔ مکہ والوں نے جو زیادتیان مسلمانوں کے ساتھ کی تھیں وہ اوپر بیان کی گئیں۔ مکہ کا کوئی کافر ایسا نہ تھا کہ مسلمانوں کا اس سے بدلہ لینا بیجا سمجھا جاتا۔ اس لیے بلا استشار قریش کے کافروں پر مسلمان حملہ کرتے تھے اور کبھی کبھی کامیاب بھی ہوتے تھے۔ ان حملوں کو کسی طرح بیجا نہیں کہا جاسکتا اور نہ اسے لوٹ مار سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

بعض متعصب مورخ لکھتے ہیں کہ پیغمبر کی شان سے بالکل بعید ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو لوٹ مار کا حکم دے۔ لیکن کفار کی کچلی زیادتیوں کو سنکر کوئی سمجھ دار ایسا نہیں کہہ سکتا۔ تمام قریش نے ایک دل ہو کر مسلمانوں کو مدینہ سے نکال دیا۔ اور مال و اسباب بھی کچھ کچھ ضبط کر لیا۔ مسلمان ہونے کے جرم میں جہاں تک اسے ممکن ہوا مسلمانوں پر سختیاں کیں۔ اب کیا پیغمبر کی یہ شان تھی کہ لوگوں کو ایمان لانے کے قصور میں اتنی سب سزا میں دیجاتیں اور وہ پھر بھی سزا پانے والوں سے یہی کہے جاتا کہ تم صبر کرو۔

اسلام پھیلانے میں قریش بہت بڑے ہار ج تھے۔ انکا زیر کرنا بھی اس حیثیت سے لازم تھا۔ یہی خیال اور بھی چند مورخین کا ہے۔ لیکن بعض مورخین یہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے کبھی لوٹ مار کا حکم نہیں دیا۔ پیغمبر خدا کو یہ خوف تھا کہ مدینہ پر کہیں قریش حملہ نہ کریں۔ انکے آنے جانے کی خبر سن کر لوگوں کو آنحضرت تفحص حالات کے لیے تعینات کرتے تھے۔ تفحص حالات کے لیے اصحاب کا جانا مورخوں نے سر یہ لینے جنگ کے لیے فوج کا بھیجا جانا غلط سمجھ لیا ہے۔ اس خیالی کے مورخوں کا بیان ہے کہ

بدر کی لڑائی تک جو لوگ قریش کے قافلہ کی طرف گئے وہ سب تفحص حال کے لیے بھیجے گئے تھے کہ کہیں مدینہ پر کفار عرب کا حملہ تو نہ ہو یا جو متعلقین مسلمانوں کے مکہ میں رہن دریافت کریں کہ انکے ساتھ کیا برتاؤ کفار رکھتے ہیں۔ بدر کی لڑائی میں آنحضرت جو مدینہ سے نکلے وہ بھی جنگ کی غرض سے نہیں بلکہ قریش کی آمد کی خبر سن کر آپ یہ مناسب سمجھے کہ مسلمان مدینہ میں چھپے بیٹھے رہیں۔ آپ کا یہ خیال تھا کہ جن لوگوں نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے یہ انکے تفحص کا سبب ہوگا۔ بہتر ہو گا کہ آگے بڑھ کر مسلمان قریش کو روکیں۔ جو پناہ دے وہیں ہو رہے گا۔ مدینہ کے باشندوں پر بلا کا نازل ہونا اچھا نہیں۔

بعضے حملے مسلمانوں کی طرف سے فواحی مدینہ کے باشندوں پر بھی کیے گئے۔ نہ اس لیے کہ انکے مال و متاع کو لوٹ کر سیٹ پالا جائے بلکہ اس لیے کہ انکی زیادتیوں نے حفاظت خود اختیار سی پر مسلمانوں کو مجبور کر دیا تھا۔

سال اول کے اخیر یا سال دوم کے شروع میں پہلا غزوہ ابوا کا ہوا۔ یہ مقام مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہے۔ آنحضرت اسعد بن عبادہ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ چھوڑ کر قریش کے حمایتی قبیلہ بنی حمزہ کے مقابلے کے لیے روانہ ہوئے بمقام ابوا قبیلہ بنی حمزہ کے لوگ بصلح پیش آئے اور اس لیے لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ صلح اس امر پر ہوئی کہ وہ کفار قریش یا مدینہ کے مسلمان کسی کا بھی ساتھ نہ دیں گے۔ شرط صلح سے ظاہر ہے کہ نیت مسلمانوں کی کیا تھی۔ ✓

غزوہ بدر کبریٰ کی کیفیت یرن بیان کی گئی ہے کہ ایک بڑا مال تجارت کا

مکہ سے شام کو ابوسفیان امیر قافلہ کے ذریعہ سے گیا۔ شام سے پھرتے ہوئے
اُسے نواحی مدینہ سے گذرنا ضرور تھا اور یہ بھی یقینی تھا کہ جب مسلمان بدلہ
لینے پر تلمے ہوئے ہیں تو جنگ کا ہونا ممکن ہے۔ اسلئے ابوسفیان نے مکہ
میں مدد کے لیے آدمی بھیجا۔ قاصدا ونٹ کے کان کاٹ کر زمین اولٹی
باندھ کر گریبان دریدہ شہر میں داخل ہوا۔ تمام شہر میں اُسکے آنے سے
تسلک مچ گیا۔ چونکہ مال تجارت کل قوم کا تھا اسلئے تمام اہل مکہ کو اس قافلہ سے
تعلق تھا اور یوں آنحضرت محمد کی دشمنی ہی کیا کم غرض مشترک تھی۔ تمام مکہ
کے جنگ جو شہر سے نکل پڑے۔ مکہ کے اکثر اہل الرائے اس خروج کے
مخالف تھے اور اخیر تک وہ مخالفت پر قائم بھی رہے مگر ابو جہل کی جوڑ بازی
کے سامنے کسی کا بس نہ چلا اور آنحضرت چلے اور شام سے ابوسفیان
کا قافلہ آیا۔ مکہ سے تمام صنادید قریش ابو جہل کی رہنمائی میں چل کھڑے ہوئے
تھے۔ ابوسفیان ساحل بحر سے دب کر نکل گیا۔ مسلمانوں کو خبر نہ ہونے پائی۔
اُسے ابو جہل کو بھی واپس بلانا چاہا اور کہلا بھیجا کہ جب مال بچا لایا گیا تو پھر
جنگ سے کیا مطلب۔ مگر بیان تو اُسکی موت آ پہنچی تھی بھلا وہ کیونکر راضی ہوتا
مدینہ سے چلتے وقت مسلمانوں کو یہ علم نہ تھا کہ اس لڑائی میں تمام قریش
سے مٹ بھیر ہو جائیگی۔ وہ جانتے تھے کہ صرف ابوسفیان کے قافلہ والوں
مقابلہ ہوگا۔ جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ جنگ کا پورا سامان ہے تو آنحضرت
نے مسلمانوں کا استمراج لینا چاہا۔ مہاجرین تو کفار کہ پرچار کھاتے ہی تھے۔
انکی مستعدی کچھ مستعد نہ تھی لیکن انصار کو مستعد پا کر آنحضرت بہت محفوظ

ہوئے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے کہا کہ ہم حضرت موسیٰ کی نافرمانی انت
نہیں ہیں کہ ”اذہب انت و ربک فقاتلا“ کہہ کر الگ ہو جائیں۔
ہم آپ کے ساتھ سر دینے کو تیار ہیں۔

ابوسفیان کی جماعت ابوہل کے ساتھیوں سے ملی۔ جب بھی یہ بحث
ہوتی رہی کہ لڑنا مصلحت ہے یا واپس جانا۔ کثرتِ رائے واپس جانے
پر تھی لیکن ابوہل کو لڑائی کی زیادہ تمنا تھی۔ اس نے اخیرین عامر کو گانٹھا جکا
بھائی عمر سر یہ عبداللہ مین مارا گیا تھا۔ وہ ننگے سر و اعمرہ ”کہتا ہوا شکر
میں شور مچانے لگا۔ اس آخری فکرمین ابوہل کامیاب ہوا اور لڑائی چھڑ گئی
اس جنگ میں ابوہل کے ساتھ ساڑھے نو سو لڑنے والے تھے اور
کچھ ابوسفیان کے بھی ساتھ تھے۔ ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت
کم تھی۔ بیان کیا گیا ہے کہ صرف تین سو بائیس مسلمان اس لڑائی میں آنحضرت
کے شریک تھے جنہیں سے اتنی تو مہاجرین تھے اور باقی انصار تھے۔ جو لوگ
مکہ سے مدینہ میں آکر آنحضرت کے ساتھ بسے تھے وہ مہاجر کہلاتے تھے۔ اور
مدینہ کے مسلمان انصار کہلاتے تھے۔

جنگ کی ابتدا یوں ہوئی کہ تین کفار قریش یعنی عتبہ و قحط نے میدانِ جنگ
میں آکر مردِ مقابل طلب کیے۔ تین شخص انصار کے بڑھے لیکن انھوں نے
کہا کہ ہم لڑنا ننگ سمجھتے ہیں یہ سنکر مہاجرین سے حمزہؓ۔ علیؓ۔ عبیدہؓ
سامنے آئے۔ حمزہؓ اور علیؓ نے تو اپنے اپنے مبارز کو فوراً ہی ہلاک کیا لیکن
عبیدہؓ سے برابر کی لڑائی ہوئی۔ عبیدہؓ نے زخم کھایا اور اپنے مبارز کو بھی

زخمی کیا حمزہؓ اور علیؓ نے پہونچکر عبیدہ کے مبارز کو بھی ہلاک کیا۔ اسکے بعد پوری جنگ شروع ہوئی۔ کفار کانکر اور پھر اُسپر سے باہمی اختلاف آنا ایک طرف تھا اور دوسری طرف دل جلے مسلمان اور سب سے بڑھ کر امید غیبی۔ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ بہت سے کفار مارے گئے اور قید کیے گئے۔ کفار بھاگے تو مسلمانوں نے تعاقب کیا۔ حالت تعاقب میں کچھ کفار اسیر ہوئے اور مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ مقتول کفار کی تعداد شتر بیان کی گئی ہے اور اتنے ہی اسیر بھی ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے صرف ۴۴ مسلمان کام آئے جنہیں سے چھ ہمارے تھے اور آٹھ انصار۔ اس لڑائی میں تمام ہرانے دشمن اسلام کے مارے گئے۔ وہ لوگ جو ہجرت کی رات مکہ میں خانہ رنگول کے محاصرے میں تھے باسٹھ ایک شخص کے جو بعد کو مسلمان ہوا اور سب کے سب مارے گئے۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مسلمانوں کے دشمن معدوم ہو گئے تھے۔ جوش جاہلیت نے اور نئے نئے دشمن پیدا کیے جنکی لڑائیوں کا حال مفصل تاریخ الاسلام میں مندرج ہے۔

ابتداء سے اسلام کی حالت ہی ایسی تھی کہ فوجی قانون (مارشل لا) جاری کیے بغیر کام نہ چلتا۔ کہیں دو چار ابو جہل مدینہ میں بھی پیدا ہو جاتے تو مسلمانوں کا رہنما دشوار ہو جاتا۔ اسلئے اہل مدینہ اور اسکے اطراف کے یہودیوں سے جب کوئی زیادتی ہوتی تھی تو پھر بدلہ لینے میں مسلمان تامل نہ کرتے تھے لیکن کسی حالت میں وہ انصاف۔ تہذیب اور اعتدال سے متجاوز نہ ہوتے تھے۔ اور ایک بات اور بھی تھی کہ مدینہ میں آنحضرتؐ کی حالت سلطان وقت

کی سی تھی۔ اور سلطان وقت کے خلاف سازش کرنے والے باغیوں کو نرا
دینا ہر حالت میں ضرور تھا۔

پہلے عرب میں کوئی بادشاہ نہ تھا نہ کوئی بادشاہی قانون تھا۔ آپس کے دستور
اور معاہدہ کے مطابق ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے رتاؤ کرتا تھا۔ اور قبیلہ کے
سر دار کو یا قبیلہ کے حکمران ہوتے تھے۔ جب مسلمان مدینہ میں آئے تو قرب
جوار کی قوموں سے دستور کے مطابق معاہدے ہوئے کہ ایک دوسرے کا بُرا نہ چاہے
اور باہم مراسم احترام قائم رہیں۔ مدینہ میں ایک قبیلہ یہودیوں کا بنی قنیقاع
تھا یہ لوگ اپنے معاہدہ پر قائم نہ رہے مسلمانوں سے بے ادبیاں شروع
کیں۔ ایک مسلمان عورت سے تسخر کرنے پر فریقین کے ایک ایک آدمی ملے
گئے۔ پیغمبر خدا نے انکو بلا بھیجا اور باشتی گفتگو کی مگر ان لوگوں نے کچھ خیال
نہ کیا وہ کہنے لگے کہ قریش پر غالب رہنے سے آپ کچھ گھٹنڈ نہ کیجیے۔ وہ فن
جنگ سے واقف نہ تھے ہم لوگ اس فن کے ماہر ہیں۔ ہم سے ڈرتے ہیں
اہل بیرون نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے عروج پر وہ لوگ حاسد بھی تھے نہ صلہ
باہم لڑائی کی ٹھہر گئی۔ جب مسلمان ہوئے تو وہ اپنی گڈھی میں پناہ گزین ہو گئے
اور پھر پندرہ دن کے بعد اسیر ہو گئے۔ اخیر میں شہر بدر ہوئے پر وہ راضی ہوئے
اور اسی شرط پر انکی جان بخشی کی گئی۔

ابوسفیان نے قسم کھائی تھی کہ محمد یا اصحاب محمد سے انتقام لیے بغیر وہ عورت
سے صحبت نہ کرے گا۔ نہ سرین تیل ڈالے گا۔ آنحضرت سے اب انتقام لینا
آسان نہ تھا اسلئے محض قسم اوتارنے کو وہ کچھ آدمی لیکر نواحی مدینہ تک آیا۔ مدینہ

اسے تین میل کے فاصلہ پر ایک مسلمان اور اس کے ایک مزدور کو مار کر اور چند
خونے کے درختوں اور رہنے کے گھروں میں آگ لگا کر چلا گیا۔ آنحضرتؐ نے
خبر پا کر تعاقب کیا لیکن ابوسفیان بھاگا اور بھاگتے ہوئے بارشتر لپکا کرنے کی
غرض سے سویق (ستو) کے بورے گراتا گیا۔ اسی وجہ سے اس کا نام غزوہ
سویق رکھا گیا۔

عراق اور کئی راہ میں مدینہ سے تین منزل کے فاصلہ پر قرقرۃ الکدر واقع
ہے۔ مسلمانوں کو خبر پہنچی کہ وہاں بنو سلیم اور بنو علفان فساد کے لیے جمع
ہوئے ہیں۔ آنحضرتؐ نے اُن پر چڑھائی کی۔ وہ لوگ تو بھاگ گئے لیکن اُن کے
چرواہے ۵۰ سوانٹ سمیت گرفتار ہوئے۔ سال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم ہوا
ان چرواہوں میں یسار نام ایک غلام تھا وہ آنحضرتؐ کے حصہ میں آیا اور مسلمان
ہوا۔ آنحضرتؐ نے اُسے پھر آزاد کر دیا۔

اب ہجرت کا تیسرا سال شروع ہوا۔ ہجرت کے دوسرے سال اور حکم جہاد
کے پہلے ہی سال آنحضرتؐ نے حکم رانی کی ایک جثیت پیدا کر لی تھی۔ آپ
مسلمانوں کے سردار اور مقتدا تو تھے ہی اب اگر وہ لوگ کے لوگ بھی آپ کا خیال
رکھنے لگے جو عداوت اور کینہ رکھتے تھے (اور ایسے لوگ بہت تھے خود انھیں
میں کتنے منافق تھے) وہ بھی کھلم کھلا انھیں بغض میں تکلف کرتے تھے۔ اور
تکلف نہ کرتے تو باغی قرار پا کر اپنے اعمال کی سزا پاتے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کو
 معلوم ہوا کہ مدینہ سے کچھ تھوڑی دور پر نواحی سجد میں بہ مقام ذی امر کچھ یہود
ایکے جمع ہوئے ہیں کہ مسلمانوں پر اچانک آپڑیں اور نقصان پہنچائیں۔ آنحضرتؐ

نے خود پیش قدمی کی اور کوئی ساڑھے چار سو آدمی ساتھ لیکر موقع پر پہنچ گئے۔ یہود پھاڑوں میں جا چھپے اور مقابلہ نہ کر سکے۔ مسلمان محلاً بالطبع ہو کر ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ آنحضرتؐ ایک درخت کے نیچے تنہا سو رہے تھے کہ ایک یہود شمشیر کی بے پناہی سے اتر آیا اور کہنے لگا "سن یہ جنگ ستی" بتاؤ تمہیں کون بچا بیگا۔ آنحضرتؐ نے کہا اللہ تعالیٰ۔ یہ سنتے ہی وہ ایسا مرغوب ہوا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ آنحضرتؐ نے اس کی تلوار ہاتھ میں لیکر دو چھا کر اب بتاؤ تمہیں کون بچا بیگا۔ اس یہود کے منہ سے نکلا "اشھدان لا الہ الا اللہ وان محمدًا رسول اللہ" یعنی وہی اللہ جس نے اپنے رسول کو بچایا۔ اس غزوہ میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی نہ کچھ مال غنیمت دستیاب ہوا۔ جب مکہ والوں کو معلوم ہوا کہ مسلمانان مدینہ ہماری تاک میں رہتے ہیں تو انھوں نے شرب یعنی نواحی مدینہ کا راستہ چھوڑ کر عراق عرب یعنی مدینہ سے مغرب ہو کر شام جانے کا ارادہ کیا۔ مسلمانوں کو اس کا پتہ لگ گیا۔ زید بن حارثہ کو آنحضرتؐ نے روانہ کیا۔ قریش بھاگ گئے۔ ابی انکس ساتھ مال بہت تھا اس لیے بہت کچھ نقد و جنس مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

کعب بن اشرف یہودی بڑا ہی بد ذات شاعر تھا۔ مدینہ کے قریب ہی ایک ٹیلہ پر چھار میں رہتا تھا۔ اپنی قوم کا سردار اور دولتمند بھی تھا۔ جنگ بدر کے بعد یہ مکہ میں گیا اور جانے کی غرض صرف یہ تھی کہ قریش کو اپنی سحر جانی سے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے مستعد کرے۔ اس کا فساد مسلمانوں کو کھلا تھا۔ آنحضرتؐ کے ایمان سے چند انصار نے اسے قتل کر ڈالا وہ اپنے کردار کو

پہونچا اور اس لیے اسکے اعزہ نے زیادہ شور و غل نہیں کیا۔
 قریش نے پورے طور پر سامان کر کے دوبارہ مدینہ پر چڑھائی کی۔ عباس بن
 عبدالمطلب نے پہلے سے آنحضرتؐ کو مطلع کر دیا تھا۔ مدینہ کے قریب قریش
 پہونچے تو مسلمانوں نے مشورہ شروع کیا۔ آنحضرتؐ کی رائے تھی کہ لوگ مدینہ
 سے باہر نہ جائیں۔ شہر میں گھس کر قریش کو لڑنا مشکل ہوگا اور مسلمانوں کو اس میں
 سمولت ہوگی۔ بعض اصحاب نے بھی یہی رائے دی۔ لیکن وہاں مسلمانوں
 کا شوق شہادت بڑھا ہوا تھا اور جو لوگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے وہ تو
 اور بھی زیادہ حریص تھے۔ آنحضرتؐ نے بھی یہی رائے منظور کی جب آنحضرتؐ
 ہتھیار لگا کر باہر چلنے لگے تو بعض اشخاص نے سوچا کہ پیغمبرؐ کی رائے سے
 اختلاف کرنا ٹھیک نہ تھا۔ آنحضرتؐ نے سنکر کہا کہ ”پیغمبرؐ کی شان کے خلاف ہر
 ہتھیار باندھ کر کھول ڈالو۔ اب جو ہونا تھا ہو چکا۔“

قریش تین ہزار کی جماعت سے آئے تھے انہیں سات سو جوان زرہ پڑ
 تھے۔ سردار فوج کا ابوسفیان تھا اور اسکے ماتحت بہت سے اکابر قریش
 تھے۔ دشمنوں کی تعداد تو زیادہ تھی ہی لیکن مسلمانوں نے غلطی کی کہ آنحضرتؐ
 کی ہدایت پر کار بند نہ ہوئے۔ مسلمان بہت مارے گئے۔ کفار برابر کی لڑائی
 سمجھ کر واپس گئے وہ یہی غنیمت سمجھے کہ بات بدل گئی۔

اسی شہد میں آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ قطن (ایک پہاڑ ہے قد کی طرف)
 میں قبیلہ بنی اسد کے چند مفسد جمع ہو کر مسلمانوں پر قصد حملے کا رکھتے ہیں
 آنحضرتؐ نے ”دشمن نمران حقیر و بیچارہ شمر د“ پر عمل کر کے ابو سلمہ مخزومی

فصل سوم
 پیغمبرؐ
 صبح ہو کر
 ہے تھے
 ”بتاؤ
 نام و
 یاد و
 ان
 ل کو
 ہوا۔
 میں تو
 یہ ہے
 حارث
 لیے
 ہی
 بدر
 بانی
 کا
 لو

کو ڈیڑھ سو مسلمانوں کے ساتھ بنین ابو عبیدہ بن جراح اور سعد بن وقاص وغیرہ اکابر بھی تھے دشمن کی گوثالی کو روانہ کیا۔ مخالفوں نے مقابلہ نہ کیا مسلمان فتحیاب ہوئے اور مع مال غنیمت کے واپس آئے۔

اب سنہ ہجری کا چوتھا سال شروع ہوا۔ سال کے شروع ہی میں ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ بہت سے انصار شہید ہوئے۔ قبیلہ بنو دہنی عام سے ابو براء نام ایک یہودی آنحضرتؐ کے پاس مدینہ میں آیا۔ مسلمان تو نہیں ہوا لیکن اسلام کا معتقد معلوم ہوا۔ بظاہر یہ سمجھا گیا کہ وہ تنہا مسلمان ہوا، انہیں چاہتا کل خاندان کے ساتھ مومن ہونا دنیاوی مصالحتوں کے اعتبار سے مناسب سمجھا ہے۔ خود اسکی درخواست پر چالیں یا ستر اصحاب جنہیں اکثر انصار تھے روانہ کیے گئے تاکہ وہ لوگ اسکے وطن میں جا کر اسلام کا وعظ کریں جو مسلمان اسکے ساتھ گئے تھے بے سلاح تھے اور دھوکے سے مارے گئے۔

ایک مرتبہ تمام اکابر اصحاب کو آنحضرتؐ یہودی بنی نضیر (مدینہ کے یہودیوں کا ایک قبیلہ) کے گھر لگے۔ وہاں سبوں نے آنحضرتؐ کو تیغ لٹکا کر شہید کرنے کا ارادہ کیا۔ آنحضرتؐ کو پتہ لگ گیا۔ آنحضرتؐ نے قبیلہ بنو نضیر کی سزا جلا وطنی تجویز کی۔

شہید بن آنحضرتؐ کو خبر پہنچی کہ بنو المصطلق کا سردار حارث ابن ہزار مسلمانوں پر لشکر کشی کا ارادہ رکھتا ہے۔ تصدیق خبر کے بعد آنحضرتؐ نے خود پیشہ دستی کی۔ یہودی کی طرف سے دہل آدمی مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ ادھر صرف ایک مسلمان شہید ہوا۔ لڑائی میں یہودیوں کے

پاون اٹھ گئے۔ مال غنیمت کے ساتھ مسلمان واپس آئے۔

اکثر مورخین کا بیان ہے کہ غزوہ خندق اسی شہد میں واقع ہوا۔ اس غزوہ کو غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں۔ بنو نضیر مدینہ سے جلا وطن ہو کر اطراف عالم میں منتشر ہو گئے۔ حی بن اخطب جو مع اپنے ساتھیوں کے خیبر میں جا کر قیام ہوا تھا چند یہودیوں کو ساتھ لیکر پہونچا۔ وہ لوگ آنحضرت سے توڑنے داسے تھے ہی۔ ان یہودیوں کی مدد سے ان کو اور انبھارا۔ سرداران قریش نے غلاف کعبہ کے اندر گھس کر تقسیم ارادت کی نسبت تمہیں کھائیں اور بہت ہی مستعدی اور یک دلی سے یہ لوگ باہر نکلے۔ چار ہزار آدمی تو قریش کے تھے اور چھ ہزار یہود اور اطراف مکہ کے لوگ جملہ دس ہزار کی جمعیت سے مسلمانوں پر چڑھائی کی گئی۔ مدینہ کے قریب پہونچ کر حی بن اخطب نے قبیلہ بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسید کو بھی گانٹھا اور اس طرح بنو قریظہ بھی قریش کے ساتھ مل گئے۔ یہ لڑائی بڑے معرکہ کی ہوئی بالآخر کفارنا کام واپس گئے۔ اس لڑائی میں مخالفین کی کثرت تعداد پر بھاننا کر کے آنحضرت نے اپنی فوج کو خندق کھود کر محصور کر لیا تھا اس لڑائی میں بنو قریظہ نے بد عمدی کر کے کفار عرب کا ساتھ دیا تھا اس لیے وہ سب کے سب قتل کیے گئے۔

اسی شہد کے اخیر میں آنحضرت کو معلوم ہوا کہ دو مہاجرین بنو ہاشم کے لوگ جمع ہو کر قطاع الطریق کر رہے ہیں۔ راہ چلنے والوں کو سخت مصیبت کا شکار ہے۔ ہزار آدمی کی جماعت سے آنحضرت روانہ ہوئے۔ وہ لوگ تو بھاگ گئے لیکن ان کے ہواشی مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور مال غنیمت سمجھے گئے۔ دو مہاجرین

ایک قلعہ ہے جو مدینہ اور دمشق کے بیچ میں واقع ہے۔

آنحضرت کو خبر ہوئی کہ جماعت انمار اور ثعلبہ نے لشکر جمع کر کے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا ہے۔ آپ نے خود مسرت کی۔ دشمنوں نے مسلمانوں کی ستوری دیکھ کر فرار اختیار کیا۔ مسلمانوں کے پاؤں اس سفر میں زخمی ہو گئے تھے زخون پر جیتھڑا لپٹنے سے یا جھنڈوں میں پیوند لگانے سے اس غزوہ کو ذات الرقاع کہتے ہیں۔

حجاز کے کنارے ایک مقام رجع نام ہے وہاں سے کچھ لوگ مدینہ میں آکر بظاہر مسلمان ہوئے۔ اور چھ مسلمان ارکان دین سکھانے کو ان کے ساتھ گئے۔ وہ گھر ہو چکے اُن سے لڑے اور اکثر دن کو مار ڈالا۔ قصاص خون کے لیے آنحضرت نے بنو نعیمان پر چڑھائی کی۔ لیکن اُن کے بھاگ جانے سے لڑائی کی قربت نہیں آئی اور اس سلسلہ میں محمد بن سلمہ کو آنحضرت نے قضا یا کی طرف بکربن کلاب کی سرکوبی کو روانہ کیا۔ تھوڑے سے مقابلہ کے بعد دشمن بھاگ نکلے اور مسلمان کامیابی کے ساتھ واپس آئے۔

آنحضرت کے اونٹ مدینہ کے قریب چرتے تھے۔ عبدالرحمن بن عوف نے اونٹوں پر چھاپا مارا اور سلمہ بن عمرو نے اونٹوں کو تاقب کیا۔ جنگل میں سے وہ لوگ اونٹ لے چلے اور سلمہ نے درختوں کی آڑ سے تیرا مار شروع کیا۔ سلمہ بطرح اُن کے پیچھے پڑا۔ اونٹوں نے اونٹ چھوڑ دیے لیکن سلمہ نے اُنکو نہیں چھوڑا۔ اپنے اپنے فورہ اور تھپار اونٹوں نے پھینک دیے کہ انھیں لیکر سلمہ بچ جائیگا لیکن سلمہ نہیں بچا اور دشمن بہت قراک ہوئے۔ اس کے بعد فریقین

کی طرف سے مدد پہنچ گئی اور دشمنوں کو بھاگنے کا صاف راستہ بھی مل گیا۔
دور تک مسلمانوں نے دشمنوں کا تعاقب کیا۔ اور جب پھر کر آئے تو راہ میں چشمہ
نوی قرہ کے پاس دیکھا کہ آنحضرتؐ مع اپنے صحابیوں کے مسلمانوں کی مدد
کے لیے تشریف رکھتے ہیں۔ مسلمانوں نے پھر تعاقب کرنا چاہا مگر آنحضرتؐ نے
راے ندوی اور وہیں سے واپس آئے۔

آنحضرتؐ کو خبر ملی کہ قریش کچھ مال لیکر شام کی طرف جاتے ہیں۔ زید بن حارثہ
کو آنحضرتؐ نے اس مہم کے لیے نکلتا کیا۔ بمقام عیص قریش کا کاروان ملا۔
مال مسلمانوں نے لوٹ لیا اور اہل کاروان کو گرفتار کر لیا۔

اسی سال میں آنحضرتؐ کو خبر ملی کہ بنو بکر بن سعد خیبر کے یہودیوں کے ساتھ
سازش کر کے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ حضرت علیؓ ابن ابی طالب
باغیوں کی سرکوبی کو روانہ کیے گئے بمقام مذکر دشمنوں سے مقابلہ ہوا۔ دشمنوں
کو ہزیمت ہوئی اور مسلمان مال غنیمت کے ساتھ کامیاب واپس آئے۔

اسی سال ایک مرتبہ زید بن حارثہ کو شام کا سفر پیش آیا۔ انکے ساتھ بہت کچھ
مال تجارت کا تھا وادی قریٰ میں قبیلہ فزارہ کے لوگوں نے حملہ کر کے مال اور
اسباب انکے چھین لیے اور کچھ ساتھی انکے شہید بھی ہوئے۔ یہ ہزیمت باکر مدینہ
میں آئے اور یہاں سے کافی مدد لیکر دشمنوں کے مقابلہ کو گئے اور قحیاب واپس
آئے۔

آنحضرتؐ نے خراب میں اپنے کو مع اصحاب کے حج کرتے ہوئے دیکھا۔
صبح کو حج کا ارادہ کیا۔ کچھ تو زیارت کعبہ کا شوق اور کچھ دطن میں جانے کی خوشی

اکثر مہاجر اور آنکے ساتھ انصار بھی سامان سفر میں مشغول ہوئے۔ کوئی پندرہ سولہ سو مسلمان آنحضرتؐ کے ساتھ چلے۔ اور تتراونٹ قربانی کے لیے ساتھ ہوئے۔ یہ خبر قریش کو پہونچی اور انھوں نے مزاحمت کا ارادہ کیا۔ آنحضرتؐ کو بھی قریش کا ارادہ معلوم ہوا۔ مکہ کے قریب ایک منزل پر جاہ حدیبیہ کے پاس مسلمان ٹھہر گئے اور وہیں سے ایچیون کی آمد و رفت شروع ہوئی۔ بالآخر کفار قریش نے مسلمانوں کو حج کرنے نہیں دیا اور مسلمان صلح کر کے واپس آئے۔

صلح کی گفتگو کرنے کو سہیل آیا۔ مسلمانوں کے سامنے اُس نے تین شرطیں پیش کیں۔ ۱۔ چونکہ مسلمانوں کی لوٹ مار سے قریش تنگ آئے تھے اسیلے پہلی شرط یہ پیش کی گئی کہ دس برس کے لیے مصالحت کی جائے اور اس درمیان میں ایک فریق دوسرے فریق کے مال یا جان سے کوئی تعرض نہ کرے۔ ۲۔ اس سال مسلمان واپس جائیں آئندہ سال حج کرنے آئیں۔ ۳۔ کوئی شخص کفار کا مسلمان ہو کر مدینہ میں جائے تو آنحضرتؐ اس کے ولی کی درخواست پر اس کو ولی کے حوالہ کر دیں۔ لیکن کوئی مسلمان مرتد ہو کر مکہ میں واپس جائے تو قریش واپس نہ کریں۔ نیز پہلی شرط تو مقول تھی لیکن پہلی دو شرطیں مسلمانوں کو بہت بڑی معلوم ہوئیں۔ مگر آنحضرتؐ نے کل شرطیں منظور کر لیں اور تیسری شرط کی نسبت یہ کہا کہ مرتد ہمارے کس کام کا وہ کفار ہی کے پاس رہے۔ رہے مسلمان وہ سچے دل سے مسلمان ہو کر اگر اہل قریش میں رہیں گے تو کیا ہرج ہے۔ صلحنامہ کی تیسری شرط جو بظاہر مسلمانوں کے لیے بہت ہی سخت تھی خود کفار کے لیے مضر ہوئی۔ اسکی صورت یوں پیدا ہوئی کہ ابولبصیر بن اسید مکہ سے

مسلمان ہو کر مدینہ بھاگ آیا۔ یہاں اسکے لینے کو دو شخص مکتہ سے آئے اور آنحضرتؐ نے صلح نامہ کے مطابق ابولبصیر کو ان دو شخصوں کے حوالے کر دیا۔ وہ یہاں سے تو ان کے ساتھ چلا لیکن راہ میں اُسے دھوکے سے ایک کو مار ڈالا اور دوسرے کا تعاقب کیا وہ بھاگا ہوا آنحضرتؐ کے پاس آیا اور آنحضرتؐ نے اُسے ابولبصیر کے ہاتھ سے بچایا۔ ابولبصیر کو یکشکا ہوا کہ شاید وہ دوسروں کے ساتھ پھر مکہ بھیج دیا جاوے اس لیے ایک روز وہ مدینہ سے چل کھڑا ہوا اور ساحل بحر کے قریب ایک مقام عیص نام میں جا کر رہنے لگا۔ ابوجندل بھی خبر پا کر اُس کے پاس کسی طرح پہنچ گیا۔ پھر تو یہ ہوا کہ جرکہ سے بھاگتا وہ سیدھا عیص میں چلا جاتا۔ مدینہ کا رخ بھی نہ کرتا کہ آنحضرتؐ کو صلیبی مد کی پابندی حوالگی عجوبہ کرتی۔ آہستہ آہستہ ایک بڑی جماعت مسلمانوں کی وہاں اکٹھا ہو گئی اور انھوں نے قریش کے قافلوں کے ساتھ وہی روتاؤ شروع کیا جو ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں نے اختیار کیا تھا یعنی شام سے آتے جاتے کوئی قافلہ انکی زد سے خالی نہ جاتا۔ کفار قریش نے تنگ آ کر آنحضرتؐ کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم لوگ شرط سوم سے باز آئے آپ اپنے مسلمانوں کو عیص سے طلب کر لیجیے۔ اب یوں گویا ہجرت مدینہ کے چھ برس کے بعد مسلمان ہونا قریش کے قومی قانون کا کوئی جرم باقی نہیں رہا۔

طبقہ دوم۔ (اسلام کا عروج زمانہ رسولؐ میں)

صلح حدیبیہ کے بعد تمام حجاز میں مسلمانوں کی حکومت تو نہیں قائم ہوئی لیکن اتنا ہو گیا کہ اللہ کا نام لینا اور آنحضرتؐ کو اللہ کا رسول کہنا کوئی جرم نہ رہا

ہر شخص اطمینان کے ساتھ علانیہ اراکان اسلام ادا کرتا تھا اور دوسروں کو مسلمان ہونے کی ترغیب دیتا تھا۔ جب عرب میں ایک گوندہ اسلام نے جڑ بکڑی تو آنحضرتؐ کو دوسرے ملکوں میں دعوت اسلام کی فکر ہوئی۔ آپ اللہ کے رسول تھے۔ تو رسالت کا انجام دینا بھی لازم تھا۔ چنانچہ گرد و نواح کے بادشاہوں کے پاس آپ نے دعوت اسلام کے خطوط بھیجے۔ یہ خطوط آخرت میں بھیجے گئے۔ اور بعض موزخون کے نزدیک شروع شدہ کا یہ واقعہ ہے۔

نام خط لیجانے والے کا	نام ملک جہاں خط بھیجا گیا	نام بادشاہ جس کو خط لکھا گیا
عمر بن اسیر	حبشہ یا ابی سینا	سجاشی
وجیہ کلبی	حمص (شام)	ہرقل
عبداللہ بن خدیجہ	درائن (فارسی ایران)	کسریٰ پرویز
حاطب بن ابی بلتعہ	سکندریہ (مصر)	مقوقس
شجاع بن وہب	دمشق (شام)	حارث بن ابی شمر غسانی
سلیط بن عمر	یمامہ	ہوزہ بن علی ضفی

ان مراسلات کا نتیجہ یہ ہوا کہ سجاشی شاہ حبشہ علانیہ آنحضرتؐ پر ایمان لایا۔ باذن گورنر زمین جو شاہ ایران کی طرف سے تعینات تھا دائرہ اسلام میں داخل ہوا ہرقل شاہ شام بھی ایمان لایا لیکن اراکین دولت کے خوف سے علانیہ اظہار نہ کر سکا۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں پر مسلمانوں کا کوئی دباؤ نہیں ہو چکا تھا۔ اور نہ ابھی تک ان پر دباؤ ہو چکا تھا۔ کی قابلیت مسلمانوں میں تھی۔ شاہ مصر ایمان تو نہیں لایا لیکن آنحضرتؐ کی بڑی عزت کی۔

تیرہ برس تک تو مکہ میں اسلام کو کوئی رونق نہیں ہوئی۔ لیکن مدینہ کی ہجرت کے بعد ہی اسکی حالت بالکل دوسری ہو گئی اور چھ برس پورے نہیں ہونے پائے تھے کہ ایران، شام اور مصر تک ایک شور مچ گیا۔ صلح حدیبیہ میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ اسلام کو دور دور پھیلانے کی کوشش ہونا چاہیے آپس ہی میں لڑجھگڑ کر قوت زایل کر دینا بے سود ہے۔

اب ہجرت کا ستواں سال شروع ہوا۔ اس میں غزوہ خیبر کا سب سے بڑا واقعہ پیش آیا۔ غزوات سابق میں حضرت علیؑ نے جو کچھ ناسوری حاصل کی تھی اُس سے کہیں بڑھ کر اس لڑائی میں اُنکا نام ہوا۔ صورت اسکی یہ ہے کہ حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد آنحضرتؐ نے خیبر پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا یہ مقام مدینہ سے آٹھ منزل شام کی طرف ہے۔ اُس زمانہ میں یہاں یہودی رہتے تھے۔ یہ لوگ بڑے زبردست اور سرکش تھے۔ جو نصیر حب مدینہ سے اوڑھ کر وہاں بسے تو انکے کہنے سے اہل خیبر نے جنگ خندق میں قریش کی مدد کی۔ حدیبیہ کی لڑائی میں بھی انکی شرکت کا سہارا لیا تو اندیشہ تھا اور بڑا سبب تو یہ تھا کہ اللہ کے نام کا ظاہر کرنا مسلمانوں کو مقصود تھا۔ ابتدا میں تو مسلمانوں نے تلوار سے کام لینا پسند کیا۔ لیکن اتفاقات سے مسلمانوں کو اسلام پھیلانا کیا خود اپنی جان کا بچانا بے تلوار کے شکل نظر آیا۔

اس لڑائی میں چند رہے مسلمان شہید ہوئے اور ترانوے یہود مارے گئے۔ مسلمان خیبر سے کامیاب پھرے۔ خیبر کے باغوں اور پیداوار آراضی کی نسبت یہ منہ و سبت کیا گیا کہ جو لوگ وہاں اطاعت پذیر رہے انکے حوالے اہتمام کیا

گیا کہ نصف پیداوار وہ اپنی اجرت میں لین اور جو بچے اُسے بیت المال میں داخل کیا کریں۔

خیبر کے قریب پہونچ کر ایک آدمی اہل فذک کے پاس دعوت اسلام کے لیے آنحضرتؐ نے بھیجا۔ ان لوگوں نے کہا پہلے مسلمان اہل خیبر سے نصرت پالیں جب ہم لوگوں کو اسلام پر بلائیں۔ خیبر فتح ہونے پر مسلمان ادھر متوجہ ہوئے فذک کے یہود نے نہ مسلمان ہونا پسند کیا اور نہ لڑنے پر جرأت کی۔ مجبور ہو کر مصالحت پر رجوع ہوئے۔ نصف زمین فذک کی رسول اللہؐ کے نذر کی۔ اور بقیہ نصف پر امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب کے عہد تک وہ قابض رہے اُس کے بعد حضرت عمرؓ نے مصالح ملکی پر نظر ڈال کر پچاس ہزار درہم پر اُنکا نصف حصہ بھی بیت المال کے لیے خرید لیا اور اُنکو شام کی طرف جلا وطن کر دیا کیونکہ ایسے لوگوں کا جو خیالات بغاوت سے کسی طرح باز نہیں آتے تھے ملک میں رہنا ملک کی کمزوری کا سبب ہوتا تھا۔

اس کے بعد وادی القریٰ اور تیماک کے یہودیوں نے جزیرہ دینا قبول کر کے مسلمانوں کی تبعیت اختیار کی۔

دوسروں کے ملک پر زبردستی چڑھو دوڑنا اور جزیرہ لیکر چھوڑنا بظاہر مسلمانوں کے اخلاق پر دھبہ لگاتا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکی نوعیت بیان کی جائے۔

شروع شروع مسلمانوں نے اپنے دشمنوں پر محض انتقام کے لیے ہتھیار اٹھایا۔ جب وہ فی الجملہ مغلوب ہوئے تو آنحضرتؐ کو حاکم وقت کی حیثیت حاصل ہوتی

تمام گرد و نواح میں بد امنی تھی (نواحی شام میں مسلمانوں کے مال تجارت کا لوٹا جانا ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے)۔ نہایت بُرے طور کے قانون جاری تھے۔ چھوٹوں اور کمزوروں کے ساتھ نہایت خراب برتاؤ ہوتا تھا۔ تمام ظلم پھیلا ہوا تھا۔ مراسم قبیلہ سے سچی خوشی قوم سے مفقود تھی۔ آنحضرتؐ نے عام طور پر یہ ارادہ کر لیا کہ قرآن یعنی قانون ربانی کے مطابق ہر جگہ انصاف کیا جائے۔ اسی غرض سے آپؐ دعوت اسلام شروع کی۔ دعوت اسلام کا یہ مطلب تھا کہ ”تم لوگ اللہ کے قادر مطلق ہونے سے انکار نہ کرو اور بجائے اپنے ناقص قانون کے قرآن کے مطابق جو سب سے اچھا قانون ہے حقوق کا تصفیہ کرو“ جس کا مختصر لفظوں میں یوں اظہار کیا جاتا تھا کہ ”تم اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اگر تم اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان نہیں لاتے تو خیر نہ سہی لیکن اتنا ضرور کرو کہ مسلمانوں کو اپنے ملک کا نگران قرار دو اور انکی حفاظت میں رہو تاکہ وہ تمہارے افعال کی نگرانی کرتے رہیں۔ نگرانی کے لیے فوج رکھنا پڑے گی اُس کے خرچ کے لیے جزیہ دو“ اس وقت کے مسلمان اپنے افعال اور خیالات کی وجہ سے تمام دنیا کے باشندوں سے افضل تھے اور اس لیے ایسا کنٹائن کو نامناسب نہ تھا اور بغیر اسکے وہ اپنے ملک میں بھی امن قائم نہیں رکھ سکتے تھے کسی ملک میں امن نہیں رہ سکتا جب تک سرحدی ملکوں کا عہدہ انتظام نہ ہو کوئی گھر کُندگی سے پاک نہیں ہو سکتا جب تک ہمسایہ کی گندگی رفع نہ کی جائے۔ جزیہ سرب ہے گزیہ کا۔ مسلمانوں نے اسکا ایجاد نہیں کیا۔ نوشیروان ایسے عادل کے وقت میں بھی اسکا رواج تھا۔ اور یہ لفظ فارسی زبان کا ہے۔

ل میں

کے

سے

رہے

رہے

رہے

رہے

رہے

رہے

رہے

رہے

رہے

رہے

رہے

رہے

رہے

رہے

رہے

رہے

رہے

رہے

جو لوگ مسلمانوں کی حفاظت میں آتے تھے اُنکے مال اور جان کی حفاظت مسلمانوں پر فرض ہوتی تھی اور اسکے خرچ کے لیے ایک خفیف محصول جزیہ کے نام سے لیا جاتا تھا۔ لیکن یہ محصول مسلمانوں پر نہ تھا کیونکہ مسلمانوں کا ہر فرد بشر فوج کا ایک سپاہی تھا۔ ہر ایک پر ضرورت کے وقت مسلح ہو کر میدان جنگ میں آنا فرض تھا اور اسی لیے وہ جزیہ سے عام طور پر مستثنیٰ تھے۔ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر ایک خفیف محصول سے اگر دست کشی کیے گئے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مسلمان اپنی قوم کے ساتھ ملکی معاملات میں کوئی رعایت کرتے تھے۔ بلکہ جزیہ کے بدلہ میں اس سے سخت تر اور زیادہ تر محصول بطور زکوٰۃ کے مسلمانوں کو دینا پڑتا تھا اور اسی لیے مسلمان گویا غیر قوموں سے سخت تر حالت میں تھے۔

اسکے بعد بہت سے چھوٹے چھوٹے قبیلوں کے مقابلہ میں فوجیں بھی گئیں جن کا تذکرہ تاریخی اغراض کے لیے چند ان ضروری نہیں ہے۔
 سہ ماہ تک مکہ اور مدینہ کے درمیان میں جتنے یہود تھے سب مسلمانوں کے زیر فرمان ہو چکے تھے۔ اسے اب کسی قسم کا ٹھنکا باقی نہیں رہا۔ ماہ ذیقعدہ میں آنحضرتؐ نے زیارت کعبہ کا ارادہ کیا۔ قریب دو ہزار مسلمانوں کے آپ کی تبعیت میں روانہ ہوئے۔ جو لوگ ایک سال پہلے حدیبیہ تک جا کر واپس آئے تھے انہیں سے کوئی بلا وجہ مقول کے جانے سے باقی نہیں رہا۔ تین روز تک مسلمان مکہ میں رہ کر واپس آئے اور اچھی طرح کعبہ کی زیارت کی۔
 ساتویں سال کے اخیر یا آٹھویں سال کے شروع میں عمرو بن عاص اور

خالد بن ولیدؓ مسلمان ہوئے۔ اور ان کے مسلمان ہونے سے مسلمانوں کو بہت تقویت ہوئی۔ آگے چل کر ان دونوں نے بڑے بڑے نمایاں کام کیے۔ آنحضرتؐ نے حاکم بصرہ کو ایک نامہ بھیجا۔ اغراض سلطنت کے لیے سرحدی بادشاہوں سے نامہ و پیام کرنا ضروری تھا۔ حارث بن عمر نامہ برہے۔ راستہ میں انکو شرجیل عمر عیسائی نے رکہ دہ امر اقصیٰ میں سے ایک اسیر تھا) شہید کیا۔ آنحضرتؐ نے یہ خبر سنا کہ جہاد کا حکم دیا۔ کوئی تین ہزار مسلمان اکٹھا ہو کر چلے۔ کچھ دور تک آنحضرتؐ بھی انتظام درست کرنے کے لیے ساتھ آئے، اس لیے اسکا شمار غزوات میں کیا جاتا ہے۔ شرجیل کا بھائی سدوس مقابلہ میں آکر مارا گیا شرجیل نے ڈر کر خود کو قلعہ میں بند کر دیا اور ہر قتل سے مدد مانگی۔ بعض مسلمانوں نے بھی محمد رسول اللہ کو مدد کے لیے لکھنا چاہا لیکن کثرتِ رائے اس پر ہوئی کہ جب شہادت میں بھی عین کامیابی ہے تو پھر مدد مانگنے کی کیا ضرورت ہے کوئی لاکھ کے قریب عیسائیوں کی فوج جمع ہوئی تین ہزار مسلمانوں کا اتنے لوگوں سے لڑنا آسان نہ تھا مسلمان شہید ہونا شروع ہوئے۔ زید بن حارثہ۔ جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ باری باری سے علم بردار (سردار لشکر) ہوئے اور مارے گئے۔ خالد بن ولید سب کے بعد علم بردار ہوئے اور تھوڑی دیر کے بعد آفتاب چھپنے سے لڑائی موقوف ہوئی۔ مسلمان تو مرنے ہی گئے تھے انکو کیا ڈر ہوتا۔ لیکن مسلمانوں کی ثابت قدمی دیکھ کر عیسائیوں کو بڑی تشویش ہوئی دوسرے دن خالد نے فوج کی آراستگی نئے طور سے کی۔ آگے کی فوج پیچھی اور دابھنے جانب کی بائیں جانب کر کے کچھ اس طور پر گھڑا کیا کہ دشمنوں کو یقین

ہو گیا کہ کچھ نئے لوگ مدد کو آئے ہیں۔ اور پھر ہر اس سے اُنکے پاؤں اُٹھ گئے اس اثنا میں مسلمان بھی منہ موڑ چلے تھے لیکن بعض جان بازوں کے شرم دلانے سے پھر اُنکے جی کڑے ہو گئے۔ عیسائیوں کے بھاگنے پر خالد نے کچھ دور تک تعاقب کیا اور تعاقب میں کچھ مال بھی ہاتھ لگا۔ راستہ میں ایک مسلمان کو ایک عیسائی نے ہیوجہ قتل کر ڈالا۔ پھرتے وقت اسکی قوم کا قلع قمع مسلمان کرتے آئے۔ اسی لڑائی سے آنحضرتؐ نے خالد بن ولید کو سیف اللہ کا خطاب دیا۔ یہ لڑائی علاقہ شام میں دمشق کے قریب موتہ نام ایک گاؤں میں ہوئی تھی اسلئے اس سر یہ کو سر یہ موتہ کہتے ہیں۔ اور چونکہ کچھ دور تک آنحضرتؐ بھی ساتھ گئے تھے اسلئے غزوہ موتہ بھی کہتے ہیں مدینہ میں خبر پہونچی کہ قبیلہ بنی قضاعہ اور بنو القین کے لوگ جمع ہو کر مدینہ پر چھا پا مارنا چاہتے ہیں۔ سعد بن وقاص کو آنحضرتؐ نے سرکوبی کے لیے تعینات کیا۔

اسی سال حضرت ابو عبیدہؓ قبیلہ جہینہ کی سرکوبی کو روانہ کیے گئے تھے۔ راستہ میں فوج نے بھوک کی تکلیف اٹھائی۔ درختوں کی پتیان کھانے کی نوبت پہونچی۔

غیب سے فتح مکہ کا سامان مہیا ہو گیا۔ حدیبیہ کی صلح کے وقت یہ شرط ٹھہری تھی کہ قریش مسلمانوں کے حلیفوں یعنی ہم عمروں سے مزاحم نہ ہوں اور نہ قریش کے حلیفوں سے مسلمان مزاحم ہوں۔ مکہ کے قریب خزاعہ اور بنو بکر یہ دو قومن آباؤ اجداد ہیں۔ اول الذکر مسلمانوں کے حلیف تھے اور ثانی الذکر قریش کے

حلیف تھے۔ کسی وجہ سے انہیں باہم تکرار ہوئی۔ قریش نے بنو بکر کی طرف سے
 کی۔ خزانہ کے چند آدمی مسلمانوں کے پاس دوڑے آئے۔ آنحضرتؐ نے
 نقص عہد کے لیے ایک محقول وجہ پائی اور فوراً مکہ پر چڑھائی کا ارادہ کر دیا۔
 لیکن خفیہ طور پر۔ علانیہ اظہار پسند نہیں کیا گیا۔

اپنے ارادہ کے چھپانے کے لیے آنحضرتؐ نے ابو قتادہ انصاری کو
 قبیلہ انصم (ازم) کی طرف بھیجا جو مدینہ سے تین منزل پر مکہ اور میانہ کے
 بیچ میں واقع ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اسی طرف مسلمانوں کا ارادہ ہے۔ ۱۰۔
 رمضان شدہ کو آنحضرتؐ چلے اور راستہ میں تمام گرد و نواح کے مسلمان
 شریک ہوتے گئے۔ مکہ تک پہنچتے پہنچتے دس بارہ ہزار آدمیوں کا غول
 آنحضرتؐ کے ساتھ تھا۔ کفار مکہ لڑنے سکے۔ مسلمانوں کی حکومت مکہ میں قائم ہوئی
 اپنے دشمنوں سے جو برتاؤ مسلمانوں نے کیا وہ بہت ہی قابل قدر تھا۔ مفصل
 واقعات جاننے کے لیے تاریخ الاسلام پڑھنا چاہیے۔

مکہ میں خبر پہنچی کہ ہوازن اور ثقیف کے قبیلے مسلمانوں سے لڑنے کے
 لیے لیٹا رہیں اور کہتے ہیں کہ قریش شہر کے رہنے والے فن جنگ سے
 واقف نہ تھے جب ہی مسلمانوں نے انکو دبا لیا۔ آنحضرتؐ کو یہ خبر پہنچی تو
 آنحضرتؐ نے جنگ کا سامان کیا۔ بارہ سولہ ہزار کی جمعیت سے آنحضرتؐ مکہ
 سے نکلے۔ وادی حنین (جو ایک مقام مکہ اور طائف کے بیچ میں ہے) تک
 مسلمان پہنچے تھے کہ اُدھر سے غنیم کی فوج بھی آگئی۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی
 مگر سخت جھڑپوں کے بعد۔

۹۔ ھ کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ نواحی حبشہ کے کچھ لوٹیر سے حبہ مین
اوتر آئے تھے انکی سرکربی کو علقمہ بن محرز تعناات ہوا۔ مسلمانوں کو دیکھ کر ڈاکو
بھاگ گئے اور لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔

شام سے کچھ لوگوں نے اگر بیان کیا کہ نواحی شام مین وہاں کے بادشاہ
کی طرف سے مدینہ پر چڑھائی کرنے کا سامان ہو رہا ہے۔ آنحضرت علی ابن ابی طالب
کو مدینہ مین خلیفہ کر کے خود شام کی طرف چلے۔

مسافرت مین مدینہ کنسے لگے کہ محمد نے اپنے عزیز کو اس سخت سفر مین ساتھ نہیں
لیا۔ اسلئے حضرت علی ابن ابی طالب بھی راستہ مین آنحضرت سے جا ملے اور
کنسے لگے کہ جب مین تمام غزوات مین شریک رہا تو اس مین کیوں پیچھے رہوں۔
یہ سفر دور و دراز تھا اور بہت سخت تھا۔ اسکے متعلق مؤرخین نے بہت سی حکایتیں
اور نقلیں لکھی ہیں اور یہ ایک اہم سفر خیال کیا جاتا ہے۔ چشمہ تبوک کے پاس
مسلمانوں کی فوج جا کر ٹھہری اور وہاں معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے مقابلہ کے
لیے کچھ بھی طیارے نہیں کی گئی تھی کسی سے سے مقابلہ نہیں ہوا اور نہ کچھ مال غنیمت
حاصل ہوا۔ مسلمان جیسے گئے تھے ویسے ہی واپس آئے۔ غزوہ تبوک آخری
غزوہ تھا اسکے بعد پھر آنحضرت کو کسی لڑائی مین جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔

اس سال مین عرب کے مختلف مقامات سے لوگ آکر مسلمان ہوئے اور
پھر اپنے وطن پہونچکر اسلام پھیلانے کی کوششیں کیں۔ اب مسلمان ہونا ملکی جرم
نہ تھو اسلام کی وعظ تمام عرب مین رائج ہو چلی تھی۔ وہود (لوگوں کا ایمان لانے
کے لیے آنا) کی وجہ سے اس سال کو سنۃ الوفود کہتے ہیں۔

آنحضرتؐ نے حج کا احرام باندھا ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان ساتھ تھے۔ علیؑ بھی یمن سے آکر شریک ہو گئے تھے۔ تمام بیبیاں آنحضرتؐ کے ساتھ تھیں۔ حضرت فاطمہؑ بھی ساتھ تھیں۔ بروز شنبہ ۲۵ ذیقعدہ سنہ ۶ کو آنحضرتؐ مدینہ سے چلے۔ بے سلاہوا کپڑا یعنی نہمت اور چادر سے احرام باندھا۔ عرفہ کے دن آنحضرتؐ نے اونٹ پر سوار ہو کر نہایت بلند خطبہ سنایا اور عام طور پر بند و نصائح کے کلمات کہے۔ سب سے زیادہ آپس میں لڑنے جھگڑنے کی نہمت کی۔ عورتوں نے مردوں کے طریقہ گذران کی نسبت بہت کچھ ارشاد فرمایا احکام قرآن پر طبع رہنے کی سخت تاکید کی۔ پھر لوگوں سے پوچھا کہ قیامت کے دن اگر تم سے پوچھا جائے کہ محمد تم میں کیسا تھا تو کیا جواب دو گے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم کہیں گے کہ اُس نے رسالت اور امانت کا حق ادا کیا۔ ارشاد اور نصیحت کے شرائط پورے طور پر بجالایا۔

اسی روز آیت ”الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دنیا“ اُتری جبکہ ترجمہ ہے۔ ”آج میں نے تم لوگوں کے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اپنی نعمت تم پر پوری کی۔ تمہارے لیے دین اسلام کا میں نے پسند کیا۔“ اور اس آیت سے سمجھا گیا کہ پیغمبر خدا کی وفات کا زمانہ قریب ہے۔

۱۔ دیکھو جن قایم ہوئے کے بعد ہی عورتوں کے مابین بڑھانے کی طرف پیغمبر خدا مستعد ہوئے۔ عورتوں کا اعزاز جو مسلمانوں کے وقت میں بڑھا اُس پر اب تک مسلمان بڑھانے کو ناز ہے۔ اب مسلمانوں میں جو عورتوں کی سچی عزت مفقود ہو چکا اس کا سبب یہ کہ قوم سے تمام اچھی باتیں مفقود ہو گئیں۔ وہ کون سی خوبیاں ہیں جو موجود ہیں۔ اور کون سی خرابیاں ہیں جو موجود نہیں ہیں۔ ہم اپنے اعمال و افعال کے اعتبار سے بڑے ہیں۔ غلاموں میں جتنی باتیں ہوتی ہیں ان میں وہ ہم میں ہیں۔ ایک مردہ قوم سے اور کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ یہ ہیں جنہیں سطح اپنی بیبیوں کے برابر رکھتے ہیں انہی مسلمان بیبیوں کی عزت اور خاطر اریان کرنے سے بلکہ چند اعتبار سے ہم میں سے کس سے زیادہ۔

کیونکہ نگیل دین کے بعد رسول کے رہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ چند مہینوں کے بعد آنحضرتؐ نے دنیا سے رحلت کی۔ فیس لڑچر ایک نہایت عمدہ اور مستند کتاب ابھی حال میں انگلستان میں شائع ہوئی ہے آئین مفصلہ بالا خطبہ کی چند باتیں منتخب کر کے لکھی گئی ہیں اور وہ آنحضرتؐ محمدؐ کی آخری اپنیج سے تعبیر کی گئی ہیں انکا نقل کرنا خالی از لطف نہیں ہے۔

(۱) صاحبواٹن رکھو۔ اس سال کے بعد پھر محبوتم سے ملنے کا اتفاق ہو یا نہ ہو
(۲) تم سب کے جان و مال محترم ہیں اور انہیں روز قیامت تک ایک کو مقابلہ دوسرے کے دست اندازی کا حق نہوگا۔

(۳) خدا نے تو ریش میں ہر ایک کا حصہ مقرر کر دیا ہے اسلئے ورثا کی مہرت کے ساتھ وصیت درست نہیں ہے۔

(۴) لڑکے کو مان باپ کا ہو کر رہنا چاہیے اور جو اس ازدواج کے متعلق (جس سے لڑکوں کے حقوق پیدا ہوتے ہیں) گزیر کر گیا سنگسار کیا جائیگا۔

(۵) تم کو اپنی بیبیوں کے مقابلہ میں ایسے حقوق ہیں جنکا تم مطالبہ کرو اور اسی طرح بیبیوں کے حقوق تم لوگوں پر ہیں جنکو وہ طلب کر سکتی ہیں۔ اپنی عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک کرو۔

(۶) دیکھو اپنے غلاموں کو وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو۔ جیسے کپڑے خود پہنتے ہو ویسے ہی آنکھ بھی پہناؤ۔ اور اگر وہ ایسی خطا کریں جنکو تم معاف نہیں کر سکتے تو انکو بیچ کر ڈالو کیونکہ وہ بھی خدا کے بندہ ہیں انکو ایذا دینا نہ چاہیے۔

(۷) صاحبوا میری بات سنو اور خوب سمجھو۔ جان رکھو کہ ہر ایک مسلم دوسرے مسلم کا بھائی ہے۔ تم سب ایک ہی درجہ میں ہو اور ایک ہی برادری کے ہو۔ گویا یہ ایک وصیت نامہ ہے پیغمبر خدا کا اپنی اُمت کے حق میں اور ایسا وصیت نامہ جو بالکل ضروری ہدایتوں سے بھرا ہوا ہے اور سر تا پا حکمتوں اور خوبیوں سے ملبوس ہے۔ حتیٰ کہ غیر مذہب واسے نے بھی اسکی خوبیوں کو تسلیم کر کے حالات پیغمبر یا حالات اسلام میں اسکا انتخاب چھاپا ہے۔ اور اسوقت کے مسلمان ہیں کہ اس وصیت کی ایک ہدایت پر بھی عمل نہیں کرتے۔ اور پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اُمت محمدی ہیں۔ اپنے ساتھ دین محمدی کی بھی مٹی خراب کرتے ہیں۔ جیسے اعمال ہیں ویسی ہی حالت بھی ہے۔

طبقات اول و دوم کے پڑھنے سے ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ کن مجبوریوں سے آنحضرتؐ نے تلوار اٹھائی تھی اور پھر کن وجہ سے تلوار کا نہ چھوڑنا مناسب تصور کیا تھا۔ شاہ عرب ہونے کے بعد آنحضرتؐ پر مخالفت ملک کے لیے باغیوں کا زیر کرنا۔ دشمنوں سے خود کو بچانا اور انکی سازشوں کا فرو کرنا لازم تھا۔ اور اسکے ساتھ ہی سرحدی قوموں کا بھی انتظام کرنا ضروری تھا۔ آنحضرتؐ کا ایچی ملکی اغراض کے لیے بھرہ گیا۔ بھرہ کی بدانتظامیوں کی وجہ سے وہ قتل کیا گیا۔ برٹش گورنمنٹ کو جس طرح اٹھارہویں صدی کے وسط میں بحیثیت ایک عادل گورنمنٹ ہونے کے واجد علی شاہ اودھ کے ملک کا انتظام کرنا لازم آیا تھا۔ اُسی طرح آنحضرتؐ پر بھی جمیع اعتبارات سے زید کا بھرہ کی طرف بھیجنا لازم تھا۔ زید وہاں شہید ہوئے۔ اور پھر جب چھٹیر چھاڑ شروع ہو گئی تو اسالہ بن زید کو دوبارہ سردار فوج کر کے روانہ

نہ تھی۔

علت کی۔

بن شایع

جہین اور

از لطف

ق ہو بہر

کو مقابلہ

ت کے

جس سے

ر سی طم

س عورتوں

ہیں ہوتے

کر سکتے

ہے۔

کرنا ملکی اغراض کے لیے لازم آیا۔ یہ اُن لوگوں کے سمجھانے کے لیے ہے جو
آنحضرتؐ کو افضل البشر اور برگزیدہ عالم نہیں سمجھتے ورنہ آنحضرتؐ کو برگزیدہ خلائق
سمجھنے والے تو ہمت باطلہ سے اپنے دل خالی رکھتے ہیں۔ ایک معنوی خلاق
محمدیؐ کے عنوان سے آئندہ درج کیا جاتا ہے۔ اس معنوں کے بعد ہی اُسکو
پڑھنا چاہیے اور اُسکے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ آنحضرتؐ ایسے برگزیدہ شخص کے
لیے میدان جنگ کی خدمت نہایت ہی سخت تھی۔ لیکن اُسکے ساتھ ہی خدا کی
رسالت کا بندہ دل تک پہنچنا بھی لازم تھا۔ اور جو دشواریاں سدا رہی ہوں استقلال
کے ساتھ اُنکا مقابلہ کرنا بھی لابدی تھا۔ غرض کہ آنحضرتؐ نے جو کچھ کیا وہ تبلیغ رسالت
کی شان تھی۔ حکمرانی نہ تھی پاسانی تھی۔

طبقہ اول اور دوم میں صاف عیاں ہے کہ اشاعت اسلام کے لیے
کبھی تلوار نہیں چلائی گئی۔ اسلام کو اسلام کی حیثیت سے دیکھنا ہوتا اُسکو انہیں
طبقات میں دیکھنا چاہیے۔

طبقہ سیوم (صحابہ رسولؐ کا زمانہ)

اس طبقہ میں خلفائے اربعہ یعنی حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور
حضرت علیؓ کا ذکر ہے۔ بعد پیغمبرؐ کے حضرت ابو بکرؓ سرسری انتخاب میں جانشین
ہوئے اور دو برس بعد اُنکے مرنے پر اُنکی وصیت کے مطابق حضرت عمرؓ خلیفہ
ہوئے۔ حضرت عمرؓ دس سال سلطنت کر کے مقتول ہوئے اور اُنکی ہدایت
کے مطابق چچہ غصصوں کے باہمی انتخاب سے حضرت عثمانؓ جانشین ہوئے
حضرت عثمانؓ کو تیرہ سال کی حکومت کے بعد باغی مسلمانوں نے قتل کیا۔

اور اسکے بعد مسلمانانِ مدینہ کے انتخاب سے حضرت علیؓ امیر المومنین چوٹے
 حضرت علیؓ کی نسبت مخالف مسلمانوں نے یہ الزام لگایا کہ باغیوں کی حمایت
 انھوں نے کی۔ حضرت عثمانؓ بنو امیہ سے تھے اور اسلیب بنو امیہ کا خاندان
 حضرت علیؓ کے خلاف قائم ہوا اور بینت برس تک مسلمانوں میں فتنہ و فساد
 برپا رہا۔ اہل سنت و جماعت ان چاروں خلفاء کو برحق مانتے ہیں اور ان کے
 زمانہ کو قابلِ سند قرار دیتے ہیں اسلیب طبقہ سیوم میں ان چاروں خلفاء کے
 عہد کے فتوحات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ پیغمبر خدا کے مرنے پر مسلمانوں کی
 حکومت نہایت خطرہ میں پڑ گئی تھی۔ پیغمبر کے آخری زمانہ میں چند چھوٹے پیغمبر
 جا بجا پیدا ہو گئے تھے۔ پیغمبر کے مرنے پر انھوں نے زور پکڑا۔ اطرافِ مدینہ کے
 مسلمانوں نے زکوٰۃ بند کر کے بغاوت کی دھمکی دی۔ غیر قوموں نے مدینہ پر
 چڑھائی کی تیاریاں کیں اور اسامہ کے ساتھ سردارانِ عرب کو مدعہ سپاہیوں
 کے شام کی طرف بھیجنے کا جوارادہ پیغمبر خدا نے کیا تھا حضرت ابوبکرؓ نے اسکا
 روکنا پسند نہیں کیا۔ بعض نے یہ رائے دی کہ زکوٰۃ بند کرنے والے مسلمانوں
 کے مقابلہ میں ہتھیار نہ اٹھانا چاہیے۔ حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ باغی مسلمانوں
 کے مقابلہ میں ہتھیار چلانے میں حضرت ابوبکرؓ کا استقلال ہمیشہ کے لیے اسلام
 کی استواری کا سبب ہوا۔ حاکم وقت کی اطاعت سے فتنہ مٹانے والا کسی
 طرح واجبِ رعایت نہیں ہو سکتا تھا۔ غرض کہ حضرت ابوبکرؓ نے ابتداء سے
 زمانہ میں جتنی لڑائیاں رو رکھیں وہ اکثر از قسم غلطت خود اختیاری یا رفع
 بغاوت کے لیے تھیں۔

بے ہے جو
 ریدہ خلیق
 خلقِ خلاق
 ہی اُسکی
 نفس کے
 ہی خدا کی
 دن استقلال
 لیج رست

لیے
 ملکِ انیس

ن اور
 نشین
 خلیفہ
 ہایت
 ہوئے
 کیا۔

اسکے بعد ایرانیوں اور شامیوں کا مقابلہ ہوا۔ ایرانیوں سے مقابلہ یون
 ہوا کہ ۱۲ھ میں ہوشعبان کا ایک رئیس ثنی بن حارثہ مدینہ میں اگر مسلمان
 ہوا اور اپنے ساتھ کچھ مسلمان کوفہ کی طرف لیجانے کی درخواست کی۔ ثنی
 نے ایرانیوں کے مظالم اور انکی زیادتیوں اس درجہ بیان کیں کہ ان مسلمانوں
 کی حفاظت کے لیے جو ثنی کی وجہ سے آئندہ وہاں پھیلنے لگے آرمیوں کا مدینہ
 سے جانا مناسب معلوم ہوا۔ ایرانی نہایت ہی پُراز سخت تھے۔ انھیں کے
 بادشاہ نے آنحضرت کی گرفتاری کے لیے چار پانچ آدمی بھیجے تھے۔ وہ
 اپنے مقابلہ میں کسی کو سمجھتے نہ تھے اور نہ کسی طرح سرحدی معاملات میں مسلمانوں
 کے حقوق کی وہ محافظت کر سکتے تھے۔ جو مسلمان کوفہ کو گئے تھے انکی مدد
 ثنی کے تعلق تھی۔ کوئی باضابطہ فوج نہیں بھیجی گئی تھی اور نہ فی الواقع چڑھائی
 کا سامان کیا گیا تھا۔ لیکن وہاں پہنچنے پر تمام گرد و نواح کے قبیلوں نے جو
 ایرانیوں کی حکومت سے عاجز آ رہے تھے مسلمان ہو کر ثنی کی تبعیت کی اور
 اسکے ساتھ ہی ایرانیوں کی مخالفت بڑھی۔ ثنی اپنی حالت سنبھال نہ سکا اور
 گھبراہٹ اور اسکی مدد کو خالد بھیجے گئے اور بالآخر وہ اپنی کارگزاریوں کے لحاظ سے
 مسلمانوں کی فوج کے خود بخود سپہ سالار ہو گئے۔ سواد اور ہیرا کے حاکموں نے
 جزیہ دینا قبول کیا اور ان سے لڑائی نہیں ہوئی۔

ہم نے کئی جگہ یہ لکھا ہے کہ رقم جزیہ نہایت خفیف تھی۔ اور اسکی وجہ سے
 بے انتہا حقوق خدمت لینے کے جزیہ دینے والوں کو پیدا ہو جاتے تھے۔
 اور اسکی وجہ سے مسلمانوں پر بے انتہا ذمہ داریاں اور سختیاں عاید ہوتی تھیں۔

جس طرح برٹش گورنمنٹ کے رزٹرنٹ اور سپاہی ویسی ریاستوں میں نگرانی اور حفاظت کے لیے تعینات رہتے ہیں اور فوجی خرچ کے لیے کچھ خفیف رقم ویسی ریاستوں سے لیتے ہیں اُسی طرح جزیہ کی رقم مسلمان لیتے تھے۔ اور اگر سچاے جزیہ دینے کے کوئی دین اسلام قبول کر لے گو وہ مسلمانوں کو دھوکا دینے ہی کے لیے ہو جب بھی مسلمان اُسکو بھائی بنانے اور تمام حقوق میں اپنا شریک قرار دینے پر فوراً راضی ہو جاتے تھے۔ مسلمان جانتے تھے کہ جب کوئی انہیں شامل ہو گیا گو وہ فریب ہی دینے کی نیت کیوں نہ رکھتا ہو وہ مسلمانوں کے اخلاق اور اطوار دیکھ کر ضرور سچا مسلمان ہو جائیگا۔ خلفاء اربعہ کے وقت میں تمام لڑائیاں یوہین ہوئیں کہ نیک نیتی سے مسلمانوں نے غیر قوموں سے کہا کہ تم ہم میں ملجاؤ اور ہماری طرح تم بھی لوگوں کی اصلاح حال میں کوشش کرو۔ اور اگر تم میں اتنی مہمت نہیں ہے تو ہمارے جان نثار ہونے دو۔ اور دوسرے بیٹھے ہوئے تماشا دیکھو کہ بنی نوع انسانی کو ہم اخلاق میں تہذیب میں۔ فارغ البالی میں۔ خدا شناسی میں راہ مستقیم پر لگا دیتے ہیں اور اگر تم ایسے دشمن نوع انسانی ہو کہ اسے بھی قبول نہیں کرتے تو ہم جان نثار نوع انسانی کو جو تمام دنیا کی اصلاح کا بیڑہ اٹھا کر عرب سے نکلے ہیں روک سکتے ہو تو روکو۔ جو خط خالد نے شاہ کسریٰ کو لکھا تھا اُسکا ترجمہ یہ ہے

”بسم اللہ الرحمن الرحیم“

”خالد کی طرف سے پادشاہ عجم کسریٰ کو لکھا جاتا ہے کہ اللہ جس نے تمہاری جمیعت متفرق کر دی اور سعادت سخت کوشقاوت سے

مقابلہ یوں

مسلمان

لی۔ مثنیٰ

مسلمانوں

ن کا مدنیہ

خفیف کے

تھے۔ وہ

مسلمانوں

مکی رزائی

پڑھائی

نے جو

کی او

نہ سکاؤ

طے

میں نے

ہے

تھے۔

میں تھیں

بدل دیا اسکے شکر اور اسکی تعریف کے بعد لکھا جاتا ہے کہ تم سلام
قبول کرو یا جزیرہ دہ نہیں تو میں ایسی قوم کو بھارتے پاس بھیجوں گا جو
سوت کو اسی طرح پسند کرتی ہے جس طرح تم زندگی کو پسند کرتے ہو۔

اس خط میں پہلے اسلام اور اسکے بعد جزیرہ کا ذکر ہے۔ اور اسی طرح خلفائے
اربعہ کے وقت میں جتنی لڑائیاں ہوئیں سب میں اسلام کے لیے پہلے کہا گیا
اور جزیرہ کے لیے بعد کو کہا گیا۔ ناواقف لوگ جو اس وقت کے مسلمانوں کے اخلاق
اور طرز تمدن سے واقف نہیں ہیں اسلام کا لفظ پہلے ہونا معیوب خیال کرتے
ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمان گردنوں پر تلوار رکھتے تھے کہ مسلمان ہو جاؤ حالانکہ
ایسا کہنا بالکل نامہی ہے اس وقت کے مسلمان ہرگز تلوار سے مسلمان نہیں
کرتے تھے اور نہ اسنے بیوقوف تھے کہ وہ تلوار کے ذریعہ سے قلوب کا بدلنا کہ اسلام
کو قلوب سے تعلق تھا ممکن سمجھتے تھے۔ وہ لوگ صرف اس غرض سے گھومتے
تھے کہ اطراف میں جو تارکیاں پھیلی ہوئی ہیں اور جو مظالم بڑوں کے بھوٹوں پر
ہورہے ہیں انکو سنائیں۔ ایران اور شام میں اور نیز دیگر اقوام عالم میں اس وقت
بے انتہا تاریکی تھی۔ ایک آدمی کو دوسرا آدمی پکڑ لیتا تھا۔ جانوروں کی طرح
اس سے کام لیتا تھا۔ اور جانوروں سے بھی زیادہ برحیمی اور سختی سے اسکو
سزائیں دیتا تھا۔ جسکو ذرا بھی اختیار ہوتا تھا وہ دوسروں کو میس ڈالنا چاہتا تھا۔
ڈاکہ مارنے۔ چوری کرنے۔ زنا کرنے کو لوگ عیب نہیں سمجھتے تھے۔ اچھے بُرے
کا اعتبار نہ تھا۔ خیالات باطل نے تمام عمرہ صفات انسانی پر قبضہ کر لیا تھا۔
عربوں نے جب ہدایت ربانی کی عنایت آنکھ پر لگائی تو مصر۔ ایران۔ شام۔ خراسان۔

روم وغیرہ وغیرہ تمام عالم اُنکو دکھائی دینے لگا اور ہر ایک کو اُنھوں نے اُسی
 تاریک اور عمیق گڑھے کے کنارے پر سوتا ہوا دیکھا۔ اُنھوں نے ایک نادان اور
 بے حسیت انسان کی طرح عینک بھینک کر گھر میں رہنا پسند نہیں کیا۔ بلکہ اپنی
 جان کو خطرہ میں ڈال کر دوڑ پڑے اور کوشش کی کہ سونے والے کو کوڑ
 لینے کے قبل جگا کر کھینچ لیں اور اگر دیکھیں کہ وہ یوں نہیں کھینچتا تو کمند ڈال کر
 کھینچیں اور اس طرح اُسے پھانسل لیں۔ لیکن گرنے نہیں جب مسلمان غیر قومن
 میں گئے تو وہ اپنے دین کا شروع شروع ظاہر کرنا ضرور عبت سمجھتے تھے جانتے
 تھے کہ اگر صحبت کے بغیر کوئی ہکوا اُچھا نہیں سمجھے گا۔ اسلئے صرف وہ یہ کہتے
 تھے کہ اگر اُنکھیں ہیں تو کھولو اور دیکھو کہ ہم تم سے تہذیب میں۔ قوت بازو میں۔
 اور استقلال میں بہت زیادہ ہیں۔ ہکوا اپنے ملک کا انتظام کرنے دو۔ اور خرچ
 کے لیے کچھ دیا کرو۔ لیکن اگر مسلمان صرف اتنا ہی کہتے تو غیر قوم والے اُنکو
 ضرور لالچی سمجھتے اسلئے وہ اپنے بجاؤ کے لیے جزیہ کے قبل اسلام کا لفظ
 پیش کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے شریک حال ہو جاؤ تو ہم تم ایک ہیں
 اور اگر اتنی محنت نہ ہو اور ہماری طرح رکھ کر اصلاح قوم کا بیڑہ اٹھانا تم سے
 نہ ہو سکے تو اپنی جان و مال کا صدقہ زر نقد عنایت کرو۔ لیکن اسکے ساتھ ہی
 مسلمان یہ بھی ضرور جانتے تھے کہ تلوار سے کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اور ایسی ہی
 ظہور میں آیا۔ ابتداً بہت کم مسلمان ہوئے نہ یادہ تر ایسے تھے جو جزیہ دینے پر
 راضی ہوئے اور آخر صحبت نے اُنکو مسلمان بنایا۔

ایران کے ابتدائی مور کے خالد سے متعلق تھے لیکن وہ بہت جلد ایران سے

اُن مسلمانوں میں جا ملے جو شام کی طرف گئے تھے شام میں بہت کچھ کانٹا یاں
خالد نے کیے۔ اسوقت کے مسلمانوں میں خالد سے زیادہ فن جنگ سے
واقف کوئی دوسرا نہ تھا۔ تمام فوج کے سپہ سالاری ہی تھے۔ تمام یورپین مورخ
انکی بہادری اور حکمت میں رطب اللسان ہیں۔

اسی حالت میں خلیفہ اول کا انتقال ہوا اور خلیفہ دوم نے حکومت بائی۔
خلیفہ دوم نے پہلا حکم خالد کی سحرولی کا صادر کیا۔ خلیفہ دوم نے خیال کیا کہ
مسلمانوں کی فوج دین اسلام کی اشاعت کے لیے لگی ہے اسکی سرداری
کے لیے وہ شخص مناسب ہے جو زہد و تقویٰ اور ذکر خدا میں سب سے اعلیٰ
درجہ کا ہو۔ فن سپہ سالاری کا استاد و شکر اسلام لینے مکتی فوج کی سرداری کے
لائق نہیں ہے۔ خالد کے تمام نمایاں کاموں پر خاک ڈال کر خلیفہ دوم نے انکو
سحرول کیا۔ فتوحات اسلام حضرت عمرؓ کے وقت میں بہت ہوئے اور حضرت عمرؓ
کے بعد خلیفہ ثالث کے اخیر وقت تک لینے فتنہ و فساد پھیلنے کے قبل تک فتوحات
اسلام جا بجا جاری تھے۔ ان وقتوں میں جتنی لڑائیاں ہوئیں اُس میں مسلمانوں
کی خود غرضیاں شامل نہ تھیں۔ صرف اشاعت دین انکا مطلب تھا۔ اشاعت دین
بھی وہ تلوار سے نہیں کرتے تھے۔ تلوار سے صرف وہ اتنی مدد چاہتے تھے کہ
لوگ مسلمانوں کو اجنبی سمجھ کر اُن سے نفرت ظاہر نہ کریں ورنہ مسلمانوں کو اپنی کامیابیوں
کا پورا یقین تھا اور یقین کے مطابق ظہور میں بھی آیا کہ جہاں وہ کسی سے ملتے تھے
جادو کر دیتے تھے۔ انکا ملنے والا پھر اپنی قوم کا دم نہیں بھرتا تھا۔ باب چھوٹے دین
چھوٹیں لڑکے بائے چھوٹیں۔ گھر دوا چھوٹے۔ لیکن مسلمانوں کی صحبت نہ چھوٹے۔

اس مضمون کو ہم نے نہایت شرح و بسط کے ساتھ ”ہند اور اسلام“ میں بیان کیا ہے اور وہاں ثابت کیا ہے کہ جہاں تک اخیر زمانہ حضرت عثمانؓ میں مسلمان پہنچ سکے تھے صرف وہیں تک اسلام ملکی مذہب ہوا۔ اسکے بعد کی لڑائیوں نے صرف ملک فتح کیے۔ قلوب بہت کم سخر کیے۔

خلیفہ دوم کے وقت میں کوثر، بصرہ، ستاد عراق، جبال، آذربائیجان، آرمینیا، شام، فارس، جزیرہ، شوسل، مرو، تھسرخ ہوئے۔ اور یہ تمام فتوحات مذہب طریقہ سے ہوئے۔ مسلمانوں پر کوئی سوزخ جائز الزام عاید نہیں کر سکتا۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ ان لڑائیوں میں خونریزیاں نہیں ہوئیں۔ خونریزیاں ضرور ہوئیں لیکن مسلمانوں کی گردن پر خون ناحق کا بار نہیں ہے۔ خواہ مخواہ کوئی گردن کٹو اتھا تو اس میں مسلمانوں کا کیا قصور تھا۔ کہنے والا اچھی بات بتائے اور سننے والا لڑنے کو طیار ہو جائے اور لڑائی میں مارا جائے تو مرنے والے کی ناعاقبت اندیشی ہے۔ کہنے والا بے خطا ہے۔

بہت سے فتوحات بے لڑے بھڑے بھی ہوئے۔ بیت المقدس فتح ہونے کی کیفیت یوں بیان کی گئی ہے کہ جب ارطیون بیت المقدس کی طرف بھاگا۔ عمر عاص نے اُسکا پیچھا کیا۔ ارطیون نے در شہر بند کر لیا اور عمر عاص نے محاصرہ کیا۔ کچھ دنوں کے بعد ارطیون نے عمر عاص کے پاس کہلا بھیجا کہ تم ناحق کوشش کرتے ہو اس شہر کا فتح کرنا تمکو نصیب نہ ہوگا۔ اس شہر کا فتح ہونا جس شخص کے ہاتھ سے ہمارے کتا بون میں لکھا ہے اُسکا حلیہ تم سے نہیں ملتا ہے۔ عمر عاص نے یہ خبر مدینہ کو بھیجی۔ عمر ابن خطاب نے خود بیت المقدس کا ارادہ

لحجہ کارنامیان

بک سے

پین مورخ

بیت پائی۔

نیال کیا کہ

لی سرداری

سے اعلیٰ

ی کے

م نے انکو

حضرت عمر

بک فتوحات

مسلمانوں

اعتدین

تھے کہ

بی کا کیا ہو

ملنے تھے

یائین

نہ چھوٹے

کیا۔ انکا منشا اس سفر سے اپنی صورت کا دکھانا تھا یا بیت المقدس کی زیارت
اصلی منشا تھا۔ بہر حال وہ خود وہاں پہنچے اور اس طرح پہنچے کہ ایک انٹ
پر بالکل معمولی کپڑے پہنے ہوئے عام لوگوں کی طرح سادہ سی وضع میں در شہر کے
سامنے نمودار ہوئے۔ دشمنوں کے دلوں پر خلیفہ وقت کی سادگی کا بہت اثر
پڑا اور اُسکے ساتھ اسلام کے سادے طریقوں کی وقعت بھی اُنکے دلوں میں
قائم ہوئی۔ اکثر موزون کے قول کے مطابق اس امر کے بیان کرنے میں
بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ دشمنوں نے بیت المقدس کے فاتح کا حلیہ
اپنے پیشوا یا ان مذہب کی پیشینگوئیوں کے مطابق پایا۔ ابو عبیدہ۔ یزید بن
ابی سفیان اور خالد بھی وہاں آگئے۔ بیت المقدس بے لڑے بھڑے
فتح ہو گیا۔ بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ اسی سلسلہ میں اور بھی چھوٹے
چھوٹے مقامات پر قبضہ ہوا۔ بیت المقدس کے فتح ہونے کے بعد پورے طور
پر شام میں مسلمانوں کا در در دور ہو گیا۔ جس طرح عرب کی حکومت فتح مکہ تک
ادھور سی تھی ویسے ہی بیت المقدس کی فتح تک شام کی حکومت سے
مسلمان مطمئن نہ تھے۔

واضح رہے کہ مسلمان اپنے جائز امور میں بہت سخت تھے۔ غیر قوم سے تو
تو کچھ نرمی بھی کر جاتے تھے لیکن مسلمانوں پر ذرا بھی نرمی نہیں کرتے تھے اور
ہی وجہ اُنکی ترقی کی تھی۔ سلسلہ میں سردار فوج ابو عبیدہ نے شام سے
خلیفہ دویم کو لکھا کہ بعض لوگ شراب پیتے ہیں اور منع کرنے سے باز نہیں آتے
امیر المومنین نے لکھا کہ شراب کی حرمت میں جاے شبہ نہیں ہے۔ جو اُسے

حرام نہ سمجھے اسکی گردن مار دو کہ وہ مرتد ہو گیا۔ اور بُرا سمجھ کر بتایا ہے تو ابھی
 حد شرع جاری کرو کہ وہ مجرم ہے۔ یہ سنکر شراب پینا لوگوں نے یکسخت ترک کر دیا
 خلیفہ دوم کے بعد خلیفہ سیوم کا وقت آیا اور اُنکے عہد میں جزیرہ سائپرس
 جزیرہ رودس کے لیے بحری لڑائیوں میں مسلمان کا سیلاب رہے۔ شیراز۔ طبرستان۔
 جرجان۔ نیشاپور۔ بلخ اور خراسان فتح ہوئے۔ غرض کہ سنہ ہجرت کے اکتیسویں
 سال ختم ہونے کے قبل دنیا کے تمام مشہور مقامات پر مسلمان قابض ہو گئے۔
 اخیر زمانہ میں آرمینیا بھی فتح ہوا گوپورا تسلط بعد کو ہوا۔ آرمینیا اور جارجیا سائپرس
 و رودس کے سوا اور تمام ممالک جو اسوقت تک مفتوح ہوئے انہیں تمام توہین
 اپنے آبائی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو گئیں اور آج ان تمام ممالک میں اسلام ملکی
 مذہب ہے۔ تاریخ سے یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ اُس زمانہ میں کسی تنفس پر محض
 اس لیے تلوار اٹھائی گئی کہ وہ مسلمان ہونا نہیں پسند کرتا تھا۔ ہم دعویٰ سے کہتے
 ہیں کہ ایک شخص بھی اس طرح قتل نہیں کیا گیا۔ ہاں یہ مقرر تھا کہ کیسا ہی سخت
 دشمن مسلمانوں کا ہزار محنت اور جانفشانی سے گرفتار ہو کر آتا تھا اور وہ کلمہ توحید
 اپنی زبان سے کہتا تھا تو مسلمان تلوار پھینک کر بھائی بھائی کہتے ہوئے اُسے
 گلے لگا لیتے تھے اور اسکا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ وہ ابتدا میں کتنا ہی جھوٹے دل سے
 مسلمان ہوتا تھا لیکن گھٹنوں اور دونوں بین سچا مسلمان ہو جاتا تھا۔

حضرت علیؑ کے وقت میں مسلمان آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے کوئی نیا
 ملک فتح نہیں ہوا اور اُنکے ساتھ طبقہ سیوم ختم ہو گیا۔ اُسکے بعد مسلمانوں کی بادشاہت
 معمولی بادشاہت رہ گئی۔ خلافت نبی کی شان باقی نہیں رہی لیکن صدیوں

ہم بادشاہ کو خلیفہ کہتے رہے۔

طبقہ چہارم (سلاطین عرب کا زمانہ)

بعد حضرت علیؓ کے بنو امیہ اور بنو عباس کی سلطنت یکے بعد دیگرے ہوئی۔ بنو امیہ کی ابتدائی سلطنت میں خود مسلمان مسلمان کہلاتے رہے۔ عبد الملک کے زمانہ تک انھیں باہمی جھگڑوں سے نجات نہیں ملی۔ شمشاد میں جب ولید ابن عبد الملک تخت پر بیٹھا تو اسکے عہد میں مسلمانوں کی تلوار پھر بنیام سے نکلی۔ لیکن اب تلوار میں وہ جاوونہ تھا جو طبقہ دوم و سوم میں تھا۔ ولید ابن عبد الملک کے عہد میں ترکستان کا بہت سا حصہ سرحد چین تک فتح کیا گیا۔ اسی کے عہد میں اندلس یعنی اسپین میں مسلمان گئے اور فرانس تک پہنچ گئے۔ پورب میں ماوراء النہر سے فرغانہ تک اور کابل سے ملتان تک کی حکومت پھیلی۔ ملتان سے اسپین تک تمام ملک اسکی مٹھی میں اس طرح تھا جس طرح انگلشٹری میں نگین ہوتا ہے۔ مورخوں کا اتفاق ہے کہ ابتداء سے عالم سے جہان تک کہ تاریخی حالات معلوم ہوتے ہیں آج تک ولید ابن عبد الملک سے بڑا بادشاہ وسعت سلطنت اور استحکام سلطنت کے اعتبار سے دوسرا کوئی نہیں ہوا۔ لیکن یاد رہے کہ اس کے زمانہ میں نہ اشاعت اسلام ہوئی اور نہ اشاعت اسلام کے لیے فتوحات ہوئے۔ جب قدر ممالک اسکے عہد میں فتح ہوئے انہیں اسلام ملکی نہ رہا نہ ہوا۔ ہند اور اسلام میں یہ مضمون زیادہ شرح و بسط کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ سلیمان ابن عبد الملک کے عہد میں سندھ کے لوگ مسلمان ہو گئے تھے لیکن وہ پھر تہہ ہو گئے۔ آذربائیجان اور آرمینیا کی فتح حضرت عثمانؓ کے وقت میں پورے طور پر نہیں ہوئی تھی۔ شمشاد

کے بعد ہشام ابن عبد الملک کے عہد میں یہاں مسلمانوں کا پورا تسلط ہوا۔
 اسوقت جیسے مسلمان تھے ویسا ہی اثر باشندوں پر پہنچا سکے اور اسی لیے
 آرمینیا میں اسلام ملکی مذہب نہ ہوا۔ اور نہ ہندوستان اور اسپین میں اسلام ملکی
 مذہب قرار پایا۔ بنو امیہ کے زمانہ میں ظلم کا طریقہ بہت بڑھا ہوا تھا۔ طبقہ سویم کے
 اعتبار سے یہ زمانہ فتنہ و فساد کا تھا۔ طبقہ سویم کے دیکھنے والے متروخ بنو امیہ
 کے زمانہ کو لکھتے ہیں کہ عالم ظلم سے بھرا ہوا تھا۔ بنو امیہ بھی اپنی لڑائیوں کو مسلمانوں
 میں جوش پیدا کرانے کے لیے مذہبی لڑائیوں سے تعبیر کرتے تھے۔ انکی تلوار بڑی
 بیشک بہت مہیاک تھیں لیکن اپنی مفتوحہ قوموں کو وہ مسلمان نہ کر سکے۔ اگر ایش
 اسلام میں تلوار کو دخل ہوتا تو جو مالک بنو امیہ کے وقت میں مفتوح ہوئے
 انہیں مسلمانوں کی تعداد ہرگز کم نہ ہتی۔ بلکہ سب سے زائد ہوتی۔

بنو امیہ کے بعد بنو عباس کی حکومت کا زمانہ آیا۔ شروع شروع بنو امیہ اور
 بنو عباس میں لڑائیاں ہوئیں اور پھر بنو عباس کا پورا تسلط ہو گیا۔ بنو عباس کا
 زمانہ جب تک اسکو رونق تھی امن کا زمانہ تھا علم صنعت اور حرفت میں مسلمانوں نے
 اعلیٰ درجہ کی ترقی کی۔ بنو عباس سوائے اسپین کے اور تمام ممالک مفتوحہ سابق پر
 سلطنت کرتے تھے۔ سرحدی لڑائیاں وہ بہت کم لڑے۔ زیادہ تر انکو رفع بنوائت
 کے لیے مسلمانوں سے لڑنا پڑا۔ غیر قوموں سے مصالحت تھی۔ یونان کے علوم
 جدیدہ کو اُنہیں رونق ہوئی۔ صرف ماموں کے وقت میں کچھ فوج مسلمانوں کی
 ہندوستان کی طرف آئی اور چودہ قلعے روم کے اُسکے عہد میں فتح ہوئے تھے۔
 لیکن یہ فتوحات ہمارے اغراض کے لیے کچھ نہیں ہیں۔ بنو عباس کے بعد بلاد

اسلام میں مختلف سلطنتیں جدا جدا قائم ہو گئیں گوارنہیں سے اکثر بنو عباس کو پیشوا سے مذہب مانتی رہیں لیکن ہمارے مضمون کے اغراض کے لیے عربوں کی سلطنت بنو عباس کے زوال کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔

طبقہ پنجم (دیگر سلاطین اور دعاۃ اسلام)

سلطنت عرب کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کے بعد جو اسلامی سلطنتیں دنیا میں قائم ہوئیں انہیں سے تین سلطنتیں ایسی ہیں جنکو دوسری قوموں سے زیادہ تر سابقہ رہا۔ سلطنت اسپین۔ سلطنت ہند۔ سلطنت ترکی۔ تاریخی اقدار کی دلچسپی بہت کچھ صلاح الدین شاہ مصر کے حالات میں ہے کہ بیت المقدس کے لیے بڑی بڑی سرکر کی لڑائیاں اسکے عہد میں عیسائیوں کی مجموعی طاقتوں سے ہوئیں۔ لیکن ہمارے اغراض کے لیے انکا لکھنا ضروری نہیں ہے۔ ہم یہ نہیں دکھانا چاہتے کہ غیر قوموں سے مسلمانوں کی لڑائیاں کہاں کہاں ہوئیں یا غیر قوموں نے اپنے مواقع پر مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا زیادتیاں کیں۔ ہم صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے جن حلوں کو یا مسلمانوں کی جن لڑائیوں کو غیر قوم کے لوگ محض شاعت اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ حلقے یا وہ لڑائیاں لوگوں سے بے جبر کلہ تو حید پڑھوانے کے لیے نہ تھیں۔ یعنی ہکودہ اس بیان کی تادیب کرنی ہے کہ اگر مسلمان تلوار ہاتھ میں نہ لیتے تو انکا مذہب اس قدر جلد نہ پھیلتا اور ایسے ہکودہ تمام لڑائیاں چھوڑ دینا چاہیے جنہیں مسلمانوں نے خود کو غیر قوموں سے بچایا ہے۔ اسکے بیان کرنے میں دلچسپی ضرور ہے لیکن ہمارے اغراض سے اسے کوئی مناسبت نہیں ہے۔

اسپین

طارق نے اسپین کو صرف بارہ ہزار مسلمانوں سے فتح کیا۔ موسیٰ گورنر ازرقیہ جب اس سے مطلع ہوا تو اُس نے طارق کو اس جرم میں قید کیا کہ اُس نے بلا اجازت موسیٰ کے حملہ کیا تھا۔ موسیٰ کا یہ فعل ایسے نہ تھا کہ جنگ و جدال وہ برا سمجھتا تھا۔ بلکہ محض ایسے تھا کہ طارق کی ناموری پر وہ حاسد تھا۔ اسکے بعد خود اُس نے فتوحات کی کمی کو پورا کر کے خلیفہ وقت کے نزدیک اپنے کو نام آور کرنا چاہا تھا لیکن خلیفہ کو ان تمام حالات کی خبر ہوئی اور اُس نے طارق کو بدستور اسپین کا حاکم کر کے موسیٰ کو طلب کر لیا۔ ۱۹ھ مطابق ۶۸۰ء میں طارق کا ایک عربی سپہ سالار فرانس کے جنوبی حصہ پر مستقل طور سے قابض ہو گیا۔ ۲۳ھ میں جب بمقام پائٹا نرزا اور نور مسلمانوں نے شکست کھائی تو وہ ممالک مفتوحہ پر قانع ہو کر اُسکی محافظت اور تنزیب میں کوشش کرنے لگے۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ محض ملک کی خواہش سے یا ناموری کے خیال سے اسپین پر مسلمانوں نے حملہ کیا تھا۔ جب انھوں نے وقت تنگ دیکھا تو غنیمت سے کام لیا۔ تواریخ سے ثابت ہوا غرضل اسلام یا اشاعت مذہب کے لیے کوئی سختی ان لوگوں نے نہیں کی اور نہ انہیں ایسی خوبیاں تھیں کہ لوگ انہیں از خود فریفتہ ہو جاتے نتیجہ یہ ہوا کہ آٹھ لاکھ سو برس کے بعد عیسائیوں نے ان کو اس طرح سے نکالا جس طرح دودھ سے گھی نکالی جاتی ہے۔

بعد ۲۴ھ کے مسلمانوں نے پھر غیر قوموں پر کوئی حملہ نہیں کیا جو کچھ لڑائی ہوئی خود مسلمانوں میں ہوئی یا غیر قوموں کے حملوں کے روکنے میں ہوئی۔

سب سے بڑی لڑائی بیان مسلمانوں میں عبدالرحمن کے وقت میں ہوئی -
عبدالرحمن خلفائے بنو امیہ کی نسل سے تھا۔ بنو عباس کے زمانہ میں یہ بھاگ
کر اسپین پہنچا اور اسپین کو بنو عباس کی حکومت سے علیحدہ رکھنا چاہا۔ بنو عباس
کی تمام فوج دھوکے سے ماری گئی۔ اور عبدالرحمن کی سلطنت اسپین میں
مستحکم ہو گئی۔

اسکے بعد حکم ابن ہشام کے زمانہ میں سچے مسلمان اسپین سے نکل کر افریقہ
کے ساحل مغربی کی طرف آباد ہونے کے لیے چلے گئے۔ سلطنت سب کچھ کرتی
تھی لیکن اشاعت دین سے غافل تھی۔ عام مسلمانوں میں وہ خوبیاں نہ تھیں
جو دوسری قوم کو مذہب اسلام کی طرف مایل کریں۔ خاص خاص لوگ اس
نظارہ کو پسند نہ کر سکے اور خود بخود جلاوطن ہو گئے۔ سلطنت کو مذہبی رنگ میں
کمزور پاکر سقصب عیسائیوں کا ایک گروہ اٹھا اور خود کشی شروع کر دی یعنی یہ لوگ
دربار شاہی میں آکر قاضی کے سامنے ایسے حرکات کرتے تھے جن سے لاحال
قاضی کو انکی موت کا فتویٰ دینا ناگزیر ہوتا تھا۔ قتل کا حکم سنکر وہ خوش ہوتے
تھے پس یہی ایک خون غیر قویوں کا مذہبی پیرایہ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے
اسپین میں ہوا ہے۔ یہ واقعات مشہور ۶ کے اخیر میں ہوئے لیکن ابن دینا
سے مسلمانوں پر کوئی الزام عاید نہیں کیا جاتا۔ اُس زمانہ کے سمجھدار عیسائی
بھی ان مذہبی شہداء کو دیوانہ سمجھتے تھے۔ لیکن بعد کو فساد پھیلانے کے لیے
فرانس کے راہب ان سچی شہداء کی ہڈیاں بیگ میں بھر کر اپنے ملک کو لے
گئے اور وہاں کے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنا چاہا۔ عیسائیوں نے

بھی کچھ زور دکھایا لیکن کسی فرقہ کو کچھ نقصان نہیں پہونچا۔

عبدالرحمن ثالث نے گوچند عیسائی ریاستوں کو بزدل شمشیر اپنا مطیع کیا لیکن عیسائیوں سے زیادہ اُسے مسلمانوں سے لڑنا پڑا۔ اسپین کی مسلمان ریاستوں کو اُس نے تلج کیا۔ افریقہ کے فاطمی بادشاہوں سے وہ لڑا۔ یہ بادشاہ سپاس برس تک حکمران رہا۔ قسطنطنیہ۔ فرانس۔ جرمنی۔ اٹلی۔ کے عیسائی بادشاہ اظہار اخلاص مندی کے لیے اسکے دربار میں اپنے سفیر بھیجتے تھے۔ اسکے جانشین مابعد کے عہد میں مسلمانوں کی سلطنت اسپین میں ضعیف ہو گئی۔ گویا یہ ہندوستان کا شاہجہان تھا۔ ستلہ میں اسپین کی شاہنشاہی ختم ہونے پر صوبہ غرناطہ میں ایک چھوٹی سی سلطنت اسی طرح قائم ہوئی جس طرح ہندوستان میں دہلی کی سلطنت تباہ ہونے پر لکھنؤ کی شاہی قائم ہوئی تھی۔ اسکے بعد غرناطہ ستلہ میں افریقہ کے مردانیوں کا ایک باجگذار صوبہ قرار پا گیا۔ بعد ازاں اندلس کے مسلمانوں کی پھر خود مختاری قائم ہوئی اور تھوڑے دنوں کے بعد وہ پھر مسلمانان افریقہ کے زیر حکومت ہو گئے اس اثنا میں مسلمانان افریقہ اور عیسائی اسپین سے چند لڑائیاں ہوئیں لیکن وہ محض ملکی لڑائیاں تھیں۔ ستلہ کے بعد صوبہ غرناطہ میں محدود ہو کر مسلمانوں نے اپنی خود مختاری قائم رکھی اور اس چھوٹی سی حالت میں بہتر اور شکل وہ اپنے کو عیسائی مہسائیوں سے بچاتے رہے نہ اُس نے دے اور نہ اُنکو دبا سکے۔ ۷۱۱ء میں شمال کے عیسائیوں کی متفقہ قوت نے مسلمانوں کو پریشان کرنا شروع کیا۔ اور ۷۱۱ء میں مسلمانوں کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

ہوئی۔

یہ بھاگ

س

پا ہا۔ بنو عباس

ن میں

ل افریقہ

ب کچھ کرتی

نہ تھیں

اس

میں

یہ لوگ

لا محالہ

تے

سے

ن دھما

سائی

لیے

وئے

نے

نے

نے

نے

نے

نے

نے

نے

نے

اسکے بعد قرطبہ کے عیسائی بادشاہ نے یہ قانون نافذ کیا کہ مسلمان عیسائی مذہب اختیار نہ کریں تو ملک سے باہر کر دیے جائیں۔ ۱۱۶۷ء میں سپہنچی سے عملدرآمد ہوا۔ اس سختی سے مسلمانوں کو کچھ غیرت آئی اور عرصہ تک وہ بکے پانی شاہ کے عیسائیوں سے لڑتے رہے۔ دشمنوں کو مارتے تھے اور خود بھی مرتے تھے۔ آخرتہ آہستہ آہستہ تمام ملک کوئی ۳۰ لاکھ مسلمان شہر سے جلا وطن ہو گئے۔ پانچ لاکھ تو ایسے تھے جنکو اسپین کے عیسائی بادشاہ ہنری ہفتم نے خود مستعد ہو کر ملک سے باہر نکال دیا۔ تمام مسجدیں گرجا ہو گئیں۔ حمام گروا دیے گئے۔ نشانات مٹا دیے گئے۔ اب کہیں سے یہ پتہ نہیں لگتا کہ اندلس میں آٹھ نو سو برس تک مسلمانوں کی عملداری تھی۔ ایک ہزار برس تک اسلام کا پرچا تھا۔ اور عربی زبان وہاں قریب قریب مادرسی زبان کے ہو چلی تھی۔ قرآن میں ہے کہ عاد اور ثمود وغیرہ قومیں دنیا میں سب سے بڑھ کر ہوئیں اور پھر وہ اس طرح مٹیں کہ پتہ نہ لگا۔ اس آیت کا مفہوم تاریخ اندلس پڑھنے سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ قوم یوں معدوم ہوتی ہے۔

مسلمانوں کی جلا وطنی سے تمام علمی برکتیں بھی ملک سے جاتی رہیں۔ کیونکہ زیادہ تر یہی لوگ اُستاد دفن تھے۔ اسپین کے عیسائیوں نے اس بیریجی سے اپنا ملکی نقصان بھی کیا یعنی اسپین جو مسلمانوں کی بدولت تمام یورپ کا دارالعلم تھا آج وہ یورپین نگاہوں میں نیم وحشی قوموں یا بدترین اہل یورپ سے سمجھو سمجھا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ۱۱۶۷ء سے ۱۴۹۲ء تک اسپین میں مسلمان رہے ۳۲۵

میں صرف بارہ ہزار مسلمان اسپین میں آئے تھے اور فرانس تک گھستے چلے گئے۔ اور جب اُنکے بڑے دن آئے تو تیس لاکھ مسلمانوں کو جلاوطن ہونے کا حکم ہوا اور وہ چمکے سے اُٹھے اور ملک سے باہر چلے گئے۔ تلوار اگر مسلمانوں کے پاس تھی تو وہ سلاخہ میں کمان چلی گئی تھی۔ دنیا میں کسی قوم نے کسی قوم کے ساتھ ایسا ظلم نہیں کیا ہے جیسا کہ اسپین کے عیسائیوں نے اسپین کے مسلمانوں کے ساتھ کیا۔ اس سے صریح ظاہر ہے کہ جو بات سلاخہ کے مسلمانوں میں تھی وہ سلاخہ کے مسلمانوں میں باقی نہیں رہی تھی۔ ہند کے مسلمانوں کے ساتھ تو ہندوستان کی آب و ہوا کا الزام رکھ دیا جاتا ہے لیکن اسپین کے مسلمانوں پر کوئی الزام اس قسم کا عاید نہیں ہو سکتا۔ پس سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ جو صداقت اور راستبازی کا سبق آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو تعلیم کیا تھا اُسکا کچھ اثر سلاخہ تک تھا اور اسلئے وہ دوسری قوموں پر اسی طرح حکمرانی کے قابل تھے جس طرح تیل میں پانی کے اوپر تیرنے کی قابلیت ہوتی ہے۔ اور جب مسلمانوں میں قابلیت کی کمی ہوئی تو خواہ مخواہ انکو وہ مقام چھوڑ دینا پڑا جہاں وہ دوسری قوموں سے تعداد میں کم تھے۔ اگر اچھے دنوں میں وہ کوشش کر کے تمام قوم کو اپنا ہم مذہب کر لیتے تو یہ دن انکو دیکھنا نصیب نہ ہوتا لیکن یہ اُنکے اختیار کی بات نہ تھی۔ تلوار میں اُنکی زور تھا مگر مذہب تلوار سے نہیں پھیلتا۔ مذہب پھیلتا ہے حسن اخلاق کا اچھا نمونہ دکھانے سے اور وہ انہیں کافی طور پر نہ تھا۔ اب ہمارے سمجھ میں بخوبی آگیا کہ سلاخہ میں اسپین کے چند سچے مسلمانوں نے کیوں از خود اسپین چھوڑ دیا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ بیان کے

ن عیائی

سینجی سے

بکے بی شاہ

مے

ن ہوئے

خود مستعد

بے گئے

میں آٹھ

نام کا چرچا

ی قرآن

اور پھر وہ

کے بخوبی

رہیں

اس

تمام

یاد دیرین

شہ

مسلمان دوسری قوم کو اپنا اچھا نمونہ دکھا کر مسلمان کرنے کی کوشش نہیں کرتے تو ایک دن ہماری اولاد کو اس ملک سے نکلنا ہوگا اور اسلئے انھوں نے قبل اسکے کہ وہ وقت آئے خود کنارہ کش ہو جانا پسند کیا۔

یہاں پر یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اسپین کے مسلمانوں نے بہت بڑے بڑے کام کیے ہیں۔ یورپ کے مُردہ علوم اُنکے وقت میں زندہ ہوئے۔ اُنکی یونیورسٹیوں سے یورپ کی قومیں تعلیم پا کر آدمی بنیں۔ تمام یورپ کے اساتذہ مسلمانوں کے شکرگزار ہیں۔ صنعتِ حرفت اور انسانی بہبود یونینز جو ترقیاں مسلمانوں نے کی تھیں اب تک اُنکا اعتراف کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ سوکھی تعریفیں اُن لوگوں کے لیے کسی کام کی نہ تھیں جو ۱۶۱۷ء میں جلاوطن کیے گئے تھے۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو جلاوطن کر کے اُنکے ساتھ ملک کی صنعت و حرفت اور تہذیب کو بھی عیسائیوں نے ملک سے نکال دیا اور ملک کی مرفعہ الجالی پر ایسا صدر پہنچا یا کہ پھر اسپین نہ بنیا۔ بیشک اسپین کے عیسائی آج تمام یورپ میں اقوام میں اس درجہ پیچھے نہ رہتے اگر اپنے مسلمان بھائیوں کو یونین ملک سے نکال باہر نہ کرتے۔ ہم اس موقع کو یونین سمجھ سکتے ہیں کہ مسلمانوں نے علوم جدیدہ اور علوم قدیمہ کے زندہ کرنے میں اپنے اوقات عزیز محض راہِ گمان کیے۔ اپنے طرزِ عمل سے اور مدارس کی تعلیم سے وہ قرآن کے برکات ظاہر کرتے اور سنتِ نبویؐ اور اقوالِ محمدیؐ کی خوبیاں دوسروں کو سمجھاتے اور اس طرح مسلمانوں کی تعداد بڑھانے میں کوشش کرتے تو اُنکی اولاد کو ۱۶۱۷ء کی بد نصیب گھڑبان دیکھنا نہ پڑتین۔

اسپین کے نہایت ہی مختصر حالات اوپر لکھے گئے ہیں ورنہ یہ نقشہ بہت ہی
 کوچک ہے اور داستان بڑی طولانی ہے۔ اسپین کے مسلمان یورپین موزوں
 کی نگاہوں میں عجائبات دنیا میں شمار کیے جاتے ہیں اور انکا عروج و زوال
 نمونہ قدرت تصور کیا جاتا ہے۔ تمام حالات کا اس مختصر تحریر میں بالتفصیل بیان
 کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن ہم اسکو دعویٰ سے کہتے ہیں کہ اسپین کی
 تمام تاریخ میں گودہ ادنیٰ مسلمانوں کے ہاتھ سے فتح ہوا تھا کوئی ایک بھی
 مثال ایسی نہیں ہے کہ کسی عاقل و بالغ قابل اعتبار مسلمان نے کسی عیسائی
 یا کسی دوسرے مذہب والے کی گردن پر اسلئے تلوار رکھی ہو کہ وہ لا الہ الا اللہ
 محمد رسول اللہ کہنے پر راضی نہیں ہوتا تھا۔

ہندوستان

بعض یورپین مؤرخ جب لکھتے ہیں کہ ”اسلام بزورِ شمشیر پھیلا“ تو وہ ابتدا
 سنہ ہجری کے فتوحات مراد لیتے ہیں اور جب ہندوستان کے تو تعلیم
 یافتہ نوجوان ہندوستان کے متعصب مؤرخین کی تحریریں پڑھتے ہیں تو وہ
 سمجھتے ہیں کہ ہندوستان میں بھی اسلام بزورِ شمشیر پھیلا یا گیا ہے۔ حالانکہ ہندوستان
 میں کسی کو مسلمان کرنے کے لیے کوئی زیادتی مسلمانوں کی طرف سے کبھی
 نہیں ہوئی اور نہ کوئی سختی کسی قسم کی ہندوستان کے باشندوں پر اس لیے
 کی گئی کہ وہ ہندو تھے اور نہ اس کے قبل تمام بلاد اسلام میں ایسا کبھی ہوا۔
 مسلمان جو ہندوستان میں آئے بہترین مسلمان نہ تھے بلکہ بدترین مسلمان تھے۔
 پھر بھی ہندوؤں کے حق میں ان سے اچھا کوئی دوسرا فاتح نہیں ہو سکتا تھا۔

نہیں کہتے
 نے قبل

بہت بڑے
 ہوئے۔

رپ کے

د یون یز

لیکن یہ

میں جلا طرز

لے ساتھ

ل دیا او

بن کے

لمنان کی

لکھتے ہیں

وقات

وہ قرآن

در دنگو

تے تو

مسلمانوں نے جو بتاؤ اپنے مفتوحین کے ساتھ کیا اُنکے معاصر ایسا اچھا بتاؤ
 دنیا کے کسی حصہ میں اپنے مفتوحین کے ساتھ نہیں کرتے تھے اور نہ اس کے
 قبل کبھی کسی اور فاتح نے ایسے اچھے بتاؤ کیے تھے۔ گزشتہ زمانہ کو زمانہ
 حال کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے۔ بلکہ گزشتہ زمانہ کو گزشتہ زمانہ کے ساتھ مقابلہ
 کرنا چاہیے۔ اس مضمون کے سمجھنے کے لیے تمام دنیا کی تاریخیں پڑھنی چاہیے
 و کھجور و منس اپنے مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کرتے تھے۔ خود انگلستان کے
 قدیم باشندوں کے ساتھ رومنس نے کیا کیا۔ انگلستان کے دیگر فاتحین نے
 انگلستان کے ساتھ کیا کیا۔ یونانیوں نے مفتوح قوموں کا دنیا میں کیا درجہ
 قائم رکھا۔ تاتار نے چین پر فتح پا کر شروع شروع کیا بتاؤ کیا۔ خدایرین نے
 اپنے مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ شدروں کو انھوں نے اس درجہ نیچا
 کر دیا کہ مسلمانوں اور انگریزوں کی ہزار سالہ حکومت اُنکو ایک انچ بھی اوپر نہ کر سکی
 گویا دست قدرت کو فاتحوں کی برش شمشیر نے ہمیشہ کے لیے (غور باقیہ) قطع
 کر دیا۔ تین چار ہزار برس سے شدروں کے کشت زار میں ابر رحمت نہ برسا۔
 سب کے دن پھرے لیکن اُنکے دن نہ پھرے۔ وہ زبان حال سے کہتے ہیں
 ہم ایسے ہیں کہ جیسے کسی کا خدا نہ ہو

گویا وہ مادر گیتی کے فرزند ہی نہیں ہیں۔ ہمارے سہر و نوجوان سمجھیں اُنکے
 بزرگوں نے جب دوسروں پر قابو پایا تھا تو کیا کیا تھا اور پھر وہ مقابلہ کریں اپنے
 بزرگوں کی حالت سے جب مسلمانوں نے اُن پر قابو پایا تھا۔

مسلمانوں کے پاس شروع شروع اعتبار فاتح ہونے کے جو ایک بہت

بڑا ہنر تھا وہی سود تدبیر سے یا سود اتفاق سے خود مسلمانوں کے حق میں نہ کرنا چاہتا
 کے حق میں ایک بڑا عیب قرار پا گیا۔ کیا معنی کہ مسلمان جس سیرجہی سے غیر قوم کو اپنا
 ہم خیال پاتے ہی قومی تفریق اٹھا دیتے تھے وہ بیشک ایک ایسا امر تھا کہ تاریخ
 عالم میں کسی فاتح میں اسکی نظیر نہیں ملتی۔ مسلمانوں کی ترقیوں کی بنیاد اسی
 حکمت عملی پر قائم تھی۔ قوم مفتوح کے ساتھ انکا برادرانہ اور ہمسرا نہ برتاؤ رکھنا
 بے شک نہایت اچھا تھا مگر اندلس اور ہندوستان میں اچھا نہ تھا کیونکہ بیان کے
 تمام باشندے اُنکے ہم خیال نہ تھے۔ اور ہم خیال نہ ہونے کا سبب وہ نقص تھا
 جو انہیں پیدا ہو گیا تھا۔ انکو یہاں اپنے باپ دادا کی روش قوم مفتوح کو برادر
 قرار دینے کی بابت اختیار کرنا چاہیے تھی۔ سابق مسلمان اپنے حسن
 اخلاق میں ایسے پکے تھے کہ وہ قوم مفتوح کو اپنا سا بنالینے کا یقین کامل رکھتے
 تھے۔ وہ سانپ کھاتے تھے ایسے کہ اُسکا منتر جانتے تھے۔ اندلس اور ہندوستان
 کے مسلمان اپنے باپ دادا کی طرح سانپ سے کھیلتے رہے لیکن سانپ کا
 منتر بھول چکے تھے اور یہ اُنکی سخت غلطی تھی۔ جب اُنکے اخلاق ایسے نہ تھے کہ
 دوسروں کو اپنی طرف خواہ مخواہ کھینچیں تو پھر اُنکو دوسروں میں ملنا نہ چاہیے
 تھا۔ دوسروں کی صحبت نے اُنکو اور بھی خراب کیا۔ جو کچھ انہیں ہنرتھے وہ بھی
 جاتے رہے۔ بجائے اسکے کہ وہ دوسروں کے اخلاق درست کرنے دوسروں
 کی صحبت اُنکے اخلاق خراب کرنے لگی۔ مسلمانوں کے برادرانہ میل جول نے
 مفتوحین کو بے تکلف کر دیا۔ مسلمان اُنکے مقابلہ میں اصول سیاست پر پورا
 عمل کرنے کے ہرگز قابل نہ رہے۔ یوں ایک صدی تک بھی مسلمان اپنی

سیا اچھا برتاؤ

اور نہ اسکے

زمانہ کو زمانہ

کے ساتھ تھا

ن پڑھنی چاہیے

انگلستان کے

فاحشین نے

ن کیا وجہ

یرین نے

سردر جہ نیچا

بھی اور نکر کی

دبا لیم قطع

ست نہ برسا

سے کہتے ہیں

نکے

مابلہ کریں اپنے

ایک بہت

حکومت قائم نہیں رکھ سکتے تھے۔ کچھ دنوں تک جو انکی حکومت قائم رہی اسکا سبب یہ تھا کہ نئے نئے حکمران اور نئے نئے اراکین دولت ولایت سے برابر آتے رہے۔ اگر یہ تازہ ہوائیں باہر سے نہ آتی رہتیں تو قومی حکومت کا گلا کھچی گھٹ گیا ہوتا۔ ہندوؤں کے میل جول سے ہم اپنے تمام اخلاق کو وہ لچھے تھے یا بُرے لیکن ہمارے مایہ ناز ضرور تھے کھو بیٹھے جنکی کہ امور سب بسترک کے اختیار کرنے میں بھی ہم نے دریغ نہیں کیا۔ ہم اپنے خدا کو بھولے اور رسول کو بھولے۔ بہادری چھوڑی۔ استقلال چھوڑا۔ راستبازی کو خیر باد کہا۔ حیثیت اسلامی کو نصفت کیا۔ ہمارے عادات میں خرابی آئی۔ اور ہمارے دلوں میں کمزوری پیدا ہوئی۔ جسکی دوستی میں ہم اس حال کو پہونچے جب اُسکے صفحہ سے سنتے ہیں کہ مسلمانوں نے ہندوستان میں بہت ظلم کیا تو افسوس ہوتا ہے۔ کسی کا گلہ نہیں یہ ہمارا کیفرِ کار ہے۔ اگر ہم اپنے اخلاق درست رکھتے تو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا اور آج ہماری تمام باتیں بُری بھی تھیں تو اچھی نظر آتیں۔

ہم اپنے بیان کی تائید میں کچھ تاریخی حالات بیان کرتے ہیں۔ ۱۲۴۰ھ میں مرو سے کابل تک عرب گھس آئے اور بارہ ہزار کافروں کو مسلمان کیا۔ غالباً یہ زیاد گورنر خراسان کی حکومت اور امیر عادیہ کی خلافت کا زمانہ تھا والی کابل اگر بالکل مطیع نہیں تھا تو باجگزار ضرور تھا کیونکہ اسکی سرتابی پر سلسلہ میں دوبارہ لشکر کشی ہوئی اور اُسکے اتفاقاً مسلمانوں نے ایک گھاٹی میں پھنس جانے کی وجہ سے ہزیمت اٹھائی۔ اس شکست کا بدلہ ۱۲۴۵ھ میں عبدالرحمن جامی

خراسان نے لیا جس نے کابل پر خود دھوا دیا اور بہت بڑا حصہ ملک کا قبضہ میں کر لیا۔ اس وقت تمام افغان مسلمان ہو چکے تھے۔ افغان تو پیغمبر خدا کے وقت ہی سے اپنا ایمان لانا کہتے ہیں۔ لیکن اسمین شبہ نہیں کہ سنہ ۱۱۰۰ تک اکثر انہیں سے مسلمان ہو چکے تھے۔ اور محمود کے بعد پھر انہیں کوئی کافر نہ رہا بجز اُس حصہ ملک کے باشندوں کے جو اب تک کافرستان کے نام سے موسوم ہے۔ ۱۱۰۰ء میں محمد قاسم اسی طرح ہندوستان میں آیا جس طرح طارق اسپین میں گیا تھا۔ محمد قاسم کا لاشہ شاہی غضب کی وجہ سے ہندوستان سے دُشک روانہ کیا گیا اور اُسکے ساتھ تمام فتوحات اسلامی کا نام بھی ہندوستان سے فوراً مٹ گیا۔ طارق اراکین دولت کے مخصوص میں پھنسنے کے بعد پھر اپنی حالت پر آگیا اور اسلئے اُسکے فتوحات ایک حصہ فرانس تک بڑھتے رہے صرف یہی فرق دونوں کی فتوحات میں ہوا۔ ورنہ اور اعتبارات سے ان دونوں فتوحات میں بہت کچھ مناسبت ہے۔ محمد قاسم اپنے ماضی مسلمانوں سے بدتر تھا اور مابعد کے حملہ آوروں سے بہتر تھا۔ اُس نے لڑائی کی بنیاد اسی مہذب اصول پر قائم کی تھی جس نے عرب سے سندھ تک مسلمانوں کو پہنچایا تھا۔ یعنی محمد قاسم نے نہایت انسانیت کے ساتھ والی ہند کے سامنے اپنی درخواست پیش کی کہ اپنے ملک میں ہمارا قانون نافذ ہونے دو۔ اسن قائم کرنے کی فکر کرو۔ ملکی تہذیب میں بہتری کرنے دو۔ اور اگر تم غیر اشخاص کی مداخلت پسند نہیں کرتے تو تم ہمارے خیال ہو کر اور اس طرح سلف گورنمنٹ کا پر داز قائم کر کے خود اپنے پر حکومت کرو۔

میں رہی اسکا
سے برابر
کا کلا کھی
کو وہ اچھے
بشر کے
اور رسول
ہا حیات
سے دون
ب اُسکے
نواضوس
درست
سبھی تہین

میں۔ سنہ ۱۱۰۰
ن کیا۔ غالباً
والی کابل
میں دوبارہ
پس جانے
الرحمن جاکم

اور اگر کسی مین راضی نہیں ہوتے تو تلوار کو حکم قرار دو۔ بہر حال محمد قاسم کی نسبت کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جاسکتا اور اگر کچھ اعتراض ہوتا بھی تو وہ اس واقعہ سے رفع ہو گیا کہ محمد قاسم کے ساتھ خلیفہ وقت نے کیا سلوک کیا ہندو سمجھے کہ مسلمان صرف مفتوحین کے مقابلہ میں سخت نہیں ہیں با سہی برتاؤ مین بھی کڑے ہیں۔

اسکے بعد محمود کے حملے شروع ہوئے اور یہ حملے فی الواقع بہت سخت تھے۔ محمود نے اشاعت اسلام کے لیے یہ حملے نہیں کیے۔ جس طرح سے ایک پادشاہ دوسرے پادشاہ پر ملکی اغراض کے لیے یا دنیاوی طمع سے حملے کرتا ہے وہی نوعیت محمود کے حملوں کی تھی۔ کوئی بڑا مانے یا بھلا مولف کے نزدیک گو محمود نے ہندوستان پر حملے بہت کیے۔ غازی لقب پایا۔ مسلمانوں کے نزدیک اپنے کو موقر دکھایا۔ لیکن اپنے طرز عمل سے اُسے ہندوؤں کے دل مین اسلام سے نفرت پیدا کر دی۔ سمجھدار لوگوں نے اُس وقت بھی رہے قایم کی تھی کہ نقدی طمع کے خیال سے یا حکمرانی کے شوق مین محمود کفرستان مین مارا مارا پھرتا ہے۔ لیکن مذہب اسلام کو اس سے ترقی نہیں ہوتی اور نہ وہ مذہب کی ترقی دینے کے لیے کوئی کوشش کرتا۔ حضرت امام حسینؑ کے خون کا بدلہ لینے کے پردہ مین جس طرح عراق مین لوگوں نے حکومتیں کیں اسی طرح محمود بھی مذہبی جہاد کے نام سے مسلمانوں کو اپنا جان تار بنائے رہا اور نہ اسلام بچیلانے سے اسکو کوئی عرض نہ تھی۔ بعض مؤرخین نے اسکو دہرہ لکھا ہے اور اسکی مذہبی باتوں کو تقیہ یا حکمت علی سے تعبیر کیا ہے۔

اس کتاب کا مولف اس قدر رکھنے کی ہرگز جرأت نہیں کر سکتا لیکن اس قدر تو بے تکلف کہہ سکتا ہے کہ جب تک دینی اور دنیاوی دونوں پادشاہتیں ایک شخص میں جمع ہوتی رہیں تب تک مسلمان پادشاہوں کی کیفیت ہی اور ہوتی تھی۔ اسکے بعد جب صرف دنیوی پیشوائی اُن لوگوں کے تعلق ہوئی تو یہ مذہبی پیشوا نہ رہے صرف حامی مذہب اسلام کے لقب کے سزاوار رہ گئے۔ اسی مدین محمود بھی تھا۔ ہک محمود کی طرف داری سے کوئی بحث نہیں ہے لیکن ایک تاریخی واقعہ کا چھپانا بھی مناسب نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ ابتدا محمود کی طرف سے نہیں ہوئی۔ بلکہ ابتدا راجہ جیپال کی طرف سے ہوئی تھی جس نے محمود سبکتگین پر پشاور کی گھاٹیوں میں حملہ کرنے پر سبقت کی تھی اس سبقت کے جواب میں سلطان سبکتگین کے دو حملے ہوئے اور محمود نے اگر پھر نہ تھا تو اندر پھر تمام کسند

پر عمل کیا اور اٹھارہ حملے کیے۔ خوزیری جو محمود کے زمانہ میں ہوئی اُسکی نسبت ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ اشاعت اسلام سے الگ ایک چیز تھی اور اسلئے مسلمان اسکے جوابدہ نہیں ہیں۔ مشہور ہے کہ محمود کے بیٹے مسعود سے جو لڑائی خراسان میں طغرل بیگ اور چہر بیگ کے مقابلہ میں ہوئی اُس میں اتنی خوزیری ہوئی کہ کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اسکے مقابلہ میں محمود کے زمانہ کی خوزیری پانگ بھی نہیں ہیں۔ علاء الدین غوری نے جو غزنی میں بہو پیکر خون کا دریا بہایا اور تمام شہر کو جلا دیا۔ اسکی نظیر کئی صدی ماقبل اور مابعد تک نہیں ملتی۔ محمود نے صرف ہندوستان کی دولت لوٹی تھی۔ علاء الدین نے اُسکا شہر بھونکا۔

محمود قاسم کی
بنا بھی تو وہ
یہ سلوک کیا
با بھی برتاؤ

بست سخت

طرح سے

طرح سے حلے

لا مولف کے

یا مسلمانوں

دون کے

ت بھی رہے

محمود کفرستان

ہوتی اور

امام حسین

نے حکومتیں

جان نثار

فرخین نے

میں کیا ہو۔

دولت لوٹی۔ تمام شہر کے باشندوں کا قتل عام کیا اور صلہ میں جہان سوز لقب پایا۔ ان لڑائیوں میں تو دونوں طرف مسلمان تھے۔ ان خونریزیوں کا مواخذہ کس سے ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہت کے لیے خونریزی لازم ہے اس مذہب زمانہ میں بھی بمقام ٹرنسوال و عیسائی سلطنتوں میں جو لڑائیاں ہوئیں انہیں بھی بے انتہا خونریزیوں میں ہوئیں۔ لڑائیوں میں خون ہی بہتا ہے۔ اور لڑائیاں مذہب اور غیر مذہب دونوں گونگنتوں کے لیے لازمی ہیں۔ انصاف سے بالکل بعید ہے کہ جب مسلمان باہم لڑیں تو کچھ نہ کہا جائے اور جب غیر کے ساتھ لڑیں تو یہ کہا جائے کہ مسلمان غیر مذہب والوں کے خون بہانے میں بہت بے پروا ہوتے ہیں۔ تاریخ پر غور نظر کرانے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہر قرن میں مسلمانوں کی لڑائیاں بے شمار قوموں کی لڑائیوں سے مقابلہ کرنے کے بعد مذہب اور باقاعدہ ثابت ہوتی ہیں۔ خونریزیوں سے ہم ہرگز انکار نہیں کریں گے لیکن اسکے ساتھ ہی مسلمانوں کی لڑائیوں کو نظریہ حالات اور نظریہ اقوام سمجھ کر دیکھنا بھی کمین گے اسکے بعد مسلمانوں کی مستقل سلطنت ہندوستان میں قائم ہوئی۔ سلطان مالویدین علاء الدین خلجی بڑا زبردست بادشاہ ہندوستان کا خیال کیا جاتا ہے اسکو ہندو اور مسلمان دونوں ظالم سمجھتے ہیں۔ اسنے والی گجرات کی بی بی کیولا دیوی کو اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا۔ اب اس پر یہ متفرع کیا جاتا ہے کہ عام طور پر ہندوؤں کی عورتیں مسلمان جب پسند کرتے تھے تو لے لیتے تھے۔ اور بعض بعض سی پر یہ بھی متفرع کرتے ہیں کہ رسم پردہ ہندوؤں میں انھیں مظالم سے بچنے کے لیے قائم ہوئی تھی۔ یہ بحث علیحدہ رسم پردہ میں طے کی جائے گی۔

یہاں صرف یہ کہنا ہے کہ بیشک علاء الدین خلجی منجملہ ان مسلمانوں کے ہے جنکی وجہ سے ہند کے مسلمان بڑے سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ صرف ہند ہی اسکو برا نہیں کہتے مسلمان بھی اسکو ظالم کہتے ہیں۔ یہ کوئی مستند پادشاہ اسلام کا نہیں تھا۔ اپنے چچا جلال الدین کو قتل کر کے یہ تخت پر بیٹھا تھا۔ جب اپنے بوڑھے چچا کا یہ ہوا تو پھر اس سے کسی اور بڑے فعل کا سرزد ہونا مستبعد نہ تھا۔ لیکن یہیں ہم یہ بھی لکھنا چاہتے ہیں کہ علاء الدین میں بھی باوجود تمام برائیوں کے مفتوحین کے ساتھ برابر کے برتاؤ رکھنے کی صفت ضرور تھی۔ کیونکہ دیوی کو اُس نے بغیرت کر کے چھوڑ نہیں دیا۔ بلکہ اپنے خاص محل میں داخل کر کے اپنی چھیتی بیوی بنا یا اور اُسکی لڑکی دیول دیوی کو اپنے بیٹے خضر خان کی زوجیت میں دیا۔ اور اس طرح ان دونوں عورتوں کو یہ موقع دیا کہ اگر زمانہ موافق ہو تو انکی اولاد دشمن شاہی ہند پر ایک نہ ایک دن پہنچ سکے۔ یہیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ مسلمان پادشاہوں کے پاس ہندو عورتوں کا آنا جتنا کہ اسوقت ہندوؤں کے خیال کے مطابق ناپسندیدہ ہے اُس زمانہ میں اس درجہ ناپسندیدہ نہ تھا۔ خود راجپوت راجہ کو شش کرتے تھے کہ انکی لڑکیاں پادشاہوں کے پاس رہیں اور اس طرح ہندوستان کی گورنمنٹ خلطہ نسل کی وجہ سے آئندہ چل کر فساد گورنمنٹ نہ سمجھی جائے۔ چنانچہ اکبر اور اسکے مابعد زمانہ میں کئی شاہان اسکی موجودہین کہ مسلمان پادشاہوں نے ہندو راجاؤں کی یہ خواہشیں پوری کر کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی اتحاد میں ترقی دینا چاہی۔ گو یہ ترقی فی الواقع اُنکے زوال کا سبب ہوئی۔ ہندوؤں کے میل سے جو نسل قائم ہوئی تھی

بان سوز لہجہ

کا مواخذہ

م ہے اس

بان ہوئیں

اور لڑائیں

ت سے بالکل

نہ لڑیں تو

میرد ہوتے

مسلمانوں کی

ربا قاعدہ

کے ساتھ ہی

کامین گئے

مسلمین

جاتا ہے

بی کیولا

کہ عام طور

اور بعض

م سے

گئے گی۔

انہیں بارسلطنت اٹھانے کی قابلیت پوری پوری نہ تھی۔

قطب الدین ایبک نے سترہھ میں جوشاہنشاہی قایم کی وہ برابر ایک مسلمان خاندان سے دوسرے مسلمان خاندان میں منتقل ہوتی رہی محمد تغلق کے وقت تک اس میں زوال نہیں آیا لیکن محمد تغلق کے بعد ہی تباہی شروع ہوئی۔ اسکی وجہ سوائے اسکے اور نہیں کہی جاسکتی کہ محمد تغلق کی دادمی ایک ہندی عورت تھی اور ان کے اثر سے جو بہت بڑا اثر ہوتا ہے خاندان میں کمزوری پیدا ہوئی۔ گو سلطنت عرصہ تک رہی لیکن بالآخر تیمور نے اُسکے انخر پنڈھیلے کر دیے اور پھر تیمور کے پوتے بابر میں یہ قابلیت پیدا ہوئی کہ اُنکے عہد میں پھر سے شاہنشاہی قایم ہونے کی امید بندھی اور اکبر کے وقت سے پھر مسلمانوں کی شاہنشاہی عود کر آئی۔ اکبر کے بعد جہانگیر اور شاہ جہان نے بھی قابل اطمینان شاہنشاہی کی۔ لیکن عالمگیر کے بعد اُن کی طرف سے جو سیل نسل شاہی میں اگیا تھا اُسکے اثر نے مسلمانوں کی شاہنشاہی کا بگاڑنا شروع کیا۔

اکبر اور اُسکے مابعد کے دو بادشاہوں نے جو اچھے برے ہندو کے ساتھ کیے انکی شکر گزاری کسی کی زبان پر نہیں ہے۔ راجہ ٹوڈرل کا وزیر مال ہونا۔ کابل میں راجہ جسونت سنگھ کا گورنر مقرر ہونا کسی کو یاد نہیں ہے۔ لیکن عالمگیر کے سب شاہی ہیں کہ وہ بڑا متعصب تھا اور شکایت بھی اُسکی ذات تک محدود نہیں ہے بلکہ اُسکا متعصب عام مسلمانوں کی طرف منسوب کر کے کہا جاتا ہے کہ مسلمان اپنے عہد حکومت میں بڑے ہی متعصب تھے۔ عالمگیر داراشکوہ کا مخالف تھا۔ دارا شکوہ اپنے دادا اور پردادا کی طرح ہندوؤں کی رسم و رواج اور اُنکے علوم

سے دلچسپی رکھتا تھا۔ عالمگیر کو داراشکوہ کے خلاف کامیاب ہونے کے لیے ضرور تھا کہ وہ داراشکوہ کی عادات سے لوگوں کو نفرت دلانا اور نفرت دلانے کے لیے سب سے عمدہ طریقہ مستعقب مسلمانوں کے دلوں میں تعصب کی آگ بھڑکانا اور خود کو مستعقب ظاہر کرنا تھا۔ بالیسی اور حکمت عملی کا مقتضا یہی تھا۔ دل کا حال کسی کو نہیں معلوم نظامیہ کہا جاسکتا ہے کہ جو رنگ اُس نے اپنے باپ اور بھائی کے خلاف سازش کرنے۔ اپنے بھائیوں کے قتل کرنے اور اپنے باپ کو قتل میں نظر بند کرنے میں بالآخر اختیار کیا اُسکو اگر ہنود سمجھتے ہیں کہ محض ہندوؤں کے دل دکھانے کے لیے اُس نے کیا تو یہ محض اُنکی نادانیت ہے۔ عالمگیر اتنا بیوقوف نہ تھا کہ وہ ہندوؤں کے دل دکھانے کو سلطنت کی کمزوری کا باعث نہ سمجھتا۔ وہ ضرور ایسا سمجھتا تھا۔ لیکن مسلمانوں کا گردہ جو اُسکے مخالف تھا حکمت عملی سے اُسکے خلاف مسلمانوں کا ایک دوسرا گردہ طیار کرنا اصول جہانداری کے لحاظ سے وہ نہایت ضروری سمجھتا تھا۔ اور اس ضروری کام کی انجام دہی میں وہ اس امر کی پروا نہیں کرتا تھا کہ ہندوؤں کی جماعت اُس سے ناخوش ہوگی۔ وہ جانتا تھا کہ اُنکا خوش کرنا اتنا ضروری نہیں ہے جتنا کہ ایک موافق گردہ مسلمانوں کا طیار کرنا ضروری ہے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ شاہجہان کے بعد خلیفہ سلطنت کا خاتمہ ہو جاتا اگر داراشکوہ کے ہاتھ میں عمان حکومت آتی۔ صدیوں تک جو حکومت قائم رہی محض عالمگیر کی حکمت سے قائم رہی۔ عالمگیر کا ہندوؤں کے مقابلہ میں تلوار چلانا اگر حیرانہ تو تانا شاہ کے مقابلہ میں بھی لڑائی کرنا برابر تھا اُسکے وقت میں ہندو ریاستوں کے ساتھ جتنی لڑائیاں ہوئیں اُس سے

لیکن زائد مسلمان رئیسوں سے ہوئیں۔ ہندوؤں سے اُسے خوف کم تھا۔ سیلے وہ ہندوؤں کے ساتھ کسی قدر نرم تھا اور مسلمانوں پر وہ سختی کرتا تھا۔ ہندوؤں کے مقابلہ میں وہ اپنی لڑائی کو جہاد کہتا تھا۔ اور جس مسلمان سے اُسکو لڑنا ہوتا تھا اُسے ہندوؤں کا مددگار ٹھہرا کر ایک حیلہ شرعی پیدا کرتا تھا۔ یہ محض اُسکی تدبیر تھی ورنہ اصلی غرض اُسکی سلطنت کا مستحکم کرنا تھا۔ عالمگیر نے جس سختی سے اپنے باپ کی نگرانی کی اگر اُسکی چوتھائی نگرانی سیوا جی کی کرتا تو سیوا جی کو یہ موقع ہرگز ہاتھ نہ آتا کہ وہ دہلی سے نکل کر پونہ پہنچ جاتا اور وہاں ایسی سلطنت کی بنیاد قائم کرتا جو عالمگیر کے جانشینوں کی پہنچ نہ ملتی۔

عالمگیر نے بنارس وغیرہ میں ہندوؤں کے معابد سے ضرور ایسا برتاؤ کیا جو اسوقت تک ہندوؤں کو تکلیف دینے والا ہے۔ یہ فعل عالمگیر کا مرتبہ سود ہی نہ تھا بلکہ خلاف شرع بھی تھا۔ یہ کم سخت حیرت ہے کہ اس انوکھے فعل سے عالمگیر نے کیا مقصود رکھا تھا۔ عالمگیر کو کوئی رنج ہندوؤں سے نہ تھا۔ یہ اطاعت شمار رعایا تھے۔ ہندوؤں کے معابد کو اس غرض سے بگاڑنا کہ یہ ہندوؤں کو مسلمان ہونے کی تحریک کرے گا ایسا خام خیال ہے جو عالمگیر سے بالکل مستبعد معلوم ہوتا ہے۔ عالمگیر کی نسبت جنوں دوری کسی مورخ نے منسوب نہیں کیا ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جاتا کہ کسی ہندو کو جو مسلمان کرنے کے لیے اُسے کبھی غرضی کی تمام حالات پر نظر کرنے کے بعد سوا سے اسکے اور کوئی امر ذہن نشین نہیں ہوتا کہ ہندوؤں کے معبدوں کی توہین اُسے محض اُس مسلمان گروہ کو اپنی طرف گردیدہ کرنے کے لیے کیا تھا جسکو اپنے خاندان کے حمایتی گروہ کو زیر کرنے کے لیے

اُس نے محض حکمتِ عملی سے قائم کر رکھا تھا اور وقتاً فوقتاً اس میں تعصب کی آگ کا مشتعل کرنا وہ مقتضائے حالت تصور کرتا تھا۔

بالجذمانہ میں نادر شاہ اور احمد شاہ درانی کے حملے ہندوستان پر ہوئے لیکن ان حملوں نے بہ نسبت ہندوؤں کے مسلمانوں کو زیادہ نقصان پہنچایا۔ سیدوں کی علیحدگی سے مغلیہ سلطنت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ ان حملوں نے رہی سہی عزت بھی خاک میں ملا دی۔

ہم کو ہندوستان کے حملہ آوروں کے مذہبی خیال سے چندان بہرہ دہی نہیں ہے۔ ”ہند اور اسلام“ میں ہم نے اپنے خیالات پورے طور پر ظاہر کیے ہیں۔ لیکن اسکے ساتھ ہی ہم نے جا بجا لکھا ہے کہ ہند کے حملہ آور گوگزشتہ مسلمانوں سے بدتر تھے لیکن غیر مذہب والے مہم پر پاؤں شاہوں سے ضرور بہتر تھے۔ اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ انکا قانون تمام عالم کے قانون سے بہتر تھا۔ جب وہ غصہ یا طمع میں نہیں ہوتے تھے تو ان سے ایسے افعال کبھی بھی سرزد ہوتے تھے جو دوسروں کے لیے نمونہ ہو سکتے تھے۔ یہی باعث تھا کہ وہ تمام زرخیز حصوں پر قابض تھے۔ خدا و دنیا میں اپنے بُرے بندوں کو با اختیار رہنے نہیں دیتا۔ جس زمانہ میں مسلمان با اختیار تھے اس زمانہ میں وہ تمام عالم کے باشندوں سے اچھے تھے۔ اور جب وہ بُرے ہوئے تو ان پر دوسری قوم مسلط ہو گئی۔ عربوں میں جب قابلیت نہ رہی تو لوہو مسلم ترک ان پر غالب آئے۔ اور جب یہ بھی امور دلب اور عیش پسندی میں پھنسے تو کفار تاتار ان پر حکمران ہوئے بالآخر کفار تاتار کو اسلیے کہ وہ پادشاہت کی صلاحیت رکھتے تھے سوائے اسکے

چارہ نہ تھا کہ وہ اسلامی قانون اختیار کریں یعنی مسلمان ہو جائیں۔ کیونکہ اس وقت
یہی ایک تہذیب قانون و بنیامین تھا۔ بعد ازاں انھیں مغلوں کی نسل جب
ہندوستان میں آکر ناقابل حکمرانی ہوئی تو خدا نے انگریزوں کو بھیجا۔ خدا نے
قرآن میں فرمایا ہے کہ ”ان الارض میراثا عبادی الصالحون“ میرے صالح
بندے وارث ارض ہوتے ہیں۔ ان انگریزوں میں بہت سی باتیں اسلام
کے موافق ہیں۔ اسلام کوئی غیر معمولی چیز نہیں ہے۔ عمدہ باتوں کے مجموعہ کا
نام اسلام ہے۔ مختلف وقتوں میں مختلف نام رکھ لیے گئے ورنہ آسائش اور
تہذیب سے زندگی بسر کرنے کا طریقہ روز ازل سے ایک ہی چلا آتا ہے جسکو
اپنے بارے میں مسلمانوں نے بھی اختیار کیا۔ اس وقت اس طریقہ پر عمل کرنے
والے بہ نسبت پچھلے مسلمانان ہند کے انگریز ائمہ ترہین اور اسی لیے خدا نے
انکو وراثت ہند سپرد کی ہے۔ جب تک عمدہ باتیں انکا دستور العمل رہیں گی یہ
سپردگی قائم رہے گی۔ ہمیشہ قوم کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ ممکن ہے کہ ایک
وقت وہ آئے کہ انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنا پڑے۔ لیکن اس وقت کے
پہنچنے کے قبل ضرور ہے کہ اُنہی کی خوبیاں جواب ہیں الگ ہو جائیں۔
جب تک وہ اپنی خوبیاں قائم رکھیں گے خدا انکی حالت میں تغیر کرے گا
لیکن خدا سزا ستہ انکے اخلاق بُرے ہو جائیں۔ یہ بھی ہندوستان میں ہرگز
مشل ہمارے انکے خیالات میں بھی تاریکی آجائے تو اس وقت انکی کوئی بات
قابل پسند نہ رہے گی۔ لیکن اسکے ساتھ ہی اُس بعد زمانہ میں یہ کہنا کہ انگریزوں
نے اونیسویں صدی میں ہندوستان کی حکومت بُرے طور پر کی تھی اتنا عجیب

واقعات ہوگا جتنا دن کورات کہنا۔ اسی طرح مسلمانوں کی موجودہ حالت پر قیاس کر کے یہ رائے قائم کرنا کہ گزشتہ صدیوں کے مسلمان ایسے ہی ناقابل تھے جیسے اب ہیں بالکل مجید از عقل ہوگا۔ اب یہ مضمون ختم ہوتا اور خاتمہ پر ایک حکایت بابر کی اس امر کے ظاہر کرنے کو لکھی جاتی ہے کہ جڑ سے جڑ مسلمان بھی قانون اسلام کی پابندی سے عمدہ سے عمدہ افعال کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ شرعی مسئلہ ہے کہ جب کوئی چیز کہیں گرمی ہوئی ملے تو پانے والے کو اصل مالک کی تلاش لازم ہے۔ کوئی شخص رعایا ہو یا پادشاہ اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ بابر کے وقت میں ایک چینی قافلہ برف باری کی وجہ سے تباہ ہوا۔ لاوارث مال کثیر المائیت بابر کے پاس پہنچا۔ بابر نے اس مال کو خزانہ شاہی میں داخل کرنے کے بجائے امانت علیحدہ رکھوایا۔ اور چین میں آدمی روانہ کیا کہ وہ وہاں جا کر شہر بہ شہر تپہ لگا لے کر قافلہ تباہ ہوا کس حصہ سرزمین کا تھا۔ بالآخر مال کے مالکوں کا پتہ لگا اور شکر گزاری کے ساتھ وہ اپنے مال آکر لے گئے۔ بابر ظالم پادشاہوں میں ہے اور اسکے یہ کردار ہیں۔

مسلمانان چین و مجمع الجزائر

چین اور مجمع الجزائر کے مسلمانوں کے حالات اب تک کچھ بھی بیان نہیں کیے گئے۔ مسلمان مورخوں نے ان مقامات کے مسلمانوں سے بہت کم دلچسپی لی ہے لیکن زمانہ حال کی یورپین تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مقامات کے مسلمان بھی اسلامی دنیا میں بڑی وقعت کے قابل ہیں اور ہرگز اس قابل نہیں ہیں کہ ان کے حالات سے بیزارائی

کیجائے۔ ابھی حال میں چین کے صوبہ یانان میں جب چینی مسلمانوں نے سخت بغاوت کی تو یورپیوں نے اور توجہ کی بالخصوص روسی اور فرینچ مورخوں نے اور خوب توجہ کی۔ پروفیسر زیلفین نے روسی زبان میں جو خیالات چین کے مسلمانوں کی نسبت ظاہر کیے ہیں وہ بحسنہ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

”اگر چین کے مسلمان ان پروفیسروں کی اولاد ہوتے جو مدت سے وہاں آباد ہیں تو البتہ یہ لوگ اس یقین میں کہ ایک روز کل چین مسلمان ہو جائیگا تامل ہو سکتا تھا لیکن برخلاف اسکے جب یہ دیکھتے ہیں کہ وہاں کے اصلی باشندوں میں اسلام بار بار ترقی کر رہا ہے تو یہ سوال کرنا پڑتا ہے کہ یہ ترقی کب بند ہوگی اور کھانک ہو چکا کرک جائے گی۔ ترکستان اور زنگیریا میں اگر مسلمانوں سے ایک سیع اسلامی عملداری قائم کرنے کے بعد بھی فروگزاشت کیگئی تو لازم ہے کہ چین خاص پر جہاں ان کے ہم مذہب ہر جگہ موجود ہیں مسلمان ہمیشہ حملہ آور ہوتے رہیں۔ اگر فرض کیا جائے کہ آئندہ یہ ملک سلطنت چین کے تحت میں آجادیں گے تو کیا ایسا فرض کرنے سے اسلام وہاں ضعیف ہو جائیگا؟ اس سوال کو ہم ابھی پیش نہیں کرتے۔ تھوڑے زمانہ کے لیے۔ دس برس یا بالقرض ایک صدی کے لیے ملتوی کرتے ہیں لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس اثنا میں بھی اسلام بار بار ترقی جاری رکھے گا۔ اپنے اغراض پورا کرنے کے لیے حسب مراد موقع کا منتظر رہیگا۔ اور انجام کار وہ مقاصد حاصل کرے گا جسکے حصول کے واسطے سعی و کوشش میں سرگرم ہوئے۔ اسوقت مسلمانان چین کی آبادی زیادہ تر صوبہ کشین۔ یانان۔ شانشی اور کانگسویں ہے۔ کل آبادی چینی مسلمانوں کی عرصہ ہوا ڈو کروڑ سے زیادہ تھی۔ بعض مورخوں نے اسکی تعداد بہت گھٹادی تھی۔ اور بعض نے اس سے بھی زیادہ بیان کی تھی۔

آنحضرت نے اشاعت اسلام کے لیے جا بجا جہاد بھی روانہ کیے تھے وہاں لمسی
سفیر کا چین جانا مذکور نہیں ہے لیکن بیان کیا جاتا ہے اور نظام صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ^{۶۶۶}۶
میں وہاں ابولکبشہ شاہ چین کے پاس بھیجا گیا تھا۔ اُسکی آمد بحری سفر کے ذریعہ سے ہوئی اسلئے
ابولکبشہ صور کیشین میں جو بحر چین کے ساحل پر واقع ہے اُترا۔ عربوں کی بحری تجارت
اور ملکوں سے بہت پہلے سے قائم تھی۔ یہاں عرب سے حجاز کے باشندے مراد نہیں
ہیں بلکہ شام اور یمن کے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ عرب کے باشندے حضرت عبد علی کے
پہلے سے لنکا کی راہ سے ساحل چین تک پہنچ گئے تھے۔ اور وہاں ابولکبشہ کا
چین میں آنا غالباً تاجرانہ حیثیت سے تھا اور اسی ضمن میں دعوت اسلام کا خط
بھی بھیجا گیا تھا کیٹن میں ابولکبشہ کی ٹبری عزت ہوئی اور اسکے ہم مذہبوں کو تیسری اور
اعلان دین کی اجازت دی گئی۔ ابولکبشہ ^{۶۶۷}۶ میں جب مدینہ واپس آیا تو رسول اللہ کی
وفات ہو چکی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کا زمانہ تھا۔ ابونکر کا حج کیا ہوا قرآن
ساتھ لیکر وہ پھر کیشین میں آگیا کیشین میں اُسکا فرار اب تک موجود ہے اور اُسکی بنائی ہوئی
مسجد بھی لادبئی تغیر و تبدل کے بعد اب تک قائم ہے۔

خلفائے وقت میں مسجد کے گرد مسلمان تاجروں کی بسکٹ تھی اور بہت عزت کے ساتھ
یہ لوگ ہاں رہتے تھے جس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں شاہان مغلیہ کے عروج
میں بھی اپنی عدالت اور اپنا قانون ساتھ رکھتی تھی اسی طرح کیشین کے مسلمان بھی
اپنا قاضی الگ رکھتے تھے اور خلیفہ اسلام کے نام کا خطبہ پڑھتے تھے۔

۶۷۵ء میں خلیفہ منصور نے چار ہزار عرب شاہ تھاگ کی ملک پر ایک بغاوت کے
فرد کرنے کو روانہ کیے تھے جب ایرانی ختم ہو گئی تو عربی سپاہیوں نے اپنے ملک کو

والس جانے سے انکار کیا اور اس ذریعہ سے کشمیر میں مسلمانوں کی حیثیت وہ قائم ہوئی جو عربی پادشاہ کی گرفتاری کے بعد اب انگریزوں کو مصر میں حاصل ہے۔ مسلمان دعوت اسلام کے ذریعہ سے نو مسلموں کی تعداد بڑھاتے رہے چینی عورتوں کے بطن سے مسلمانوں کی نسل بھی خوب بڑھی۔ شاہان چین کے مغلیہ خاندان کے وقت میں مسلمانان چین کو باہر سے بھی مدد پہنچتی رہی۔ مغلیہ خاندان شاہی کے زوال پر گورنمنٹ چین نے اپنا یہ اصول قرار دیا کہ غیر ملک کے لوگ آئے نہ پائیں۔ ممکن تھا کہ یہ زمانہ مسلمانان چین کو دیگر بلاد اسلام سے الگ کر کے تاریکی خیالات میں ڈال دیتا لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہوا۔ اور اب تو مسلمانوں کی آزادی کچھ بڑھ گئی ہے کیونکہ گورنمنٹ چین نے غیر قوموں سے نفرت کھنے کی پالیسی بدل دی ہے۔

ولید ابن عبدالملک کے زمانہ میں جو عربوں کے انتہا سے عروج کا زمانہ تھا جب ایک طرف طارق نے اسپین فتح کیا۔ محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا تو خراسان کے حاکم قطیبہ بن مسلم نے دریائے جیون عبور کر کے سمرقند و بخارا وغیرہ فتح کیے اور مسلمانوں کی فوج سرحد چین تک پہنچ گئی۔ خاقان نے ایلیچون کو ایک رقم کثیر دیکر خلیفہ اسلام کی بزرگی تسلیم کی۔ اور پھر خاقان چین کو مسلمانوں سے لڑنے کی جرات ہوئی اور نہ مسلمانوں نے اتنی دو حکومت کرنے کی خواہش کی۔ مصالحت کی صورت قائم ہی اور دعوت اسلام کے لیے راستہ کھلا رہا۔ پہلی سبب شانشی میں ۱۲۸۷ء میں بنی۔ علاوہ ان مسلمانوں کے جنگی فتوہ اور دعاۃ اسلام کی بدولت اور مسلمان تاجروں کی فینس و تجارت بڑھتی رہی جنگیہ خان کے زمانہ میں بھی مسلمانوں کی آبادی بڑھ جانے لگا۔

ایک سبب پیدا ہو گیا۔ چنگیز خان کے تحت وماراج سے بڑے بڑے امرا جس طرح کہ ممالک وسط ایشیا سے ہندوستان میں آکر سپاہ گزمین ہونے لگے اس طرح بہت سے مسلمان چین میں جا کر آباد ہو گئے اور مسلمانان چین کی آبادی میں دفعتاً ترقی ہوئی۔ صوبجات کانسو اور شانسی دونوں قریب ہی قریب ہیں آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں کانسو میں بھی اسلام پھیلا۔ صوبہ کانسو کے فرمانروا خان شپوک کے مسلمان ہونے پر اسلام نے یہاں اور زور پکڑا۔

سغلیہ خاقانوں کے وقت میں عبدالرحمن بن محمد بن حارث کے شاہی خزانہ کا فہرستہ شہزادہ بلخاری ۱۲۵۹ء میں خزانہ شاہی کا ذریعہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خاقان چین کی طرف سے مسلمانان چین کو عمدہ اہلیہ ملتے رہے مثل اور قوموں کے مسلمان بھی وہاں سلطنت کے ایک کن سمجھے جاتے ہیں۔ مفتوحہ قوم کی حالت میں بغیر چین اسلامی سلطنتوں کے زور گھٹنے پر مسلمانان چین کی حالت پورے محلات میں کس قدر گھٹ گئی لیکن اب بھی بہت غنیمت ہے۔ مسلمانان چین کو بھی نظام سلطنت میں عام رعایا کی طرح حصہ لینے کا حق ہے۔ چین کے اصل باشندوں میں مذہبی تعصب کم ہے اس لیے دعوت اسلام میں کوئی مفرحت نہیں ہوتی۔ اب بھی دعاۃ اسلام دعاۃ غلو کی حیثیت سے اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔

سجرا کابل اور جہلم کے بیچ میں چین اور برہما کے دکھن آسٹریلیا کے قریب تک جو سیکڑوں جزیرے چھوٹے بڑے قریب قریب واقع ہیں ان کے مجموعہ کو مجمع الجزائر کہتے ہیں۔ ان جزائر میں بھی مسلمانوں کی آبادی بہت دلوں سے ہے جو چین طرح سیلون کی راہ سے عرب کشتیوں سے چین بن تجارت کی غرض سے پہونچے اس طرح اور اسی زمانہ میں سحار کے رہنے

دعاۃ اسلام کا مجمع الجزائر میں آنا قیاس کیا جاتا ہے۔ لیکن زمانہ مسیح نہیں کیا جاسکتا۔ تاریخین اس بارہ میں صاف نہیں ہیں۔ مجمع الجزائر کے مسلمان باعتبار مسلمانان چین کے زیادہ تر مشرّع ہیں۔ یہ لوگ بکثرت حج کرتے ہیں اور ان حاجیوں کے ذریعہ سے مسلمانوں کے مذہبی دستور میں فرق نہیں پڑتا۔ یورپین سرخ حج کے فرض کی مابہت اس ترقی کو دیکھ سکتے ہیں اور سایل اسلام کے نکات پر متحیر ہوتے ہیں۔

ساتویں صدی عیسوی میں مسلمان تاجر ملک چین میں پہنچے اور آٹھویں صدی کے وسط تک چین میں بکثرت نظر آنے لگے۔ اسکے بعد ان تاجروں کی حالت روز بروز بڑھتی گئی۔ دسویں صدی سے چند رہویں صدی تک مشرقی ملکوں کی تجارت پر عرب چوک طور پر قابض تھے۔ چین کی بعض تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ آخر ساتویں صدی عیسوی میں سارٹا میں عربوں کی سب سے قایم ہو گئی تھی۔ یہ تو ابتدائی حالت ہے۔ اسکے بعد جب ہندوستان میں مسلمان پہنچے تو ہندی مسلمانوں نے بھی سارٹا میں آنا شروع کیا۔ چودھویں صدی عیسوی میں جب ابن بطوطہ نے اس جزیرہ میں قدم رکھا تو مذہب اسلام کو اسنے بہت باروق پایا۔ ولسطیرہ صدی میں بیان کا فرمانروا بھی مبت پرستی چھوڑ کر مسلمان ہو گیا۔ یہاں کے ایک بادشاہ کا نام ملک صالح تھا۔ ۱۳۷۶ء میں جزیرہ سارٹا کے شہر سدر اکا بادشاہ ملک ہرن ملک صالح تھا۔ ابن بطوطہ نے اسکی تزک شان تشریح اور شجاعت کا تذکرہ کیا ہے۔ اسی زمانہ میں شریف مکہ نے بھی دعوت اسلام کے لیے ایک شیاخ شیخ اسمحیل کو یہاں بھیجا تھا۔

جاوہ میں نسبت اور جزائر کے اسلام پیچھے پہنچا۔ لیکن اب جاوہ کے مسلمان چند جودہ کے اچھی حالت میں ہیں۔ حاجی پروا۔ مولانا ابراہیم۔ رازن رحمت۔ مولانا اسحاق۔ شیخ خلیفہ حسین۔ شیخ نور الدین ابراہیم۔ یہ لوگ دعاۃ اسلام میں زیادہ نامی گور سے ہیں۔

فصل چہارم

اخلاق محمدی

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ نوع انسانی کے ساتھ بے انتہا اچھا تھا۔ عام طور پر مسلمانوں میں یہ شہور ہے کہ آنحضرت کا خلق لائق تھا۔ اور اس لیے جب یہ کہنا ہوتا ہے کہ حسن اخلاق کا مقتضایوں ہے تو مسلمان کہتے ہیں کہ اخلاق محمدی کا مقتضایوں ہے۔ گویا ان کے نزدیک حسن اخلاق کا سب سے اچھا نمونہ خلق محمدی ہے۔ ہم اس موقع پر اخلاق محمدی کی چند مثالیں کتب احادیث سے منتخب کر کے مندرج کرتے ہیں۔ ان کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ اخلاق میں آنحضرت کس پایہ کے انسان تھے۔

پہلے کچھ مختصر تاریخی واقعات احادیث کے جمع ہونے کی بابت مندرج کیے جاتے ہیں تاکہ ناظرین سمجھیں کہ حدیث کیا شے ہے۔ قرآن ایک مجموعہ قانون اسلامی ہے۔ جبکہ آنحضرت کے وقت میں تمام مسلمانوں نے حفظ کر لیا تھا اور بعد آپ کی وفات کے وہ کتاب کی صورت میں مدون کر لیا گیا۔ آج تک حافظوں کا سلسلہ یکے بعد دیگرے مسلمانوں میں چلا آتا ہے۔ اور نقل کے ذریعہ سے وہ کتابت کے سلسلہ میں بھی اب تک قائم ہے۔ تمام روئے زمین کے مسلمان اس کی صحت میں باہم متفق ہیں۔ اور ایک لفظ کا بھی اختلاف کہیں سے پایا نہیں جاتا۔ بعد قرآن کے کتب احادیث کا درجہ ہے۔ وفات پیغمبر سے بہت دنوں کے بعد قرآن کے معنی سمجھنے کے لیے اور نیز بہت سے ملکی اور اخلاقی معاملات میں پیغمبر کی رائیں اور ان کے اقوال دریافت کرنے کے

یہ ضرورت داعی ہوئی کہ آنحضرتؐ کے اقوال بھی جمع کیے جائیں اور اقوال
 نبیؐ جو نبی کے ساتھیوں نے بیان کیے تھے وہ بھی یک جا کر دیے جائیں۔
 اس طرح سے صحابہ رسولؐ کی روایتیں بواسطہ اور بلاد اسطہ جمع کی گئیں اُسکے
 جمع کرنے میں تواتر کا خیال رہا اور راویوں کی چھان بنان ہوئی۔ اسرار الرجال کا
 ایک علم ہی اس غرض کے لیے قائم ہوا۔ عربوں کی قوت حافظہ غیر معمولی طور پر مضبوط
 تھی جسکو تمام غیر قوم کے مورخ بھی تسلیم کرتے ہیں اسلیے اس کام میں انکو بہت
 وقت اٹھانا نہ پڑی۔ اس طرح جو کتابیں حدیث کی قائم ہوئیں وہ گویا تاریخی حالات
 کی کتابیں ہیں۔ اور انکی صحت کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ اس متمدن زمانہ
 میں بھی اس اہتمام سے واقعات قلمبند نہیں کیے جاتے لیکن باوجود اسکے مسلمانوں
 نزدیک قرآن کی طرح خواہ مخواہ تمام حدیثوں کا صحیح مان لینا جزو ایمان نہیں ہے
 اور نہ فی الواقع وہ سب کی سب اس پایہ کی ہیں۔ لاکثر حکم اکل کے اعتبار سے
 صحاح ستہ کی اکثر حدیثیں اکثر مسلمانوں کے نزدیک صحیح سمجھی جاتی ہیں۔ گو چند بڑے
 زمانہ مابعد میں ایسے پیدا ہوئے جو بعض حدیثوں کے مشتبہ ہونے کا خیال پیدا
 کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ امور اُن معاملات سے بالکل جدا ہیں جو محض اخلاق سے
 تعلق رکھتے ہیں اور اسلیے احادیث نبویؐ جہاں تک انکو اخلاق سے تعلق
 ہے مسلمانوں کے نزدیک اور اُن تمام دیگر قوموں کے نزدیک جو اسلام
 کی ابتدائی تاریخ سے واقف ہیں ذرا مشتبہ نہیں ہیں۔

انسان اپنے سے کمزور کے مقابلہ میں ہمیشہ برتر مذہب رہا ہے اور رہے گا۔
 گزشتہ زمانہ میں غلام کی حالت سب سے کمزور تھی اور اسلیے نیک سے نیک

شخص بھی غلاموں کے مقابلہ میں ظالم تھا۔ لیکن آنحضرتؐ اس کا تیسرے مستثنیٰ تھے وہ اپنے غلام کے مقابلہ میں اس درجہ مُتَذَب تھے کہ کوئی دوسرا اپنی اولاد کے مقابلہ میں اس درجہ مُتَذَب نہیں ہو سکتا۔ اور یہی وجہ تھی کہ آنحضرتؐ جس غلام کو آزاد کرتے تھے وہ آزاد ہو جانے پر بھی آپؐ کی خدمت سے جُدا نہیں ہوتا تھا۔ حضرت انسؓ آنحضرتؐ کے غلام تھے۔ اُنکا قول ہے کہ ”میں نے دس برس تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ آپؐ نے کبھی میرے کاموں پر اُف بھی نہیں کیا۔ حتیٰ کہ یہ بھی نہیں کہا کہ غلام کام تم نے کیوں کیا یا کیوں نہ کیا“ حضرت انسؓ ایک دوسرے موقع پر کہتے ہیں کہ ”رسول اللہؐ کے عادات سب سے اچھے تھے۔ ایک روز آپؐ نے مجھے کسی کام کو بھیجا۔ میں نے کہا واللہ میں نہ جاؤنگا۔ گدول میں جانا منظور تھا۔ اسکے بعد میں گھر سے نکلا اور بازار میں جہاں چند لڑکے کھیل رہے تھے جا کر کھڑا ہو گیا۔ آنحضرتؐ بھی وہاں پہنچے اور مجھے سے میری گردن پکڑ لی۔ میں نے شہ پھیر کر دیکھا تو آپؐ نے ہنس کر فرمایا اے انسؓ میں نے جہاں بھیجا تھا وہاں گیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اب جاتا ہوں۔“ احادیث میں مذکور ہے کہ ”آنحضرتؐ نے کبھی اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا نہ غیر کو نہ اپنی بی بی کو نہ خادم کو۔ اللہ کی راہ میں جہاد البتہ کیا“ آنحضرتؐ خود ہی کمزوروں پر نہرہاں نہیں رہتے تھے بلکہ دوسروں پر بھی تاکید کرتے تھے کہ وہ زیر دستوں پر سختی نہ کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”جب خادم کھانا پکا کر لائے تو

چونکہ دھوان اور گرمی اُسی نے سہی ہے اسلئے اُسکو بھی اپنے ساتھ کھلانا چاہیے
اگر کھانا کم ہو تو نغمہ دو نغمہ ہی اُسکو دیرینا چاہیے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو اپنے بے تصور لونڈی
غلام کو شہمت لگا دیکھا قیامت میں اُسکو کوڑے لگیں گے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”جو اپنے غلام کو بے تصور
حد یا طپا پنچہ مارے تو اُسکو آزاد کر دے اور یہی اُسکا کفارہ ہے۔“

ابو مسعودؓ نے فرمایا ”میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ پیچھے سے یہ آواز آئی
”اے ابوسعود جب قدر شکو اس غلام پر اختیار ہے اللہ تعالیٰ اس سے کہیں
زیادہ تجھ پر اختیار رکھتا ہے“ میں نے جو بچہ کر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کو پایا۔ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ میں نے اس غلام کو
خدا کے واسطے آزاد کیا۔“ آپ نے فرمایا ”خبر دار اگر تو آزاد نہ کرتا تو تجھے
آگ میں جلنا پڑتا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”خدا کے بندوں پر آسانی
کر دینا نیکو۔ تسلی دو نفرت نہ دلاؤ۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو موسیٰؓ اور سحاذ کو مین کی طرف روانہ
کیا تو فرما دیا ”نرمی کرنا اور سختی نہ کرنا۔ تسکین دینا۔ نفرت نہ دلاؤ اور آپس میں
متفق رہنا اختلاف نہ کرنا۔“

آنحضرتؐ اپنے اہل و عیال پر بہت مہربان تھے اور انگریزی مقولہ ہے
کہ ”نیک کام گھر سے شرع ہوتا ہے“ ٹھیک ٹھیک آپؐ اسکا نمونہ دکھاتے تھے

انس فرماتے ہیں ”آپ کے صاحبزادے ابراہیم مدینہ طیبہ کے ایک گاؤں میں پرورش پاتے تھے آپ اُنکے دیکھنے کو تشریف لیجاتے تھے تو ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ ہوتے تھے۔ ابراہیم کے رضاعی باپ پیشہ حدادی تھے تھے۔ دھوین سے اُنکا گھر بھرا رہتا تھا اور آپ اُس گھر میں تشریف لیجاتے تھے۔ احادیث میں مذکور ہے کہ جب آپ اپنے گھر میں تشریف لیجاتے تھے تو گھروالوں کی خدمت میں مشغول ہو جاتے تھے اور پھر نازکے وقت باہر تشریف لیجاتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”جو بندوں پر مہربانی نہیں کرتا خدا بھی اُس پر مہربانی نہیں فرماتا“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں گانوں کا ایک شخص آیا۔ اُس نے (آپ کو بچوں کا لباسہ لیتے ہوئے دیکھ کر) عرض کیا ”آپ لوگ بچوں کو چومتے ہیں؟“ ہم لوگ تو کبھی نہیں چومتے؟ آپ نے فرمایا ”کیا میں اس بات کا مالک ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو تیرے دل سے مہربانی نکالنے نہ دوں۔“

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ”ایک فقیر دو لڑکیاں لیے ہوئے آئی اور سوال کیا۔ اس وقت میرے پاس ایک خرے کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا میں نے وہی خرہ اُسے دیدیا۔ اُس نے اُسکو دو ٹکڑے کر کے دونوں لڑکیوں کو دیا اور آپ کچھ نہ کھایا اور چلی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو میں نے یہ ماجرا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ”جسکو خدا لڑکیاں دے اور وہ اُسکے ساتھ سلوک کرے تو یہ لڑکیاں اُس شخص کے لیے دوزخ کی

آگ سے بچانے والی ہو جائیں گی۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی وہ اور میں قیامت میں یوں آؤں گا اور آپ نے اپنی اولاد کو ملایا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”یتیم کی خبر گیری کرنے والا وہ یتیم اپنا ہو یا پرایا جنت میں یوں ہوگا“ یہ فرما کر آپ نے اپنی شہادت اور بیچ کی انگلی کا اشارہ کیا اور ان دونوں میں کچھ کشادگی رکھی۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”سفر عذاب کا ٹکڑا ہے کیونکہ معمولی سونے کھانے پینے سب میں فتور ڈال دیتا ہے تو جو اپنے سفر کی حاجت سے فارغ ہو جائے وہ اپنے بال بچوں سے جلد آئے۔“

جعفر کے بیٹے عبد اللہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر سے واپس آتے تو شہر کے باہر ہی گھر کے نیچے پہلے آپ سے ملائے جاتے۔ ایک بار آپ سفر سے تشریف لے آتے تھے کہ لوگوں نے پہلے مجھے آپ تک پہنچایا۔ آپ نے مجھے اپنی گود میں بٹھالیا۔ پھر لوگ فاطمہ کے کسی صہابزد سے (امام حسنؑ یا امام حسینؑ) کو لائے تو آپ نے اپنے پیچھے بٹھایا۔ پھر تو مدینہ میں ایک سواری پر ہم لوگ تین آدمی داخل ہوئے۔ حضرت انسؓ اور ابوطالبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر سے آئے۔ اُس سفر میں آپ کے ساتھ اُسی سواری پر ام المومنین بی بی صفیہؓ آپ کے پیچھے تھیں۔

آنحضرتؐ غیروں کے ساتھ بھی بہت نرمی اور محبت سے پیش آتے تھے حتیٰ کہ جاہلون کی جہالت سے بھی آپؐ کے برتاؤ میں کچھ فرق نہیں آتا تھا۔ اُنؐ فرماتے ہیں ”ایک روز میں رسول اللہؐ کے ساتھ کہیں جاتا تھا آپؐ ایک کنارہ دار چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ ایک دیہاتی نے آپؐ کی چادر اس زور سے کھینچی کہ آپؐ اسکی طرف کھینچ گئے اور میں نے دیکھا کہ گردن میں خراش پڑ گئے تھے۔ اُس دیہاتی نے کہا ”محمد اللہ کے مال سے کچھ مجھے بھی دو“ آپؐ اسکی طرف دیکھ کر ہنسنے لگے اور کچھ دلوادیا ”حدیثوں میں مذکور ہے کہ رسول اللہؐ سے کبھی کوئی چیز ایسی نہیں مانگی گئی کہ آپؐ نے نہیں فرمایا ہو۔ ایک مرتبہ آنحضرتؐ حنین سے واپس آتے تھے کہ دیہاتی سائل آپؐ کو چمٹ گئے اور آپؐ ہٹتے ہٹتے بھول کے درخت کے پاس پہنچے۔ آپؐ کی چادر کانٹوں میں الجھ گئی تو آپؐ ٹھکر کر فرمانے لگے ”میری چادر مجھے دیدو۔ اگر میرے پاس ان خاردار درختوں کے برابر بھی گاسے۔ بکری اونٹ وغیرہ ہوتے تو میں ضرور تم لوگوں کو دیتا لتا اور تم مجھے بخیل جھوٹا اور دُور نہ پاتے۔“ آنحضرتؐ ادنیٰ سے ادنیٰ شخص کی بات بھی نہایت توجہ اور اطمینان سے سنتے تھے۔ مدینہ میں کسی کی ایک لونڈی تھی۔ عرض حال کرنے کو آنحضرتؐ کا ہاتھ پکڑ لیتی تھی اور جہان چاہتی تھی لیجاتی تھی۔

آنحضرتؐ میں قناعت بہت تھی۔ حرص دُنیا چھو بھی نہیں گئی تھی۔ اسکے متعلق آپؐ کے بہت سے مقولے حدیثوں میں ہیں سجدہ اُنکے چہرہ بیان کیے جاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”خدا کی قسم دنیا کی نعمتیں گزرت
کی نعمتوں کے آگے ایسی ناچیز ہیں جیسے کوئی شخص اپنی انگلی کو دریا میں غوطہ
دے۔ پھر خود ہی دیکھے کہ وہ انگلی دریا سے کیا لیکر آئی۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مقام میں گزرے وہاں ایک
گبری کا بچہ چھوٹے کان والا مرا ہوا پڑا تھا۔ آپ نے اسکو دیکھ کر صحابہ سے پوچھا
”اسکو ایک درم پر خریدنا کسی کو پسند ہے“ سب نے عرض کیا ”اے تو کسی
چیز کے بھی بدلے لینا پسند نہیں ہے“ آپ نے فرمایا ”خدا کی قسم جس قدر یہ مرزا
تمہارے نزدیک ذلیل و خوار ہے خدا کے نزدیک دنیا اس سے کہیں زیادہ ذلیل
غوار ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”دنیا مسلمانوں کے لیے
قید خانہ ہے اور کافروں کے لیے جنت ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”خدا کی قسم مجھ کو تم لوگوں کے فقیر
ہو جانے کا کچھ ڈر نہیں ہے بلکہ ڈر یہ ہے کہ تم پر بھی تمہارے اگلوں کی طرح
دنیا چیلانی جانیگی اور تم بھی انکی طرح اُس پر جھجک پڑو گے۔ پھر جیسا اس دنیا
نے اُنکو تباہ کیا ہے ویسا ہی تمکو بھی تباہ کر چھوڑے گی۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا کیا کرتے تھے کہ ”اے محمد کی اہل
کو بقدر قوت اور کفایت روزی دے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”جو مسلمان ہوا اور اُس نے
بقدر گزراں روزی پائی اور خدا نے اُسکو جس قدر دیا ہو اُس پر اُسکو قناعت بھی

ریدی بس وہی کامیاب ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”لوگ کہتے ہیں سیر مال۔ سیر مال۔ حالانکہ صرف تین قسم کے مال اُنکے ہیں۔ ایک وہ جسے کھا کر ختم کر دیا۔ دوسرا وہ جسے پن کر چرانا کر دیا۔ اور تیسرا وہ جو کسی کو دیا اور ذخیرہ آخرت بنایا۔ ان تینوں قسم کے سوا جتنا مال ہے بندہ اُسکو دوسرے کے لیے چھوڑ جانے والا ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا ”تم لوگوں میں ایسا کون ہے جسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال پیارا ہو۔“ صحابہؓ نے عرض کیا: ”ہم سب کو وارثوں کے مال سے اپنا مال زیادہ پیارا ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”بندے کا مال تو وہی ہے جسے اُس نے ذخیرہ آخرت کیا باقی جبقہ وہ چھوڑے اُسکے وارث کا مال ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”تو انگری اور آسودگی مال و اسباب کی کثرت سے نہیں ہوتی۔ تو انگری دل کی تو انگری ہے۔“

آج کل کے مسلمانوں میں ایک نہایت ہی بُرا دستور یہ ہے کہ اپنے یگانوں کے ساتھ سلوک کرنا باعث حسنات نہیں سمجھتے۔ کچھ تو اس لیے کہ وہ اپنی جہالت سے غریبی کو دینا اچھا سمجھتے ہیں اور کچھ اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ غریب کو دینا زائد تر ناموسی کا باعث ہوگا۔ اس کے برعکس آنحضرتؐ ہمیشہ لوگوں کو سمجھایا کہ انہوں کے ساتھ نیکی کرنا زیادہ اچھا ہے۔

کسی نے پوچھا یا رسول اللہؐ سلوک کرنے کے لائق سب سے زیادہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ”تیری ماں“ اُسے کہا بھیر کون؟ فرمایا: ”تیری ماں“

اُس نے کہا پھر کون؟ فرمایا: تیری مان؟ اُس نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا: ”تیرا باپ اور اُس کے بعد ناتے والے جب قدر زیادہ قریب ہوں اسی قدر اُن کے ساتھ زیادہ سلوک کرنا چاہیے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اُسکی ناک خاک آلودہ ہو۔ اُسکی ناک خاک آلودہ ہو۔ اُسکی ناک خاک آلودہ ہو۔ لوگوں نے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ کسکی؟“ فرمایا: ”اُس شخص کی جو اپنی مان اور باپ و دونوں یا ایک کے بڑھاپے کا زمانہ پائے پھر بھی بہشت میں نہ جائے۔“
ابوبکرؓ کی بیٹی اسماءؓ نے کہا (قریش کی صلح کے زمانہ میں) میری مان آئیں اور وہ مشرک تھیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ میری مان آئی ہیں اور وہ اسلام سے بیزار ہیں کیا میں اُن کے ساتھ بھی سلوک کروں؟ فرمایا: ”ہاں اُن کے ساتھ بھی سلوک کرو۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں پر مان باپ کی نافرمانی اور زندہ لڑکی کاڑنے اور سبیل اور گدائی کرنے کو حرام کیا ہے اور قبل و قال اور کثرت سوال اور ارضاعت مال کو ناپسند کیا ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”مان باپ کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے۔“ لوگوں نے پوچھا: کیا کوئی اسے مان باپ کو بھی گالی دیتا ہے؟ فرمایا: ”ہاں جب کوئی کسی شخص کے مان باپ کو گالی دے گا تو وہ بھی اُس کے مان باپ کو گالی دے گا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”نیکوین میں بہت اچھی نیکی

یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے بعد اُسکے دوستوں کے ساتھ احسان کرے۔
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جسکو منظور ہو کہ اُسکی
 روزی میں برکت ہو اور عمر بھی دراز ہو اُسے چاہیے کہ اپنے ناتے والوں کے
 ساتھ سلوک کرے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”رحم۔ رحم۔ رحمن سے نکالا گیا ہے
 اسلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔“ اے رحم جو تجھ کو ملائے گا (یعنی ناتے داروں کے
 حقوق ادا کرے گا) میں بھی اُسکو اپنے ساتھ ملاؤں گا۔ اور جو تجھے چھوڑے گا
 (یعنی ناتے والے کا حق ادا نہ کرے گا) میں بھی اُسے چھوڑ دوں گا۔“
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”ناتا توڑنے والا بہشت
 میں نہ جائے گا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”بدلائینے والا ملنے والا نہیں
 ہے۔ ملنے والا وہ ہے جسکے قرابت مند اُسکو چھوڑیں اور وہ اُنکے ساتھ
 سلوک اور احسان کیے جائے۔“

ایک شخص نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ میرے قرابت مند ایسے ہیں کہ میں
 تو اُنسے ملتا ہوں اور وہ مجھے چھوڑتے جاتے ہیں۔ میں اُنکے ساتھ سلوک کرتا
 ہوں اور وہ میرے ساتھ بُرائی کرتے ہیں۔ میں درگزر کرتا ہوں اور وہ خواہ
 مخواہ زیادتی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”اگر ایسا ہی ہے جیسا تو کہتا ہے تو گویا
 تو اپنے خاک ڈالتا ہے۔ اور جب تک تو اسپر قائم ہے تجھ پر اللہ کی
 نگہبانی ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جب خدا کسی کو نال عطا کرے تو وہ پہلے اپنے اور اپنے گھر والوں کے کام میں خرچ کرے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”خدا نے تمہارے بھائیوں کو تمہارا ماتحت کیا ہے۔ تمہیں انکو بھی اپنی ہی طرح کا کھانا کپڑا دینا چاہیے اور طاقت سے زیادہ کام اُن سے نہ لینا چاہیے۔ بھاری کام ہوا تو خود بھی مدد کر دینا چاہیے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”آدمی کے گنہگار ہو جانے کو یہی بہت ہے کہ جب کا کھانا اُسکے ذمہ ہے اُسکو نہ دے۔“

آنحضرت اپنی زبان سے کبھی کسی کو بُرا نہیں کہتے تھے اور لوگوں کو تعلیم بھی ایسی ہی کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص مجھے اپنے دوزخ کٹوں اور دوزخ پاؤں کے درمیان کی چوڑکی ضمانت دے میں اُسکے لیے جنت کا ضمان ہوتا ہوں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”آدمی کبھی ایسی بات کہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جاتا ہے اور اُسکے درجے بلند فرماتا ہے اور بندے کو اُس کے کئے کی شان کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ اور کبھی بندہ ایسی بات بول اُٹھتا ہے جس سے خدا ناراض ہو جاتا ہے اور بندہ دوزخی ہو جاتا ہے۔ اور بندے کو اس بات کے کہنے میں کچھ کھٹکا بھی نہیں ہوتا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور مار ڈالنا کفر ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہتا ہے تو ان دونوں میں سے ایک کافر ہوتا ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”کوئی کسی کو فسق یا کفر کی تہمت نہ لگائے اس لیے کہ اگر (جس کو تہمت لگائی ہے) وہ شخص فاسق یا کافر نہ ہوگا تو یہ سخت بات (فسق یا کفر) کہنے والے ہی پر واپس آئے گی۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”وہ شخص جب آپس میں سخت کلامی کرتے ہیں تو جب تک مظلوم کی سخت کلامی خیر نہ بنیں جاتی تب تک دونوں کا گناہ سخت کلامی شرمع کرنے والے پر ہوتا ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”تم لوگ قیامت میں اس شخص کو نہایت ہی بدتر پاؤ گے جو دنیا میں ہر ایک کے سامنے اسی کی ہی باتیں بنایا کرتا ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”چل خوجبت میں نہ جائے گا۔“
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو انکے منہ میں خاک ڈالو۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: ”تم لوگ جانتے ہو غیبت کیا ہے؟“ لوگوں نے عرض کیا: ”اللہ اور رسولؐ خوب جانتا ہے۔“ فرمایا: ”اپنے بھائی کا ذکر غائبانہ اس طرح پر کرنا کہ وہ سنے تو اسکا دل دکھے یہی غیبت ہے۔“ صحابہؓ نے عرض کیا: ”اگر وہ بات میرے بھائی میں ہو تب؟“ فرمایا: ”جب ہی تو غیبت ہے اور نہ تو بہتان ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری سب اُمت آرام و چین میں ہے سوا اُسکے جو کھلے بند گناہ کرتی ہے اور یہ بڑی بے پردائی کی بات ہے کہ انسان نے رات کو کوئی بُرا کام کیا اور خدا نے اُسکو چھپایا۔ مگر وہ خود صبح کو اپنے یاروں سے کہنے لگا کہ رات کو میں نے یہ کیا وہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے تو رات کے گناہ کی پردہ پوشی کی اور اُس نے صبح ہوتے ہی گویا اللہ کا پردہ فاش کر دیا۔

آنحضرتؐ کو شش کرتے تھے کہ تمام انسان برابر ہو جائیں۔ ایک کو دوسرے پر کسی قسم کی ترجیح نہ ہے آپ پسند نہ کرتے تھے کہ موقع اور ضرورت سے زیادہ کوئی اپنے آپ کو بڑھائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں ایک شخص حاضر ہوا اور وہ ایکو بہترین خلق کہہ کر کلام کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا: بہترین خلق ہونا کچھ بڑا ہیمن ہی کی شان تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری تعریف میں ایسا نہ بڑھ جاؤ جیسا نصاریٰ عیسیٰ کی تعریف میں بڑھ گئے ہیں۔ میں تو خدا کا غلام ہوں۔ بس مجھے اللہ کا غلام اور اللہ کا رسول (اپنی قاصد) ہی کہا کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی کہ تم لوگ اس قدر عاجزی اور فروتنی کرو کہ کسی کو کسی پر شیعنی باقی نہ رہے اور نہ کوئی کسی پر ظلم کرے۔

آنحضرتؐ بن حلم۔ شرم۔ حیا۔ انکسار اور متانت بہت تھی۔ حدیثوں میں ہے۔

کہ کبھی آپ بیچائی کی بات نہیں بولتے تھے۔ نہ غیبت کرتے تھے اور نہ کسی کو گالی دیتے تھے۔ غصہ کی حالت میں مرنے اتنا فرماتے تھے۔ "اسکو کیا ہوا ہوا اسکی پیشانی خاک آلودہ ہو" ایک مرتبہ لوگوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ آپ مُشرکوں کے لیے بددعا کیجیے" آپ نے فرمایا "میں اس کام کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں۔ میں رحمت کے لیے ہوں" احادیث میں مذکور ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نئی دُلمن سے بھی زیادہ شریکین تھے۔ آپ جب کوئی چیز ناپسند کرتے تھے تو کچھ بولتے نہ تھے۔ صحابہ آپ کے ثور سے پہچان لیتے تھے" ہنسنے کا طریقہ آپ کا نہایت محمود تھا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح ہنستے ہوئے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کا منہ کھل گیا ہو اور حلق نظر آئی ہو۔ ہنسی کے وقت آپ مسکرایا کرتے تھے" حضرت عائشہ سے یہ بھی روایت ہے کہ "رسول اللہ ہم لوگوں کی طرح جلدی جلدی باتیں نہیں فرماتے تھے۔ آپ کی باتیں ایسی ہوتی تھیں کہ کوئی انکو گناہ جانتا تھا تو گن لیتا تھا" مذکور ہے کہ "آنحضرتؐ کو جب کسی دُکاموں میں سے ایک کا اختیار دیا جاتا تھا تو آپ آسان ہی کام اختیار فرماتے تھے۔ گناہ کا کام ہوتا تھا تو سب سے زیادہ دور رہتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی سے اپنا بدلہ نہیں لیا۔ مجرم خدا کی سزا ضرور کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا "مجھے کچھ نصیحت فرمائیے" آپ نے فرمایا "غصہ نہ کر"۔ پھر اُس نے کئی بار یہی بات کہی۔ آپ بار بار فرمایا کیے "غصہ نہ کر"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ہیلوان وہ نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑ دے بلکہ ہیلوان وہ ہے جو مجھ سے کے وقت اپنے کو سنبھالے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جسکے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ میں نہ رہے گا۔ اور جسکے دل میں رائی برابر بھی شیخی ہوگی وہ جنت میں نہ جائے گا۔" شیخی کا مضمون لوگوں کی سمجھ میں نہ آیا تو کسی نے عرض کیا: "اومی اچھے کپڑے اچھے جوتے کو پسند ہی کرتا ہے۔" آپ نے فرمایا: "یہ نہیں اللہ خود اچھا ہے اور اچھائی کو پسند فرماتا ہے۔" شیخی یہ ہے کہ حق بات نہ ماننے اور خدا کے بندے کو حقیر جانے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "قیامت میں اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں سے بات تک نہ کرے گا اور انکی طرف نگاہ کرم نہ فرمائے گا۔ نہ اُنکو گناہ سے پاک کرے گا اور اُنکے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ (۱) بڈھاننا کار۔ (۲) بادشاہ جھوٹا۔ (۳) غریب مغرور۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے کوئی مسلمان نہ کسی مسلمان پر ظلم کرے نہ اُسکو رسوا کرے نہ ناجیز جانے۔" آپ نے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: "پرہیز گاری یہاں ہے۔" پھر آپ نے تین بار فرمایا: "انسان کے بُرے ہونے کو سبقت بہت ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی حقارت کرے اُسکو ناجیز جانے۔ مسلمان کی سب چیزیں جان مال اور آبرو سب مسلمانوں پر حرام ہیں۔"

لی چنانچہ
ہے جو
پنے کو
ن رانی
برابر بھی
ن نہ آیا
ہے
فی یہ ہے
لے
کے گاہ
کار۔
لہاں کا
نیز جا
ری
سیفہ
نے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کی نماز کے بعد آفتاب نکلتے تک
(مسجد سے) نہیں اٹھتے تھے۔ جب آفتاب نکل آتا تو باہر تشریف لیجاتے تھے۔
(اس درمیان میں) صحابہ جاہلیت کے وقت کی باتیں بیان کر کے ہنستے تھے
اور آپ مسکرایا کرتے تھے۔

آنحضرتؐ کو پڑوسیوں کا بہت کچھ خیال رہتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”خدا کی قسم مومن نہیں ہوا۔
خدا کی قسم مومن نہیں ہوا۔ خدا کی قسم مومن نہیں ہوا“ لوگوں نے پوچھا یا
رسول اللہ کون ہے؟“ فرمایا ”وہ شخص جسکے پڑوسی اسکی شر سے نہ بچیں“
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”جبریل پڑوسی کے
بارے میں اس قدر حکم کرتے تھے کہ میں سمجھا اب عنقریب پڑوسی کو
بھی وارث بنائیں گے“

آنحضرتؐ کھانے کا بہت ادب کرتے تھے اور یہ ایک طور پر نعمت الہی کی
شکر گزاری تھی۔ آپ بسم اللہ کہہ کر کھاتے تھے اور دانہ ہاتھ سے
کھاتے تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں تکیہ لگا کر نہیں کھانا۔ آپ کپڑے کا
دستر خوان بچھا کر کھانا کھاتے تھے۔ گوشت میں آنحضرتؐ کو کمزوری
بہت پسند تھی۔ غذا آپ کی سادہ ہوتی تھی اور آپ پھل زیادہ کھاتے تھے
لسن پیاز کو آپ نے حرام نہیں ٹھہرایا لیکن اسکی بدبو کی وجہ سے اسے
ناپسند کرنے لگے۔

آنحضرتؐ کو جسم کی صفائی اور کپڑوں کی صفائی کا بڑا خیال رہتا تھا۔

صاف کرنے کے لیے دن میں کئی مرتبہ مسواک کرتے تھے اور بالوں میں شاذ کرتے تھے اور تیل لگاتے تھے۔ مہمان نوازی آنحضرتؐ کو مرغوب تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اللہ پر اور قیامت پر ایمان لایا اُسکو اپنے مہمان کا اکرام کرنا چاہیے۔ اور جو کوئی اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے بڑوسی کو نہ ستائے اور جو کوئی اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اُسکو یہ چاہیے کہ اچھی ہی بات بولے یا چُپ رہے۔ اور ایک روایت میں بڑوسی کے جملہ کے بدلے یہ ہے "جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان لایا ہو اُسکو اپنے قرابت داروں کے ساتھ ملنا رہنا چاہیے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان لایا اُسکو اپنے مہمان کا اعزاز کرنا چاہیے۔ ایک رات دن تکلف کے ساتھ مہمان نوازی کرے۔ اور مہمانی تین دن ہے اس کے بعد صدقہ ہے اور مہمان کو اس قدر ٹھہرنا کہ میزبان تنگ ہو جائے حلال نہیں ہے۔"

آنحضرتؐ بہت زاید متعل اور مصائب الراے تھے۔ جناب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر کے نیچے کھلی رکھے ہوئے کعبہ کے سایہ میں لیٹے ہوئے تھے۔ آپ نے مُشرکوں سے بہت کچھ ایذا اور تکلیف پائی تھی۔ میں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کفار پر بددعا کیوں نہیں کرتے۔ یہ سنکر آپ اٹھ بیٹھے اور آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور فرمانے لگے۔ اگلے لوگوں میں ایسے ایسے لوگ گذرے ہیں کہ بے دین لوگ انہیں سے کسی کو زمین میں گڑھا کھود کر کھڑا کرنے نہ

اور اُسکے سر پر آ رہ چلا کر اُسکو دو ٹوک کرے کڑا لے تھے لیکن اس قدر تکلیف بھی اُس بندہ کو دین سے پھیرتی نہ تھی۔ اور کسی پر لوہے کی کنگھی اس سختی سے کھینچتے تھے کہ وہ اُسکے گوشت کو طے کر کے پٹھے اور ہڈی تک پہنچتی تھی مگر یہ سختی اُسکو دین سے پھیرتی نہ تھی۔ واللہ یہ دین ایسا کامل ہونے والا ہے کہ سوار صنعا سے حضرت تک اس امن اور امان سے چلا جائیگا کہ اُسکو خدا کے سوا اور کسی کا خوف نہ ہوگا۔ یا اپنی بکریوں کے لیے وہ بھیڑیوں سے ڈرے گا مگر افسوس کہ تم لوگ جلدی کرتے ہو، یہ اسوقت کی بات ہے کہ آنحضرتؐ کے دل میں اصلاح قوم کا خیال پیدا ہوا تھا اور لوگ آنحضرتؐ کی باتیں مانتے نہ تھے اور بڑبھلا کہتے تھے۔ جو کام اٹھایا گیا تھا اُسکا نتیجہ آپ سمجھتے تھے اور ویسا ہی ظہور میں آیا۔ اس کے بعد جب قدر عربوں نے ترقی کی اور ترقی کے ساتھ تمام ملک میں امن و امان پھیلایا سب پر روشن ہے۔

فصل پنجم

تمن اور حسن معاشرت پر نفوس قرآنی

تمن اور حسن معاشرت پر جنی آیتیں قرآن میں ہیں ہم اُن سب کو ایک جگہ لکھتے ہیں۔ غیر مذہب والے بغور پڑھیں اور سمجھیں کہ قرآن نے کیسی کیسی مفید باتیں تعلیم کی ہیں۔ مسلمان غور کریں کہ وہ کہاں تک اُسکے پابند ہیں۔ ہم نے بنی اسرائیل سے پکا قول لیا تھا کہ خدا کے سوا وہ کسی اور کی عبادت نہ کریں۔ مان باپ۔ رشتہ دار دن یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ سلوک کرتے ہیں۔ لوگوں سے اچھی طرح بات کریں۔ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دین۔ پھر تم میں سے

تھوڑے آدمیوں کے سوا اور سب بخون ہو گئے۔ تم بے پروا ہو۔ سورہ بقرہ کو ع ۱۰۔
یہی نیکی نہیں ہے کہ نماز میں تم اپنا منہ پورب یا بچکھ کر بلکہ اصل نیکی انکی ہے
جو اللہ۔ روز آخرت۔ فرشتوں۔ آسمانی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے
ہیں۔ اور اللہ کی محبت میں اپنے مال۔ رشتہ داروں۔ یتیموں۔ محتاجوں
مسافروں اور مانگنے والوں کو دیتے ہیں اور لوگوں کی گردنیں چھوڑتے ہیں۔
نماز پڑھتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور جب کسی بات کا اقرار کرتے ہیں تو پورا
کرتے ہیں۔ سختی میں اور تکلیف میں اور خوف کے وقت ثابت قدم رہتے
ہیں۔ یہی اسلام میں سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔ سورہ بقرہ کو ع ۲۲۔
حذا کی راہ میں خرچ کرو۔ اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ احسان کرو
کہ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ سورہ بقرہ کو ع ۲۴۔

مسلمانوں اپنی خیرات کو احسان جانے اور سائل کو ایذا دینے سے اس
شخص کی طرح ضائع نہ کرو جو اپنا مال دوسروں کے دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے
اور اللہ اور روز آخرت پر یقین نہیں کرتا۔ سورہ بقرہ کو ع ۳۶۔

۱۴۸ واذاخذتم حثاق بنی اسرائیل لا تعبدون الا اللہ والوالدین احساناً وذی القربی والیتیمی والمسکین وقولوا
لناس حسناً واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ ثم قولتم الا قلنا سنکرم وانتم سقرضون۔
۱۴۹ لیس البہران قولوا وجہکم قبل المشرق والمغرب ولكن البہران اس باللہ والیوم الآخر والملک۔ و
الکتب النبیین والی المال علی تحبہ ذوی القربی والیتیمی والمسکین وابن السبیل السالطین فی
الرقاب واقام الصلوٰۃ والی الزکوٰۃ والموفون بعدہم اذا عاہدوا والصبرین فی الباس والقرار
وحن الباس اولیک الذین صدقوا اولیک ہم المستقون۔
۱۵۰ وافقوا فی سبیل اللہ ولا تقوا بائیکم الی الغنۃ واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین۔
۱۵۱ یا ایہ الذین امنوا لا تملوا صدقکم بالسن والا ذی کالذی ینفق بالمرئۃ والناس لا یؤمن
باللہ والیوم الآخر۔

اگر خیرات ظاہر میں دو تو وہ بھی اچھا ہے۔ اور چھپا کر حاجتمندوں کو دو تو یہ تمھارے لیے اور بھی اچھا ہے۔ ایسا دینا تمھارے گناہوں کا کفارہ ہے اللہ کو تمھارے اعمال کی خبر ہے۔ سورہ بقرہ کو ع ۳۷۔

جس خدا کا تم واسطہ دیکر اپنے کتنے کام نکال لیتے ہو اسکا اور رشتوں کا پس ملحوظ رکھو۔ خدا تم پر نگران ہے۔ سورہ نسا کو ع ۱۔

اللہ کی عبادت کرو۔ کسی کو اسکا شریک نہ سمجھو۔ اور ان باپ۔ اقربا۔ بیٹوں۔ محتاجوں۔ قراہت والے پڑوسیوں۔ اجنبی پڑوسیوں۔ پاس کے بیٹھنے والوں۔ مسافروں اور اپنے لونڈی غلام کے ساتھ احسان کرو۔ اللہ انکو دست نہین رکھتا جو اترتے اور بڑائی مارتے پھرتے ہیں۔ بچل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بچل کرنے کی صلاح دیتے ہیں۔ اللہ نے جو کچھ انکو اپنے فضل سے دیا ہے اُسے چھپاتے ہیں۔ ہماری نعمتوں سے جو ناشکری کرتے ہیں انکے لیے ہم نے ذلت کا عذاب طیار کر رکھا ہے۔ اور نیز ان لوگوں کے لیے جو اپنے مال لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتے ہیں۔ نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ روز آخرت پر۔ شیطان جبکاسا تمھی ہو وہ بہت ہی بُرا ساتھی ہے۔ سورہ نسا کو ع ۱۰۔

۵۵ ان تبدوا الصدقات فنهاہی وان تحفوا و تو تو بالافقر و فخرکم و کیف عنکم من سیکم و اللہ بہا عملون

ترجمہ

۵۶ و انفقوا اللہ الذی نسا و لون بہ و الارحام ان اللہ کان علیکم رقیباً۔
۵۷ اعدوا اللہ و لا تشربوا بہ شیئاً و بالوالدین احساناً و بنی القربی و المسکین و الجاری و القربی و
الجار و الجنب و العسا و الجنب ابن مسیل و ملکات یا کم ان اللہ لا یحب من کان متخافاً و ان الذین
یجلبون دماءہم و ان الناس یجلبون ما اتهم اللہ من فضلہ و اللہ لا یحب من عدا بہ و الذین یقولون
اموالہم را الناس لا یؤمنون باللہ و لا بالیم الاخرین یکن شیطان لقریباً فساد فرغنا۔

مسلمانو! اللہ کا حکم مانو۔ رسول کا حکم مانو۔ اور جو تم میں صاحب حکومت
ہیں انکا بھی حکم مانو۔ اگر کسی وجہ سے تم آپس میں جھگڑو تو اللہ اور روز آخرت
پر ایمان لانے کی شرط یہ ہے کہ اس امر میں اللہ اور رسول کے حکم کی طرف
رجوع کرو یہ تمھارے حق میں بہتر ہوگا۔ اور انجام کے اعتبار سے بھی بہت
اچھا ہوگا۔ سورہ نساء رکوع ۸۔

پھلون کو جب وہ پھلین تو کھاؤ۔ اور کاٹنے اور توڑنے کے دن خدا کا
حق (زکوٰۃ) ادا کرو۔ لیکن فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچ کرنے والوں کو خدا
دوست نہیں رکھتا ہے۔ سورہ انعام رکوع ۱۴۔

جان رکھو کہ تمھارا مال اور تمھاری اولاد کیلئے ہیں اور خدا ہی کے پاس
اجر عظیم ہے۔ سورہ انفال رکوع ۳۔

مسلمانو! بہت سے عالم اور مشائخ دوسروں کے مال ناحق کھاتے ہیں۔
اور لوگوں کو راہ خدا سے روکتے ہیں۔ پیغمبر تو ان لوگوں کو جو سونا اور چاندی
جمع کرتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے دروناک عذاب کی خوشخبری
سنادے۔ سورہ توبہ رکوع ۵۔

۸۸ یا ایہا الذین امنوا اطيعوا اللہ واطيعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئ فردوه الی اللہ والرسول
ان کنتم تمیزون باللہ والیمیم الا فرذلک خیر و احسن تادیلاً۔

۸۹ مکر من شرہ اذا انشروا قرا حقہ یوم حصا وہ ولا تفسروا ان لا یحب المسرفین۔

۹۰ ما علما انما اسوالکم واولادکم فتمتہ وان اللہ عنہ اجر عظیم۔

۹۱ یا ایہا الذین امنوا ان کثیراً من الاحبار والربیان لیا کلون اموال الناس بالباطل
ولیسہن عن سبیل اللہ والذین یفسدون الذہب والفضۃ ولا یتفقون فی سبیل اللہ
فبشرہم لعذاب الیم۔

پروردگار کا قطعی حکم ہے کہ سوا اُسکے کسی کی پرستش نہ کرو۔ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ اگر والدین یا انہیں سے ایک تیرے سامنے بڑھا ہے کو بوجہ نین تو اُنکے سامنے کبھی اُف نہ کرنا اور نہ اُنکو کبھی تھکرنا۔ اور ادب کے ساتھ بات کرنا۔ اور محبت کے ساتھ اُنکے سامنے خاکساری کا پہلو لیے رہنا۔ اور دعا کرنا کہ اسے پروردگار جس طرح اُنھوں نے مجھ پر رحم کر کے چھوٹے سے بڑا کیا اُسی طرح تو بھی اُن پر رحم کر۔ سورہ بنی اسرائیل رکوع ۳۔

رشتہ دار غریب اور مسافر کے حقوق دیتے رہو۔ اور دولت کو بیجا نہ اُٹاؤ۔ دولت کے بیجا اُڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر گزار ہے۔ اگر تم کو اپنے پروردگار کے فضل کے اغیار میں جسکی تکموقع ہو اُن سے تمھیں پھیرنا پڑے تو نرمی سے اُنکو سمجھا دو۔ اپنا ہاتھ نہ اتنا سکڑو کہ گردن میں بندم جائے اور نہ بالکل اُسکو پھیلا ہی دو کہ تم تہی دست ہو کر لوگوں کی ملامت سننے بیٹو۔ اسے پیغمبر پر ارب جسے چاہتا ہے اُسکی روزی فراخ کرتا ہے اور مقرر کرتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کو دیکھتا ہے اور باخبر ہے۔ سورہ بنی اسرائیل رکوع ۳۔

۱۱۱ دفعی ربک الا تعبدوا الا اياه وبالوالدين احساناً اما يبلغن عندک الکبر احداً ما دکما فلا تفل لما ات ولا تنه ما د قل لهما قولاً کرماً و اخفض لهما جناح الذل من الرحمة و قل لهما کما ربتی صغیراً۔

۱۱۲ و ات ذا القربى حق المسکین و ابن السبیل و لاتنذر تبذیراً ان المذبرین کانوا فحوا ان الشیطن و کان الشیطن رب کفوراً و اما قرض من عندهم اتنا و رحمة من ربک ترجوا فقل لهم قولاً ميسراً و لاتقبل بیک منخله الی عنقک و لاتقبل ما کل اللیط فقور ملوماً محسوراً۔ ان ربک سبط الرزق لمن یشاء و یقدر انه کان بعباده خبیراً بصیراً۔

افلاس کے ڈر سے تم اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ہم ہی انکو اور تم کو روزی دینگے۔ انکا مار ڈالنا بڑا بھاری گناہ ہے۔ سورہ نبی اسرائیل رکوع ۴۔

زنا کے پاس نہ بیٹھنا یہ بیچاری ہے اور مبرا حلیں پہن سورتہ بنی اسرائیل رکوع ۲۔
جسکا مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے اُسکو ناحق قتل نہ کرنا سورتہ بنی اسرائیل رکوع ۲۔
جب تک یتیم اپنی جوانی کو نہ پہنچے اُسکے مال کے پاس بھی نہ جانا گلوں صوفیہ
کہ تمہارا جانا یتیم کے لیے بہتر ہو۔ سورتہ بنی اسرائیل رکوع ۲۔

عہد پورا کیا کرو۔ کیونکہ قیامت میں عہد کی باز پرس ہوگی۔ سورہ بنی اسرائیل ۲۴۔
اور جب نابھ تو پیمانہ کو پورا بھجور دیا کرو اور تو لو تو ڈنڈی سیدھی رکھ کر تلو۔
سورہ بنی اسرائیل ۲۵ رکوع ۴۔

جس بات کا منجھو علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ ہو کان۔ آگے اور دل ان سب سے
پیش (قیامت میں) ہوگی۔ سورہ نبی اسرائیل رکوع ۴۔
زمین میں الکر نہ چل کہ تو نہ زمین پھاڑ سکے گا اور نہ پھاڑوں کی ملبائی تک
ہونچ سکے گا۔ سورہ نبی اسرائیل رکوع ۴۔

۱۱۱۱ ولا تقتلوا اولادکم خشية الملاقى نحن نرزقکم وایاکم ان تتعلم کان خطاکبیرا۔

علاء والتقرُّب إلى النبي إن كان فاحشته وسائر سببها -

۱۶۰ **وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ بِالْحَقِّ -**

حکامہ و لا تقرّبوا مال الیتیم الا الی الہی ہی احسن ضعی بلوغ اشده

ۛۛۛ وادفوا بالعمدان العمدة کان مسکولاً۔

١٩ وادفوا الكل إذا كنتم وزوا بالقسط المستقيم.

نہ وہ اتنے نہیں کہ یہ علم ان السمع والابصار فاول اولیک کان عنہ سؤالا۔

۳۷۰ و ما تش في الارض مراعاً انك لن تخرق الارض و لن تبلغ الجبال طولاً .

اندھے۔ لنگڑے۔ بیمار اور خود تمھارے لیے کچھ ہرج منہیں ہے کہ تم اپنے گھروں سے۔ اپنے ماں باپ کے گھروں سے۔ اپنے بھائی بہنوں کے گھروں سے۔ اپنے اعمام یا عمت کے گھروں سے یا اپنے مائیں اور خالات کے گھروں سے یا ان گھروں سے جسکی کنجیاں تمھارے پاس ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کچھ کھاؤ۔ اور اس میں بھی کچھ گناہ نہیں ہے کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ۔ جب گھر میں جانے لگو تو اپنے لوگوں کو سلام کر لیا کرو۔ سلام خدا کی طرف سے ایک عمدہ برکت والی دعا ہے۔ خدا اپنے احکام تم سے کھول کھول کر بیان کرنا ہے کہ تم سمجھو۔ سورہ نور۔ رکوع ۸۔

لین علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج ولا علی الفسک ان تاکلوا من بیتکم او بیوت اباکم او بیوت امکم او بیوت استکم او بیوت اخاکم او بیوت اخواتکم او بیوت عمتکم او بیوت عمتکم او بیوت عمتکم او بیوت عمتکم ان تاکلوا جسیعاً او اشتاتاً فاذا دخلتم بیوتاً فسلموا علی انفسکم تحیة من عند اللہ مبارک طیبہ کذلک یمین اللہ لکم الامت لعلکم تعقلون۔

پھر لوگوں میں ارتباط و اتحاد پیدا ہونے کا بڑا عمدہ ذریعہ کھانا پیرا اور سائیت کا مقصد اصلی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اس ذریعہ سے باہمی اتحاد و ٹھہرائیں اب بھی لوگوں کا یہی حال ہے کہ جہاں تک ہو سکتا ہو ایک دوسرے کے ہاں کھانے میں مصافحہ کرتے ہیں کہ امین لالچی اور بدبخت نہ سمجھے جائیں اور بعض لوگ مثلاً لاکٹ فیوڈ و دوسری کی وجہ سے کنارہ کش ہوتے ہیں کہ خیر نہ سمجھے جائیں لیکن اگر یہ دستور زیادہ کرتے جاری ہو اگر ایک دوسرے کے ہاں کھانا تو کچھ شک نہیں کہ مسلمانوں میں یکدلی اور اتفاق پیدا کرنے کی عمدہ تدبیر ہو اور مملکت مفاہیم کا ایک محل بھی ہو سکتا ہے کہ اکثر رشتہ دار و نین سے کوئی شخص کہیں مہمان چلا جاتا ہو تو فرج کے رشتہ دار کو جس کا اعتبار ہو گھر کی کنجیاں دیکھا تو سب سے پہلے ایک طرح کی اجازت ہو کہ تمہیں کوئی ضرورت ہو تو گھر سے لے لینا لیکن یہ بھی رکھنے والے خود اپنی طبیعت سے اجنبیت برتتے ہیں ورنہ اگر صاحب خانہ کی غیبت میں ضرورت کی کوئی چیز لے لین تو وہ اگر خوش ہو کر دینا میں نفسا نفسی پھیل گئی ہے نہ کوئی کسی کے ساتھ ایسی سخاوت کرنا چاہتا اور نہ معاوضہ کے ڈر سے کوئی ایسی سخاوت سے فائدہ اٹھاتا مگر اسلامی اخوت کو ترقی دینے کی ایک تدبیر خدا نے بنا دی ہے۔ ایک مفسر

ہم نے انسان کو مان باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔
 لیکن اگر درپے ہوں کہ تو کسی کو میرا شریک سمجھے جسکے لیے تیرے پاس کوئی
 معقول دلیل نہیں ہے تو انکا کہنا نہ مان۔ تم سب کو ہمارے پاس آنا ہوگا
 اسوقت میں تم کو تمھارے عمل سمجھا دوں گا۔ سورہ عنکبوت۔ رکوع ۱۔

مان جھٹکے جھٹکے اٹھا کر انسان کو پیٹ میں رکھتی ہے۔ اور دوسرے کے بعد
 دودھ پھرتی ہے۔ اس لیے والدین کے حق میں ہمارا یہ حکم ہے کہ تم میرے
 شکر کے ساتھ اپنے والدین کا بھی شکر ادا کرو۔ سورہ لقمن۔ رکوع ۲۔

ہم نے انسان کو مان باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تاکید کی ہے۔
 کس شکل سے مان پیٹ میں انسان کو رکھتی ہے۔ اور کس شکل سے اسکو جنتی
 ہے۔ حمل اور دودھ پلانے کے ایام کم سے کم ڈھائی سال ہوتے ہیں۔ جب
 آدمی اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس پورے کیے تو وہ اللہ سے
 کہتا ہے کہ خدا مجھے توفیق دے کہ تو نے جو احسانات مجھ پر اور میرے مان باپ
 پر کیے ہیں انکا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ایسے نیک عمل کروں کہ تو راضی ہو اور
 میری اولاد میں نیکی جنتی پیدا کر۔ میں تیری طرف رجوع ہوتا ہوں اور میں فرمانبردار بندہ
 میں ہوں۔ سورہ احقاف۔ رکوع ۱۔

۱۵۴ دوصینا الانسان بوالديه حسنا وان جاءک لشکک بی مالیک لک یہ علم فلا قطعھا الے
 مرجعکم فانکم بالکتم تعلمون۔
 ۱۵۵ دوصینا الانسان بوالديه حسنا حملته اتم وھذا علی ذہن وفصل فی عابین ان الشکر لی والدریک۔
 ۱۵۶ دوصینا الانسان بوالديه حسنا حملته اتم وھذا علی ذہن وفصل فی عابین ان الشکر لی والدریک۔
 اذ انج اشدہ مبلغ اربعین سنتہ قال رب اوزعنی ان اشکر نعمتک الی نعمت علی وعلی
 والدی وان اعل صلتی ترضہ واصبح لی فی ذریعتی الی ثبت الیک انی سن المسلمین۔

مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ انہیں صلح کرادیا کرو۔ اور اللہ سے ڈرو کہ تم پر رحم کیا جائے۔ سورہ حجرات رکوع ۱۔

مسلمانوں کوئی مرد کسی مرد پر نہ ہنسے۔ ممکن ہے کہ ہنسنے والے سے وہ بہتر ہو جس پر ہنسا جاتا ہے۔ اور نہ کوئی عورت کسی عورت پر ہنسے۔ ممکن ہے کہ ہنسنے والی عورت سے وہ بہتر ہو جو ہنسی جاتی ہے۔ آپس میں ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو اور نہ ایک دوسرے کو نام دھرے۔ مسلمان ہونے کے بعد بد مذہبی کا نام ہی بُرا ہے۔ اور ان حرکتوں سے جو باز نہیں آتے وہ ظالم ہیں۔ سورہ حجرات رکوع ۱۔

مسلمانوں بہت شک کرنے سے بچتے رہو کیونکہ بعض شک گناہ ہو جاتا ہے۔ اور ایک دوسرے کی ٹوٹل میں نہ پا کرو۔ اور نہ بیٹھ بیٹھ کر ایک کو دوسرا ٹراکے۔ کیا کوئی تم سے گوارا کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے یہ تو ہرگز گوارا نہ کرے گا۔ سورہ حجرات رکوع ۱۔

لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ تمہاری ذاتیں اور گوشتیں اس لیے شہر آدمی کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکے۔ لیکن تم میں شریف و ہی ہے جو تم میں بُرا پرہیزگار ہے۔ سورہ حجرات۔ رکوع ۱۔

۱۵۵ اِنَّا الْمُنٰثِرُونَ اِخْوٰنًا مَّصْلُوٰۤاۤ بِاٰیٰتِ اٰخِرِیْمٍ وَّالْقَوٰلُ الَّذِیْ لَعَلَّکُمْ تَرْجِعُوْنَ -

۱۵۶ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَتَّبِعُوْا اَمْرَ الْقَوْمِ ۚ اِنَّ کَیۤدَہُمْ وَاِخْلَاقَہُمْ وَاَنۡفُسَہُمْ لَیۡسَ بِاَسْمٰیہِ الْعٰسُوۃِیْنَ ۚ اُولٰٓئِکَ یُحۡمِلُوْنَ عَمَلَہُمۡ ۚ

۱۵۷ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اَجِبُوْا کُلَّ اَمْرٍ اِذَا قُلِّیۡنَ اِلَیْہِہٖۤ اَنۡ تَحۡمِلُوْا اَمۡرَہٗۤ اِنْ کُنۡتُمْ رَّاۤیۡتُمْ اَنَّہٗۤ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ فَاٰجِبُوْا ۚ اِنَّہٗۤ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ۚ

۱۵۸ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقَکُمۡ مِنْ ذَّکۡرٍ وَّاُنۡثٰی وَّجَعَلَنَکُمْ شُعُوۡبًا وَّاَقۡبَیۡلَ لِتَعَارَفُوْۤا اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتْقٰیہُ ۚ

۱۵۹ اِنَّا جَعَلَکُمۡ اُمَّۃً مِّنۡ اُمَّۃٍ

۱۶۰ اِنَّا جَعَلَکُمۡ اُمَّۃً مِّنۡ اُمَّۃٍ

۱۶۱ اِنَّا جَعَلَکُمۡ اُمَّۃً مِّنۡ اُمَّۃٍ

۱۶۲ اِنَّا جَعَلَکُمۡ اُمَّۃً مِّنۡ اُمَّۃٍ

۱۶۳ اِنَّا جَعَلَکُمۡ اُمَّۃً مِّنۡ اُمَّۃٍ

۱۶۴ اِنَّا جَعَلَکُمۡ اُمَّۃً مِّنۡ اُمَّۃٍ

۱۶۵ اِنَّا جَعَلَکُمۡ اُمَّۃً مِّنۡ اُمَّۃٍ

۱۶۶ اِنَّا جَعَلَکُمۡ اُمَّۃً مِّنۡ اُمَّۃٍ

۱۶۷ اِنَّا جَعَلَکُمۡ اُمَّۃً مِّنۡ اُمَّۃٍ

۱۶۸ اِنَّا جَعَلَکُمۡ اُمَّۃً مِّنۡ اُمَّۃٍ

۱۶۹ اِنَّا جَعَلَکُمۡ اُمَّۃً مِّنۡ اُمَّۃٍ

۱۷۰ اِنَّا جَعَلَکُمۡ اُمَّۃً مِّنۡ اُمَّۃٍ

۱۷۱ اِنَّا جَعَلَکُمۡ اُمَّۃً مِّنۡ اُمَّۃٍ

۱۷۲ اِنَّا جَعَلَکُمۡ اُمَّۃً مِّنۡ اُمَّۃٍ

۱۷۳ اِنَّا جَعَلَکُمۡ اُمَّۃً مِّنۡ اُمَّۃٍ

۱۷۴ اِنَّا جَعَلَکُمۡ اُمَّۃً مِّنۡ اُمَّۃٍ

۱۷۵ اِنَّا جَعَلَکُمۡ اُمَّۃً مِّنۡ اُمَّۃٍ

۱۷۶ اِنَّا جَعَلَکُمۡ اُمَّۃً مِّنۡ اُمَّۃٍ

۱۷۷ اِنَّا جَعَلَکُمۡ اُمَّۃً مِّنۡ اُمَّۃٍ

۱۷۸ اِنَّا جَعَلَکُمۡ اُمَّۃً مِّنۡ اُمَّۃٍ

۱۷۹ اِنَّا جَعَلَکُمۡ اُمَّۃً مِّنۡ اُمَّۃٍ

۱۸۰ اِنَّا جَعَلَکُمۡ اُمَّۃً مِّنۡ اُمَّۃٍ

بیشک خیرات کرنے والوں (مردمون یا عورت) اور قرض حسنہ دینے والوں کو دونا ادا کر دیا جائیگا اور انکو بڑا اجر ملیگا۔ سورہ العہدہ رکوع ۱۔

جان رکھو کھیل تماشہ ظاہری طہراق۔ ایک کا دوسرے پر فخر کرنا۔ اور ایک کا دوسرے سے بڑھ کر مال اور اولاد کا چاہنا بس ہی دنیا کی زندگی ہے۔ اسکی مثل ایسی ہے جیسے مینہ کہ اُس سے کفار کھیتی کو دیکھ کر خوشیاں کرتے ہیں۔ پھر وہ بکت کر خشک ہو جاتی ہے۔ تو اُسکو دیکھتا ہے کہ زرو ٹپر گئی ہے۔ پھر آخر کار روندن میں آجاتی ہے۔ آخرت میں عذاب سخت اور خدا کی طرف سے معافی اور خوشنودی جو دنیا کی زندگی نرمی و عفو کے کی ٹپٹی ہے۔ سورہ العہدہ رکوع ۲

میلہ جی چاہتا تھا کہ ان آیات قرآنی کی توضیح کر دے اور لوگوں کی موجودہ عادت سے بحث کر دے کہ کہاں تک وہ قرآن کے خلاف ہیں۔ لیکن پھر میں نے خیال کیا کہ میں نے دخل دیا تو اثر جاتا رہے گا۔ آیات قرآنی کا ترجمہ محاورہ میں کر دیا گیا ہے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ ہر ایک خود ہی پڑھے اور غور کرے تو اچھا۔ یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ باپ دادا کیا کرتے آئے صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ جس قرآن کو ہم چومتے چاٹتے ہیں جزد ایمان سمجھتے ہیں وہ ہم کو کیا سکھاتا ہے۔ قرآن گویا کسوٹی ہے۔ ہر ایک اپنے دستور کو دیکھے کہ کھوٹا ہے یا گھرا ہے۔

ان المصدقین والمصدقات واقضوا اللہ قرضاً حسناً لیضعف لہم ولہم اجر کریم۔
 علما انما الحیوة الدنیاء لعب ولہم وزینۃ ولفاخر ینکم وکما ثر فی الاموال والاولاد وکس
 غیث اعجب الکفار بنہاتہ ثم یسبح فترہ یسبحون کون حطاً ما و فی الآخرة عذاب مث۔ یہ
 وغفرۃ من اللہ ورضوان واما الحیوة الدنیاء الامتاع الزور۔

فصل ششم

مان باب کی اطاعت

تمدنی حالت درست کرنے کے لیے مان باب کی خدمت اکسیر عظم ہے اسلام اس بارے میں آپ اپنی نظیر ہے۔ کسی زمانہ میں مسلمانوں کی اپنی اس تہذیب پر ناز تھا۔ لیکن اب کوئی جانتا بھی نہیں کہ مان باب کے کیا حقوق و عکون ہیں۔ اگلے زمانہ میں لوگ جب قدر اپنے مان باب کے دوست اور مستون کا ادب کرتے تھے اب اسکا عشر عشر بھی مان باب کے مقابلہ میں ظاہر نہیں کیا جاتا۔ جہاں سب خرمیاں مسلمانوں سے جاتی رہیں وہاں یہ ادب بھی جاتا رہا۔ آنحضرت کے والدین آپ کے سن شور کے قبل مر چکے تھے اور اس لیے آنحضرت کو یہ موقع نہ ملا کہ اپنے طرز عمل سے دکھاتے کہ والدین کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے۔ لیکن قرآن نے ہم کو صاف بتا دیا ہے کہ بعد خدا اور رسول خدا کے والدین کا درجہ ہے۔ جہاں اسکا ذکر ہے۔ اور ہر جگہ خدا پر ایمان لانے کے بعد والدین کی اطاعت محکوم ہے اور اس کے بعد دیگر حسنات اور عبادات کا ذکر ہے۔ (دیکھو تہذیب اور حسن معاشرت برفصوص قرآنی باب اول فصل ۵۔ کتاب ہذا) اسکے علاوہ کتب احادیث میں والدین کا بڑا احترام روارکھا گیا ہے مزید حدیثیں اخلاق محمدیہ باب اول فصل چہارم۔ کتاب ہذا میں بھی درج ہیں حتیٰ کہ والدین کے دوستوں کا بھی لحاظ کیا گیا ہے۔ مصنوعی مان باب یعنی رھائی مان باب کے حقوق اور ان کے احترام بھی حدیثوں اور فقہ کی کتابوں میں ذکر کیے گئے ہیں اس بارے میں مسلمانوں کی انسانیت آپ اپنی نظیر ہے۔

نہ دینے
وع ۱۔

را ایک کا
اسکی

مین۔ پھر
آخر کار

سے معافی
رکوع ۲

موجودہ
مین پھر

آنی کا
پڑھے

دیکھنا
سکو

کے
کے

دوسرے
یہ

پیغمبر خدا کے بعد مسلمانوں نے آیات قرآنی اور اقوال نبی کے لحاظ سے جس درجہ اپنے والدین کے حقوق کا خیال رکھا اگر وہ تمام باتیں حکایت کے پیرایہ میں ایک جگہ جمع کر دی جائیں تو ایک مستقل اور نہایت دلچسپ کتاب طیار ہو۔ بطور نمونہ کے ایک مشہور حکایت امام ابو حنیفہ کی انکی سوانح عمری سے بیان نقل کی جاتی ہے۔

”امام صاحب کے والد نے امام کے سن رشد سے پہلے قضا کی۔ لیکن والدہ مدت تک زندہ رہیں۔ امام کو انکی خدمت گزار سی کا پورا موقع ہاتھ آیا۔ وہ مزاج کی شکی تھیں اور جیسا کہ عورتوں کا فاعلہ ہے دُعا ظا اور قصاص کے ساتھ نہایت عقیدت رکھتی تھیں۔ کوفہ میں عمر دین ذرا ایک مشہور واعظ تھے۔ انکے ساتھ خاص عقیدت تھی۔ کوئی مسئلہ پیش آتا تو امام صاحب کو حکم دیتی تھیں کہ عمر بن ذر سے پوچھ آؤ۔ امام تعمیل ارشاد کے لیے انکے پاس جا کر مسئلہ پوچھتے تو وہ عذر کرتے کہ آپ کے سامنے میں کیا زبان کھول سکتا ہوں یا م فرماتے کہ ”والدہ کا یہی حکم ہے“ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ عمر کو مسئلہ کا جواب نہ آتا اور وہ امام صاحب سے درخواست کرتے کہ ”آپ مجھ کو بتا دیں۔ میں اُسی کو آپ کے سامنے دوہرا دوں“ کبھی کبھی وہ اصرار کرتی تھیں کہ میں خود چل کر پوچھوں گی۔ خیر پر سوار ہوتی تھیں۔ امام صاحب زیادہ باز نہ آتے تھے۔ خود مسئلہ کی صورت بیان کرتیں اور اپنے کانوں سے جواب سن لیتیں تب تسکین ہوتی۔ ایک دفعہ امام صاحب سے پوچھا کہ یہ صورت پیش آئی ہے مجھ کو کیا کرنا چاہیے۔ امام صاحب نے جواب بتایا۔ بولیں کہ تمھاری سند نہیں۔ رزقہ واعظ تصدیق کریں تو مجھ کو اعتبار آئے۔ امام صاحب

آنکو لیکر رزقہ کے پاس گئے۔ اور سئلہ کی صورت بیان کی۔ رزقہ نے کہا کہ آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپ کیون نہیں بتا دیتے۔ امام صاحب نے فرمایا میں نے یہ فتویٰ دیا تھا۔ رزقہ نے کہا بالکل صحیح ہے۔ یہ مسئلہ آنکو تکلیف پہنچی اور گھر والے اس آئینہ پر ہیرہ نے جب امام صاحب کو بلا کر سیریشی مقرر کرنا چاہا اور انکار کے جرم پر ڈر سے لگوائے۔ اسوقت امام صاحب کی والدہ زہرا تعین۔ آنکو نہایت صدمہ ہوا۔ امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ تمکو اپنی تکلیف کا چندان خیال نہ تھا البتہ یہ رنج ہوتا تھا کہ میری تکلیف کی وجہ سے میری والدہ کے دل کو سخت صدمہ پہنچتا ہے۔

یہاں یہ کھنا بیوقوف نہیں ہے کہ ہند کے مسلمان جہاں اپنی تمام صفات بھولے دیان والدین کا لحاظ کرنا بھی بھولے۔ ایک موقع پر ہمارے ایک ہندو دوست نے کہا اگر مسلمانوں نے ہیکو یہ سکھا یا ہے کہ والدین کا لحاظ نہ کرو۔ ورنہ ہمارے مذہب میں تو والدین کی پرستش ہوتی ہے۔ اسوقت کسی مسلمان نے کہا کہ ”بھڑھے باپ سے بچہ جائداد بٹوالینے کا قانون ہندوؤں میں جاری ہے اور مسلمانوں میں یہ قاعدہ ہے کہ باپ اگر تمام جائداد سے بلا کسی وجہ کے اپنے بیٹے کو محروم کر دے تو بچہ خاشاوشی لے لے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔“ خیر یہ تو ایک جملہ ترقیہ تھا لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ تمام اخلاق حسنہ قوم کے یا خاندان کے معروض ہوجاتے ہیں جب والدین کا احترام۔ قومی شعار یا خاندانی دستور نہیں ہوتا۔ ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا گویا انتظام عالم کی جڑ ہے یا خالق عالم کے منشا کی پیروی ہے۔ اور وہ بات جو اس میں فرق ڈالے بُری ہوگی۔

ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جو والدین کا ادب نہ کرے گا وہ دنیا میں کسی کا سچا اور
 نہیں ہو سکتا۔ اپنے استدلال کے مقدمات مرتب کرنے کے قبل ہم ناظرین سے
 یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس مشہور مقولہ کو از قسم علوم متعارفہ مان لیں کہ بغیر
 ادب کے محبت نہیں ہوتی۔ جب والدین کا دباؤ لڑکوں پر نہ ہوگا یا لڑکے والدین کا
 ادب کرنے کے خواہ نہ ہوں گے تو لڑکوں کے دلوں میں اتنی محبت والدین کی نہوگی
 جتنی بلحاظ والدین کی محبت لڑکے احسانات کے لڑکوں کے دلوں میں ہونا چاہیے
 جب لڑکوں سے بے اعتنائی ظہور میں آئے گی تو والدین کی وہ محبت جو لڑکوں کی عمر
 بڑھنے کے ساتھ خود بخود گھٹتی جاتی ہے جلد جلد گھٹنے لگے گی۔ جب لڑکوں کو والدین
 کے ساتھ اور والدین کو لڑکوں کے ساتھ محبت نہ ہوئی تو اس کا اثر بھائیوں اور بہنوئی
 محبت پر بھی ضرور پڑے گا۔ کیونکہ انکی محبت والدین کی محبت کا ایک پر تو ہوتی ہے
 جس نے اپنے والدین سے محبت نہ کی وہ والدین کی اولاد سے کیا خاک محبت
 کرے گا۔ اور جب بھائیوں اور بہنوں میں محبت نہ ہوئی تو انکی اولاد میں بالکل اچھوت
 ہوگی۔ اسی طرح جس خاندان میں اس قدر قریبی رشتہ دار یاں نظر انداز رہیں گی
 وہاں صلہ ارحام کا پاس رکھنا ہرگز لازمہ حمیت نہ ہوگا۔ اور جس قوم میں صلہ رحم کا خیال
 نہیں ہے اُس سے ہمسایہ کے حقوق کی نگہداشت بھی نہ ہوگی اور حب الوطنی کی
 صفت تو قوم کی قوم میں غفا ہوگی۔ یہ منطقی دلیلین نہیں ہیں غور کیجئے تو از قسم بدبیتا
 ہیں۔ دنیا میں جنکے ذریعہ سے ہم آئے یا جنکو ہم نے اول اول دنیا میں قدم رکھنے
 کے بعد دیکھا اگر اُن سے ہکو اُنس نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ وہ تمام چیزیں جو اُنکے ذریعہ
 سے ہمارے سامنے پیش ہوتی ہیں بیگانہ معلوم ہوں گی۔ جس خاندان یا قوم کی کیفیت

سہوگی و مان نفاق کا بھرت ہر دم سر پر سوار ہو گا اور کبھی ترقی کے میدان میں ٹہرھنے نہ دے گا۔

خلاصہ یہ کہ والدین کی اطاعت صرف بمقتضای شکر گزار می واجب نہیں ہے بلکہ اس لیے بھی واجب ہے کہ بغیر اسکے انتظام عالم کا ڈھچر ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ اسی لیے سلام میں بعد خدا اور رسول خدا کے والدین کا درجہ قائم کیا گیا ہے اور یہ درجہ محض دکھانے کے لیے نہیں ہے بلکہ اسکے متعلق احکام بھی ہیں اور ان احکام سے پورے طور پر ان مدارج کی نگہداشت ہوتی ہے۔

ایک بات میرے ذہن میں ہے جس کا لکھ ڈالنا میں مناسب سمجھتا ہوں۔ تمام دنیا پر روشن ہے کہ ہندوستان کے باشندے خلیق ہیں۔ ملنسار ہیں۔ محبتی ہیں۔ لیکن سچا خلق سچا انکسار سچا ملنساری کے ساتھ قومی اتفاق انہیں نہیں ہے۔ یہ جانتے ہی نہیں کہ حب وطن کیا شے ہے۔ تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑے سے شخصی غراض پر بڑے بڑے قومی حقوق کے تباہ کرنے میں یہ ہمیشہ دلیر رہے۔ ممکن ہے کہ اب نئی تعلیم نے اس مخصوص میں کچھ انکی اصلاح کی ہو لیکن کچھ حالات پڑھنے سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ حب وطن جو اردووں میں ہمیشہ اعلیٰ صفت سمجھی گئی ہے ہندوستان میں بالکل ہی معدوم تھی۔ یہاں کے قدیم باشندوں میں حب وطن کی بوٹک نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ہندوؤں کی صحبت نے مسلمانوں سے بھی یہ صفت فراموش کرادی۔ بہت سے مؤرخ خاصیت آپ ہوا پر الزام رکھ کر الگ ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں کی آپ ہوا میں کمولت لازم ہے۔ کمولت کے ساتھ استعداد جاتی رہتی ہے اور استعدادی کے ساتھ حیثیت اور حیثیت کے ساتھ حب الوطنی بھی معدوم ہوتی ہے۔ لیکن ہر کہ یہ توضیح صحیح ہو لیکن اسکے ساتھ ہی ایک دوسرا باعث بھی ہم قرن قیاس سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ

نفس ششم
کا سچا ادو
ماطرین سے
ن کہ بغیر
والدین کا
کی شوگی
سہو جاتا ہے
کو کوئی عمر
ن کو والدین
سہو کوئی
ہو تی ہے
حب
نہیت
ہیں گی
خیال
نی کی
سم بیت
قد م لکھنے
نکے ذریعہ
نہیت

جب شاسترین میٹون کو یہ حق دیا گیا ہو کہ وہ بوڑھے باپ سے اسکی مقبوضہ جائداد
سوروشی کا ایک جزو چھین لیں اور وہ راضی نہ ہو تو حاکم وقت کے ذریعہ سے بجز میٹون
تو اس وجہ سے ضرور الدین پر بیجا دباؤ لڑکون کا رہتا تھا اور اب بھی رہتا ہے۔ بوڑھے بزرگ
باپ کو یہ حکم ہمیشہ نوجوان تجربہ کار میٹون کے مقابلہ میں کمزور رکھتا ہے اور اس کمزوری
ساتھ وہ فطرتی محبت میں بھی ضرور کمزوری پیدا ہوتی ہے جو باپ کو بیٹے کے ساتھ یا بیٹے
کو باپ کے ساتھ مہنی چاہیے۔ اور پھر اس کمزوری کا نتیجہ یہ ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے
اوپر بیان کیا کہ رشتہ نامہ کا خیال نہیں رہتا مہسارہ اور میٹون کا پاس جیسا چاہیے نہیں
ہوتا گویا قومی اتفاق کا تخم شروع ہی سے مارا جاتا ہے۔

مہندو دن مین رامائن تعلیم اخلاق کی ایک عمدہ کتاب ہے۔ مغلہ اور باتون کے یہ امر بھی سہتر
مذکور ہے کہ رام چند جی کو انکے باپ نے بن دباس کا حکم دیا اور انھوں نے نہایت
کشادہ پیشانی سے اس حکم کی تعمیل کی۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس سے لڑکون کو والدین
احکام ماننے کا سبق دیا گیا ہے۔ رام چند جی کے والد بادشاہ وقت تھے اور بادشاہ
کے حکم کی تعمیل ایک طور پر لازمی تھی۔ کسی بے بس باپ کے حکم کی تعمیل اسکے لڑکے
کی جانب سے دکھائی جاتی تو اس سے بھی زیادہ با اثر ہوتی۔ ہم اپنے طور پر
رامائن کے ناصحانہ سبق کو اور بھی عمدگی سے بیان کریں تو کیسا؟ ہم کہتے
ہیں کہ رامائن میں یہ دکھایا گیا ہے کہ باپ کا دباؤ جب بیٹے مانتے ہیں تو تمام
خاندان میں ایک فطرتی محبت نہایت اعلیٰ درجہ پر جوش کراتی ہے۔ درخت
جی کا اشارہ پا کر فوراً رام چند جی اگر اچھوڑ دیتے تو نہیں معلوم
کیا کیا شگوفے کھلتے۔ لیکن چچکے سے اٹکا باپ کے حکم پر رضا مند ہو جانا

باپ کے دل میں الفت فرزند می کے جوش زن ہونے کا باعث ہوا۔
 انکی جلا وطنی کے دن نہایت پیارا اور محبت سے باپ گنتا رہا۔ باپ
 کی خالص محبت دیکھ کر بھرت جی دلیر جہد کی سچی محبت میں بھی شریک پیدا
 ہوئی اور انھوں نے نہایت ہی خلوص سے اپنے سوتیلے بھائی راجندر
 جی کے سامنے تاج و تخت پیش کیا۔ اور بڑے بھائی کا فرمان بردار ہو کر دنیا
 میں رہنا اُس خلوص و محبت کے اعتبار سے جو خاندان کے اچھے برتاؤ سے
 قائم ہوا تھا انکو مرجع معلوم ہوا۔ خلاصہ یہ ہے کہ انظام عالم کا دارا سپر ہے کہ والدین کو
 اولاد سے محبت ہو اولاد کو والدین کا ادب ہو اولاد میں سچائی ہو اور سب با خلوص
 احکام اسلام اس سچائی اور خلوص میں بے انتہاد دہو بخاتے ہیں۔ مزید توضیح کے لیے
 آگے "شرکت خاندان" کی بھی فصل پڑھنا چاہیے۔

فصل ہفتم

صدقہ اور زکوٰۃ

(مصالح عام)

کُل مخلوقات کی حاجتوں کے رفع کرنے کو زمین بنائی گئی ہے۔ دوسرے
 حیوانات کی طرح انسان بھی اپنی تمام ضرورتوں کو زمین ہی کی پیداوار سے
 رفع کرتا ہے۔ لیکن انسان کے لیے جہاں سب رحمتیں ہیں اور واضح ہے
 کہ یہ تمام رحمتیں عقل انسانی کی وجہ سے پیدا ہیں (وہاں یہ بھی ہے کہ محنت
 و مشقت کے بغیر ان ضرورتوں کے رفع ہونے کے وسائل پیدا نہیں ہو سکتے
 ان وسائل کے پیدا کرنے میں بالالتزام محنت کا صرف کرنا پیشہ کہلاتا ہے۔

بآل نفس ہفتم

مقبوضہ جائداد
 سے بچر جو اس
 کو بڑھے تجربہ کار
 اس کمزوری
 کے ساتھ پائے
 کیا کہ ہم نے
 چاہیے نہیں

یہ امر بھی سہج
 نے نہایت
 کو والدین
 اور بادشاہ
 کے لئے

پنے طور پر
 ہم کہتے
 میں تو تمام
 دوسرے
 میں معلوم
 مذہب جانا

کوئی کھیت بوتا ہے۔ کوئی کھیت کاٹتا ہے۔ کوئی کپڑا بناتا ہے۔ کوئی جوتہ بناتا ہے۔ کوئی لکڑی ڈھوتا ہے۔ کوئی مکان بناتا ہے۔ کوئی کپڑے ڈھوتا ہے۔ کوئی کپڑے سیٹا ہے۔ غرض کہ ہر فرد بشر کا کسی نہ کسی کام میں لگا رہنا انتظام عالم قایم رکھنے کے لیے ضروری سمجھا گیا ہے۔ اگر تمام بنی نوع انسان بیکار بیٹھنا اپنی عادت ٹھہرالین تو کام دنیا کاڑک جائیگا۔ اسی اصول پر مذہبی اخلاقی تہذیبی جماعتوں نے اس مسئلہ کو بالاتفاق تسلیم کیا ہے کہ کسب معاش کے لیے انسان کو کوئی نہ کوئی پیشہ کرنا ضرور ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

ابو باد و مدہ و خوشید و فلک در کار اند تا تو نہ بکف آری و بغفلت نہ خوری
لیکن اسکے ساتھ یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ دنیاوی کام کے لیے جتنے ضروری اعضا ہمو دیے گئے ہیں انہیں سے اگر ایک بھی بیکار ہو جائے تو ہم کوئی ذریعہ کسب معاش کا قایم نہیں رکھ سکتے۔ اندھے۔ بولے۔ لنگڑے۔ مجنوں۔ بڑھے۔ بچے۔ ان سب میں وہ قوت کسب معاش کی نہیں ہوتی جو معمولاتِ درست جو انون میں ہوتی ہے۔ اس لیے اخلاقی جماعت نے ان بیچاروں کی ضرورتوں کا رفع کرنا ان لوگوں پر فرض کفایہ ٹھہرایا ہے جبکہ کسی عضو کو فطرت نے بیکار نہیں کیا اس غرض کے پورا کرنے کو صدقہ یا خیرات کہتے ہیں۔ مفصلہ بالا تحریر سے ہمو یہ دکھانا تھا کہ عقل و خیرات لینے کے اہل کون لوگ ہو سکتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کی تمام قوتیں صحیح و سالم ہیں انکو کوئی حق اسکا نہیں ہے کہ بلا کسی معاذتہ کے کوئی شے اپنے اپنا سے جنس سے طلب کریں اور اس لیے نہایت خوار وہ لوگ ہیں جو بہتے کہتے ہیں اور گداگری کو کسب معاش کے لیے ایک پیشہ سمجھتے ہیں۔

ممکن ہے کہ ان کم بہت اپا بچوں کا گروہ پہلے بھی ہو۔ لیکن فی زمانہ انکی بہت بڑی کثرت دیکھی جاتی ہے اور زیادہ تر سفیر لوگوں کی نسلیں اس پیشہ کی عادی ہوتی جاتی ہیں۔ ہندوؤں میں برہمن۔ مسلمانوں میں انکے متبرک مقام کے لوگ یا بزرگان دین کی اولاد زیادہ تر اسی حالت میں نظر آتی ہیں۔ تھوڑے دنوں سے بعض بعض یورپین نے بھی ہند کے مختلف مقامات میں اس پیشہ کو شروع کر دیا ہے۔ ہم بے تکلف یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان حضرات کو گداگری کے طریقے سے روپیہ طلب کرنے کا کوئی استحقاق نہیں ہے۔ اور صرف یہی نہیں ہے کہ وہ بلا حق ایک چیز مانگتے ہیں بلکہ وہ بسا اوقات دوسرے مستحقین کی حق تلفی کے باعث ہوتے ہیں۔ یہ تو ہماری قطعی رائے ہے کہ انکو بلا طلب دینا سخت غلطی ہے۔ لیکن اس میں تاثر ہے کہ اگر وہ مانگ پڑیں تو ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ گو سوال کرنا ان تندرست سالکوں کو ضرور بُرا ہے۔ لیکن ہمارے لیے اظہار شکر ان نعمت کا یہی مقتضا ہونا چاہیے کہ کچھ نہ کچھ ضرور انکے ہاتھ پر رکھ دینا لیکن یہ سمجھ کر کہ ہم ایسے شخص کو دیتے ہیں جسکو لینے کا حق نہیں ہے۔

ہمارے سامنے جب کوئی اندھا یا لنگڑا اگر کھڑا ہوتا ہے تو زبان حال سے یہ درخواست کرتا ہے کہ اللہ نے ہمارے اور تمہارے دونوں کے استعمال کے لیے زمین بنائی ہے۔ ہم اپنی جسمانی ناقابلیت سے متنع نہیں ہو سکتے اور بقدر ہماری کمی کے تمہاری تمت میں افزائش ہوتی ہے اس لیے تم ضمتا ہمارے حق کے متصرف ہوئے۔ ہم اس وقت نہایت بھوکے ہیں۔ ایک چھوٹا سا حصہ تم ہمارے حق کا ادا کرو تو مناسب ہے۔ فرض کیجیے کہ اسکے بعد ہی ایک دوسرا سائل عربو

وئی جوتہ بتاتا
تو تا ہے۔

ان نظام
نسان یکا
بی اخلاقی
کے لیے

ت نفوری
درسی اعضا
یکہ کسب
ہے ہر

بوا لوزن
ن کارغ
نہیں کیا
سے ہکو

ہے کہ جن
سماضو
واروہ

تے ہیں

ترکوں یا ایرانیوں کا بھیس بدلے ہوئے یا برہمن کے روپ میں نمودار ہوا اور
 جھوٹ سیخ ادھر ادھر کی باتیں بنا کر دوا چار روپیہ حاصل کیے اور چلتا ہوا۔ یہ بچارا
 اندھا ہنوز دہلیز کے کنارے لکڑی کے سہارے کھڑا ہوا ہے۔ اور دل میں کہہ
 رہا ہے کہ دنیا میں اللہ نے سبھی کو اندھا بنایا ہے کسی کو آنکھ کا اور کسی کو عقل کا۔
 انسان کو جب اللہ پیٹ بھر کھانے کو دے تو اس پر یہ دیکھنا فرض ہے کہ
 اسکے پڑوس یا راگنڈر یا شہر میں وہ کون کون لوگ ہیں جن سے زیادہ کسب کسب
 اللہ نے لے لیا ہے اور اغنیا کے امتحان کے لیے انہیں بیچارہ بنا کر تھوڑا دیا
 ہے۔ جب ایسے محتاجوں کا سامنا ہو تو انکو ہرگز ذلیل نہ سمجھنا چاہیے۔ اپنی حالت
 پر شکر گزاری چاہیے اور یہ سوچنا چاہیے کہ گھٹانا اور بڑھانا ہر وقت اللہ کے
 اختیار میں ہے۔ (تقریر من تشار و منزل من تشار بیدک الخیر ایک علی کل
 شی قدر۔)

ہمارے نزدیک سب سے زیادہ جاہل اور سب سے زیادہ غافل اور سب سے
 زیادہ بے عقل وہ شخص ہے جس کا دل انسان کو بیچارگی کی حالت میں دیکھ کر کبھ
 نہیں آتا۔ صدقہ دینے کے جو طریقہ اس وقت جاری ہیں اس پر ہم ایک اجالی بحث کرنا
 چاہتے ہیں۔ بعض مقامات پر ہم نے دیکھا ہے کہ صدقہ دینے کے لیے لوگ ہفتہ
 میں ایک دن مقرر کرتے ہیں اور اس دن کے لیے صلاے عام سناکین کو بیجاہلی
 ہے۔ اندھے۔ لونے۔ لنگرے۔ بہرے گرد و نواح سے اگر صبح سے گیارہ بجے
 تک جمع ہوتے ہیں۔ ان بیچاروں کو سائبان میں تو جگہ ملنے سے رہی۔ دھوپ میں
 انکی دلیل کی جاتی ہے۔ جس طرح تھیں شہر میں انسان کو ابھی سے ابھی حالت میں

دیکھانے کے لیے انتظام کیا جاتا ہے اسی طرح انسان کو جبری سے بُری حالت میں دیکھنے کے لیے یہ نافرمانی گاہ بنائی جاتی ہے۔ ہم نے ایسے مجمع بارہا دیکھے لیکن جب ہم نے دیکھا ایک خاص صدمہ ہمارے دل پر پہنچا۔ ہم اُن طبیبوں پر نہایت تعجب کرتے ہیں جنکو انسان کا جبری حالت میں دیکھنا جبراً نہیں معلوم ہوتا۔ ہم نے بھی بارہا تفحص کی نگاہ سے دیکھا کہ ان بیچاروں کو کیا دیا جاتا ہے لیکن کبھی ہم نے مقدار خیرات کو جوئی کس دیکھائی ہے انسان کی ایک وقت کی خوراک کے سولہویں حصہ سے زیادہ نہیں پایا ذیقطن اس طریقہ کو خالصتہً بتلے سمجھنے میں ضرور تامل کریگا۔

ایک عنایت فرا کے ساتھ ایک روز ہم کو شہر میں نکلنے کا اتفاق ہوا گذر گاہوں میں جہاں جہان لنگڑے لوے اندھے نظر آئے انکا ملازم گاڑی سے اتر کر کچھ پیسے اُن بیچاروں کے ہاتھ پر رکھتا اور پھر چلتی ہوئی گاڑی میں سوار ہوتا تھا راہ میں کئی بار ملازم کو چپھٹے اترتے دیکھ کر ہم نے اپنے عنایت فرا سے تنفہا کیا کسی قدر اصرار کے بعد اُس کریم النفس نے یہ فرمایا کہ یہ بیچارے ہماری کمائی میں حق رکھتے ہیں۔ جب ہم انکے پاس سے گزرتے ہیں تو انکے حقوق ہمیں یاد آ جاتے ہیں۔ ہماری ہدایت کے موافق ہمارے ملازم ایسے موقعوں پر خرچ کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور رکھتے ہیں اور ہمارا اشارہ پا کر دیدیا کرتے ہیں۔ ہم اُن بے فکر دن کو دنیا بالکل عبث سمجھتے ہیں جنکے دینے کا نتیجہ صرف اس قدر ہے کہ چند سپید پوشوں کے سامنے ہماری کم فنی کو وہ سخاوت سے تعمیر کرتے ہیں۔ ہم نے کہا بڑا اک اللہ آپ کا طریقہ ضرور قابل تقلید ہے۔

رہوا اور

یہ بیچارے

میں کہ

کو عقل کا

ہے کہ

بیجاں

کر چھوڑ دیا

پنی حالت

کے

علی کل

درجہ

دیکھ کر کھیر

بجٹ کرنا

ہفتہ

دیو جاتی

روئے

رہیں

تین

ایک طریقہ ہم نے خیرات کا یہ بھی دیکھا ہے کہ از دحام میں روپیہ پیسہ
پھینک کر لوٹنے کا تماشہ دیکھا جاتا ہے۔ اس لوٹ مار میں عموماً وہ لوگ
شریک ہوتے ہیں جو خیرات لینے کے اہل نہیں ہوتے۔ اس لوٹ میں اکثر
آپس میں مار پیٹ بھی ہو جاتی ہے اور عموماً زبردست ہی کی جیت رہتی
ہے۔ اس طریقہ کی نسبت ہم اتنا ہی لکھنا کافی سمجھتے ہیں کہ جب جانوروں
کا لڑانا قبیح سمجھا گیا ہے تو آدمیوں کا لڑانا کب مستحسن ہو سکتا ہے۔

بھائیو! روپیہ پیدا کرنے سے روپیہ کا موقع سے خرچ کرنا زیادہ
مشکل ہے۔ دولت انسان کے ساتھ نہیں جاسکتی۔ دولت جب
ہی تک ہماری ہے کہ ہم کو اس کے خرچ کرنے کی قوت حاصل ہے
جب تمہارے خرچ سے روپیہ بچے تو تم اسکو سمجھو کہ وہ دوسروں کا
حق ہے۔ لیکن حقداروں کی تلاش میں کوشش کرو۔ پہلے
اپنے عزیزوں میں دیکھو کون کون محتاج ہیں۔ پھر اپنے پڑوسیوں
اور شہر والوں اور ملاقاتیوں میں محتاجوں کی تلاش کرو۔ یتیموں کو
بھی حقدار سمجھو۔ مسافروں کے ساتھ بھی سلوک کرو۔ لیکن وہ مسافر
نہیں جو گداگری کی غرض سے سفر کرتے ہیں۔

بعض مقامات پر تمام باشندوں کی اتفاق رائے سے محتاجوں
کے حقوق کی پوری حفاظت کی جاتی ہے۔ ہر شخص کچھ نہ کچھ ایک فنڈ
میں حسب حیثیت جمع کرتا جاتا ہے اور اس فنڈ کے متمم ڈھونڈ ڈھونڈ
کرتے ہیں۔ کیا مبارک وہ شہر ہے جہاں یہ دستور ہے

اور کیسے خوش قسمت وہ لوگ ہیں جو ان شہروں میں بستے ہیں۔ ناظرین ان شہروں سے واقف نہ ہونگے کیونکہ ضعف اسلام کے ساتھ یہ شہر بھی معدوم ہو گئے ورنہ اسلام کے اچھے دنوں میں تمام بلاد اسلام میں ایسا ہی دستور تھا اور اس طرح کے چندہ کو اصطلاح شرع میں زکوٰۃ کہتے ہیں۔

(زکوٰۃ)

اسلام میں صدقہ دینے کا ایسا عمدہ طریقہ ہے کہ اسکی نظیر دنیا کی کسی گزشتہ یا موجودہ قوم میں نہیں ہے۔ وہ طریقہ ہے زکوٰۃ دینا۔ زکوٰۃ کے لغوی معنی ہیں ”پاک کرنا“ اصلاح فقہ میں آمدنی کے ایک حصہ کا فقیروں میں تقسیم کر دینا یا زیادہ صحت کے ساتھ کہیے تو حوالان حول کے بعد مال کا چالیسواں حصہ خیرات کرنا زکوٰۃ ہے۔ مشہور یوں ہے کہ مال منر کی ضابطہ نہیں ہوتا۔ اس قول کی صلیت یوں معلوم ہوتی ہے کہ ایک کے مال پر دوسرا حریص ہوتا ہے۔ ایک کا متعلیٰ دوسرے کے رشاک حسد کا باعث ہوتا ہے۔ دوسروں کے مال پر چوروں کے دندان طمع بھی تیز رہتے ہیں۔ دہن سگ بہ بقمہ دوختہ بہ۔ انسان اپنے مال سے کچھ کچھ دوسروں کو بھی دیتا رہے تو لوگوں کے رشاک حسد۔ طمع اور حرص میں خواہ مخواہ کمی ہوگی۔ جب کو نہ ملے گا اسکے دل میں بھی دوسروں کی حاجت براری دیکھ کر اچھے خیالات پیدا ہونگے۔

زکوٰۃ کا مال مساکین کو دیا جاتا ہے۔ پیٹ بھرون کے لیے یہ نہیں ہے زیادہ تر اسکے مستحق وہ لوگ ہیں جو کسب معیشت سے معذور ہیں۔ اندھے لنگڑے۔ لوسے۔ کوڑھی۔ جو کسب معاش نہیں کر سکتے وہ گویا حقدار ہیں ان

روپیہ بیس

ہر دو گ

میں اکثر

بیت رہتی

بافروں

نہ زیادہ

ت جب

صل ہے

سروں کا

پسے

سیدوں

نیموں کو

ہ مسافر

مناجوں

یہ فند

ہ و مؤثر

یہ دستور

لوگوں کی کمائی میں جو اس طرح معذور زمین ہیں۔ خدا نے زمین پیدا کی اور زمین کی ملکیت انسان کے سپرد کر دی۔ انسان کا کام ہے کہ بوجہ اسطفا یا بوجہ زمین کی پیداوار سے اپنے حوائج رفع کرے۔ ملکی انتظام یا انتظام عالم کے قیام کے لیے قواعد بنے ہوئے ہیں انکی پابندی کے ساتھ ہر شخص کو زمین سے مستفید ہونے کا مساوی حق حاصل ہے۔ اب جو معذور ہیں بقدر انکے غیر معذورین کے لیے ذرائع رزق پر تہ سے زائد ہو گئے۔ اور گویا غیر معذورین نے معذورین کے حقوق پر بھی تصرف کیا۔ مثلاً ایک گاؤں میں چار اشخاص پیشہ حادوسی کرتے ہیں اور اوسط آمدنی ان چاروں کی چھ چھ روپیہ ماہوار کی ہے۔ ایک انہیں سے اندھا ہو گیا تو لامحالہ گرد و نواح کے کام بجائے چار کے اب تین تقسیم ہونگے۔ اور ہر ایک کی آمدنی بجائے چھ کے آٹھ ہو جائے گی۔ تو کیا اخلاقاً یہ مناسب نہیں ہے کہ جو ڈیڑ روپیہ کا اضافہ اس اندھے کی وجہ سے دوسروں کو ہوا ہے اس میں سے برائے نام کچھ حصہ اس اندھے کا بھی مقرر کر دیا جائے۔ یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے اسکو بڑے پیمانہ پر پھیلا کر تمام دنیا کے انتظامات کو خیال کر لیجئے۔

اندھے یوے لینگرے۔ کوڑھی اور شیخ فانی تو صریح معذور ہیں مسافر بھی معذور سمجھا جاتا ہے کہ جب تک وہ سفر میں ہے کسب معاش کے ذرائع اسکے لیے بہت کم ہیں۔ جو حضرات انقلاب زمانہ کی وجہ سے تنگ دست ہو گئے ہیں اور باوجود ہر طرح کی ذہانت اور محنت کے قریب قسمت ہر بار انکے خلاف ہی پڑتا ہے۔ وہ بھی جب تک مفلس ہیں معذور اور محتاج سمجھے جائیں گے۔

اب ان سجدہ میں کی پرورش گویا فرض کفایہ ہے اُن لوگوں پر جو معذور اور محتاج نہیں ہیں۔ شرع اسلام نے اس فرض کفایہ پر لوگوں سے سبجہ عمل کو انا حاکم وقت کے تعلق کر دیا ہے۔ اور یہ فرض کفایہ اپنی نوعیت میں بھی ایسا ہی ہے کہ حاکم وقت کی وساطت سے اس پر عمل کیا جائے۔ اسی لیے زکوٰۃ کا روپیہ لوگوں سے وصول کر کے بیت المال میں جمع ہونا محکوم ہے اور بیت المال سے اسکا صرف ہونا مشروع ہے۔ آجکل مہارستان میں بیت المال کے نمونے سے زکوٰۃ دینے والے مسلمان بہت کم ہیں اور جو دیتے بھی ہیں وہ علیحدہ علیحدہ اپنی خوشی سے دیتے ہیں۔ نہ دینے سے یہ دینا کہیں اچھا ہے۔ لیکن اگر شہر کے تمام زکوٰۃ دینے والے مسلمان زکوٰۃ کو ایک جگہ جمع کر دیا کریں اور وہاں سے اکتھ شہر کے تمام مساکین اور فقیروں میں باقاعدہ تقسیم ہو تو بہت اچھا ہو۔ متفرق طور پر دینے سے کسی کو کچھ بھی نہیں ملتا اور کسی کو ضرورت سے بہت زائد مل جاتا ہے۔ حالانکہ شرع میں کسی فقیر کو اس قدر دینا کہ وہ تو نگر ہو جائے مکروہ ہے۔ جس کے پاس ایک دن کی غذا ہو اس کو سوال کرنا منع ہے۔ زیارت گاہوں کے گرد اگر خیرات اور صدقہ کی وجہ سے بڑے متمول ہو جاتے ہیں لیکن شرع محمدی نے اس طرح خیرات کے ٹکڑوں سے متمول ہونا جائز نہیں رکھا ہے۔

زکوٰۃ تو ایک لائبریری صدقہ ہے۔ اسکے علاوہ بھی کوئی شخص محتاجوں کو دیا کرے تو بڑا ثواب ہے۔ اس دینے کو جو ہر شخص کی مرضی اور خواہش پر چھوڑا گیا ہے صدقہ کہتے ہیں۔ اور ان صدقات میں صرف صدقہ یوم عید الفطر

ن پیرا کی
بور اسطیابا سطر
م عالم کے
کو زمین سے
در آئے
غیر معذورین
را شنی ص
ماہوار کی
جائے
جائے گی
کی وجہ سے
بھی مقرر
تمام دنیا

ہیں سافر
کے ذرائع
دست
ہر بار کے
جائیں گے

واجب ہے۔ یہ ایک خفیف مقدار غلہ کی ہے یعنی فی کس نصف صاع گیہوں۔
 (تقریباً دو سیر گیہوں) اور وہ بھی صاحب نصاب پر واجب ہے۔ ہر شخص کے
 لیے نہیں۔

بہر حال محتاجوں کا دنیا زکوٰۃ کے پیرایہ میں ہو یا صدقہ کے پیرایہ میں ہو
 نہایت ہی ضروری امر ہے۔ انسانیت کا تقضا یہی ہے اور خود غرضی کے
 اصول سے بھی یہی مناسب ہے۔ کیا مہنی کہ جب تک تمام ہمسایہ یا شہر کے باشندے
 میٹ بھرنہ کھائیں گے اغنیا کو آرام سے سونا نفیہ ہوگا۔ قحط کے زمانہ میں
 محتاجوں کی کثرت جو بے لطفی اغنیا کے لیے پیدا کر دیتی ہے اسکا تجربہ ادھر کئی
 سال کے متواتر قحط سے بخوبی ہو گیا ہے۔ جابجا مٹر کون پراندھوں اور جڑائیوں
 کی نمائش نہایت ہی دلخراش نظارہ ہوتی ہے۔

ہر مقام کے باشندے کچھ نہ کچھ خیرات یا صدقہ دیتے ہی ہیں۔ اگر وہ اکٹھا
 جمع کر کے مستحقین میں تقسیم کریں تو بہت کچھ حالت شہر کی سدھر جاوے۔ بقاعدہ
 صدقہ دینے کا یہ نتیجہ ہے کہ جابجا بدنا حالت دکھائی دیتی ہے۔ شرع محمدی
 میں زکوٰۃ کے وصول کرنے اور اسکے باقاعدہ خرچ کرنے کے مصالح ایسے
 عمدہ اصول پر مبنی ہیں کہ اسکی مثال دوسری جگہ پائی نہیں جاتی۔

تھوڑے دنوں کا ذکر ہے کہ ہمارا جہ درگجے سنگھ والی ریاست بلرام پور اوڈھ
 نے ایک محتاج خانہ جذامیوں کے لیے بنوایا تھا۔ سیکڑوں جذامی اس میں
 رہتے تھے۔ مکان بہت صاف تھا۔ انتظام بہت عمدہ تھا۔ جذامیوں کے
 کھانے کپڑے کا اچھا بندوبست تھا۔ ہر موسم کے موافق غذا اور پوشش ملتی

تھی۔ نہایت ہی آرام سے وہ رہتے تھے۔ ایک دن ایک شخص نے مجھ سے مفصل کیفیت اس محتاج خانگی بیان کی تو سنکر میرا جی بہت خوش ہوا۔ عرصہ سے میرا خیال تھا کہ ہر شہر کے باشندہ دن کو چاہیے کہ چندہ کر کے ایک ایسا ہی مکان قریب شہر معذورین کے لیے بنوادین۔ اور جب تک وہاں کا خرچ پورا نہ ہو لے دوسرے قسم کے خیرات اور صدقات بند رکھیں۔ میں نے بہت تفصیل کے ساتھ تمام حالات سنے اور سنکر مجھے خیال آیا کہ مسلمانوں کے بیت المال سے بھی یوں ہی معذورین کی پرورش کا انتظام ہوتا تھا۔ اُسی وقت یہ بھی ذہن میں آیا کہ ان محتاجوں کی خبر گیری اور باہمی حسن معاشرت قائم رکھنے کے لیے اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی جو شرع نے زکوٰۃ کے پیرایہ میں قائم کی ہے۔

خیرات کی دو صورتیں شرع میں ہیں۔ ایک تو زکوٰۃ اور دوسرا صدقہ و نذر۔ صورتوں میں محتاجوں کو دیا جاتا ہے۔ لیکن اول صورت فرض ہے اور دوسری مستحب ہے کیا معنی کہ ہر متول پر مال کا چالیسواں حصہ الگ کر کے اُس خزانہ میں داخل کرنا جس سے معذورین کی پرورش گورنمنٹ کرائے فرائض ہے۔ اسلامی گورنمنٹ کا ایک کام یہ بھی ہے کہ وہ متول لوگوں سے زکوٰۃ (چندہ) لیکر مساکین کی پرورش کے لیے فنڈ قائم رکھے۔ یہ فنڈ قحط فتنہ کا بھی کام دیتا ہے۔ معمولی مساکین اور معذورین کی بھی پرورش کرتا ہے۔ اسکے علاوہ جو صاحب کچھ صدقہ کرنا چاہیں۔ تو

درکار خیر حاجت پہچانتا رہیست

میں گویوں۔
ہر شخص کے

پیرایہ میں ہو
رضی کے
رکے باشندہ
زبانہ میں
تجربہ ادھر کی
اور جذبات

ردہ اکتھا
قواعد
محمدی
ایسے

میں پورا دو
اس میں
ن کے
مشاہدتی

جبنا چاہیں وہ دین۔ لیکن اگر انہیں زکوٰۃ واجب ہے تو پہلے زکوٰۃ دے لیں
اسکے بعد جہاں تک چاہیں خیرات کریں۔ اس قدر توفیق کے بعد یہ مسئلہ شرع کا بخوبی
سمجھ میں آسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص کل مال کے قریب زکوٰۃ کی نیت کیے بغیر خیرات
کروے جب بھی زکوٰۃ اسپر سے ساقط نہیں ہوتی۔ زکوٰۃ کا فائدہ خدا ہے۔ اور
اسکے اغراض خدا ہیں۔ ایک کو دوسرے سے ملانا نہیں چاہیے۔

میں نے یہاں اصول سے بحث کی ہے اور زیادہ تر اس کتاب میں میرا یہی
کام ہے۔ کسی کو مغالطہ نہ ہوا سیلے یہ کہنا بیوقوف نہیں ہے کہ اس وقت اسلامی
گورنمنٹ نہ ہونے سے زکوٰۃ کی فرضیت ساقط نہیں ہے۔ یہ تیسرا رکن اسلام کا
ہے اور اسکی پابندی بہت ضروری ہے۔ ہر شخص کو زکوٰۃ نکالنا اگر اسکی حیثیت
اسپر زکوٰۃ واجب کرتی ہے ضروری ہے۔ زکوٰۃ کی طرف سے مسلمان بہت
غافل ہیں اور یہ انکی غلطی ہے۔ سال میں وہ بہت کچھ خیرات کرتے ہیں۔ لیکن
زکوٰۃ کے نام سے نہیں دیتے۔ کیونکہ گاہلی! کون حساب کرے اور تقسیم
کرنا پھرے۔ لوگ سوچتے ہیں کہ بیٹھے بٹھائے درو سر مول لینا کاربے سود کرنا ہے
سند دون میں دیکھیے کہ ادنیٰ بنیا بھی سال ختم ہونے پر اپنا حساب درست کرتا ہے
گزشتہ سال کی حالت خراب ہے تو آئندہ کے لیے وہ نصیحت پکڑتا ہے اور اگر
اچھی ہے تو اسکا دل بڑھتا ہے۔ اور مسلمان امر اسوقت تک حسابت جانچیں گے
جب تک اندرونی خرابیاں لا علاج نہو جائیں۔ ایک یہ صلیحت بھی زکوٰۃ میں ہے
کہ سال کا سال حساب پاک صاف رہتا ہے۔

اسوقت مہذب گورنمنٹوں میں انکم ٹیکس قائم ہے جو ایک طور پر زکوٰۃ کی طرح

وصول کیا جاتا ہے مثلاً جرانگم گس مہندوستان میں ہے وہ شروع شروع ۴۰ روپیہ میں ایک روپیہ لیا جاتا ہے لیکن آگے چل کر چالیس سے کچھ زیادہ لیا جاتا ہے اور زکوٰۃ کی کیفیت ہے کہ جتنا ہی زائد مال ہو اتنا ہی کم لیا جاتا ہے مثلاً چالیس بکری میں ایک بکری اور زائد بکریاں ہوں تو فی صد ایک بکری - انکم گس اور زکوٰۃ کا مقابلہ ایک طور پر اور ہونا چاہیے - انکم گس آمدنی پر لگایا جاتا ہے اور زکوٰۃ مال پر فرض ہوتی ہے اگر مال تجارت میں نہ لگایا جائے جب بھی زکوٰۃ فرض ہوگی - بظاہر یہ سختی معلوم ہوتی ہے لیکن سمجھنے کے بعد معلوم ہوگا کہ اس میں بے انتہا مصلحت ہے -

احکام شرعی محض احکام گورنمنٹ نہیں ہیں جو ملکی انتظام پر مبنی ہوتے ہیں - بلکہ انہیں یہودی خلائق اور اخلاق حسنہ کی تعلیم بھی شامل ہوتی ہے - دیگر گورنمنٹ کے مجموعہ احکام صرف انتظام ملکی سے تعلق رکھتے ہیں - اور مجموعہ احکام شرع محمدی دین - دنیا - اخلاقی - تمدنی - ملکی - مالی تمام تعلقات انسانی سے بحث کرتا ہے آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام باتیں سکھائیں جن پر عمل کرنے سے دنیا میں انسان کو سچی خوشی حاصل ہو سکتی ہے - انہیں ایک کسب معاش بھی ہے جو تمام خوشیوں کی جڑ ہے - رزق تنگ ہے تو خوشی کو سون دور ہے - پیٹ بھرا ہوا ہے تو اطمینان ہے - کسب معاش کے لیے آنحضرتؐ نے دو طریقوں پر زور دیا ہے - ایک حرفت دوسری تجارت - زمین سے چیزیں پیدا کرنے کے طریقے بھی حرفت میں داخل ہیں - ان دونوں میں تجارت کو آنحضرتؐ نے مقدم رکھا ہے - ایک حصہ حرفت میں تو فوٹو

سے لین
رع کا بخوبی
کے غیر خیرات
ہے - اور

میں میرا ہی
سلامی
اسلام کا
حیثیت

بہت
لیکن
در قسم
دکڑا ہے

کرتا ہے
اور اگر
پہنچے
ہے

کی طرح

تجارت میں وقت صرف کرنا چاہیے۔ اسلئے نہیں کہ عرب میں کاشتکاری نہ تھی بلکہ
 اسلئے کہ فی الواقع نفس کاشتکاری تجارت کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے۔ کاشتکاری
 تو ایک مصنوعی طریقہ رزق کا مہند اور ایسے ہی اکثر مقامات میں پیدا کر لیا گیا جو در نہ
 تمام ضروری چیزیں انسان کے لیے خود جابجا پیدا ہیں۔ جانوروں کے بال
 انکی کھال انکے گوشت۔ مچھلیاں۔ سیدہ جات۔ معدنیات۔ ادویات یہ چیزیں
 جہاں ہیں بقدر ہیں اور جہاں نہیں ہیں وہاں بے انتہا سحرز ہیں۔ انکا ایک جگہ
 سے دوسری جگہ پہنچا دینا کہ دنیا کی تمام چیزیں بھتہ رسدی سب کے پاس پہنچ
 جائیں اسی کا نام تجارت ہے۔ تجارت سے بڑھ کر کوئی چیز بنی نوع انسان
 کے لیے بکار آمد نہیں ہے اور نہ تجارت سے بڑھ کر کسی چیز میں نفع ہے بجز
 کی ایک نقل مشہور کہ ایک بڑا تاجر مال تجارت لیکر چلا تو ایک بڑھیا سے مزا چاہنے
 لگا۔ بی! تم کچھ روپیہ دو تو تجارت میں لگا دیا جائے۔ بڑھیا نے کہا کہ نفع کس
 حساب سے ہوگا۔ تاجر نے کہا کہ ہر چھٹے مہینہ سرمایہ دو چند ہو جائیگا۔ بڑھیا نے
 ایک آنہ پیسہ ہنسی ہنسی دیا اور تاجر نے اسے جیب میں رکھ لیا۔ وہ تاجر بعد ازاں
 چین۔ یمن۔ سے جادا۔ جادا سے چین۔ چین سے سیلون۔ سیلون سے
 خلیج فارس۔ فارس سے مصر اور شام۔ شام سے جبل الطارق۔ غرض کہ تمام دنیا
 میں پھرتا پھرتا کوئی بارہ برس کے بعد واپس آیا اور فی الواقع تجارت میں اسکو
 نفع اتنا ہوا کہ قریب قریب ہر چھٹے مہینے سرمایہ دو نا ہوتا رہا۔ دو چار ہزار کے سرمایہ سے
 وہ نکلا تھا اور اب دولت اتنی لایا کہ خلیفہ بغداد نے بھی کبھی آنکھ سے نہ دیکھی تھی۔
 بڑھیا جو ملنے لگی تو تاجر نے دو چار ہزار روپیہ اسکو احساناً دینا چاہا بڑھیا نے کہا۔

بدل فصل ہفتہ
 نہ تھی بلکہ
 ہے کا شکاری
 گیا ہر درہ
 کے بال
 ت یہ چیزیں
 کا ایک جگہ
 پاس پہنچ
 مع انسان
 ہے بچاؤ
 کے مزاج کئے
 ک نفع کس
 ہیائے
 جہاد
 دن سے
 شکہ تمام دنیا
 ت میں اسکو
 لے رہا ہے
 دیکھی تھی
 نے کہا۔

حضرت پانچ لاکھ دلوائے۔ ناظرین اسکو سمجھیں گے اور نہ حساب لگانے کی تکلیف گوارا کریں گے اور اس طرح تجارت کے اندھا دھندہ منافع کے سمجھنے سے محروم رہیں گے اسلئے حساب سجدہ پا جاتا ہے۔ بارہ سال میں چوبیس ششایان ہوئیں۔ ایک آنہ کو چوبیس مرتبہ دونا کیجیے۔

(۱)	۲	(۷)	۳	(۱۳)	۴	(۱۹)	۵
(۲)	۴	(۸)	۵	(۱۴)	۶	(۲۰)	۷
(۳)	۸	(۹)	۷	(۱۵)	۸	(۲۱)	۹
(۴)	۱۰	(۱۰)	۱۱	(۱۶)	۱۲	(۲۲)	۱۰
(۵)	۱۱	(۱۱)	۱۲	(۱۷)	۱۳	(۲۳)	۱۱
(۶)	۱۲	(۱۲)	۱۳	(۱۸)	۱۴	(۲۴)	۱۲

یہی حساب سے ساڑھے دس لاکھ کے قریب ہوئے بڑھیا خوشی میں ایک شہابی بھول گئی تھی وہ صرف پانچ لاکھ کا تقاضا کرتی تھی۔ دیکھیے تجارت میں کیا نفع ہو اگر محنت سے تجارت کی جائے تو سال میں مرابہ کا دو گنا ہو جانا کچھ مشکل نہیں ہے۔ ستھدی سے تجارت کی جائے تو دولت کی انتہا نہ رہے گی۔ ہندوستان میں تو شمال موجود ہے کہ انگلستان کے تاجروں نے ہندوستان کی سلطنت لے لی۔ اب بتائیے اس تجارت کی طرف جس شرع نے عملی طور پر انسان کو مجبور کیا ہو اس سے اچھی کوئی بھی شرع ہو سکتی ہے۔ نہیں۔ شرع محمدی نے سود کو حرام کیا ہے کہ لوگ سود چھوین بہ نسبت تجارت کے فسخ کم ہے۔ اور سراج خلقی پریشی ہے روپیہ نہ دین۔ پھر روپیہ پر زکوٰۃ لگا دی کہ وہ گھر میں

بھی نہ ہنے پائے ورنہ زکوٰۃ ہی دیتے دیتے غائب ہو جائیگا۔ اس طرح لوگوں کو تجارت کرنے پر مجبور کیا۔ آگے روک پیچھے ٹھونک گھوڑے کا جس طرح قدم نکالا جاتا ہے اسی طرح دنیا میں چلنے کا یہ راستہ شرع نے نکالا ہے۔ مسلمان جب تک احکام شرع پر عمل کرتے تھے دنیا میں ان سے زیادہ متمول کوئی قوم نہ تھی۔ عربوں کی تجارت بیت المقدس کے مقولات پر عمل کرنے سے دس صدی عیسوی تک اور اُس کے مابعد زمانہ تک بھی ایسی تھی کہ پہلے کسی قوم کی نہ تھی اور نہ اب کسی ایک قوم کے ہاتھ میں اس طرح تمام دنیا کی تجارت ہے جیسی کہ عربوں کے ہاتھ میں تھی۔ ہم نے شرع محمدی کے احکام بے وجہ نظر انداز کر دیے ہیں ورنہ اسکے اصول ہر حالت اور ہر قوم کے مناسب ہیں وہ اپنی برکتوں کے ساتھ ہر وقت ہم کو مدد دینے کے لیے طیار ہے۔ یہ ہماری نادانی ہے کہ ہم انہیں بیکار سمجھتے ہوئے ہیں۔

(احادیث نبوی)

اسلامی ترقیوں کا سبب تھا اپنی آپ مدد کرنا اور اسلامی تربیت کا گڑھ تھا سنی الوسع دوسروں کا احسان نہ لینا۔ مسلمان دولت پیدا کرنے پر ضرور حرصیں تھے لیکن اسکے ساتھ ہی طریقہ جائز پر عمل کرتے تھے اور خرچ کرنا بھی جانتے تھے۔ مسلمان گنج رکھتے تھے مگر مار گنج نہ تھے اور نہ حصول گنج کی فکر تھی خود کو برباد کرتے تھے۔ آج کل ترقی یافتہ قوموں میں جتنی پسندیدہ باتیں بائبل جاتی ہیں وہ سب مسلمانوں میں تھیں۔ اور وہ سب آنحضرت کے فیض صحبت سے تھیں۔ ایسے مناسب سہا کا سبارہ میں آنحضرت کے چند اقوال بھی بیان کیے جائیں۔

صدقہ لینا اچھا نہیں ہے لیکن حرام بھی نہیں ہے۔ ہاں بغیر شرعی اجازت کے صدقہ کے لیے سوال کرنا فرد حرام ہے۔ یہ احکام عام مسلمانوں کے لیے ہیں۔ لیکن پیغمبر خدا نے اپنے اوپر صدقہ حرام کر رکھا تھا اور اپنے اہل بیت کو بھی صدقہ لینے نہیں دیتے تھے۔ اہل بیت میں بعض کے نزدیک بنو ہاشم بھی شامل ہیں۔ اور اس لیے عام بنو ہاشم صدقہ لینے کے لیے ناقابل سمجھے جاتے تھے۔ اس تخصیص کے سبب بظاہر دو تھے۔ ایک تو یہ کہ آنحضرت صدقہ لیتے تو آپ کی ہر امتین زکوٰۃ اور صدقات کے متعلق خود غرضی پر محول سمجھی جاتیں۔ اور دوسرے یہ کہ صدقہ کا لینا نشان خود داری کے خلاف تھا۔ اور نہ لینا بعض اوقات مساکین کے لیے ستم تھا۔ آنحضرت نے خود کو الگ رکھا لیکن عوام کے لیے ممانعت نہیں کی۔ صریحاً ممانعت کو آخرت کی حد تک پہنچ جاتا اور یہ انتظام عالم کے خلاف ہوتا ایک روز کا ذکر ہے کہ حسن ابن علی نے ایک خرہ صدقہ کا سنہ بین رکھ لیا۔ آنحضرت نے کہا ”کنج کنج“ یعنی متحرک دو اور ارشاد فرمایا تم نہیں جانتے کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے۔ صدقہ کھانے سے خیالات میں ہستی اور بہت میں کمی پیدا ہوتی ہے۔ آنحضرت نے ایک دوسرے موقع پر یوں فرمایا ہے کہ صدقہ لوگوں کا سیل ہے۔ محمد اور اسکی آل داولاد کے لیے حلال نہیں ہے۔ آنحضرت کے پاس جب کوئی چیز کھانے کے لائق کہیں سے آتی تھی تو آنحضرت پوچھتے تھے ”ہدیہ ہے یا صدقہ“ اگر صدقہ ہوتا تھا تو صحابہ کو کھلا دیتے تھے خود نہ کھاتے تھے۔ اور ہدیہ ہوتا تھا تو خود بھی کھاتے تھے۔

ہدیہ اور صدقہ میں فرق کرنا ذرا مشکل ہے لیکن سمجھانے کے لیے یوں

طرح لوگوں کو
طرح قدم
ہے مسلمان
کوئی قوم
صدی
نہ تھی اور
یسی کہ عربوں
بے ہن درہ
کے ساتھ ہر
بیکار سمجھے

کا گڑھا تھا
بھیس تھے
تھے تھے
کو برباد کرتے
وہ سب
ایسے
تھیں۔

کہہ سکتے ہیں کہ صدقہ میں کسی قسم کے معاوضہ کی چشمداشت نہیں ہوتی اور
 ہدیہ میں ایک امید مودوم معاوضہ پانے کی وابستہ ہوتی ہے جسے حساب
 دوستانہ ردول کہتے ہیں۔ آحادیث میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ دوسروں کا تحفہ
 قبول فرماتے تھے اور خود بھی تحفہ دیتے تھے۔ تحفہ اور ہدیہ ایک چیز ہے۔ انہیں
 میں ایک دوسرے کو ہدیہ یا تحفہ دینا اخوت اسلامی کے استحکام کا باعث ہوتا ہے
 اور اسلیے مثل صدقہ دینے کے یہ بھی باعث ثواب سمجھا جاتا ہے۔ تحفہ اُس
 شخص کو بھی دیتے ہیں جسے حاجت نہ ہو۔ لیکن صدقہ صرف محتاج کو دینا چاہیے
 حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے اُن کوئی چیز دی تو انھوں نے عذر
 کیا اور کہا کہ دوسروں کو مجھ سے زیادہ اسکی احتیاج ہے۔ آنحضرتؐ نے
 فرمایا: "اسے لے لو پھر یقین اختیار ہے۔ اپنے پاس رکھنا یا صدقہ کر دینا جب
 کوئی مال بے خواہش اور بے طلب ملے تو لے لینا چاہیے۔ اور نہ ملے تو
 اسکی فکر بھی نہ کرنا چاہیے۔"

صدقہ میں جب معاوضہ کی کوئی امید نہیں ہوتی تو دینے والا لینے والے کو
 محتاج سمجھتا ہے۔ اور لینے والے کی توہین ہوتی ہے۔ اگر مساکین کی وقت
 پر لکھا نہ ہوتا تو یہ جائز نہ رکھا جاتا۔ اسی لیے صدقہ لینا بدرجہ مجبوری روا رکھا گیا ہے
 اور سوائے چند صورتوں کے عام طور پر سوال کرنا حرام قرار پایا ہے۔ گریہ گدائی
 ایک شرعی جرم ہے لیکن ایسا جرم کہ اسکا مرتکب گنہگار ہو عین گنہگار نہ ہو۔ یعنی
 مانگنے والا بدکار اور دینے والا نیکو کار سمجھا جائے۔
 قبضہ سے روایت ہے کہ وہ کسی شخص کے ضامن تھے اور اُسے امداد کے

لیے آنحضرتؐ کے پاس آئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ٹھہرو۔ زکوٰۃ کا مال آنے دو تو ملے گا۔ اور اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ سوال کرنا صرف تین شخصوں کو حلال ہے۔

(۱) اُس شخص کو جو کسی کے دین کا ضامن ہو اور اسے دین تک سوال کرنا درست ہے۔

(۲) جس کسی کا مال تباہ ہو گیا ہو اُسکو محض اپنی گذران کا سامان کرنے کے لیے سوال کرنا درست ہے۔

(۳) جس کسی کو فاقہ کی نوبت پہنچی ہو اور اُسکی قوم کے تین ذمی عقل اُسکی فاقہ کشی پر گواہی دیں تو اُسکو محض اپنی گذران کے سامان کرنے کے لیے سوال کرنا درست ہے۔

سوائے ان تین کے کسی اور کو سوال کرنا درست نہیں ہے۔ اگر وہ سوال کرتا ہے تو حرام کھانا ہے۔

ایک دوسرے موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو شخص مال جمع کرنے کے لیے سوال کرتا ہے وہ آگ کا انگارہ مانگتا ہے۔ اسے اختیار ہے کہ کم مانگے یا زیادہ۔ آنحضرتؐ نے کسی موقع پر یہ بھی فرمایا تھا کہ جو کوئی ہمیشہ سوال کرتا ہے وہ قیامت کے دن اس ٹھیت سے آگیا کہ تنہا پر ایک بوٹی گوشت بھی نہ ہوگا۔ اسوقت ہندوستان میں بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو گدائی اپنا پیشہ سمجھتے ہیں۔ مزدوری کسی قسم کی نہیں کرتے۔ گدائی کو پیشہ آبائی سمجھ کر ناز کرتے ہیں۔ اور ایک طرح پر خود کو مذہبی رہنا سمجھتے ہیں۔ انہیں لوگوں کی شان میں

میں ہوتی اور جسے حساب دوسروں کا تحفہ چیر ہے انہیں ملامت ہوتا ہے تحفہ اُس کے لئے کو دینا چاہیے ہوں نے عذر فرٹ نے نہ کر دینا برب رنے ملے تو

لینے والے کو دین کی وقت روا رکھا گیا ہے۔ گریا گدائی نہ ہو۔ لینے

تعداد کے

آنحضرت کا قول ہے کہ جو شخص مال جمع کرنے کے لیے مانگتا ہے وہ آگ کا انگارہ مانگتا ہے۔ اور دوسرا مقولہ بھی آنحضرت کا انھیں لوگوں کی شان میں ہے کہ قیامت کے دن منہ پر ایک بوٹی گوشت بھی نہ ہوگا۔ اسلام میں گدائی کوئی جائز پیشہ نہیں ہے۔ ہماری بہت بہت ہی بے ایمان تک پہنچی ہے کہ ہر شخص جو محنت و مزدوری سے متفر ہو کر بیچائی اختیار کرتا ہے ہم اُسکو بجا سے ذلیل سمجھنے کے معزز سمجھتے ہیں۔

بعض سالکوں میں یہ بھی خرابی ہے کہ وہ سوال ہی نہیں کرتے بلکہ اڑ جاتے ہیں اور خواہ مخواہ دوسروں کو مجبور کرتے ہیں۔ یہ طریقہ اور بھی ناپسندیدہ ہے۔ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ سوال کرنے میں ضد نہ کیا کرو۔ کوئی مجھ سے سوال کرے اور میں اُسکے مانگنے سے مجبوری اور بے مافوقی کچھ دن تو بخدا ایسا دینا باعث برکت نہ ہوگا۔ حکیم ابن خزام سے روایت ہے کہ انھوں نے آنحضرت سے کچھ مانگا۔ آنحضرت نے کچھ دیا۔ اُسکے بعد پھر مانگا تو آنحضرت نے پھر دیا لیکن ابکی فرمایا۔ حکیم سوال کرنے میں قناعت ملحوظ رہے تو برکت ہوتی ہے۔ لالچ میں برکت نہیں ہوتی۔ اسکی مثال یوں سمجھو کھانا کھاتے جاؤ اور سیری نہ ہو۔ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ حکیم کہتے ہیں ہوا اور انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا کی قسم اب میں عمر بھر کسی سے نہ مانگوں گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کی حاجت ہو جب بھی قناعت کرنا چاہیے۔ عیب بھی کرنے کو بہتر چاہیے۔ سوال کرنے میں خود داری مد نظر رہے تو زائد ملتا ہے۔

دنیا میں دو ہی طریقے کسب کماش کے ہیں۔ محنت و مزدوری سے

حاصل کرنا یا گدائی کرنا۔ باپ دادا کا ترکہ پانے والے یہ سمجھیں کہ یہ کوئی تیسرا طریقہ کسب معاش کا ہے۔ جو دولت آج اُن تک پہنچی ہے اُنکے باپ دادا نے اُسکے پیدا کرنے میں بڑی محنت کی تھی۔ محنت کبھی قومی ہوتی ہے اور کبھی شخصی۔ اگر کوئی قوم محنت کی عادی ہے تو قوم کی قوم متحول ہو جاتی ہے اور پھر گئی گزری حالت میں بھی سیکڑوں برس تک قومی متحول قائم رہتا ہے۔ بہر حال محنت میں بڑی برکت ہے۔ جو شخص محنت حاصل کرنے میں محنت کرتا ہے وہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ”جو شخص اپنی بیٹی پر لکڑی کے گٹھے رستی میں باندھ کر لانا ہے اور اُسکو فروخت کرنا ہے تو اُسکی آبرو قائم رکھتا ہے۔ اور وہ اُن سے کمین اچھا ہے جو لوگوں سے مانگتے پھرتے ہیں کمین پاتے ہیں اور کمین نہیں پاتے۔“ آنحضرتؐ نے اپنی قوم کو محنت اور مزدوری کا سبق بہت اچھا دیا تھا۔ جدوت ابتدائیں یہ سبق پڑھایا جاتا تھا لوگوں کو سخت تکلیف تھی۔ آنحضرتؐ فرماتے تھے گھبراؤ نہیں جس راستے پر میں تمکو چلاتا ہوں اگر تم اُسپر چلو گے تو غریب و زمانہ ہے کہ تم میں ایک بھی غفلت باقی نہ رہے گا۔ آنحضرتؐ کا قول حدیثوں میں یوں منقول ہے: ”صدقہ دو۔ وہ زمانہ قریب ہے کہ صدقہ لیے ہوئے لوگ پھرین گے اور لینے والا نہ ہوگا۔ سب یہی کمین گے۔ کل لاتے تو لیتے آج تو ہکو حاجت نہیں ہے۔“

صدقہ لینے کی توہین کرنا بھی ایک طرح پر محنت و مزدوری کے لیے تاکید کرنا ہے۔ صدقہ لینے کو بارہا آنحضرتؐ نے حقیر ٹھہرایا۔ مسجد نبوی کے منبر پر بارہا اسکا ذکر کیا۔ مثلاً آنحضرتؐ نے کئی مرتبہ فرمایا کہ: ”اوسچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے

ہے وہ آگ کا
شان میں ہے
کوئی جائز
جو محنت و مزدوری
کے سوز

بلکہ اڑ جاتے
مندیدہ ہے۔
سوال
نجد الیاسدینا
آنحضرتؐ سے
لیکن ابکی
لاچ میں
ہو۔ اوپر کا
یا رسولؐ
علوم ہوتا
نے کو ہنر

سے

بہتر ہے۔ اور نچا ہاتھ دینے والا ہے اور نچا ہاتھ لینے والا ہے۔

ایک مرتبہ بعض انصار نے آنحضرتؐ سے کچھ مانگا آپ نے دیا۔ پھر مانگا پھر دیا۔ یہاں تک کہ جو کچھ آپ کے پاس تھا خرچ ہو گیا۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا: "میرے پاس جہاں تک ہو گا میں تم سے دریغ نہ کروں گا۔ لیکن جو شخص سوال سے بچتا ہو خدا بھی اُسکو سچائے رہتا ہے۔ اور قناعت کرنے والوں کو خدا بے پروا کر دیتا ہے اور خدا اُسکو فی الواقع بے پروا اور صابر کر دیتا ہے جو بے پروا رہتا ہے اور صبر کی خواہش رکھتا ہے۔ کوئی بخشش صبر سے بہتر اور فراخ تر کسی کو نہیں دے گئی ہے۔" اس سے یہ تو ظاہر ہی ہے کہ مانگنا معیوب ہے۔ اور پھر اس بیباکی سے مانگنا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور بھی بُرا ہے۔ لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گو آنحضرتؐ کو سائل کا مانگنا بُرا معلوم ہوا لیکن آپ دیتے ہی گئے۔

خدا بر تو پاشد تو بر خلق پاشش

پر عمل کیا۔ انکار نہیں کیا۔ اور سچاے ترش رو ہونے کے نصیحت کے پیرا یہ من سمجھا دیا اور سمجھایا بھی تو سوال پورا کرنے کے بعد تاکہ مانگنے والا یہ نہ سمجھے کہ دینا مقصود نہیں تھا۔ ٹالنے کے لیے نصیحت شروع کر دی۔ لیکن یہ بھی واضح رہے کہ اس حدیث کا منشا وہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان سے دوسرا مسلمان سوال کرے تو خواہ مخواہ وہ پورا کر دیا جائے۔ آنحضرتؐ کی حالت دوسری تھی وہ قوم کے رہنما اور پیشوا تھے۔ خدا کے پیشا بر تھے۔ بہت سی باتیں انکے ساتھ مختص تھیں۔ اگر اس وقت کوئی یہ قصد کرے کہ مانگنے والے کو مایوس نہ کرے تو زندگی اس پر بار ہو جائیگی اور مسلمان ہونا وبال ہو جائے گا۔ آنحضرتؐ کے تمام اقوال چھک

اسے قایم کرنا چاہیے کہ سخاوت کیا ہے بخل کیا ہے۔ اسراف کسے کہتے ہیں اور ایک کے مال سے دوسرے فائدہ اٹھانے کے مستحق کن قیود اور شرائط سے ہیں۔

آنحضرتؐ کو یہ حیثیت پہنچا ہر ہونے کے مال جمع کرنا کتنا بے جوڑ تھا۔ اور اسی لیے آنحضرتؐ دولت و مال جمع کرنے کی فکر نہیں کرتے تھے۔ وڈو کام ایک ساتھ کیونکر کرتے۔ لوگوں کو ہدایت کرتے یا مال کا جمع خرچ جوڑا کرتے۔ اسی لیے آنحضرتؐ کی زندگی کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر آپؐ اس طرح سوتے تھے کہ صبح کے لیے کچھ نہ ہوتا تھا۔ آنحضرتؐ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ”اگر احمد کے بھاڑ کے برابر میرے پاس سونا ہو تو مجھے یہی اچھا معلوم ہو گا کہ میں رات گزرنے کے قبل سب خرچ کر دوں اور اگر کچھ بچاؤں تو اتنا ہی جو کہ ادا سے دین کے لیے ضروری ہو“ اس سے یہ تو معلوم ہوا کہ بہت مال جمع کرنا اور اسی کا مہر و مہنا اچھا نہیں ہے۔ لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ کسی مال کو تین دن تک اپنے پاس رکھنا میوب ہے۔ چنانچہ اسی مضمون کو زائد وضاحت کے ساتھ آنحضرتؐ نے دوسرے موقع پر فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لوگو تمہاری ضرورت سے زائد ہو تو خرچ کر ڈالنا بہتر ہے۔ رکھ چھوڑنا اچھا نہیں۔ اور ضروری اخراجات کے لیے رکھ چھوڑنا بھی بُرا نہیں ہے۔ اور دیتے وقت اس کا حق مرچ سمجھو جبکہ نفقہ تمہارے ذمہ ہے“ بخل کی مذمت اور سخاوت کی تعریف آنحضرتؐ نے بھی کی ہے۔ ایک موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ”بخیل اور سخی کو یوں سمجھو کہ

دو شخص لوہے کے کورتے پہنے ہوئے ہوں اور اُنکے دونوں ہاتھ سینہ اور گردن سے لپٹے ہوں۔ سخی جب صدقہ کرتا ہے تو اُسکا کرتہ ڈھیلا ہو جاتا ہے اور بخیل جب صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو اُسکا کرتہ تنگ ہو جاتا ہے اور بخیل کے حلقے اور بھی جکڑ جاتے ہیں۔ اس حدیث میں سمجھایا گیا ہے کہ دولت ایک قسم کا بار ہے۔ سخی کو سخاوت میں ایسے لطف آتا ہے کہ بار اُسکا ہلکا ہوتا جاتا ہے لیکن بخیل کو خرچ کرنے میں بے انتہا تکلیف ہوتی ہے اور وہ خرچ کے نام سے ڈرتا ہے۔

کسی نے آنحضرتؐ سے پوچھا یا رسول اللہ صدقہ کا بڑا ثواب کب ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب تم بھلے چنگے ہو اور مال جمع کرنے پر چلیں ہو۔ محتاجی کا ڈر ہو اور دولت کی خواہش ہو ایسے وقت کا صدقہ اللہ کو پسند ہے۔ صدقہ دینے میں اس قدر تاخیر نہ کرو کہ جان نکلنے لگے اور تم تقسیم کرنے بیٹھو۔ اس وقت تو وہ خود ہی دوسروں کا مال ہوتا ہے۔

ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ وہ ایک مرتبہ رسول اللہؐ کے پاس آئے اور آنحضرتؐ دلیوار کعبہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ”بہت کعبہ! وہ لوگ بڑے خسارہ میں ہیں“ ابو ذرؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ”مالدار۔ مگر وہ مالدار نہیں جو ادھر ادھر آگے پیچھے داہنے بائیں خرچ کیا کرتے ہیں۔ ایسے لوگ خسارہ میں نہیں ہیں مگر تعداد میں بہت کم ہیں“

صدقہ دینے میں حتی الوسع مستحق کا خیال رکھنا چاہیے۔ لیکن اگر کسی مسکین کو

صدقہ ملجائے تو صدقہ دینے والے کو بچانا نہ چاہیے کیونکہ دنیا ہر حالت میں
 اچھا ہے۔ اسی کو آنحضرتؐ نے برہیل حکایت کسی موقع پر یوں فرمایا ہے کہ
 کسی کو ایک شخص نے کچھ دیا۔ لوگ کہنے لگے کہ رات کا صدقہ چور کے ہاتھ لگا۔
 دینے والے نے شکر خدا کا شکر کیا اور پھر صدقہ دیا۔ دوسرے دن معلوم ہوا
 کہ لینے والا بدکار تھا۔ دینے والے نے خدا کا شکر کر کے پھر تیسرے کو دیا۔ تو لوگوں
 نے یہ کہا کہ ابی پانے والا تو نگر تھا غفلت نہیں تھا۔ دینے والے کو خواب میں
 یہ سمجھا گیا کہ چور صدقہ باکر چوری سے کنارہ کرے اور بدکار شاید بدکاری سے
 باز آئے اور ممکن ہے کہ اُس تو نگر کو صدقہ لینے کے بعد عبرت ہو اور وہ خود بھی
 راہ خدا میں خرچ کرنا شروع کرے۔

خدا بر تو باشد تو بر خلق پاش

کتنا سچا مقولہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے تم کو دیا ہے تم بھی دوسروں کو
 دو۔ خدا تم کو نہ دیتا تو تم سے دوسرے کبھی نہ مانگتے۔ بات نہایت واضح ہے
 جو کسی طرح غلط یا بے جوڑ نہیں ہو سکتی مگر وقت یہ ہے کہ لوگ مالدار ہونے کے
 بعد یہ سمجھتے ہی نہیں کہ خدا نے ان کو دیا۔ بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ محض قوت بازو یا بزر
 تدبیر انھوں نے پیدا کیا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔

کیسا گر غصہ مرد مخورنج ابد اندر حکومت یافتہ گنج

اچھا مانا کہ دولت صرف بزر تدبیر حاصل ہوتی ہے یا محض قوت بازو سے
 پیدا ہوتی ہے۔ لیکن تدبیر عمل میں لانے کی قوت تو خدا ہی نے دی ہے
 انھیں اندھی ہوں۔ کچھ نظر ہی نہ آئے تو تدبیر کہاں صرف کبجا نیگی یا ہاتھ باؤں

۱۸۷

نفل فضیلت

تہ سیدہ ام

ہو جاتا ہے

رزخ کے

ت ایک

کا ہوتا ہے

ج کے

ب ہے

جی کا ڈر

صدقہ

وقت

اسو

نے

نے فرمایا

رسول

ہر ادھر

میں گرے

مرا دار کو

بیکار ہوں تو کمان سے قوت بازو آئے گی۔ بظاہر اسباب تندرستی تو خدا کے
 دیے ہوئے ہیں۔ ہر حالت میں یہی سمجھنا چاہیے کہ دولت خدا کی دی ہوئی ہے
 اور خدا کے دیے ہوئے مال کو راہ خدا میں خرچ کرنا شکر گزاری اور بہادری
 کی نشان ہے۔ اسی مضمون کو آنحضرتؐ نے برسبیل تمثیل عوام کے سمجھانے
 کے لیے حکایت کے پیرایہ میں یوں بیان فرمایا ہے: بنی اسرائیل میں تین
 اشخاص معذور محض تھے۔ ایک کوڑھی دوسرا گنچہ اور تیسرا اندھا تھا خدا نے
 انکی آزمائش کے لیے اپنا فرشتہ بھیجا۔ کوڑھی سے فرشتہ نے پوچھا تو کیا چاہتا ہے؟
 اُس نے جواب دیا: اچھا رنگ۔ اچھا چہرہ اور گندگی کا دور ہونا۔ خدا کی شان سب
 کچھ اُسکی خواہش کے مطابق پورا ہو گیا۔ فرشتہ نے پوچھا اور کیا چاہتا ہے؟ اُس نے
 کہا: ایک اوشنی۔ فرشتہ نے اُسکو ایک گاہن اوشنی دیدی۔ اُسکے بعد وہ گنچہ
 کے پاس گیا اور اُسکی خواہش پوچھی۔ اُس نے اپنی بیماری کے دفع ہونے کی
 اول خواہش کی جب وہ دفع ہوئی تو ایک گاہن گاسے مانگی وہ بھی مل گئی۔
 آخر میں وہ اندھے کے پاس آیا۔ اندھے نے اول دو آنکھیں مانگیں اور پھر
 ایک گاہن بکری طلب کی۔ خدا نے اُسکی خواہش بھی پوری کر دی۔ اور پھر اُنکا
 مال میں اسقدر برکت دی کہ اُنکے مویشی سے تمام جنگل بھر گیا۔ وہی فرشتہ
 پھر اُن تینوں کے پاس آیا۔ اول کوڑھی کے پاس گیا اور کہنے لگا میں مسافر ہوں
 سامان سفر جاتا رہا ہے۔ اسوقت خدا اور تمھاری مہربانی کے سوا کوئی سہارا
 نہیں ہے۔ جس خدا نے تمکو کوڑھی سے اچھا کر کے اتنا سبب دل دیا اُسی کی
 راہ میں میں تم سے ایک اوشنی مانگتا ہوں۔ اُس نے کہا: میرے ذمہ خود اکثر لوگ

حقوق متعلق ہیں تمہارے دینے کو میرے پاس کہاں ہے؟ فرشتہ نے کہا۔ میں تجھے پہچانتا ہوں۔ تو وہی کوڑھی ہے جس سے لوگ نفرت کرتے تھے اور کھانے کا ٹھکانہ تنگ نہ تھا۔ خدا نے تنگ اس حالت سے اس حالت تک پہنچایا پہلے کہاں تھے وہ لوگ جنکے حقوق اب تیرے متعلق ہیں؟ اُس نے جواب دیا کہ ”یہ مال میرے بزرگوں کے وقت سے چلا آتا ہے پہچاننے میں تو نے دھوکا کھایا؟“ فرشتہ نے بدو عادی اور پھر وہ اپنی اصلی حالت پر عود کر آیا۔ نہر گنجے سے ملاقات ہوئی۔ گنجے نے بھی ویسی ہی ناشکری کی اور اُسکا بھی وہی انجام ہوا۔ اندھے کی نوبت آئی تو اندھے نے کہا۔ ”بیشک میں اندھا تھا اور خدا نے مجھے بینا کیا۔“ اُسکے نام پر جتنی بکریاں تیرا دل چاہے لے لے میں ہرگز نہ روکوں گا۔“ فرشتہ نے کہا میں صرف تنگ آتا تھا مجھے ضرورت نہیں ہے۔“

صدقہ دینا۔ عفو تقصیر کرنا اور عاجزی کرنا ان تینوں باتوں کو آنحضرتؐ نے ایک درجہ میں رکھ کر ایک موقع پر یوں فرمایا ہے کہ ”صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا۔ قصور معاف کرنے سے قصور معاف کرنے والے کی عزت اور بڑھ جاتی ہے۔ اللہ کے واسطے فروتنی کرنے والے کا مرتبہ بہشت میں بلند ہوتا ہے۔“

صدقہ کے لیے متحمل ضروری نہیں ہے۔ غریب سے غریب آدمی بھی صدقہ کر سکتا ہے۔ اس مضمون کو آنحضرتؐ نے ایک موقع پر یوں فرمایا کہ ”مسلمانوں کو صدقہ کرنے کا حکم ہے۔“ لوگوں نے عرض کیا کہ ”اگر کسی کے پاس نہ ہو تو کہاں سے صدقہ کرے؟“ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ”کمائے اور اُس سے خود کو اور دوسروں کو نفع پہنچائے۔“ ایک نے عرض کیا کہ ”وہ کہاں سے سکے؟“

آپ نے فرمایا کہ ”حاجت مند و غلین کی مدد ہی کرے“۔ لوگوں نے کہا کہ مدد بھی نہ کر سکے۔ تو فرمایا ”اچھی بات ہی بتائے۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو اپنی برائیوں سے لوگوں کو بچائے رہے کہ یہ بھی ایک صدقہ ہے“۔ اسی مضمون کو کسی شاعر نے باندھا ہے۔

مرا زخیر تو امید نیست شمر مرسان

اور ایک موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ”آدمی کے جڑ جوڑ پر ہر روز صدقہ لازم آتا ہے۔ دو شخصوں میں انصاف کر دینا صدقہ ہے۔ کسی کی مدد کرنا مثلاً کسی کو خود اسکی سواری پر سوار الگا کر سوار کر دینا یا اسکا اسباب لہر دینا بھی صدقہ ہے۔ اچھی بات کسنا بھی صدقہ ہے۔ نماز کے لیے قدم اٹھانا بھی صدقہ ہے۔ رہ گزر سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔ ایک موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اپنی بی بی کے ساتھ صحبت کرنا بھی صدقہ ہے۔ کسی نے عرض کیا وہ تو اپنی خواہش نفس پوری کرتا ہے صدقہ کیسا۔ آپ نے فرمایا وہ ایسی خواہش کو حرام طور سے پوری کر سکتا تھا۔ اُسے جائز طور پر پوری کی تو بیشک ثواب کا کام کیا۔ پھر ایک اور موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ”ایک فاحشہ عورت نے ایک گتے کو پیاس سے مرنا ہوا دیکھ کر اپنا موزہ اتارا اور اڑھنی میں اُسے باندھ کر گتے کے لیے پانی بھرا۔ خدا نے اسکو اس نیکی کے صلہ میں بخش دیا“۔ کسی نے پوچھا کہ جانوروں کے ساتھ بھی سلوک کرنا باعث ثواب ہے۔ آپ نے فرمایا۔

ہاں۔ ہر جاندار کے ساتھ سلوک کرنا باعث ثواب ہے۔

بعض آدمی ایسے ہیں کہ گھر کے لوگ فاقہ کرتے ہیں۔ بھوکوں مرنے ہیں۔

اور وہ اپنے اسراف کی وجہ سے باہر ٹپے سختی سمجھے جاتے ہیں۔ پھر سیون کو قربانی کا گوشت تک نہیں کھلاتے اور نام کے لیے راہ چلتوں کو سب کچھ دے ڈالتے ہیں۔ اسی کے متعلق آنحضرتؐ نے خرچ کرنے کی تہذیب سکھائی ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "بہترین صدقہ وہ ہے جو اسودگی کے ساتھ ہو اور پہلے اُسکو دے جبکہ نفقہ اُسپر واجب ہے۔" دوسرے موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا: "جب کوئی مسلمان گھر والوں کو حصول ثواب کی امید پر کچھ دیتا ہے تو اُسکو صدقہ ہی کا ثواب ہوتا ہے۔" تیسرے موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ: "اگر تو خدا کی راہ میں دے۔ کسی کی گردن چھڑانے میں خرچ کرے (یعنی کسی کو دین سے سبکدوش کرے یا غلامی سے آزاد کرادے)۔ اسکی گردن دے اور اپنے گھر والوں کو دے تو ان سب میں اُس مال کا زیادہ ثواب ملیگا۔ جبکہ تو نے اپنے گھر والوں میں خرچ کیا ہے۔" ایک چوتھے موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ: "بال بچوں میں خرچ کرنا جہاد کے لیے جانور پالنے میں خرچ کرنا اور اپنی دوستوں کے لیے خرچ کرنا تمام خرچوں سے بہتر ہے۔"

ام سلمہؓ نے پوچھا یا رسول اللہؐ اگر میں ابو سلمہ کے لئے کون کو جو میرے بطن سے پیدا ہوں کچھ دون تو ثواب مجھے ملے گا۔ آپؐ نے فرمایا ہاں ملیگا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ قرابت مند کو دینے کا دوسرا ثواب ہے۔ ایک ثواب قرابت دوسرا ثواب صدقہ۔

حضرت عائشہؓ نے پوچھا یا رسول اللہؐ میرے دو پڑوسی ہیں۔ انہیں سے کسکو ہدیہ دون۔ آنحضرتؐ نے فرمایا جبکہ دروازہ زیادہ قریب ہو۔ ابو ذرؓ سے

نفل

وہی

ن

شاعر

لازم آتا

سکی

بھی بات

رہ گزر

حضرت

عرض کیا

وہ ایسی

ثواب کا

نے

باندھ کر

سی نے

نے فرمایا۔

تے ہیں

روایت ہے کہ ایک دن اُسے رسول اللہ نے فرمایا کہ ”جب شوزیا بکاؤ تو پانی زیادہ ڈالو اور اپنے پڑوسیوں کو دو۔“

مدینہ میں سب انصار سے زائد تر مالدار حضرت ابو طلحہؓ تھے انکا ایک باغ بیروہ نام مسجد نبوی کے قریب تھا۔ وہ باغ نہایت ہی اچھا تھا۔ آنحضرتؐ بھی اُس باغ میں اکثر جایا کرتے تھے۔ اور حضرت ابو طلحہؓ کو بھی وہ باغ بہت پسند تھا جب یہ آیت اُتری ”لن تالوا البر حتی تنفقوا مما تجعون“ (جب تک اپنی پیاری چیزیں کو راہ خدا میں نہ دو گے نیکی کو نہ پہنچو گے) تو حضرت ابو طلحہؓ نے رسول اللہؐ سے عرض کیا کہ اس باغ سے مجھے کوئی شے زائد تر پیاری نہیں ہے میں نے اسکو اللہ کے واسطے صدقہ کیا جہاں آپ مناسب سمجھے خرچ کیجیے۔ اس موقع پر آنحضرتؐ اگر خود غرضی کو کام میں لاتے تو فرماتے بہت اچھا خدا کی راہ میں وقف کرو۔ میں انتظام کر لوں گا۔ اپنی مسجد کے پاس آجکے ایک باغ نہایت اچھا مفت ہاتھ آتا تھا۔ مگر وہاں تو خود غرضی چھو بھی نہیں گئی تھی۔ تعلیم اخلاق سنہ اور اصلاح قوم مد نظر تھی۔ آپ نے فرمایا کہ ”واہ واہ۔ یہ مال تو بڑے فائدہ کا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم اُسے اپنے اقربا میں تقسیم کرو۔“ ابو طلحہؓ نے اُسے اپنے اقربا اور بنی اعمام میں تقسیم کر دیا۔ آنحضرتؐ کی سفعت مزاجی اور علو ہمتی کو دیکھیے۔ یہ اُسوقت کا ذکر ہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ فاقہ کشوں کی ایک جماعت کثیرہ بے لقب ”ہماجر“ آپ کے ساتھ تھی۔ انکو بہت ضرورت اس قسم کی برکی تھی۔ آنحضرتؐ پر گویا انکا بار تھا۔ ابو طلحہؓ کیسا اچھا باغ ان مساکین کے لیے دیتے تھے۔ مگر آنحضرتؐ نے عدل کو ہاتھ سے نہ دیا اور فرمایا کہ تمہارے اقربا

کیا کم محتاج ہیں۔ ایک طرف تو یہ حدیث نبویؐ پڑھیے اور دوسری طرف حال کا ایک واقعہ ہمارا کاسنیے۔ پانچ چار سال کا عرصہ گزرا۔ ایک بڑی مالدار بیوہ کو لوگوں نے یہ راسے دی کہ وہ اپنی جائیداد وقف کر دے۔ اس بیچاری بیوہ نے یہ سمجھ کر گمراہ خدا میں دنیا عزیزوں اور رشتہ داروں کے دینے سے زائد ثواب کا موجب ہو گا۔ اپنی تمام جائیداد کا خیرین وقف کر دی۔ اور ایک غیر شخص کو متولی کر دیا اور اپنے تمام اقربہ کو جو اسکی حیات میں اسکی جائیداد سے پرورش پاتے تھے بالکل محروم کر دیا۔ اتنے بڑے معاملہ میں کسی ایک شخص نے بھی اس بیچاری کو راہ راست نہ بتائی۔ ہم نے اخباروں میں پڑھا تو راولپنڈی سے گلگت تک تمام مسلمان اخبار اس کی فیاضی کے مدح خوان تھے بمبئی سے مدراس تک اسکا شہرہ ہوا اور وہاں کے اخباروں نے بھی تعریف کا کوئی درجہ اٹھا نہیں رکھا۔ اُس زمانہ میں اخبار الوقت کے ہم اڈیٹر تھے۔ ہم نے تمام اخباروں سے اختلاف کیا اور یہ لکھا کہ اس بیچاری عورت کو شرعی معلومات نہ تھی۔ لوگوں نے اسکو دھوکا دیا۔ وہ اپنے اقربہ کو دیتی تو اس سے کہیں اچھا ہوتا۔ نقارخانہ میں طوطی کی آواز۔ ایک تنہا ہمارا لکھنا اور وہ بھی انتظام ہو جانے کے بعد۔ ہماری تحریر کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اس موقع پر حکومت یہ کہنا ہے کہ اسوقت تمام قوم کے ذہن میں یہ بات ہے کہ اپنے رشتہ دار کو کچھ دینا ثواب کا باعث نہیں ہے۔ اور یہ خیال پیدا ہوا ہے خود غرض نامحسوس اور داغظوں کی بدولت کہ وہ اپنے ہی ایسوں کو دینا باعث حسنات بتاتے ہیں۔ کبھی یہ نہیں سناتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

پاک و توانی

یہ باغ

مفرت

بیت

اپنی

اللہ

ہے میں

اس قوم

ہ میں

بیت اچھا

سند

فائدہ کا

نے اسے

موسمیتی

ایک

قسم کی

لکھے

سے اقربا

نے بخشش اور کرم کے متعلق کیا کیا ہدایتیں کی ہیں۔ ایک واقعہ یہیں اور بھی یاد ہے کہ ایک مسلمان نے ایک بڑے مولوی صاحب کے پاس جو خود بھی متمول اور مالدار تھے حاضر ہو کر یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ اپنی خجندہ گائے مسجید کے لیے وقف کرنا چاہتا ہے اور خود مولوی صاحب کو متولی کرنے آیا ہے۔ مولوی کی باچھین کھل گئیں کہ خوب شکار ہاتھ آیا۔ نہایت عجلت کے ساتھ اُٹھون نے قبالہ جیٹری کر لیا۔ اور یہ نہ پوچھا کہ تیرے چھوٹے چھوٹے یتیم نواسے جنکی تو پرورش کرتا ہے تیرے بعد کیا کھائیں گے۔ اپنی تمام جائداد سے تو ان معصوموں کو کیوں محروم کرتا ہے۔

فصل ششم

عربوں کی بہادری

بہادری کے سمجھنے میں لوگوں نے غلطیاں کی ہیں یا یوں کہیے کہ مختلف حالتوں میں اس کے مختلف معنی سمجھے گئے ہیں۔ ایک ہی قوم اپنی ترقی کے زمانہ میں بہادری کے معنی کچھ سمجھتی ہے اور تترتل کے وقت کچھ خیال کرتی ہے۔ اس لیے ہم بہادری کو اس معنی میں لیتے ہیں جو ہر ایک قوم اپنے عروج کے زمانہ میں سمجھتی آئی ہے۔ ظلم اور خوٹواری کو بہادری نہیں کہتے بلکہ بہادری اخلاق حسنہ کی ایک شاخ ہے۔ یا یہ کہ تکمیل اخلاق حسنہ کا ایک نتیجہ ہے۔ جب کسی قوم میں حیا۔ حمیت۔ خود داری اور راست بازی درجہ کمال کو پہنچتی ہے تو خود بخود وہ بہادری ہو جاتی ہے۔ اور اگر اسکے ساتھ زور بازو بھی ہے تو کیا کتنا سونے میں سونا لگے ہے لیکن محض خون بہانا کسی طرح بہادری نہیں ہے۔ جلاؤ کو کوئی بھی بہادر

نہیں کہتا۔ شکاری رات دن جان مارتے ہیں۔ فصائی جان مارنے کا پیشہ رکھتے ہیں۔ ڈاکو آدمیوں کے قتل اور غارت پر ہر وقت مستعد رہتے ہیں لیکن انہیں سے کوئی بھی بہادر نہیں کہلاتا۔

اسی طرح اپنی جان دینا بھی بہادری نہیں ہے درہم خودکشی کرنے والے سب سے بڑے بہادر سمجھے جاتے۔ حالانکہ تمام عقلاے زمانہ اس پر متفق ہیں کہ نوع انسانی میں سب سے زیادہ بودا وہ ہے جو اپنی جان دیکر دنیا کی زحمتوں سے بچنا چاہتا ہے۔ بال بچے چھوڑ کر بھاڑوں اور جنگوں میں جا پھینے والے دنیا کی زحمتوں سے گھبرا کر جان دینے والے۔ غصہ سے مغلوب ہو کر خودکشی کرنے والے یہ سب ایک ہی مدین ہیں اور دنیا کے کمزور ترین انسانوں میں شمار کیے جانے کے لائق ہیں۔ ہندوستان میں عورتیں زیادہ خودکشی کرتی ہیں۔ یاسر سے لڑائی ہوئی یا شوہر کی کوئی حرکت ناگوار گزری اور جان کھیل گئیں۔ کنوئیں میں کود پڑیں یا کوئی زہریلی چیز کھالی۔ لڑائیوں میں گھر سے ٹھان کر مرنے کے لیے کھٹنا بھی بہادری نہیں ہے۔ پردانے شمع پر جان دینے کے لیے حملہ کرتے ہیں نہ کہ شمع کے گل کرنے کو۔ اگر پردانے بہادر ہیں تو وہ لوگ بھی بہادر ہیں جو گھر سے یہ سمجھ کر نکلے ہیں کہ بے مرے والیں نہ آئیں گے۔

ہندوستان کے چھتری بہت بہادر مشہور ہیں۔ لیکن میرے نزدیک گودہ لڑنیوالی قوم سے ہیں۔ جانبازی انکا پیشہ ہے۔ لیکن بہادری کو ان سے کوئی نسبت نہیں ہے اگر وہ بہادر ہیں تو دنیا میں ہر ایک بہادر ہے اگر بھی بہادری ہے تو دنیا میں کوئی بھی مبذول نہیں ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ مہابھارت کے چھتریوں کو

میں اور

پاس جو

ضد دکان

رہنے آیا

محبت

پوٹے

اپنی

فحائل

نہادری

بہادری کو

ہے۔

شاخ

بت۔

باد

سواگر

بہادر

بھی ہم بہادر نہیں کہتے یا اُسکے قبل کے ہندوستانی بہادروں کے ہم قابل نہیں ہیں۔ ہم ہر قوم میں بہادری پاتے ہیں۔ لیکن بہادروں کا وجود قومی عروج تک محدود جانتے ہیں۔ بہادری ایک ایسی شے ہے جسکو قومی عروج سے بے انتہا تعلق ہے۔ ہندوستان میں جب عروج تھا تو بیان کے چھتریوں نے بیشک بڑے بڑے نمایاں کام کیے۔ لیکن قومی عروج کے ساتھ جب قومی بہادری بھی مٹ گئی تو ان چھتریوں کے ساتھ بہادری کا لقب ایسا ہی رہ گیا جیسا کہ گذشتہ اہم کے بعد بہت سے علاقہ داروں کے پاس جاگیر ضبط ہو جانے کے بعد بھی پروانہ باقی رہ گئے۔

جسکو حیرت ہے کہ جب بیان کے لوگ چھتریوں کی بہادری کا ذکر کرتے ہیں تو اُسی زمانہ کے چھتریوں کو یاد کرتے ہیں جب انہیں بہادری کا نام بھی نہ تھا۔ مثلاً چھتریوں کا اپنے لڑکے بالوں کو ترہیج کر کے میدان جنگ میں جانا چھتریوں کی بہادری کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ شروع میں جب تاریخوں میں ہم ٹیڑھا کر فلان مقام کے راجپوت اپنی جوروں اور بچوں کو تہ تیج کر کے میدان جنگ کی طرف بڑھے اور نہایت دلیری سے خود کو ملک پر قربان کر دیا تو ہمارے دل میں اُنکی عظمت قائم ہوئی۔ لیکن اب غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ایسا کم بہت شخص جو پہلے سے اپنی ناکامی فرض کر کے عورتوں کو تہ تیج کرتا ہے اور ایسا شخص جو گھر کی عورتوں کو اپنی جہالت سے اپنے اوپر پہلے سے قربان کر دینا میں باک نہیں رکھتا وہ ایسی تنگ خیالی اور ایسی پست حوصلگی میں دشمنوں سے کیا ہتھیار کرے گا۔

ایک تاریخ میں ہم نے پڑھا ہے کہ اکبر کے زمانہ میں بڑے بہادر چھتری تھے اور کبھی کبھی بعض انہیں کے جوش بہادری میں تلوار کی نوک سپٹ میں گھسیٹ لیتے تھے۔ اکبر نے ایک روز ایک تلوار ہاتھ میں اٹھائی اور چاہا کہ اپنے سپٹ میں مارے اور لوگوں پر ثابت کرے کہ وہ بہادری میں کسی طرح چھتریوں سے کم نہیں ہے۔ حکو جرت ہے کہ چھتریوں کے اس فعل کو بہادری سے اُس منحرف نے تعبیر کیا ہے۔ اور پھر اس سے زیادہ جرت اس پر ہے کہ اُسے اکبر اسد جہاں تصور کیا۔ اگر یہ حکایت سچ ہے تو اسکو یوں سمجھا جائے کہ اکبر نے اپنے چند ندموں کو آزمانا چاہا۔ ”شرط عقل ست بدگمان بودن“ پر اُسے عمل کے چند اراکین دولت کو جمع کیا اور چھتریوں کی بہادری کا ذکر کر کے ایک جوش کی حالت اپنے ادب پٹاری کی اور تلوار کا پیدیا شکم پر رکھ کر دیوار سے قبضہ کو اڑایا۔ اور ایسا ظاہر کیا کہ بادشاہ خود کو ہلاک کیا چاہتا ہے۔ ندمیوں نے تلوار اٹھیں کر بادشاہ کی جان نہیں بلکہ اپنی جان بچائی۔ اگر وہ ہاں ہاں کر کے تلوار بکڑنے لیتے تو ان سب پر آہنٹی۔ بادشاہ مجنون نہ تھا کہ اپنے کو ہلاک کرتا لیکن ممکن تھا کہ وہ آئندہ ان تماشہ بینوں کی ہلاکت کے لیے مجنون بن جاتا یا کسی اور حکمت علی سے ان سب کا خاتمہ کر دیتا۔

بہادری کے لیے خیال میں قوت اور دل میں مضبوطی کا ہونا ضرور ہے۔ جیسا اور بہت لازمی ہے۔ استقلال اور جہت تو گویا اسکا جزو اعظم ہے۔ اتفاق اور راستبازی گویا قومی بہادری کے پادشہ ہیں۔ سیرجی۔ خودداری۔ عالی حوصلگی اور جبر ہے اس لیے بہادری کے لیے اتنی سب صفوں کا ہونا ضرور ہے اور یہ صفات

جائز نہیں
جنگ تک
بے انتہا
بیشک
بہادری
بسا کفرد
نے کے

ہیں تو
مثلاً
کی
نہیں
بران
سے
کم
اور
کر دینے
سے

کسی قوم میں جمع نہیں ہوتیں جب تک اُسکے عروج کا وقت نہیں آتا۔ قوم منکوب میں بہادری کا ہونا کسی طرح تجربہ تسلیم نہیں کرتا۔

دنیا میں ایک سے ایک بڑھ کر باقبال قوم گزری ہے اور اس لیے ایک سے ایک بڑھ کر بہادر بھی گزرے ہونگے۔ پورانے حالات بخوبی نہیں معلوم ہوتے اور معلوم بھی ہوں تو انہر و ثوق کرنے کے ذرائع مفقود ہیں۔ صرف ایک مسلمان میں جنگی تاریخ ازاو دل تا آخر صحت کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ اور جب کسی تاریخی واقعات کو بہ نظر و ثوق دیکھنا ہو تو صرف یہ تلاش کرنا چاہیے کہ مسلمانوں کی پرانی تاریخوں میں یعنی ان تاریخوں میں جو انکی ترقی کے زمانہ میں لکھی گئیں اُسکا پتہ لگتا ہے یا نہیں۔ ہم جب مسلمانوں کی تاریخ میں بہادریوں کی تلاش کرتے ہیں تو انہیں بے انتہا بہادر پاتے ہیں اور مسلمانوں ہی میں ہکو سچی بہادری نظر آتی ہے۔ انکے اخلاق حسنہ بہت درست تھے۔ اس لیے انکی عادت اور انکا قومی شعار بہادری میں بڑی مدد دیتا تھا۔

مثلاً ہندوؤں میں یہ دستور تھا کہ شوہروں کے مرنے پر عورتیں اپنی جان دے ڈالتی تھیں اور جو زندہ رہتی تھیں وہ بیوہ ہو کر مردوں سے بھی بدتر زندگی بسر کرتی تھیں۔ ایک بہادر سے بہادر چھتری گھر سے نکلا اور بی بی نے نڈاپے کی مصیبت یاد کر کے رونا شروع کیا۔ اس چھتری میں انسانیت ہے تو قوم۔ افسوس اپنے نام سے زیادہ بی بی کا پاس خاطر مد نظر رکھے گا۔ اب وہ چھتری میدان میں جا کر کیا خاک جان دے گا۔ اگر اُسے جان دینا ہے تو پہلے ہی سے رونے والوں کا خاتمہ کر کے گھر سے نکلے گا اور پھر اپنی جان دیکر گھروالوں کے

پاس دوسرے عالم میں پہنچ جانے کی کوشش کرے گا۔ پچارہ چھتری بڑا شجاع ہے لیکن اُسکے قانون تمدن کے نقص نے اُسے بے انتہا بودا بنادیا ہے۔ اب اسی کے ساتھ ایک مسلمان سپاہی کو دیکھیے کہ اُسکی بی بی اپنے شوہر میں بہادری کی صفت کو تمام صفات سے بالا سمجھتی ہے۔ گئی گزری حالت میں شیرا فگن کی بی بی نور جہان ایک عرصہ تک جہانگیر کی زوجیت میں آنے سے محض اسلیے انکار کرتی رہی کہ شیرا فگن ایسے بہادر کے بعد وہ جہانگیر کی بی بی کیا بنے۔ راجہ کی بی بی بننے سے وہ بہادر سپاہی کی بی بی بننا مرجع جانتی تھی۔ عربوں کی لڑائیوں کی یہ کیفیت تھی کہ عورتیں ہمت دلانے والے بابے بجاتی تھیں اور گیت گاتی تھیں۔ ایک عورت شوہر کا دامن پکڑے ہوئے قبل از وقت رو رہی ہے اور دوسری میدان جنگ میں اُسے لڑائی کے لیے مستعد کر رہی ہے۔ اب بتائیے یہ قومی شعار کہاں تک دونوں کے شوہروں کی شجاعت پر اثر ڈالے گا۔ یہیں سے صاف عیاں ہے کہ جن خاندانوں میں عقیدہ ہوگا کہ دستور نہیں ہے انہیں میدان جنگ کی بہادری بھی مفقود ہوگی۔

لڑکوں کو ماؤں سے فزور محبت ہوتی ہے اور جب لڑکے کسی سخت مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو انکو بسا اوقات ضیال موت سے زیادہ تکلیف اپنی ماؤں کے غمگین ہونے کی ہوتی ہے۔ جہاں قوم میں زور نہیں ہوتا اور عورتوں میں آزادی نہیں ہوتی وہاں کی مائیں ایسی ہی ہوتی ہیں جیسی کہ اس وقت ہندوستان کی مائیں ہیں۔ برخلاف اسکے عرب کی مائیں اپنی عزت سمجھتی تھیں جب اُنکے لڑکے قومی لڑائیوں میں خود کو قوم پر تثار کرتے تھے۔ جہاں گھر کے

ما۔ قوم مذکور

بے ایک سے

موم ہوتے

صرف ایک

اور جب

یہ کہ مسلمانوں

میں لکھی

بہادری کی

ہی میں ہکو

اس لیے

بی جان

بید تر زندگی

نڈاپے

ہے قوم

چھتری

ہلے ہی

لڑائیوں کے

تمام لوگ خواہشمند ہونگے کہ مرد میدانِ زرنگاہ میں اپنی بہادری دکھائے وہاں
 بوردے سے بودار لڑنے والا بھی بہادر ہو جائیگا۔ اور جب ایک طرف مان رو رہی
 ہے۔ دوسری طرف بی بی دامن پکڑے ہوئے۔ لڑکے الگ ٹخنہ لٹکائے ہوئے
 بیٹھے ہیں تو میدانِ جنگ کے عازم کو میدانِ جنگ میں جانا گویا سولی کا چڑھنا ہے
 اور ایسی حالت میں وہ جیسی بہادری کرے گا ظاہر ہے۔

اکیلا چنا بھاڑ کیا پھوڑے گا۔ شخصی بہادری کسی شمار میں نہیں ہے جب تک
 قوم کی قوم بہادر نہ ہو۔ جب تک کسی قوم میں حمیت۔ خود داری۔ شرم نہ ہوگی
 اُس میں حب وطنی پیدا نہ ہوگی اور جب تک حب وطنی نہ ہوگی اتفاق نہ ہوگا۔
 اور جب تک اتفاق نہ ہوگا بہادری نہ ہوگی۔ اگلے پچھلے حالات انسان کو بہادر
 بناتے ہیں جس طرح ناموافق ہوا میں بار بار بی جواز نہیں چل سکتا اسی طرح کوئی
 شخص اپنی بہادری نہیں دکھا سکتا جب تک اُس کے ہمارا اُس کے موید نہ ہوں۔ اور
 اسی لیے وہ قوم بہادر نہیں ہو سکتی جس میں اتفاق اور حب وطنی نہیں ہے۔

ادام باطلہ بھی بہت زیادہ بہادری کے سنا فی ہیں۔ ایک شخص میدانِ جنگ
 میں محض تلوار کے زور سے اور شہیتِ ایزدی پر بھروسہ کر کے آیا ہے۔ اور
 دوسرا ہے کہ چلتے وقت ساعت اُسکی نہیں بنی۔ خال بد اور شکون بد سے
 دل اُسکا لرز رہا ہے۔ خواب پریشان اس نے رات کو دیکھا تھا۔ جی ڈر رہا ہے۔
 بخوشیوں نے اگر پہلے سے ڈرا دیا ہے تو ہاتھ پاؤں قبل از وقت رہ جاتے ہیں
 اور اگر خوشخبری سنا دی ہے تو وہ بد خبری سے بھی زیادہ جڑا اثر رکھتی ہے کہ طبیعت
 نے تکیہ کر لیا اور جالفشانی سے جی جو رانے لگی۔ اب بتائیے یہ پچھلا شخص جو ان

تمام زحمتوں اور کھٹڑوں میں بھنسا ہوا ہے اُس جو انہر کے مقابلہ میں بھلا گیا بھتیجا کرے گا جسکو صرف اپنی تلوار پر بھر دیا ہے۔

بُت پرستی بھی انسان کی بہادری میں فرق ڈالتی ہے۔ اگر بُت پرستی کے صرف یہ سنی ہین کہ پروردگار کے دھیان کرنے کے لیے اس طرح کوئی شے سامنے رکھ لی جس طرح بچے الف بے لکھنا سیکھتے ہین اور اُس تار سے سختی پر پہلے نقش بنوا لیتے ہین اور پھر اُس پر قلم پھرتے ہین تو چند ان مضائقہ نہیں لیکن مشکل تو یہ ہے کہ اس اصول پر بڑے بڑے عقلا بھی قائم نہیں رہتے عوام کس شمار میں ہین۔ بُت پرستی کا لازمہ ہے ہر زبردست چیز کی پرستش کرنا اور اس سے ایک طور پر خیال میں غلامی اور کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ دنیا کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قوم بُت پرستی کی حالت میں اعلیٰ درجہ کی بہادری نہیں ہوئی۔ بُت پرستی سے ہم اداہم باطلہ کی پرستش مراد لیتے ہین۔ شروع سے چلیے سکندر موحّد تھا اس لیے یونان سے لیکر ہندوستان تک کوئی بھی اُس کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکا۔ رومیوں نے گوکفر کی حالت میں ترقی کی لیکن عیسائیت پھیلنے کے بعد انکو مذہب عیسوی اختیار کرنا لازم آیا وہ سمجھے کہ بہادر عیسائیوں کے مقابلہ میں وہ نہ ٹھہر سکیں گے اس لیے بہتر ہے کہ وہ خود عیسائی ہو جائیں۔ اسوقت کے عیسائی نہ تخلیق کے قایل تھے اور نہ رومن کیتھولک کی طرح عیسائیت کو برا سے نام قائم رکھتے تھے جب عیسائیوں میں اداہم باطلہ کی پرستش پھیلی تو مسلمان چند سال کی جہد کے بعد اس طرح انہیں تیر گئے کہ جس طرح صابون میں تار نکل جاتا ہے۔ عجم کے سنارہ پرست اور آفتاب پرست بھی اسلام کے موحّدوں کا مقابلہ نہ کر سکے نہ انکار تار۔ نہ انکار خول

حائے دہان

مان رو رہی

نئے ہوئے

لی کا چھٹنا

جب تک

م نہ ہوگی

ن نہ ہوگا۔

مان کو بہادر

طرح کوئی

ون۔ اور

۔

ن جنگ

ہے۔ اور

بد سے

رہا ہے۔

جاتے ہین

ہے کہ طبعیت

س جہان

باب مقابلت لاسکے۔ ہندوستان میں بودھ مذہب کا زوال تھا۔ اور برہمنوں کا مذہب
 از سر نو پھیل چکا تھا۔ برہمنوں کے مقلد راجپوت بھی مسلمانوں کا مقابلہ کر سکے۔ اور
 جب تک عربوں کو عروج تھا تب تک کوئی قوم ان کا مقابلہ نہ کر سکی۔ لیکن مسلمانوں
 میں اودام باطلہ نے اپنا گھر کیا تو وہ بھی بہت ہوتے گئے۔ کچھ روز تک نو مسلم
 ترکوں نے سچی توحید کے زور میں عربوں کی گئی گزری حالت کو سنبھالا لیکن پھر وہ
 بھی اُسی رنگ میں آگئے۔ عیسائیوں کی طرح انہیں خالق ہن بنگلیں۔ بزرگان دین
 کی پرستش شروع ہوئی۔ بت پرستی نہیں تو قبر پرستی ضرور قائم ہوئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ کفار
 اُن سے اچھے ٹھہرے اور تمام بلاد اسلام پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ مسلمانوں میں وہ توحید کی
 صفت باقی نہ رہی جس کے سبب سے وہ بت پرستوں اور گڈے ہوئے عیسائیوں پر
 فوق رکھتے تھے۔ کفار مغل نے اپنی حالت کو تو لا تو عیسائیوں کے مقابلہ میں خود کو
 قائم رکھنے کے لیے سوا اس کے کوئی چارہ نہ دیکھا کہ توحید اسلامی کو وہ اپنے
 دم سے ایک مرتبہ پھر رونق دیکر اسلام کی بہادریوں کو از سر نو تازہ کر دیں۔ کچھ دنوں
 کے بعد نو مسلم مغلوں نے بھی اودام باطلہ کی پرستش شروع کی اور وہ زمانہ آیا کہ عیسائیوں
 کے مقابلہ میں وہ نیچا رکھیں۔ لیکن یہ معلوم رہے کہ اسلام کیسا ہی گہرا گڑا تھا اگر
 مسلمانوں کے مقابلہ میں عیسائی کسی طرح بہادر نہیں ہو سکتے تھے جب تک وہ
 اپنے عقائد درست نہ کرتے۔ تمام عیسائیوں کو کوٹھ کا شکر گزار ہونا چاہیے جس نے
 پروٹسٹنٹ مذہب نکال کر عیسائیوں میں سچی آزادی اور سچی بہادری کی روح بھونکی
 آج چارخس سے بھی زیادہ یورپین لوگ موحد ہیں۔ جو لوگ پیاس دھنچ پڑانے
 گرجاؤں کے مقلد ہیں انہیں بھی بہت سے لوگ پروٹسٹنٹ کے عقاید رکھتے ہیں

اول فصل ششم
 مہنوں کا مذہب
 سکے۔ اور
 مسلمانوں
 نو مسلم
 لیکن پھر وہ
 بزرگان دین
 ہا کہ کفار و
 وحید کی
 یوں پر
 بن خود کو
 وہ اپنے
 حجہ دنوں
 یا کہ عیسائیوں
 زرا تھا کر
 تک وہ
 جس نے
 چوکی
 ہانے
 کئے ہیں

اور جب اس ذریعہ سے عیسائیوں میں مسلمانوں سے کم اہام باطلہ کی پرستش
 رہ گئی تو اب وہ ضرور مسلمانوں سے زیادہ بہادر ہیں اور مسلمانوں سے بڑھے تو گویا
 تمام دنیا سے بہادر ہیں اور اسی لیے تمام دنیا میں اس وقت عیسائیوں کا ڈنکا بج رہا
 ہے۔ اگر عیسائیوں میں آج ویسی ہی تاریک خیالی ہوتی جیسی کہ انہیں ابجد اس
 اسلام کے وقت تھی تو یہ ترقی انکو نصیب نہ ہوتی۔

چین اور جاپان دونوں قومیں ایک ہی شاخ سے ہیں لیکن ایک میں اہام
 باطلہ بڑھے ہوئے ہیں اس لیے وہ ذلیل ہے اور دوسری میں اہام باطلہ کم ہیں
 اس لیے وہ مغز ہے۔

ہندوستان کے مسلمان میں جب اہام باطلہ حد سے زیادہ بڑھ گئے تو مرہٹوں
 نے اسی طرح انہیں قبضہ کر لیا جس طرح کفار و کھلیوں نے وسط ایشیا کے مسلمانوں پر قبضہ
 کر لیا تھا۔ مرہٹوں کی شاہنشاہی میں کوئی شبہ نہ تھا لیکن وہ اپنی شاہنشاہی کا
 عرصہ تک قائم نہ رکھ سکتے تھے۔ یا تو وہ مسلمانوں کی قدیم توحید اختیار کر کے نئے
 سر سے اپنی روحانی قوت اور اُس کے ساتھ ہی اپنی تمام قوتوں کو ترقی دیتے یا
 کسی اور قوم کی اطاعت کرتے جو روحانی قوت میں اُس سے بڑھی ہوئی تھی۔ پچھلی
 صورت سامنے آئی اور عیسائیت کی طرف ہندوستان کی شاہنشاہی منتقل ہوئی۔
 زور بازو کے ساتھ مرہٹے توحید میں بھی ترقی کرتے تو شاید آج وہی شاہنشاہ
 ہند ہوتے۔

تمام صفات حسنہ کے ساتھ مسلمانوں میں ایک چیز نہایت ہی عجیب تھی جس نے
 انکو بے انتہا بہادر بنا رکھا تھا اور اس لیے ان کے فتوحات عجائبات روزگار سمجھے جاتے

ہیں یعنی وہ خود پر بھروسہ کرتے تھے اور اپنی قدر کرتے تھے۔ مثلاً ایک شخص غیر قوم کا ہے جس نے تمام دنیا کے نقصانات کسی مسلمان کو پہنچائے ہیں۔ اُسکے بال بچے قتل کر ڈالے ہیں۔ اُسکا گھر جلا دیا ہے۔ اُسکی ایک آنکھ پھوڑ دی ہے۔ اُسکا مال و اسباب لوٹ لیا ہے۔ بعد کوشش حالت جنگ میں وہ اس مظلوم مسلمان کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ اور یہ مسلمان اُسکو ٹپک اُسکی چھاتی پر بیٹھا ہے اور خنجر نکال چاہتا ہے کہ اُسکا کلیجہ نکال دے کہ وہ نیچے سے بولا ”میں تمہارے خدا پر ایمان لانا ہوں یعنی میں تم سے رشتہ برادرانہ قائم کرنا چاہتا ہوں“ تو وہ مسلمان فوراً اُسکی چھاتی سے اتر پڑے گا اور اُسکے قتل کرنے کو اپنے اور پر حرام سمجھے گا۔ اس کا اثر نیک صرف اُس ایک دشمن پر نہیں بلکہ اُسکے کچھ ورون بہقوم پر پڑے گا۔ وہ سب کے سب مسلمانوں کے اخلاق اور بہادری پر فریقہ ہو جائیں گے۔ وہ کیا شے تھی جس نے مسلمان کو دشمن کی چھاتی سے الگ کر دیا۔ وہ صفت کیا تھی خود آپ اپنے اور پر بھروسہ کرنا تھا۔ وہ مسلمان سپاہی سمجھتا تھا کہ مجھ میں ایسے صفات ہیں کہ میری صحبت میں رہنے کے بعد یہ میرا سچا دوست ضرور ہو جائیگا۔ مجھ سے دشمنی نہ کرے گا اور اگر کسی وقت اس سے مجبوراً نہ حرکت صادر ہوگی اور میری تمام خوبیوں کو یہ نظر انداز کرے گا تو اسکے لیے میں پھر بھی کافی ہونگا اس لیے کہ میں رہ راست پر ہوں یہی سچی بہادری ہے۔ اور جس شخص میں تمام اخلاق حسنہ جمع ہوں گے اُس سے ایسی سچی بہادری ضرور ظور میں آئے گی۔ تاریخین کہتی ہیں کہ مسلمان اپنے عروج کے زمانہ میں ایسے ہی بہادر تھے اور اسی بہادری کے سبب سے انھوں نے تمام دنیا سخر کر لی تھی۔ اُنکے پاس نہ

کوئی جادو تھا اور نہ کوئی منتر تھا۔ وہ سچے بہادر تھے۔ تلوار سے جب وہ کسی کو زیر کرتے تھے تو اُسکے ذریعہ سے اُسکی تمام قوم میں اپنی سچی بہادری کا ڈھکا چوتے تھے۔ ہمیں کوئی بتا دے کہ دنیا میں کوئی اور بھی ایسی بہادر قوم پیدا ہوئی ہو جسکا قومی قانون یا جنگی قانون اس قسم کی قیاضی دکھاتا ہو۔ اگر ناظرین نہیں دکھا سکتے تو ہمارا کہنا سچا ہے کہ جو بہادری مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانہ میں دکھائی تھی اُسکی نظیر ہم کہیں نہیں پاتے۔

فصل ششم

غلاموں کی حالت

غلامی کے انسداد کی طرف اخیر اٹھارہویں صدی میں انگریزوں کو توجہ ہوئی اور نصف اٹیسویں صدی تک تمام یورپین سلطنتوں نے اسے اکثر حصہ زمین سے اٹھا دیا۔ اسکے قبل آقا اور غلام کے پر ایہ میں جو بڑا ڈاکا ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ تھا وہ بہت ہی شرمناک اور درد انگیز تھا۔ باری باری سے ہر ملک میں تہذیب آئی۔ چین دہریں ہر ایک قسم کے اعلیٰ سے اعلیٰ بھول کھلے۔ لیکن غلام ہر وقت مواسی میں شمار کیے گئے۔ اُنکے گھستان میں کبھی بہا نہیں آئی۔ خود غرضیوں نے اُنکے حقوق کی طرف توجہ نہیں ہونے دی۔ دین اسلام نے پہلے پہل اُنکے حقوق کی نگہداشت کی اور وہ بھی اُس زمانہ میں جبکہ ہر جہاں طرف ان غلاموں پر بے انتہا ظلم ہو رہے تھے۔ اسلام کا یہ احسان بنی نوع انسانی پر تاریخی یادگار میں شمار کیے جانے کے لائق ہے۔

رسول خدا نے لوگوں کو ادھر متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جو کوئی مسلمان بردہ

یک شخص

ہیں -

بھڑی

وہ اس

باتی پڑی

بولا

زنا چاہتا

رنے کو

سکے

بہادری

سے الگ

جھٹکتا

سوت

کرت

پہر بھی

شخص

نے گی -

اور

پاس

آزاد کرے گا تو اُس کے ہر عضو کے بدلہ میں آزاد کرنے والے کے اعضا کو
دوزخ کی آگ سے خدا آزاد کرے گا۔ ایک بحث یہ ہے کہ پیغمبر خدا نے
آئندہ کے لیے غلامی کو حکم روک کر موجودہ غلاموں کی آزادی کی یہ فکر کی یا
غلامی کا انسداد قطعی نہیں کیا۔ اور اگر قطعی انسداد نہیں کیا تو کن کن شرائط کے
ساتھ غلامی جائز رکھی یعنی پیغمبر خدا کے وقت میں اطراف عالم میں جتنے اقسام
غلاموں کے تھے اسلام نے وہ سب اقسام جائز رکھے یا کچھ ترمیم بھی کی؟ اس
بحث کے لیے ”اسلام اور غلامی“ کا مضمون پڑھنا چاہیے۔ اس فصل میں صرف
یہ دکھانا ہے کہ مسلمانوں کے غلاموں کی حالت کیا تھی۔

غلام جب آزاد ہو جائے تو اُس میں اور آقا کے مدارج میں شرعاً کچھ فرق باقی نہیں
رہتا۔ اخوت اسلامی کے اعتبار سے تو وہ پہلے بھی برابر تھا۔ آزاد ہونے پر شاہی
بیاہ میں بھی وہ برابر کا بھائی سمجھا جاتا ہے۔ حضرت زید آزاد شدہ غلام حضرت خدیجہ
کے تھے جن سے آنحضرتؐ نے اپنی بھوپھی زاد بہن زینب کا عقد کر دیا تھا۔ حضرت
بلال حبشی غلام تھے جبکہ حضرت صدیقؓ نے آزاد کر دیا تھا۔ مسلمانوں میں وہ بڑے
پایہ کے صحابی سمجھے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں تو غلام پادشاہوں کا ایک سلسلہ
ہی جاری تھا۔ پادشاہوں نے غلاموں کی اچھی تربیت کی۔ اپنی لڑکیاں
اُنکے حوالہ کیں اور مرنے کے بعد ہند کی سلطنت اُنکے لیے چھوڑ گئے۔ ہندوستان
کی تاریخوں میں غلام پادشاہوں کا ایک باب ہی مہذب ہے اور ایک بہت بڑی
یادگار مسلمانوں کے اخوت اسلامی کی ہے۔ کسی دوسری قوم میں اس سچی فیاضی
اور شہف مزاجی کی مثال نہیں ملے گی۔ گئی گزری حالت میں بھی مسلمانوں نے

یہ وہ کام کیا ہے جو دنیا کی تاریخوں کے صفحہ اٹھنے سے کہیں اوچک دکھائی
 نہیں دیتا بجز مصر کے کہ ان بھی سلاطین ملوک کا سلسلہ محض قانون اسلام کی فیاضیوں کا نتیجہ تھا
 جو کوئی کسی شرط کے ساتھ غلام آزاد کرے تو وہ مکاتب اور مدرّس کے زمرہ میں
 داخل ہو جاتا ہے۔ مکاتب اور مدرّس کے احکام فقہ میں بہت شرح و بسط کے
 ساتھ درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے کہاں تک انکی آزادی
 کا خیال رکھا ہے۔ لونڈی سے اگر اولاد ہو جائے تو وہ لونڈی لونڈی نہیں
 رہ جاتی وہ ام الولد کہلاتی ہے اور اسکے بطن کی اولاد دوسرے لڑکوں کے ساتھ
 برابر کا ترکہ پاتی ہے اور مدارج میں مساوات کا درجہ رکھتی ہے۔ غلاموں کی حالت
 درست کرنے کے متعلق جو احسانات اسلام کے بنی نوع انسانی کے ساتھ ہیں
 دیگر مذاہب میں انکا عشر عشیر بھی پایا نہیں جاتا۔ رعایتیں ملاحظہ فرمائیے۔ لہجہ
 زنا اگر آزاد کے لیے تسکو کرے ہیں تو غلام کے لیے پچاس ہی کوڑے ہیں۔
 اسی طرح شرب پینے کے جرم میں آزاد کے لیے ۸۰ کوڑے ہیں اور غلام کے
 لیے ۴۰۔ فقہ میں غلاموں کا آزاد کرنا معاصی اور براہیم کا فدیہ اور کفارہ مقرر ہوا ہے۔
 مسلمانی گو ٹرسٹ نے جبرمانہ کی رقم خزانہ عامرو میں داخل کرنے کے عوض غلاموں
 کے آزاد کرنے کی ترغیب دی تھی جو فی الواقع مجرموں کے لیے مالی نقصان اٹھانا
 تھا۔ آنحضرتؐ نے جو سال وفات میں آخری ایسیج مکہ میں دی اُس میں بھی غلاموں کو
 فراموش نہیں کیا۔ اور قوم سے وصیت کی کہ غلاموں کو اپنا ساپناؤ اور اپنا ساکھائو۔
 حضرت عمرؓ نے اس پر سختی سے عمل کیا کہ لوگ مسلمان غلاموں کی حالت پر شک
 کرنے لگے۔ چنانچہ بیت المقدس کی چڑھائی کے وقت جب حضرت عمرؓ نے

مضا کو

نے

دی یا

کے

اقسام

اس

میں

نہیں

نہیں

پیشاوی

نہیں

نہیں

نہیں

نہیں

نہیں

نہیں

نہیں

نہیں

نہیں

نہیں

بیت المقدس کا سفر کیا تو ایک ہی اونٹ انکے اور انکے غلام کی شرکت میں تھا۔ دونوں باری باری سے چڑھتے اترتے تھے اور جسوقت بیت المقدس کے قریب سواری پہنچی تو وہ غلام کے سوار رہنے کی باری تھی۔ غلام اونٹ پر تھا اور اسکی مہار ہاتھ میں لیے ہوئے حضرت عمر رضوڈر رہے تھے اور آگے آگے ہیبت حق بتا رہی تھی کہ کامیاب مسلمانوں کا یہ عدل ہے۔ واللہ اسوقت کے مسلمانوں کے غلام زمانہ حال کے برادران خورد سے کہیں اچھی حالت میں تھے۔ ”سگ زرد باش برادر خورد سباش“ اس زمانہ کے طرز تمدن کے لحاظ سے بولا جاتا ہے۔

فصل دہم

عورتوں کے متعلق نصوص قرآنی

قومی ادا بار کے ساتھ کم ہمتی لازم ہے۔ اور کم ہمتی کے ساتھ کمزوروں کے حقوق کا غضب کرنا بھی ضروری ہے۔ عورتیں مردوں سے کمزور ہیں۔ ایسے قومی ادا باریا قومی تنزل کی حالت میں عورتوں کا غلامی کی حالت میں رہنا ایسا امر یقینی ہے کہ دنیا کی کوئی تاریخ اس مکر وہ نظارہ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ عورتوں کی حالت کو قومی سقیاس المتذیب کہیں تو بجا ہے جب قوم نے ترقی کی تو عورتوں کی عزت نے بھی ترقی کی اور جب قومی تنزل شروع ہوا تو عورتوں کی عزت بھی کم ہونے لگی۔ دنیا کی تمام گزشتہ اور موجودہ قوموں میں یہ باتیں گویا فطرت نے اصول موضوعہ کی طرح قائم کر رکھی ہیں۔ عورتوں کی عزت دیکھ کر قوم کی تہذیب اور ترقی کا پتہ لگتا ہے۔ اور انکو ذلیل دیکھ کر قوم کے

ادبار اور نکبت کا یقین کیا جاسکتا ہے۔ آج انگریزوں میں جو عزت لیڈیوں کی ہے یہ انکی جہالت کے زمانہ میں نہ تھی۔ یا جس بُری حالت سے ہم اپنے گھر کی عورتوں کو رکھتے ہیں ہماری دادیوں کی لونڈیاں بھی ایسی تباہ حالت میں نہ تھیں۔ گھر کی چار دیواریوں میں انکو بند رکھنا یا کبھی جانوروں کی طرح پیچڑوں (ڈولہوں) میں رکھ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دینا ہم لوگ انتہائے عزت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ کوئی عزت نہیں ہے بلکہ عزت ہے اُنکے حقوق کی حفاظت کرنا جسکو ہم بالکل پامال کرتے ہیں اور اپنی جہالت سے اُسے اسلامی شعار سمجھتے ہیں۔ یہ تقریر اسوقت بطور جواب معترضہ کے لکھی گئی ہے اسکے متعلق مفصل تحریر دوسرے مواقع پر ہے۔ یہاں صرف یہ لکھنا ہے کہ عرب اپنے زمانہ جاہلیت میں جتنا تہذیب اور ترقی کے میدان سے دور تھے اتنے ہی اپنی ماؤں بیٹیوں۔ بہنوں اور بیٹیوں کے حقوق سے بھی غافل تھے۔ قرآن نے اُن عورتوں کے حقوق کے متعلق جو قدر احکام صادر کیے انکو ہم ایک جگہ لکھ کر مسلمانوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ عورتوں کے حقوق ہم پر کیا کیا ہیں۔ اور غیر قوموں کو دیکھنا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں پر یہ اعتراض کرنا کہ اُنکے قانون میں عورتوں کے حقوق کی حفاظت نہیں کی جاتی بالکل مہبتان ہے۔

قرآن میں ایک سورۃ ہی ”نساء“ کے نام سے موسوم ہے جس میں جا بجا عورتوں کے حقوق سے بحث کی گئی ہے۔ ہم سلسلہ دار اس میں سے ضروری آیتوں کا ترجمہ نقل کرتے ہیں اور اُنکے معنوں کی توضیح کرتے ہیں۔

عربوں میں کثرت ازدواج کا دستور تھا۔ وہ عورتوں کو مویشی کی طرح رکھتے

تھے کہ جتنی چاہیں گھر میں باندھ لیں اور لونڈیوں کی طرح اُن سے برتاؤ کرتے
تھے کہ کھانا کپڑا دیا اور خدمت لی۔ گویا دس خادمہ گھر میں نہ ہوئیں دس بیدیان
ہوئیں۔ اسپر طرہ یہ تھا کہ رشتہ ناتے کی یتیم لڑکیاں انکی ولایت میں ہوتی تھیں
تو انکی مٹی خراب ہوتی تھی وہ دوسروں سے اُنکا بیاہ کرتے نہ تھے خود اپنے
ہی پاس رکھ لیتے تھے۔ تمام عورتیں تو دلفریب صورتیں نہیں رکھتیں لیکن
مارالشباب فطرۃ ہر ایک کا دل آدریز ہوتا ہے۔ دو چار مہینہ تک وہ یتیم لڑکیاں
بی بی بنی رہیں۔ جب مارالشباب کے ساتھ انکی عزت گئی تو پھر خادمہ کی
طرح گھر کا کام کرنے لگیں۔ قرآن میں سب کے پہلے ان بڑائیوں کی طرف
توجہ ہوئی۔ چار عورتوں تک تعداد بیدیوں کی محدود کر دی گئی اور اولیا کو
حکم ہوا کہ جن یتیم لڑکیوں کو تم سمجھتے ہو کہ زیادہ عرصہ تک تم اُنکو خوش نہ رکھو گے
اُنکے ساتھ نکاح نہ کرو عورتوں کا کال نہیں ہے۔ دوسری عورتیں کر دجئے اولیا
سوچ سمجھ کر تمھارے ساتھ بیاہنا پسند کریں اور تم پر بھی کچھ دباؤ ہے۔ چنانچہ
سورہ نساء کے اول رکوع میں خدا فرماتا ہے۔ ”اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ یتیم
لڑکیوں کے متعلق تم سے انصاف نہ ہو گا تو اُنکے علاوہ اور عورتوں سے
دو تین چار تک تم نکاح کر سکتے ہو اور اگر انھیں بھی عدل نہ کر سکو تو بس ایک
بی بی کر دیا جو لونڈی تمھارے قبضہ میں ہو اسپر قناعت کر دے۔ عدل نہ ہونے
کی حالت میں یہی قرین مصلحت ہے۔

۱۰ وان خفتم الاغتسلوا فی البیتی فانکموا اطابکم من النساء ثنی وثلاث درج فان خفتم
الاغتسلوا فواحدة او ما ملکت ایماکم ذلک ادنی الا فتولوا برکوع ا-

زمانہ جاہلیت میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ عورتوں کو مہر نہیں دیتے تھے اور طلاق دینے میں آزاد تھے۔ مہر ادا کرنے کے وقت بخیل تھے۔ لیکن بیجا ری عورتوں کے پاس کچھ دولت ہوتی تو اسے پسلا کر کھا جانے کے لیے بڑے مرد تھے۔ ان جیائی کے دفع کرنے کے لیے سورہ نساء کے رکوع اول میں حکم ہوا۔ ”عورتوں کو ان کے مہر خوشی خوشی دیدیا کرو۔ پھر وہ بخوشی انہیں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو غم سے کھاؤ۔“

جس طرح ہندوستان کے بد بخت مسلمان مان باپ اور اعزہ کے ترکہ سے عورتوں کو محروم رکھتے ہیں یہی کیفیت زمانہ جاہلیت میں بھی تھی۔ یہ بڑا دستور مٹانے کے لیے سورہ نساء کے پہلے رکوع میں محکوم ہے ”مان باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں تھوڑا بہت جس طرح مردوں کا حصہ ہے اسی طرح عورتوں کا بھی حصہ ہے اور ٹھہرایا ہوا ہے“ یعنی عورتوں کا حصہ بھی ترکہ متوفی میں عین ہر دوسروں کو کم و بیش کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ خدا کا تا ہے کہ تم کم و بیش نہیں کر سکتے اور ہم ہیں کہ بالکل ہی نثار د کرنے کو مستعد ہیں۔

شرع محمدی میں عورتوں کا حصہ مردوں سے نصف ہے۔ بھائی کو دو حصہ تو عورتوں کو ایک حصہ دیا جاتا ہے۔ یہ کمی بیشی اس لحاظ سے ہے کہ مردوں پر اپنی بیبیوں کا نفقہ فرض ہوتا ہے اور عورتوں کو صرف اپنی فکر ہوتی ہے۔ اس پر بھی ہم لوگوں کی یہ نیت ہے کہ لڑکیاں کچھ بھی نہ پائیں۔ صرف بھائیوں کی نیت میں یہ

۱۰ وَاَتَوَالْنِّسَاءَ صَدَقَتْنِ سَخْلَةً خَالِ طَبْنِ لَكُم مِّنْ شَيْءٍ مِّنْ نَّفْسِكُمْ لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِثْلُ مَا عَلَيْكُمْ رَبَّيَا۔
۱۱ لِّلرِّجَالِ مِثْلُ مَا لِلنِّسَاءِ وَلِلْأَقْرَبِينَ وَلِلْأَقْرَبِينَ مِثْلُ مَا لِلْأَقْرَبِينَ

فساد نہیں ہوتا بلکہ بعض باپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ لڑکیاں کچھ نہ پائیں۔ اور نہیں سمجھتے کہ خدا فرماتا ہے۔ ”اللہ تعالیٰ اسی اولاد کے متعلق تمکو یہ بتاتا ہے کہ لڑکوں کا حصہ دڑ لڑکیوں کے برابر ہے۔ پھر اگر لڑکیاں دو سے زائد ہوں تو ترکہ کا دو تہ ثلث انکو پانا چاہیے۔ اور ایک ہو تو نصف۔ زائد وضاحت کے لیے ”توریت“ کا مضمون پڑھنا چاہیے۔

ایام جاہلیت میں عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کا ظلم بہت بڑھا ہوا تھا۔ حیا بالکل نہ تھی۔ کوئی مرجاتا تھا تو اسکی بی بی پر اس کے رشتہ قبضہ کر لیتے تھے قبضہ تو اب ہند میں بھی کر لیتے ہیں یعنی سسر اور دیور وغیرہ۔ رشتہ داران خاوند بیوہ خاندانی کو لونڈی کی طرح اپنی ملک جانتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ عرب میں زوجہ کی طرح رکھتے تھے اور بیان مواشی کی طرح رکھتے ہیں۔ عرب میں ایسا بھی دستور تھا کہ بیواؤں کا عقد و سرون سے کر دیتے تھے اور نہ خود لقمہ کرتے تھے۔ یہ حالت پھر بھی ہندوستان کی موجودہ حالت سے ابھی تھی۔ خیر نکاح تو کرتے تھے۔ بیان تو نکاح بھی نہیں کرتے۔ مجلس دوام کی سزا اپنے گھر میں بیٹے ہرگز خدا ان سب مظالم کے مٹانے کے لیے فرماتا ہے ”مسلمانو! تمکو رو نہیں ہو کہ عورتوں کو میراث سمجھ کر ان پر جبر قبضہ رکھو۔ جو کچھ انکو ترکہ شوہری سے تم نے دیا ہو اسے چھین لینے کے لیے انکو قید میں بھی نہ رکھو۔ ہاں کھلی ہوئی بدکاری ان سے ہو تو قید رکھنا مفالیقہ نہیں۔ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے رہو۔

لے یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن لسا فوق اثنتین فلس ثلثا ما ترک ان کان واحدہ فلما نصف۔ رکوع ۱۔

اگر کسی وجہ سے بی بی ناپسند ہو تو عجب نہیں کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ اس میں بہت سی خیر و برکت دے۔ اس آیت کے پچھلے حصہ میں نہایت ہی حکمت کی بات ہے یعنی عورتوں کی پیدائش کی غرض اصلی یعنی توالد و تناسل کا ذریعہ تو سب میں یکساں ہے۔ باقی چیزیں مختلف ہوتی ہیں۔ کسی میں حسن زائد ہوتا ہے کسی کا بدن سُڈول ہوتا ہے۔ ایک میں گفتگو کا مادہ ہے۔ دوسری میں انتظامی قوت بڑھی ہوئی ہے۔ ایک کو اپنے جسم کی صفائی کا زیادہ خیال رہتا ہے۔ دوسری ہے کہ وہ اپنے جسم سے بڑھ کر مکان کی صفائی کا خیال رکھتی ہے۔ ایک مرد کو باتوں سے خوش رکھنے کی قابلیت رکھتی ہے۔ دوسری بیماری کی حالت میں خدمت کرنے کا سلیقہ جانتی ہے۔ غرض کہ مرد و عورت کے مذاق کے مطابق اور موقع اور محل کے اعتبار سے ممکن ہے کہ کسی عورت کی کوئی بات ایک وقت شوہر کو پسند نہ آئے اور شوہر بیدل ہو کر بی بی کی قدر نہ کرے تو خدا اسکے متعلق سمجھاتا ہے کہ کوئی ادابی بی بی کی ناپسند ہو تو اسکو حقیر نہ سمجھو کیونکہ بہت سی باتیں اس میں ایسی ہو سکتی ہیں کہ اُن سے آئندہ تم خوش رہو گے۔

عربوں میں یہ بھی دستور تھا کہ جہاں کوئی اچھی صورت نظر آئی تو پہلی بی بی کو فوراً الگ کر دیا اور جو کچھ اسکو دے رکھا تھا سب واپس لیا اور وہی دوسری بی بی کے حوالہ کیا۔ ایک تو یہ بی بیائی تھی۔ دوسری کثرت ازدواج اور کثرت طلاق میں اس طرح پر سہولت ہوتی تھی۔ عقلاً اور اخلاقاً یہ حرکت نہایت ہی

۱۵ یا ایہا الذین آمنوا لا یسلکم ان ترثوا النساء کرباً ولا تفضلوهن احداً علیہن لکن من بعد ما یتیموهن الا ان یتیمن
لنفاختہ مبینہ وعاشروہن بالمعروف فان کرہتموهن فسی ان تکرمواشیاء و جمل لکن فیہ خیر لکثیر ان یرکبوا

نالپندیدہ تھی۔ خدا اسکو مٹانے کے لیے قرآن میں فرماتا ہے "اگر تمہارا ارادہ ہو کہ ایک بی بی کی جگہ پر دوسری بی بی کر دو تو پہلی بی بی کو کتنا ہی مال دیا ہو لیکن انہیں سے کچھ واپس نہ لینا۔ کیا بہتان لگا کر اور مزید بیجا بات کر کے اپنا دیا ہوا واپس لوگے۔ اور کیونکر واپس لوگے جبکہ باہم صحبت کر چکے ہو اور بیبیان تم سے بچا قول لے چکیں ہیں۔"

عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ باپ کے مرنے پر لوگ سوتیلی ماؤں سے نکاح کر لیتے تھے۔ اس شرمناک دستور کے مٹانے کے لیے قرآن میں محکوم ہے "جو ہوا سو ہوا۔ آئندہ ان عورتوں سے نکاح نہ کرنا جنہے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو۔ یہ بڑی بیجائی اور غضب کی بات ہو اور بہت ہی بُرا دستور ہے۔" زن و شو کی تمدنی حالت کے متعلق قرآن میں یوں محکوم ہے "مرد عورتوں سے زبردست ہیں اس لیے کہ مرد دن کو عورتوں پر اللہ نے فضیلت دی ہے اور نیز اس لیے بھی کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ نیک بیبیان مرد دن کا کتنا مانتی ہیں اور انکی پیٹھ پیچھے حفاظت کرتی ہیں کہ اللہ نے انکو یہ سلیقہ دیا ہے۔ جن بیبیوں کے سر چڑھنے کا تمکو اندیشہ ہو تو تم انکو سمجھاؤ پھر بہتری سو قوت کرو۔ بالآخر مار پیٹ سے پیش آؤ۔ پھر تمہاری اطاعت کریں تو تم بھی اُن پر چھڑے رکھ کر پہلو نہ ڈھونڈو۔ اللہ سب پر غالب اور بڑی قوت والا ہے۔ اور اگر تمکو جھگڑا بڑھتا نظر آئے تو ایک بی بی کو مرد کے گنہ سے آؤ

۱۰ وان اردتم استبدال زوج مكان زوج دائتم احدین قطاراً فلما خذوا خذوا منہم شیئاً خذوا منہم شیئاً
۱۱ واما منہم شیئاً فلیکن تاخذوا منہم شیئاً فلیکن تاخذوا منہم شیئاً فلیکن تاخذوا منہم شیئاً
۱۲ واما منہم شیئاً فلیکن تاخذوا منہم شیئاً فلیکن تاخذوا منہم شیئاً فلیکن تاخذوا منہم شیئاً

ایک بیخ عورت کے کنبہ سے مقرر کرو۔ اگر وہ دونوں بیخ اصلاح چاہیں گے تو اللہ توفیق دے گا کہ وہ علیم اور ضعیف ہے یا

بعض گھروں میں زن و شو کی لڑائی بیوجہ بڑھ جاتی ہے۔ مرد اپنے کو غالب سمجھ کر کبھی کبھی عورتوں سے خوشامد کرنا چاہتا ہے۔ عورتوں میں مادہ خود داری بہت ہوتا ہے اور وہ مانع ہوتا ہے۔ لیجیے ہنسی ہنسی میں بات بڑھ گئی اور برسوں کے لیے اور کبھی کبھی عمر بھر کے لیے نفرت پیدا ہو گئی۔ ان مواقع پر اگر دوسرے صلح کرادینا چاہیں تو نہایت سہولت سے بات بن جاتی ہے۔ انسانی فطرت پر نظر کر کے خدا نے فرمایا ہے اور کیسی اچھی صورت بتائی ہے کہ زن و شو کی لڑائی میں دو بیخ جمع ہو کر تصفیہ کرادیا کریں تو بہت سے مملکت اور خطرناک جھگڑوں کی بڑ قایم نہ ہونے پائے۔

فصل یازدہم

کارنصبی

انسان جب نیکنام بننا چاہتا ہے یا خلاق کے سامنے سرخرو ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو ایک بہت بڑی وقت اُسکے سامنے یہ پیش ہوتی ہے کہ بھلائی اور بُرائی کا امتیاز کرنا اس کو مشکل ہوتا ہے مثلاً رحم دل ہونا انسان کی بہت اعلیٰ صفت ہے۔ لیکن قحط الطریق کی گرفتاری اور سزا دہی میں اگر پہلو تہی کی جائے

۱۵ الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضہ علی بعض دہما لفقوا من اموالہم فاصلحت فقت خلقت للنسب
بما خلق اللہ واتی ثخون نشوز ہن فخطون واجرہن فی المنافع واضرہن فان اظلمت فلا تظلم علیہن
سبیلاً ان اللہ کان علیا کبیراً وان نعیم شفاق مینا فابشوا حکما من اہلہ و حکما من اہلہ ان یریدوا صلا
یوفق اللہ بینہما ان اللہ کان علیہما خبیراً۔ (کو ۵)

تو شخصہ و تقاضی کے لیے یہ پہلو تھی رحیم المزاجی ہی کے اقتضا سے کیون نہ ہو
 بدترین خصلت سمجھی جائے گی۔ ظالم اور سنگدل حکام کو اس بارہ میں کہیں چیم
 ہوگی۔ نشر اگر تیز نہ ہو تو بڑا ہے۔ مرہم میں زخم بھرنے کی صفت نہ ہو تو بیکار ہو۔
 کبھی ایک ہی شخص دو مختلف حالتوں میں مستزاد اوصاف سے متصف ہو کر اچھا کما
 جاتا ہے۔ جلیق کو قیدیوں کے پیٹ بھرنے کے لیے رحم دل ہونا چاہیے اور
 حکم سزا کی تعمیل کے وقت سنگدل ہونا چاہیے۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ
 نرمی۔ سختی۔ رحیم المزاجی۔ فساد قلبی۔ سستی۔ پھرتی۔ جالاکئی۔ کاہلی کوئی اچھی
 یا بُری صفت انسان کی نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہی صفت ایسی ہے جو تمام انسانوں
 میں ہونا چاہیے اور اسی کے ہونے سے انسان اپنے نقصانات کی اور فطرتی
 کمزوری کی تلافی کر سکتا ہے۔ وہ صفت کیا ہے۔ اپنی ڈیوٹی یا کار منصبی کا پیچھا
 اور اسکو پورے طور پر انجام دینا۔ مان کی ڈیوٹی ہے سچوں کی پرورش کرنا باب
 کی ڈیوٹی ہے سچوں کے لیے مایحتاج بہم پہنچانا۔ شوہر کا فرض منصبی یہ ہے کہ
 بی بی کو خوش رکھے۔ بی بی کا کام ہے کہ شوہر کو راضی رکھے کسی شخص میں تمام دنیا
 کے اوصاف ہوں۔ لیکن اپنی آزاد نشی سے سچوں کی خبر نہیں لیتا یا بی بی کے
 خوش کرنے کی فکر نہیں کرتا تو ہم بے تکلف کہیں گے کہ وہ بدترین خلاق ہے۔
 بی بی حسین ہے۔ خوش مزاج ہے۔ شیرین مقال ہے باعصمت ہے۔ سب
 کچھ ہے لیکن اپنے شوہر کی اطاعت سے بغیر کسی معقول وجہ کے گریز کرتی ہے تو
 وہ عورت ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ کوئی بھلا مانس اپنے گھر میں اسکا آنا پسند
 کرے۔ کیونکہ شوہر ہی حقوق کے سببانہ لانے سے وہ ایک بہت بڑے جرم کی

مترکب ہے اور اسکی صحبت سے ممکن ہے کہ دوسری عورتوں پر بھی اس بارے میں جبراً اثر پڑے۔

پولیشکل صیغہ میں بادشاہ سے لیکرا دنی چوکیدار تک ہر ایک عہدہ دار کی ڈیوٹیوں الگ الگ ہیں۔ ہم جب کسی جج۔ مجسٹریٹ۔ پولیس مین۔ وکیل۔ مختار یا علی کے کو اچھا یا برا کہنا چاہیں تو سب کے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ اپنے منصبی کام کو کس طرح انجام دیتا ہے۔ اگر وہ اپنی ڈیوٹی کو پورے طور پر انجام نہیں دیتا تو انسانی سوسائٹی میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جانے کے لائق نہیں ہے۔ دیانت دار ہے۔ راست باز ہے۔ سمجھ دار ہے۔ محنتی ہے سب کچھ ہے۔ لیکن اپنے منصبی کام کو انجام نہیں دے سکتا تو اسے عہدہ سے علیحدہ ہو جانا چاہیے۔ اپنے عہدہ سے الگ نہیں ہوتا اور پھر ڈیوٹی کے انجام دینے پر قوی نہیں ہوتا تو ایسے ضعیف الخیال انسان کے تمام اوصاف نابالغ بچہ میں اور وہ کسی اس قابل نہیں ہے کہ دوسرے لوگ اُس پر بھروسہ کریں۔

انسان کے ساتھ سیکڑوں ہزاروں ڈیوٹیاں چھیپے لگی ہوئی ہیں۔ مثلاً ایک جج۔ اب اس ضعیف الخلق کی ڈیوٹیاں ملاحظہ فرمائیے۔ بی بی کی خاطر داری۔ ماں باپ کی اطاعت۔ بچوں کی پرورش۔ ملاقاتیوں کے ساتھ اخلاق الفصائل مقدمہ میں بے طرفداری۔ وقت پر کچہری آنا۔ کام سے جی نہ چرانا۔ روزگار و کام ختم کر ڈالنا۔ اہلی مقدمہ کو حیران نہ کرنا۔ اپنے پچھلے دوستوں کو یاد رکھنا۔ محسنوں کو فراموش نہ کرنا۔ حق ہمسائیگی ادا کرنا۔ بڑوں کا ادب کرنا چھوٹوں سے محبت کرنا۔ لوگوں سے برتواضع پیش آنا۔ اگر یوہین ہم کہتے چلے جائیں تو دفتر ہو جائے اور

نہ ہو
تین چیم
بیکار ہو
راخچا کا
اور
م ہو کہ
سچی
م انسانوں
طرتی
سچی پنا
باب
ہے کہ
م دنیا
بی کے
ہے
سب
ہے تو
ہند
م کی

یہ مضمون ختم نہ ہو۔ غرضکہ سیکڑون ہزاروں ڈیوٹیان اسکے متعلق ہیں۔

ایک پرانے زمانے کے حاکم کی نقل ہے۔ وہ بدرجہ غایت غیر متدین اور اپنے کار منصبی میں کامل وجود تھا۔ رعایا سخت نالان تھی۔ ملازمت سرکاری میں تو انکی یہ حالت تھی اور خانگی معاملات میں اسد رجبہ رحم آپ کے مزاج میں تھا کہ جب بیوٹیا سوراخون سے نکلتی تھیں تو یہ آٹھا اپنے ہاتھ سے اپنے چھڑکتے بھرتے تھے۔ صبح شام گھڑی دو گھڑی آب کا یہی مشغلہ ہوتا تھا۔ کبھی کبھی آنٹے کی گولیاں بنا کر تالاب کی مچھلیوں کو کھلانے چلے جاتے تھے۔ اپنے نزدیک تو وہ بڑا کام کرتے تھے۔ اور ممکن ہے کہ بعض بے دانشوں کے نزدیک مدد بھی ہوں لیکن اہل خرد انکو مانگو لیا میں مبتلا سمجھتے تھے۔ کیون ۶۔ اسلئے کہ جو سب سے اہم ڈیوٹی انکے متعلق تھی اُسکی پروا انکو کچھ نہ تھی اور چھوٹی ڈیوٹیوں میں جکے ڈیوٹی ہونے میں بھی کلام ہو سکتا ہے انکو ہر قدر اہمک تھا۔ انسان کو اتنا وقت نہیں ملتا

کہ وہ اپنی تمام ڈیوٹیوں کو پورے طور پر انجام دے سکے اور اسلئے ضرور ہے کہ وہ اپنی اہم ڈیوٹیوں کا انتخاب کرے اور اُسکی بجائے آوری میں منہمک رہے جس شخص میں اس انتخاب کی پوری قابلیت ہو وہی نوع انسانی کا مایہ ناز ہے۔ مسلمان اپنے زمانہ ترقی میں اپنے کار منصبی کے سمجھنے میں آپ اپنی نظیر تھے۔ اور یہی امر انکو تمام عالم پر ہر امر میں غالب رکھتا تھا۔ اب بھی کوئی سیکھا جا ہے تو پورا سبق شرع محمدی ہی میں ملے گا۔

فصل دوازدہم

الرفیق ثم الطريق

اس مقولہ کا منشا یہ ہے کہ کوئی کام کرنا ہو تو پہلے اُس ڈھب کا آدمی ڈھونڈ لو۔

راہ چلو تو سامان سفر کے پہلے راہ کے ساتھی کا بندوبست کرو۔ کوئی تجارت یا کوئی کاروبار کرنا ہو تو سب کے پہلے اُس کام کے لائق کسی ہوشیار گماشتہ کا بندوبست کرو۔ زمینداری کا شوق ہو اور زمینداری سے فائدہ اٹھانا چاہو تو زمینداری کے لیے روپیہ نکالنے سے پیشتر ایسے کارندہ کی تلاش کرو جو رعایا کے طرز تمدن سے واقف ہو۔ رعایا سے لگان وصول کرنے اور انکو راضی رکھنے کے طریقہ جاننا ہو۔ سیر اور اسکے متعلق تمام امور کے انجام دینے کی قابلیت رکھنا ہو۔ وکالت کا پیشہ کرنا ہو تو واقف کار محرم کی ضرورت اُس قدر تسلیم کرو جتنی مفصلہ بالا کاموں میں گشتے اور کارندے تمکو اہم تہائے گئے ہیں کچھ اچھے کاموں کی تخصیص نہیں۔ بُرے کام میں بھی جب تک تمہارا ساتھی ہوشیار نہیں ہے رونق نہ ہوگی۔ چور چوری میں رہن رہن رہن رہن رہن۔ ڈاکو ڈاکو زنی میں اُسی وقت پورے طور سے کامیاب ہو گا اور اسکے نام کو اُسی وقت شہرت ہوگی جب جان نثار اور بہت دالے ساتھیوں سے سابقہ پڑے گا۔ سکندر۔ جولیس سیزر۔ تیمور۔ بنولین۔ بونا پارٹ۔ نادر شاہ۔ ابراہیم خان کے کارنامے پڑھیں تو اچھا ہوتا ہے۔ کیا انہیں کوئی خاصیت ایسی تھی جو دوسرے انسان میں ممکن نہیں۔ نہیں یہ کوئی عجیب الخلق نہ تھے۔ ہمیں آپ ایسے آدمی تھے کہ وہی قدر بہت اور استقلال کے ساتھ شجاعت کی صفت بڑھی ہوئی تھی مگر اتنی کہ وہ انکو ہم سے الگ کر دے۔ مگر اتفاقات اُنکے مساعد ہوتے گئے اور وہ بڑھتے گئے۔ اور بڑا اتفاق تو ہم بھی سمجھیں گے اور ہر ذی فہم ایسا ہی سمجھتا ہے کہ ان لوگوں کو اچھے اچھے بہادر اور تجربہ کار ساتھی ملے اور انھوں نے اُنکی بدولت اپنی شہرت کا جھنڈا آسمان پر جا گاڑا۔ دُنیا میں ہم اُسکو بڑا خوش نصیب سمجھتے ہیں جو کوئی کام کرنا چاہے

راہ چلو
تو سامان
سفر کے
پہلے
راہ کے
ساتھی
کا بندوبست
کرو۔
کوئی
تجارت
یا کوئی
کاروبار
کرنا ہو
تو سب
کے پہلے
اُس کام
کے لائق
کسی
ہوشیار
گماشتہ
کا بندوبست
کرو۔
زمینداری
کا شوق
ہو اور
زمینداری
سے فائدہ
اٹھانا
چاہو
تو زمینداری
کے لیے
روپیہ
نکالنے
سے پیشتر
ایسے
کارندہ
کی تلاش
کرو جو
رعایا کے
طرز تمدن
سے واقف
ہو۔
رعایا
سے لگان
وصول
کرنے اور
انکو راضی
رکھنے کے
طریقہ
جاننا
ہو۔
سیر اور
اسکے
متعلق
تمام امور
کے انجام
دینے کی
قابلیت
رکھنا
ہو۔
وکالت
کا پیشہ
کرنا ہو
تو واقف
کار محرم
کی ضرورت
اُس قدر
تسلیم
کرو جتنی
مفصلہ
بالا کاموں
میں گشتے
اور کارندے
تمکو اہم
تہائے گئے
ہیں کچھ
اچھے کاموں
کی تخصیص
نہیں۔
بُورے کام
میں بھی
جب تک
تمہارا
ساتھی
ہوشیار
نہیں ہے
رونق نہ
ہوگی۔
چور چوری
میں رہن
رہن رہن
رہن رہن۔
ڈاکو ڈاکو
زنی میں
اُسی وقت
پورے طور
سے کامیاب
ہو گا اور
اسکے نام
کو اُسی وقت
شہرت
ہوگی جب
جان نثار
اور بہت
دالے
ساتھیوں
سے سابقہ
پڑے گا۔
سکندر۔
جولیس
سیزر۔
تیمور۔
بنولین۔
بونا پارٹ۔
نادر شاہ۔
ابراہیم
خان کے
کارنامے
پڑھیں
تو اچھا
ہوتا ہے۔
کیا انہیں
کوئی
خاصیت
ایسی
تھی جو
دوسرے
انسان
میں
ممکن
نہیں۔
نہیں یہ
کوئی
عجیب
الخلق
نہ تھے۔
ہمیں
آپ
ایسے
آدمی
تھے کہ
وہی
قدر
بہت
اور
استقلال
کے ساتھ
شجاعت
کی صفت
بڑھی
ہوئی
تھی
مگر اتنی
کہ وہ
انکو
ہم سے
الگ
کر دے۔
مگر
اتفاقات
اُنکے
مساعِد
ہوتے
گئے
اور وہ
بڑھتے
گئے۔
اور بڑا
اتفاق
تو ہم
بھی
سمجھیں
گے اور
ہر ذی
فہم
ایسا
ہی
سمجھتا
ہے کہ
ان لوگوں
کو اچھے
اچھے
بہادر
اور
تجربہ
کار
ساتھی
ملے اور
انھوں
نے اُنکی
بدولت
اپنی
شہرت
کا
جھنڈا
آسمان
پر جا
گاڑا۔
دُنیا
میں
ہم
اُسکو
بڑا
خوش
نصیب
سمجھتے
ہیں
جو کوئی
کام
کرنا
چاہے

اور اُس کام کے لائق اُسے آدمی مل جائے۔ اور نہایت بد بخت وہ شخص ہے جس کی ایسے کام کا منصوبہ کرے جس سے اُسکے ساتھیوں کی طبیعت مناسب نہ ہو یا سب طبیعتوں کے ساتھی اُسے میسر نہ آئیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ بکار آمد چیز زر ہے۔ کسی کا شعر ہے۔

اے زر تو خدا نئی دلیکن بخدا ستار عیوب قاضی الحجاباتی

لیکن ہمارے نزدیک زر کو آدمی سے کوئی نسبت نہیں ہو سب سے زیادہ قیمتی چیز دنیا میں آدمی کی ذات ہے جس کسی کو کام کا آدمی ہاتھ آیا اسکو سمجھنا چاہیے کہ بڑی نعمت ملی۔ آدمی کوئی بے کام نہیں آدمی سب کام کے ہیں۔ لیکن ہم کسی آدمی کو اپنے کام کا اُسی وقت کہیں گے جب وہ ہماری مدد اُس کام میں کر سکے جو ہمارا مرکز خاطر ہے۔ اگر ہم معافی پیشہ کرتے ہیں اور ساتھی ہمیں ملا جو روں کا سردار تو ہمارا دلوالہ نکلا دھرا ہے۔ ہم نے چوری کا پیشہ کیا اور ہمکو ساتھی ملا ایک راست باز خدا ترس تو سمجھے کہ اپنے ساتھ وہ ہمیں بھی جیل خانہ لے جائے ہم چاہتے ہیں کہ رہزنی اپنا پیشہ ٹھہرائیں اور ساتھی ہمارے بزدل اور نا تجربہ کار ہیں تو سمجھے ہم دھڑے بیٹھے ہیں۔ آج کل ترقی کے بے انتہا وسائل اور وسیع ذرائع ہمارے سامنے ہیں۔ دنیا علم اور دنیا ناشوق طبیعتوں میں تقلید کا مادہ بنا عاقبت اندیشی ہمارے خمیر میں۔ ہر کام کرنے کو ہم سب کے پہلے طیار ہوتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ ہم اسے کبھی سکتے ہیں ہر کارے دہر دے۔ اگر ہمارے کرنے کا کام نہیں ہو تو کم سے کم ہمیں اتنا تو سوچ لینا چاہیے کہ اس کام سے مرافعت رکھنے والے پہلے دھوٹ دھ لے جائیں۔ پہلے نوابی عمارت

میں دو قسم کے کوٹیرے تھے۔ ایک تو وہ جو بنگلون کے قریب رہ کر اپنی کرتے تھے اور دوسرے لکھے پڑھوں کی جماعت جو اچلے بنگلون سے موسوم تھی۔ آخر الذکر اکثر شاہی عہدوں یا شاہی ملازموں کا سہما ڈھونڈ کر اپنا رنگ جاتے تھے اور باستان و چند مذہبی طلباء کے عہد تمام لکھے پڑھے لوگ اسی گروہ میں داخل تھے اور قلعہ الطریق اپنے لکھنے پڑھنے کی غائت جانتے تھے۔ اب نئے خیالات اور نئی تعلیم نے بہت کچھ اس بارہ میں اصلاح کی اور کرتی جاتی ہے۔ اب لوگوں کے نزدیک یہ بات ذہن نشین ہوتی جاتی ہے کہ لکھنے پڑھنے کی یہ غائت کہ و دات قلم لیکر کسی کوپری کا سہارا کپڑا لیا اور جھوٹ سچ یکر دفریب سے دو پیسہ شام کو گھر لائے ناپسندیدہ بات ہے۔ اب طلباء مدرسہ نئے نئے منصوبہ باندھتے ہیں۔ تجارت ایک نہایت وسیع شاخ ہے اس کے مختلف شعبوں پر غور کرتے ہیں۔ نئے نئے کارخانوں کے اجراء اور حرفت و صنعت میں ترقی دینے کا منصوبہ باندھتے ہیں اگر زمانہ ناساعت نہ کرے اور ناجو بہ کاربون سے نقصان کی صورتیں پیدا نہ ہوں تو نہ معلوم یہ نو تعلیم یافتہ کیا کچھ نہ کر ڈالیں۔ ایسی حالت میں ہم اپنے ہونہار نوجوانوں کے ساتھ ہمایت امتیاز کے ساتھ عربوں کا پورا نامقولہ پیش کرنا اپنا انسانی فرض سمجھتے ہیں اور اس لیے ہم اس مضمون کو اسی مقولہ پر ختم کرتے ہیں جس پر ابتدا کی تھی۔ ”الرفیق شمس الطریق“

فصل سیزدہم

قومی امتیاز

قومی امتیاز سہنڈوں کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ ہر قوم میں اس کا وجود کم و بیش

فصل سیزدہم
ہے کجی
نویا سبب
سے
یادہ قومی
ملکو سمجھنا
ہیں۔
مداش
ساختی
کیا اور
نہ لجا
تجربہ کا
ورجید
ماوہ
تے
کے
س
سی

پایا جاتا ہے۔ ہاں صورتیں مختلف ہوتی ہیں۔ اس اختلاف صورت کی وجہ سے جتنا چاہو ہندوؤں پر الزام رکھ لو۔ لیکن فیصلہ کرنا مشکل ہو گا کہ ہندوؤں کا جو اعتراض تم پر ہے وہ صحیح ہے یا تم جو الزام ہندوؤں پر عاید کرتے ہو وہ زیادہ باوقفت ہے۔

فاتح و فتوح میں قومی تفرقہ اور اس کے ساتھ قومی امتیاز لازم ہے۔ ہندوستان کے قدیم فاتح آریہ (برہمن چھتری) لوگوں نے جو سلوک اصل باشندگان ہند کے ساتھ کیا وہ ظاہر ہے۔ لیکن مسلمان کسی طرح ان آریوں کو قابل الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔ جب انھوں نے خود اپنے لیے اس الزام کو قایم رکھا اور اس طرح کہ اپنے مذہبی مسئلہ کو بھی بدل ڈالا۔ تنوین ننانوے مسلمان ہند کے ایسے ہیں جو برہمن اور چھتری کی چھوی ہوئی چیزوں کو تو کھاتے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کی چھوی ہوئی چیزوں کو نہیں کھاتے جسے برہمنوں اور چھتریوں کو نفرت ہے۔ حالانکہ جن مسلمانوں کے نزدیک غیر موحدون کا چھوا ہوا کھانا کھانا روا ہے اور زیادہ تر مسلمان اسی عقیدے کے ہیں۔ ان کے نزدیک مذہب کے رو سے اس بارہ میں تمام غیر موحدون کا درجہ سادی ہے وہ برہمن ہوں یا چارہوں۔

عرب اپنی ابتدائی فتوحات میں دوسری قوموں کو عجمی کہتے تھے۔ یہ عجمی کا لفظ ابتدائیں دیسا ہی سمجھا جاتا تھا جیسا انگریز ہندوستانیوں کے لیے نیٹو کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں کلمہ پڑھنے کے بعد غیر قوم کے ساتھ جو درجہ اخوت کا قایم ہو جاتا ہے اسکی نظیر دوسری قوم اور مذہب میں ملنا مشکل ہے اور عام طور پر یہی کہا اور سمجھا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے مسلمان بھائیوں میں قومی امتیاز کا بھی

خیال نہیں کیا۔ لیکن پھر بھی دلوں کی کیفیت کو کیا کیا جائے۔ مگر اور مدینہ کے باشندے جو پیغمبر خدا کے وقت میں مسلمان ہو گئے تھے انکو عرب کے دوسرے مسلمانوں پر ضرور ایک خصوصیت تھی۔ خود انہیں بھی اہل بیت کا درجہ ضرور بڑا سمجھا جاتا ہے۔ یہ خصوصیت مسلمان میں بھی منتقل ہوئی۔ مسلمانوں میں پہلے اہل بیت اُسکے بعد مکہ اور مدینہ کے باشندے پھر عرب کے عام باشندوں کا درجہ ہے۔ اُسکے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے جنکو عربوں نے اسلام کی تعلیم دی۔ جہاں تک عرب۔ ایران اور مصر کو تعلق ہے ان مدارج پر بہت کم لحاظ ہوتا تھا اور ہوتا ہے۔ لیکن ہندوستان میں اس اختلاف نے بہت زیادہ رونق پکڑی۔ ہندوؤں کی طرح برہمن۔ چترتھی۔ ویش۔ شوڈر کے سے درجے تو نہیں قائم ہوئے۔ لیکن پھر بھی مسلمانوں کی اعلیٰ قوم کے چار درجے قرار پائے۔ شیخ سید۔ مغل۔ پٹھان۔ عرب کے لوگ عموماً شیخ کہلاتے ہیں۔ اور مغل ایک قوم ہے جسکو سلطنتِ مغلیہ کے نام سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ اُسکے بعد پٹھانوں کا درجہ ہے جو افغانستان اور افغانستان کے گرد و نواح سے ہندوستان میں آئے یہ مدارج باعتبار اُس قوت کے نہیں قائم ہوئے جو ان قوموں کو ہندوستان میں حاصل تھے۔ بلکہ باعتبار مدارج اسلام کے یہ درجے قائم ہوئے تھے۔ اہل عرب اس وجہ سے قابلِ تنظیم ضرور تھے۔ کہ اسلام کا سچا نقشہ اُس وقت تک قائم رہا۔ جب تک یہ عربوں کے ہاتھ میں تھا۔

ہندوستان میں شیخوں کی سلطنت شاید کبھی نہیں ہوئی۔ مغلوں اور پٹھانوں کی سلطنت عرصہ تک رہی۔ لیکن شیخوں کا درجہ ان بادشاہوں اور اراکینِ سلطنت کے

بیت کی وجہ
ہندوؤں کا
وہ زیادہ

ہندوستان
مذہبان ہند
لزام نہیں
طرح کہ اپنے
جو برہمن اور
ہوئی چیزوں کو
ن کے
عقیدے
ون کا

میں کا لفظ
ہندوستان
کا قائم
رہی
کا کبھی

دربار میں مذہبی رعایت سے دلیا ہی تھا جیسا ہندوؤں کے راج و دربار میں ہوتا
 کا۔ شیخ کوئی قوم نہیں ہے بلکہ ایک تنظیم کا لفظ ہے جو نام کے قبل عرب میں اسی طرح
 استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ مسٹر۔ یاسر کا لفظ انگریزی میں معلوم نہیں کہ ہندوستان
 میں قوم کو اس لفظ سے کیوں تعبیر کرنے لگے۔ زمانہ موجودہ میں شیخ کا لفظ جن
 معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے بیان اسکی تصریح کی ضرورت نہیں ہے خصوصاً یہ
 ہو کہ ہندوؤں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی ایک طور پر اپنی قوم کو ہندوستان
 میں تقسیم کیا۔ اور یہ نہ سمجھے کہ قومی امتیاز کے مٹانے اور اخوت اسلامی قائم کرنے کو اسلام اُتر آقا۔
 یہ غلط ہے کہ انگریزوں میں قومی امتیاز نہیں ہے۔ جتنا ہندوستان میں یہ قومی
 امتیاز کا لحاظ رکھتے ہیں وہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے خیال سے بھی بعض امور میں
 بڑھا ہوا ہے۔ انکے یہاں بھی تین درجے قائم ہو گئے ہیں۔ یورپین۔ یوریشین۔
 نیٹو کریشین (دوبیسی عیسائی) یورپین لوگ یوریشین سے بھی بالکل علیحدہ رہنا چاہتے
 ہیں۔ یوریشین گویا بین بین ہیں۔ نیٹو کریشین کے ساتھ جہاں تک ہلکود کیفیت
 اور تجربہ ہے کسی کام میں یورپین شرکت پسند نہیں کرتے۔ طرز تمدن سے بالکل یہ
 نہیں معلوم ہوتا کہ انہیں مذہبی اخوت ہے۔ مسلمانوں میں ایک ادنیٰ درجہ کا شخص
 مسلمان ہونے پر جو درجہ حاصل کر سکتا ہے وہ بڑے سے بڑا نیٹو عیسائی ہو کر
 عیسائیوں میں حاصل نہیں کر سکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح ہر شخص اپنے کو
 دوسروں سے اچھا سمجھتا ہے ویسے ہی ہر قوم اپنے کو دوسری قوم سے اچھا سمجھنے
 کی خواہش رکھتی ہے اور جب اس خواہش کے ساتھ تائید غیبی شامل
 ہوئی تو قومی نخوت پیدا ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ اسی قومی نخوت کا نام ہر قومی امتیاز ہو

مختلف حالتوں میں مختلف طور پر ظاہر ہوتا رہتا ہے۔

اسلام کا بھی ایک زمانہ تھا اور مدت تک وہ زمانہ قائم رہا۔ تمام دنیا میں انکی غلط تسلیم کی جاتی تھی لیکن قومی امتیاز کو وہ ہمیشہ برا سمجھتے تھے اور یہی ایک دنیا میں ایسی قوم ہوئی ہے جس نے اپنی ترقی کے زمانہ میں اسکا قائم رکھنا کیسا اسکے مٹانے کی فکر کی ہے۔

عرب زمانہ جاہلیت میں بھی خود کو دنیا کی تمام قوموں سے شریف تر سمجھتے تھے اور اس بارے میں وہ بہت سخت تھے۔ اسلام نے جو انکا درجہ بڑھایا تو انکو اور تیز ہونا تھا لیکن یہ تعجب بات اسلام سے ہے کہ بجائے تیز ہونے کے وہ اور نرم ہوتے گئے۔ غیر قوم کے ساتھ وہ اپنی لڑکی زمانہ جاہلیت میں بیابہتے نہ تھے۔ پیغمبر خدا نے اول اول خود اپنی بھوپھی زاد بہن کی شادی زید ابن حارثہ سے کی اور یہ امر اتنا مستم بالشان قرار پایا کہ قرآن میں بھی اسکا تذکرہ آیا۔ قریش شروع شروع اس پر اعتراض ہوئے لیکن جب آنحضرت نے سمجھا دیا کہ اسلام مسلمانوں میں اس امتیاز کا مٹانے والا ہے تو وہ سب کے سب چپکے ہو رہے اسکے پیغمبر خدا کی نسل میں مفتوحہ قوم کی لڑکیاں بیابہ کے ذریعہ سے داخل ہوئیں اور اکثر ائمہ اخصیر کی نسل سے پیدا ہوئے۔ خلفائے بغداد نے بارہا اپنی لڑکیاں نو مسلموں سے بیابہیں اور جب تک مسلمانوں کی ترقی کا زمانہ تھا اس قومی امتیاز کا مٹانا اور تمام مسلمانوں کے ساتھ اخوت اسلامی کا سادی درجہ پر قائم رکھنا وہ قومی شعار اور اور اپنی ترقیوں کا سبب سمجھتے تھے۔ شاہان ہند کے اچھے دنوں میں بھی اسکی تقلید ہوتی رہی۔ غلام پادشاہوں کے سلسلہ میں جتنے پادشاہ ہوئے انہیں سے

برابر میں ہر قوم
اسی طرح
کے مسلمان
لفظ جن
ہر خاصہ
ہندوستان
م آڑھا۔
یہ قومی
سور میں
ورشیں
جاہلیت
تقدیر
بالکل یہ
کا شخص
ہو کر
ہیے کو
سمجھنے
مل
ستیا جو

اکثر سابق پادشاہ کے داماد تھے۔ بہت سی مثالیں اسکی ہیں کہ مسلمان بیاہ شادی میں صرف کفو کا خیال رکھتے تھے اور وہ بھی لازمی طور پر نہیں۔ غیر کفو میں بھی نکاح ہو جاتا تو وہ بھی جائز تھا۔ کفو کے معنی صرف مساوات کے تھے یعنی طرز زندگی اور طریقہ بود و باش میں عورت اور مرد کا مساوی درجہ ہونا انکی آئندہ بہبود اور خیالات کے مساوی کے لیے مناسب سمجھا جاتا تھا۔ اب جو دستور مسلمانوں میں جاری ہے کہ پہلے بڑی دیکھتے ہیں اسکے بعد متول۔ علم اور اخلاق پر نظر ڈالتی ہیں یہ زمانہ حال کا دستور ہے زمانہ عروج میں اسکی مثال نہیں ملتی۔

کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے میں کسی قسم کا قومی امتیاز نہ مسلمانوں میں پہلے تھا اور نہ اب ہے۔ کلیہ پڑھنے یعنی اخوت اسلامی قائم ہوتے ہی نو مسلم تمام امور میں جہاں تک انکو قومی امتیاز سے تعلق ہے حقیقی بھائی کے برابر ہو جاتے ہیں۔ اسلام کے پھیلانے میں اس صفت نے بڑی مدد دی تھی اور اب بھی اس سے بڑی مدد ملتی ہے اگر کوئی تبدیل مذہب کرنا چاہے تو سب سے زائد سہولت اسکو اسلام اختیار کرنے میں حاصل ہوتی ہے۔ چین اور افریقہ میں جہاں حکومت اسلامی نہیں ہے لیکن اسلام کو روز بروز ترقی ہے۔ اس اخوت اسلامی کے اصول سے بڑی مدد ملتی ہے اور عیسائی مورخ اسکو حیرت اور پسند کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

فصل چہارم

سُجُل اور اسراف

تعجب ہے کہ فطرتی ماضی یا غایت سخاوت کو بھی لوگ سُجُل کہتے ہیں۔ آدمی

جو کچھ پیدا کرے اُسے خود کھائے اور اپنے اعزہ کو نہ دے وہ بیشک بخیل ہے۔
خود بھی نہ کھائے تو اُس سے بڑھ کر بخیل ہے۔ خود کھائے اور دوسروں کو بھی
کھلائے یہ سخاوت ہے۔ خود نہ کھائے اور دوسروں کو کھلائے یہ غایت خیاالی
ہے۔ اب اگر کوئی اس سے بھی ترقی کر جائے یعنی نہ خود کھائے اور نہ دوسروں
کو اپنی آنکھ کے سامنے کھلا کر لطف حاصل کرے بلکہ دوسروں کے لیے اس طرح
دولت جمع کر جائے کہ وہ اُسکے مرنے پر متصرف ہوں یعنی اُس لطف سے بھی
اپنے کو محروم رکھے جو اہل سخا کو احسان کرتے وقت حاصل ہوتا ہے تو اس
بیر یا فباضی کو بخیل سے تعبیر کریں گے یا سخاوت سے؟ سوال نہایت ٹیڑھا ہے۔
عام طور پر ایسا شخص بڑا سمجھا جاتا ہے۔ لیکن گفتگو یہ ہے کہ ایسے بے نفس شخص
کو جو تمام عمر دوسروں کے لیے مزدور رہتا رہا بجا سے اصلح الصالحین کہنے
کے لوگ اس بخیل العجلا کیوں کہتے ہیں؟ ایسا شخص بڑا ضرور ہے لیکن ہرگز نہ ہرگز
بخیل نہیں ہے۔ اسکو بخیل نہ کہو۔ بدترین خلافت کو۔ کس صفت سے یہ ایسے
ذلیل درجے میں قائم ہوا؟ یا کس اخلاقی بُرائی میں اسکا فعل داخل ہوا؟ اسکا
جواب آئندہ سطر دوں میں ہے۔ ہم اسکو بخیل سے نکال کر اسراف میں داخل کرتے
ہیں اور بجا سے بخیل کے اسے مشرف ثابت کرتے ہیں۔

ضرورت سے زیادہ کسی چیز کا صرف کرنا اسراف ہے۔ مسلمانوں کے مذہب میں
اسراف بہت مذموم ہے۔ خدا نے بندوں کو اپنی نعمتوں کا محتاج بنایا اور نعمتیں
اسیے پیدا کیں کہ بندوں کی ضرورتیں اُنسے رفع ہوں۔ اگر ایک شخص ضرورت سے
زیادہ نعمت اپنے صرف میں لائے تو وہ گویا بقدر غیر ضروری صرف کے دوسروں کی

بیاہ شادی
بی نکاح ہو جا
یا اور طریقہ
کے مساوات
پہلے ہڈی
کا دستور ہے

پہلے تھا
م تمام امور
تے ہیں
س سے
سمولت
جان حکومت
می کے
گاہ سے

آرمی

حق تلفی کرتا ہے۔ مثلاً ایک قافلہ میں چار شک بانی ہے اور تین آدمیوں کو دن بھر
 اسی سے اپنا خشک گلاتر کرنا ہے۔ مالک قافلہ کو غسل کی احتیاج ہوئی۔ دو چار لوٹہ
 بانی اسکے نہانے کو کافی ہے۔ اب بچاے دو چار لوٹہ بانی کے تمام شکستہ نہانے
 میں خالی کر دے تو کوئی اسکا ہاتھ پکڑنے والا نہیں ہے۔ لیکن ایسا کرنے سے اسکو
 کوئی حنائین ملے گا اور دن بھر قافلے واسے پیاس سے پیچیدہ رہیں گے۔ کوئی
 تعزیری قانون ایسا نہیں ہے جو نہانے میں زیادہ بانی صرف کرنے کو روکے۔
 لیکن اخلاقی قانون اس صرف بچا کو اسراف بتاتا ہے اور سخت مذموم ٹھہراتا ہے۔
 اسی طرح جہازوں کے موسم میں کوئی امیر دو چار پانچ کتل بچانے کی جگہ پر نہرا
 کتل تہہ تہ بچا کر اسپر آرام کرے اور ایسا کرنے سے مال کا جمع کرنا مقصود نہ ہو تو یہ
 فعل عبت بھی داخل اسراف ہے یعنی محلہ بھر کے لیے جب قدر کتلوں کی ضرورت
 تھی اُسے کتل تنہا ایک شخص نے بلا ضرورت اپنے صرف میں رکھ کر گویا تمام محلہ والوں
 کے حقوق پر ایک گونہ تعزیر بچا کیا۔ لیکن تعزیر بچا کا الزام صریح طور پر عاید نہیں
 ہوتا اس لیے اخلاق نے کہا اسے متصرف بچا نہ کہ موثر صرف کو۔

ایک شخص کی عادت ہے کہ رات کو وہ تمام کمروں میں بے درجہ سیکڑوں لمپ
 روشن رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کمرے میں جا کر سو رہا ہے جب بھی تمام کمروں میں
 سیروں تیل ٹپکا کرتا ہے۔ اس بہودہ حرکت کو کس مدین داخل کریں گے؟

اسراف میں۔

اے بلے کو روز روشن شمع کا فوری بند زد و بینی کش شہبہ غن نباشد در چراغ
 محض سلیہ نہیں کہ کل خود اسکے پاس مال نہ ہوگا تو اسکو تکلیف ہوگی۔ بلکہ اس لیے بھی

باری تعالیٰ نے اپنے بندوں کی آسائش کے لیے جو نعمتیں پیدا کی ہیں انکا
بہ ضرورت صرف کرنے والا نعمتون کی قدر نہیں کرتا کفرانِ نعمت کرتا ہے۔
مفصلہ بالا مثالیں اس امر کے سمجھانے کو کافی ہیں کہ کسی شے کو ضرورت سے
زیادہ صرف کرنا یا بے محل صرف کرنا اسراف کہلاتا ہے۔

اب جس نے دولت اسلئے رکھ چھوڑی کہ اُسکے مرنے پر دوسروں کے
کام آئے وہ دولت کو بے محل صرف کرتا ہے اور اسلئے ضرور سرف ہے۔
رکھنے والا تو اسلئے نہیں رکھتا کہ دوسرے صرف کریں لیکن نتیجہ پر نظر ڈال کر ہی
کہا جاتا ہے کہ وہ دوسروں کے لیے جمع کرتا ہے۔ جمع کرنے والے کا خیال تو
یہ ہوتا ہے کہ میں ہمیشہ زندہ رہوں گا اور میں پیدا اسلئے کیا گیا ہوں کہ دولت
جمع کرنا ہوں۔ وہ سعدی کے مقولہ کو کہ ”مال براے آسائش عمر است نہ عمر
از براے گرد کردن مال“ کو نہایت ہی حقارت سے سمجھتا ہے۔ جیتے جی اپنے
اور اپنے تمام متعلقین کے حقوق کو پامال کر کے مار گنج کی طرح خزانہ کی حفاظت
کرتا ہے اور مرتے دم اپنے دینا کو اجازت دے جاتا ہے کہ ”مال مفتل
بے رحم“ وہ خوب دولت اُڑائیں۔ اور بجائے شکر گزار ہونے کے صبح و شام
مرنے والے کی بُرائیاں کیا کریں۔

”برائے نہادن چہ سنگ و چہ زر“ جو لوگ آنکھ بند کر کے زمین میں روپیہ
گاڑتے جاتے ہیں یا کسی اور طریقے سے دولت اس طرح بڑھاتے ہیں کہ
محض جمع کرنا مقصود ہوتا ہے خرچ کرنا مد نظر نہیں ہوتا۔ تکلیف سے بھر کرتے
ہیں۔ بھوکون مرتے ہیں۔ اپنے متعلقین کو بھوکا رکھتے ہیں۔ دن رات دولت

بڑھنے کی دعائیں کرتے ہیں۔ ایسے اشخاص بد نصیب ہیں یا لدا زمین ہیں۔
مفلس ہیں۔ غنی نہیں ہیں۔ فقیر ہیں۔ معزز نہیں ہیں ذلیل ہیں۔

لیکن اسکے ساتھ ہی سُرف سخیل سے بھی زیادہ بُرا ہے۔ سخیل صرف اپنے
یا اپنے لگانوں کے لیے بُرا ہے۔ سُرف اپنے اور اپنے لگانوں کے لیے تو
بُرا ہے ہی تمام دنیا کے لیے بھی بُرا ہے۔ اسراف کے ساتھ دنیا جہان کی
جرائیات لازم ہیں۔ مال کے بیوقع صرف کرنے سے کفرانِ نعمت ہی کا الزام
سُرف پر عاید نہیں ہوتا بلکہ وہ عملی طور پر چوری کرنے۔ جھوٹ بولنے۔ دغا دینے۔
غریب کرنے پر بھی مجبور ہوتا ہے۔ جو شخص اپنے مال کی قدر نہیں کرتا دوسروں کے
مال کی بھی قدر نہیں کرتا۔ جو اپنی دولت کو مٹی سمجھتا ہے وہ دوسروں کے مال کو
بھی مٹی سمجھتا ہے۔ اور دوسروں کی چیزیں لینے میں اُسے اتنا بھی دریغ نہیں ہوتا
جتنا تمہاری کے ڈے اٹھانے میں پرہیزگاروں کو ہوا کرتا ہے۔ اللہ سُرفوں کو
ہرگز پسند نہیں کرتا اس سے زیادہ اور کیا مذمت سُرفوں کی ہو سکتی ہے۔

قرآن میں اسکے متعلق نہایت ہی معتدل حکم حکمتوں سے بھرا ہوا منصوص ہے
”خُفَّحْ كَرْنَے وَاَلْے فَنُؤُحْ حَرْجٍ نَّكْرِينَ اور نہ بہت تنگدستی کریں۔ اُنکا خرچ دونوں
کے بین بین میں نہ ہو“

فصل پانزدہم حسن پرستی

حسن پرستی کے معنی ہوں اچھی چیزوں کا پسند کرنا تو کیا کہنا۔ کپڑے صاف ہوں۔ گھر

۱۵ اِنَّ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ۔ (سورۃ النعام رکوع ۱۷)۔
۱۶ وَالَّذِیْنَ اِذَا اَلْفَقُوا لَمْ یَسْرِ فَرَادَیْمَ یَقْتَرُوا وَکَانَ بَیْنَهُمْ ذَلَالٌ قَرِیْبٌ (سورۃ فرقان رکوع ۶)۔

صاف ہوں۔ ملنے والے اچھے ہوں۔ جوتے پر گرد نہ ہو۔ بال صاف ہوں۔
جب کاشوق ہو۔ پھولوں سے غربت ہو۔ مکان کی چیزیں ترتیب سے رکھی
سہوئی ہوں۔ جبکہ یہ دھن ہے اُنکے اوقات اچھے ہیں اور اخلاق اچھے ہیں۔
لوگ عزت کی نظروں سے اُنکو دیکھتے ہیں اور وہ بھی فی الجملہ دنیا ایسی دارالحوار
میں خوش رہ سکتے ہیں۔ اور اگر حسن پستی سے خوبصورت عورتوں کا نظارہ
مراد ہے تو اسکا شدید ہمیشہ غیر مطمئن رہتا ہے اور سب کی نظروں میں ذلیل رہیگا۔
یہ نہایت بُری بات ہے۔ خدا اس سے بچائے۔ جبکہ اسکا ضبط ہوا وہ دین
اور دنیا دونوں سے گیا۔

نہ خدا ہی ملانہ وصال صنم۔ نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے
گنہ دونوں جہان کام سے ہم۔ نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے
یہ شعر شاعر دن کی معمولی بڑ ہے اور اس موقع پر خوب چپان بھی نہیں ہے۔
لیکن بیان اس غرض سے نقل کیا کہ شاعر کچھ نہ سہی حسن پستی کے قواسم
ہوتے ہیں۔ گویا استاد فن لکھتا ہے کہ حسن پستی میں وصال صنم تو ہوتا نہیں۔
خدا البتہ کھوجاتا ہے۔ صنم سے مراد ہے محبوب مرغوب اور خدا سے مجازاً اشارہ
ہے اخلاق حسنہ کی طرف تو معنی یہ ہوئے کہ تمام اخلاق حسنہ تو خاک میں
مل گئے۔ لیکن کوئی صورت قابل اطمینان نظر نہیں آئی۔

یہ مضمون اور وضاحت سے یوں ذہن نشین ہو سکتا ہے کہ عورتیں فی الواقع
حسین نہیں ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ بھول کے غنچے۔ درخت کی نئی نئی پتیان بعض
جالور دیکھے چھوٹے چھوٹے بچے عورتوں سے حسین تر ہیں۔ بلکہ اپنی نوع میں بھی

میں ہیں۔

ف اپنے

کے لیے تو

بہان کی

کا الزام

دعا ہے۔

دوسرے

کے مال کو

نہیں ہوتا

سرفون کو

ہے۔

صوم ہے

چ دونوں

۱۴

ن۔ گھر

۱۴

مردوں سے عورتیں جشن میں گرمی ہوئی ہیں۔ ماہِ الشباب کی نگہکاری ایک
 مجدا شتر ہے۔ جوانی سے اترنے پر ڈوہمن مرد و عورت کا مقابلہ کیا جائے تو
 مرد بدرجہا عورتوں سے حسن میں بڑھے ہوئے نظر آئیں گے۔ آخری عمر کو
 لیجیے۔ کوئی ساٹھ برس کا بڈھا ہو جسکی ڈاڑھی اور سر کے سفید بال چلتے ہوں
 ڈاڑھی منقطع ہو۔ پیشانی پر بزرگی کا نور ہو۔ تو اُسکی باتیں سنکر یا اُسکا چہرہ دیکھ کر
 لطف آجاتا ہے۔ لیکن اسی سن کی کوئی عورت کسی طرح اس مرد کے حسن کا
 پانگ بھی نہیں ہو سکتی۔ ہر گھڑی میں اسکا تجربہ ہو سکتا ہے۔ ساٹھ سال کا
 بھائی اپنی پنجاہ سالہ بہن سے (گو یہ کیسی ہی سڈ دل اور وہ بیڈ دل ہوں خوشنا
 معلوم ہوگا۔ جانوروں میں بھی عموماً زیادہ سے خوشنا ہوتا ہے۔ چنر۔ پندر۔ بھری۔
 بڑی۔ صحرائی۔ کو ہی جتنے جاندار ہیں سب میں بلا استثناء زیادہ سے حسین نظر
 آتا ہے۔ زیادہ کھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات مانی ہوئی ہے کہ تمام مخلوق
 میں قرب نسبت مادہ کے حسین ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ علم نباتات جاننے والے
 جو درختوں اور پودوں میں نرا در مادہ کا امتیاز کر سکتے ہیں اس کتبہ کو بھی بطور قانون
 قدرت کے مشاہدہ کرتے ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ عورتوں کا حسین نظر آنا محض نظر
 کا دھوکا کھانا ہے اور اس فریب دہی میں قانون قدرت کی مشاطہ گری قابل
 حیرت ہے۔ ماہِ الشباب کی دلفریبی عورتوں کی طرف اور بیٹابی دل مردوں کی
 طرف یہ دو بلائیں قانون قدرت کا اشارہ پاکر اس درجہ تخریب انسانی کی درپے
 ہوتی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ عقل ہی ایک شتر ہے جو اسوقت انکا مقابلہ کر سکتی ہو
 اور جسکی مدد سے انسان اپنی شرارت قائم رکھ سکتا ہے۔ جب عورتوں کے چہرہ

سے شباب کی خول اور زجاتی ہے اسوقت مرد من کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس غلط فہمی میں تھے۔

مارالشباب کی یہ کیفیت ہے کہ تمام عورتوں میں یہ ایک وقت سا وہی طور پر فطرت سے عطا کیا جاتا ہے۔ اور اسکے قیام کا زمانہ بہت ہی تنگ اور محدود ہوتا ہے۔ عالم شباب میں تمام عورتیں ایک درجہ رکھتی ہیں۔ شباب جانے پر بادی النظر میں تفادت مدارج پیدا ہوتا ہے لیکن جتنی چیزیں کہ مردوں کو فی الواقع راستبازی کے ساتھ خوش رکھ سکتی ہیں وہ پھر بھی قائم رہتی ہیں۔ مارالشباب ایسی بیکار اور خود غرض چیز کی پردہ میں عورتوں کے دیگر اخلاق حسنہ کی قدر نکرنا ایک حد تک بیدار نشی ہے۔ مارالشباب کی ابلہ فریبیوں پر نظر کر کے دانشمند کا یہ کام ہے کہ اسکو ذلت کی نظر سے دیکھے۔ ایک عورت پر ہم آج جان دیتے ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ کل یقیناً مارالشباب اسکا ساتھ چھوڑ دے گا تو ہم بھی نظر پھیر لیں گے۔ آج ہم جسکے لیے مٹے جاتے ہیں کل بے حتمیتی کا پتھر دل پر رکھ کر اس درجہ کو اس سے کنراہ کشی کریں گے کہ نام سے نفرت اور صورت سے وحشت پیدا ہوگی۔

مارالشباب کے ساتھ بھی یہ جھگڑا ہے کہ کسی کی آنکھ نے ہلکے بھاری کر کے اس تک پہنچایا تو پھر گندہ دہنی نے ہلکے بھگایا۔ کسی کے تبسم پر ہم جان و دل فدا کر رہے تھے لیکن جب دیکھا کہ وہ تبسم ہمارے ساتھ مختص نہیں ہے تو بے انتہا کشیدگی پیدا ہوئی۔ آنکھوں نے تو ہلکے بھلایا۔ لیکن قریب جانے پر دانتوں کی ناہمواری اور سلسلہ سخن کی بے ترتیبی نے پھر ہلکے بھگایا۔ کبھی ظاہری حسن سب پر بالا نظر آتا ہے اور کبھی عصمت سب سے بڑی صفت معلوم ہوتی ہے۔ بہت سی مثالیں ایسی ہیں کہ

۱۵
سب پانچویں
ایک
نئے تو
عمر کو
تھے ہوں
وہ دیکھ کر
سن کا
مال کا
خوشنما
بحری۔
سین نظر
تمام مخلوق
لے
ورقانون
مختص نظر
قابل
ن کی
درپے
سکتی ہر
کے چہرہ

آوارہ مزاج حضرات مختلف وجہ سے اپنی بیبیوں کو کبھی ایک نظر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ کتے۔ بلی یا اور گھر کے پلے ہوئے جانوروں سے تو کبھی ملقت بھی ہوتے تھے۔ بی بی کا درجہ ان جانوروں سے بھی کم تھا۔ بیبیان گویا جادات سے بھی بدرجہ تھیں۔ ستون خانہ سے بارہا تکیہ لگا کر بیٹھے ہو گئے لیکن بی بی سے کبھی اتنی بھی قربت نہیں ہوئی۔ ان ظالم مردوں کے مرض الموت میں جو خدمتیں انکی بیبیوں نے انجام دیں وہ منورہ حیرت تھیں۔ مہینوں چارپائی کے نیچے کٹوں کی طرح بیٹھی کہیں اور ستون خانہ کی طرح رات رات بھر سر ہانے کھڑی رہیں مرنے والے نے خدا سے دعا کی کہ خداوند امیر سے اعمال ایسے نہیں ہوں کہ میری نجات ہو اور جنت نصیب ہو لیکن اگر تو نیکو کاروں کے صدقہ میں مجھ ایسے ناپاک طینت کی خطائیں سحاف کر کے جنت دینا چاہے تو میری مرنے سے تمنا ہے کہ اس میں بجا بہت سی حوروں کے مرنے سے ایک جان نثار بی بی محکمو ملے۔

ادب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ عورتیں فی الواقع حسین نہیں ہوتیں۔ لیکن اگر وہ بظاہر حسین ہوں یا ماواں شہاب کی گلابیوں سے حسین معلوم ہوں جب بھی حسن اخلاق حسن عادات وغیرہ بہت سے امور خارجی ایسے ہیں جو حسن صورت سے کہیں زیادہ قابل قدر ہیں اور سب کا کسی ایک عورت میں جمع ہونا غیر ممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔ خدا اپنے تمام عطیات کسی ایک انسان میں ہرگز جمع نہیں کرتا وہ بھٹہ رسدی مساوات کے ساتھ تقسیم کرتا ہے۔ کسی کو ایک چیز دیتا ہے تو دوسرے کو دوسری چیز عطا کرتا ہے۔ اس قدر جاننے کے بعد ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ خود کو شراب پینے یا افیون کھانے کا عادی بنانے سے بدرجہا برا ہے حسن پرستی کا غور کرنا۔ جنگو اسکی چاٹ ہے وہ کبھی

کسی عورت سے خوش نہیں رہتے ہمیشہ موجودہ حالت سے بالاتر حالت کی فکر کرتے ہیں اور مرتے دم تک مایوسی کی حالت میں بسر کرتے ہیں اور ناکام رہتے ہیں۔
 حاصل ان تمام باتوں کا یہ ہے کہ عورت قانون قدرت کے لیے ایک فردی چیز ٹھہرائی گئی ہے اور اس لیے مردوں کے دلوں میں ایک خاص قسم کی کشش عورتوں کی طرف جس سے عورتیں بادی النظر میں حسین معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن یہ حسن ایک خارجی چیز ہے اگر عورتیں بذاتہ حسین ہیں۔ اور حسن کوئی چیز ہے تو وہ خود انکی ذات میں ہے۔ جو اپنی بیبیوں پر قناعت کریں گے تو انکی نظروں میں بیبیاں تمام جہان کی عورتوں سے حسین معلوم ہوں گی۔ اور اپنی بیبیوں کو چھوڑ کر جو حسن کی تلاش میں چکر لگائیں گے تو نظروں سے گھر کی عورتیں گرجائیں گی اور باہر کی عورتیں حسین نہ معلوم ہوں گی۔ فوجاءون کو اس بلا سے حسن پرستی سے بچانے کے لیے سب سے عمدہ حکمت شرع محمدی نے یہ نکالی کہ بنظر شہوت یعنی بے ضرورت جائز کسی نامحرم عورت کی طرف دیکھنا مردوں پر قطعاً حرام (نا جائز) کر دیا اور اس لیے بلاد اسلام میں جہان احکام شرعی کی پابندی ہو بلا سے حسن کے ستائے ہوئے بہت کم ملتے ہیں۔

فصل شانزدہم

جہاد

جہاد کے معنی ہیں کوشش کرنا۔ جہاد فی سبیل اللہ کے معنی ہوئے خدا کی راہ میں کوشش کرنا۔ مقاتلہ فی سبیل اللہ کو بھی جہاد بولتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جہاد مسلمانوں پر فرض ہے۔ لیکن فرضیت کے سمجھنے میں اور اسکی نوعیت دریافت کرنے میں عوام میں غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ بعض مجاہدین کے غیر مذہب والوں کو

قتل کرنے کو جہاد سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلطی ہی نہیں ہے بلکہ گناہ کبیرہ ہے۔ پہلے ہم جہاد کی فرضیت کو ظاہر کریں گے اور اسکے ساتھ ہی اسکی نوعیت بھی بتائینگے۔ بعد ازاں یہ بتائینگے کہ اسوقت مذہب کے لیے کوئی جہاد کرنا چاہیے تو کیا کرے۔ انسان انسان کا دشمن ہوتا ہے۔ اور ہر انسان کو انسان کے مقابلہ میں حملہ کرنے اور حملہ رو کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ انتظام قائم رکھنے کے لیے ہر ایک گورنمنٹ اپنے بنائے ہوئے قانون سے یا قانون ربّانی کے ذریعہ سے اُن حملہ آوروں کے حملوں کی دیکھ بھال کرتی رہتی ہے کہیں کبھی ایک گروہ یا قوم کو دوسرے گروہ یا قوم کے مقابلہ میں خود سبقت کرنا پڑتی ہے غرض کہ ایک گورنمنٹ دوسری گورنمنٹ کے مقابلہ میں دستور زمانہ کے مطابق ہمیشہ لڑتی بھڑتی رہتی ہے اور جس گروہ کی وہ قائم مقام ہوتی ہے اُس سے فوج قائم کی جاتی ہے۔ اس فوج کے قائم کرنے کی صورتیں مختلف ہیں۔ کہیں تو بیہ کالالچ دیا جاتا ہے اور کبھی ہجرت ہوتی ہے۔ اس مہذب زمانہ میں بھی یورپ میں دروزن طریقے جاری ہیں۔ کمین تو رعایا کو آزادی ہے کہ فوجی نوکری کرے یا نہ کرے اور کمین فوجی خدمات ہر شخص پر لازم ہیں اور خاندان یا قبیلہ سے اشخاص کے منتخب کرنے کے قواعد بنے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے قانون میں یہی پچھلا طریقہ زیر عمل تھا کہ ہر شخص پر فوجی خدمت انجام دینا قومی فرض تھا جسکو دوسرے لفظوں میں فرض کفایہ کہتے ہیں۔ گورنمنٹ کو انتخاب کا اختیار دیا گیا تھا اور رعایا پر یہ فرض تھا کہ جب یہ فوجی خدمت طلب کرے تو وہ بے عذر مرد ہے لیکن اسکا ہرگز ہرگز یہ نشانہ تھا اور نہ ہو سکتا ہے کہ ہر ایک بچہ خود ہتھیار لیکر اُٹھ کھڑا ہو کہ

ہم دین کے لیے لڑنے جاتے ہیں۔ امیر کے لیے بھی شرطیں ہیں اور قیود ہیں
 شیعہ مذہب میں تو امیر مہنا بہت مشکل ہے۔ سنیوں کے نزدیک گواہین
 آسانی سے لیکن نہ یہ کہ ہر ایک شخص ذرا با اقتدار ہوا اور لڑنے کے لیے آدمیوں کو
 جمع کرنا شروع کر دیا اور امیر ہو گیا۔ امیر کے لیے بادشاہ عادل ہونا۔ اغراض جائز
 اور مذہب کے لیے لڑنا وغیرہ وغیرہ بہت سی شرطیں ایسی ہیں کہ مشکل سے
 کوئی امیر کہا جاسکتا ہے۔ مفضل بیان کے لیے فقہ کی کتابیں پڑھیے۔ مختصر یہ
 ہے کہ دینی کے بہادر شاہ کے پاس جو فوج غدر میں جمع ہو گئی تھی اور بہادر شاہ
 کو انگریزوں کے مقابلہ میں لڑنے کے لیے آمادہ کیا تھا تو اس سے بہادر شاہ
 امیر المومنین اس مقدمہ کے اغراض کے لیے نہ تھے اور نہ ان کے ساتھ کے لڑنے
 والے مجاہد سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ بہادر شاہ اور ان کے ساتھی صہدہ حکومت
 کی صلاحیت رکھتے تھے اس سے کہیں زیادہ انکی جانب مخالف انگریزوں میں
 اسکی صلاحیت تھی۔ ہمارے دعویٰ کے ثبوت میں آیت قرآنی موجود ہے اور
 بالکل فطرت کے مطابق ہے ”ہم زبور میں پسند و نصیحت کے بعد کہہ چکے ہیں کہ
 ہمارے نیک بندے سلطنت زمین کے وارث ہوں گے۔“
 مضمون کو مکمل کرنے کے لیے تمام آیات قرآنی جو جہاد کے متعلق ہیں ایک جگہ
 کر دی جاتی ہیں۔

”سلمانو! تم پر جہاد کرنا فرض کیا گیا ہے۔ نگو ناگوار ہوگا۔ لیکن ممکن ہے کہ نگو

لہ و لقد كتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثها عبادہ الصالحون۔ سورۃ الانبیاء
 رکوع ۶۔

ایک چیز برمی معلوم ہو اور تمہارے حق میں وہ بہتر ہو اسی طرح ممکن ہے کہ ایک چیز
تکو بھلی معلوم ہو اور فی الواقع وہ تمہارے حق میں بری ہو۔ اللہ جانتا ہے اور
تم نہیں جانتے۔“

”جن مومنوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہیں اور جہاد کیے ہیں وہ رحمت
خدا کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

”مسلمانو! خدا کی راہ میں لڑو اور جانے رہو کہ اللہ صفتا اور سمجھتا ہے۔“

”جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انکو مرنا ہوا نہ خیال کرنا۔ یہ اپنے پروردگار
کے پاس جیتے ہیں اور رزق پاتے ہیں۔ اور جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انکو
دیا ہے اس پر خوش ہیں۔ اور جو لوگ ابھی انہیں اگر شامل نہیں ہوئے ہیں انکی
نسبت یہ خیال کر کے خوشیاں مناتے ہیں کہ انکو بھی کسی طرح کا خوف نہ ہو گا اور نہ
غم ہو گا یہ اللہ کی نعمت اور فضل پر خوشیاں کرتے ہیں اور نیز اس امر پر بھی خوش ہیں
کہ اللہ مومنوں کا ثواب ضائع ہونے نہیں دیتا۔“

”جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے جان و
مال سے جہاد کیے ان لوگوں کا اللہ کے پاس بڑا درجہ ہے اور یہی منزل

۱۷ کتب علیکم القتال و ہو کہکم و عسی ان تکرہوا شیا و ہو خیر لکم و عسی ان یحببوا شیا
و ہو شر لکم و اللہ علیم و انتم لا تعلمون۔ سورہ بقرہ رکوع ۲۶۔

۱۸ ان الذین امنوا والذین ہاجرنا و اوجاہنا فی سبیل اللہ و کما یرجون رحمت اللہ و اللہ غفور رحیم بقرہ
۱۹ و قالوا فی سبیل اللہ و اعلموا ان اللہ سمیع علیم۔ سورہ بقرہ رکوع ۳۱۔

۲۰ و لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربہم یرزقون فرحمن باہتم
اللہ من فضلہ و یتبشرون الذین لم یلقوا بہم من خلفہم الا خوف علیہم و لا یجزون لہن شئ
بنوعیہ من اللہ و فضلہ و ان اللہ لایضیع اجر المؤمنین۔ سورہ آل عمران رکوع ۱۷۔

مقصود کے پہونچنے والے ہیں۔“

”اہل کتاب سے بھی لڑو جبکہ وہ خدا کو نہیں مانتے۔ روز آخرت کا اعتبار نہیں کرتے۔ اور نہ اللہ اور اللہ کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں نہ دین حق تسلیم کرتے ہیں اُن سے بھی لڑو یہاں تک کہ وہ وہ بکرا اپنے ہاتھوں سے اور جزیہ دین۔“

سائنس کے کافروں سے اور منافقین سے جہاد کرو اور اپنے سختی کرو۔ انکا ٹھکانہ دوزخ ہے کہ وہ بُری جگہ ہے۔“

یہ آیتیں اسوقت اُتری تھیں جب مسلمانوں کو بے لڑے اپنی زندگی دہال تھی جیسا کہ ”سیف اور اسلام“ فصل سیم کتاب ہذا میں شرح بیان کیا گیا ہے اسکے بعد بھی ان آیتوں کے ذریعہ سے بادشاہان عادل نے فوج اسلام سے بڑے بڑے کام لیے اور کچھ ایسے حکمران بھی ہوئے کہ خود تو نا اہل تھے مگر ان آیتوں سے انھوں نے کام خوب نکالے داب بھی جہان تمام شیطین بائی جائیں مسلمانوں کے لیے کیا تمام دنیا کی زندہ قوموں کے لیے امر حق کے لیے لڑنے سے زیادہ اچھی کوئی دوسری زندگی نہیں ہے لیکن جو لوگ اسوقت زمانہ امن میں شوق جہاد فی سبیل اللہ رکھتے ہیں انکے

۷۱ الذین اسزادوا جہاداً فی سبیل اللہ باؤالہم وانفسہم اعظم درجۃ عند اللہ
واولیک ہم الفائزون۔ سورہ التوبہ رکوع ۳۰۔

۷۲ قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولایدینون
دین الحق من الذین اولقوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن یدہم صاغرون۔ سورہ التوبہ رکوع ۲۸۔
۷۳ یا ایہا النبی جہاد الکفار والمنفقین واغلب علیہم واولہم جنم وہم فی المصیر۔ سورہ التوبہ رکوع ۶۔

باب جہاد

ہے اور

وجہت

بہتر پروردگار

انکو

انکی

اور نہ

نہیں

ن

نزل

شیا

سیم

اتہم

نہیں

۱۰۰

یہ سب سے اچھی صورت یہ ہے کہ وہ جہاد بلا موال کرین تمام یورپ اور ملک
کے لوگ اس وقت ذی علم ہیں۔ غیر متعصب ہیں اور مذہب حق کی تلاش میں ہیں
اگر امام کے مسائل توضیح کے ساتھ تمام مذاہب سے مقابلہ کر کے مختلف استہین
شایع کیے جائیں تو ہمارے نزدیک یہ ایک جہاد ہے اور باعتبار زمانہ بہترین جہاد ہے۔

فصل ہفتم

مسلمانوں کے احسانات دنیا پر

”سیف اور اسلام“ میں ہم نے بعد زمانہ کے مسلمانوں کو بہت بُرا بھلا کہا ہے
لیکن اُسکے ساتھ ہی ہم نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ یہ بُرا بھلا کتنا ٹھیکہ اسلام کی
نظر سے ہے ورنہ مسلمانوں کا بُرے سے بُرا پادشاہ بھی اپنے مہم پر بادشاہوں
میں اچھے سے اچھا رہا ہے۔ اس مہم کے سمجھانے کے لیے مختلف زمانہ کے
مختلف واقعات کا انتخاب ہم درج ذیل کرتے ہیں اور دیکھاتے ہیں کہ تمدنی
حالت میں مسلمانوں نے غیر قوموں کے ساتھ کیا کیا احسانات کیے ہیں اور
انکی روش کس درجہ کو بے نقصانہ رہی ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ اصلی خوبیاں اسلام کی رسول اللہ اور خلفائے اربعہ کے زمانہ
تک تھیں لیکن اسکے بعد بھی جب تک عربوں کے ہاتھ میں عثمان حکومت تھی حالت
بہت معتمد تھی اور تمدن اسلام نہایت اعلیٰ حالت میں تھا۔ یورپ کے علما جب مسلمانوں
کی توفیقیں کرتے ہیں تو زیادہ تر بغداد کی سلطنت اسپین کی سلطنت یاد کرتے ہیں کہ
یہی دو مشہور سلطنتیں عربوں کی تھیں اور فتوحات سے قطع نظر کر کے تمدنی حالت میں
دنیا کی مختلف قوموں کے لیے بے انتہا باعث برکت تھیں اور گویا تمام دنیا

میں تہذیب پھیلنے کا سبب بنیں۔

ایک زندہ فریخ محقق ڈاکٹر گستا دلی بان اپنی کتاب حالات عرب کے دیباچہ میں لکھتا ہے: "عربوں کے تمدن میں جب قدر زیادہ خوض کیا جائے اُسی قدر نئے واقعات پیدا ہوتے جاتے ہیں اور اُسی قدر مطلع صاف ہوتا جاتا ہے۔ تھوڑی ہی سی تحقیق کے بعد ثابت ہو جاتا ہے کہ ارسنہ متوسطہ میں یونان اور روم کے تمدن کا علم عربوں ہی کے ذریعہ سے پھیلا تھا اور پانچ سو برس تک ممالک یورپ کے مدار پر عربوں ہی کی تصنیفات سے زندہ رہے۔ اور کیا ملحوظ ترقی دولت اور کیا بلحاظ ترقی علمی و علمی وہ عرب ہی تھے جنھوں نے یورپ کو تہذیب بنایا اور جب اُن کی تحقیقات علمی اور انکی ایجادوں پر نظر ڈالی جاتے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسی قلیل مدت میں اُن سے زیادہ کسی قوم نے ترقی نہیں کی۔ اور جب انکی صنعت و ہرقت پر نگاہ ڈالی جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ انکے صنایع میں ایک ندرت اور جدت ہے جس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔"

"عربوں کے تمدن کی بنیاد ڈالنے والی ایک ایسی قوم تھی جو خود کسی قدر خوش تھی اس قوم نے عرب کے ریگستان سے نکل کر ایران، یونان اور روم کی سلطنتوں کو زیر و زبر کر دیا اور ایک ایسے عظیم الشان ملک کی بنیاد ڈالی جو ہندوستان سے سندس تک منتہی ہوتا تھا۔ اس قوم نے ایسے حیرت انگیز کام کیے ہیں جنکی یادگار ہمیں تعجب اور وجد میں ڈالتی ہے۔"

جس طرح پورے زمانے میں تمام اہل یورپ کو وہ جرمن ہوں۔ فریخ ہوں انگلش ہوں یا اٹالین ہوں اہل فرنگ کہتے تھے اور ہندوستان میں فرنگی بولتے

یورپ اور امریکا
شمال میں ہیں
اسٹین
میں جہاد ہے۔

بڑا بھلا کام ہے
اسلام کی
پادشاہوں
زمانہ کے
میں کہ تمدنی
ہیں اور

کے زمانہ
حالت
مسلمانوں
ہیں کہ
حالت میں
م دنیا

تھے۔ اسی طرح تمام مسلمانوں کو وہ کسی ملک کے ہون اہل یورپ عرب کہتے تھے۔
حقیقت یہ تھی کہ مسلمانوں کے قبضہ میں آتا تھا وہاں کے باشندے اور سرحدی
قومیں سمجھتی تھیں کہ عرب خدا کی ایک نعمت مجسم ہیں لیکن دور کے باشندے جنگو
عربوں کا تجربہ نہ تھا عربوں کی نسبت ایسے ہی نفرت انگیز خیال رکھتے تھے جیسا کہ تمام
دنیا کے باشندوں کی نسبت چینوں کا خیال ہے۔ ہاں اب رفتہ رفتہ علم کی
ترقی سے خیالات بدلتے جاتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ عربوں کا زمانہ ایک حمت
خدا کا زمانہ تھا جو عرصہ تک اکثر حقہ زمین پر مبذول رہا۔

ابتداء سے اسلام کے وقت یمن سے اور تمام اطراف عالم سے تجارت ہوتی
تھی اور پیغمبر خدا ہی کے زمانہ میں مسلمان تاجروں کے ذریعہ سے چین میں اور بھرون
سے کچھ دنوں کے بعد مجمع البحرین میں اسلام پہنچ گیا تھا۔ پھر ابو جعفر خلیفہ عباسی کے
عہد میں اپنے دوسری صدی ہجری کے شروع میں چین کی بغاوت فرو کرنے کو جو سلمان
سپاہی بھیجے گئے وہیں رہ گئے اور ان کے ذریعہ سے اور نیز چند دیگر ذرائع اور اسباب
سے خشکی کی راہ سے بھی غریبی چین میں اسلام پھیلا۔

یورپ میں مورخ لکھتے ہیں کہ چین کے مسلمانوں کی ایمانداری بالکل مسلم ہے اور
ان کی مثالیں بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ چین کے مسلمانوں میں حق پرستی اور
دیانت داری کا نہایت درجہ خیال ہے۔ ان میں جو سرکاری ملازم ہیں ان سے
رعیت خوش بھی ہے اور ان کی عزت بھی کرتی ہے اور جنھوں نے تجارت کا پیشہ
اختیار کیا ہے وہ نہایت نیک نام ہیں۔ اصول مذہبی نے انھیں متغیر نہادیا ہے اور
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب کے سب ایک بڑے خاندان کے اجزا ہیں

جو آپس میں ایک دوسرے کی حفاظت اور اعانت کرتے ہیں۔ ان امور سے انکاف و نفور چین کے اور مستوطن اقوام پر ثابت ہوتا ہے۔ باوجود اپنی ابتدائی حالت کے محض اس ہمدردی کی بدولت جو انھوں نے نازک و متون میں اپنے اختیار کردہ وطن کے ساتھ کی اور نیز اس دینی اخوت کی وجہ سے جو ان کے افراد میں ہے بہت کچھ انھوں نے ترقی کی ہے برخلاف اس کے اور مذاہب خارجہ میں جو چین میں آئے اور چلے گئے یا محض چند روز ٹھہرے۔

حضرت کی نسبت یورپین مؤرخین نے حضرت علیؑ کی وساطت سے ایک قول نقل کر کے یوں لکھا ہے کہ ”حضرت کا قدم مبارک میانہ تھا۔ سر مبارک بڑا اور پیش مبارک گہنی جسم کی کاٹھی سے قوت اور توانائی نمودار تھی۔ چہرہ مبارک بھرا ہوا اور بخوش رنگ تھا۔ پیشانی اور پیش مبارک کے چند سفید بالوں سے بشکل آپ کے سر مبارک کا اندازہ ہو سکتا تھا۔ آپ کے خصائص روحانی نے آپ کو تمام عالم فوقیت دی ہے۔ کثرت عبادت نے آپ کو فضول کلام سے متنفر کر دیا تھا۔ اور آپ اکثر اوقات خاموش رہتے تھے۔ چہرہ مبارک سے اعلیٰ درجہ کی نیکی نمودار تھی اور مزاج میں بے حد خلق اور انصاف تھا۔ اجنبی۔ دوست قوی اور ضعیف ہر ایک پر آپ کی نظر برابر تھی۔ مساکین کے ساتھ آپ کو خاص محبت تھی اور جس طرح سے آپ غریب کو ان کے افلاس کی وجہ سے ذلیل نہیں سمجھتے تھے اسی طرح امر کی قدر ان کے مال کی وجہ سے نہیں کرتے تھے۔ آپ کو اپنے صحابہ اور ملاقیوں کی ہمدردی خاطر منظور تھی کہ صحابہ کو آپ کبھی سخت جواب نہ دیتے تھے۔ اور جو کوئی ملاقات کو آتا تھا اس کی بات بے انتہا صبر و تحمل کے ساتھ سنتے تھے۔ اور جب تک وہ نہ اٹھتا تھا خود کبھی اٹھنے کا قصد نہ

تھے

ورسہ جدی

بے جنگو

جیسا کہ تمام

علم کی

ایک میت

نجات ہوتی

اور پھر وہاں

ی کے

کو جو سلمان

اسباب

م ہے اور

پرستی اور

سے

کا شبیر

ہے اور

راہین

فرماتے تھے اسی طرح جب کوئی حضرت سے مصافحہ کرتا تو آپ کبھی اپنا ہاتھ پہلے نہ کھینچتے۔ جب کوئی آپ سے کسی معاملہ میں گفتگو کرتا تب بھی آپ کی یہی عادت تھی کہ خود پہلے علیحدہ نہ ہوتے۔ آپ اکثر صحابہ کی ملاقات کو تشریف لیجاتے اور ان کی احوال پرسی فرماتے تھے۔ آپ اپنی بکریوں کو خود دودھ پرتے۔ زمین پر بیٹھتے اور اپنے کپڑے اور ٹھٹھیں اپنے دست مبارک سے ستیرتے اور پھر چم لیتے تھے۔ آپ ہمیشہ مسکین کو اپنے پاس جمع کر لیتے۔ اور یہ لوگ اہل القفہ کے نام سے مشہور تھے۔ یہ بیپا کے بے خان دمان عرب تھے جگہ گھر تھا نہ ٹھکانا تھا۔ یہ راتوں کو مسجد بنوئی میں سو رہتے اور دن کو بھی وہیں رہتے تھے۔ چونکہ مسجد کا پتھر اٹکا اور ٹھٹھنا بچو نہ تھا انھیں اہل القفہ کہتے تھے۔ جب وقت حضرت کھانا کھاتے تو انہیں سے ڈالیا کہ کو اپنے ساتھ کھاتے اور باقی کو اپنے صحابہ پر تقسیم فرمادیتے تھے۔ تاکہ انھیں دمان اذوقہ لمجائے۔

حضرت عمر کے قاصد نے جو تقریر شاہ ایران سے کی اُس سے بخوبی عیاں ہے کہ ملک پر کیا احسان اسلام نے کیا وہ تقریر یہ ہے کہ اے بادشاہ ہم ایسی ذلیل حالت میں تھے کہ ہم میں بعض شخص خاص اپنا پیٹ کیڑے مکوڑے اور سانپ گواہ کھا کر بھر لیتے تھے۔ بعض اپنی بیٹیوں کو اسوجہ سے مار ڈالتے تھے کہ انھیں اپنے کھانے میں شریک کرنا نہ پڑے۔ جہالت اور ریت پرستی کی تاریکی میں گرفتار بے قانون اور بے لگام ہمیشہ ایک دوسرے کے دشمن۔ ہمارا شغل بھی تھا کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کو لوٹیں اور تباہ کریں۔ یہ بھی ہماری پہلی تصویر۔ لیکن اب ہم ایک نئی قوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک شخص پیدا کیا ہے جو خاندانی شرافت

میں۔ فہم وادراک میں تمام عرب پر فائز ہے اور اللہ نے اُسے اپنا نبی برحق اور رسول بنایا۔ اُسی رسول کے ذریعہ سے اللہ نے ہم سے کہا۔ میں ہوں اللہ واحد صمد خالق کون و مکان میرے رحم نے تمہارے لیے ایک راہ بھیجا ہر تھیں راہ راست پر لانے کے لیے جس راہ کی وہ تھیں ہدایت کرتا ہے وہ تھیں اس عذاب سے بچائے گی جو میں نے آخرت میں کافروں اور گنہگاروں کے لیے مقرر کیا ہے اور تھیں میرے عرش کے سامنے مقام آسائش تک پہنچا دے گی۔ اس تعلیم نے بندہ پر ہمارے دلوں پر اثر کیا اور ہم نے اپنے پیغمبر کی ہدایت کو قبول کیا۔ ہم نے مان لیا کہ ہمارے پیغمبر کا کلام اللہ کا کلام ہی اور اس کے احکام اللہ کے احکام ہیں اور جس مذہب کی اُس نے ہمیں تعلیم کی وہی ایک سچا مذہب ہے۔ اُس نے ہمارے اوراک کو چمکا دیا۔ اُس نے ہماری جماعت میں اخوت پیدا کی اور ہمارے لیے اپنی فہم خدا داد سے قانون مقرر کیے۔

اس سے بھی زیادہ بڑا اثر وہ تقریر ہے جو شاہ نجاشی کے دربار میں جعفر طیار نے کی تھی دیکھو صفحہ ۳۵ کتاب ہذا۔

ایک یورپین مؤرخ لکھتا ہے مسلمانوں کا تمام مذہب اس چھوٹے سے جملہ ”لا الہ الا اللہ و محمد رسول اللہ“ میں ہے جسکی جامعیت حیرت انگیز ہے۔ ڈاکٹر گستاوی بان مسلمانوں کی ملک گیری کی نسبت لکھتے ہیں کہ خلفاء راشدین جس ملک کی خوش تدبیری کو کام میں لائے وہ مافوق انکی سپاہ گری اور اُس فن حرب کے تھے جسے اُنھوں نے اس آسانی سے سیکھ لیا تھا۔ شروع ہی سے اُنھیں ایسی اقوام سے کام پڑا جن پر سال ہا سال سے مختلف حکومتوں نے

ایک سو دو ای مسلمانوں کا
شکر و شکر

پہلے نہ
د تھی
ادراکی
ور اپنے
پ ہمیشہ
مور تھے۔
بد بنوی
منا بھونا
دو ایک
ن وہاں
عیان ہ
ایسی
سانپ
ن اپنے
ار بے
پس تیز
ہم ایک
لرافت

نہایت بے رحمی سے ظلم کر رکھا تھا اور اس مظلوم رعایا نے نہایت خوشی کے ساتھ ان نئے ملک گیر دن کو قبول کر لیا۔ جنگی حکومت میں انھیں بہت زیادہ آسائش تھی۔ مفتوح اقوام کے ساتھ طریقہ عمل کیا ہونا چاہیے نہایت صاف اور صریح طور پر مقرر کر دیا گیا تھا اور خلفائے اسلام نے ملکی اغراض کے مقابلہ میں ہرگز بزور شمشیر دین کو پھیلائے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ بعض اسکے کہ وہ بہرہ اپنے دین کی اشاعت کرتے جیسا کہ بار بار کہا جاتا ہے وہ صاف طور پر ظاہر کرتے تھے کہ اقوام مفتوحہ کے مذاہب۔ رسوم اور اوضاع کی پوری طرح سے محبت کی جائے گی۔ اور اس آزادی کے معاوضہ میں وہ اتنے ایک بہت خفیف سا خراج لیئے تھے جو ان مطلوبات کے مقابل میں جو ان اقوام کے پورے نفع و کام ان سے وصول کیا کرتے تھے نہایت کم تھا۔

”کسی ملک پر فوج کشی کرنے سے پہلے عرب ہمیشہ اپنے سفیروں کے ذریعہ سے صلح کی شرائط بھیجا کرتے اور یہ شرائط جن کا ذکر الملکین نے کیا ہے علی العموم اسی قسم کی ہوا کرتی تھیں جو عمرو نے سلسلہ ہجری میں باشندگان غزوہ کے سامنے جو اس وقت محصور تھے پیش کی تھیں اور یہ شرائط مصریوں اور ایرانیوں دونوں سے کی گئی تھیں۔ وہ شرائط ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔“

”ہمارے حاکم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر تم قانون اسلام نہ قبول کرو تو ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں۔ پس تم بھی ہم میں مل جاؤ اور ہمارے بھائی بن جاؤ۔ اور ہمارے منافع اور ہمارے منصوبوں میں شریک ہو جاؤ۔ اسکے بعد ہم تم سے کوئی برائی نہ کریں گے۔ لیکن اگر تم یہ کرنا نہیں چاہتے تو تم ہمیں ابھی

زندگی تک ایک سالانہ خراج بالالتزام دیا کرو۔ اس کے بعد ہم تمہارے بدلے تمام اُن لوگوں سے لڑیں گے جو تمہیں ستانا چاہیں یا کسی طرح تمہارے دشمن ہوں۔ اور ہم اپنے معاہدہ پر مضبوط رہیں گے اگر تمہیں یہ بھی منظور نہیں ہے تو پھر ہم مین اور تم مین بجز تلوار کے کوئی چیز نہیں رہتی اور ہم تم سے اس وقت تک جنگ کرتے رہیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا نہ کر لیں۔“

بیت المقدس کی فتح کے وقت حضرت عمر کا اخلاق ہم پر ثابت کرتا ہے کہ ملک گیران اسلام مفتوح اقوام کے ساتھ کیسا نرم سلوک کرتے تھے اور یہ سلوک اس مدارات کے مقابل میں جو صلیبیوں نے اسی شہر کے باشندوں کو کئی صدی کے بعد کی نہایت حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عمر اس شہر مقدس میں بہت تھوڑے اشخاص کے ساتھ داخل ہوئے اور آپ نے سفرو میں بطریق سے درخواست کی کہ مقامات مقدسہ کی زیارت میں آپ کے ہمراہ چلے۔ اُسی وقت حضرت عمر نے منادی کرادی کہ میں نے ارہوں کہ باشندگان شہر کے مال اور ان کی عبادت گاہوں کی حرمت کی جائے اور مسلمان عیسائی گرجوں میں نماز پڑھنے کے مجاز نہ ہونگے۔ جو سلوک عمر نے مصریوں کے ساتھ کیا وہ اس سے کم نہ تھا۔ اُس نے باشندگان مصر سے وعدہ کیا کہ انھیں پوری مذہب کی آزادی۔ پورا انصاف بلادرعایت اور جائداد کی ملکیت کے پورے حقوق دیے جائیں گے اور اُن ظالمانہ اور غیر محدود مطالبوں کے عوض میں جو شاہنشاہان یونانی اُن سے وصول کیا کرتے تھے صرف ایک سالانہ جزیہ لیا جائے گا۔ جسکی مقدار فی کس تقریباً دس روپیہ تھی۔ رعایا سے صوبہ جات نے ان شرائط کو اس قدر غنیمت سمجھا

کے

دہ اسیر

میں طرح طور

میں گزرنے

پنے

میں کرتے

میں حیرت

سیف سا

نے

کے

ہے

میں غفرہ

میں یون

میں تو ہم

میں باؤ

میں تم

میں

میں

کہ فوراً عہدِ دیمان میں شریک ہو گئے اور جزیرہ کی رقم انھوں نے پیشگی ادا کر دی۔
 عمالِ اسلام اپنے عہدِ پراس درجہ ستحکم رہے اور انھوں نے اُن رعایا کے
 ساتھ جو ہر روز شاہنشاہِ قسطنطنیہ کے عاملوں کے ہاتھوں سے انواعِ اقسام
 کے مظالم سہا کرتی تھی۔ اس طرح کا عہدہ برتاؤ کیا کہ سارے ملک نے بہ کثادہ
 پیشانی دینِ اسلام اور زبانِ عربی کو قبول کر لیا۔ مین بار بار کہنوں گا کہ یہ وہ نتیجہ ہے
 جو ہرگز بزرگ شمشیرِ نہیں حاصل ہو سکتا۔ اور عربوں سے پہلے جن اقوام نے مصر پر
 حکومت کی وہ ہرگز یہ کامیابی نہ حاصل کرسکیں۔

رسول اور صحابہ رسول کے وقت کے اکثر واقعات "سیف اور اسلام" مین
 درج ہو چکے ہیں۔ یہاں مابعد کے واقعات لکھے جاتے ہیں۔
 جزیرہ ساہیجس امیرِ معاویہ کے وقت مین مسلمانوں کے قبضہ مین آگیا تھا اور دریا
 جیحون کے پار سمرقند تک مسلمان پہنچے تھے۔

سنہ ہجری کی دوسری صدی مین فوجِ اسلام فرانس کے ملک مین دریائے
 لوار تک پہنچی لیکن چارلس مارٹل سے شکست کھا کر جنوبی فرانس مین ٹھہر گئی۔ اس
 شکست کی نسبت مورخین نے لکھا ہے کہ اسنے مسلمانوں کو تمام یورپ مین گھسنے
 سے روکا۔ لیکن محققین کا یہ خیال ہے کہ شمال یورپ کو بوجہ کثرتِ بردوت کے
 مسلمانوں نے پسند نہیں کیا اور اسنے پھر اور مہر متوجہ نہیں ہوئے۔

خاندانِ بنو امیہ کے تباہ ہونے پر بنو عباس کے زمانہ مین راسمقل سلطنت مین
 مسلمانوں کی قائم ہو گئیں۔ اسپن مین بنو امیہ کی ایک شاخ نے سرسبزی حاصل
 کی اسکے سوا تمام بلادِ اسلام کی شاہنشاہی بنو عباس کے تعلق تھی۔ ساحلِ فراتیقہ

سرحد تک اور دوسری طرف سرحد چین تک حکومت تھی۔ شاہنشاہ قسطنطنیہ خراج گزار تھا اور شارلمین شاہنشاہ فرانس کا ایچی انڈار اطاعت کے لیے دربار میں آیا تھا۔ بجز فرانس اور قسطنطنیہ کے اور کوئی بادشاہ یورپ کا اس وقت قابل لحاظ نہ تھا۔ چینی حکومت علیحدہ تھی لیکن وہاں کی بغاوت بھی مسلمانوں ہی نے فزونی تھی اب مسلمانوں کی حکومت تمام دنیا میں تسلیم کی جائے تو کیا بجا ہے۔

سنہ ہجری کی تیسری صدی میں حکومت اسلام کے اجزاجدا ہونے لگے۔ اسپین میں تو علیحدہ خلافت قائم ہی تھی۔ ایران بھی الگ ہو گیا۔ افغانستان جدا ہو گیا۔ خود بغداد کے مشرق میں بہت سی حکومتیں قائم ہوئیں۔ رفتہ رفتہ مصر کی حکومت الگ ہو گئی۔ افریقہ بالکل جدا ہو گیا۔

چوتھی صدی میں سجاسے بغداد کے قاہرہ میں زیادہ رونق تھی۔ اندلس میں طلیطلہ، غرناطہ، قرطبہ کے مشہور دارالعلوم میں تمام دنیا کے طلاب جمع ہوتے تھے۔ خود یورپ کے عیسائی اگر شریک ہوتے تھے۔

پانچویں صدی میں سلجوقی ترکوں نے زور پکڑا اور چھوٹی چھوٹی اسلامی سلطنتوں کی جگہ پر ایک بڑی شاہنشاہی کی بنیاد وسط ایشیا میں قائم ہوئی۔ جنگ صلیبی بھی اسی صدی میں شروع ہوئی۔ بعض یورپین سواروں نے کہا ہے کہ ترکوں کا مذہبی قہقہہ جنگ صلیبی کا باعث ہوا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ سلطنت بغداد کے کمزور ہونے پر یورپ سے دباؤ مسلمانوں کا اٹھ گیا اور کچھ انقلاب زمانہ نے عیسائیوں کو جگایا۔ عیسائی اپنے مذہبی مقام کو مسلمانوں کے قبضہ میں دیکھ کر اس کے چھڑ لینے کی فکر میں ہوئے کئی مرتبہ یہ ایشیائی ہوئیں جنہیں تمام یورپ کی عیسائی سلطنتیں ملکر لڑیں۔

اداکردی۔

عبا کے

ع اقسام

بہ کشادہ

ہ نتیجہ ہے

نے مہر پر

سلام میں

فہا اور دیا

ریا کے

اس کے

ن گھنے

کے

یتین

ہل

فریقہ

مسلمانوں کی قوت کے اندازہ کرنے میں عیسائیوں نے غلطی کی تھی۔ بہت سی لڑائیوں کے بعد عیسائیوں نے اپنی کمزوری تسلیم کی۔ لیکن اُسی وقت سے عیسائیوں میں ایک تحریک پیدا ہوئی اور وہ تحریک روشن خیالی کی طرف منہ ہوئی۔ اُس وقت ترکوں کی روز افزون ترقی کی وجہ سے عیسائیوں کو تاب مقابلہ نہ تھی۔ اور جب وہ مقابلہ کرنے کے قابل ہوئے تو نہ ہی تعجب انہیں باقی نہ رہا اور اسیلے پھر جنگ صلیبی کے فتنہ ہونے کے بعد عیسائیوں نے بیت المقدس لینے کا خیال نہیں کیا۔

پانچویں صدی میں سسلی اور اٹلی سے اسلامی خاندان خارج کیا گیا اور عیسائیوں نے اندلس میں بھی کچھ کاسیابی حاصل کی اور جنوبی فرانس سے قبضہ مسلمانوں کا اٹھ گیا لیکن ایشیا میں مسلمانوں کا زور کئی صدیوں تک پھر بھی قائم رہا اور بہت زوروں سے قائم رہا۔

چھٹی صدی میں صلاح الدین بھری نے فلسطین کو جس میں بیت المقدس واقع ہے پھر عیسائیوں سے بحال لیا اسمین جبرینی۔ فرانس اور انگلستان کے بادشاہ شریک تھے لیکن صلاح الدین نے انکی متفقہ قوت کو شکست دی۔ اسکے بعد اور بھی کئی ایک صلیبی لڑائیاں ہوئیں۔ ساتویں لڑائی میں فرانس کا بادشاہ سنٹ لوئی مسلمانوں کی قید میں آگیا تھا۔ اسی ساتویں صدی میں چنگیز خان مغل نے ایشیا کے ملکوں پر حملے کیے اور بغداد تک اپنے فتوحات پھیلانے۔

سہ سترہویں صدی کی آٹھویں صدی کی تاریخ ترکوں اور مغلوں کی باہمی لڑائی سے بھری ہوئی ہے۔ انہیں سے ہر ایک مسلمان تھا اور عربوں کی ایشیا کی سلطنت کا دعویٰ تھا جسکو زائل ہوئے کئی صدیاں گزر چکی تھیں۔

سنہ ہجری کی نوین صدی میں عربوں کی حکومت اور ان کے تمدن کا پورا انخراج اندلس سے بھی ہو گیا۔

سنہ ہجری کی دسویں صدی میں عربوں کی دنیاوی حکومت کا پورا خاتمہ ہو گیا۔ محض اٹھارہ دین ان کا تمدن ان کی زبان رہ گئی۔ مغلوں نے بلاد اسلام کے شرقی حصہ پر اور ترکوں نے مغربی حصہ پر قناعت کی۔ گو مغربی ترکوں نے عیسائیوں کے مقابلہ میں نمایاں فتوحات حاصل کر کے قسطنطنیہ کو دارالسلطنت قرار دیا اور گرتے گرتے زمانہ حال میں وہ پھر سنبھل گئے۔ لیکن بغل مشرق میں اپنی اعلیٰ حکومت زائد عرصہ تک قائم نہ کر سکے۔ عربوں کے عروج میں مسلمان تمام دنیا پر حکمران رہے۔ ترکوں اور مغلوں کے زمانہ میں اہل اسلام صرف شریک غالب کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور اب جیسی حالت ہے ظاہر ہے۔

اجمالی بیان ختم ہوا۔ اب کسی قدر تفصیلی حال لکھا جاتا ہے۔

شام میں رومیوں کی سلطنت سات سو برس سے تھی۔ یہ ملک عربوں نے خلیفہ اول کے وقت میں فتح کیا۔

بیت المقدس فتح ہونے پر مسلمان نہایت حسن سلوک سے عیسائی باشندوں کے ساتھ پیش آئے۔ اس موقع کو ڈاکٹر گستاویں یون کہتے ہیں کہ خلیفہ گویا تنہا مدینہ سے ایک اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ ان کا سارا سامان یہ تھا ایک مشک پانی کی ایک قبلی میں تھوڑے چاول اور سوکھا سیوہ۔ رات دن چل کر حضرت عمرؓ بیت المقدس پہنچے اور وہاں اگر شہر کے باشندوں کے ساتھ بے انتہا نرمی سے پیش آئے۔ مذہب۔ رسوم۔ عادات اور مالی و متاع کی پورنی آزادی ان کو دی اور ایک بہت خفیف سا

جزیرہ اپنے مقرر کیا۔

”عربوں نے اسی قسم کی سہرردی کل بلاد شام کے ساتھ برقی اور وہاں کے باشندوں نے بھی بہت آمادگی کے ساتھ انکی حکومت قبول کر لی اور بالآخر اکثر انہیں سے مذہب عیسوی کو چھوڑ کر اپنے ملک گیر دین کے دین اور زبان کو اختیار کر لیا۔“

”عربوں کی حکومت میں رہ کر شام نے پھر وہ سرسبز و حاصل کر لی جو سالہاے دراز سے مفقود ہو گئی تھی۔ خلفا سے بنی امیہ و عباسیہ کے زمانہ میں شام کا تمدن ایک اعلیٰ درجہ پر پہنچ گیا۔ عربوں نے اپنی رعایا کے ساتھ نہایت انصاف اور انسانیت سے برتاؤ کیا۔ اور انکو پوری آزادی مذہب کی دی۔ انکے عہد حکومت میں کلیسہ مشرقی اور مغربی دونوں کے رئیس الاساقفہ کو اس قدر آرام ملا جو انہیں اس وقت تک ہرگز نصیب نہ ہوا تھا۔ شام کے تمام بڑے شہر بیت المقدس۔ صیدون۔ دمشق۔ بصرہ بہت ہی سرسبز ہو گئے۔ اور حرفت اور فلاح تہجے انتہا ترقی کی۔“

یورپین مورخوں کا خیال ہے کہ عربوں کے زمانہ حکومت میں شام جس طرح ہراتون میں بڑھا ہوا تھا ویسا ہی اب ترکوں کے عہد میں گرا ہوا ہے۔ ایک حد تک یہ کہنا صحیح ہے لیکن اس میں ترکوں کا قصور کم ہے زیادہ تر دیگر اقوام کی خطا ہے جیسا کہ آئندہ ہم دکھائیں گے۔

شام میں بنو امیہ کے عہد تک دمشق دار السلطنت رہا۔ ایران حضرت عمرؓ کے وقت میں فتح ہوا تھا۔ ایران اور عرب کی سرحد پر بنو عباس کے عہد میں بغداد بسایا گیا اور دار السلطنت قرار پایا۔ ہارون رشید اور مامون رشید کے وقت میں بغداد کو بڑی رونق تھی۔ فتوحات ختم ہو چکے تھے یا یوں کہیے کہ ملکوں کی فتوحات

سے مسلمان تھک چکے تھے اور تہذیب ملک کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ صنعتِ حرفت و علوم و فنون کا چرچا تھا۔ چارلس بزرگ شہنشاہ نے کہ یہی گویا تمام یورپ کا شہنشاہ تھا۔ ہارون رشید کے پاس اپنے سفیر بھیج کر نہایت ادب سے یہ خواہش کی کہ بیت المقدس کے عیسائی زائرین کا بندوبست کیا جائے۔ سفیرون کو ہارون رشید نے اسی طرح خوش کیا جس طرح ایک مہذب بادشاہ سے امتیاز کجاسکتی ہے اور چارلس کو چند چیزیں بطور تحفہ کے بھیجیں جنہیں ایک گھڑی تھی جو بجتی تھی اور وقت بتاتی تھی۔ چارلس اس وقت تک روسیوں کے تمدن کی تجرید کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر اس کے دربار کا کوئی شخص بھی اس گھڑی کے کیل کانٹے نہیں سمجھتا اُسے جاہا کہ مسلمانوں کی تہذیب کی تقلید کچا جائے ہارون رشید کے وقت میں تمام یونانی علوم قدیمہ عربی میں از سر نو زندہ کیے گئے۔ ہندیوں کی بکار آمد کتابیں بھی کچھ کچھ ترجمہ ہوئیں۔ اسی کے عہد میں سسلی اور اسپین کی طرح لغزاد بھی مسلمانوں اور دیگر اقوام کے لیے دارالعلوم قرار پا گیا تھا۔ یا یون کہے کہ آئندہ چلکار اسپین اور سسلی میں بھی لغزاد ہی کی تقلید ہوئی۔

ہارون رشید نے تمام بلاد اسلام کا انتظام کیا۔ مشرقین بنائی گئیں۔ ڈاک کا انتظام کیا گیا۔ نامہ بر کہ ہارون کی ڈاک بھی قایم کی گئی۔ جس طرح آج کل یورپ میں ڈاک کا صیغہ نہایت اہم خیال کیا جاتا ہے۔ لغزاد میں بھی اسی طرح اس صیغہ کا بڑا اہتمام کیا گیا تھا اور بغیر اسکے اتنی وسیع سلطنت کا جسکی نظیر بدو عالم سے آج تک نہیں ملتی انتظام بھی تو نہیں ہو سکتا تھا۔

ڈاکٹر گستاوی بان نے مسلمانوں کے علم و دست ہونے کے متعلق لکھا ہے

ن کے باشند

ن سے

یا۔

مالہا

م کا تمدن

انصاف اور

معد حکومت

انہیں

میں۔ صید

کی۔

سرح

حد تک

ہے جیسا

کے

میں

میں

میں

میں

میں

میں

کہ عربوں میں علم حاصل کرنے کی خواہش اس درجہ تھی کہ خلفائے بغداد ہر ایک تہہ و
سے دنیا کے مشہور علما اور اہل کمال کو اپنے دارالسلطنت میں جمع کرتے تھے۔
ایک خلیفہ نے تو شہنشاہ مشرق سے محض اس غرض سے اعلان جنگ کیا کہ وہ
ایک مشہور مفسر کو بغداد میں درس دینے کے لیے بھیجنے پر مجبور ہو جائے۔
ہارون الرشید کی فوجی قوت کا اندازہ اُس خط سے ہو سکتا ہے جو اُس نے
یونان اور روم کے پادشاہ نیسی فورس قسطنطنیہ کو لکھا تھا۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ہارون الرشید امیر المومنین کی طرف سے بنام رومی کرتے
نیسی فورس کے۔ اوکا فر کے بچے میں نے تیرا خط پڑھا میرے جواب کا متوقع نہ رہا۔ تو دیکھ
لے گا کہ کیا ہوتا ہے۔“ شاہ قسطنطنیہ جو یونان اور روم کا جانشین ہوتا تھا خلیفہ بغداد
کو خراج دیتا تھا۔ شاہ ہرا دی اسی فی شاہ قسطنطنیہ کو نیسی فورس نے قید کر لیا اور خود
تخت پر بیٹھ کر ہارون الرشید کو لکھا کہ اب میں آئندہ خراج نہ دنگا اُسکے جواب میں
ہارون الرشید نے وہ خط بھیجا جس کا ذکر اوپر آیا۔ خط کی عبارت کسی قدر غیر مہذب ہے
اُس زمانہ کی حالت کے مطابق یہ تحریر چندان ہی موقع نہ تھی لیکن عربوں کی سی
مہذب قوم کے لیے بہت ہی بدنامی۔ بظاہر خلیفہ کی اس قدر تیز تحریر کی وجہ یہ تھی
کہ نیسی فورس خود عیسائیوں میں نہایت بیرحم اور برا خیال کیا جاتا تھا۔ اسے بغاوت
کے ذریعہ سے قسطنطنیہ پر قبضہ کیا تھا اور پھر خلیفہ سے بھی منہ آنا چاہا۔ خلیفہ نے
اسے منہ لگانا پسند نہیں کیا اور سچاے جواب لکھنے کے درشت الفاظ میں اطلاع
تحریری بھیج دی کہ فوج جاتی ہے۔ غرض کہ ہارون الرشید کی فوج نے تمام ملک کو
زیر و زبر کر ڈالا اور نیسی فورس کو خراج دینا ہی پڑا۔ اگر مسلمانوں کی تہذیب دیکھنا ہے

تو چارلس شہنشاہ فرانس کے ساتھ جو برٹاؤ ہارون الرشید کا ہوا اُسے پڑھنا چاہیے
ہارون الرشید اور مامون رشید کے زمانہ میں سرحد چین سے بحر الکاہل تک
مسلمانوں کی حکومت تھی۔ یورپین مورخ لکھتے ہیں کہ یہ ملک نہ فقط قوت میں بلکہ
تمدنی ترقی میں بھی تمام دنیا پر فوقیت رکھتا تھا۔

خلفاء عباسیہ کا خاندان بغداد میں بطور پیشواے مذہب کے ساتویں صدی
تک قائم تھا۔ اس کا خاتمہ ہلاکو خان پادشاہ غل کے ہاتھ سے ہوا۔ مقتوم باللہ فیہ خلیفہ
بغداد مارا گیا۔ شہر میں قتل عام ہوا۔ دولت لٹی۔ کتابیں کچھ جلادی گئیں کچھ دجلہ
میں پھینک دی گئیں۔ قطب الدین خفی لکھتے ہیں کہ دجلہ میں اتنی کتابیں پھینکی
گئیں کہ آمدورفت کے لیے وہ پل بن گئیں اور تمام پانی سیاہ ہو گیا۔

ڈاکٹر گستاوی بان لکھتے ہیں کہ خود ہلاکو خان جس نے بغداد لوٹا اور اخیر عباسی
خلیفہ کی لاش شہر کی فصیل سے لٹکائی عربوں کی حیرت انگیز ترقی سے جو اسکی
نظردن میں ایک نئی چیز تھی اس قدر تعجب میں آیا کہ خود اسکا حامی اور محافظ بن گیا۔ مغول
نے عربوں کے مدارس میں علوم حاصل کیے اور انکے مذہب اور انکے تمدن کو
اختیار کیا۔

حضرت عمر خلیفہ دوم کے عہد میں عمر ابن عاص کی سپہ سالاری سے مصر فتح ہوا
ہوا تھا۔ مصر کو جس طرح مسلمانوں نے فتح کیا اور حبشہ، اچھا برتاؤ اسکے باشندوں کے
ساتھ کیا اسکے متعلق تمام یورپین مورخ رطب اللسان ہیں۔ ڈاکٹر گستاوی بان لکھتے
ہیں کہ مذہب، قانون اور رسوم و رواج کی آزادی کے بدلے اور نیز اس فطرت
اور امن و امان کے بدلے جبکا اطمینان دلایا گیا گیارہ روپیہ فی کس جزیہ طلب کیا۔

دوسرا ایک تہذیب

تے تھے۔

کیا کہ وہ

جائے۔

س نے

م روئی گئے

نہ۔ تو دیکھ

خلیفہ بغداد

ر لیا اور خود

باب میں

مذہب ہے

ن کی سی

وجہ یہ تھی

نفاوت

یفہ نے

ن اطلاع

ملک کو

کیٹنا ہے

یہ شرط نہایت آمادگی سے منظور کر لی گئیں۔ صرف اُن باشندوں نے جو یونانی تھے اور جن میں سپاہی سیرکاری ملازم اور پادری شامل تھے اس شرط کو نامنظور کیا اور انھوں نے بھاگ کر اسکندریہ میں پناہ لی جس کا محاصرہ عربوں نے چودہ مہینے تک کیا اور اس مدت میں تیس ہزار عربوں کی جانیں تلف ہوئیں۔ باوجود اس نقصان عظیم کے عمرو شہر کے باشندوں کے ساتھ نہایت ملائمت سے پیش آیا۔ اُس نے اُنکے کل بغاوت کے فعلوں کو معاف کر دیا اور انکا عذر قبول کر کے دبوچی کرنے کی کوشش کی۔ اُس نے نبردوں اور بندردن کی مہمت کی اور زرخیہ عمارات اور ابنیہ میں صرف کیا۔ کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کا جو الزام عمرو پر لگایا جاتا ہے میں اُسکی بابت اسی قدر کہوں گا کہ اس قسم کا وحشیانہ فعل عربوں کے اوضاع و عادات کے اس قدر خلاف تھا کہ تعجب ہوتا ہے کہ اس قسم کی مہل کہانی اتنے دنوں تک رائج رہے اور قبول کی جائے۔ ہمارے زمانہ میں اس واقعہ کی تردید ایسی عمدہ طور پر ہو گئی ہے کہ اس پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ نہایت آسانی کے ساتھ اور بہت ہی صاف اور صریح حوالوں کے ذریعہ سے ثابت ہو سکتا ہے کہ عربوں سے بہت پہلے خود عیسائیوں نے اسکندریہ کے بُت پرستوں کے کتب خانوں کو اُسی اہتمام کے ساتھ برباد کر دیا تھا جس اہتمام کے ساتھ ادبھوں نے اُنکی مورثین توڑ ڈالی تھیں اور اسوجہ سے عربوں کے زمانہ میں کتابیں باقی ہی نہ تھیں جو جلائی جاتیں۔

جس طرح انگریزوں نے ہندوستان میں شروع شروع اور اب بھی رسم و رواج میں بالکل مداخلت نہ کی ملک کو ملک کے دستور پر چھوڑا بالکل ایسا ہی

بہاول فضل مقیم
نے جو یونانی
منظور کیا اور
چوڑاہ مینے
باد جو داس
سے پیش آیا۔
کے دلجوئی کرنے
ارات اور
پر لگایا جاتا ہے
کے اوضاع
مل کہانی اتنے
داعی کی تردید
یت آسانی
بت ہو سکتا ہے
کے
ساتھ
کے زمانہ
بھی رسم و
الیاسی

برتاؤ مسلمانوں نے مصر میں کیا تھا اور جس طرح انگریزوں نے شروع شروع
دستور ملکی میں رسم سی بند کیا اُسی طرح مسلمانوں نے مصر کا یہ دستور بند کیا کہ ہر
سال ایک جوان خوبصورت ناکتھالڑکی اپنے والدین سے بچہ بچائی تھی اور دریا سے
نیل میں وہ اس لیے پھینک دی جاتی تھی کہ دریا سے نیل اپنے سیلاب میں چہرہ
ملک کی مرزہ بحالی بنی تھی بخل نہ کرے۔

یہ امر بھی تاریخوں سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ میں عیسائیوں کا
بطریق مسلمانوں کی طرف سے مقرر کیا گیا اور مسلمانوں کے شہر میں بھی عیسائیوں
کو کلیسا بنانے کی اجازت دی گئی۔ مسلمانوں پر یہ الزام کہ وہ دوسروں کی عبادت گاہوں
گراں داجب سمجھتے تھے بالکل ہی غلط ہوا جاتا ہے۔

مصر کے مسلمان تجارت کی وجہ سے نہایت ہی مالدار تھے اور مسلمانوں کے
عہد میں انکا متول بے مثل ہو گیا تھا۔ اسوقت شاید کوئی ملک اس درجہ مال دار
نہ تھا اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ دنیا کی تمام تجارتوں کے ٹھیکہ دار تھے۔ شمال کے تمام
جہاز مصر میں رکتے تھے اور جنوب کے بھی تمام جہاز مصر کے بندرؤں میں پہنچتے
تھے۔ نہر سوئز نہ تھی اور نہ دوسری قوموں کی مداخلت تھی۔ مصر کے بادشاہ اس طرح
تمام دنیا کی تجارتوں پر حکمرانی کرتے تھے اور مصری عرب خود بھی ملک التجار تھے۔ اس
تجارت میں منزل واسکوڈاگاما کی وجہ سے ہوا جس نے کیپ آف گڈ ہوپ سے
ہو کر ہندوستان کے بندر مالابار میں اپنا جہاز پہنچایا۔ اس نئے راستے نے مصر
کے عربوں کو بڑا نقصان پہنچایا۔ عربوں نے بہت زور لگایا کہ پرچلیزوں کو ہند
میں جہنہ نہ دین لیکن پرچلیزوں کو عرب نہ روک سکے اور یہی وہ زمانہ ہے

کہ عربوں کی بحری تجارت میں پرچلیز رقیب تھے۔ اور پرچلیز یون کی دیکھا دیکھی یورپ کی اور قومیں بھی جہاز رانی میں بڑھنے لگیں اور عرب بحری تجارت میں گھٹنے لگے۔

اسپین کے باشندوں کے ساتھ عربوں نے وہی سلوک کیا جو انھوں نے شام اور مصر میں کیا تھا انکا مال انکے کھلے انکے قوانین انھیں دیے اور یہ روا رکھا کہ انکے ہجوم حکام انکا انصاف کریں۔ اور ایک خفیف سالانہ جزیہ انپر مقرر کیا جو امراسے ایک دینار سرخ اور غراب سے نصف دینار تھا۔ یہ شرائط اسقدر نرم تھے کہ رعایا نے بخوشی انکو قبول کر لیا۔

عربوں نے اندلس میں فتوحات ختم کرنے کے بعد ملک کے تمدن پر نظر کی۔ زراعت میں ترقی کی۔ ریلکین بنائیں۔ مدرسے قائم کیے۔ تحقیقات علمی کے مقامات بنائے۔ یونانی کتابوں کے ترجمہ شایع کر کے نسل بغداد کے ان علوم قدیمہ میں از سر نو جان ڈالی۔ حرفت اور تجارت کا بھی ایسا ہی زور و شور ہا۔ معدنیات۔ اسلحہ۔ ریشمی کپڑے۔ شکر اور مدبوغ چمڑے یہاں سے دوسرے ملکوں میں بکثرت روانہ کیے جاتے تھے۔ عربوں میں زراعت کی صلاحیت تمام کاموں سے بڑھ کر تھی۔ اسوقت تک اسپین میں آبپاشی کے ذرائع مسلمانوں کی یادگاہیں اسپین مسلمانوں کے چلے جانے کے بعد ویران ہو گیا ورنہ مسلمانوں کے عروج کے زمانہ میں یہ ملک تمام یورپ پر فوق رکھتا تھا۔ یورپ کے مختلف لوگ یہاں آکر علوم پڑھتے تھے۔ دور دور کے پادشاہ یہاں کے اہلبآ سے علاج کرنے آتے تھے اور عربوں کی تہذیب پر بہرہ ور رکھتے تھے۔

مذہبی تعصب اسپین کے عربوں میں بالکل نہ تھا۔ عیسائی نہایت آرام سے رہتے تھے۔ عیسائی سلطنتوں میں یہودیوں کو تکلیف تھی اس لیے وہ بھی ہر جگہ سے اگر اسپین میں بکثرت آباد ہو گئے تھے۔ مسلمان نفرانی عورتوں سے برابر بیاہ کرتے تھے۔ عبدالرحمن ثالث شاہ اسپین کی ماں نصرانی تھی۔ غرض کہ چند صدیوں میں عربوں نے اسپین کو علمی اور مالی ترقی کے لحاظ سے بدل دیا اور اس کو یورپ کا سر تاج بنادیا۔ محض مالی اور علمی اعتبار سے ہمیں بلکہ اخلاقی اعتبار سے بھی کہ عیسائیوں کو انھوں نے ایک بیش بہا خصلت انسانی سکھائی۔

مسلمانوں کے سیل جول سے قبل یورپ کی بہادری و حیا نہ حالت میں تھی۔ فطرت انسانی کی عزت نہ کرنا وہ بہادری سمجھتے تھے۔ جنگ ڈویل انک اُس بہادری کی یادگار ہے۔ عربوں کی بہادری باقاعدہ تھی۔ وہ اصول سپہ گری سمجھتے تھے کہ زور کا خیال رکھتے تھے۔ مفتوح کے ساتھ مہربانی کرتے تھے۔ عہد و پیمان کا از بس خیال رکھتے تھے۔ یورپ کے عیسائیوں نے انھیں اسپین کے عربوں سے سچی بہادری کا سبق سیکھا۔ اس وقت کے عربوں میں بہادر ہونے کے لیے دس خصلتیں ضروری سمجھی جاتی تھیں۔ شمشیر زنی۔ تیر اندازی۔ نیزہ بازی۔ شمشیری۔ طاقت جسمانی۔ فصاحت۔ شاعری۔ خوش اخلاقی۔ شجاعت۔ سخاوت۔ یورپین مورخ بھی متعرف ہیں کہ اسپین کے مسلمانوں میں یہ خصلتیں اعلیٰ درجہ پر تھیں۔ مثلاً اپنے زمانہ انحطاط میں مسلمان والی قرطبہ نے طلیطلہ کا محاصرہ کیا جو اس وقت ایک عیسائی شہزادی کی حکومت میں تھا۔ اس محصور شہزادی نے ایک قاصد سے کہلا بھیجا کہ ”کیا عورتوں پر حملہ کرنا بہادری کا شیوہ ہے؟“ عربی سپہ سالار نے فوراً

پلیزیوں کی
بحری تجارت

نہوں نے

بے اور یورپ

مقرر کیا جو

مذہب تھے

ان پر نظر

مات علمی

کے ان

دو شور ۲۔

سے ملکوں

تمام کاموں

یا دیگر چیز

لے عروج

پیمان اگر

آتے تھے

یورپی

محاصرہ اٹھالیا۔

آج کل جو بہادری اور تہذیب فن جنگ میں دیکھی جاتی ہے اس کے معلم ہونے کا فخر مسلمان کو حاصل ہے۔ ورنہ یورپ کی بہادری زندہ آگ میں جلانا۔ کٹوں سے یا اور درندے جانوروں سے انسان کا ہلاک کر دانا وغیرہ وغیرہ تھی۔ قصاصت قلبی کا نام گویا بہادری تھا۔ اس کو بخوبی سمجھنے کے لیے ”عربوں کی بہادری“ فصل ہشتم کتاب ہذا پڑھنا چاہیے۔

مصر بسبب غلاموں کی تجارت کے بھی زمانہ اسلام میں مالدار تھا۔ برابر اور زلیوہ کے غلام اخصین کے ذریعہ سے شمال میں روانہ کیے جاتے تھے۔ اور شمال کے گورے غلام اخصین کے ذریعہ سے آفریقہ میں فروخت ہوتے تھے۔ غلاموں کی تجارت مصر پر محدود نہ تھی۔ بہت سی عیسائی قومیں بھی تجارت کرتی تھیں۔ لیکن اس اعتبار سے کہ تمام بحری تجارت کی حکومت ایک زمانہ میں مصریوں کو حاصل تھی۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ غلاموں کی تجارت پر بھی انکی حکمرانی تھی۔ مسلمانوں نے اپنے زمانہ حکومت میں تمام دنیا پر مختلف احسانات کیے ہیں۔ جہاں سیکڑوں فائدے پہنچائے وہاں یہ ایک نقصان بھی سہی۔ نہمین انہیں! مسلمان اس بارے میں بھی فائدہ پہنچاتے تھے۔ مسلمانوں میں غلامی مذہباً بہت ہی محدود حالت میں تھی۔ ”اسلام اور غلامی“ میں تفصیلی خیالات ظاہر کیے جائیں گے۔ یہاں غلامی ان معنوں میں لہجائی ہے جو مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں برابر دار کھی ہے۔ مسلمان ملکی رٹائیوں میں غیر قوم کو جب قید کرتے تھے تو انکو جیل خانہ میں نہیں رکھتے تھے بلکہ معاوضہ جنگ یا معاوضہ شخصی لیکر چھوڑ دیتے تھے یا ثواب عاقبت کے لیے آزاد کر دیتے تھے کیوں کہ

انکی شرع نے غلاموں کے آزاد کرنے کا از حد فائدہ بتایا ہے۔ اور کبھی کبھی ان کو غلام بنا کر اپنے پاس بھی رکھتے تھے۔ یہ پچھلی صورت ادنیٰ درجہ کی صورت ہے اور مایمی قید سے ہر حالت میں اچھی ہے۔ اس صورت میں مسلمانوں کی بے انتہا شجاعت کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ بے تکلف اپنے دشمنوں کو اپنے پاس رکھتے تھے اور اس امر کا ذرا ڈرنہ کرتے تھے کہ وہ موقع پا کر دغا کریں گے۔ ان غلاموں کے ساتھ بے انتہا اچھا سلوک مسلمان کرتے تھے۔ جیسا کہ غلاموں کی حالت فیض نیم میں ہم نے دکھایا ہے۔ فوج کی افسری دیتے تھے۔ خزانہ کی افسری تعلق کرتے تھے۔ قلمدان وزارت سپرد کرتے تھے اپنی لڑکیاں تک انکے نکاح میں دیدیتے تھے۔ مسلمانوں کے غلاموں کی حالت دوسروں کے لیے باعث رشک ہوتی تھی۔ یہ غلام مصر میں بارہا بادشاہ بھی ہو گئے ہیں۔ غلام بادشاہوں کا سلسلہ جس طرح ہندوستان میں ہے اسی طرح مصر میں بھی غلام بادشاہوں کا سلسلہ قائم ہے مسلمانوں کے غلام عیسائیوں کے غلام نہ تھے۔ یورپ کی تاریخوں میں جو غلاموں کی بُری حالت کا نقشہ دکھلایا گیا ہے وہ عیسائیوں کے غلام یا قدیم رومیوں کے غلام ہیں۔ مسلمانوں کے غلام ایسی حالت میں کبھی نہیں تھے۔

یہ حالت تو ایک مذہب غلامی کی تھی اور قریب قریب دوسری قوموں میں بھی اس طرح کی غلامی رواج رکھی جاتی تھی۔ اسکے علاوہ ایک اور بھی غلامی کا دستور رائج ہوا تھا یعنی سرقہ انسان۔ جہاز پر ڈاکو ساحل بحر میں سیر کرتے تھے جہاز سے اوتارے مال لوٹا۔ آدمی جہاز میں بھر لیے اور چلے دیے۔ یورپ کی اکثر نام آور قوموں کی ابتدا انھیں قزاقوں سے ہوئی ہے۔ جہاز کی لوٹ ابھی حال میں محبوب سمجھی

کے تعلیم ہونے کا
توں سے
قصات قلبی کا
فصل ہستم

برادرانہ فیض کے
کے گورے
تجارت مہر کو
اعتبار سے
لما جاسکتا ہے
ت میں تمام
ان یہ ایک
نے تھے۔

لامی میں
س ہے جو
ایوں میں
نہ جنگ یا
کیوں کہ

گئی ہے در نہ عرصہ تک یہ جائز کمائی سمجھی جاتی تھی۔ مسلمان اپنے عروج یا انحطاط کے زمانہ میں اس قسم کے قزاق نہ تھے۔ شخصی بحث نہیں ہے بلکہ قومی شمار کا تذکرہ ہے کہ انکی قوم نے کبھی اسکو جائز نہیں رکھا۔ ان بحری قزاقوں سے مسلمان بردہ فرد خرید کرتے تھے۔ لیکن یہ خریداری اعانت بالواسطہ سے الگ کر کے دیکھی جائے تو غلاموں کے ساتھ بے انتہا سلوک کرنا تھا۔ ایک طور پر اور بھی یہ مسلمان نوع انسانی کے محسن تھے کہ جب کبھی وحشی قومیں باہم لڑتی تھیں تو وہ قیدیوں کو محض سیلے ہلاک نہیں کرتی تھیں کہ مسلمانوں کے ہاتھ انکو فروخت کرنے سے زلفہ وصول ہوتا تھا۔ کچھ قومیں ایسی بھی بیان کی جاتی ہیں جو اپنے دشمنوں کو کھا جاتی تھیں وہ مردم خوار قومیں بھی طع زر سے بجائے کھانے کے مسلمانوں کے ہاتھ اپنے غلام بیچ ڈالتی تھیں۔ اسوقت اس مہذب زمانہ کا ذکر نہیں ہے۔ انگلستان نے اور اُسکی دیکھا دیکھی تمام یورپ نے غلامی اٹھا کر نوع انسانی پر بیشک بڑا احسان کیا ہے۔ لیکن جس زمانہ کا ہم ذکر کرتے ہیں اُس زمانہ میں مسلمانوں نے غلاموں کی تجارت قائم رکھ کر کئی نوع انسانی پر ویسا ہی احسان کیا تھا جیسا کہ اب بردہ فروشی بند کرنے سے کیا جاتا ہو۔

اسپین میں فن تعمیر بہت زیادہ رونق پر تھا۔ مسلمانوں کے وقت کی عمارتیں عیسائیوں نے خراب کر ڈالیں اور اب خود انکو اسکا افسوس ہے۔ سچی بچائی عمارتیں جو رنگینی ہیں وہ دیکھنے والوں کو بے انتہا حیرت میں ڈالتی ہیں۔ اسوقت پانچ پانچ چھ سو برس کی عمارتیں ایسی موجود ہیں کہ گویا اسی صدی میں بنائی گئی ہیں۔ بہت سی عمارتیں ایسی بھی ہیں جو آج تک سنگ مرمر کی سمجھی گئی تھیں اور اب حال میں پانچ چھ سو برس کے بعد یہ معلوم ہوا ہے کہ اصلی سنگ مرمر انہیں نہیں لگاتھا بلکہ مصالح سے مصنوعی

سنگ مرمر بنا یا گیا تھا۔

جزیرہ سسلی میں بھی مسلمانوں کی حکومت تین سو برس تک تھی۔ امون رشید کے بعد جب دور دور کے صوبہ دار خود مختار ہو چلے تو منجملہ ان خود مختار صوبہ داروں کے شمالی افریقہ کے صوبہ دار نے عربی اور بربری مخلوط النسل قوم کی ایک سلطنت قائم کی۔ یہ سلطنت بغداد اور اسپین سے آگ تھی۔ یہاں کے مسلمانوں نے سسلی میں تیسری صدی کی ابتدا میں اطالی کر کے ایک مستقل سلطنت قائم کی جس میں بالآخر مائٹا سسلی وغیرہ جزائر یورپ مع جنوبی اٹلی کے شامل ہو گئے تھے۔

ڈاکٹر گستاہلی بان لکھتے ہیں کہ اگرچہ مصر اور اندلس کا سامان عربوں نے اس جزیرہ میں قائم نہیں کیا پھر بھی انھوں نے یہاں بڑی ترقی کی تھی۔ عربوں کے زمانہ میں سسلی کی حالت علم و حرفت اور اخلاق میں اس حالت سے جو آئے جانے کے بعد رگہ تھی بہت زیادہ عروج پر تھی۔ سسلی میں مسلمان تین سو برس تک حاکم ہو کر رہے اور پھر سو برس تک محکوم ہو کر رہے۔ زمانہ حکومت میں یورپ بھی انکا باج گزار تھا اور حالت محکومی میں وہ اپنے فاتحین کے مشیر تھے۔ اٹلی اور اسکے گرد و نواح میں انکی وجہ سے بہت کچھ تہذیب پھیلی۔

جس طرح محمود غزنوی کے حملوں نے ہندوستان میں مسلمان کو بدنام کیا اسی طرح بربری مسلمانوں کے حملوں نے شروع شروع سسلی میں مسلمانوں کو ضرور بدنام کیا۔ مصر، شام، اسپین، بغداد کی طرح رعایا کی دھجوائی میں انھوں نے وہ نمونہ نہیں دکھلایا جسکے لیے وہ مشہور تھے۔ اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ سسلی میں مستقل حکومت قائم کرنے کا ارادہ مسلمانوں نے نہیں کیا تھا اور اس لیے وہ انکی گورنمنٹ بہت مہذب

زوج یا انخطاط
س شاکر کا ذکر
مسلمان بردہ
نے دیکھی جا
نوع انسانی
سیلے ہلاک
ہوتا تھا۔
مردم خوار
میں بیچ ذاتی
دیکھا دیکھی
جن زمانہ
رکھ کر کئی نوع
جاتا ہو۔
تین عیسائیوں
درملگی میں
چھ سو برس
عمار تین
چھ سو برس
مسنوی

نتیجی۔ لیکن پھر بھی ان مسلمانوں کی گورنمنٹ سسلی میں یورپ کی تمام ہم عصر گورنمنٹوں سے اچھی تھی جسکے ثبوت میں ہم یورپ کا ایک خط نقل کرتے ہیں۔

مسلمانوں کا سسلی میں آنا اُس وقت ہوا تھا جب قسطنطنیہ کے گورنر سفینہ سسلی کو ایک امیر البحر نے مارڈالا تھا اور پھر امیر البحر کے مقابلہ میں تمام باشندے باغی ہو رہے تھے۔ مسلمان یہاں پر امیر البحر کی مدد کو آئے تھے لیکن پھر یہیں رہ گئے جب تک یہ یہاں تھے سسلی کو اپنا وطن نہیں سمجھے اور نہ زیادہ مستقل حکومت قائم کی اور اسلئے بالآخر یہاں کے عیسائیوں نے نازمن سے بمقابلہ عربوں کے مدد چاہی۔ نازمن نے مسلمانوں کو مغلوب کیا لیکن وہ باوجود عیسائی ہونے کے عیسائیوں کے حق میں عربوں سے بھی سخت تر بلا ثابت ہوئے۔ اس بلا کو خود عیسائی حامیان دین نے بلایا تھا اور جب اُن پر ثابت ہوا کہ نازمنوں کی دوستی عربوں کی دشمنی سے بدتر سے بدتر ہے تو انھوں نے یورپ سے پناہ مانگی۔ یورپ نے بہت کچھ شور و غل مچایا اور بالآخر نازمنوں کے کفر کا فتویٰ دیا۔ لیکن اس جنگ جو قوم نے اپنی لوٹ کھسوٹ کے سامنے ایک بھی نہ سنی۔ اخیر میں یورپ نے شاہ قسطنطنیہ کے نام ایک چٹھی بھیجی جو درج ذیل ہے۔

لیونتم یورپ روم کی چٹھی شاہ قسطنطنیہ کے نام

”میرے بیٹے آرگی! روس کے ایلیچوں کی داستان سُکر میرے دل کو سخت صدمہ ہوا۔ نازمنوں کی خود سری اور شرارت اور انکا فسق و فجور جو کفار سے بھی بدتر ہے دیکھ کر میں نے ارادہ کر لیا کہ اطالیہ کو ان اغیار کے ظلم سے نجات دوں۔ نازمن طیش کی حالت میں کسی چیز کو نہیں مانتے۔ وہ عیسائیوں کا گلا کاٹتے ہیں اور اپنے انواع و اقسام کے قتلہ کرتے ہیں۔ یہ افسانیت سے اس درجہ گورے ہوئے ہیں کہ نہ تو انھیں عمر کا

ستونہ سسلی
غنی ہو رہے
تھے جب تک
کی اور اسلے
نارمن نے
کے حق
یاں دینے
تر سے بدر
اور بالآخر
کے سنے
ہے۔

نخت صد
ہے دیکھ کر
ہیش کی
راع و قسام
و انھیں عمار

پاس ہے اور نہ مرد و زن کا۔ یہ اولیاء کے کلیسوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ ان میں آگ لگا دیتے ہیں اور انکو برباد کر دیتے ہیں۔ ہر ایک چیز کو وہ لوٹتے ہیں۔ میں نے انھیں بارہا ملامت کی ہے۔ انھیں روکا ہے ان سے منت و سماجت کی ہے۔ انھیں خوف خدا دلایا ہے لیکن کیا اچھا کسی عقلمند نے کہا ہے ”جسے خدا اگر اہلکے وہ کبھی راہ پر نہیں آتا اور دیوانہ باتوں سے نہیں مانتا اب میں نے یہ مجبور ہی ان ناقابل برداشت اغیار کے ساتھ لڑنے پر کمر باندھ لی۔ اور یہ لڑائی جائز اور تبرک لڑائی ہے کیونکہ میں اسکو حفاظت دین اور حفاظت خلافت کے لیے اختیار کرتا ہوں“

شاہنشاہ قسطنطنیہ نے کچھ خیال نہیں کیا تو دوسرے بادشاہان یورپ کے پاس اُسے چھٹیاں بھیجیں۔ جب کسی نے سماعت نہ کی تو اُسے خود بڑے اہتمام سے لڑائی کی اور بالآخر نازمنوں کے ہاتھ قید ہوا اور بڑی بڑی سخت شرطوں کے بعد چھوٹا۔ اب یہ وہ زمانہ آیا کہ سسلی اور اُسکے گرد و نواح کے جزائر جزائر امارس کے قبضہ میں تھے اور جزائر مسلمانوں کے قبضہ میں تھے۔ نازمنوں کے مظالم اپنے ہندسب عیسائیوں کے ساتھ کھلے کھلے طور پر تھے۔ خافقاہوں کو لوٹنا۔ راہبوں کا قتل کرنا انکے لیے معمولی بات تھی۔ بالآخر وہ لوگ بھی عادی ہو گئے تھے۔ نازمنوں نے جہاں پایا راہبوں کو قتل کیا اور راہبوں نے جہاں نازمنوں کو نماز پڑھتے ہوئے پایا مار ڈالا۔ مسلمانوں کی خانہ جنگیوں نے جس طرح آگے چل کر مسلمانوں کا خاتمہ اسپین میں کیا اُسی طرح سسلی میں بھی مسلمانوں کی سلطنت کا خاتمہ مسند میں ہوا۔ لیکن مابعد کے عیسائی بادشاہوں نے مسلمانوں کے صلاح و مشورہ سے اُنکے تمدن اور حکومت کے قاعدوں کی پابندی کے ساتھ عرصہ تک سسلی میں حکومت کی اور اس طرح

مسلمانوں کے تمدن کا بہت بڑا اثر عیسائیوں پر پڑا۔ بعض مورخوں نے بونزاد اور اسپین کے مسلمانوں کی طرح سسلی کے مسلمانوں کو بھی حسن معاشرت اور طریقہ تمدن سکھانے میں یورپ کا استاد مانا ہے۔

فرانس میں بھی مسلمانوں کی عملداری دوسو برس تک تھی۔ عبدالرحمن نے نفع فرانس تک فتح کر لیا تھا اور ٹوڈر کی لڑائی میں چارلس مارشل نے مسلمانوں کے بڑھنے کو روکا۔ یاہون کیسے کہ چارلس مارشل کے مقابلہ کرنے کے بجائے مسلمان یہ سب سمجھے کہ مال غنیمت کو رہ اسپین تک پہنچا دیں۔ چارلس مارشل کے مقابلے کو بعض یورپین مورخ مسلمانوں کے سیلاب بلا کا روکنا تصور کرتے ہیں۔ اور بعض مورخ سیلاب رحمت کا روکنا خیال کرتے ہیں۔ اسپین میں تہذیب کا ستارہ صدیوں تک چمکتا رہا اور بمقابلہ اسپین کے تمام یورپ جہالت کی تاریکی میں بڑا ہوا تھا۔ یہ ایک امر مسلمہ ہے۔ اب بعض خیال کرتے ہیں کہ اگر مسلمان اور بھی بڑھتے تو مشل اسپین کے اور حصہ یورپ کے بھی روشن ہو جاتے یعنی شمالی یورپ تاریکی میں نہ رہتا اگر چارلس مارشل مسلمانوں کا بڑھنا روک نہ دیتا۔ مائب الراے مورخین کا یہ قول ہے کہ ٹوڈر کی لڑائی مسلمانوں کے رُک جانے کے لیے محض ایک حیلہ تھی۔ مسلمان شمالی فرانس اور نیز اسکے اور شمال یورپ میں جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ سرد آب دہوا ان کو ناپسند تھی اور وہ اسی وجہ سے آگے نہیں بڑھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دودھ دیوں تک فرانس جنوبی پر قبضہ اسپین کے مسلمانوں کا اُسی طرح تھا جس طرح قطب الدین ایبک کے قبل سلاطین غوردغزنی ہند کی پادشاہت کرتے تھے یعنی انکی حیثیت فادرن گورمنٹ کی تھی اور ملک کی تمدنی حالت سے انکو دلچسپی نہ تھی۔ ایسے عربوں کے

تمام ممالک مفتوحہ میں صرف جنوبی فرانس ایسا ملک ہے جس پر مسلمانوں نے اپنی تمدنی برکت بہت کم پھیلائی ہے۔ لیکن پھر بھی جنوبی فرانس میں مسلمانوں کی بدولت نسبت شمالی فرانس کے صنعت و حرفت اور تجارت میں زیادہ تر ترقی تھی۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اسپین سے اول اول اکتساب علوم کرنے کی وجہ سے تمام فرانس میں رفتہ رفتہ روشنی پھیلی اور مسلمانوں کے زوال کے بعد عیسائی سلطنتوں میں فرانس نے اول اول مہذب گورنمنٹ کا خطاب حاصل کیا۔

خلاصہ یہ کہ مسلمانوں نے جتنے ممالک فتح کیے وہ عموماً دو قسم کے تھے ایک تو وہ جن میں کسی زمانہ میں مذہب قوموں کی حکومتیں رہ چکی تھیں۔ دوسری وہ جہاں مذہب قوم کا کبھی سایہ بھی نہ پڑا تھا۔ پہلی قسم کے ممالک میں بجز اراکین دولت کے اور سب کے سب از قسم بہایم سمجھے جاتے تھے گویا اراکین دولت کی آسائش اور آرام بہم پہنچانے کے لیے وہ سواشی تھے۔ اور دوسرے قسم کے ممالک کے باشندے آزاد تھے۔ مگر انکی آزادی بہایم سے کم نہ تھی جس طرح جگلوں میں سواشی کے گتے چرتے پھرتے ہیں اُسی طرح ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے الگ زندگی بسر کرتا تھا اور ٹٹ بھیڑ جانے کی حالت میں درندہ کی طرح آپس میں لڑتا تھا۔ مسلمانوں کے احسانات اگر بالاختصار بیان کرنا چاہیں تو اتنا کہنا کافی ہے کہ پہلے قسم کے ممالک کو یعنی شام۔ مصر۔ اسپین۔ فرانس۔ اٹلی۔ جزائر متعلقہ اٹلی۔ ارمین روم۔ ایران۔ افغانستان اور ہندوستان کو اسلام نے غلامی سے آزاد کر دیا۔ اور دوسرے قسم کے ممالک یعنی افریقہ۔ ترکستان۔ تاتار خاص۔ چینی تاتار۔ مجمع الجزائر وغیرہ کے باشندوں کو حیوان سے انسان بنایا

نے بغداد اور
اور طریقہ تمدن

نے نصرت
وں کے بڑھنے

ن یہ مناسب

بلے کو بعض

ن مورخ

یون تک

یہ ایک امر

میں کے اور

پا پس مال

ٹوڈر کی

لی فرانس

ہو ان کو

دو صدیوں

سب الدین

حیثیت

بلے عرب کے

یورپ کے باشندوں کے ساتھ تو مسلمانوں نے اتنا بڑا احسان کیا کہ خود کو بھی
 ان کے مقابلہ میں بچا کر دیا۔ چین ایک ایسا ملک ہے جو ہمیشہ مذہب ممالک سے
 دور رہا۔ غیر ملکوں کی تہذیب کا سایہ بھی اُس پر کبھی نہیں پڑا۔ وہاں کے باشندے
 بقدر ضرورت حرفت و صنعت شروع سے جانتے ہیں اور جتنا جانتے ہیں اُس پر
 ہمیشہ قانع رہے۔ نہ ہی خیال میں وہ ہمیشہ بودے رہے اور اس لیے اپنے
 ملک سے باہر کبھی وہ اپنی روشنی نہ دکھا سکے۔ بودھ مذہب نے وہاں پہونچ کر اپنا
 قبضہ اس لیے کر لیا کہ اسکے قبل وہاں کوئی مذہب نہ تھا۔ بودھ مذہب اعلیٰ مذہب
 نہیں ہے۔ مذہب کے دو حصے ہیں (۱) ایک اعلیٰ قوت سے اپنے کو بچا سمجھنا۔
 (۲) تمام دیگر قوتوں سے اپنے کو اعلیٰ سمجھنا۔ مذہب اسلام میں یہ دونوں اجزا
 موجود ہیں۔ لیکن بودھ مذہب میں صرف دوسرا جزو ہے۔ ان اجزا کی تفصیل
 ہم علیٰ مباحث کے باب میں بیان کریں گے بیان ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ چین
 میں مسلمانوں کے ذریعہ سے یہ پہلا جزو بھی پہونچا۔ چینوں نے جو اپنے کو اتنے
 روز تک قائم رکھا اُس میں مسلمانوں کے میل جول کے برکات کو بھی بڑا دخل تھا۔
 پروفیسر زلیف نے جو خیالات مسلمانان چین کی نسبت ظاہر کیے ہیں ہم نے اس
 کتاب کے صفحہ ۱۲۴ میں اُس کا ترجمہ نقل کیا ہے اُس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ
 کہ چین میں مسلمانوں نے کیا کیا اور کیا کر رہے ہیں۔ باشندگان ہندوستان کے ساتھ
 مسلمانوں نے جو احسانات کیے ہیں وہ بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ مسلمان جو قوت یہاں
 آئے جھوٹوں پر بڑوں کے مظالم بہت بڑھے ہوئے تھے۔ پوشش نہایت سادہ
 تھی۔ عورتوں کے حقوق بالکل باطل تھے مذہبی سختیاں بہت زیادہ پھیلی ہوئی تھیں۔

خیالات میں تاریکی تھی۔ جو باشندے مسلمان ہو گئے انکا تو کچھ ذکر ہی نہیں ہر مسلمان
 نہیں ہوئے انکی حالت نے بھی ہر اعتبار سے مسلمانوں کے عہد میں بہت زیادہ ترقی
 کی۔ اب بھی مسلمانوں کی آبادیوں میں جو ہنود رہتے ہیں انکے اطوار اور طرز ماندہ و بدو ان
 ہندوؤں سے جنکو مسلمانوں کی صحبت مفید نہیں ہوئی کمین زیادہ متذلل و شایستہ
 ہیں۔ بحث اور حجت کی ضرورت نہیں ہے ایک سرسری خیال تمام باشندگان ہند
 کی حالت کا کیا جائے تو بخوبی سمجھ میں آجائے گا کہ ہم کیا کہتے ہیں۔ گلاس خیال کے
 وقت وہ صور عین علحدہ رکھی جائیں جنکو انگریزی تعلیم نے درست کر دیا ہے۔ غرض کہ
 کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے مسلمانوں کے جو احسانات عالم برہین وہ از قسم برہیات ہیں۔

فصل ششم

جنگ صلیبی

جنگ صلیبی نے بھی انتہائی تہذیب یورپ میں پھیلائی اور یہ تہذیب مسلمانوں کے
 اکتساب کی گئی ہے مفصل بیان ذیل میں پڑھنا چاہیے۔

جنگ صلیبی دنیا کے اہم واقعات سے ہے۔ دوسو برس تک یورپ کے تمام
 عیسائی اپنی متفقہ قوت کے ساتھ شاہان مصر اور شام سے لڑتے رہے کہ فلسطین۔
 بیت المقدس کو مسلمانوں سے چھڑالیں۔ لیکن بالآخر وہ ناکام رہے۔ ان لڑائیوں
 کو کروسیڈ کہتے ہیں جسکا ترجمہ جنگ صلیبی ہے۔

دوسری صدی ہجری میں شارل مین نے ہارون الرشید سے عیسائیوں کے
 لیے فلسطین کی زیارت کی اجازت لی تھی اور ہارون الرشید نے نہایت خشنود
 پیشانی سے اسے منظور کیا تھا۔ اسکے قبل مسلمانوں کے فتوحات کی اسبند تھی

خود کو بھی
 مالک سے
 باشندے
 تے ہیں اس پر
 لیے اپنے
 بن ہو چکا تھا
 ملیا ہر
 بچا سمجھا۔
 نون اجزا
 لی تفصیل
 ہیں کہ چین
 پنے کرتے
 مل تھا۔
 نے اس
 ہوتا ہے کہ
 کے ساتھ
 ت یہاں
 بیت سادہ
 ہوئی تھیں

عیسائی جلتی ہوئی آگ میں کودنا پسند کرتے تھے اور ایک طور پر زیارت کا خیال ہی
 اُنکے دل سے نکل گیا تھا۔ لیکن امن قائم ہونے پر جس طرح شارٹین کی درخواست
 پسندیدہ تھی اسی طرح ہارون الرشید کی اجازت بھی مقتضائے انسانیت تھی۔ جب تک
 عربوں کا زمانہ تھا زیارت میں نہایت سہولت ہوتی تھی۔ کچھ تو عربوں کا عرب تمام یورپ پر
 اس طرح چھایا ہوا تھا کہ عیسائی زائرین اعدا ال سے بڑھ نہیں سکتے تھے اور کچھ عربوں کا
 طرز تمدن اس قسم کا تھا کہ عیسائیوں کے خلاف مزاج کوئی بات ہونہ سکتی تھی۔ سو اتفاق سے
 دونوں باتوں میں انقلاب پیدا ہوا۔ فرانس سے مسلمانوں کی حکومت اٹھ گئی۔ سبلی میں
 مسلمان عیسائیوں کے محکوم ہو گئے۔ ایشیا میں اسلامی سلطنت کے ٹکڑے ہو گئے۔
 یہ حالت دیکھ کر عیسائیوں کا دل بڑھا اور وہ مسلمانوں کی نسبت سمجھنے لگے کہ یہ ایسی قوم
 نہیں ہے کہ کسی طرح مغلوب ہو سکے۔ اب زائرین بیت المقدس ذرا شان و شوکت سے
 آنے لگے۔ یہاں عربوں کی حکومت اٹھ چکی تھی۔ ترکمانوں میں عربوں کی سی سرچشمی
 ان معاملات میں نہ تھی وہ عیسائیوں کی آزادی دیکھ نہیں سکتے تھے۔ رفتہ رفتہ زائرین کی
 بھی نوعیت بدل گئی۔ اب وہ بڑی تعداد میں آنے لگے۔ انکا آنا گویا ایک فوج لیکر ملک پر
 حملہ کرنا تھا۔ پوپ نے بڑے بڑے گناہوں کا کفارہ زیارت بیت المقدس قرار دیا تھا اسلئے
 ان زائرین میں بڑے بڑے جرائم پیشہ ہوتے تھے اور مذہبی خیالات کے لوگ کم ہوتے تھے
 وہ جب اپنے غول سے آتے تھے تو ایسے ہی آزاد ہوتے تھے جس طرح ہندوستان
 میں محترم کا سہر ایک تفریہ دار ایک سپاہی ہوتا جو حاکم فلسطین نے اُنکی بیجا آزادی گوارا نہیں
 کی اور رفتہ رفتہ بے لطفی بڑھتی گئی۔ بالآخر بیٹیر ایک شخص نے اپنے کو پیشوا سے مذہب بنا کر
 پوپ سے فلسطین کو مسلمانوں سے چھوڑانے کا فتویٰ لیا اور تمام یورپ کو متفق کر کے

جنگ صلیب
 بیت
 ہونٹیز
 روزبر
 برس
 اُنکی غ
 او
 تمام د
 طرف
 ہی کو
 کی نو
 بالخصوص
 کمزور
 فائدہ
 عیسائی
 اور ای
 جاننا
 نہ ہوتا
 کرنا

بہارِ فضل و جلال
ت کا خیال ہی
کی درخواست
تھی جب تک
تمام یورپ پر
کچھ عربوں کا
سورافاق سے
نئی سلی بن
ہو گئے۔
کہ یہ اسی قوم
ن شکر سے
سی سیٹھی
رفہ زار و نگی
ج لیکر ملک پر
رد ہاتھا ایسے
کم ہوتے تھے
ہندوستان
سی گوارا نیز
مذہب ناگر
تغفر کر کے

بیت المقدس کے لیے لڑنے پر آمادہ کیا۔ اس نگر کی وجہ سے بہت سی لڑائیاں
ہوئیں جبکہ سلسلہ دو سو برس تک قائم رہا۔ پیشہ تو دو سو برس تک زندہ نہیں رہا لیکن جو تعصبات
روز بروز بڑھتے گئے انکا دو سو برس تک قائم رہنا مستبعد نہ تھا۔ بالآخر عیسائیوں نے دو سو
برس کے بعد جب خوب خیال کیا کہ ابھی مسلمان اسے گرے ہوئے نہیں ہیں کہ دنیا میں
انکی عظمت تسلیم نہ کی جائے تب کہیں سلسلہ جنگ منقطع ہوا۔

اول اول تنی فوج عیسائیوں نے جمع کی تھی کہ اگر انہیں ذرا سی بھی شایستگی ہوتی تو
تمام دنیا وہ فتح کر سکتے تھے تیرہ لاکھ فوج سے تمام یورپ کے امراء و سلاطین فلسطین کی
طرف چلے گئے۔ رسولیکر نہیں چلے گئے اسلئے رسد کے لیے انہوں نے پہلے عیسائیوں
ہی کو لڑاؤ انکے ممالک غارت کیے اور بالآخر عیسائیوں کے گوشت سے انکو پیٹ بھر
کی نوبت آئی۔ اس طرح مرکب کر فلسطین تک پہنچے وہ بھی مسلمانوں کے لیے بہت تھے
بالخصوص ایسی حالت میں کہ لیزا داومصر کی ناجا قیوں نے اسلامی حکومت میں بے انتہا
کمزور بان پیدا کر رکھی تھیں۔ عیسائی فتحیاب ہوئے لیکن انکو اس فتحیابی سے کوئی بڑا
فائدہ نہیں پہنچا بجز اسکے کہ وہ فلسطین پر ۸۸۰ برس تک قابض رہے۔ اس شاہین ان
عیسائیوں کی وجہ سے شام کا ملک جو حرفت صنعت اور زراعت میں ہمیشہ تھا پال ہوا
اور ایسا پال ہوا کہ پھر ایک پناہ موزین لکھتے ہیں کہ عربوں کے تمدن کا شام سے اٹھ
جانا شام کی بربادی کا سبب ہوا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اگر عیسائیوں کے ہاتھ سے یہ ملک تباہ
نہ ہوتا تو ترک بھی اسکی حالت بدستور قائم رکھ سکتے تھے۔

مسلمانوں پر شکست بہت شاق گزری اور آہستہ آہستہ انہوں نے اپنی کمی پوری
کرنا شروع کی۔ ایک مسلمان سپہ سالار صلاح الدین نے پہلے اپنے کو مصر کا پھر عرب کا لڑنے

بغداد کا بادشاہ بنا کر اور اس طرح مسلمانوں کی متفرق قوتوں کو یکجا کر کے شام کی مستقر
 حکومت اور عیسائیوں کے اخراج کا ارادہ کیا۔ صلاح الدین کو فتح ہوئی اور
 اُسے تمام یورپ پر ثابت کر دیا کہ مسلمان تمام قوموں میں ایسے شجاع کئے جاتے
 ہیں کہ انہیں تہذیب کا مادہ بڑھا ہوا تھا۔ عیسائیوں کی سابق زیادتیاں صلاح الدین
 کے پیش نظر تھیں کہ ایک مسلمان کو کبھی بیت المقدس میں عیسائیوں نے زندہ نہ چھوڑا
 تھا۔ حتیٰ کہ عورتوں اور بچوں کو بھی مار ڈالا تھا۔ اور جب مارنے سے انکے ہاتھ تک
 گئے تھے تو آگ میں جلا ڈالا تھا۔ لیکن اسکے عوض میں اُسے اپنی باری میں
 تمام عیسائیوں کے ساتھ نہایت ہی رحم کا برتاؤ کیا۔ ایک جان بھی نہیں ماری۔ اور
 ایک خفیف رقم جریمہ کا اقرار لیکر سب کو پوری آزادی دیدی۔ اسکے بعد چھ لڑائیاں
 اور ہوئیں اور اکثر میں یورپ کی متفقہ قوتیں شریک بھی ہوئیں۔ لیکن مسلمانوں کو
 عیسائی نہ ہٹا سکے۔ غرض کہ دوسو برس تک یہ طوفان بے تمیزی برپا رہا۔ ان
 لڑائیوں کو صلیبی جنگ کی جگہ یورپ اور ایشیا کی لڑائی کہیں تو بجا ہے۔ اس دو
 سو برس کے عرصہ میں بہت سی باتیں پیدا ہو گئیں۔ مثلاً یورپ کا پیشوے مذہب
 ہونا اس صلیبی جنگ کی وجہ سے عام طور پر تسلیم کیا گیا۔ فرانس اور اٹلی کی حکومت
 نہایت کمزور ہو گئی تھی۔ اس جنگ نے انکی قوتیں بڑھا دیں۔ ایسے کہ تمام چھوٹے
 چھوٹے امراء نے اپنی اپنی جاگیر میں بیچ کر لڑائی میں خرچ کر دیا۔ چھوٹی چھوٹی جاگیر
 کے مٹ جانے سے شہنشاہی کو قوت پہنچ گئی۔ برخلاف اسکے جرمنی کی قوت
 گھٹ گئی کہ وہاں خود گورنمنٹ نے بہ نسبت جاگیر داروں کے زیادہ دلچسپی ظاہر
 کی تھی۔

اس مذہبی جنگ کے ختم ہونے پر عیسائیوں میں ایک مذہب مقلدین و تفر کا نکلا جو عیسائیوں کی موجودہ حالت قابل اصلاح سمجھا جنگ صلیبی کی وجہ سے عیسائی قوتیں قتل و غارتگری میں بہت بیاک ہو رہی تھیں۔ جو بیدردی مسلمانوں کے مقابلہ میں یورپ کے مقلدین ردا رکھتے تھے۔ اب وہی بیرحمی مقلدین کو تھینے پر اسٹینٹس کے مقابلہ میں ردا رکھی گئی اور ایک عرصہ تک یورپ اپنی وحشیانہ حرکتوں سے تمام عالم کو حیرت میں ڈالے ہوئے تھا۔

پر اسٹینٹس کا مذہب قریب قریب اصول میں اسی طرح عیسائی مذہب کی اصلاح کرتا ہے جس طرح اسلام نے چاہی تھی اور ان اصولوں میں اسلام کو بھی مذہب عیسوی کا مصلح کہیں تو بہت ٹھیک ہے۔ پر اسٹینٹس نے یورپ کو بہت فائدہ پہنچایا۔ یورپ نے اسلام نہیں اختیار کیا لیکن اس اصلاح بغیر انکا کام بھی نہیں چلائیے جب تک یہ مذہب انھوں نے اختیار نہیں کیا تھا وہ ترقی نہیں کر سکے۔ محض ضد سے انھوں نے اسلام نہیں قبول کیا۔ لیکن جنگ صلیبی کے میل جول نے جب ان پر انکی کمزوری ثابت کر دی تو اسلام سے ملنے جلتے خیالات کی پیروی انھوں نے مقلدین و تفر بن کر اختیار کی۔ شروع شروع اس مذہب دالون کو بہت کچھ دقتیں اٹھانا پڑیں لیکن بالآخر کامیابی ہوئی اور اس کتنے میں ہلو کوئی شرم نہیں ہے کہ پر اسٹینٹس بعض اداہم پرست مسلمانوں سے مذہبی عقاید میں بہتر ہیں اور یہی وجہ انکی ترقی کی ہے۔

اس جنگ صلیبی کی بدولت ایک نفع مسلمانوں کو یہ بھی پہنچا کہ انھوں نے مسلمانوں کا تمدن سیکھا اور انکی شائستگی اختیار کی۔ بغداد و سیلی اور اسپین کے

فصل سیم
نام کی استقامت
کی اور
جاتے
صلاح الدین
زندہ نہ چھوڑا
تہہ تک
ری میں
ری۔ اور
وایان
انوں کو
ان
س دو
مذہب
ست
چھوٹے
نی جاگیر
قوت
بی ظاہر

درس گاہوں میں عیسائیوں کا اگر تعلیم پانا یورپ کی عام خلقت پر ایسا اثر نہیں
ڈال سکتا تھا جیسا اس میل جول نے ڈالا۔ تمام یورپ کے مختلف حصوں کے
اہل حرفہ زراعت پیشہ اور تجارت پیشہ مسلمانوں سے ملے (دشمن ہو کر سہی)
مذہب ملک میں اگر انھوں نے آنکھیں کھولیں اور عجائبات دنیا دیکھے۔ عربوں
کی شاندار زندگی جو ترقی و حفت کا سبب ہوتی ہے پسند کی۔ اور مسلمانوں کی خوب
پزیرائی اور واپس جانے کے بعد تمام یورپ میں ایک نئی تحریک پیدا کی۔ دوسرے
برس کی لڑائیوں نے انکو سمجھا دیا کہ دوسری قوم پر حکومت کرنا جبک شایستگی نہ ہوگی
نہیں ہے۔ جنگ صلیبی ختم ہونے پر دوسریوں تک یورپ نے تمام جزیرہ
میں ترقی کرنے کے بعد محسوس کیا کہ خیالات کی ترقی بغیر قومی ترقی نہیں ہو سکتی۔
بالآخر لوہتر نے جدید خیالات قائم کیے جن میں سب سے سلسلہ تثلیث کے وہ تمام باتیں جو
خلاف اسلام تھیں خلاف عقل سمجھی گئیں۔ سلسلہ تثلیث بھی بہت محدود و محدود
رہ گیا اور رفتہ رفتہ اس میں بھی اصلاح ہوتی گئی۔ غرض کہ آنحضرت کی تعلیم نے جو
اثر قوم پر مہینوں اور برسوں میں کیا وہ مارٹن لوہتر کی تعلیم نے صدیوں میں کیا۔
اور وہ بھی نامکمل۔ اور اب جو کچھ عیسائیوں کے پاس ہے اسکو انھوں نے مسلمانوں
سے گویا واپس لیا ہے۔ لیکن اس میں شبہ نہیں ہے کہ وہ دنیاوی حالت میں
مسلمانوں سے اچھے ہیں۔ ایسے نہیں کہ انکے قواعد مضبوط تر ہیں۔ بلکہ ایسے کہ
جو کچھ انکے پاس ہے اس پر وہ مضبوطی سے قائم ہیں۔ ہمارے پاس سب
کچھ ہے مگر ہم میں مضبوطی نہیں ہے۔ اعتقادات اور خیالات کی استواری
مفقود ہو گئی ہے۔

فصل نوزدیم اخوة اسلامی

ایک غریب اندھے سے کسی نے پوچھا بھئی کھیر کھاؤ گے۔ اُس نے کہا میں نے تو کبھی کھائی نہیں ہے اور نہ جانتا ہوں کہ کیسی ہوتی ہے۔ پوچھنے والے نے کہا دودھ اور چاول سے بنتی ہے اور نہایت سفید ہوتی ہے۔ اندھے نے کہا سفید کیسی۔ اُس نے کہا۔ کیا یہ بھی نہیں جانتے بلکہ کے پر کی طرح سفید براق ہوتی ہے۔ اندھے نے کہا بلکہ کیسا ہوتا ہے اُس نے کہا صلاح نشہ بلاشبہ اب میں تمہیں بلکہ کیسے سمجھاؤں۔ بلکہ ایک پرند ہے بڑی گردن اوپر سے خم اور یہ ہلکے اپنا ہاتھ پٹیر کھپا اور اندھے کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ اندھے نے گویا بلکہ کی گردن ٹٹول کر کہا۔ یہ تو بڑی پٹیر بھی کویر ہے مجھ سے کھائی نہ جائے گی جب سے پٹیر بھی کبیر ضرب المثل ہے۔ اس حکایت سے یہ نتیجہ صریح اخذ ہو سکتا ہے کہ جو چیز دیکھنے سے غلط لگتی ہے وہ زبان کے سمجھانے سے سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ خدا نے فرمایا ہے ”انما المؤمنون اخوة“ (مسلمان بھائی بھائی ہیں) یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ رکھے جیسا ایک بھائی دوسرے بھائی کے ساتھ رکھتا ہے۔ اب جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ اس وقت عرب میں ایک بھائی کا دوسرے بھائی کے ساتھ کیسا برتاؤ تھا تب تک اس آیت کے معنی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ اگر ہندوستان کے بھائیوں پر خیال کریں تو آیت کا مفہوم خبط ہو جاتا ہے بیان تو پہلے بھائی بھائی سے لڑے گا پھر کہیں غیر سے لڑے گا۔ ابتدا گھر ہی سے ہوگی۔ کیا معنی کہ اشتراک خاندان کا اثر دستور تمام ہندوؤں اور مسلمانوں

شر نہیں

ن کے

(کر سہی)

عربوں

کی خوبوں

دوسو

سہوگی

تمام چیزوں

ہو سکتی

باتیں جو

نوں بزر

نے جو

کیا۔

مسلمانوں

میں

سب سے

سب

سواری

میں یکساں قائم ہے۔ پیشواے خاندان تمام دنیا کے جھگڑے بکھیرے اپنے سر رکھتا ہے اور دیگر اشخاص خانہ دنیا و مافیہا سے خبر نہیں رکھتے اگر انکا کچھ مشغلہ ہے تو صرف یہ کہ پیشواے خانہ کی طرف سے دل میں صدمہ یا کدورتیں جمع کرتے جاتے ہیں اور منہ سے کچھ نہیں کہتے۔ اندر ہی اندر جب خوب مواد یکپ لیا تو ایک مرتبہ خانہ جنگی کی تھری اور اس کے بعد جدائی ہوئی۔ بے لڑے بھڑے پیشواے خانہ سب کان حلقہ بگوش کو آزاد نہ کرے گا اور نہ نگان زرد کی رنگ زرد باش برادر زرد باش گلو خلاصی کرے گا۔ گویا ہر ایک کو دنیا کے جھگڑوں میں پڑنے کے قبل اپنے بھائی یا اور قریبی رشتہ داروں سے جو بھائی کی مدین ہیں لڑنا فرض ہے۔ اب ایسی حالت میں ہم کیا سمجھا سکتے ہیں کہ اخوت اسلامی کی بنیاد دین اسلام نے کس پیش ہوا اصول پر قائم کی تھی۔ جب اخوة کی عظمت ہمارے دل میں نہیں ہے تو اخوة اسلامی ہم کیا سمجھیں گے۔

عرب میں گوجہالت تھی لیکن ان کے تمدن نے برادرانہ حقوق کی عظمت نہایت اعلیٰ درجہ پر کی تھی۔ حالت ماند و بود انکی نہایت سادہ تھی۔ بالغ ہونے کے بعد ہر ایک بچے خود کمانے کھانے کی فکر کرتا تھا اور بیاہ شادی جب ہی کرتا تھا کہ خود میں بار عیال داری اٹھانے کی استطاعت پاتا تھا۔ اگر غریب سب ہی میں ہوتے ہیں اور فطری محبت کا تقاضا کم و بیش سب میں ہوتا ہے۔ شرکت کی وجہ سے جو دلوں میں بغض اور کینہ کی گرہیں پڑ جاتی ہیں۔ عرب میں انکا نام بھی نہ تھا۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کی تنگدستی میں دستگیری کرتا تھا طریق سے اظہار خلوص و احسان مندی ہوتا تھا۔ فطری محبت میں ان کے طریق عمل بیک

قوت پہنچاتے تھے۔ علاوہ اس حسن معاشرت کے ایک خاندان کو دوسرے خاندان سے یا ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ سے لڑنے کی ضرورت ہوتی تھی اور اسوقت تمام اہل خاندان سردار قوم کی ماتحتی میں اپنا زمانہ جینا عزت اور فخر کا باعث سمجھتے تھے۔ اگر کسی ایک کو دوسرے قبیلہ کا کوئی شخص مارتا یا گالی دیتا تھا تو صرف اس کے بھائی بھتیجے نہیں بلکہ کل قوم کے نوجوان اس کی مدد کو از خود کھڑے ہو جاتے تھے اور کسی قسم کا بار احسان نہیں رکھتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ آج سبکی مدد کو ہم کھڑے ہوتے ہیں وہ کل ہماری مدد کو اسی طرح کھڑا ہوگا۔ بھائیوں کا قوت بازو ہونا عربوں ہی کے تمدن میں پایا جاتا تھا۔ دوسری جگہ اسکی مثال نہیں ملتی۔ ہاں اسکے قریب قریب ایک شہر ہندوستان میں ہم پاتے ہیں کہ مقدمہ بازی کے لیے جتنے جھوٹے گواہ جاہ سے لے لیجیے۔ مشہور ہے کہ زمینداری کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے اور تمنا جھوٹ بولنے سے کامیابی نہیں ہو سکتی جب تک دہش باغ گواہی دینے والے ساتھ نہ ہوں۔ اسی لیے ایک کا دوسرے کی طرف سے گواہی دینا کسی قسم کا احسان رکھنا نہیں ہے بلکہ آپس کی تمدنی حالت کا مستفاد ہے۔

اگر اس تقریر سے عرب کے بھائیوں کے باہمی برتاؤ کا نقشہ ناظرین کے ذہن میں کچھ آیا ہو تو وہ سمجھیں کہ شرع محمدی نے خاندانی اخوة کو وسیع پیمانے پر پھیلا کر یہ حکم دیا کہ جتنے لوگ دائرہ اسلام میں آتے جائیں وہ ایک مان باپ کی اولاد یا ایک خاندان کے افراد ہو جائیں۔ اسوقت مسلمانوں کا یہ انداز تھا کہ ایک مکہ کو دوسرے مکہ کو کا جو تھا بانی پیتا تھا جو تھا کھانا کھاتا تھا امنین دولت۔ ثروت

۱۹
نزدیک
اپنے
سب سے
بچ کر
متر
خانہ
روایت
بھائی
لیت
با
ہے تو
نیت
حق
ہونے
جب
غریب
ہے
میں
طرفین
یہ

اور ہنر کا کچھ امتیاز نہ تھا۔ امیر سے امیر ایک ادنیٰ غریب سے فروتنی کے ساتھ پیش آتا تھا کوئی شخص دولت کی وجہ سے خود کو زیادہ سحرز نہیں سمجھتا تھا اگر عزت تھی تو کبرئی کی تھی یا علم کی۔ غریب سے غریب مسلمان کی عزت تمام متول مسلمان اتنی ہی کرتے تھے جتنی اُسکے چوٹے بھائی یاڑکے کرتے تھے۔ غریب سے غریب فقیر۔ محدث یا حافظ قرآن بڑے بڑے امیرون کے دیبا رہن محترم سمجھا جاتا تھا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی غیبت یا عیب جوئی نہیں کرتا تھا۔ ایک کو خوشحال دیکھ کر دوسرا خوشیاں مناتا تھا۔ حسد کا نام بھی انہیں نہ تھا۔ کسی ایک بھائی کے گھر دولت کا آنا ہر ایک عین اپنے گھر دولت کا آنا تصور کرتا تھا۔ غیر قوموں سے اگر ایک مسلمان نے بھولے سے بھی کوئی وعدہ کیا یا کسی بات میں زبان دیدی تو تمام مسلمان اسے عین اپنا وعدہ کرنا اور اپنی زبان دینا تصور کرتے تھے۔ اس اخوة نے بے انتہا اتفاق پیدا کر دیا تھا۔ پیغمبر خدا کے زمانہ میں اور صحابہ کرام کے زمانہ میں اس اخوة نے ایسے ایسے کام بنائے کہ یورپین تو رخ پڑھ کر حیران ہو جاتے ہیں۔ تمام باتیں انکی سمجھ میں آجاتی ہیں لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ انسان ایسے متلون خود غرض اور کمزور مخلوق کو نبی نے کس طرح اخوة اسلامی کی رسی سے جکڑ کر مستقل مزاج۔ فرشتہ خصلت اور زبردست قوم بنادی تھی۔

زمانہ مابعد میں جہاں سب چیزوں میں ضعف آیا اخوة اسلامی میں بھی ضعف آیا اور اب تو محض لفظ ہی لفظ ہے اس میں کوئی مفہوم ہی نہیں ہے۔ کالبہ ہے روح نہیں ہے۔ مگر خدا کا شکر ہے اور ہزار ہزار شکر ہے کہ اس زمانہ انحطاط میں بھی جاخوة مسلمانوں میں ہے وہ اور کسی مذہب میں نہیں ہے۔ آج کوئی شخص

جاپان یا چین کا رہنے والا۔ امریکہ یا دنیا کے کسی حصہ کا باشندہ
ہمارے سامنے آکر کھڑا ہو ہم اسکی زبان سے نا آشنا ہوں۔ صورت اسکی بالکل
غیر مانوس ہو۔ کسی قسم کی مناسبت ہم سے نہ ہو۔ لیکن وہ صرف "لا الہ الا اللہ محمد رسول
اللہ" ہمارے سامنے کھڑے تو ایک مرتبہ ہماری رگوں میں اخوة اسلامی ضرور
جوش زن ہو جائے گی۔ ہم اجنبیت کا خیال نہ کریں گے۔ یہ بھی نہ سوچیں گے کہ
وہ ہمارے لیے کوئی بلا ساتھ لایا ہے یا پیغام شادمانی منانے آیا ہے۔ رات کو
اُسکے سامنے ڈاک مارنے آئیں گے تو یہ پھاٹک کھول کر ڈاک کو گھر میں بلائے گا یا ہمارے
ساتھ رہ کر یہ کھوکھلی عمدہ سبق دے گا اور ہماری حفاظت کرے گا۔ یہ بھی ضرور نہیں ہر
کہ ہم خود کہتے مسلمان ہوں۔ ارکان مذہب جانتے ہوں۔ اسلام سے کھلمبھت ہو
ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری آؤ بھگت کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے
کہ ہم نے مسلمان کے گھر جنم لیا ہے اور ہمارے سامنے ایک حبیبی کلمہ پڑھتا ہوا آیا ہے
ہم بے سمجھے بوجھے اُس سے چٹ جائیں گے اور دسترخوان پر کھانا بچھا کر کہیں گے
آئیے! بسم اللہ پڑھ دھوئیے!! ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم اُسکے ساتھ بیوفائی نہ کریں گے
اگر اُسکی تقدیر میں گردش ہے تو سب کے پہلے ہم ہی اُسکی تخریب کے اسباب ہیں
یہودیچائیں گے۔ یہ ہماری موجودہ برائیوں کا دوسرا رخ ہے لیکن ایک مرتبہ ہم
اپنے انہماک اخلاق سے اُسکا دل فردغوش کر دیں گے اور اگر وہ کسی غیر مذہب
کا ہے اور تفریق کر کے ہم سے ملا ہے جب بھی ہم اُسکے دہلیز میں ایک مرتبہ یہ جادو
کہ بنیبر کے دقت میں جو اخوة اسلامی کی آگ روشن کی گئی تھی اُسکی خاکستر میں
اب بھی ذرا ذرا سی جگہ گریبان موجود ہیں اور دنیا کا کوئی مذہب اسبارہ میں اس

تھ پیش
تھی تو
انتی ہی
ب۔ فقیر
تھا ایک
حال دیکھ کر
رت کا آنا
ن نے
ا سے
بے انتہا
اس اخوة
تمام
ستون
جگر مقرر
بیضت آیا
روح
میں بھی
شخص

باب دوم

تجزیات

فصل ہفتم

جرائم

اسلامی تجزیات کا اگر زمانہ حال کے مذہب ممالک کے قانون سے مقابل کیا جائے تو تجزیات میں بہت سے اختلاف پائے جاتے ہیں۔ گوا اصول میں یعنی اس قایم رکھنے کے اغراض میں دونوں معین ہیں۔ اسلام میں کوئی بات جدید نہیں قایم ہوئی ہے۔ تمام باتیں وہی ہیں جو قبل سے مذہب قوموں میں رائج تھیں۔ اسلام نے ذرا عمدہ ترقیب دیدی اور اسکی پابندی سختی سے کی۔ مثلاً اس زمانہ میں زنا کوئی جرم نہیں ہے اور اسلام میں یہ جرم بعض حالتوں میں مستلزم القتل ہے۔ اور یہ سزا صرف اسلام نے قایم نہیں کی ہے۔ دنیا کی اکثر مذہب قوموں میں باوقات مختلف یہی سزا زنا کی تھی۔ اسی طرح اور بھی بہت سی باتیں ہیں کہ وہ اسلام میں جرم تھیں اور زمانہ حال میں جرم نہیں ہیں۔ بظاہر اسلام کی سختی ناپسندیدہ معلوم ہوتی ہے محض اسلیے کہ اسکے خلاف سننے اور سمجھنے پر طبیعت مائل اور عادی ہو رہی ہے۔ لیکن غور کرنے سے وہ مصالح سمجھیں گے اور جن چیز پر احکام مبنی ہیں موقع موقع سے انکابیان کیا جائیگا۔

اور دوسرے چند جرائم ایسے ہیں جو زمانہ حال میں سنگین ترین جرائم سمجھے جاتے ہیں لیکن اسلام میں وہ اتنے سنگین نہیں ہیں۔ مثلاً قتل اور ضرر شدید۔ قتل عمد کی سزا قتل اور نہیں تو حبس م قائم عبور دیا ہے شورا سوقت مذہب گورنمنٹوں میں لازم ہے اور اسلام

میں یہ محکوم ہے کہ مقتول کا وارث اگر کچھ ہر جہ (دیت) لیکر خون معاف کر دے تو قاتل کی سزا نہیں ہو سکتی۔ ان سنگین جرائم میں اسلام کی نرمی کے وجہ سے بھی موقع موقع سے بیان کیے جائیں گے۔

اس میں تو ذرا شک نہیں کیا جاسکتا کہ دنیا میں جب اسلامی قانون جاری تھا تو نہایت امن و امان تھی اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ اس وقت یورپین مملکتوں جہاں ہین و ہاں بھی اسن قائم ہے۔ ایسے دوسرا قانون اپنی اپنی جگہ پر اسن قائم رکھیں یہ خلاف عقل معلوم ہوتا ہے۔ اس بحث کا طر کرنا اس وقت ہمارا مقصد اصلی ہے۔ اس بحث کے سمجھانے کے لیے ہم طب یونانی اور طب انگریزی کا مقابلہ کرتے ہیں۔ لائق طبیوں کے ہونے سے عمدہ دواؤں کے نہ ملنے سے جدید تحقیقات اور جدید آلات کی کمی سے۔ علم تشریح کی محدودیت سے طب یونانی اس وقت تک ہی رہا ہے۔ لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ طب یونانی اپنے اصول میں طب انگریزی سے بڑی ہے۔ گو دونوں کے طرز عمل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ طب یونانی زیادہ زور دے اسباب کی فکر کرتی ہے۔ اور طب انگریزی دفع مرض کی۔ کہنے کو یہ دو لفظ بہت آسانی سے کہے گئے۔ مگر ان میں پر تمام اختلافات کی بنیاد قائم ہے۔ اور صحت قائم رکھنے کے لیے سمجھے تو دونوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔ دونوں طریقوں سے مریض اچھے ہوتے ہیں۔ اسی طرح اسلامی طریقہ سے جرائم کے اسباب کا استیلا کیا جاتا ہے اور اصل کے قانون کے مطابق خود جرائم کا استیلا کیا جاتا ہے۔ مثلاً جتنے جرائم دنیا میں پیدا ہوتے ہیں عموماً ان کے اسباب بعید یا قریب زنا کاری۔ شراب خوری۔ اشتعال بنے والے الفاظ۔ جھوٹے اہتمامات لگانے والے بیانات ہوتے ہیں۔ اس لیے اسلام

ان کو جرم ناقابل راضی نامہ قرار دیا اور گورنمنٹ کو اسکا سختیٹ ٹھہرایا۔ چوری بھی اسی قبیل سے ہے۔

اور وہ جرم جو فی الواقع دوسرے جرائم کے اسباب نہیں ہوتے انکا بدلہ لینا ضرر رسیدہ کی رائے پر چھوڑا۔ زید نے اگر عمر کی انگلی کاٹ ڈالی تو عمر کو اختیار ہے کہ اتنی ہی انگلی وہ زید کی کٹوائے۔ حتیٰ کہ قتل میں بھی ایسا ہی ہے۔ مقتول کو تو بچھڑکھٹک نہیں پہونچی اسکو ایک دن مرنا تھا مگر گیا۔ تکلیف اسکے ورثا کو البتہ پہونچی۔ اب ورثا کو اختیار ہے کہ کچھ معاوضہ (دیت) لیکر قاتل کو چھوڑ دیں۔ یا اپنے سامنے اسکو قتل کروا کر دل اپنا ٹھنڈھا کر لیں۔

سزا دینے میں زیادہ تر فرد گورنمنٹ کی غرض ہوتی ہے یعنی وہ تمام جرائم جن سے امن میں خلل پڑنے والا ہو گورنمنٹ کے مخالف ہوتے ہیں۔ اگر قتل عداور فرزند میں گورنمنٹ کا سزا دینا یقینی نہ ہو۔ اور آدھ رزنا۔ شراب خواری۔ دشنام دہی وغیرہ میں بھی گورنمنٹ دست انداز نہ ہو تو انتظام کسی طرح قائم نہیں رہ سکتا۔ گورنمنٹ تماشہ ہو کر رہ جائے گی۔ چنانچہ اسلامی سلطنتوں کے ضعف میں جرائم کی کثرت کی یہی وجہ تھی کہ ام الجرائم کی طرف توجہ نہ تھی۔ اور قتل اور فرزند کشی کا قانون پہلے ہی سے نرم تھا۔ پھر امن قائم رہے تو کیونکر بعضوں کا یہ خیال ہو گا کہ قتل اور فرزند کشی میں راضی نامہ اور صلح نامہ ہونے سے گورنمنٹ کو نقصان پہونچے گا اور نہایت بامعنی قائم رہے گی۔ ہم ایک حد تک سہرا بن میں بیٹھے جہاں ام الجرائم پر گورنمنٹ کی نظر سخت نہ ہوگی وہاں قتل اور فرزند کشی کا جرم قابل راضی نامہ ہونا بیشک نہایت بے موقع ہو گا اور یہی وجہ ہے کہ آج کل جن ممالک میں زنا اور سرخواری وغیرہ سنگین جرائم نہیں

نہ کر دے تو ہر
وجہ بھی موقع

نوع جاری تھا
تو یورپین عملداریا
جنگ براسن قائم
مقصود اصلی ہے۔
کاتھابا کرتے
بدیدہ تحقیقات
وقت نکلتی ہو رہی
یہی سے بڑی
زیادہ تر دفع
ت آسانی سے
کھنڈے کے لیے
اچھے ہوتے
ہے اور جل
یہ میں پیدا
شتعال دینے
لئے اسلام

ہین وہاں قتل عمد اور ضرر شدید کے جرایم قابل راضی نامہ نہیں ہیں۔ یہ خوب واضح رہے کہ قانون کیسا ہی ہو جب تک اسکا نفاذ پورا پورا نہ ہوگا وہ مفید نہیں ہو سکتا۔ پچھلے زمانہ میں اسلامی قانون کا ادھورالفاؤ منہ دوستان میں ہوتا تھا اور تمام خرابیاں تھیں۔ بمقابلہ اسکے انگریزی قانون کا پورا پورا نفاذ گودہ جزئیات میں اسلامی قانون سے مختلف ہے کہ میں اچھا اثر دکھاتا ہے اور ہر طرف امن امان ہے۔

رہزنی

رہزنی سب سے بڑا جرم اسلام میں ہے اور اسکی سزا بھی بہت سخت ہے۔ اگر کوئی رہزنی کا قصد رکھتا ہے یعنی رہزنوں کی صحبت میں ہے۔ لیکن ہنوز مرتکب نہیں ہوا ہے اور گرفتار ہو گیا تو اسکو اسوقت تک قید رکھنا چاہیے کہ وہ توبہ کرے یہ حکم اپنی نوعیت میں ویسا ہی ہے جیسا کہ ضمانت نیک چلنی نہ داخل ہونے کی صورت میں آج کل برٹش گورنمنٹ کی عدالتوں سے قید کا حکم صادر ہوتا ہے لیکن اگر مجرم کچھ اور ترقی کر گیا ہے لینے رہزنی کی حالت میں کچھ مال بھی لے چکا ہے تو بلحاظ قلیل و کثیر کے اسکا داہنا ہاتھ اور داہنا پاؤں کاٹا جائیگا۔ جیسا سنگین جرم ہے یہی ہی سزا بھی سخت و بجا نیکی تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔ اور اگر کسی ٹھگ نے کسی کو جان سے مارا ہو تو قتل کی سزا و بجا نیکی اور اس حالت میں مقتول کے رشتہ کو خون سمان کرنے کا حق نہ ہوگا۔ اسلام میں یہ قاعدہ ہے کہ قتل کی صورت میں دینے مقتول اگر سعادہ لیکر خون سمان کر دین تو قاتل چھوٹ جاتا ہے۔ اسلیے کہ بہت سی صورتیں قتل کی ایسی ہوتی ہیں کہ غصہ یا غلط فہمی یا اتفاق سے آدمی خون کر بیٹھتا ہے اور پھر سچ بتا دے جس طرح برٹش لائین گورنمنٹ کو خون سمان کرنے کا اختیار ہے۔ اسی طرح

اسلام میں ورثا کو اختیار ہے لیکن اگر کوئی رہن کسی کو مار ڈالے تو پھر یہ جرم کسی طرح قابل رعایت نہیں ہوتا اور نہ مقتول کے ورثا کو خون معاف کرنے کا حق ہوتا ہے۔ جرم ثابت ہونے پر قاتل بھی مرزوقتل کیا جاتا ہے۔

عبرت دلانے کے لیے اگر ضرورت معلوم ہو تو قاضی یہ حکم دے سکتا ہے کہ مجرم لٹکا دیا جائے اور خنجر سے اس کا شکم چاک کر دیا جائے۔ یہ مندرجہ بالا ہے لیکن اگر جرایم پیشہ وحشی ہیں تو ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔ خاص خاص حالت میں ایسا کرنا محکوم ہے نہ کہ ہر حالت میں۔ برٹش گورنمنٹ کی آمد کے قبل اودھ میں گونڈہ کاجنگل اور حیدرآباد جاتے ہوئے وسط ہند کی پہاڑیاں ڈاکوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ اُس زمانہ میں احکام شرع پر عمل نہیں ہوتا تھا۔ یہی وجہ بد امنی کی تھی برٹش گورنمنٹ نے بڑی کوشش سے سب ڈاکوؤں کو زیر کیا کسی کو مار کر اور کسی کو جاگیرین دیکر۔ اب ہندوستان میں تمام امن ہے۔ اب موجودہ حالت میں کسی ڈاکو کو جنگل میں شکم چاک کر کے لٹکا دینا ہرگز ضروری نہیں ہے۔ لیکن قانون تو ہر حالت اور ہر موقع کے لیے ہوتا ہے۔ جن اقوام میں ابھی تک آدمی کا کچا گوشت چبانا درست ہے اُنکے لیے قانون کا وضع ہونا کسی طرح بجا نہیں ہو سکتا۔ رعایا کی تہذیب کے ساتھ گورنمنٹ کی تہذیب ترقی کرتی ہے وحشی قوم کے ساتھ مندرجہ قاعدہ تہذیب ہو تو وقت پیدا ہوتی ہے۔

۵۴

اسلام میں زنا کاری سنگین جرایم سے ہے۔ رہنہنی کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ زنا کے سنگین جرایم ہونے کے وجہ شروع میں بالا جال بیان کیے گئے ہیں

بدا صبح
ن ہو سکتا۔
تمام خرابیاں
می قانون سے

ہے اگر
وزیر مکتب
توہ کر کے
نے کی
لیکن
تو بلا لحاظ
ہے وہی ہی
جان سے
کر کے کا
معاوضہ

تل کی
سچ بتاؤ
ن طرح

انکے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جزائی مستوجب سزا ہوتا ہے وہ فی الواقع دنیا میں رہنے کے قابل نہیں رہتا اور جیسا فی مین جانوروں سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ زنا میں سزا ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا یہ کہ چار اشخاص گواہی دے یا زانی خود چار مختلف مواقع پر اقبال جرم کرے۔ گواہی کی حالت میں یہ شرط ہے کہ گواہوں کے عادل ہونے کی تحقیق کی جائے اور گواہوں سے سوالات جرح کر کے صاف کر لیا جائے کہ بوسہ و کنار کو تو گواہوں نے زنا نہیں سمجھا۔ اب جو شخص ایسا بچیا ہے کہ چار شخصوں کے سامنے روز روشن میں زنا کرتا ہے اور چاروں گواہ علانیہ حالت زنا دیکھتے ہیں تو ایسے بے حیا کی سزا ضرور ہونا چاہیے اور اقبال جرم کی صورت یہ ہے کہ چار مرتبہ زانی اقبال کرے اور اخیر تک اقبال پر قائم رہے اگر سزا کے وقت بھی اقبال سے مکر جائیگا تو سزا سقاط ہو جائے گی۔ اور اقبال کی حالت میں بھی قاضی کو سمجھا دینا چاہیے کہ تو نے محض بوسہ و کنار پر تو کفایت نہیں کی یا شبہ سے تو صحبت نہیں کی۔

زنا کی سزائیں دو قسم کی ہیں۔ اگر زانی یا زانیہ نکاح صحیح کے ذریعہ سے کبھی پہلے صحبت کر چکے ہیں تو انکو سنگسار کرنا چاہیے یعنی پتھر دن سے مار ڈالنا چاہیے۔ ان پتھروں سے مارنے کی یہ صورت ہے کہ پہلے گواہ پتھر ماریں اگر گواہ تامل کریں تو سزا موقوف ہو جائے گی۔ جرم کو سنگین ہے مگر سزا دینے میں بہت تاخیر کی جاتی ہے اور انتہام بلغ رہتا ہے کہ کوئی بے تصور سزا نہ پا جائے۔

اگر زانی یا زانیہ کبھی پہلے نکاح صحیح کے ذریعہ سے صحبت نہ کر چکے ہوں تو صرف سو کوڑے مار کر چھوڑ دینا چاہیے۔ غلاموں کے لیے سب سے سو کے صرف

مفصل ستم
الواقع
عالم ہوتا
لوہی ریز
یہ شرط
سوالات
نہ سمجھا
نہ زنا کرنا
مرا ضرور
اور
اسقاط
نے محض
کبھی
ہے
کرین
جاتی ہر
توصیف
ن

بچاس کوڑے ہیں۔

بہت سی صورتیں ایسی رکھی گئی ہیں کہ سزا لازم نہیں آتی۔ مثلاً شہرہ کی حالت میں یا غلط فہمی کی حالت میں زنا کیا جائے۔ یا زنا کے لیے کسی عورت کا نقد معاوضہ مقرر کیا جائے تو سزا لازم نہیں آتی۔ اسکے متعلق زیادہ توضیح کے لیے "زنا کاری" فصل ۲۲ پڑھیے۔

دشنام دہی

جس طرح زنا سنگین جرم سے ہے ویسے ہی اتمام زنا بھی سنگین جرم ہے جو کوئی ایسی ہمت دوسرے کو نکائے تو ۸۰ کوڑے اگر وہ آزاد ہے اور ۱۰۰ کوڑے اگر غلام ہے سزا مقرر ہے۔ دو گواہوں کے اقرار سے یا مجرم کے ایک مرتبہ قبضہ جرم کرنے سے جرم ثابت سمجھا جاتا ہے۔ اس ہمت کو اصطلاح شرع میں قذف کہتے ہیں۔ جب تک ضرر رسیدہ خواستگار نہ ہو سزا نہیں دیتا۔ لیکن خواستگار اپنے کے بعد اسکو حق معاف کرنے کا نہیں ہے۔ معاف کرنے سے سزا باطل نہیں ہوتی کیونکہ گالی گلوچ ام الجرائم سے ہے کہ بہت سے جرائم اس سے متفرع ہوتے ہیں۔ ہر بڑے جھگڑے کی بنیاد یوں ہی آہستہ آہستہ قائم ہوتی ہے اسلئے شرع نے شروع ہی میں سختی روا رکھی ہے۔

سرچشمہ شاید گرفتار بیل چوڑ شد نہ شاید گوشن بیل

اسی طرح یہ بھی روا نہیں ہے کہ باہم گالی گلوچ کر کے ہنگامہ برپا کیا جائے چنانچہ اگر زید کو عمر زانی کہے اور زید اسکے جواب میں عمر سے کہے کہ "تو زانی ہے" تو دونوں کو سزا دیا جائیگی۔ اگر زنا کے اتمام کے سوا کوئی اور دشنام دی جائے تو اسکی سزا

۳۹ کوڑوں سے ۹۳ کوڑوں تک ہے اور کسی بیشی حاکم وقت کی راے پر ہے اسکو سزا سے تعزیری یعنی تاویب و توبیخ کی سزا کہتے ہیں۔

چوری

اسلام میں چوری کی سزا دہن ہاتھ کا کاٹنا ہے۔ اور اگر دوبارہ کرے تو بائیں پاؤں کا کاٹنا ہے۔ یہ سزا بہت سخت ہے اور بظاہر وحشیانہ معلوم ہوتی ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ وحشیانہ نہیں ہے۔ چوری کی یہ سزا محض تنبیہ کے لیے محکوم ہے ورنہ شرعی شرائط ایسے ہیں کہ بہت کم صورتوں میں ایسی سزا دی جاتی ہے۔ یعنی قیدیں ایسی لگائی گئی ہیں کہ جلدی ہاتھ کٹنے کی نوبت نہیں آتی۔ اور جہاں کمین ایک کا ہاتھ کٹا تو پھر دوسرا ایک چوری کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ کٹا ہوا ہاتھ لوگوں کو تنبیہ یا عبرت دیتا رہتا ہے۔ سہ بارہ چوری کی صورت میں قید اور تعزیر ہے۔ قید کی سزا اسلام میں بہت کم ہے۔ آزادی زندہ قوموں میں سب سے زائد عزیز سمجھی جاتی ہے۔

فقہائے دین و دہم سے کم مالیت کی چوری میں ہاتھ کاٹنا ردائین رکھا ہے اور چوری کی نوعیت اور حالت میں اتنی قیدیں لگائی ہیں کہ جو کوئی بھولے چو کے ایک آدھ مرتبہ چوری کرے وہ ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں پاتا۔ تمام شرطوں اور قیدوں کے منطبق کرنے سے وہی چور اس سزا کے قابل ٹھہرتے ہیں جو پرائے شاق ہیں مثلاً حبیب کرنے والے ہیں یا لقب زنی کے ذریعہ سے چوری کرنے کے عادی ہیں۔

قتل و غرضندیہ

جان سے مار ڈالنے کی چار صورتیں ہیں۔ اول قتل عمدہ۔ دوم قتل شبہ سوم

قتل خطا۔ چارم قتل بہ سبب۔

مہلک آلہ سے ہلاک کرنا یا آگ سے جلا کر مار ڈالنے کو قتل عمدہ کہتے ہیں۔ مہلک آلہ سے مراد تیز اور دھار دار چیزیں ہیں۔ اس میں قصاص لازم آتا ہے یعنی قاتل بھی جان سے مارا جاتا ہے۔ بشرطیکہ وارث مقتول خون سحاف نہ کر دے کیونکہ سحاف کر دینے کی صورت میں قصاص جاتا رہتا ہے۔

آلہ مہلک کے سوا اور چیزوں سے قتل کرنے کو قتل شبہہ کہتے ہیں اور اس صورت میں کفارہ اور دیت منغلظہ لازم آتی ہے۔

قتل خطا کی تعریف لفظ ہی سے ظاہر ہے یعنی بھول چوک سے کسی کو مارنا اس میں بھی کفارہ اور دیت لازم آتی ہے۔

قتل بہ سبب وہ ہے جس میں قاتل قتل کا سبب بعید ہو مثلاً گنواں کھدوایا اور اس میں کوئی گر پڑا یا پتھر کھا اور اس سے کوئی ٹھوکر کھا کر گرا اور مر گیا۔ ایسی صورت میں صرف دیت لازم آتی ہے۔

اول تین صورتوں میں قاتل مقتول کا وارث نہیں ہو سکتا۔

مزرر شدید کی حالت میں مزرر رسیدہ کو اختیار ہے کہ وہ قصاص طلب کرے اور اس حالت میں حاکم وقت مزرر رسیدہ کو جتنا مزرر پہنچا ہے اتنا ہی مزرر مزرر رسیدہ کو بھی پہنچا کرے۔ یعنی مظلوم کا ہاتھ ٹوٹ گیا ہے تو ظالم کا بھی توڑ دیا جائیگا۔ اور مظلوم کا دانت ٹوٹا ہے تو ظالم کا بھی دانت توڑ دیا جائے گا۔

اوپر حسب قدر سائل لکھے گئے اسے صرف یہ دیکھنا مقصود ہے کہ اسلام میں تعزیرات کے کیا قاعدہ تھے۔ فقہ کے تمام سائل جاننے کے لیے ناظرین یہ تحریر کافی سمجھیں

بیان میں بہت ہی اختصار کیا گیا ہے۔

ان تمام مضامین پڑھنے کے بعد مفصل ذیل باتیں خصوصیت کے ساتھ سمجھنے کے لائق ہیں۔ ورنہ بادی النظر میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب جرایم اور سزائیں اس قدر محدود و حالت میں ہیں تو اسلامی قانون اپنے اچھے دنوں میں اسن قائم رکھنے کے لیے کیونکر کافی ہوا ہوگا۔

(۱) اسلام میں اسباب جرم کے روکنے کی زاید کوشش کی گئی ہے جیسے زنا۔ شراب خواری۔ استعمال الفاظ اشتعال طبع وغیرہ سنگین جرایم ہیں۔
(۲) اتفاقاً جرم سرزد ہونے کی حالت میں توبہ۔ انفعال اور معافی مانگنے کا نتیجہ سزا سے زاید مفید سمجھا گیا ہے۔

(۳) اس امر کا خیال رکھا گیا ہے کہ جتنی تکلیف ظالم دوسرے کو پہنچائے اتنی ہی اُسکو بھی برداشت کرنا پڑے گی۔

(۴) چوری کی اگر عادت پڑ گئی ہے تو بدرجہ مجبوری چوری کرنے میں مدد دینے والے اجزاء جسم یعنی ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے جائیں۔ زنا کی حالت میں جتنی سخت شرطیں ثبوت جرم کے لیے لگائی جاتی ہیں ویسی ہی ہاتھ پاؤں کاٹنے میں بھی۔ حتیٰ الوسع شرع سے سزا دینے میں نرمی کی جاتی ہے۔

(۵) شرع میں قیدی کی سزا بہت کم محکوم ہے۔ عربوں کے نزدیک آزادی چھین جانے کے مقابلہ میں اور تمام عیبتیں آسان تھیں۔

(۶) شرع مجتہدی کی اکثر سزائیں دوسرے دن کو عبرت دلانے والی ہیں۔ اور یہی زیادہ تر سزا دینے کا حاصل ہوتا ہے۔

(۷) جرائم کی قسمیں گو کم ہیں۔ لیکن سزا کے ساتھ اخروی عذاب کا ڈبھی لگا ہوا ہے۔ اصول ایسے رکھے گئے ہیں کہ لوگ عذاب آخرت سے ڈریں اور جرائم پیشہ نہ ہونے پائیں اور کسی سے بھول چوک ہو جائے اور وہ پھر توبہ کر لے تو اسکی خطا سے چشم پوشی کی جائے۔

بیشک یہ ہمارا دین ہے اور یہ ہمارا ایمان ہے کہ سزا دہی اور اللہ دادِ جہنم کے طریقے جو شرع محمدی میں محکوم ہیں وہ بہت مناسب ہیں۔ صرف آنکھ بند کر کے ہم اسکے ماننے والے نہیں ہیں بلکہ دلائل اور برہان سے ہم خود ایسا سمجھتے ہیں اور دوسروں کو سمجھا سکتے ہیں۔ لیکن اسکے ساتھ یہ بھی مانتے ہیں کہ یہ باتیں اب صرف کتابی رنگہی ہیں خارج میں اب انکا وجود نہیں ہے۔ مسلمانوں کی عملداریاں عملی طور پر انکے فوائد دکھانے کو ملتا نہیں۔ دیکھیے قطاع الطریق بدرتین جرائم سے ہے۔ لیکن مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے بیچ میں فقیہانی گڈڑی بھی سچا نہیں سکتا اگر قاعدہ والوں کی مدد نہ ہو۔ اسوقت مذہب ملکوں کے قوانین شرع محمدی کے سے بہتر نہ سہی لیکن انہر باقاعدہ عمل ہونے کا نتیجہ ہے کہ اس کماری سے کوہِ ہمالیہ تک اور برہما سے کشمیر تک بڑھیا سونا اچھالتی جائے بلکہ ہجاز میں بیٹیکر لندن کی سیر کر آئے جب بھی کوئی نہ پوچھے گا کہ بڑھیا کیا لیے جاتی ہے۔ اندرین صورت ہکو شکر گزار سی اور احسانمندی کے ساتھ ماننا پڑتا ہے کہ ان کتابی سایل سے جن پر خارج میں کہیں عمل نہیں ہوتا برٹش گورنمنٹ کے قانون تعزیری جنکے ذریعہ سے ہم چین سے بسر کرتے ہیں بہت زیادہ بکار آمد اور قابلِ قدر ہیں۔

ساتھ

جرائم اور

ن میں

ہے جیسے

ملنے کا نتیجہ

پائے

ہیں

جن جنی

نہ میں

دادی

دریہ

۵

فصل بستیم

سزا سے موت

ہم پہلے اس اصول سے بحث کرنا چاہتے ہیں جس پر تمام سزائیں مبنی ہیں اسکے بعد سزا سے موت سے بحث کریں گے اس لیے کہ جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ سزا کیوں دی جاتی ہے اس وقت تک سزا سے موت کے وجوہ مناسب طور سے بیان نہیں کیے جاسکتے۔

فرض کیجیے کہ ایک شخص نے کسی کو مارا اور اس کا ہاتھ توڑ لیا۔ اب بتائیے کہ اگر مجرم ۲ برس قید کر دیا گیا تو مضروب کو کیا نفع ہوا۔ ہم جہاں تک غور کرتے ہیں اس سزا سے مضروب کو کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ اور قید کیا سخی اگر مجرم کا ہاتھ بھی توڑ دیا جائے۔ تاہم مضروب کو اس سے نفع نہیں ہو سکتا۔ ہاں کوئی ایسا فعل کیا جائے جس سے مضروب کا ہاتھ اپنی اصلی حالت پر آجائے تو البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مضروب کو نفع ہوا۔ یا اس کی تکلیف دور ہوئی۔ اگر ہاتھ توڑنے کی سزا ہاتھ توڑنا قرار دی جائے تو دو دفعے مضرت رسان ہوے۔ یعنی ایک کو تو ہاتھ توڑ کر مجرم نے بیکار کر دیا تھا دوسرے کو (مجرم کو) حاکم وقت نے سزا دیکر ٹکڑا کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گروہ انسان میں دو شخص بیکار ہو گئے اور مضروب ویسے کا دھیار لگایا۔ اس لیے یہ کہنا پڑتا ہے کہ واقعی سزا کا کوئی نفع مضروب کو نہیں ہوتا اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ قانون نے سزا اس غرض سے نہیں مقرر کی ہے کہ مضروب کو نفع پہنچے۔

سہ اگر یہ کہا جائے کہ سزا اس اصول پر ہے کہ مہلک تکلیف مضروب کو ہوتی ہے اتنی ہی تکلیف مجرم کو بھی دی جائے تو یہ بھی ایک نئی بات ہے مجرم کو سزا یا تکلیف ہوتی بھی تو مضروب سے کیا نفع اٹھایا۔

غرض کہ مزارا ہی اس اصول پر نہیں ہے کہ مزار دینے سے مزار رسید دن کو کچھ نفع پہنچے۔ بلکہ مزارا ہی کی صرف یہ غرض معلوم ہوتی ہے کہ ایک کو مزار بانے ہوئے دیکھ کر سیکڑوں ہزاروں آدمی عبرت پکڑیں گے اور اسی طرح ملک میں امن قائم رہے گا اور اگر مزار اٹھا دی جائے ہر ایک خود مختار نہ رہدش اختیار کرے کوئی روک تھام نہ کی جائے تو انسان نے جس حد تک تہذیب میں ترقی کی ہے وہ سب ایک دم سے مٹ جائے۔

اب یہ بات غور کرنے کے لائق ہے کہ امن قائم رکھنے کی ضرورت کس موقع پر پیش آتی ہے۔ ہم ایک مثال دیتے ہیں اور یہ سوال کرتے ہیں کہ اس حالت میں جبکہ ہم شمال میں بتائیں گے اندر کی ضرورت عقلاً ہے یا نہیں۔

ایک نہایت چھوٹا ملک ہے جس میں کل دو کروڑ آدمی ہیں۔ سلطان اور الیکسٹنٹ اور رعایا کل تعلیم یافتہ۔ عالی خیال اور مذہب پر اخلاقی اصول کو سب کے سب نہایت عمدگی اور خوبی سے برتتے ہیں۔ اور اپنے اپنے مذہب کے ادا امر و نواہی پر نہایت احتیاط اور التزام سے عمل کرتے ہیں۔ کیا ایسے ملک میں بھی اندر کی ضرورت ہے؟ اور ایسے ملک کے لیے قوانین تعزیری وضع نہ کرنے سے کوئی نقصان ہو سکتا ہے؟ عقل سلیم کا یہی جواب ہو گا کہ نہ ضرورت ہے اور نہ نقصان ہو گا ایسے لوگوں میں وقوع جرم ہی کا قیاس نہیں ہو سکتا۔ اگر اتفاقاً وقوع جرم ہو بھی جائیگا تو ان کے اخلاقی اصول۔ احکام مذہب۔ تہذیب و تعلیم انکو متنبہ کرنے کے واسطے کافی ہے۔ اور انکا کانشنس خود ہی انکو بتائے گا کہ یہ فعل جو وقوع میں آیا نہایت قبیح ہے۔ خیر اس مرتبہ تو اتفاق سے ہوا آئندہ ایسا نہ کرنا چاہیے۔ تہذیب اور

یہ ایک
کیون
نہیں

یہ
اس
نے۔

سے
ب کو
نے

یا تھا
سان

تھا ہے
نے

شیف
ٹھکانا۔

اعلیٰ تعلیم انسان کے کائنات پر ایسا صیقل کر دیتی ہے کہ انسان کو وہ ہر وقت صلاح نیک دیا کرتا ہے۔ اور افعال قبیح کے نتائج کی مضرتیں بتاتا رہتا ہے۔

ان باتوں پر غور کرنے سے ضرور نتیجہ استخراج ہوتا ہے کہ تعمیری قوانین غیر تنزیہ اور جاہل اقوام کے لیے ہیں۔ جس قوم کی تربیت، تعلیم اور تنزیہ اعلیٰ درجہ کی ہے اُس کے لیے عمدہ آئینہ اسناد کا کائنات ہے۔ اور اگر معاملہ کی ایسی حالت ہو کہ کائنات ہدایت نہیں دے سکتا یعنی غایت اشتغال طبع باعث ہوا ہو تو ایسی صورت میں سزا سے قانونی کا خوف بھی کوئی لفع نہیں دے سکتا۔ جب انسان اپنے افعال کے نتائج سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتا تو سزا سے قانونی کے ڈر کا بھی اُس پر کچھ اثر نہ ہوگا۔ اور جیسا اصول پر سزا کے قوانین وضع کیے گئے ہیں وہ فصول ہو جائیں گے۔

اب سزا سے موت کو دیکھیے۔ ایک شخص نے ایک کو مار ڈالا۔ پس ایک واقعہ ہو گیا۔ حاکم کو کیا ضرورت ہے کہ وہ کسی کو سزا دے۔ جو فعل وقوع میں آیا وہ ایک شخص خاص کے خلاف تھا حاکم کا اس میں کیا نقصان ہوا کہ وہ ایسے مجرم میں معی ہو کر سزا دیتا ہے۔ اگر سزا دینے کا کوئی حق ہے تو مقتول کے اعزہ اور اقرار کو جب کا نقصان ہوا حاکم کیونست اندازی کرتا ہے۔ مقتول کے اعزہ قاتل کو مار ڈالیں گے یا نہ ماریں گے حاکم کیون اس فکر میں ہے کہ اسکا بدلہ لیا جائے۔ ہمارے خیال میں تو حاکم کا تعلق صرف اسوجہ سے پیدا ہو سکتا ہے کہ اُسکی رعایا میں ایک کم ہو گیا۔ اگر اسناد نہ ہوگا تو اسی طرح کم ہوتے ہوتے اُسکی سلطنت ہی تباہ ہو جائیگی۔ یعنی قاتل کو مقتول کے اعزہ مار ڈالیں۔ اس کے بعد قاتل کے اعزہ مار ڈالیں گے اگر کو مار ڈالیں تو اسی طرح درجہ بدرجہ قتل ہوتے ہوتے اخیر قاتل اور بادشاہ کی ذات بھی دو چرائیں گے اور سب

ملک عدم کو تشریف لیجائیں گے۔ اب ایک بادشاہ اور ایک فری قاتل کہہ کیا کریں گے
اسی نتیجہ کے روکنے کی غرض سے حاکم یا بادشاہ اسے جائز نہیں رکھتا کہ اسکی
رعیت روز بھر کم ہوتی جائے۔

اس فعل کے روکنے کی کوئی اور عمدہ تدبیر نہیں تھی بجز اسکے کہ قوانین تخریری
مرتب کیے جائیں اور عام اشتہار دیا جائے کہ جو شخص کسی کو قتل کرے گا اسکی
بھی جان بادشاہ لیگا۔ تاکہ لوگ ڈریں اور ایسا فعل نہ کریں تاکہ ملک میں امن قائم
رہے اور رعایا کی تعداد میں کمی واقع نہ ہو۔

اس اصول کے مان لینے پر بہت بڑی دقت یہ پیش آتی ہے کہ قاتل نے
کسی بادشاہ کی ایک رعایا کو قتل کیا۔ اب اگر قاتل اس جرم میں مار ڈالا جائے تو
یہ مقتول کو کوئی نفع ہے کیونکہ وہ تو مر ہی گیا اب دنیا میں امن قائم ہو یا آگے
اسکو کچھ مطلب نہیں۔ اور مقتول کے اعزاء کو کوئی فائدہ قاتل کے قتل کرنے سے ہوگا
مقتول تو واپس آ ہی نہیں سکتا۔ اور نہ قاتل کی روح مقتول کے جسم میں ڈال کر
مقتول زندہ کیا جاسکتا ہے۔ حاکم قاتل کو مار ڈالے تو کیا اور نہ مارے تو کیا۔
یہ تو مقتول اور مقتول کے اعزاء کا حال ہوا۔ اب بادشاہ یا حاکم کے نفع کو دیکھیے۔
قاتل کے فعل ناگہانی سے بادشاہ کی رعیت میں ایک فرقہ کی کمی واقع ہوئی۔
اب اگر بادشاہ بھی قاتل کو مار ڈالے تو وہ کی کمی ہوئی۔ اگر کسی قریب میں مرنے
بینی آدمی ہیں تو دین قاتلوں نے اپنی مہبودہ حرکت سے مار ڈالے اور دینل خڑ
حاکم نے مارے بس تنہا حاکم دقت کی ذات رہ گئی۔

کوئی معقول وجہ ذہن میں نہیں آتی کہ کیوں سزا سے موت دیکھائے لیا

وقت صلاح

نہیں غیر مذہب

اعلیٰ درجہ

حالت ہر

سی صورت

بچے افعال

چہ اثر ہوگا

آفتہ ہو گیا۔

خاص کے

یتا ہے۔

حاکم کریں

تھے حاکم

تعلق

اد ہوگا

مقتول

سی طرح

ادرب

قانون جاری رکھنے سے براہِ خلقت کی کمی کا احتمال ہے۔ سزا سے موت دینے کوئی نفع سمجھ میں آیا نقصان البتہ دکھائی دیتا ہے۔

ہاں ایک اہم امر سیاست ہے۔ جس سے امن قائم رہتا ہے۔ بادشاہ یا حاکم کو ایسا قانون مرتب کرنا چاہیے جس سے ملک میں امن رہے۔ کوئی کسی تکلیف نہ دے۔ بادشاہ کی رعیت کسی طرح کم نہ ہونے پائے۔

مجرموں کو ڈرانے اور انسدادِ آئندہ کے لیے جان کا بدلہ جان لینا قرینِ عقل ہے۔ جب کوئی قتل کرے گا تو اسکو بھی اپنے بھائی پانے کا خوف ہوگا۔ ممکن ہے کہ اپنی جان کے خوف سے کسی کو کوئی قتل نہ کرے مگر اس میں بھی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ قتل کرنے کے پہلے قاتل یہ سوچ لیتا ہے کہ مار ڈالو یہی ناکہ حاکم ہماری بھی جان لے گا۔ اسوقت قاتلین کا کچھ خوف نہیں رہتا۔

مفصلہ بالا خیالات نہایت پریشان طور پر ظاہر کیے گئے ہیں۔ اس طرز کے اختیار کرنے سے صرف یہ مقصود ہے کہ مختلف دماغوں کے خیالات سزا سے موت متعلق ظاہر کر دیے جائیں۔ ناخصل سب کا یہ ہے کہ سزا سے موت وحشی قوتوں کے لیے بہ نسبت مذہب قوموں کے زیادہ ضروری ہے کچھ تو اس لیے کہ درماتے مقتول کے دلوں کو قاتل کے سزا پانے سے ٹھنڈک پہونچے اور کچھ اس لیے کہ لوگوں کو عبرت ہو۔ لیکن سب سے زیادہ اس لیے کہ تمدن کو اسکی سخت احتیاج ہوتی ہے۔ بغیر سیاست کے سلطنت قائم نہیں رہ سکتی اور بغیر سلطنت کے ملک میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ سزا سے موت بعض مذہب ملکوں میں نہیں دیجاتی ہے یا دیجاتی ہے تو بہت کم۔ طریقہ سزا کا کہیں گدوان مارنا ہے کہیں بھانسی دینا ہے اور کہیں دوسرے ذرائع

کام میں لائے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں سزا سے موت قتل عمد کی صورت میں محکوم ہے۔ لیکن اسکے ساتھ عدالت کو اختیار ہے کہ اسے جلا وطنی سے بدل دے۔ اسکے بعد گورنمنٹ کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ رو داد مقدمہ سے الگ ہو کر سزا سے موت کو معاف کر دے یا بدل دے۔ اسلام میں بھی سزا موت کے متعلق ایسی صورتیں رکھی گئی ہیں کہ قاتل باوجود ثبوت جرم کے قتل کی سزا نہ پائے۔ ہر قتل کی سزا موت نہیں ہے اور جن صورتوں میں سزا موت ہے انہیں بھی درنا سے مقتول کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ معاوضہ لیکر قاتل کی سزا سے درگزر کریں۔ یہ حکم صرف اس بنیاد پر ہے کہ تہذیب گروہ میں حتی الوسع سزا سے موت کم ہو اس لیے کہ قومی تہذیب خدا کی جہالت کے انصاف میں مدد و سپور بن جائے گی لیکن اگر کوئی قتل دغا ر نگاری اپنا پیشہ بٹھرا لے اور اس طرح اپنے کو دشمنوں میں داخل کرے تو پھر درجہ مقتول کی سفارش قاتل کو کچھ نفع نہیں پہونچا سکتی۔ ایسے نڈر اور بیباک خصلت کا نوع انسانی میں رہنا کسی طرح گوارا نہیں ہو سکتا۔

فصل ہست و دوم

زنا کاری

زنا کاری اسلام میں سنگین جرم ہے۔ جیسا کہ جہاد میں مذکور ہوا ہے لیکن اس مہذب زمانہ میں یہ کوئی جرم نہیں ہے۔

بین تبادات رہ از کجا است تا بکجا

لوگ کہتے ہیں کہ زنا مقتضائے فطرت انسانی ہے۔ اسکا رد کرنا اور وہ بھی اس سنجی کے

موت دینے

شاہد یا حاکم
سی تکلیف

لینا قرین

ت ہوگا۔

بہ صورتیں

حاکم ہماری

س طرح کے

سے موت کے

دشمنوں

نہانے مقتول

لوگوں کو

بغیر سیاست

نہیں ہو سکتا

تو بہت

دوسرے ذرائع

ساتھ کہ بعض بعض صورتوں میں مجرم کا قتل کرنا ضروری ہو یا دوسری نظر میں بدناما معلوم ہوتا ہے۔ اس اغراض کے رفع کرنے کے لیے اس مسئلہ کا مزید توضیح کے ساتھ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ زنا ہمارے نکاح کی۔ اس لیے اس مضمون کے سمجھنے کے لیے پہلے اغراض نکاح جاننا چاہیے۔ اور نکاح میں جو شرعی ستوں ہیں انکو سمجھنا چاہیے۔ اسکے بعد خود ہی سمجھ میں آجائے گا کہ اس بارہ میں شرعی آزادیاں جس طرح نہایت ہی پسندیدہ ہیں اسی طرح شرعی احکام سزا بھی سراسر حکمت اور انصاف سے بھرے ہوئے ہیں۔

اغراض نکاح

اغراض نکاح کیا ہیں؟۔ قبل اسکے کہ ناظرین ہمارا جواب ملاحظہ کریں خود سوچیں کہ فطرت نے جہاں قوت مباشرت انسان میں ودیعت کر دی ہے وہاں یہ خیال بھی ودیعت کر دیا ہے کہ زن و شو کی یکجائی عقد نکاح کے ذریعہ سے ہوتا اچھا ہے نکاح کے طریقے مختلف ہیں لیکن ماحصل سب کا ایک ہی ہے۔ یعنی دنیا میں کوئی فرقہ یا کوئی قوم ایسی نہیں ہے جسکے نزدیک یہ خیال سخی نہ ہو یا طبیعت ثانی کے طور پر یہ امر مقتضائے انسانیت نہ ہو کہ ہر مرد کو کسی خاص زن کا شوہر ہونا چاہیے اور ہر عورت کو کسی خاص مرد کی بی بی بننا چاہیے۔ اب فرمائیے وہ کیا خدمت ہے نیچر یا فطرت کی جو بغیر اسکے پوری نہیں ہوتی تھی کہ خواہ مخواہ فطرت نے ایک کو دوسرے کی بی بی قرار دینے میں اس درجہ سفارش کی ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں وہ کیا اغراض فطرت ہیں جو بغیر نکاح ہونے کے ناتمام رہتے ہیں۔

کسی زمانہ میں جہتیت وکیل سرکار مجھے عدالت سشن میں ایک ایسے مقدمہ

مین پیروی کرنا پڑی جہین ایک شریف ہندو خاندان کی پانزدہ سالہ دختر پر یہ الزام تھا کہ وہ اس پر کے کھیت میں لڑکا جینی اور وہیں اس زندہ لڑکے کو مار کر چھوڑ آئی۔ حالاً مقدمہ یہ تھے کہ وہ لڑکی کم سنی مین بیوہ ہو گئی تھی۔ اور ملکی رواج کے مطابق پھر اس کا بیاہ کسی دوسرے سے ہونہیں سکتا تھا۔ بیاہ کرنا رواج ملکی کے خلاف تھا۔ اور فطرت کے زور کا دانا اس کے اختیار سے باہر تھا۔ نتیجہ اس کشمکش کا یہ ہوا کہ وہ زنا کر فی پر جو مقتضائے بشریت ہے مجبور ہوئی اور حاملہ ہو گئی۔ کیونکہ مباشرت کی حالت مین حل قرار پانا اگر کوئی خاص امر مانع نہ ہو لازم ہے۔ کم سن لڑکی استغاطا حل کے طریقوں سے ناواقف تھی یا اس پر غور کر رہی تھی کہ زمانہ وضع عمل آ پھونچا۔ لڑکی اپنے نان و نفقہ مین دوسروں (گھر والوں) کی محتاج تھی۔ وہ خود کوئی سرمایہ جدا گانہ نہیں رکھتی تھی۔ اس نے دیکھا کہ گھر والے جب خود اس کی کفالت سے گھبراتے ہیں تو اس کے بچہ کی پرورش کیا کریں گے۔ چنگے سے جا کر اپنے تخت جگر کو زندہ درگور دفن کر آئی۔ اگر اس کو یہ معلوم ہوتا کہ گھر والے اس کے لڑکے کے کفیل ہونگے۔ یا مرد زانی یہ کہتا کہ ”جو ہوا سو ہونا گھبراہیں تیرے بچے کا ساتھ دوںگا“ تو ہرگز یہ نوبت نہ آتی۔ غرض کہ وہ بچہ محض اس لیے مارا گیا کہ اس کا کوئی پرورش کرنے والا نہ تھا۔ یہ خیال غلط ہے کہ لڑکی نے اس کو شرم کی وجہ سے مارا۔ یہ بالکل غلط امر غلط ہے۔ شرم کا مادہ اس مین ہوتا تو غیر مرد کے سامنے وہ برہنہ ہونا اور اپنے دامن عصمت کو اودھ کرنا کب پسند کرتی۔ یا اگر اس مین کچھ شرم تھی بھی تو جاتی رہی تھی۔ نوہینہ تک بیٹ بھولار ہا۔ اپنے پرانے گھر والے گاؤں واسے قرب جوار واسے سب ہی واقف ہو گئے تو اب شرم کہاں باقی رہی۔ ہرگز وہ بچہ شرم کا شکار نہیں ہوا۔ وہ صرف ناداری کا

بڑا معلوم
کے ساتھ
منوں کے
سستین
میں آزادیاں
مست اور

سوجھیں

یہ خیال

تو اچھا ہے

یا مین

یہ ثانی

ہونا چاہیے

ت ہے

وہ دوسرے

دیکھ

یہ مقدمہ

شکار ہوا۔ اُس لڑکی کو اپنی پرورش کے لائے بڑ گئے تھے۔ گھر والوں کی بھری ہوئی
 نظر سے دیکھ کر وہ اپنی گزراؤات مشکل سمجھتی تھی۔ لڑکے کی پرورش اور پرداخت کمان
 سے کرتی۔ اُسی وقت میرے ذہن میں یہ بات ابھی طرح جم گئی اور اب تک میں اپنی
 رائے پر قائم ہوں کہ عورتیں کسب معاش کے ناقابل ہیں اور بالخصوص اولاد ہونے
 کی حالت میں تو اور بھی کچھ دنوں پہلے سے اور کچھ دنوں بعد تک وہ بالکل ہی ناقابل
 ہو جاتی ہیں۔ مرد کی حالت اور حیثیت فطرتاً ایسی رکھی گئی ہے کہ وہ اپنی اور اپنے
 بال بچوں کی پرورش بخوبی کر سکتے ہیں۔ اور عقد نکاح کی غرض صرف یہ ہے کہ باپ
 اپنی اولاد کا کفیل ہو جائے۔ انگریزی قانون میں دلہہ الحرام کی پرورش بھی باپ
 پر فرض ہوتی ہے لیکن دلہہ الحرام کے باپ کا معین کرنا آسان نہیں ہے۔ اور نہ
 فطرتاً ایسے باپ کو خود پرورش اولاد کی طرف کچھ بھی توجہ ہوتی۔

انسان خلقاً کمزور پیدا ہوا ہے اس مضمون کے سمجھنے کے لیے وہ مضمون
 پڑھیے جس کا عنوان ”انسانی کمزوریوں“۔ انسان کے بچوں کی پرورش دوسروں پر
 پیدائش کے ساتھ ہی لازم آتی ہے۔ ان کو فطرتی محبت جو دی گئی ہے وہ پرورش
 کے لیے کافی نہیں ہے۔ صرف محبت سے کام نہیں چلتا۔ پرورش کے لیے
 سرمایہ درکار ہے اور ان کے پاس سرمایہ نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا اور اس لیے باپ پر
 پرورش کرنے کے لیے سرمایہ فراہم کرنے کا بار ڈالا جاتا ہے۔ باپ کا تعین آسان
 نہیں ہے اور اس لیے عقد نکاح اس تعین میں آسانی بہم پہنچانے کے لیے
 ضروری خیال کیا گیا ہے شادی بیاہ یا عقد نکاح ہر مذہب اور ہر فرقہ میں کہیں نہیں
 پابندی کے ساتھ لازم ہو کر کہیں سنت نبوی ہو کر اور کہیں اخلاقی حیثیت سے

سوسائٹی کا فرض ہو کر فرض یا واجب ضرور قرار پاتا ہے اور سب کی غرض صرف اتنی ہی ہے کہ جو اولاد زن و شو کی یکجائی سے پیدا ہووے ماری ماری نہ پھرے۔

نکاح میں سہولتیں

شرع محمدی میں نکاح کے لیے بے انتہا سہولتیں بہم پہنچائی گئی ہیں اور ان تمام سہولتوں کی غایت صرف یہ ہے کہ لوگ زنا سے بچیں۔ مثلاً

(۱) شرع محمدی میں یہ تاکید ہے کہ جب لڑکیاں بالغ ہوں اور رکھو ملجائے تو اولاد کو چاہیے کہ پھر وہ عقد میں تاخیر نہ کریں۔ لیکن یورپ میں ایسا نہیں ہے۔ لڑکیاں شباب سے اتر جاتی ہیں تب بیاہ کرتے ہیں۔ معاصی سے توبہ کرنے کے زمانہ سے انکے شادی بیاہ کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ ہم اس طرز کو ناپسند کرتے ہیں اور سخت ناپسند کرتے ہیں۔ یورپ میں اسکے متعلق جو اخلاقی جراثیم ہیں دنیا میں کوئی جی انکی تائید نہیں کر سکتا۔ لیکن اس قدر ہم کہ بغیر بھی نہیں رہ سکتے کہ ہندوستان کے مقابلہ میں جہاں بیاہ کے بعد بدکاریاں شروع ہوتی ہیں یورپ میں سوسائٹی کا یہ دستور کہ بیاہ کے معاہدہ کی عزت فریقین حتیٰ الکریم قائم رکھتے ہیں اور بیاہ ہے جانے کے بعد بہت کم زنا سے تعلق رکھتے ہیں ضرور نسبت قابل پسند ہے۔

(۲) شرع محمدی میں نکاح کے لیے صرف دو گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی رواج یا رسم کی پابندی نہیں ہوتی۔ عیسائیوں میں باوجود اس آزادی اور تہذیب کے نکاح کے لیے کلرچی میں کا ہونا ضروری ہے۔ اس سختی کے مٹانے کے لیے سول نیرج ایکٹ جاری ہوا جس سے عیسائی اور

تک کہان
میں اپنی
ملاو ہونے
ہی ناقابل
راہینے
ہے کہ باب
ی باب
اور نہ

مضمون
دوسروں پر
پرورش
یہ
باب پر
تعلیق
یہ
میں نہیں
سے

سوائی

دوسرے فرقہ والے برابر مستفید ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس میں بھی عدالت کا توسط ضروری ٹھہرتا ہے۔ ہندوؤں کے سابق طریقہ بیاہ کو چھوڑ کر آج کل جو طریقے نافذ ہیں ان میں اولیا کی رضامندی اور کبھی کبھی فریقین کی رضامندی کے علاوہ چند رسوم ایسے ہیں کہ جب تک انکی پابندی نہ ہو بیاہ جائز نہیں سمجھا جاتا۔ اسی طرح بہت سی مختلف شرطیں اور قیدیں دنیا کے مختلف فرقوں میں پائی جاتی ہیں۔ دنیا میں کوئی مذہب اور آزاد قوم سوائے مسلمانوں کے ایسی نہیں ہے جس میں مرد و عورت سے کئے کہ میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں اور عورت کے کہ میں نے منظور کیا۔ دو گواہوں نے یہ کہتے سن لیا بس نکاح ہو گیا۔ جہاں احکام سزا متعلقہ زنا میں سختی رکھی گئی ہے وہاں نکل جین آسانی بھی ایسی ہے کہ کیون کوئی زنا کرے جس سے زنا کرنا ہے اس سے نکاح ہی کیون نہ کرے بلکہ سزا سے زنا کی سختی کی ایک وجہ یہ تھی ہے کہ لوگ سزا سے زنا کاری کے خوف سے نکاح کی طرف مایل ہوں۔ سیدھا راستہ چھوڑ کر طے چارہ استہ اختیار نہ کریں۔

(۳) خاندان میں بیاہ شادی ہونے سے اولاد کمزور ہوتی ہے اور قوم کی قوت گھٹتی ہے۔ اسی اصول پر اکثر اقوام عالم میں باسنتنا سابق ایرانیوں کے خاندان میں شادی بیاہ ہونا ممنوع ہے۔ لیکن اسلام نے محض انسانی کمزوریوں پر بھروسہ کر کے اور انسانی خواہشوں کو گمراہ کرنے والی سمجھ کر یہ اجازت دی ہے کہ مرنے اپنے ماں باپ اور انکی اولاد کے سوا سب سے نکاح درست ہے۔ دودھ کی وجہ سے جو رشتہ اسی طرح قائم ہوں وہ مشنئی ہیں۔ باقی سب سے نکاح درست ہے اس آزادی کی وجہ مرنے یہ ہے کہ اگر براہ رسی کی کسی طرح سے

خواہش نکاح پیدا ہو تو شرع کی سختی بجائے نکاح کے زنا کی طرف رغبت نہ دلائے
 یمن یہ بھی معلوم کرنا چاہیے کہ قریب کی رشتہ داری شرع نے مستحسن نہیں سمجھی ہے
 آنحضرتؐ کی گیارہ بیویوں میں سے صرف ایک بی بی حفصہ زینب آنحضرتؐ کے
 خاندان کی تھیں اور انکو بھی آنحضرتؐ نے ایک غیر شخص زیادہ کے ساتھ پہلے بیاہ تھا
 بیوہ ہونے پر کسی مصلحت سے آپؐ نے اپنی زوجیت میں داخل کر لیا۔ اب ہندوستان
 میں جو یہ رسم جاری ہے کہ لوگ حتیٰ الوسع خاندان ہی میں شادی بیاہ کرتے ہیں
 یہ دستور اس انخطا کے زمانہ میں قائم ہو گیا ہے ورنہ پہلے ایسا دستور نہ تھا اور حجاز
 صرف اسلئے دی گئی تھی کہ شاید میلان طبع ہو جائے تو شرعی فراغت باعث ارتکاب
 معصیت نہ ہو۔ یہ غرض اس اجازت سے ہرگز نہ تھی کہ قریب قریب کے رشتوں میں
 شادی بیاہ کر کے نسل کمزور کی جائے۔

(۴) عقد بیوگان کا دستور مسلمانوں میں ہے۔ عورتیں آزاد ہیں کہ بیوہ بننے
 کے چوتھے مہینے جس سے چاہیں دوسرا عقد کر لیں۔ ہندوؤں کی طرح مسلمان
 بیوائیں عقد ثانی سے محروم نہیں رکھی گئی ہیں۔ اور اسلئے وہ حسرتناک تمثیل
 جسکا ذکر شروع میں کیا گیا ہے مسلمانوں کے بیان نہ پیدا ہونا چاہیے۔ اور اب
 بدقسمتی سے مسلمانوں میں بھی ہندوؤں کی دیکھا دیکھی عقد بیوگان کی ممانعت ہے
 تو شرع محمدیؐ اسکی ذمہ دار نہیں ہے۔ شرع محمدیؐ صرف زبان حال سے
 یہ کہتی ہے کہ جس سوسائٹی نے زنا کی سزا قتل تجویز کی تھی اُسکے دہم میں بھی یہ
 بات نہ تھی کہ کوئی زمانہ اسکی اولاد پر ایسا ہوگا کہ عقد بیوگان ممنوع ہوگا۔

بیان پر ایک حکایت لکھنا مناسب حال معلوم ہوتا ہے۔ میرے زمانہ طالب علمی

کا توسط فردی
 زنا فہم
 چند رسوم
 طرح بہت
 ہیں۔ دنیا
 میں مرد و عورت
 دو گواہوں
 کی گئی ہے
 زنا کرنا ہے
 یہ یہ بھی ہے
 سیدھا

اور قوم کی
 بیویوں کے
 زانیہ کو روکنا
 ہے کہ صرف
 دودھ
 سے نکاح
 کی سے

مین ایک مولوی صاحب ایک شہر مین روسا کی طرف سے چندہ پر نماز پڑھانے اور وعظ کرنے کے لیے مقرر تھے۔ لوگ انکی طرف بہت گردیدہ تھے اور انکو بڑا بزرگ سمجھتے تھے۔ اتفاق سے کسی نے اپنے گھر مین وعظ کرنے کو بلایا۔ اور اس گھر مین ایک جوان لڑکی بیوہ ہو گئی تھی۔ لڑکی نے نہ سہی وعظ دیکھت مولوی صاحب کے منہ سے سن کر یہ را سے قایم کی کہ اگر اسکے درد کی دوا ہے تو مولوی صاحب کے پاس ہے۔ ایک درمیانی عورت سے پیغام مولوی صاحب تک پہونچا۔ چند دنوں مین وہ لڑکی اپنے گھر سے مولوی صاحب کے پاس آ گئی اور مولوی صاحب نے اس لڑکی کو وطن لیجانے کا ارادہ کیا۔ لوگوں کو جب یہ خبر ہوئی تو مولوی صاحب کے گھر پر چڑھائی کی گئی۔ کسی نے مولوی صاحب کی ناک کاٹنے کا ارادہ کیا اور کسی نے جان سے مار ڈالنے کا قصد ظاہر کیا۔ خیر مولوی صاحب تو اپنی جان لیکر اور نوکری سے ہاتھ دھو کر اسی وطن ہوئے اور لڑکی بھر بستر اپنے اولیا کے سول جیل مین پہونچا دی گئی اور بات گئی گوری ہوئی۔ ایک روز ایک دوسرے مصنوعی مولوی صاحب بیچارے مجرم مولوی صاحب کی مرانی کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ اگر ایسے مقدس آدمی سے یہ ہوا تو پھر اور کس پر اعتبار کیا جائے۔ اور اسکے ساتھ یہ شعر بھی پڑھنے لگے۔

اے بسا ابلیس آدم کو بہت پس بہرستے نباید داد دست

مین اس زمانہ مین فقہ پڑھتا تھا مسائل نکاح سے واقف تھا مین بول اٹھا کہ آپ لوگوں کی سمجھ کا پھیر ہے۔ مولوی صاحب نے یہی ایک کام میرے نزدیک تمام عمر مین اچھا کیا تھا جس سے آپ انکو گردن زدنی قرار دیتے ہیں کیا معنی کہ انکا

نماز پڑھانا اور وعظ کہنا تو اجرت پر تھا اگر نماز پڑھاتے اور وعظ نہ کہتے تو ہیٹ
کی روٹی کیونکر چلتی۔ کسی غیر مذہب والے کو بھی متخواہ دیجیے تو بطور نقال کے وہ
پانچ مرتبہ نماز پڑھا جائے گا اور وعظ سنا جائیگا۔ ہاں یہ کام جو انھوں نے کیا کہ
ایک نوجوان لڑکی کو قید فرنگ سے آزاد کرنا چاہا اس میں انکی سعی بیریہ سمجھی جائے
تو بجا ہے۔

برآوردن کار امیدوار بہ از قید بندی شکستن ہزار
شعر تو کچھ بہت حسب حال نہ تھا لیکن مصنوعی مولوی صاحب کے شعر کے جواب
میں کوئی شعر پڑھنا مجھے بھی ضرور تھا اور سوائے اس شعر کے اور کوئی اس وقت
یاد نہ آیا۔ میں نے اسی سلسلہ میں کہا کہ یہ تو صورت ہے کہ مولوی صاحب نے
اس لڑکی کو خلاصی دی اور ارادہ کیا کہ کسی شریف کے ساتھ لیجا کر بیاہ دیں گے۔
لیکن اگر مولوی صاحب نے خفی طریقہ پر دو گواہوں کے سامنے اس عورت
سے نکاح کر کے اُسکو خود اپنے اوپر حلال کر لیا تھا تو اب اولیا پر اس لڑکی کے
قید کرنے کے علاوہ ایک دوسرا الزام یہ بھی عاید ہو گا کہ مولوی صاحب سے انکی
زوجہ منکوحہ کو بچہ چھین لیا۔ اس کہنے پر ساسمین نے جو کچھ بھکڑا بھلا کہا یا مصنوعی
مولوی صاحب مجھ پر بقدر خفا ہوئے سب کے بیان کی فردرت یہاں نہیں ہے
مرتب یہاں یہ کہنا ہے کہ یہ حکایت میں اب تک نہیں بھولا ہوں اور نہ بھول سکتا
کیونکہ اسلام کے زمانہ اخلاط میں تمام باتیں الٹی ہی دیکھائی دیتی ہیں اور ہر موقع
پر بھکڑا متخواہ وہ واقعہ یاد آ جاتا ہے۔ بیان اس حکایت کہنے کی غرض مرتب
یہ ہے کہ وسعت نظر کے ساتھ ناظرین دیکھیں کہ نکاح بیاہ میں شرع محمدی نے

کس درجہ آسانی اور کس قدر آزادی قائم رکھی ہے۔ اور اس درجہ آسانیوں کے ہوتے ہوئے پھر کوئی جوہر کی طرح زنا کرنا چاہے تو کیوں نہ اُس پر سختی کی جائے۔

۱۵) دنیا کی کسی قوم میں طلاق کے متعلق یہ آزادی نہیں ہے جو اسلام میں ہے۔ ہندوؤں میں تو طلاق ہے ہی نہیں۔ حتیٰ کہ عین محض کے ساتھ کسی عورت کا بیاہ ہو جائے جب بھی عورت اس سے الگ نہیں ہو سکتی۔ ہندوؤں کا قانون تو غیر قابلِ تجدد بھی نہیں ہے۔ اب راپور میں قانون۔ غور کیجیے تو وہ بھی ناقص ہر وہاں طلاق تو جائز ہے مگر زانیہ کی مرضی پر اسکا انحصار نہیں ہے۔ عدالت کے حکم پر اسکا مدار ہے۔ اور عدالت کا حکم عورت کے زانیہ ثابت ہونے پر ہوتا ہے ابھی حال میں ایک مقدمہ اخباروں میں چھپا ہے کہ عہدت اپنا زانیہ ہونا بیان کرتی تھی اور شوہر کہتا تھا کہ ان عورت سچ بولتی ہے جب بھی عدالت نے طلاق روا نہیں رکھی۔ بالآخر عورت کو پیرس کے ہوٹل میں جا کر نیپھر کے سامنے زنا کرنا پڑا۔ اور جب نیپھر نے عدالت میں آکر چشم دید شہادت زنا کی دہی اسوقت زن و شوہر علیحدگی ہوئی۔

اسلام میں جس طرح نکاح کے لیے کسی رسم یا رواج کی پابندی نہیں ہے اسی طرح طلاق کے لیے بھی کوئی قید نہیں ہے۔ مرد نے عورت کو نالہ بند کیا اور تین مرتبہ کہہ دیا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی یعنی ترک کیا۔ پھر وہ عورت اُس پر حرام ہو جاتی ہے اور چوتھے مہینے کو ہی غیر سے عقد کرنے کی مجاز ہو جاتی ہے۔ زن و شوہر کی باہمی ناراضا مندی ایسی شے ہے کہ اسکی بدولت زندگی طرفین کی تلخ رہتی ہے اسکے وجہ جو کچھ ہوتے ہیں وہ زائد تر اخصین دونوں کے سمجھنے کے ہوتے ہیں غیر انکو سمجھ نہیں سکتا۔ اسلئے شرع نے مرد و زن کو طلاق دینے میں پوری آزادی

دی ہے عورتوں کے لیے مرنے اتنی قید لگائی ہے کہ وہ مردوں کو راضی کر لیں۔
 خلع کے مسئلہ میں رخصت مندی حاصل کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اگر زید کی بی بی
 نے عمر کو پسند کیا اور عمر نے بھی اسکو پسند کر لیا ہے تو ایسی حالت کے لیے بھی
 شرع نے ایسا راستہ نکال دیا ہے کہ زید کی بی بی عمر کے ساتھ جائز تعلق رکھ سکتی
 ہے۔ گو یہ صورت پسندیدہ نہیں ہے لیکن زنا کرنے سے تو یہ کہیں اچھا ہے
 کہ عمر کچھ مال زید کی بی بی کو دے اور زید کی بی بی اپنے شوہر کو مال کی طمع دکھا کر
 اس سے طلاق حاصل کرے ہم پھر کہتے ہیں کہ گو یہ صورت شرع میں جائز رکھی گئی ہے
 لیکن اخلاق کے خلاف سمجھی گئی ہے حتیٰ الت کسی کو اس پر عمل نہ کرنا چاہیے لیکن
 اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے زنا کی نوبت آنے والی ہے تو شرع بتاتی ہے کہ زنا
 نہ کرو بلکہ یوں عمل کرو اور باوجود ان سہولتوں کے بھی زنا کے قریب جاؤ گے تو
 بڑی ہی سخت سزا دی جائیگی۔

(۶) مسلمانوں کے بعض فرقہ نے طلاق کی آسانیوں کو زیادہ تر وسعت دیکر مروت
 نکاح کی صورت پیدا کر لی ہے یعنی یہ فتویٰ دیدیا ہے کہ عین زمانہ کے لیے نکاح
 کر لینا جائز ہے حتیٰ کہ گھڑی ڈو گھڑی یا دن و دو دن کے لیے بھی۔ اب تو آزادی
 کی انتہا ہو گئی۔ لیکن اس صورت میں بھی منہ لازم کر دیا گیا ہے۔ اولاد پیدا ہو
 تو اسکی پرورش باپ پر فرض ہوتی ہے اور مثل معمولی اولاد کے وہ ترکہ بھی باقی
 ہے۔ عورت کو عدت کے دن پورے کرنے ہوتے ہیں تاکہ اولاد کے باپ
 کا تعین کرنا دشوار نہ ہو۔

شرع محمدی قانون ربانی ہے یعنی جس نے فطرت انسانی قائم کی ہے

اسی نے قانون تہذیبی بھی بنا دیا ہے کہ فطرت انسانی کے خلاف کرنے والے کی یہ سزا ہے۔ شرع محمدی کستی ہے کہ ہر طور پر آزادانہ بسر کر دے۔ لیکن اصول میں یکے رہو اور مردانہ زندگی کرو۔ عورتوں سے مباشرت بہت مرغوب ہے لیکن اسکے ساتھ پردہ و اوداد کی بیخ بھی تو لگی ہوئی ہے۔ اگر اس لذت کو چاہتے ہو تو اس بار کو بھی اٹھاؤ۔ اور اگر اس بار سے بچ کر چور دن کی طرح اپنی خود غرضی کا اظہار کر دو گے اور یوں انتظام عالم کو توڑنا چاہو گے تو تم نہیں توڑ سکتے تمہاری سزا ایسی سخت تجویز کی جائیگی کہ کبھی کبھی وہ تمہاری ہلاکت تک منجر ہوگی حالت زنا میں تو مردوں کی سزا اس اصول پر ہوتی ہے جو ابھی بیان کیا گیا۔ اور عورتوں کی سزا ایسی ہوتی ہے کہ زنا کاری کا جرم قرار پانا محض عورتوں کے نفع کے لیے ہے مرد تو اپنا مطلب حاصل کر کے الگ ہو جاتے ہیں زحمت میں عورتیں پڑ جاتی ہیں۔ زنا کاری کی سزا کا نتیجہ لازمی یہ ہوگا کہ لوگ زنا سے بچ کر نکاح کریں گے اور نکاح کرنے سے عورتوں کے مدارج بڑھیں گے۔ عورتوں کی اور عورتوں کی اولاد کی پرورش کی اچھی صورت پیدا ہوگی۔ اب عورتیں شرع کے ان تمام سلوک کو بھلا کر زنا کاری میں مردوں کی معین بنیں تو شرع محمدی کستی ہے کہ ایسے ناسپارہ معین جرم کی سزا بھی مثل مجرم کے کرو تا کہ پورے طور پر ارتکاب جرم کا استیلا ہو اور انتظام عالم کے توڑنے والوں کا گردہ قوی نہ ہونے پائے۔

سمجھانے کا ایک پہلو تو وہ تھا جو ہم نے اوپر اختیار کیا اور دوسری صورت یہ ہے کہ زنا کاری ام الجرائم ہے کیونکہ سبکدوش جرائم اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ حیا جو ہر انسانی ہے اس سے بالکل جاتی رہتی ہے۔ اور اس جو ہر طبیعت کے

چلے جاتے سے انسان شیطان کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے اشتعال طبع کے اسباب بہم پہنچتے ہیں عقل انسانی جاتی رہتی ہے۔ شروع مفسون میں جو واقعہ ہم نے لکھا اس سے صریح ظاہر ہے کہ اس زنا کی بدولت بے گناہ بچہ قتل کیا گیا اور بالآخر عورت کو بھی قتل اولاد کے جرم میں پھانسی دی گئی۔ اگر شروع ہی میں زانی اور زانیہ کو بید لگائے جاتے یا قتل کی سزا دی جاتی تو ایسے ایسے سیکڑوں ہزاروں جرائم کا وقوع میں آنا بند ہو جاتا۔ دیکھنے والوں کو عبرت ہوتی اور ہزاروں آدمی نصیحت کھڑتے۔ ہمارا تجربہ کہتا ہے کہ زنا کاری کی بدولت چوریاں ہوتی ہیں۔ ہنگامے ہوتے ہیں۔ مار پیٹ ہوتی ہے۔ کتنے خون ہوتے ہیں۔ کیا کچھ نہیں ہوتا سمجھنے کے لیے یہ کیا کم ہے کہ مفصلہ بالادراقتہ میں ردو جانیں تلف ہوئیں۔ لڑکا زندہ درگور کیا گیا اور ماں نے پھانسی پائی۔ اگر زانی اور زانیہ کی سزا شروع ہی میں ہو جاتی تو کیا اس آخری نتیجہ سے زیادہ آسمیں سختی تھی؟ سختی دونوں میں روا رکھی گئی۔ ایک میں سختی کا فائدہ محدود رہا۔ دوسرے میں ام الجرائم کے افساد کی وجہ سے فائدہ غیر محدود ہوتا۔

ایک تیسری صورت اور نتیجہ۔ زنا کاری سے امراض متعدی پیدا ہوتے ہیں اسکی بدولت جرائم کا عارضہ کبھی تو ریش میں چلتا ہے۔ اگر درخت کی ایک شاخ میں کپڑے لگ گئے اور باغبان کو معلوم ہوا کہ تمام پھیل سکے یقیناً کانے ہونگے تو اس شاخ کو کاٹ ڈالنا کسی طرح نامناسب نہیں ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ درختی شاخیں اسکے ذریعہ سے خراب جائیں گی تو اس شاخ کا لانا تمام کاموں سے مقدم ہوگا۔ اسی طرح انسان اگر کوئی ایسا فعل کرتا ہے جس سے نبی نوع انسانی

میں متعدی امراض کے پھیلنے کا اندیشہ ہے تو اس فعل کے روکنے کے لیے ہر مناسب تدبیر یعنی نوع انسانی کو فائدہ پہنچانے والی تصور کی جائے گی۔ اور اگر اس غرض کے پورا کرنے کے لیے کوئی سختی عمل میں لائی جائے تو وہ سختی اس اعتبار سے کہ اس سے فواید بے شمار حاصل ہوں گے ہرگز نا پسندیدہ نہ سمجھی جائیگی۔ جہاں تک ممکن ہو اہم نے شارع کے اغراض کے ظاہر کرنے میں کوشش کی لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہر شارع کے تمام مصالح سمجھنے میں پوری کامیابی ہوئی یا نہیں۔ لیکن اس قدر خوب سمجھا جا رہے کہ اگر شرع کے مسائل پر ادھر اور اعمل کیا جائے یعنی نکاح اور طلاق میں رواج یا قانوناً سہولت نہ رکھی جائے اور زنا کی سزا میں سختی کی جائے تو پھر مسلمانوں کے قانون سے زیادہ ترک کوئی دوسرا قانون اسرار میں نوع انسانی کا ستانے والا نہ ہوگا اور اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہند کی موجودہ سزا میں انگلستان کی پوری آزادی بھی واضحاً قانون بیان رواجین تو اصول سبب کے خلاف نہیں ہے۔

کسی قدر اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے تو اچھا۔ شرع محمدی تمام قوانین عالم سے افضل ہے لیکن اسکی افضلیت جب ہی ہے کہ اس پر پورا پورا عمل کیا جائے۔ ادھر اور اعمل ہو تو دوسرے قوانین اس سے کمین اچھے ہیں۔ انگلستان میں زنا کاری کوئی جرم نہیں ہے صرف اخلاقی جرم ہے اور فرقہ ثانی کو یہ حق پیدا ہوتا ہے کہ وہ انشراق کرے۔ ہندوستان میں شرعی قانون جاری تھا ہندو بھی اس معاملہ میں کسی قدر سخت تھے۔ اس لیے ہندوستان میں پبلک کی رائے کے موافق شوہر کے سستیٹ ہونے پر بی بی کی زنا کاری قابل سزا ٹھہرائی گئی ہے۔

اب ہم یہ دکھاتے ہیں کہ بعض اوقات مستغنیث کا استغاثہ بھی سزا دہی کے لیے نامناسب ہوتا ہے اور اس لیے مثل انگلستان کے ہندوستان میں بھی یہ قانون نرم ہو جائے تو اچھا۔

شرع کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ نابالغ لڑکیوں کے اولیا بھی نابالغ لڑکیوں کا نکاح کر سکتے ہیں۔ انگلستان میں ایسا نہیں ہوتا۔ وہاں نابالغ لڑکیوں کا عقد ہوتا ہی نہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں شرع کا یہ مسئلہ تو زیر عمل ہے کہ نابالغ لڑکیاں بیاہی جائیں۔ مگر دوسرا جزو اس مسئلہ کا کہ وہ بالغ ہونے پر لینے دم دیکھنے پر اگر ناراضا مندی ظاہر کریں تو عقد باطل ہو جاتا ہے۔ اس پر بھی عمل نہیں کیا جاتا۔ لڑکیوں کو آزادی نہیں دی جاتی۔ قوم میں آزادی نہیں ہے۔ شرعی حقوق سے لڑکیاں محروم رکھی جاتی ہیں اس لیے گویا سوسائٹی کے قانون نے اسکو محال اور غیر ممکن کر دیا ہے کہ کوئی لڑکی بالغ ہونے پر اپنی مرضی سے حاکم دفت کے سامنے جائے کہ مجھ کو برے ولی کا بڑھایا ہوا نکاح قبول نہیں ہے۔ عورتوں کی کمزوریوں سے یوں فائدہ اٹھایا جاتا ہے کہ بارہ برس کی لڑکیاں بچاس بچاس ساٹھ ساٹھ برس کے بوڑھوں کے ساتھ بیاہی جاتی ہیں۔ مسلمان مالدار لڑکیوں کے اولیا اس طمع سے کہ جلد بیوہ ہو کر لڑکی گھر میں اجائے گی جائداد باہر نہ جائے گی نامناسب عمر کے شوہر تلاش کرتے ہیں۔ اور غریب لڑکیاں تو ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی لیکن مسلمانوں کی نسبت زیادہ تر اس طمع سے بوڑھوں کے ساتھ بیاہی جاتی ہیں کہ جلد ہی سے بیوہ ہو کر ادھر سسرال کی جائداد لیکر وہ سیکہ میں آ بیٹھیں گی۔ اب یہ کوئی راز نہیں ہے۔ واقعات ہیں جنکو سب جانتے ہیں۔ بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں کہ اولیا شادی بیاہ کے

وقت جانتے ہیں کہ لڑکیاں اس بیوند سے خوش نہوگی لیکن اس خیال سے کہ لڑکیاں بے زبان ہوتی ہیں وہ جو کچھ چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ بیچارے ہندوؤں کے یہاں تو عورتوں کی تائید میں کوئی قانون ہی نہیں ہے اور ہے بھی تو پورا نا لاسلموں۔ مسلمانوں کے یہاں قانون زندہ موجود ہے مگر اُسکا ہونا منوں سے بدتر ہے۔ قوم کی رائے میں وہ قانون باعث نفرت ہو یا سپر علمد رائد نہیں ہے پھر اسکا وجود بجز اسکے کہ بعض بعض اوقات برا کمنجنگی اور بے لطیفان پیدا کرے (فصل بیان کے نیٹے تو ریت ملاحظہ طلب ہے) اور کسی کام کا نہیں ہے۔

میں اپنے تجربہ کی ایک مثال بیان کرتا ہوں کہ ایک مالدار عورت نے اپنی لڑکی ایک نامناسب شخص سے بیاہی پھر نہ معلوم کیا سمجھ کر افتراق کا مسئلہ پوچھنے لگی۔ میں شیعہ قانونی تھا۔ میں نے رائے دی کہ لڑکی دم دیکھنے پر دو گواہوں کے سامنے اپنی نارضا مندی فوراً ظاہر کرے تو عدالت افتراق کر دے گی۔ میں نے یہ اہتمام بھی کیا کہ جو ٹے گواہ پیدا نہ ہوئے پائین۔ ایک سولوی کو میں نے قنات کیا کہ وہ لڑکی کو سمجھا دین کہ دم دیکھتے ہی نارضا مندی ظاہر کرنا ہو تو ظاہر کر دے ڈیڑھ برس تک اسکے بلوغ کا انتظار کیا گیا۔ ہر مہینہ میں ایک مرتبہ یاد دہشت لڑکی کی تازہ کی جاتی تھی۔ بالآخر وہ لڑکی بالغ ہوئی۔ گواہ اظہار نارضا مندی کے گزرے افتراق ہوا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر میرا اطمینان بھر بھی نہیں ہوا کہ لڑکی نے صاف صاف اظہار اپنی رائے کا دم دیکھتے ہی کیا ہوگا۔ اور گواہ مصنوعی نہ ہوئے نکاح کے وقت تو لڑکیاں بان کستی ہی نہیں۔ کتنے آدمی پوچھنے والے جمع ہتے ہیں اور پھر لب پر فہر سکوت۔ میرے قیاس میں کیسے آجائے کہ لڑکی آدمی

رات کو اٹھ کر لوگوں کو جگائے گی کہ وقت آگیا میں نگو گواہ کرتی ہوں کہ میں اپنے ولیہ کے پڑھائے ہوئے نکاح سے ناخوش ہوں۔ جو تربیت یا تعلیم آج کل خرافا کی لڑکیوں کو نصیب ہوتی ہے وہ ہرگز اس قسم کی آزادی انکو نہیں دے سکتی۔ پردہ نشین شریف زاد یوں کی اس حالت کو عدالتوں نے بھی بخوبی اندازہ کیا ہے۔ معاملات میں ان شریف زاد یوں کے اقوال کی پابندی انکے خلاف بہت کم کی جاتی ہے وہ اپنے معاملات کے سمجھنے کے قابل نہیں خیال کیجا تین۔ انکی جامداد پر دوسروں کا قبضہ مخالفانہ بھی شکل سے مانا جاتا ہے۔ بہر حال قانون نے انکے ساتھ بہت کچھ رعایت کی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ساٹھ برس کے بوڑھے کے ساتھ کم سن بیاہی جائے اور باغ ہو کر علیحدہ ہونا چاہے تو ہو سکتی ہے یا نہیں۔ جواب میں کہا جائے گا کہ ہاں شرعاً ہو سکتی ہے۔ اور عدالت اسے ہند بھی کہتی ہیں کہ ہو سکتی ہے مگر جو قانونی شرائط ہیں انکے پورا کرنے سے وہ لڑکی یقیناً قاصر ہے اور ایسے علی طور پر یہ جواب ہونا چاہیے کہ نہیں۔ اب اس حالت مجبوری میں اس قاعدہ کی جو شرع نے مقرر کر دیا ہے لڑکی پابندی نکرے بلکہ بالغ ہونے کے بعد چپکی سے خود ہی الگ ہو جائے تو ایسا کر سکتی ہے یا نہیں؟ ہرگز نہیں۔ جو عین ہوگا شرعاً ضرور قابل سزا ہوگا۔ اب شرعی قانون کے نافذ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لڑکی باقاعدہ علیحدہ ہونے سے یقیناً ممنوع رہے گی اور بے قاعدہ الگ ہونے کی صورت میں اسکا معین جبکہ بھروسہ پردہ الگ ہوگی یقیناً مجرم ہوگا۔ اور اس طرح پردہ نشین لڑکی کو ہمیشہ کے لیے ایک شخص کی حراست ناجائز میں رہنے پر مجبور ہوگی۔

سے کہ
ہندو
تو پرانا
تے بدتر
ہے پھر
رفصل

نے اپنی
چنے
کے
ہیں
نقبات
دے
دشت
سندی
لڑکی نے
میں رہی
میں ہوتے
آدھی

اور اسکے لیے کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ اب اگر ایسی حالت میں انگلستان کا قانون نافذ ہوتا مینے اسکے معین و مددگار حال کو سزا نہ دی جاتی تو بیجا راست سے خلاصی پانے کی وہی ایک صورت تھی ناظرین فیصلہ کریں کہ ایسی حالت میں انگلستان کا قانون افضل ہے یا ہمارا۔

ہرگز یہ افسوس نہ ہونا چاہیے کہ مسلمانوں سے حکومت جاتی رہی۔ حکومت اخلاقاً کوئی ضروری چیز نہیں ہے اور نہ انسان کی سچی مسرت کے لیے اسکی حاجت ہے دولت بھی مسلمانوں میں بہت کم ہے اور اسکی بھی پردانہ ہونا چاہیے۔ قوت لایوت سے زاید ملنا ایک طور کا جنجال ہے۔ اگر سچ ہے تو صرف یہ ہے کہ دنیا میں سچی مسرت کے ساتھ رہنے کے لیے جو قانون مسلمانوں کے لیے بناتھا مسلمان خود اسکو نکالتے سمجھے ہوئے ہیں۔ جس جزد کو چاہتے ہیں لیتے ہیں اور جس جزد کو چاہتے ہیں چھوڑتے ہیں۔ آدھا تیسرا آدھا بٹیر۔ اسلیے انکا موجودہ قانون سب سے اچھے قانون ہونے کے بجائے سب سے بدتر قانون ہو رہا ہے۔ میرے بیان میں کوئی لغزش ہو تو ناظرین معاف کریں گے۔

بک گیا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی ملے گا
بیان کی ایک اور دش

- (۱) آدمی کے بچتے پیدا ہونے کے بعد مدت تک اپنی حیات قائم رکھنے کے لیے دوسروں کی اعانت کے محتاج رہتے ہیں۔
- (۲) عورتیں فطرتاً گسب محبت کی قابلیت نہیں رکھتیں اور اسلیے بچوں کی پرورش میں وہ مردوں کی محتاج ہیں۔

(۳) جوان عورتوں میں دھڑکی کی صفت ایسی ہے کہ اُن سے بے نیاز نہ ہو
طاقت بشری سے باہر ہے۔

(۴) عورتوں سے مردوں کا غیر مستقل اور چند روزہ تعلق بہت سے مجبوروں
کا سبب اور مختلف عوارض جسمانی کا باعث ہوتا ہے۔

مفصلہ بالا امور پر نظر ڈال کر اخلاقی سوسائٹیوں نے بیاہ کو ضروری اور زنا کو مہینہ
ٹھہرایا۔ ملکی قانون نے بھی اسکی تبعیت کی۔ ایسا زمانہ بھی گزر گیا کہ عموماً زنا کی سزا
قتل تھی۔ اور اب بھی بہت سی قومیں ایسی ہیں کہ وہاں قتل ہی زنا کی سزا تجویز
کی جاتی ہے۔

قوریت سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل کے عروج میں یحییٰ بنی اسرائیل
کے قانون پر تمام مذہب دنیا میں عملدرآمد ہوتا تھا زنا کی سزا قتل تھی۔ وہی سزا
مسلمانوں کی شرع میں بھی قائم رکھی گئی کہ چند شرائط صادق آنے پر زانی اور
زانیہ کو اتنے پتھر مارے جائیں کہ وہ مر جائیں۔ یعنی جس طرح ضابطہ فوجداری میں
قتیل سزا سے موت کو یوں لکھا ہے کہ گلو بستہ اتنی دریا لٹکا کر کوہ جان نکل جائے
وہی ہے مسلمانوں کے ہاں اس جرم میں سزا سے موت دینے کا قاعدہ ہے
کہ پتھروں سے اتنا مار دے کہ مجرم (زانی اور زانیہ) پتھر سے چھب جائیں یا پتھروں
جو زانیہ یا زانیہ پڑھیں تو معلوم ہو کہ پہلے تمام دنیا میں یہ جرم ایسا ہی سنگین سمجھا
جاتا تھا۔

زمانہ حال کی اکثر گورنمنٹوں نے اس جرم کی سزا میں تخفیف مد نظر رکھنا نشان
تہذیب سمجھا ہے۔ اور اب صرف نیم وحشی قوموں میں یہ جرم سنگین رہ گیا ہے۔

لیکن ہم اس پالیسی کے بالکل مخالف ہیں۔ ہمارے نزدیک نیم وحشی قومیں اس خصوص میں مُتدب قوموں سے کہیں اچھی ہیں۔ یہ انکو نیم وحشی کہیں تو وہ ان کو بھی ایسا ہی کہہ سکتے ہیں۔ گورنمنٹ کے خلاف جو امر کیا جائے وہ کتنا ہی چھوٹا سہی۔ مگر مصلحت ملکی پر نظر ڈال کر اسکی بادشاہ میں سخت سزائیں دیجاتی ہیں۔ ویسے ہی گورنمنٹ حقیقی باری تعالیٰ یا دوسرے لفظوں میں قانون قدرت کی خلاف ورزی جس امر سے لازم آئے اسکو سب سے بڑا جرم سمجھنا چاہیے۔ ہر مذہب اور ہر ملت کی کتب ربانی میں یہ جرم ہمیشہ سنگین سمجھا گیا ہے کسی گورنمنٹ کو یہ زیہانین ہے کہ قانون قدرت کی خلاف ورزی کو وہ اپنی سلطنت کے قوانین کی خلاف ورزی سے کم سمجھے۔ یہاں ایک بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ اس طرح قانون قدرت کی خلاف ورزی لازم بھی آتی ہے یا نہیں۔ مُتدب (نام کے) لوگ قانون قدرت کی خلاف ورزی اسکو نہیں کہتے۔ لیکن مقدمات مندرجہ عنوان کے دیکھنے کے بعد غالباً کوئی ذی فہم ایسا کہنے کی جرأت نہ کرے گا۔ انگلستان کے قانون میں (اور یہی کیفیت تمام یورپ کی ہے) بدکاری کوئی جرم فوجداری نہیں ہے۔ لیکن ہندوستان کے طرز تمدن کے لحاظ سے اور ہندوستان کی قدیم عادات کی رعایت اور سابق قوانین کے اعتبار سے یہاں بعض بعض حالتوں میں زانی جرم سمجھا جاتا ہے۔ لیکن سزا اسکی اگلے زمانہ کے اعتبار سے بہت کم رکھی گئی ہے۔

مسلمانوں میں قتل و زنا و دونوں کا درجہ سادی ہے۔ یہ دونوں جرم ہیں اور دونوں کی سزائیں موت ہیں۔ مگر افسوس ہے ان نام کے مسلمانوں پر جو پرانی

عورتوں سے بدکاری کرنے کو کوئی خفیہ یا بھی اخلاقی جرم نہیں سمجھتے۔ لوگ اپنی
نہی کتا بین اولٹ کر دیکھیں اور کچلی آستوں کی سواخ عمر یوں کو اپنے موجودگانوں
سے مقابلہ کریں اور شرم سے گردن تھکائیں۔

کیسا برا زمانہ آیا! سیخواری اور بدکاری کو لوگ جرم نہیں سمجھتے۔ برا نہیں جانتے
چھپانے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ اسکا بیان کرنا اور علانیہ ارتکاب کرنا فخر اور سہاوات
خیال کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اسی کے تذکرہ سے اسوقت جلسوں کی رونق سمجھی جاتی
ہے۔ افسوس! افسوس! شرم! شرم! ہزار شرم!!

بہین لغارت رہ از کجاست تا بہ کجا

قتل میر قہ۔ نزاعین۔ رشک۔ اسقاط حمل۔ حبس بیجا۔ جبر ناجائز۔ یہ سب
جرائم تو بدکاری کے آگے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ ان سب سے الگ ہو کر صحت
جسمانی کے متعلق غور کیجیے۔ شہر کے کسی طبیب یا ڈاکٹر سے پوچھیے تو معلوم ہو کہ
ستو مین نوٹے باشندے بدکار ہیں۔ اور نوٹے بدکار دن میں سب نہیں تو بچا پشی
منور ایسے ہیں جو بدکاری کی وجہ سے امراض متعدی میں مبتلا ہیں۔ ذرا طبیبوں کے
اس بارہ میں گفتگو کریجیے تو معلوم ہو کہ قانون قدرت کی خلاف ورزی نے بالفعل
کیسی سخت مصیبت نوع انسانی پر ڈال رکھی ہے۔ جیسے بعض ناکارے درخت
پہلے گے نہیں کہ ٹرنے شروع ہوئے۔ یہی کیفیت نو جوانوں کی ہے۔ آپ ان کو
ہنستے کیلئے دیکھتے ہیں وہ آپس میں گلیلیں کرتے ہیں تو آپ سمجھتے ہو گئے کہ یہ خوش
ہیں۔ ہن۔ ہن۔ ہن۔ ہرگز نہیں۔ ذرا بھی نہیں۔ پردہ اٹھا کر دیکھیے تو معلوم ہو کہ ان نو نملان
جہن کی جڑ کمزور۔ تنے سڑے ہوئے۔ پتوں کی سبزی دو ایک روز کی مہمان ہے

میں اس
رہ ان کو
نے وہ
نر مین
قانون
بجائے
ی کر
کے تو
س طرح
م کے
مندرجہ
رے گا
کاری
ناؤ سے
ہے یہاں
ان کے
م ہیں
پرانی

عورتوں

جڑیں اندر سے کھوکھل ہو گئی ہیں۔ عنقریب چین سے یہ الگ کر دیے جائیں گے یا چوب خشکی طرح زمین میں گڑے کھڑے رہیں گے۔ ان نوجوان حسنین کے حسن کو زمانہ شباب میں طباً اور عقلاً کیسا کچھ تسکین بخش اور مفرح ہونا چاہیے۔ خفقان قلب کے لیے سچون شیخ سے زیادہ پڑاثر۔ بکسی اور تنہائی میں سب سے بڑا عوش۔ لیکن بے اعتدالیوں کے باعث وہ زہر ہلاہل سے بھی زیادہ بُرا ہے۔ اور عوش کی جگہ وہ سانپ اور بچھو سے بھی زیادہ پُر خطر ہے۔ کتنا بڑا کفران نعمت ہے۔ خدا کی نعمت کو جو ہم اپنی بے تمیز یوں سے بگاڑتے ہیں سخت باز پرس ہم سے ہوگی۔ اور زیادہ تر قوم کے رفیاء و دون اور مشیوؤں سے جو باوجود قدرت کے قومی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

اب تمام دنیا میں گورنمنٹوں نے طرز حکمرانی بدل دیا ہے۔ پچھلے زمانہ کی طرح اخلاقی امور میں مداخلت کرنے سے وہ حتیٰ الوسع گریز کرتی ہیں اور جانتی ہیں کہ لوگ اپنے طور پر اصلاح کی کوشش کریں۔ مُتدب ملکوں میں علاوہ کھانے پینے کے کسب معاش۔ بچوں کی پرورش مختصر یہ کہ غم درد و رگزار کے سوا قومی اصلاح یا قومی ہی خواہی کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ کام ہر شخص کو کرنا ہوتا ہے۔ ہندوستان کے تعلیم یافتہ نوجوانوں نے بھی اس طرف توجہ کی ہے۔ کہیں تعلیم کے لیے کئیان ہوتی ہیں۔ کہیں عقد بیوگان کی فکر ہے۔ کچھ لوگ مذہب کی پرانی متبرک رسمن کے زندہ کرنے کی فکر میں ہیں کسی کو ناپسندیدہ رسمن کے شانے کی اوجھیر بن ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ بدکاری اور بیخواری کے شانے کی طرف بھی لوگ توجہ کریں۔ اسکے متعلق کئیان ہوں تو کم سے کم اتنا اثر ضرور ہوگا کہ لوگ ان

بڑائیوں کا علانیہ ارتکاب کرنا برا سمجھیں گے۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ یہ ایک مشہور بات ہے کہ بڑے کام کا اعلان کرنا بڑائی کو کئی درجہ بڑھا دیتا ہے۔

فصل سبست و سیوم

شراب خواری

دنیا کے اکثر مذاہب اور مکمل اخلاقی سوسائٹیوں نے شراب خواری کو ناجائز ٹھہرا رکھا ہے۔ پھر بھی نادان ہی نہیں کتنے ذمی عقل سکے ہاتھوں تباہ ہیں۔ انگریزی سوسائٹی سے ہمدرداتی واقفیت نہیں لیکن سُستے ہیں کہ انگریزوں میں اسکا رواج اس طرح پچھے جیسے ہم لوگوں میں چائے پان یا تھتہ کہ چھوٹے بڑے سب ہی بے تکلف اسکا استعمال کرتے ہیں کیونکہ انھیں مذہبی قید نہیں ہے اور ملکی آب ہوا کے اعتبار سے بسا اوقات دوا بھی استعمال کرنا پڑتی ہے۔ لیکن اسکے ساتھ ہی ہم بھی تسلیم کریں گے کہ انگریز عموماً اسکی مقدار پر لحاظ رکھتے ہیں اور بہ نسبت ہندوستانیوں کے وہ بہت کم اسکی بدولت برباد جاتے ہیں۔

انگریزوں کی تقلید سے جہاں بہت سی بھلائیوں ہم لوگوں میں آئیں وہاں یہ بڑائی بھی پیدا ہوئی کہ شراب خواری کا دستور بڑھتا جاتا ہے جس سے قوم کے ہی خہنڈ سخت تشویش ہے۔ کیا شراب خواری کا دستور ہندوستان میں پہلے نہ تھا؟ ضرور تھا لیکن چند متول شہروں میں محدود تھا اور عوام کے دلوں میں اسکی طرف سے رکاوٹیں تھیں۔ اب یہ بلا ہندوستان کے چھوٹے بڑے تمام شہروں میں پھیلی جاتی ہے اور دلوں سے رکاوٹ اور آنکھوں سے جیا گشتی جاتی ہے۔ اسکے اسباب پر ہکو بیان غور کرنا نہیں ہے وجہ تو کھلی ہوئی ہے کہ جہاں مذہبی قیود سے انسان آزاد

تسلیم
کے
میں
کی
راکی
فی
صلاح
طرح
ہیں
تھانے
صلاح
ن کے
ثبات
سمون
میں
لوگ
سان

شراب

ہو اس پر انہوں نے ساتھ کپڑا۔ ہمیں ان برائیوں کے نتائج بد کا فوٹو دکھینا ہے جسے دیکر شاید کچھ تنبیہ حاصل ہو اور نہ بھی ہو تو ہم سوسائٹی کے فرض سے ادا ہوئے جاتے ہیں۔
 ہندوستان میں دو قومیں زیادہ آباد ہیں۔ ہندو اور مسلمان۔ ہندوؤں کے تمدنی تہذیب سے ہم خوب واقف ہیں۔ اعلیٰ قسم کے ہندوؤں میں شراب خور ذات سے باہر کر دیے جاتے ہیں۔ اور بھگتوں کا ایک منبرک فرقہ اسکو بخش جانتا ہے۔
 مسلمانوں میں تو یہ مذہباً حرام کی گئی ہے۔

عقل ہی ایک ایسی شے ہے جو انسان اور حیوان میں ماہر الامتیاز ہے اور انسان کا نیچر اس طور پر رکھا گیا ہے کہ ایک دم کے لیے اس سے عقل جدا کر لی جائے تو اسکو زندگی بسر کرنا دشوار ہو جائے۔ شراب کا پہلا کام ہے عقل کا سلب یا کم کرنا۔ اس لیے ذی خود اسکے قریب جانا انسان کے نیچر کا بگاڑنا سمجھتے ہیں اور ہرگز اسکو پسند نہیں کرتے کہ ایک حقیر چیز کی خاطر جو ہر انسانی صلاح کیا جائے۔

کبھی کبھی بہک چوال آتا ہے کہ شراب پینے والے کوئی بڑے دل و داغ کے لوگ ہونگے اور اپنی جرأت اور بہادری کے سامنے سپر پیش یا عاقبت اندیشی کو ہیج جانتے ہونگے۔ ہمیں کوئی اندھیری کوٹھری میں بھیجا جا ہے تو بے چراغ بے ہم ہرگز نہ جا سکیں گے۔ سانپ بچھو۔ کٹرے مکوڑے سبھی طرح کے جانور دن کا خون لگا رہے گا۔ شراب پی کر دنیا میں رہنا اندھیری کوٹھری میں بے چراغ جانے سے ہرگز کم نہیں۔ دنیا کی کوٹھری کے لیے نیچر نے عقل ہی کو چراغ بنایا ہے۔ کیا یہ شرابی شراب پیتے وقت یہ نہیں سوچتے کہ اسکے بعد شدت نشہ میں وہ کسی جرم کے مرتکب نہ ہو جائیں یا کسی بلا سے ناگمانی میں نہ پھنس جائیں۔ کیا یہ شرابی دوسرے

شرابیوں کو دیکھ کر عبرت حاصل نہیں کرتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ شراب پینے کے بعد انکو بھی یہی سوانگ بھرنا پڑتا ہے۔ کہیں شرکون پر پڑے ہیں۔ گتا منہ چٹا ہے۔ قز کی ہے اور بھر اسی کی نجاست میں کپڑے لت پت ہیں۔ گھر میں مان۔ بہن۔ بیٹی۔ سب ہی طرح کی عورتیں ہوتی ہیں۔ کہیں ستر عورت کھل گیا عورتیں منہ بھیر کر الگ ہو گئیں۔ بہنیں کٹڑی میں اور آپ پڑوسن کا سراپا بنا رہے ہیں۔ کوئی عورت سامنے آگئی اور آپ سر ہو گئے۔ نہ جھوٹے بڑے کا خیال نہ اپنے یگانے کا پاس۔

نا سمجھ بچوں کو ٹھہری سے کھیلنے نہیں دیتے۔ لڑکوں کو کوئین یا دریا کے کنارے جانے سے روکتے ہیں۔ روئی کو آگ سے بچاتے ہیں۔ نمک کو پانی سے دور رکھتے ہیں۔ لیکن دل و دماغ اور عقل انسانی کو شراب سے جو مضر ہیں پہنچتی ہیں انکا خیال یہ شرابی نہیں رکھتے اور ایسی سوئی بات نہیں سمجھتے۔ سمجھتے کیون نہیں لیکن شامت اعمال سے دھیان نہیں کرتے۔

شراب پینے والوں پر لوگ بھروسہ نہیں رکھتے۔ امانت کی صفت اور نہیں تسلیم نہیں کرتے۔ عوام کی نظروں میں انکا وقار نہیں ہوتا۔ اپنے یگانے عزت نہیں کرتے۔ سیکڑوں طرح کے ذاتی اور مالی نقصانات اسکی بدولت انھیں اٹھانے پڑتے ہیں۔ اور ان سب کے عوض میں لٹا کیا ہے؟ تھوڑی دیر کے لیے سر در جوٹھی اور نڈھبی خیال سے ہر طرح پر مفر صحت اور مغرب اخلاق ہے۔ ہاں ایک بات اسکی بدولت حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مفکروں کے نزدیک شراب خوار سخی سمجھا جاتا ہے۔ ہم نے مفکروں کی قید اس لیے لگائی کہ سمجھا

شرابی

اور اہل مذہب ایسے سخی کو کوسرف کا خطاب دیتے ہیں۔ اور اسراف سیکڑون طرح کی بوائیوں کی خود بڑ ہے۔ چوری۔ دغا بازی۔ درد غلوئی۔ خیانت یہ تمام باتیں اسراف کے ساتھ ساتھ جلتی ہیں۔

غرض کہ مفصلہ بالا وجہ سے شراب خواری اسلام میں ام الجرائم سمجھی گئی ہے اور اسکے لیے سزا مقرر ہے۔ شراب پینے والوں کو ۸۰ کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ اور غلام ہونے کی صورت میں صرف ۴۰ کوڑے۔ جرم شراب خواری قابل راضی نامہ یا صلح نامہ نہیں ہوتا۔ حاکم وقت کو یا مدعی ہوتا ہے۔ طریقہ سماعت شہادت اور ضابطہ عدالت یہ ہے کہ جب کوئی شراب انگوری پیے ہوئے گرفتار ہوا اور اسکے منہ سے بڑھتی ہو یا یہ کہ سوا سے شراب انگوری کے کوئی اور شراب پی کر بدست ہو اور دوشخص شراب پینے کی گواہی دیں یا وہ خود ایک بار اقرار کرے تو ہوش درست ہونے کے بعد اور یہ معلوم کر کے کہ اس نے اپنی خوشی سے پی تھی اسکی سزا ہوتی ہے۔

فصل سبب و حرام جھوٹی قسمیں

جھوٹ بولنا یا جھوٹا وعدہ کرنا یا وعدہ خلافی کرنا یا جھوٹے واقعہ کو قسم کھا کر سچ باد کرنا یہ سب شرع محمدی میں بڑا گناہ قرار پایا ہے۔ گو حاکم وقت کو بدست اندازی کا اختیار نہیں دیا گیا ہے جب تک کہ اور طور پر حق العباد کا اتلاف لازم نہ آتا ہو مگر خودی عذاب سے شرع میں بہت ڈرایا گیا ہے۔ جھوٹ بولنا کسی حالت میں مسلمانوں کو روا نہیں ہے۔ جھوٹ بولنے کے بعد نادم ہونا چاہیے۔ خدا سے

بنا ہ ماگنا چاہیے۔ تو بہ کرنا چاہیے کہ وہ غفور رحیم ہے۔ لیکن اگر کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے پر خدا کی قسم کھا کر بھڑاسکی خلاف ورزی کی گئی ہے تو شارع محض تو بہ کرنے کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ تادان ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یہ تادان حاکم وقت کے ذریعہ سے نہیں وصول کیا جاتا بلکہ خاٹلی پر لازم ہوتا ہے کہ وہ خود اپنی سزا طرح کرے کہ ایک بردہ آزاد کرے یا دس سالین کو کھانا کھلا دے یا دس سالین کو کپڑا پہنائے اور اگر ناداری اجازت مذ سے تو بہیم تین روزہ رکھے۔ اور اس عمل کو کفارہ گناہ کہتے ہیں۔

بطور کفارہ کے اگر کچھ اسلام نے خرچ کرنا واجب ٹھہرایا ہے تو اسکی صورت یہ ہے جو بیان کی گئی یہ نہیں کہ جھپکی بدن پر گری اور لوگوں نے تجھ پر کیا کہ اتنا اُردو اور تاتیل خیرات کیجیے۔ سفر میں چلے تو فقیروں کے لیے امام ضامن کا پیسہ باندھ لیا۔ کشتی پر سوار ہوئے تو کچھ حضرت خواجہ خضر کی تدر کی۔ ہمارے اعتقاد کی کمر در یوں نے یہ کفارے لازم کیے ہیں اور اگر شرک بھی اس ضعف ایمان کے ساتھ ہے تو سمجھیے کہ منکالت اور گمراہی کی بد راہیں ہیں۔

ایک نئے خیال والے کی دختر کا نکاح تھا۔ نئے خیال والے کیوں کہا جائے یوں کیسے کہ ایک بچے سلمان واقف احکام الہی کے گھبرات آنے والی تھی سدھی سے اُسے کھلا بھیجا کہ لوگ کم آئیں مجھے جو کچھ خرچ کرنا ہے وہ لڑکی کے جینز میں خرچ کر دوں گا۔ جواب آیا کہ اتنے ہاتھی اتنے گھوڑے اتنے کمار اتنے آدمی ضرور جائیں گے اور آپ کو سلمان کرنا ہوگا۔ بیچارے سولوی نے جواب میں لکھا۔ بھئی سیکڑوں جانور اور ہزاروں آدمیوں کو کھانا کھلانے کا حکم جو

بڑوں
خیانتکئی
جائے
ری قابل
ست شہادتہوا اور
سرب پی کر
ار کر کے
سےقسم کھا کر
کو دست
ازم نہ آتا ہو
حالت تیز
خدا سے

مجبور دیا گیا ہے وہ میرے سر پر اور آنکھوں پر ہے و سنگ آمد سخت آمد پر عمل کرنا
 ہی ہوگا لیکن مجبور یہ تو بتلادیا جائے کہ کس گناہ کا یہ کفارہ ہے۔ جھوٹی قسم کھانے
 میں تو صرف دس ساکین کا کھلانا محکوم ہے کیا لڑکی پیدا کرنا اس سے بھی بڑا
 گناہ ہے کہ ہزار دن ساکین کے علاوہ جانوروں کا کھلانا بھی لازم قرار دیا جاتا ہے
 یہاں یہ کہنا بیوقوف نہیں ہے کہ برات لیجانے کا دستور اور بیٹی داسے سے بھر
 نا خواندہ مہمانوں کی مہانداری کرانے کا قاعدہ شرع کے خلاف ہے۔ بیاہ
 شادی میں اگر کوئی خرچ شرع نے روارکھا ہے تو وہ طعام و لیمہ ہے یعنی
 شوہر اگر اپنے بیاہ کی خوشی میں اور بی بی ایسی نعمت پانے کے شکر یہ میں اپنے
 چند اجاب کو بقدر وسعت کچھ کھائے تو مسنون ہے۔ دوسروں سے کھلانے
 کی فرمائش نہ مستحب ہے نہ مسنون ہے۔ تو نذرات منہ کے مطابق استحصال
 بالجبر البتہ ہے۔

فصل سبب و پنجم

جوابیم پر نصوص قرآنی

(قتل و قضا من غیر)

مومنوں کو کوئی مارا جائے تو جان کے بدلے جان کا حکم ہے۔ آزاد کے
 بدلے آزاد غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ پھر جس کسی کو ہسکا
 بھائی مسلمان سحاف کر دے تو دستور کے مطابق خوش سوا ملکی کے ساتھ
 خون بہا ادا کرنا چاہیے۔ تمھارے پروردگار کی طرف سے یہ آسانی
 اور مہربانی ہے۔ پھر اسکے بعد جو زیادتی کرے تو اُسکے لیے دردناک

جنت چیم
عمل کرنا
کھانے
پانی پینا
رد باجنا
سے بچنا
بیاد
پینے
پینے
کھانے
تصال
دکے
کو کھا
ساتھ
آسانی
روناک

عذاب ہے۔ سورہ بقرہ رکوع ۲۲۔

مسلمان کو کسی مسلمان کا مدیدہ و دانستہ مار ڈالنا روانہین ہے اور جو کوئی ایسا کرے وہ ایک مسلمان برودہ آزاد کرے اور دار ثانی مقتول کو اگر وہ درگز کرین خونبھا دے۔ اگر مقتول تھارے دشمنون مین سے ہے اور وہ خود مسلمان ہے تو ایک مسلمان برودہ آزاد کرنا ہوگا اور اگر مقتول انہین سے ہے جسکے ساتھ تھاری صلح ہے تو قاتل کو چاہیے کہ دار ثانی مقتول کو خونبھا ادا کرے اور ایک مسلمان برودہ بھی آزاد کرے اور جسکو قدرت نہودہ لگنا رو دوسینے تک روزہ رکھے۔ تو بہ کا یہ طریقہ اللہ کا شہر لایا ہوا ہے۔ اللہ علیم اور حکیم ہے۔ جو کوئی مسلمانون کو مدیدہ دانستہ مار ڈالے گا اُسکی سزا دوزخ ہے جہین وہ ہمیشہ رہے گا اور اُسپر اللہ کا غضب نازل ہوگا اور اللہ کی پھینکا رپڑ سے لگی۔ اللہ نے اُسکے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے سورہ نسا رکوع ۱۳۔

ہم نے قورات مین یہود کو تحریری حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان۔ آنکھ کے بدلے آنکھ۔ ناک کے بدلے ناک۔ کان کے بدلے کان۔ دانت کے بدلے

۱۵ یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم العصاص فی القتل المتعمد والحد والعید والانی بالانفی من عقی لہ من اخیہ شی فاتباع بالمعروف وادار بالیہ باحسان ذلک تخفیف من ربکم ورحمۃ من عندی بعد ذلک عذاب الیم۔

عرب مین یہ دستور تھا کہ اگر زبردست کزور کو مار ڈالنا تھا تو اس سے باز نہ رہیں مین ہوتی تھی اور کلاہ اگر زبردست کو قتل کرنا تو قاتل کے گھر کے کئی آدمی ہلاک ہوتے کوئی عورت قتل کی تو اس کی عورت ہلاک ہوتی تھی اور اگر کس نے ہوتا تو اس کے گھر کے مردوں اور کافوں سے سزا دینا تھا کہ اس نے کس کا مطلب یہ کہ یہ نا انسانی ہے جو قتل کرے اسی کو سزا دی جائے۔

۱۶ واما کان لمومن ان یقتل مومنًا لالا خطا و من قتل مومنًا خطا فخریر فقیر مومنہ و دیتہ مسلمۃ الی اہلہ الا ان لہ قرض فان کان من قوم عدوکم وہو من قریبہ مومنہ وان کان من قوم بینکم و بینکم فمناق ذبہ مسلمۃ الی اہلہ و خیر رقبۃ مومنہ من لم یجد فقیام شہدین متقین قوتہ من اللہ و کان اللہ علیما حکیم و من یقتل مومنًا مستمداً فبیرادہ جہنم خالداً فیہا و غضب اللہ علیہ و لہ عذاب عظیم۔

دانت۔ اور زخون کے بدلے زخم۔ پھر کوئی معاف کرے تو وہ اُسکے لیے کفارہ
گناہ ہوگا۔ خدا کی آماری ہوئی کتاب کے مطابق حکم مذہبیہ واسے بے انصاف
ہیں۔ سورہ مائدہ رکوع ۷۔

(زنا)

مسلمانو! تمہاری عورتیں بدکاری کی ترکب ہوں تو انکی بدکاری پر اپنے لوگوں
میں سے چار کی گواہی لو۔ اگر وہ تصدیق کریں تو ان عورتوں کو گھر دن میں بند
رکھو یہاں تک کہ موت اُنکا کام تمام کرے یا اللہ اُنکے لیے کوئی اور راستہ نکالے۔
سورہ نسا رکوع ۳۔

عورت اور مرد زنا کریں تو ان دونوں میں سے ہر ایک ستودہ مارو اگر
تم اللہ اور روز آخرت کا یقین رکھتے ہو تو اللہ کے حکم کی تعمیل میں یقیناً اپنے
قرس نہ کرنا چاہیے۔ سزا دیتے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود رہے
xxx پاکستان عورتوں پر ہمت لگانے واسے چار گواہ نہ لاسکیں تو انکو اتنی دترے مارو
اور کبھی انکی گواہی نہ قبول کر دے یہ لوگ بدکار ہیں۔ سورہ نور رکوع ۱۔

وکتب علیہم فیما ان النفر بالنفر العین بالعين والافت بالافت والاذن بالاذن ومن لم یجد فلیکسہم الظلمون وفتنی علی آثارہم یحییٰ بن مریم صدق
لما بین یدین التورۃ وابتیہ لایسئل فیہ ہری و فرور و صدق لما بین یدین التورۃ و ہدی و موعظہ للفقہین
و حکم الال لا یجیل ما انزل لہ فیہ من حکم بما انزل لہ فاولک ہم الفسقون
والکذبان الذین لا یحسبون فاسقین فاسقین وعلین الرجۃ منکم فان شہدوا فاسقین فی البیوت
حتی یتوفن الموت او یجبل اللہ لمن سبیلاً
یہ راستہ آگے چل کر سورہ نور میں یون محکوم ہوا ہے۔

الان انیہ الزانی فاحذر اکل واحدہما نہ تجلدہ ولا تاخذ لہما رافۃ فی دین اللہ ان تم تو منون باللہ وایم
اقتوہ لہ شہد عداہما طایفۃ من المؤمنین۔ الزانی فاحذر الان انیہ او شہدہ و الزانیہ لاسکیں الا اذن او شہد
و حرم نکاح علی المؤمنین و الذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا بربعہ شہدہ او فاحذر وہم یحسبن جلدہ و
لا تقبلو الہم شہادۃ اعداؤ اولک ہم الفسقون۔
احادیث میں یون مذکور ہے کہ کنوارے مرد یا کنواری عورت سے ازکاب زنا ہو تو سو دترے (۱۵)

(چوری)

مرد چوری کرے یا عورت چوری کرے تو اسکی پاداش میں اُنکے ہاتھ کاٹا لے۔
یہ تفسیر خدا کی طرف سے ہے۔ وہ زبردست حکمت والا ہے۔ سورہ مائدہ رکوع ۷

(ریشوت)

آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ مال کو خاکوں کے پاس
رسانی کا ذریعہ ٹھہراؤ کہ لوگوں کے مال میں سے تھوڑا بہت جو کچھ ہاتھ آئے جان
بوجہ کر ناحق مضہم کر دو۔ سورہ بقرہ کو ع ۲۳۔

(شراب خواری اور قمار بازی)

پیغمبرِ لوگ شراب اور جوئے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو اُن سے
 کہہ دے کہ اے عورتوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے فائدہ بھی ہیں اگر فائدہ
 سے گناہ (نقصان) بڑھ کر ہے۔ سورہ بقرہ کو ع ۲۶۔
 مسلمانوں واجب تم نشہ کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔ بیانِ تک کہ
 جو کچھ کہو اُسکو سمجھ سکو (یعنی نشہ نہ تر جائے)۔ سورہ نسا اور کو ع ۷۔

مسلمانوں واجب تم نشہ کی حالت میں ہوتا نماز کے قریب نہ جاؤ۔ بیان تک کہ جو کچھ کہو اسکو سمجھ سکو (یعنی نشہ اور تر جائے)۔ سورہ فساہ کو ع ۷۔

(دع۱) اور یہاں ہے میرے ایسا کہین تو وہ سنگسار کیے جائیں۔ کتب سیر میں یوں مذکور ہے کہ زنا کی حالت میں سنگسار کرنا حضرت موسیٰ کے وقت سے محکوم تھا۔ توریت میں حکم تھا لیکن عمل اور نہیں تھا۔ ایک مالدار میرے لڑکے نے کسی عورت سے زنا کیا۔ یہودیوں نے چاہا کہ دو کون صرف رسوا کر کے چھوڑ دے جائیں ہلاکت کی سزا نہ دیکھائے اور اسے سخت سے بیان کیا کہ توریت میں ایسا ہی محکوم ہے۔ آنحضرتؐ نے کہا کہ توریت میں ضرور رحم کی سزا دی۔ یہودیوں نے ہنس کر کہا کہ ایسا مطلب تو ریت سے نکالنا چاہا۔ لیکن عبداللہ ابن سلامؓ کی موجودگی میں وہ کامیاب نہ ہو سکے توریت نے بھی رحم کی الفتی دیا اور وہ دونوں سنگسار کیے گئے۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاعْلَمُوا أَنَّ هَذَا جَزَاءُ الْكَافِرِ الْكَافِرَاتِ الَّاتِينَ بِالنَّارِ وَالنَّارِ عَزِيزَةٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا تَكُونُوا مِمَّنْ يَدْعُونَ إِلَى الْبَاطِلِ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ الْبَاطِلَ لَهُ الْمَالُ وَلَئِنْ لَمْ يَنْهَ الْأَعْمَى عَنِ الْغِيظِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ -

ولا تاكلوا مما يبيعكم بالمبطل فتكونتم ملعونين -

٥٥ يسئلوك عن الخمر والميسر قل فيها اثم كبير ومنافع للناس اثمها اكبر من نفعها -

۴۰ یا ایها الذین آمنوا لا تقربوا الصلوة وانتم سكارى حتى تعلموا ما تقولون -

مسلمانوں! شراب - حوا - بخت اور پائے ناپاک شیطانی کام ہیں - ایسے ہر کام سے تم بچتے رہو تاکہ فلاح پاؤ۔ شیطان جانتا ہے کہ شراب اور جوس کی وجہ سے تم میں باہم دشمنی اور بغض پیدا کر دے اور یاد الہی اور نماز سے تمہیں باز رکھے۔ کیا تم یہ سُنکر بھی باز نہ آؤ گے۔ سورہ امدہ رکوع ۱۲

باب سوم

عبادات

فصل بیست و ششم

وضو اور غسل

ہاتھ پاؤں اور رخ دھونے کا نام وضو ہے۔ خاص خاص صورتوں کے سوا ۲۴ گھنٹہ میں پانچ مرتبہ وضو کرنا مسلمانوں پر لازم ہے۔ یورپین ۲۴ گھنٹہ میں ایک مرتبہ وضو نہاتے ہیں۔ ہندو بھی عموماً ایک مرتبہ اور کبھی کبھی دو مرتبہ ہر روز نہاتے ہیں۔ مسلمانوں کا پانچ مرتبہ وضو کرنا ثبوت اس امر کا ہے کہ مسلمانوں میں تمام قوموں سے زائد صفائی کا خیال رہتا ہے۔ نہانے میں ایک عیب یہ ہے کہ کبھی کبھی حالت جسم اور بارہا موسم یا ملکی آب و ہوا روز روز نہانے سے بڑے نتائج پیدا کرتی ہے۔ لیکن وضو خاص امر ارض کے سوا کسی حالت میں مضر صحت نہیں سمجھا جاتا اور تفریح طبع جو نہانے کی علت غالبی ہر وہ وضو سے بخوبی حاصل ہوتی ہے۔ جنابت میں مسلمان ضرور غسل

۱۱۱۱ یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ والذین علی الشیطان فاجتنبوا لکم نفسکم انما یرید ان یموت
ان یخرج بیکم العداۃ والبغضاء فی الغزو والبصر لعلکم عن ذکر اللہ وعن الصلوۃ فصل الثانی

کرتے ہیں اور ساتوین روز جمعہ کو مذہباً ان کو نہانے کی تاکید رہے ہر روز پانچ مرتبہ
مٹھہ ہاتھ اور پاؤں دھونا اور اسکے ساتھ مسواک کا برابر استعمال کرنا ساتوین روز غسل کرنا
خوشبود لگانا کس درجہ مناسب اور معتدل احکام طریقہ اسلامی کے ہیں۔

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ سحر و جادو روز غسل کرتے ہیں اور یورپین صاحب
بھی روز غسل کرتے ہیں انکے مقابلہ میں وہ تارک الصلوٰۃ مسلمان جو نماز کی غرض سے
وضو نہیں کرتے یا کبھی کبھی انیوں کے اثر سے ساتوین روز کے غسل میں بھی پہلوتی
کرتے ہیں ناصاف معلوم ہوتے ہیں۔ اسلام میں اسوقت ضعف ہے اس لیے
اسلام کے تمام ڈھچڑھیلے ہیں جس قوم کو اجنبی صفائی پر ناز تھا۔ تمام روے زمین کے
لوگ جسکی صفائی کا دم بھرتے تھے آج وہ تمام ہندوستان کے باشندوں میں گند
اور نامبارک سمجھے جاتے ہیں۔ سمجھنے والوں کا قصور نہیں ہے قصور ہمارا ہے کہ جو چیز
ہم میں قابل قدر تھی وہ ہم نے الگ رکھ دی۔ انسان انسان سب برابر ہیں خوبین
کی چادر میں ایک کو دوسرے سے ممتاز رکھتی ہیں جب مسلمانوں نے اپنی قومی شعار
کی چادر اتار بیچنی تو انکا قومی امتیاز بھی جاتا رہا۔ اس موقع پر میں ایک نقل بیان کرنا
ہوں جسکو سن کر ناظرین افسوس کریں گے۔

میں (مصنف کتاب) ایک روز صبح کی گاڑی میں گھنٹو پہنچا اور ایک ضرورت سے
مجاہد اسی وقت چوک جانا ہوا۔ ایک گھنٹہ دن چڑھ چکا تھا جب میں ایک مسلمان کا گھر
کی دکان پر جا کھڑا ہوا۔ میرے پیچھے ایک ہندو دلال بھی آ پہنچا کار بیکر سو رہا تھا اسکی
بی بی جاگتی تھی۔ بی بی نے مجھے ہونڈھے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لیکن وہاں اسقدر
گندگی تھی کہ میں بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ پانی کے گھرے۔ میلے کپڑے۔ حقہ کی راکھ۔

کھانے کے برتن۔ آلاتِ حروف سب ایک ہی جگہ تھے۔ وہ عورت انکسین بنتی جاتی تھی اور میرے بیٹھنے پر اسرار کر رہی تھی۔ مین نے نہایت ہمدردی سے پوچھا کہ اگر پانی کے گھڑے الگ رکھ دیے جائیں اور سویرے سے یہ مقام جھاڑو والا جائے کہ ذرا نمی دور ہو جائے تو تمہارا کچھ سرج۔ بچہ؟۔ بیٹھنے کو فرمائش کرتی ہو لیکن بیٹھنے کے لائق جگہ نہیں بناتیں۔ مین یہ کہتا ہوا دہان سے چلا۔ دلال نے مجھ سے کہا۔ حضورِ سلمان ایسے ہی گندے ہوتے ہیں۔ دلال مجھے ضرور ہندو سمجھا اور وہ محض اس لیے کہ مجھ کو اسے گندگی سے متغیر پایا۔ اب نتیجہ اس حکایت کا صاف عیاں ہے کہ اس ہندو دلال کے ذہن میں یہ امر جا ہوا تھا کہ سلمان صاف نہیں رہتے اور جو کوئی گندگی سے متغیر نظر آئے اسکی نسبت سلمان نہ ہونے کا قیاس کرنا چاہیے۔ یہ حکایت لکھنؤ کی ہے جہاں سے مسلمانی حکومت اٹھے ہوئے نصف صدی سے کچھ زائد زمانہ نہیں ہوا۔ حکومت عیب پوشی کرتی رہی۔ حکومت جانے پر عیوب نقل پڑے۔ ہماری خوشنما صورت اسی وقت قابلِ دیکھنے کے ہو سکتی ہے جبکہ ہم احکامِ اسلام کے پورے طور پر پیرو ہوں ہم نے نماز کو ڈھکوسلا اور نمازوں کی تقلید سمجھ کر چھوڑ دیا گھنٹہ دن چڑھے سو کر اٹھے۔ اٹھنے پر بھی کھانے کے وقت تک صحنہ دھونے کی نوبت نہیں آئی۔ ایک طرف تو ہم مین دوسری طرف ہندو مین کہ نہ سہا ہویا درجاً نور کے تڑکے لگے ملتے ہوئے اٹھے۔ لٹیا ہاتھ مین لی دھوتی کندھے پر رکھی حاجت بشری سے فارغ ہو کر دریا مین اشنان کیا جوٹی جھاڑتے دھوتی کندھے پر ڈالے چلے آتے ہیں۔ حالت کتنی ہی بد نما ہے لیکن بدن صاف ہے صبح کی ہوا کھا چکے ہیں۔ دل و دماغ کو تفریح حاصل ہوئی ہے جی خوش ہے۔

طبیعت کام کرنے پر اہل ہے۔ کچھ دہان نہ ہوگی تو ہمارے بیان ہوگی کہ جہان
بمفکرون نے بہرون چڑھے تک مسواک تک نہیں کی ہے۔ لیکن واضح رہے کہ
یہ حالت مسلمانوں کی اب ہے۔ اسکے پہلے یہ حالت انکی نہ تھی اور اب بھی جہان
کہین احکام شرع پر انکا عمل ہے حالت افلاس میں بھی یہ صفائی اور پاکیزگی میں آپاچی
نظر ہیں۔ اس اجڑی حالت کا بھی ایک نقشہ ملاحظہ کیجیے۔

مجبو ایک مرتبہ موکی راہ سے گورکھ پور آنے کا اتفاق ہوا ریل کے اوقات چلے
سے معلوم نہ تھے اسلئے سفر ایسی ترین میں ہوا کہ مواسٹیشن پر مجبو باج گھنٹہ کے
لیے ٹھہرنا پڑا۔ موصلع اعظم گڑھ میں مشہور قصبہ ہے۔ جولا ہے اس میں بستے ہیں۔ غلط
کے مشہور بلوہ کی وجہ سے مواد بھی مشہور ہو گیا ہے کہ بیان کے چند جولاہوں
نے اس بلوہ میں مہندو بلوایوں کے جم غفیر کا مقابلہ نہایت استقلال کے ساتھ کیا
تھا۔ میراجی چاہا کہ اس مشہور قصبہ کی سیر کرنا چاہیے۔ یہ قصبہ متعدد ٹولوں میں تقسیم ہے
اور سب ٹولے ملکہ ایک شہر کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اس شہر میں سب کے پہلے میری
نظر ایک جولاہ پر پڑی جو اپنے گھر میں بیٹھا ہوا سوت جوڑ رہا تھا میں سیدھا اسکے پاس
ہو بچا اور نہایت معمولی مسافر کی حیثیت سے جا کر اسکے برابر بیٹھ گیا۔ اُس نے نام پوچھا
میں نے بتایا۔ اُس نے کچھ زاید دریافت کرنا چاہا تو میں نے اغماض کیا۔ بہر حال اُس نے
یہ سمجھ کر کہ میں مسلمان مسافر ہوں اپنے اڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ تھوڑی دیر میں
شریت لیکر آیا۔ شریت تو اپنی نوعیت میں اعلیٰ درجہ کا نہ تھا مگر اس کا ظرف نہایت
صاف اور طریق لانے کا نہایت پسندیدہ تھا۔ میں نے بلا ضرورت اسکے پینے کا
جبر گوار کیا اور میزبان کی خاطر شکنی پسند نہیں کی اپنے میزبان کا گھر میں نے نہایت

نہایت جانی

چوچہ اگر

رڈ الا جا

نہایت

کے

اور وہ

ماں عیا

رہتے تو

وہا چاہیے

دری سے

پر عیوب

ہے جبکہ ہم

سیدھے گھر

نے کی

ہو بارو جا

ماجت

ہے پر

ہے صبح

ہے

صاف پایا۔ دیوارین پاکیزہ مٹی سے لپی ہوئیں۔ گندگی کا کہیں نام نہیں۔ میراجی دہان
 بہت خوش ہوا۔ مین نے قصبہ کے حالات دریافت کرنے شروع کیے سننے سے
 مین نے اسے قائم کی کہ اگر یہاں انھیں جولاہوں کے چندہ سے کپڑہ نیچے سوت
 کا تنے روئی درست کرنے کی کل قائم کی جائے تو بہت مناسب ہوگا۔ مین نے اس کے
 متعلق جو اپنے خیالات ظاہر کیے تو میرا سربازان بہت محفوظ ہوا۔ اور اپنی آڑھت میں
 ایک متمول جولاہے کے گھر مجھے لے گیا دہان بیسوں آدمی جمع تھے جو اپنے تھکان
 نیچنے کے لیے لائے تھے۔ یہ وہ مقام تھا جہاں کم پونجی والے زائد پونجی والوں کو مال
 دے آتے تھے اور وہ اپنے طور پر باہر روانہ کرتے تھے یا جو پارلیون کے ہاتھ اکٹھا فرو
 کرتے تھے۔ میری تقریر سننے کے لیے بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور بہت توجہ سے
 میری بات سنی۔ میری یہ اسے تھی کہ متمول لوگ بڑے بڑے حصہ خرید کرین اور اپنی
 درجہ کے لوگ چھوٹے چھوٹے حصہ لین لیکن شریک کل جولاہے ہوں۔ جو لوگ اب
 بمبئی اور کلکتہ جاتے ہیں وہ آئندہ خود اپنی مشین مین کام کرین۔ یورپین کا ریکر جو بلائے
 جائیں اُن سے متمول جولاہوں کے لڑکے کام سیکھیں اور کام سیکھنے پر مشین باکل اپنے
 ہاتھ مین رکھیں یہ بات ایسی تھی کہ کہیں سے نامقبول نہیں ہو سکتی تھی جولاہوں نے
 بے انتہا پسند کیا۔ افسوس ہے کہ مجھ کو پھر دہان جانے کی فرصت نہیں ملی ورنہ اگر
 مین دو چار مرتبہ کوشش کرتا تو فردا ایک صورت قائم ہو جاتی۔ بہر حال مین اون
 لوگوں سے مل کر نہایت خوش ہوا۔ وہ لوگ نہایت صاف ستھرے تھے۔ کپڑے پٹے
 ہوئے بھی تھے تو صاف اور پاک تھے۔ چہرہ پر گرد یا میل نہ تھا۔ روشنی معلوم ہوتی تھی۔
 ہاتھ پاؤں صاف تھے۔ یہ بھنڈ و منہ کرنے کی برکت تھی۔ علاوہ ان کے اجسام کے

تمام درود لیوا رقبہ کے صاف تھے۔ گلیاں اور راستے ایسے صاف تھے کہ میں نے
شہر وں میں بھی جہاں نیو سلیٹی کا قانون جاری ہے یہ صفائی نہیں دیکھی۔ مسجد میں
اس رقبہ کی زاید تر خام تھیں لیکن نہایت پاکیزہ حالت میں تھیں۔ دیواریں صاف
تھیں۔ فرش زمین پر نہ خاک تھی نہ نکاتھا۔ تھی کے پڑھنے صاف تھے۔ دُور
چمڑے کا بھی درست تھا۔ شہر کی مسجدوں سے کہیں زیادہ وہاں رونق تھی وجہ اسکی کیا
تھی۔ صرف یہ کہ کل باشندے نمازی ہیں۔ سب وضو کرتے ہیں صاف رہتے ہیں
اور جب خود صاف ہیں تو صاف چیزیں بھی پسند کرتے ہیں۔ اسلام کی صفائی اُنکے
درود لیوا سے ٹپکتی ہے اور بھلا وہ شہر یا رقبہ جہاں کے اکثر باشندے بہرہ ور ہیں
ہم آکھوں کا سیل صاف نہیں کرتے کیا خود صاف رہیں گے اور کیا گھر کی چیزیں
صاف رکھیں گے۔ اب جن حضرات کا یہ خیال ہو کہ مسلمان سیدھے ہیں اور سیلی جالت
میں رہتے ہیں وہ نو کے غریب فاقہ کش جولاہوں کی حالت جا کر دیکھیں۔
جملہ مترفعہ کے طور پر مفصلہ بالا باتیں بیان کی گئیں اب اصلی مضمون کی طرف
مراجعت کی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ وضو قرآن میں محکوم ہے۔ آیت قرآنی یہ ہے
”فَاعْسِلْوا وجہکم وایکم الی الملق و اسحوا برؤکم وارجلکم الی الکعبین“ بخوبی ترکیب نے
اس آیت کے معنوں میں اختلاف پیدا کیا ہے۔ ہاتھ منہ دھونا بالاتفاق فرض ہے۔ سر پر
سج کرنا یعنی سر کے گرد بھیکے ہوئے ہاتھ سے جھاڑ ڈالنا بھی بالاتفاق فرض ہے۔ اختلاف
صرف پاؤں میں ہے۔ اکثر علما سے اسلام پاؤں کا دھونا فرض بتاتے ہیں اور بعض
یہ کہتے ہیں کہ نیت پاکی گرد جھاڑ ڈالنا یعنی ”پاؤں پر سج کرنا“ کافی ہے۔
فصل حالت جنابت میں فرض ہے حیض اور نفاس کے بعد بھی فرض ہے

سیراجی دہان
سننے سے
بڑھ چنے سوت
میں نے اس کے
آڑھت میں
اپنے تھان
لوں کو مال
ہاتھ اکٹھا کر
توجہ سے
کرین اور پی
جو لوگ اب
کا ریکر جو بلائے
بالکل اپنے
ون نے
ملی ورنہ اگر
میں اون
کپڑے پہنے
م ہوتی تھی
سام کے

پیغمبر خدا عیدین اور جمعہ کے دن برابر غسل کرتے تھے اسیلئے ان ایام میں غسل ضروری سمجھا جاتا ہے۔ مردہ کو دفن کرنے کے قبل غسل دینا واجب ہے۔ حج کے دنوں میں بھی بروز عرفہ غسل واجب ہے۔ احرام باندھنے کے پہلے بھی غسل واجب ہے عیدین جمعہ اور جمع کا غسل بظاہر اسیلئے ضروری ہے کہ گندگی سے ہوا کے خراب ہو جانے کا احتمال رہتا ہے اور دوسروں کی تکلیف کا اندیشہ ہوتا ہے۔

غرض کہ نہانے دھونے کے احکام اسلام میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اور شارع نے بڑا اعتدال ملحوظ رکھا ہے اگر ان پر عمل کیا جائے تو نہایت صفائی کے ساتھ آدمی رہ سکتا ہے۔ جسم کو صاف اور طبعیت کو مفرح رکھنے کے لیے اس قدر پانی کا استعمال کافی ہے جتنا کہ اسلام نے ضروری ٹھہرایا ہے اور اگر کچھ اور باندھ لیا جائے تو بھی کہیں شرع میں ممانعت نہیں ہے۔ دن بھر میں بڑا مرتبہ غسل کیا جائے تو شرع کے خلاف نہیں ہے۔ ہاں جہاں کہیں پانی تازہ نہ ملے نہین آتا وہاں پانی کو فضول کرنا اس طرح کڑی حق اُس سے محروم رہیں البتہ داخل اسلاف ہے اور یہ ایک بالکل جُبد اسلئہ شرع کا ہے۔

فصل ہست و ہفتم

تیمم اور سج

بجائے دھونے کے تیمم اور سج کر لینا بھی جا بجا محکوم ہے۔ صرف حدیث نبوی سے یہ ثابت نہیں ہے۔ قرآن میں بھی حکم ہے۔ بعض سکی مصلحت نہیں سمجھتے اسیلئے تصریح کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔

جہاں کہیں پانی میسر نہ آئے اور اسیلئے وضو یا غسل ممکن نہ ہو وہاں شرع محمدی

وضو یا غسل کی جگہ تیمم کا حکم دیتی ہے۔ کف دست کو پہلے پاک مٹی یا خاک پر پھیر کر دھون
ہاتھوں پر اور منہ پر پھیر کر تیمم کر لیتا ہے۔

علم طب سے جو واقف ہیں ان پر پوشیدہ نہیں ہے کہ انسان کے تمام جسم میں
مسامات ہیں اور ان مسامات سے بدن کا زہر نکلا کرتا ہے۔ بدن کا دھونا اس زہر کے
رفع کرنے کے لیے طبعاً ضروری ہے۔ وہ زہر گواپنی نوعیت اور مقدار کے لحاظ سے
ایسا نہیں ہے کہ اسکا ایک جگہ عرصہ تک بچا جائے یا زہر کا کام کرے لیکن پھر بھی اسکا غ
ہونا بے انتہا تفریح بخشتا ہے۔ صرف ہاتھ اور پاؤں سے وہ دفع کیا جائے جب بھی
بہت تسکین ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ وضو یعنی ہاتھ پاؤں منہ کا دھونا نصف غسل کا
کام دیتا ہے۔ جس طرح شارع نے بجائے غسل کے وضو قائم کیا ہے اسی طرح
پانی نہ ملنے کی حالت میں بجائے تمام بدن کے بل ڈالنے کے صرف ہاتھ اور منہ
کا گڑ ڈالنا یا پونچھ ڈالنا بتایا ہے۔ ہاتھ یا کپڑا منہ کے جسم پر گر جائے تو وہ ضروری مل
لینے سے اچھا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ شارع نے پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم
کا حکم دیا ہے اسی طرح بجائے ہاتھوں کے رد مال سے منہ پونچھنا شاید زیادہ رحمت
بخش ہو۔ لیکن شرع اسلام کے قواعد آسانی اور سہولت پر مبنی ہیں کہ جگہ پاس
کپڑا ہو اور جگہ پاس کپڑا نہ ہو دونوں سے یکساں تعلق رکھے کپڑے والوں کے لیے
تیمم کا طریقہ جدا رکھنا اور جگہ پاس کپڑے نہ ہون اور مکے لیے دوسری طرز رکھنا اس اصول
کے خلاف ہوتا جس نے تمام بنی نوع انسانی کو ایک رشتہ میں باندھنا چاہا تھا اور جس نے
ایک رشتہ میں عملی طور پر باندھ کر دکھا بھی دیا۔ اب ایک بات یہ رہی جاتی ہے کہ سنی
ملنے کی کیا ضرورت ہے ویسے ہی ہاتھ پھیر لیے جائیں تو کیسا۔ تفریح اس سے بھی

حاصل ہوتی ہے یہ کہنا بیشک صحیح ہے لیکن بعض وقت بغیر مٹی کے منہ اور ہاتھ کی
 چکناہٹ رفع نہیں ہوتی مٹی میں ایک خاص قوت پاک کرنے کی ہے اور یہ تو
 کوئی مسئلہ بہت باریک نہیں ہے تجربہ سے اسکو تعلق ہے۔ پہلے وضو کیجیے پھر
 تھوڑی دیر میں مٹی سے تیمم کیجیے پھر ذرا تھکر خالی ہاتھ منہ پر پھیرے تجربہ خود بتا دے گا کہ
 وضو میں سب سے زیادہ تفریح ہے اس کے بعد تیمم کا درجہ ہر چیز خالی خالی ہاتھ پھیرنے کا۔
 واضح رہے کہ تیمم کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام منہ میں خاک لپیٹ لی جائے
 منہ پر جو تیمم کے خاک ظاہر نہیں ہوتی اور اگر کبھی کچھ خاک ظاہر بھی ہوئی تو اسکو
 آسانی سے جھاڑ سکتے ہیں تیمم سے مقصود ہے کہ نت کارفع کرنا اور تفریح پیدا کرنا
 پہرہ کا خاک آلودہ کرنا مقصود نہیں ہے اور نہ چہرہ تیمم سے کبھی خاک آلودہ یا بنا ہوتا ہے
 تر ہاتھوں کو سر پر پھیرنا مسح راس کہلاتا ہے۔ اور وضو کا ایک رکن یہ بھی ہے۔ سر پر ہاتھ
 پھیرنے کی غایت صرف ہاتھوں کی گرد کا صاف کرنا ہے۔ صفائی جسم اسلام میں بہت
 فزردی امر ہے اس کے متعلق جو توضیح وضو کے بیان میں کی گئی ہے قابل ملاحظہ ہو
 میں نے ایک محفل میں دیکھا کہ ایک یورپین جٹلین حبیبی رومال سے اپنے
 جوتے کی خاک جھاڑ رہا تھا۔ ملازم اسکا موجود نہ تھا اس لئے منہ پوچھنے کے رومال سے
 اس نے جھاڑن کا کام لیا۔ اس نے رومال کا گرد آلودہ ہونا گوارا کیا لیکن بھری محفل میں جوتے
 پر گرد کا رہنا پسند نہ کیا۔ اس وقت دفعتاً نیراز میں منتقل ہو گیا مسح علیٰ اعضاء کے مسئلہ کی طرف
 یعنی مجلس نماز میں جو کوئی جو تاپہن کر جانا چاہے اسکو چاہیے کہ نم ہاتھ جوتوں پر پھیرے
 اور اس طرح اسکی گرد جھاڑ دے اسی کو اصطلاح شرع میں مسح علیٰ اعضاء کہتے ہیں
 یعنی جن لوگوں کے پاؤں میں بوٹ ہوں اور انکو اتارنا منظر نہ ہو وہ وضو کے وقت

بجائے پاؤں دھونے کے صرف بوت پر غم ہاتھ پھیر لین یعنی اسکی خاک حجار
ذالین تو کافی ہے۔

فصل ششم و ششم

اذان

جب مدینہ کے مسلمان تعداد میں بڑھتے گئے تو نماز کے لیے بلانے میں
کسی قدر انتہام کرنا پڑا۔ دس میں ستونک تو غیر کوئی ایسی ضرورت نہیں ہوئی لیکن
جب مومنین کی تعداد ہزار دن تک پہنچی تو اعلان بغیر کام چلتا نظر نہیں آیا۔ لوگوں کا
انتظار کیا جاتا تو انتظار کرنے والوں کو جدائیکلیف ہوتی اور باوجود انتظار کے بھی جو لوگ
پہچھڑ جاتے انکو الگ لگے ہوتا۔ اب خیال یہ پیدا ہوا کہ لوگوں کے خبر کرنے کے
لیے کوئی تدبیر سوچنا چاہیے۔ مختلف تجویزین پیش ہوئیں۔ کسی نے آگ جلائے
کی صلاح دی کہ آگ کی روشنی دیکھ کر لوگ جمع ہو جایا کریں گے۔ کسی نے یہ کہا کہ
ناقوس یا گھنٹہ سے اعلان کیا جائے۔ اسلام کی ابتدائی حالت جیسی سادہ اور دلکش
تھی وہ ان ڈھکوسلوں کی پابند نہ ہو سکی۔ کثرتِ رائے اسپر تریابی کہ بلند مقام پر چڑھا
ہو کر کوئی شخص پکار دیا کرے بسل تنہا ہی کافی ہے۔ اب پکارنے کے الفاظ کیا ہوں
اسپر غور ہونے لگا چند شخصوں نے کچھ الفاظ بتائے اور کہا کہ انھوں نے عالم خواب
میں ان الفاظ کے ساتھ اذان دیتے ہوئے سنا ہے۔ وہ الفاظ منظور کیے گئے۔
اور آج تک نماز کے پہلے انہیں الفاظ سے نماز کو پکارتے ہیں یا یہ کہ ان کو نماز
شروع ہونے کی اطلاع دیجائی ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں۔

”اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْہَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ حَسْبِيَ اللّٰہُ“

رہا تھ کی
اور یہ تو

کچھ بھر
سادے لاک

۲۷

پیٹ لی جائے
تو اسکو

مرج پیدا کرنا
یا بلانا ہوتا ہے

سر پر ہاتھ
میں بہت

بال ملاحظہ ہو
اپنے

د مال سے
محفل میں جھٹ

مسئلہ کی طرف
توں پر پھیرے

فیس کتنے ہیں
رضو کے قوت

۱

حی علی الفلاح اللہ اکبر لا الہ الا اللہ

”اللہ اکبر“ یعنی خدا سب سے بڑا ہے) اسکے بعد موزون ”اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمدًا رسول اللہ“ کہتا ہے جسکے معنی یہ ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ سوا اللہ کے دوسرا معبود نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کا پیغمبر ہے) اس کہنے سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ سننے والے سمجھ جائیں کہ پکارنے والا کوئی مسلمان ہے اور پھر دھیان کریں کہ یہ مسلمان کیا کہتا ہے۔ اسکے بعد موزون اصلی مطلب بیان پر لاتا ہے یعنی وہ پکارتا ہے ”حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح“ (بھائیو نماز کو آؤ کہ اس میں فلاح ہے) اسکے بعد وہ تکبیر اور تلبیل یعنی (اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ) کہہ کر اپنی صدا کو ختم کرتا ہے۔

نمازیوں کی جماعت کو فوجی قواعد سے تشبیہ دین تو اذان کو بے تکلف بگلی کہہ سکتے ہیں بلکہ ہم تو یہ کہتے کہ اس زمانہ میں بگل فوج کو اتنا جلد مستعد نہیں کرتا جتنا پہلے زمانہ میں اذان سلان کو بیدار کرتی تھی تا اذان سننے کے ساتھ ہی ہر شخص اپنے گھر سے نکل پڑتا تھا۔ گویا اذان کہہ رہی جو لوگوں کو کھینچ لاتی تھی۔ ناظرین نے کسی گنجان آبادی میں آگ گتے دیکھا ہو گا تو انکی آنکھوں کے سامنے وہ منظر ابھی تک موجود ہو گا کہ آگ کے شعلے بلند ہوتے ہی تمام محلہ کے لوگ اپنے گھر سے نکل پڑے تھے اور چرمنٹ مین وہ لوگ جلتی ہوئی آگ کے گرد آتش پرستوں کی طرح حلقہ باندھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ بس یہی کیفیت اذان سننے والے مسلمانوں کی تھی جب تک اسلام اسلام کی حالت پر تھا۔ اس گئی گوری حالت پر بھی عرب اور اسکے گرد و نواح میں اذان دینے والے عرب ایک عجیب کیفیت پیدا کرتے ہیں اکثر انگریزی

متفق اللسان ہیں کہ صبح کے وقت اذان کے سادے سادے چند الفاظ کا پچھری کیفیت پیدا کرتے ہیں جو بالکل سننے ہی سے تعلق رکھتی ہے بیان میں دست نہیں ہے کہ اُن الفاظ سے جو جذبات پیدا ہوتے ہیں یا جو سامان بندھتا ہے وہ پورے طور پر بیان ہو سکے۔

ہم نے اب تک یہ دکھا یا کہ مسلمانوں میں اذان کیا چیز ہے اور اُس کے بعد یہ دکھاتے ہیں کہ اب لوگ اسے کیا سمجھتے ہیں۔ ہندوستان کی آدمی مسجد میں تو ایسی ہیں جنہیں پورے اذان نہیں ہوتی اور جو مسجد میں آباد ہیں انہیں بھی اکثر دن کی حالت یہ ہے کہ محلے کے کسی ایک نمازگاہی سے رونق ہے۔ وہی بیچارہ سوزن۔ امام مقتدی سب کچھ ہے گھر ہی رات رہے اگر اذان دیتا ہے اور پھر گھڑی دن چڑھے اشراق کی نماز پڑھ کر نکلتا ہے لیکن کوئی بھی ایسا نہیں ملتا جو اس غریب کا ساتھ دے۔ خیر اور عشا کا کیا ذکر نہ ضرور اور غریب کی نماز میں بھی محلوں والے شریک نہیں ہوتے۔ سوزن نے اذان دی لیکن اذان دینے سے اس کا مقصد کبھی یہ نہیں ہوتا کہ لوگ آواز سن کر جمع ہوں۔ یہ تصور دینے کیونکہ گلاب وہ جانتا ہے کہ پڑوس والے اسے دھیان میں نہیں لاتے۔ اذان دینا شعار اسلام ہے۔ یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ بے اذان دیے نماز پڑھ لی جائے لیکن غور طلب یہ ہے کہ جب سوزن کو یقیناً معلوم ہے کہ برسوں "حی علی الصلوٰۃ" کہتے گزر گئی لیکن کسی فرد بشر نے بھی گنجل سے بلاد اقصیٰ تک کیا اگر وہ صرف اتنا ہی کہہ دیتا کہ ارے بھائی ذرا سن جاؤ تو کہنے آدمی جمع ہو جاتا کرتے نماز پڑھتے یا نہ پڑھتے لیکن بلانے سے آغوش درج ہوتے۔ تو اب یہ گفتگو ہے کہ جان بوجہ کہ ہر ایک رکن دین کی توہین اور تفضیح کرانی کہاں تک مناسب ہے۔ اب تیسری قسم میں وہ مسجد میں داخل ہیں جہاں

الاند

کہ سو

ہے

موسیٰ

سب

بان

کو کو

کہ

کہ

کہ

کہ

کہ

کہ

کہ

کہ

کہ

کہ

کہ

کہ

کہ

کہ

کہ

کہ

کہ

کہ

کہ

کہ

کہ

موتون الگ ہیں۔ امام جہانگیر بن یاسین ہیں۔ جماعتیں ہوتی ہیں مصلیوں سے محض مسجد بھر جاتا ہے۔ جہان اسلام کا چچا عرصہ تک رہا ہے اور مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے وہاں مسجدیں زیادہ تر اسی قسم کی ہیں۔ اول اور دوم قسم کی مسجدیں زیادہ تر ہندوستان کے ان حصوں میں ہیں جہاں مسلمان کم آباد ہیں۔ مذہبی جوش میں مسجدیں بنوادی گئی ہیں۔ لیکن گرد و نواح کے باشندوں میں اسلام نے اس طرح جگہ نہیں پکڑی کہ مسجد کے آباد رکھنے والے اکٹھا ہو سکیں۔ نیز انکا تو کوئی شمار نہیں۔ تیسری قسم کی مسجدیں جہان ہیں اور پانچون وقت بلاناغہ اذین اذان ہوتی ہر دن کے مسلمانوں کی نسبت بھی کم کہہ سکتے ہیں کہ تلوین سچا س ایسے ہر گے جو اذان کی مابیت سے واقف ہوں۔ اذان پر کیا سوچوں ہے۔ بہت سے ارکان مذہب ایسے ہو رہے ہیں کہ لوگ بطور رسم و رواج کے انکی پیروی کرتے ہیں۔ اصل مذہب کے طور پر انکو ماننے والے کم ہیں۔ یوں سمجھیے کہ قرآن تو مسلمانوں کا دین ہے۔ ایمان ہے جو کچھ ہے وہی ہے کئی تہ کچھ دن میں لپیٹ کر اسے سب سے اونچے طاق پر دار وہاں بھی سب کتابوں کے اوپر لوگ رکھتے ہیں لیکن جو کچھ عظمت ہے اسکی جلا اور کاغذ کی ہے۔ اسکے معنوں کی بھی وقعت دل میں ہو ایسے مسلمان بہت کم ہیں تنو میں فوتے گھر مسلمانوں کے ایسے ہیں جو اپنے کو شرک سے مستثنیٰ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ تو ریش کے عہدہ قانون کو دل سے بڑا جاننے والے اکثر ملین گے۔ عورتوں کے حقوق جو قرآن میں قائم ہیں انکو دل سے ناپسند کرنے والے بہت ہیں۔ یہ لوگ رسم و رواج کے مقابلہ میں آیات قرآنی کو با وقعت نہیں سمجھتے۔ خلاصہ یہ کہ قرآن کو ان فریون کی وجہ سے جو اس میں ہیں (یعنی بہترین قانون مسلمانوں کے عقیدہ مطابق)

یون
ن کی
سجدین
جوش
س طرح
میں
دوان
ن کی
بہت
طور پر
ہے
پار
جلد اور
میں بتا
سکتے
توان کے
لوگ
ن کو
بقا

بہت کم لوگ تعظیم کرتے ہیں۔ ان باب واد کو چومنے جانتے دیکھا ہے اسلئے
ظاہری تعظیم کرنے میں منافقوں کی طرح سچے مسلمانوں کو بھڑا سکتے ہیں۔ جب اصل
قرآن کی یہ حالت ہے تو اذان کی نسبت یہ پوچھنا کہ اسکے سچے استعمال کو لوگ کہاں
کھٹک ٹھیک طور پر جانتے ہیں۔ عبث ہے۔ آیات قرآنی کو سمجھ کر غنبر عمل کیا جائے ایسا
بہت کم ہے اور یہ بہت زیادہ رائج ہے کہ دوا کے طور پر لوگ نگوں استعمال کرتے ہیں
اکثر گھروں میں دعا اور تونید سلب مرض میں حکیموں اور ڈاکٹروں کی دواؤں سے
کمیں زیادہ مؤثر سمجھا جاتا ہے۔ اور سچا اسلام گویا انہیں عقیدہ دین کے ساتھ
مخدود مانا جاتا ہے۔ ہمارے کہنے کا نشانہ یہ نہیں ہے کہ آیات قرآنی کو دوا کی جگہ
کام میں لانا نادانی ہے۔ خدا کی قدرتوں میں کسی کو دخل نہیں ہے اور نہ تاثیر اشیا
پر کسی فرد بشر کو پورا عبور ہو سکتا۔ لیکن اس قدر تو ہم ضرور کہیں گے کہ یہ آیات دوا کی
طرح کام میں لانے کے لیے بنائی نہیں گئی تھیں۔ انکے بنانے کے اصل اغراض
کچھ اور تھے جن پر دھیان کرنے والے اب بہت کم ہیں مثلاً "ان اللہ علی کل
شیء قدير" (اللہ ہر چیز پر قادر ہے) جنگل میں کسی مسافر پر شیر حملہ کرے اسکو بچاؤ کی کوئی
صورت نظر نہ آوے اور اسلئے وہ دل کڑا کر کہے کہ اللہ سب پر غالب ہے (ان اللہ
علی کل شیء قدير) اور شیر پر تلوار کا دار کرے یوں اس آیت قرآنی سے اپنے خیالات
کی مضبوطی اور دل میں تجربات پیدا کرے تو کہا جائے گا کہ اسنے شارع کے اغراض
کی تکمیل کی۔ لیکن بجائے حملہ کرنے کے وہ چپ چاپ انکو منبر کے بیٹھ رہے اور
منبر سے اس آیت کو پڑھتا جائے اور عقیدہ ہیر رکھے کہ اس آیت کے اثر سے شیر کی
آنکھیں بند ہو جائیں گی اور وہ مجھے دیکھ نہ سکے گا تو یہ ضرور کہا جائے گا کہ آیت کا

استعمال اچھے طور پر نہیں کیا گیا۔ ممکن ہے کہ اس آیت میں آنکھ پھوڑنے کی بھی تاثیر ہو مگر کسی کے ذاتی عقیدہ سے بحث نہیں ہے۔ لیکن یہ ہر شخص سمجھے گا کہ آنکھ وضع کرنا شیر کی آنکھ پھوڑنے کے لیے نہیں تھا بلکہ اس لیے تھا کہ اس سے لوگوں کی عقیدت اللہ کی طرف بڑھے اور دلوں میں مضبوطی پیدا ہو۔ اسکو دوسرے طور پر یوں سمجھنا چاہیے کہ کسی کو نہایت عمدہ کپڑا سر میں باندھنے کے لیے دیا جائے اور وہ اس سے اپنا بیڑھا کرے۔ گو بیڑھا کرنے کا کام بھی اس کپڑے سے نکل سکتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہ اس کام کے لیے بنایا نہیں گیا تھا اور اس لیے یہ فرد کہا جائیگا کہ اس شے کا بڑا استعمال کیا گیا۔

جہاں مختلف امراض کی دوا میں آیت قرآنی سے کام لیا جاتا ہے وہاں بعضہ کے دور کرنے میں لوگ اذان کو مؤثر سمجھتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کام کے لیے اذان کب سے پڑا شو گئی ہے اور نہ ہم یہ کہتے کہ مسلمانوں کا خیال سبک میں غلط ہے یوں کہا جاسکتا ہے کہ تنہا تھوڑے (یعنی وضو کرنے) نماز پڑھنے صاف کام کرنے اور صفائی رکھنے سے یعنی عمدہ مشاغل سے کٹاقتین پیدا نہیں ہوتیں اور اس لیے مسلمان جہاں رہتے ہیں یا دوسرے نظروں میں جہاں تک اذان کی آواز پہنچتی ہے یہ بلائیں (بیماریاں جو کثافت سے پیدا ہوتی ہیں) پاس نہیں آتیں۔ لیکن اسکے ساتھ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ کہنا کہ انکے شاعرانہ خیال کا پیرایہ رکھتا ہے۔ ممکن ہے کہ انہیں خیالات نے لوگوں کو ادھر متوجہ کیا ہو۔ یہ کہنا کہ جو الفاظ نماز کے لیے بلائے گئے تھے اُن سے ہر فرد کے بھگوانے کا کام لینا نئی بات نہیں ہے۔ اب درا میں اس کام کے لیے اذان

کبھی موضوع نہیں ہوئی لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ نماز کے بعد (اور وہ بھی دن کی نماز کے بعد نہیں) تمام نمازیوں کا مل کر اذان دینا اور اس سے دفع امرافض دہائی کا نیل رکنا کس زمانہ کی اختراع ہے۔ جہاں لوگ اذان کو اذان نہیں سمجھتے فزون تو کوئی ایسا ہرج نہیں ہے لیکن جہاں اذان کو اذان سمجھتے ہیں وہاں اس طرح پکارنا کسی طرح مناسب نہیں کہا جاسکتا کہ نماز ہو چکنے کے بعد پھر نمازیوں کو بلا تے ہیں اور دل میں مقصود یہ رکھتے ہیں کہ ہماری آواز پر نمازی نہ آئیں بلکہ بلا نکل جائے۔

فصل بست و نہم^{۲۹}

ناز

نماز خارجی ترجمہ صلوٰۃ کا ہے۔ نہایت ضروری رکن اسلام کا ہے۔ تمام مذاہب میں احتیاجی امور اصول موضوعہ یا علوم شعارفہ کی طرح پائے جاتے ہیں۔ مثلاً چوری۔ دغا بازی۔ (دنا۔ کبر۔ حسد۔ رشک۔ جھوٹ تمام مذاہب میں مذموم ہیں۔ راستبازی خوش سماجی۔ حب قومی۔ تمام مذاہب میں پسندیدہ ہیں۔ اسی طرح خدا کے وجود کے متعلق بھی موحیدین مسلمانوں سے متفق ہیں۔ پھر جو چیز اسلام کو ممتاز کرتی ہے وہ عقاید میں رسالت کا ماننا اور عملیات میں نماز کا پڑھنا ہے۔ اسلام نے جو طریقہ بندگی کا قرار دیا ہے یعنی نماز پڑھنا وہ تمام دوسری قوموں اور مذاہب کی پرستش کے طریقہ سے جدا ہے۔ پہلے ہم بتائیں گے کہ نماز کیا چیز ہے اور اس کے احکام کیا ہیں۔ پھر بتائیں گے کہ اس میں مصالح کیا ہیں۔

ہر عاقل و بالغ مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ رات اور دن میں پانچ مرتبہ نماز

نے کی بھی

بجھے گا اگر

وگون کی

سر سے طور

نے اور

سے نکل

سیلے یہ فرق

ہے دماں بھی

س کام کے

کافیاں اس

نماز پڑھنے

نہیں پیدا

ن جہاں تک

ہوتی ہیں

شاعرانہ خیال

جیہ کیا ہو۔ کیا

کے بھگنے

کے لیے اذان

خدا کی یاد کرے۔ اس خاص طور پر یاد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ چار مرتبہ خدا کے سامنے کھڑا ہو۔ ٹھیکے۔ اور ٹھیکے کے بعد سجدہ کرے۔ نماز کے اوقات یہ ہیں۔

(۱) صبح دن نکلنے کے قبل۔ (۲) دوپہر کے بعد شام تک۔ (۳) شام سے دن چمپے تک (۴) دن چمپے سے اندھیرا ہونے تک۔ (۵) اندھیرا ہونے سے صبح تک۔ بعض حالتوں میں اور بعض آئمہ کے نزدیک ہر حالت میں (۲) کو (۳) کے ساتھ اور (۴) کو (۵) کے ساتھ ملا کر پڑھتے ہیں۔ صبح کا وقت بہت تنگ ہوتا ہے اٹھنے اٹھانے میں دن نکل آنے کا احتمال رہتا ہے اس لیے آسانی کے خیال سے بجائے چار رکعتوں کے دو رکعتیں اس وقت رکھی گئیں اور دن چمپے کا وقت بھی تنگ ہوتا ہے ذرا دیر ہوئی کہ تاریکی جھاگئی اس لیے ایک اس وقت بھی کم کر کے صرف تین رکعتیں رکھی گئیں۔ ان پنج وقتہ نمازوں کو جماعت سے یعنی بہت سے مسلمانوں کا ایک ساتھ ہو کر پڑھنا نہایت درجہ کو سختی کے ساتھ محکوم ہے۔ بیمار پر مرتے دم تک نماز فرض مہی ہے۔ بیمار بیٹہ کر۔ لیٹ کر۔ آنکھ کے اشارہ سے پڑھتا ہے۔ جنگ میں بھی وقت آجاتے تو نماز سماعت نہیں ہے۔ آگے فوج لڑتی ہے اور پچھلی فوج نماز پڑھتی ہے پھر لگے کی فوج پیچھے نماز پڑھنے کو چلی آئی اور پیچھے کی فوج آگے چلی گئی۔ تمام شہر کے لوگ ایک جگہ ہو کر جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھتے ہیں۔ سال میں دو مرتبہ دور دور کے مسلمان قریب شہر صحرا میں جمع ہو کر نماز عید بن پڑھتے ہیں اور ایام حج میں تمام دنیا کے مسلمان مکہ میں اکٹھا ہو کر عید الفضحیٰ کی نماز پڑھتے ہیں۔ مردہ کو دفن کرنے کے پہلے نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اس میں رکوع و سجدہ نہیں ہوتا مگر جماعت ہوتی ہے۔ سورج گرہن اور چاند گرہن کے وقت بھی نماز پڑھی جاتی ہے۔ اسکو نماز کسوف و خسوف کہتے ہیں قحط کی

حالت میں شہر کے باہر جت ہو کر نماز پڑھنا اور خدا سے دعا مانگنا سنوں ہے غوث کی حالت میں بھی نماز پڑھی جاتی ہے۔ طہارت کی حالت میں ستر عورت چھپا کر اور وضو کر کے نماز کے لیے کھڑا ہونا چاہیے نماز میں "اللہ اکبر" (اللہ سب سے بڑا ہے) کہا جاتا ہے۔ اس میں سورہ الحمد بھی پڑھنا فرض ہے۔ اسکے علاوہ کچھ اور آیت قرآنی بھی پڑھتے ہیں جس میں موقع محل اور حضور قلب کے اعتبار سے طوالت بھی ہو سکتی ہے اور اختصار بھی ہو سکتا ہے۔ بیان موقع ہے کہ نماز کے تمام عربی الفاظ اور عربی عبارت کا ترجمہ کر دیا جائے۔

"اللہ اکبر" (اللہ سب سے بڑا ہے)۔

"شنا اور تود" (اے اللہ تو پاک ہے اپنی توفیقوں کے ساتھ اور تیرا نام بڑا والا ہے اور تیرا مرتبہ بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تین جناہ لگتا ہوں اللہ کے راندے ہوئے شیطان سے)۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم" (رحم دے بڑے مہربان اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں) "سورہ فاتحہ" سب توفیق اللہ کے واسطے ہے جو پروردگار عالمین ہے بڑا مہربان ہے۔ نہایت رحم والا ہے۔ قیامت کے دن کا مالک ہے۔ اے اللہ ہم تجھی کو بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ ہمارے سیدھی راہ چلا جن پر تیرا فضل ہے اُنکی راہ۔ نہ ایسی راہ جس پر تیرے غضب کے مارے اور گمراہ لوگ چلتے ہیں۔

۱۔ احمد رضا رب العالمین۔ الرحمن الرحیم۔ ملک یوم الدین۔ ایک نذر دایک نستعین۔ ابنا القراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔

مترتبہ خدا کے

بات یہ ہیں۔

شام سے دن

نے سے صبح

کے ساتھ

ہوتا ہوا اٹھنے

سے بجائے

ی تنگ ہو جائے

ن کتیں رکھی

کا ایک ساتھ

نماز فرض تہی

ن وقت آجائے

بے پیر کے

شہر کے لوگ

کے سلمان

کے سلمان

نہ پڑھی

اور چہرہ

میں تھکی

”سورہ فیل“ تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ کیا انکا کو غلط نہیں کر دیا؟ انہر غول کی غول چڑیاں جھین جھون نے انہر غول کی کنکریاں بھینک کر انکو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔

”سورہ قمریش“ قمریش جازرے اور گرمی میں سفر کرنے کے خوف بنائے گئے ہیں اب انکو اسکے شکر میں چاہیے کہ اس خانہ کعبہ کے پروردگار کی عبادت کریں کہ وہی انکو بھوک میں کھانا کھلاتا ہے اور خوف سے انکو امن دیتا ہے۔

”سورہ ماعون“ تو نے قیامت کے جھٹلانے والے کو دیکھا۔ یہی تو تہیم کوڑھلیتا ہے اور محتاج کے کھانے کی تاکید نہیں کرتا۔ خرابی ہے ان غازیوں کی جو اپنی غازیوں سے بے خبر ہیں۔ رہا کرتے ہیں اور ماعون کو روکتے ہیں۔

”سورہ کوثر“ ہم نے تجھ کو کرشمہ دی۔ اپنے رب کی نماز پڑھ اور قرآنی کریم راہ دشمن بے نام و نشان ہو جائے گا۔

”سورہ کافرون“ تو کہہ۔ کافرو۔ میں تمھارا معبود نہیں پوجتا۔ اور نہ تم میرا معبود پوجتے ہو۔ نہ ہم تمھارا معبود پوجیں گے۔ اور نہ تم ہمارا معبود پوجو گے۔ تمکو تمھارا دین ہے اور مجھ کو میرا دین ہے۔

۱۷۱ ام ترکیب فیل ربک باعجب الفیل۔ ام یحییٰ کید ہم فی فضلیل وارسل علیہم طیرا۔ ایل تریم ہم
بجھارہ سن بھیل۔ فوجہم کوصف ماکول۔

۱۷۲ لایف قمریش۔ یلفیم حلالہ۔ الریشہ والعتیف۔ فلیعب دارب ہذا الہیست۔ الذی اطمعم
من جریع وانعم من خون۔

۱۷۳ ارایت الذی یلذب بالمدین۔ فذلک الذی یدع الینیم ولا یحض علی طعام المسکین فویل
للمصلین الذین ہم عن صلاتہم ساهون۔ الذین ہم یارون ویموتون الماعون۔

۱۷۴ انا اعطینک الکوثر فصل الزکات ودرخراں شائکا۔ ہوا لایتر۔

۱۷۵ قل یا ایہا الکفرون۔ لا اعبداکم عبدون ولا انتم عبدون ماعبد۔ ولا انا عابد باعبدتم۔ ولا
انتہم عبدون ماعبد۔ مکرم دینم ولی دین۔

”سورہ نصر“ جب اللہ کی مدد اور فتح آئی اور تو نے دیکھا کہ لوگ فوج فوج ہتھ
کے دین میں داخل ہوتے ہیں تو اب اللہ کی خوبیاں اور اس کی بڑی بیانیہ کراؤ اس سے
بخشش مانگ۔ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔

”سورہ لہب“۔ ہلاک ہو جائیں دونوں ہاتھ ابو لہب کے اور وہ خود بھی ہلاک ہو۔
اسکا مال اور اسکی کمائی اُسکے کام نہ آوے۔ اب وہ اور اسکی چغلی کھانے والی بی بی
جسکے گلے میں کھجور کی رستی ہے یہ دونوں دیکھتی آگ میں داخل ہو گئے۔
”سورہ اخلاص“۔ تو کہہ کہ وہ اللہ ایک ہے۔ بے نیاز ہے۔ نہ جنا اور نہ جالگیا۔
اسکا ہر سہر کوئی نہیں ہے۔

”سورہ اخلاص۔ تو کہہ کہ وہ اللہ ایک ہے۔ بے نیاز ہے۔ نہ جنہا اور نہ جنہا لگی۔

اُسکا ہر سر کوئی نہیں ہے۔

”سورہ فلق“ تو کہہ کہ مخلوق کی بُرائی۔ شبِ تاریکی ظلمت کی بُرائی۔ گرہوں میں
چھوٹنے والی عورتوں کی بُرائی اور حاسد کے حسد کی بُرائی سے میں پروردگار صبح
کی پناہ میں آ رہا۔

”سورہ ناس“ تو کہہ میں آدمیوں کے رب آدمیوں کے پادشاہ اور آدمیوں کے
معبود کی پناہ میں آیا دوسو سو ڈالنے والے خناس کی بُرائی سے جن ہو یا آدمی۔
”سمع اللہ لمن حمدہ“ (اللہ سنتا ہے جو اسکی تعریف کرتا ہے)۔

”سمع اللہ لمن حمده“ (اللہ سنتا ہے جو اسکی تعریف کرتا ہے)۔

۷۷ اِذَا مَا نَفَرْنَا وَنَدَّ الْفَجَّحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا - فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَلَا تَلْنُ لَهُمْ عَذَابَ اللَّهِ -

تبت میرا الہی لعل و لب۔ ما اغنی عنہ ما لا کسب۔ سیطی نارا ذات لعل و امراۃ
حماۃ الکلب۔ فی جیدہ اخیل من مسد۔

قل مع النبي احمد - الفداء العبد - لم يد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد -
قل عزوز بر الفلق من شره خلق ومن شره ناس الا اوق من شره نفسي في الله من شره احد

قل اعوذ برب الناس - ملك الناس - الله الناس - من شر لو سوا من الخناس - الذي
يؤسوس في صدور الناس من الجنته والناس -

پیش روئی کے لئے اس کا جواب دینا چاہیے۔

”ربنا ملک الحمد“ اسے ہمارے پروردگار تعریف تیرے لیے ہے۔

”سبحان ربی العظیم“ لا میرا پروردگار عظیم پاک ہے۔

”سبحان ربی الاعلیٰ“ (میرا پروردگار اعلیٰ پاک ہے)۔

”اتحیات اللہ“ تحیات صلوات طہبات اللہ کے لیے ہے۔ اسے نبی سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں آپ پر نازل ہوں۔ سلام ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے دوسرا معبود نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندہ اور اس کے رسول (بھیجے ہوئے) ہیں۔

”اللہم صل علی الخ“ اسے اللہ رحمت بھیج محمدؐ پر اور آل محمدؐ پر جیسا کہ تو نے رحمت بھیجی ابراہیم اور آل ابراہیم پر۔ تو بیشک لایق حمد ہے اور بزرگ ہے۔ اسے اللہ برکت نازل کر محمدؐ اور آل محمدؐ پر جیسا کہ تو نے برکت نازل کی ابراہیم اور آل ابراہیم پر تو بیشک لایق حمد ہے اور بزرگ ہے۔

”دعائے قنوت“ اسے اللہ ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں اور تجھ سے بخشائیش چاہتے ہیں۔ تجھ پر ایمان رکھتے ہیں اور تجھ پر بھروسہ کرتے ہیں اور تیری نیک تعریف کرتے ہیں۔ تیرا شکر ادا کرتے ہیں تیری ناشکری نہیں کرتے ہیں۔ اور تیرے نافرمانوں کو الگ کرنے اور جھوٹ دیتے ہیں۔ اسے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیری ہی نماز پڑھتے ہیں اور تجھی کو سجدہ کرتے ہیں اور تیری طرف دوڑتے

۱۔ التحیات والمبارکات والصلوات والطہبات للہ۔ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
۲۔ السلام علیہ وعلیٰ عباد اللہ الصالحین اللہ ان لا الہ الا اللہ وشدان محمدؐ وشدان محمدؐ ورسولہ۔
۳۔ اللہم صل علی محمدؐ وعلیٰ آل محمدؐ صلیت علی ابراہیم وعلیٰ آل ابراہیم ایت حمیدہ حمیدہ عظیم
بارک علی محمدؐ وبارک علی ابراہیم وعلیٰ آل ابراہیم ایت حمیدہ حمیدہ۔

ذی عقل غافل ہے۔ یہی بڑا ثبوت انسان کی کمزوری کا ہے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ موت کی یاد دنیا کی تمام بُرائیوں سے انسان کو بچا سکتی ہے تو انسان کے لیے موت کی یاد سے بڑھ کر اور کوئی چیز اخلاقی حیثیت سے بکار آمد نہیں ہے۔ خدا کی یاد کرنے کرتے خدا سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اس وقت خدا کا دھیان بجز موت اور حیات کے خیال کے بھی ہوتا ہے۔ مگر یہ خاص خاص مدارج ہیں جیسا کہ حضرت یوسف کے قصہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب زلیخا نے بیجا بھونکنے کے قبل بُت کی آنکھ چھپانا چاہا تو حضرت یوسف کو گمان ہو گیا اور وہ سوچے کہ زلیخا اپنے بُت سے شرم کرتی ہے اور میں خدا سے شرم نہ کروں۔ بہر حال تمام دنیا کے مذاہب خدا کی یاد کو ایک بڑا رکن مذہب کا خیال کرتے ہیں۔ قرآن میں جا بجا خدا کو یاد کرنے کا حکم ہے اور اس تاکید کے ساتھ کہ اٹھتے بیٹھتے لیٹے ہوئے ہر وقت خدا کی یاد کرو۔ اس پر عمل کرنے کے علاوہ نماز پڑھنے کا بھی قرآن میں جا بجا حکم ہے۔ جسکو حدیث نبوی اور فعل نبی کے ساتھ ساتھ دیکھنے سے وہ طریقہ نماز کا شروع معلوم ہوتا ہے جسکو مختصر طور پر ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ نماز ہی میں یاد خدا ہو سکتی ہے۔ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ اگر نماز کی صورت خاص قائم نہ ہوتی تو خدا کی یاد کا طریقہ اتنا سادہ اور سادہ طور پر قائم نہ رہتا جتنا کہ اب قائم ہے۔ دیگر مذاہب کے طریقہ جستش یا طریقہ یاد الہی کو دیکھیے۔ خدا کا راگ لاتے ہیں۔ باجا بجاتے ہیں۔ بانی خدا کی یاد میں گراتے ہیں۔ پھول پتی چڑھاتے ہیں۔ کبھی کبھی روشنی بھی یاد الہی کے وقت کرتے ہیں۔ جس میں مکر کے بیٹھتے ہیں۔ مراقبہ کرتے ہیں۔ کسی چیز کو دھیان کرنے کے لیے خدا فرض کر لیتے ہیں۔ اور پھر اظہار خلوص کرتے ہیں۔ یہ طریقے تو سادہ سادہ

ہیں۔ انکے علاوہ علم طلب جاننے والے یا خدا کے لیے علم تشریح میں بے انتہا
نکتے پاتے ہیں۔ علم نباتات میں بھی لامتناہی باتیں خدا کی یاد دلانے والی ہیں اسکے
جاننے والے خدا کی یاد اور معرفت کا بڑا سبق لیتے ہیں۔

برگ درختان سبز و زلف ہوشیار ہر درخت و درختیت معرفت کو لگا
علم ہیئت کے جاننے والوں کو بھی بہت سی باتیں خدا کی صنعت کی ایسی معلوم
ہیں کہ وہ خدا کو اس ذریعہ سے یاد کرنا چاہیں تو بڑے بچے مومن ہو جائیں۔ غرض کہ
بہت سے طریقے خدا کی یاد کے ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور انہیں سے بعض
ایسے ہیں کہ اسلام کے خلاف نہیں ہیں اور حکم قرآن کے موافق ہیں اللہ کی یاد کرنے
میں ان طریقوں پر عمل کیا جاسکتا ہے اور کیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں صرف یہ دیکھنا ہے
کہ نماز کی صورت میں جو طریقہ شرع اسلام نے مختص کر دیا ہے وہ سب طریقوں سے
افضل ہے یا نہیں۔ دلیل اور برہان کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر ایک کا وجدان بہترین
شہادت ہے صرف توجہ دلانا ہمارا کام ہے۔ خیال کیجیے! خدا کا دھیان دلیں کر کے
دست بستہ باادب کھڑے ہو جائیے۔ رکوع کیجیے سجدہ کیجیے۔ الفاظ جو عموماً پڑھے
جاتے ہیں انکا ترجمہ اوپر کر دیا گیا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس درجہ خدا
کی وحدانیت اور اس کے جلال و جمال کی تصدیق پر مبنی ہیں اور حضرت قلب کے لیے
جو بندگی کی جڑ ہے کتنا عمدہ ذریعہ ہے۔ اب ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ یا دالہی کا
طریقہ اس سے بڑھ کر دوسرا ہو نہیں سکتا۔

اب دنیوی مصلحت پر نظر ڈالیے۔ نماز نے اخوت اسلامی کی ایسی سنجیدہ جڑ قائم کی
ہے اور مسلمانوں کو باہمت اور باقاعدہ رکھنے کی اتنی عمدہ تدبیر بتائی ہے کہ اسکی نظیر

علوم ہوا کہ موت
بے موت کی
یاد کرتے
غیر موت اور
ما کہ حضرت
قبل نبی کی
بے نبی سے
بہب خدا کی
کا حکم ہے
س یلو کرنے
اور فعل
کو مختصر طور
تی ہے ہم
یقیناً تہمت
ش یا طریقہ
یاد میں
کرتے
کے لیے
سادہ

نہ اسوقت ہے نہ کبھی تھی نہ آئندہ خیال میں آسکتی ہے۔ پانچ وقت مسجد میں ہون
 اذان نہیں دیتا گو یا فوج کی حاضری کے لیے گل بجاتا ہے۔ گل سننے کے ساتھ
 ہی جس طرح تمام فوج والوں کو یکجا ہو جانا واجب ہے اسی طرح محلہ کے تمام مسلمانوں کو
 یکجا ہو جانا چاہیے۔ نماز ایک طریقہ قواعد فوج کا ہے۔ پیرمیز صاحب صفت سیدھی کرنے
 میں بے انتہا توجہ فرماتے تھے فوجی قواعد کی بنیاد اسلام سے ہے اسکے پہلے
 لڑائیوں میں صفت آرائی کا قاعدہ ناقص تھا یا بالکل نہ تھا۔ عیدین میں گلگتہ کے
 سید ان غلامین جا کر مسلمانوں کی نماز دیکھیے تو معلوم ہو کہ کس درجہ باشکست اور باقاعدہ
 مسلمانوں کی قواعد معلوم ہوتی ہے۔ اسلام کے رد سے تمام مسلمان فوج کے
 سپاہی تھے اور یہی نماز انکی فوجی قواعد تھی۔ جمہور کی نماز میں گویا گل شہر کے باشندوں
 کی ایک جگہ قواعد ہوتی ہے۔

سال میں دو مرتبہ عیدین کے روز سالانہ قواعد ہوتی ہے حسین آس پاس کے
 مسلمان بھی جمع ہوتے ہیں اور عمر بھر میں ایک دفعہ مکہ میں جا کر حاضری دینا لازم سمجھا گیا کر
 ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان آخرا بھی ہیں اور ہند کے بڑے بڑے
 پڑا نے اسلامی شہر دن میں ابھی تک جمعہ اور جماعت کا دستور چلا جاتا ہے۔ اس نماز
 کے دینی اور دنیاوی فائدے تو کچھ بھی دکھائی نہیں دیتے۔ وہ کیا ایسی اخلاقی تعلیمات
 ان مسلمانوں میں ہیں جو اور بے نمازی قوموں میں نہیں ہیں۔ یہ سوال اسوقت کیا
 جاتا جب اسلام کے اچھے دن تھے تو جواب دینا ہکو آسان تھا اور اسوقت کوئی
 سوال ہی کرنے والا پیدا نہ ہوتا جب بھلائی ان کمزور سے بدیہی طور پر دکھائی دیتی
 تھیں اور غیر قوموں کے جوق جوق اسلام میں شریک ہونے سے آپ اپنی دلیل

تسجد میں مرنے
سننے کے رحم
رہ کے تمام مسلمانوں
سیہی کرنے
سکے پہلے
ن کلکتہ کے
ت اور باقاعدہ
فوج کے
رکے باشندہ

یاس کے
رینا لازم کیا گیا کر
بڑے بڑے
اس نماز
اخلاقی بھلائی
اس وقت کیا
ت کوئی
کھائی دیتی
پانی دینا

تھیں۔ اس وقت جب مسجدوں میں بجائے اخوت اسلامی بڑھانے کے لوگ دوسرے
کی غیبت کرنے کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ آمین! لہذا دروغ بدین پر لڑنے جھگڑنے
کو آتے ہیں دوسرے کی تنقید کرنے میں اپنی جڑائی سمجھتے ہیں۔ تو ہم بھلائیوں کیا دکھا سکتے
ہیں دوسرے یہ کہ فی زمانہ نماز پڑھنے والے جب توحید کے دلدادہ نہیں ہیں۔
خدا اور خدا کے رسول کی بتائی ہوئی شریعت کے شدید انہیں ہیں تو پھر اس
جمیت میں نہ برکت ہو اور نہ بھلائیوں جن کے تذکرہ سے کتا بن بھری بڑی بن
مگر پھر بھی خدا کا شکریہ ہے کہ اس گری ہوئی حالت میں بھی اس جماعت اور جمعہ کی وجہ سے
جو حالت مسلمانوں کی ہے آج دنیا کی تمام دوسری گری ہوئی قوموں سے بدرجہا
اچھی ہے۔

جس طرح انگریزوں کا شمار قومی ہے کہ جب چار آدمی اکٹھا ہوئے تو کھانے کا چرچا
ضرور ہوتا ہے۔ اسی طرح اگلے مسلمان اپنی ہر جماعت میں نماز ضرور پڑھتے تھے۔ دیکھیے
محلہ کی بیخ وقتہ حاضری میں نماز لازم ہے۔ ہفتہ وار جماعت میں بھی نماز ضروری ہے۔
رمضان کے روزوں کے ختم ہونے کی عید میں جب جمع ہوتے ہیں تو نماز پڑھتے ہیں
قربانی کی طیاری کرنے کے قبل نماز میں شریک ہوتے ہیں۔ مردہ دفن کرنے کو جمع ہوتے
ہیں جب بھی نماز پڑھتے ہیں۔ مینہ کے لیے دعا مانگنے پر بھی نماز پڑھتے ہیں عرب
کے قرب و جوار میں شمس پرستی کا مذہب تھا شمس ہی کو لوگ خدا جانتے تھے۔ رات کو
اس کا چھپ جانا عوام کے لیے اسکے زوال کی کافی نشانی نہ تھی۔ آفتاب و ماہتاب کے
غروب سے جو یو قری انکی خلیل اللہ سمجھے تھے لوگوں کے دل وہ سبق بھول گئے تھے
اس لیے مسلمان انہیں گھنہ گئے پر خدا کی پرستش کرنے تھے اور یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ

خالق عالم جس نے سورج کو اندھیرا کر دیا قابل پرستش ہے نہ کہ سورج کی فانی اور ذوال پذیر روشنی سورج گروہن اور چاند گروہن بیشک قدرت ایزدی کا ایک کرشمہ ہے۔ نہ وہ بھی اس تقرب میں پرستش کرتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ نہ وہ سورج اور چاند کی پرستش کرتے ہیں اور مسلمان اُس خدا کی پرستش کرتے ہیں جس نے اُنکی روشنی ماند کر دی اور دعا کرتے ہیں کہ خدا اپنے غضب سے بھوکو بچا۔

علاوہ ان نمازوں کے اور بہت سی نمازیں مسلمان اپنی خوشی سے بھی پڑھتے ہیں جنکو نماز نفل کہتے ہیں۔ فرض نمازوں کے آگے پیچھے بھی نفلیں پڑھتے ہیں۔ دوسرے وقتوں میں بھی جب جی چاہا پڑھتے ہیں روزہ میں بعد نماز عشا جماعت سے تراویح پڑھتے ہیں۔ مگر ان نفلوں میں سب سے اچھی نفل آدھی رات کے بعد والی ہے جسکو تہجد کہتے ہیں۔ اسلام میں سچائی نہیں رکھی گئی ہے۔ آدھی رات کو اٹھ کر تہجد پڑھنا اکثر دن بھر گن گزرتا ہے ایسے فرضیت کا حکم نہیں ہوا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد برابر پڑھتے تھے جن لوگوں کو تہجد پڑھنے کی عادت ہے وہ جانتے ہیں کہ اس میں جو نفع روح قلب کو حاصل ہوتی ہے وہ مفرحات جالینوس کھانے سے بھی نصیب نہیں ہو سکتی۔ رات کا ستارے ٹانگیں آسمان رستاروں کی قندیلیں۔ اُنکی ٹٹماتی ہوئی روشنی آسمان ہوا میں بکلی اور تازگی۔ باد صبا کی ابتدا۔ عالم سے گرد و غبار دفع۔ لبون کی جنبش سے جو کثافت دن کو ہوا میں پیدا ہو گئی تھی وہ سب دفع۔ زمین سے آسمان تک نور ہی نور۔ پھر اس وقت جو خدا کی نماز پڑھے گا۔ خدا کا راگ لگائے گا۔ یا اور طور پر خدا کو یاد کرے گا۔ وہی اس نزع سے واقف ہو سکتا ہے۔ پاؤں پھیلا کر سونے والے کیا جانیں کہ اُنکی مہوشی میں ہوش والوں نے کیا کیا۔

ہم نے اوپر لکھا ہے اور گلشن کی بھی ضرورت نہیں معمولی سمجھ کا آدمی ذرا غور کرنے سے خود معلوم کرے گا کہ خدا کی عبادت کا طریقہ ناز سے اچھا ہو نہیں سکتا۔ لیکن ہم خاص طور پر ناز جنازہ کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ ہندوؤں کے جنازہ کے آگے رام نام ست ہوگی اور بلند رہتی ہے۔ بعض مسلمان اس آواز سے عموماً گھبراتے ہیں۔ مگر اس پیار کے نام اور پیاری صدا سے ہم بہت خوش ہوتے ہیں۔ جنازہ کے ساتھ نقیب پکارتا جاتا ہے "رام نام ست ہو" اسی کو ذرا اور بڑھا کر قرآن میں خدا فرماتا ہے "کل من علیہا فان ویقی وجہ ربک ذی الجلال والاکرام" (دنیا کی سب چیزیں فانی ہیں مرنے والی ہیں جو صاحب جلال و اکرام ہے۔ بچائیں گی)۔ خلاصہ یہ کہ گو ہم رام نام ست کی آواز بہت پسند کرتے ہیں لیکن انصاف کے ساتھ دیکھنے کے بعد یہ ماننا پڑتا ہے کہ جنازہ کو سناٹے کے ساتھ اٹھانے میں اور سب مسلمانوں کے یکجا ہو کر ناز پڑھنے میں اور ناز پڑھنے کے بعد مردہ دفن کرنے میں جو شان پیدا ہوتی ہے وہ کہہ سکتے ہیں بدلنے سے پیدا نہیں ہوتی۔ جنازہ چلا ہر ایک سکوت میں ہے۔ سب کے چہرے پر عزت چھائی ہوئی ہے۔ چپ تفریق کی سی کیفیت ہے۔ پھر صف بستہ ہو کر ناز جنازہ پڑھی بعد ازاں سلام پھیر کر مردہ کو خدا کی حفاظت میں سونپ کر گھر واپس آئے۔ اس طرز میں رنگ ہی دوسرا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اپنے رب کی بچاؤ دلی ہی ایک قوم مسلمانوں کی ہے۔ شرع کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ۷ برس کی عمر میں لڑکوں کو ناز پڑھانا چاہیے اور دس برس کی عمر تک جو لڑکے ادھر راغب نہ ہوں انکو مار کر سنج قلم ناز پڑھانا چاہیے۔ ہر ملک اور ہر فرقہ میں لڑکوں کو عمدہ کام کے لیے مارنا روا ہے اور جب ناز کی تعلیم ایک عمدہ تعلیم اخلاق کی ہے تو اس پر زیادہ سختی کرنا بجا نہیں ہو سکتا۔ مکرم

ناز واد

ہو رہی

پیش

لڑی اور

پڑھتے ہیں

دوسرے

راج پڑھتے

تجدید کئے

نکاح کر رہی

تے تھے

قلب

ہو سکتی

الاسان

ش سے

ذری

یا کر لگایا

ن کہ

۲۰

یون بھی سمجھا سکتے ہیں کہ لڑکے جہاں اسکول میں لکھنا پڑھنا سیکھتے ہیں وہاں رکعت
جمناسٹک اور قواعد بھی سیکھتے ہیں اسکول سے نکل کر بلا کھربھاگ جائے اور قوام
میں شریک نہو اس پر تنبیہ ہیڈ ماسٹر کی رودا ہے اسی طرح بیچ وقت نماز میں مسلمان
بچوں کا مسجد میں نہ جانا۔ اولیاء کو یہ حق دینا ہے کہ وہ انکی تنبیہ کریں۔

فصل سنی ام

روزہ

روزہ (صوم) اسلام میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ دوسرے ادیان میں بھی تھا
اور ہے۔ عرب۔ شام۔ ارض روم۔ اور مصر کے انبیا برابر اسکی تاکید کرتے تھے
ہندوؤں کے مذہب میں بھی روزہ محکوم ہے۔ اس میں عذر کوئی نفع ہے جب ہی
اکثر شریعتوں نے اسے ردا رکھا ہے۔ چار فائدے اس میں گھلے گھلے ہیں اور ممکن ہے
کہ انکے علاوہ اور بھی ہوں۔

اول۔ سب سے بڑی نعمت خدا کی تندرستی اور ہوا کے بعد غذا اور پانی ہے
پھر اُسکے بعد عورتوں کی صحبت ہے۔ اور انہیں چیزوں کا صبح سے دن چھپے تک اپنے
اد پر حرام کرنا روزہ رکھنا ہے۔ یہ چیزیں نایاب نہیں ہیں بوقت حاجت بھی پاتے
ہیں اور باذرا پاتے ہیں۔ اور اسلئے وہ انکے اصلی مزہ سے نا آشنا رہتے ہیں
منعم کے شکر میں بھی بلا میں کبھی تنہا براے لذت دنیا زبان نہیں

جس خدا نے یہ نعمتیں بندوں کو دین وہ ضرور مستحق ہے کہ اُسکا شکر ادا کیا جائے
وہ کسی کے شکو کا بھوکا نہیں ہے لیکن ہمو شان عبودیت کا اظہار کرنا چاہیے خدا اسلئے
دائندہ راز خفی و جلی کا بھوٹا شکر یہ بھی زیبائیں۔ بھوک نہیں ہے جبراً تو تھرا کھانا

پیٹ میں ٹھونس رہے ہیں جی نہیں چاہتا دوسروں کے اہلکار سے کھاتے ہیں
اور الحمد للہ کہتے جاتے ہیں۔ خدا کا شکر کرنا ہے تو خدا کی نعمت کی قدر کر دو جب
نہایت ہی صادق اشتہا ہو تو کھانا کھاؤ اور پانی پیو کہ بُری سے بُری غذا تم کو اچھی
سے اچھی غذا معلوم ہو اور ہر بن مومن سے تمہارے خود بخود خدا کی احسان مند دی
اور شکر گزاری کا اظہار ہو۔

دوم۔ مشہور ہے کہ کھانا خوش ذائقہ نہیں ہوتا بھوکھائے خوش ذائقہ بتاتی ہے
ہر شخص عمرہ غذا کا طالب ہے اور دولت کے ساتھ عہدگی کے مدارج بڑھتے جاتے
ہیں۔ ناداری کی حالت میں حسینوں گوشت نہیں ملتا تھا اور حالت سدھرتے ہی
بکری کا گوشت دو دنوں وقت لئے لگا پھر اور زرقی ہوئی تو مرغ کا گوشت بھی دستر
خوان پر آنے لگا۔ اب معمولی مرغ کے گوشت کا مزہ بھی جاتا رہا۔ مرغ دانہ خور کی تلاش
ہوئی۔ گھر کے اندر ہی مرغ پالنے اور دانہ کھلانے کا سامان کیا گیا تھوڑے دنوں کے
بعد اسکا مزہ بھی ساقط ہو گیا۔ جو مزہ پہلے بازار کے معمولی گوشت میں تھا اب وہ
مرغ دانہ خور میں بھی نہیں ہے۔ اب یہ اسے ہوئی کہ مرغ اور مہیر کی بچنی مینا بچنے
اور اسمین بھی رفتہ رفتہ یہ تکلف ہوا کہ بجائے بچنی کے عرق بننا چاہیے جو بانی کی
طرح بی لیا جائے بالآخر عرق میں دانہ اسے اٹلو بھی شامل ہوئے اور بعد ہلنے
جواب دیا۔ اب دنیا کی کسی چیز میں مزہ نہیں۔ روزہ دار مسلمان ان کھڑاگ سے
برسی ہیں لہذا نماز مغرب معمولی روٹی کھانے والے اور مرغ دانہ خور کے کباب
کھانے والے دونوں اپنے کھانے میں پورا مزہ پاتے ہیں ایک دوسرے کے
کھانے پر برہیں نہیں ہے۔ ہر ایک اپنی حالت میں خوش ہے کھانے پینے میں

دورانِ رکعت
نے اور قرا
ن مسلمان

میں بھی تھا
تے تھے
ہے جب ہی
اور کچھ ہے

نی ہے
پنے اپنے
پاتے
تے ہیں

یا جائے
خدا سے
کھانا

جو فرد روزہ داروں کو ملتا ہے دوسرے اسکا اندازہ نہیں کر سکتے۔
 سوم۔ ہر مسلمان کو فوج کے سپاہیوں کی سی جفاکش اور مستعد زندگی رکھنا چاہیے
 دنیاوی کام جتنے ہیں سب میں محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر سال میں ایک
 مہینہ رمضان کا اس جفاکشی اور مستعدی کی مشافی کے لیے رکھا گیا ہے۔ دن
 کام کرنے کا وقت ہے اس لیے دن ہی میں روزہ فرض ہوا۔ مہندوں کی طرح
 رات کا روزہ مسلمانوں میں فرض نہیں ہے۔ آج کل انگریزی فوجوں میں ہندوستانی
 انگریزی سپاہیوں سے زائد مدد دینا اسکی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے لوگ
 کھانے پینے کا اہتمام کم کرتے ہیں۔ اور انگریزوں کی طرح یہ نہیں چاہتے کہ متعدد
 کبھی خالی نہ ہو۔ ہندوستانی سپاہی رات دن میں صرف دو مرتبہ کھاتے ہیں اور وقت
 بڑھانے تو ایکے تہ بھی نہیں کھاتے۔ مرہٹوں کی لڑائی میں بعض اہل الراے کہتے تھے
 کہ ان مرہٹوں سے جہاں بھی گئے ہوئے جنوں سے فوج اور گھوڑے دونوں کی غذا
 ہوتی ہے لڑنا آسان نہیں ہے۔ انگریزی آلات حرب اور قاعدہ فوجی میں یورپین
 سپاہیوں کو فوق ہے درمیکلف برداشت کرنے میں ہندوستانی سپاہی کمین بڑھے
 چڑھے ہوئے ہیں غرض کہ تکلیف برداشت کرنا سپاہیوں کا ایک جوہر ہے۔ دنیا کے تمام
 کاموں میں محنت اور جفاکشی لازم ہے جو شخص جفاکش اور محنتی نہیں ہے وہ گویا اپنی
 خلقت میں ناقص ہے۔ روزہ سے یہی مقصود ہے کہ لوگ بھوک کی تکلیف برداشت
 کرنے کے عادی رہیں۔ وقت آجائے تو گرسنگی انکے کاروبار میں ہارج نہ ہو۔
 ابھی حال میں ترکوں اور یونانیوں کی لڑائی ہوئی ہے۔ نصف صدی سے یورپین
 طاقتوں نے ترکوں کو قوم ہمارا کا خطاب دے رکھا تھا اس لڑائی نے ثابت کر دیا کہ

ترک ابھی تک اپنی حالت سنبھالنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ ترکوں نے اس لڑائی میں بڑی نمایاں فتح حاصل کی۔ اگر یورپ کی سلطنتیں بیچ میں نہ ہوتیں تو یونان ترکوں کے قبضہ میں آ جاتا۔ یورپ کے اسے زلزلے نے اس فتح کا سبب یہ لکھا ہے کہ گوسلان رسد کی کئی دو دنوں طرف تھی لیکن ترک روزہ رکھ کر لڑنے کے عادی تھے ان کے مقابلہ میں یونانی جو دن بھر کھانے پینے میں مصروف رہتے تھے ان کے لئے یہ ٹھہرنا مشکل تھا۔

چہارم۔ بردن کے تمام افعال بے کسی استثناء اور بغیر کسی امتیاز کے خوشامیونہ ہیں اس اعتبار سے انگریزوں کا پانچ چھ مرتبہ کھانا آج کل بہت پسند کیا جاتا ہے اور ہندوستان کے مسلمان اکل و شرب کی جدید تہذیب سے صوم کی روکھی سوکھی صورت کو محض اپنا کر اپنے خیالات پرانہ کر رہے ہیں۔ انگریز صبح اٹھ کر کافی پیتے ہیں پھر چائے کا کھانا (بیریک فاسٹ) دو بجے ٹفن یا لچ۔ شام کو ڈنر اور کبھی کبھی سونے وقت سپر یہ سب پانچ بجے ہوئے۔ انگریزی تعلیم پائے ہوئے نوجوان اس اندھا دھند کھانی کے سامنے صبح سے شام تک نہ بند کیے ہوئے بیٹھنے کو فوٹو دیکھتے ہیں اور بے فکر سمجھ جاتے ہیں۔ بیشک عادت طبیعت نانی ہوتی ہے جو شخص چھ مرتبہ کھانے کا عادی ہو وہ اگر دن رات میں صرف دو ایک مرتبہ کھائے تو ممکن ہے کہ طبیعت بے لطف ہو جائے۔ لیکن ایسی خراب عادت ہی کیوں ہو۔ خود کو اس قدر رکھانے کا پابند کرنا گویا ایک بڑی زحمت سر پر لینا ہے۔

کھانا طاقت پیدا کرنے کے لیے ہے نہ کہ وبال جان ہونے کے لیے۔ بار بار کھانے سے طاقت میں کوئی مدد نہیں ملتی ایک مرتبہ پیٹ بھر کر کھا لینا اور اس کا مضبوط

نی رکھنا چاہیے
میں ایک
ہے۔ دن
کی طرح
میں ہندوستانی
کے لوگ
کے کہ مسعدہ
اور وقت
کہتے تھے
دن کی غذا
یورپین
نہ ہوتے
کے تمام
وہ گویا اپنی
ت بردا
ج نہ ہو۔

یورپین
کے گرد ایک

کر لینا روزا بار بار کھانے سے اچھا ہے۔ یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ شکاری جانوروں کے
کھانے کا وقت معین ہوتا ہے اور مویشی رات دن چرا کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ پیٹ بھر
دیں بارہ گھنٹے کے لیے کھانا کھا لینا اس سے کہیں اچھا ہے کہ ہر تیرہ گھنٹے کچھ کچھ
مزدور کھایا جائے۔ بار بار کھانا طلبا بھی نامناسب ہے۔ انگریزوں کو روزا کھاتے ہیں۔
پیٹ بھر کر کھائیں تو بزرگوں کو صحت قائم نہ رہ سکے۔ طب یونانی کے رو سے غذا دو دن
میں تین مرتبہ کھائی جائے تو البتہ ہضم صحیح ہوگا۔ یعنی ہر سولہ گھنٹے کے بعد غذا کرنا مناسب
ہے۔ روزہ کے دنوں میں ملک اور موسم کے اعتبار سے پیٹ خالی رکھنے کا اور طرز
ہم اگھنٹہ ہوتا ہے۔ ۱۶ گھنٹہ سے ۲۰ گھنٹہ کم یہ خیال کرنا کہ روزہ سفر صحت سے بالکل غلط
ہے۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ روزہ سے صحت میں مدد ملتی ہے۔ صوم رمضان جذب
اخراج و رطوبت میں سہل کا کام دیتا ہے اور وعدہ کو خود بخود ہر سال درست کر دیتا ہے۔
یہ روزہ فاقہ کشی نہیں ہے۔ سہل ہے۔ چورن ہے۔ جوارش جالینوس ہے جسم
کی تمام بُرائیاں معدہ کے فساد سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس روزہ کے ذریعہ سے
معدہ درست رہتا ہے تو روزہ کو دبال جان نہ سمجھنا چاہیے بلکہ یہ خیال کرنا چاہیے
کہ حفظان صحت کا بڑا اصول اس روزہ کے ذریعہ سے اسلامی فوج اور اسلامی جماعت
میں قائم کیا گیا تھا۔

ہم یہ تسلیم کریں گے کہ آغاز صوم میں کبھی کبھی زکام یا دوسری شکایت ہو جاتی
ہے وہ بھی روزہ رکھنے سے نہیں بلکہ زائد تر افطار کی بے اعتدالیوں سے لیکن اس
نقص کے ساتھ جب وہ فواید دیکھے جائیں جو معدہ کے قوت ہضم بڑھانے کے متعلق
مترتب ہوتے ہیں تو یہ چھوٹی چھوٹی شکایتیں دوسرا شیطانی سے زائد درجہ نہ کہیں گی۔

پنجم انسان میں دو قوتیں متساوی ہیں قوتِ بہیمی اور قوتِ ملکوتی۔ ان دونوں کو اعتدال کے ساتھ رکھنا تکمیلِ انسانیت ہے۔ ہر مذہب کی غایت ان قوتوں کے اعتدال کا قیام رکھنا ہے۔ مذہبِ اسلام اتنا ہے کہ اس اعتدال کو مذہبِ اسلام ہی سب سے زائد نظر رکھنا ہے۔ نہ تو اسلام کا روزہ بہت سخت ہے۔ اور نہ ایسا ہے کہ خلوسے معدہ بھی نمونے پایا کہ دوسری غذا پہنچ گئی۔ یا صرف خاص خاص غذاؤں کا پرہیز ہو پھر تو وہ روزہ داری نہ ہوئی اسپتال کی تیار داری ہوئی کہ گوشت ردی کی جگہ دو دھڑ مقرر ہو گیا۔ غلہ کی جگہ صرف میوہ جات کھانے لگے۔ روزہ داروں کو صبح کے ناشتہ کے وقت ذرا سا خیال آب و دانہ کا ہوتا ہے پھر اس وقت کے گزر جانے پر اشتہاے کاذب جاتی رہتی ہے اور ایک قسم کی تفریح اور بدن میں نیکی معلوم ہوتی ہے۔

اندر وں از طعام خالی دل تادرون روزہ صرفت بینی

اسطرح قوتِ ملکوتی میں ترقی ہوتی ہے۔ تزکیہ نفس کا مقدمہ ہے شکم کو ہر وقت عشرِ عیار کی زمبیل نہ رکھنا۔ دہیہ کے بعد جو خاص لطف روحانی حاصل ہوتا ہے اسکو روزہ دار ہی جانتے ہیں اور بالخصوص وہ روزہ دار جو خوشی سے روزہ رکھتے ہیں۔ اسلام پر افطار صوم کا وقت تکلیف شروع ہونے کے قبل آجاتا ہو ضعف جسمانی جو مضر صحت ہو سکتا ہو پیدا ہونے نہیں پاتا۔ ایامِ روزہ میں علاوہ صحت جسمانی کی ترقی کے اخلاقِ حسنہ بھی ترقی کر جاتے ہیں۔ بیان اُن لوگوں کا تذکرہ نہیں ہے جنہوں نے فطری ضروریات کے علاوہ اپنی غلطی سے اپنے کو افیون یا تبا کو وغیرہ اشیائے منشی کا عادی بنا رکھا ہے اور اچھی خاصی حالت میں دائم المرض ہو رہے ہیں۔ ایسے لوگ روزہ میں غصہ بہت کرتے ہیں اور روزہ کے شاکی بھی رہتے ہیں لیکن ہے کہ ان لوگوں کو

ی جانور دن کے مرتبہ پٹ بھر کر گھسنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔

غذا و دودن

غذا کرنا مناسب

کا احتیاط

بالکل غلط

ان جذبے

تیار ہے

ہے جسم

سے

کرنا چاہیے

مادی عبادت

ہو جاتی

تین اس

سے متعلق

میں گی

وہ لطف محسوس ہو جو روزہ سے عموماً ہوتا ہے یا انکے اخلاق میں روزہ کی وجہ سے وہ ترقی نہ ہو جو ہونا چاہیے۔ مگر ان مستثنیات سے روزہ کے اصول میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ اسکی بہتری میں حرج آسکتا۔

فصل سی و یکم عبادات کے متعلق نصوص قرآنی

وضو اور تیمم

ایمان والو جب تم کو نشہ ہو تو جب تک اپنی بات نہ سمجھنے لگو نماز کے قریب نہ جاؤ اور ناپاک ہو تو بائستناہ حالت مسافرت کے بلا غسل کے نماز کے قریب نہ جاؤ۔ اگر تم بیمار یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی پایہ بخانے سے آئے یا عورتوں کو چھوے اور یا پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو۔ اپنے منہ اور ہاتھ پر مسح کرو۔ اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ سورہ نساء رکوع ۷۔

نماز

ایمان والو جب نماز کو اٹھو تو اپنے منہ اور گنہوں تک دو نون ہاتھ دھوؤ۔ الو۔ سوزن کو مسح کر ڈالو اور تنچون تک پیر دھوؤ۔ الو اور اگر جنب ہو تو پاک ہو جاؤ۔ اگر تم بیمار یا مریض ہو یا تم میں سے کوئی پایہ بخانے سے آئے یا عورتوں سے تم نے جماع کی اور یا پانی نہ ملا تو زمین پاک کا قصد کرو اور اپنے منہ اور ہاتھوں کو اس سے ملو۔ اللہ کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ تم تنگی ڈالے لیکن وہ یہ چاہتا ہے کہ تم کو

لے یا ایہا الذین امنوا اتقوا الصلوۃ وانتم ساری علی قلوبکم ان تقولون ولا جنبا الا عاری سبیل
یعنی تم قتل کرو ان کلمہ مرعی اد علی سفر و جارا حدیثکم من الخایط او لمستم النساء فم تجددوا
فیما مضی صعباً علیکم انتم و اولادکم و انکم یؤمنون اللہ کان عفواً غفراً

صلوة و زکوٰۃ

نماز پڑھو زکوٰۃ دو رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ سورہ بقرہ کو رکوع
صبر اور نماز سے استعانت چاہو۔ اس میں دشواری ہے مگر ان عاجزی کرنے
والوں کو نہیں جگاہ خیال ہے کہ اپنے رب سے انگوٹھا ہے اور اس کے
پایں پھر جانا ہے۔ سورہ بقرہ کو رکوع ۵۔

نماز پڑھو۔ زکوٰۃ دو رکوع کا رکوع اچھا کرو گے اللہ کیسے اسے پاؤ گے۔ مختار سے
کام کو اللہ دیکھتا ہے۔ سورہ بقرہ کو رکوع ۱۳۔

خیال رکھو اپنی نمازوں کا خصوصاً بیچ والی نماز کا۔ اور اللہ کے آگے ادب
سے کھڑے رہو۔ اگر تمہیں کوئی ڈر ہو تو پیادہ یا سواری پر چلتے ہوئے نماز پڑھو
اور بھر جب امن پاؤ تو اللہ کا شکر کرو کہ تمہیں جو معلوم نہ تھا اُسے سکھایا۔ سورہ بقرہ
رکوع ۳۱۔

تم ملک میں سفر کرو تو نماز کا فکر کرنا تم لوگوں کو نہیں ہے اگر یہ ڈر ہو کہ کافر تم کو تباہ کر
گے۔ بیشک کافر تمہارے صریح دشمن ہیں۔ اور جب تک (تو پیغمبر) مسلمان نہیں ہوا نماز کے لیے
انگوٹھا کرے تو چاہیے کہ ایک جماعت انکی تیرے ساتھ ہتھیار لیے کھڑی رہے
پھر جب سجدہ کر چلیں تو پیچھے ہٹ جائیں۔ اور پھر دوسری جماعت جس نے نماز نہیں
پڑھی تھی وہ آئے۔ اور چاہیے کہ اپنا بچاؤ اور اپنا ہتھیار ساتھ رکھیں۔ کافر چاہتے

۴۴ و اتقوا الصلوة و اتوا الزکوٰۃ و اركعوا مع الراکعين۔

۴۵ و استمعوا بالصبر و الصلوة و انسا کلبيبة الا على النفعين الذين يملكون انهم ملقا بهم و انهم اليه اجون

۴۶ و اتقوا الصلوة و اتوا الزکوٰۃ و اتقوا انفسكم من غير متدد عند الله ان يملكون الصبر

۴۷ حافظوا على الصلوة و الصلوة الوسطى و قد مر ان الله فشتين فان ختمتم فرجالا و اركعوا ثاقذا و انتم
فاذكروا الله كما علمكم بالعلم كنونوا قلمون۔

ہیں کہ تم کسی طرح اپنے ہتھیاروں اور اپنے اسباب سے غافل ہو تو وہ تم پر ٹوٹ پڑیں۔ تم کو مینہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے ہتھیار کو الٹو اور اپنا بچاؤ کرو۔ اللہ نے ذلت و لاعذاب کافروں کے لیے طیار کیا ہے۔ جب نماز پڑھو جبکو تو اللہ کو کھڑے بیٹھے اور لیٹے یاد کرو۔ اطمینان کی حالت میں نماز ادا کرو۔ بیشک یہ نماز مومنوں پر وقت مقرر کیا ہوا حکم ہے۔ انکا بیچا کرنے سے تم ہمت نہ اُرد اگر تم بے آرام ہو تو وہ بھی بخاری طرح بے آرام ہیں اور تمکو بوجہ اللہ سے ہے اُنکو نہیں ہے۔ اللہ دانا اور حکمت والا ہے۔ سورہ نسا، رکوع ۱۰۔

مسلمان وہی ہیں کہ جب اللہ کا نام لیا جائے تو اُنکے دل دہل جائیں اور جب آیات الہی اُنھیں مُسنائی جائیں تو اُنکے ایمان میں ترقی ہو اور ہر حال میں اپنے پروردگار پر ہر دم کریں۔ نماز پڑھیں اور جو ہم نے اُنکو دے رکھا ہے اُس میں سے خرچ کریں۔ سورہ انفال، رکوع ۱۔

دن کے شروع اور آخر اور اہل شب میں نماز پڑھو۔ نیکان گناہ و درکرتی بہین
ذکر کرنے والوں کے لیے یہ یاد دہاتی ہے۔ سورہ مہود رکوع ۱۰۔

١٤٥ واذا ضربتم في الارض فليس عليكم جناح ان تقصروا من الصلوة ان تعلموا ان وقتكم الذي انقضت ان يفتمكم الذين كفروا
 ان الكفر من الاوثان كما انكم عبدوا سميتا واذا كنتم فيهم فامسوا الصلوة فليكن طاعة منكم منكم
 ولياخذوا بصلواتهم فاذا سمعوا دافيكوا من وراءهم وبنات طاعة اخرى لم يعملوا فليعملوا
 مكاسب ولياخذوا حذرهم واصلحتهم والذين كفروا لو تعلمون انهم استطاعوا ان ينفعوك اية
 علمكم سيلة واحدة ولا جناح عليكم ان كان بكم اذى من مطر او كنتم من ان تقصروا اسلمتكم اذن
 حذرهم ان الله بعد الكفر من عذابا لئلا ينسوا فاذا قضيت الصلوة فانكروا المتقين وتوعدوا على
 حذركم فانوا اطاعتم فاقبوا الصلوة ان الصلوة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا ولا تتوا في افشاء
 النجوم ان تكفوا تالمون فانتم يالمون كما تالمون وترجون من الله ما لا يرجون وكان الله عليما حكيما
 ١٤٦ انما المؤمنون الذين اذا ذكر الله وجلت قلوبهم والى تكلمت عليهم ابتهزوا سمعا اما على رءوسهم
 الذين يقيمون الصلوة ومارزقهم ينفقون
 ١٤٧ واقرم الصلوة طريقا للمبارز وللفاسد السيل ان يحسن نية من السيات ذكركم في اللذاكرين -

آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نمازین پڑھا کرو اور صبح کو بھی نماز صبح کا وقت نور پھور کا وقت ہے۔ اور رات کے ایک حصہ میں تہجد بھی پڑھو۔ یہ تمہارے لیے نفل ہے۔ عجب نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہیں مقام محمود میں پہنچا دے۔ سورہ بنی اسرائیل رکوع ۹۔

اپنے گھر والوں کو نماز کی تاکید کرو اور اُسکے پابند رہو۔ ہم تم سے کچھ روزی نہیں مانگتے۔ ہم تمہیں روزی دیتے ہیں۔ اچھا انجام پر پہنچا رہی کا ہو۔ سورہ طہ رکوع ۸۔

ایسے لوگ صبح و شام اُسکی عبادت کرتے ہیں جنکو سوداگری اور خرید و فروخت خدا کے ذکر نماز کے پڑھنے اور زکوٰۃ کے دینے سے غافل نہیں کرتی۔ یہ لوگ اُس دن سے ڈرتے ہیں جب دل اور آنکھیں اولٹ جائیں گی۔ سورہ نور رکوع ۵۔ نماز پڑھو زکوٰۃ دو۔ رسول کی اطاعت کرو کہ تم پر رحم کیا جائے۔ سورہ نور رکوع ۲۱۔ پیغمبر یہ کتاب جو تمہاری طرف دی گئی ہے اُسکی تلاوت کرو اور نماز پڑھو۔ نماز بھی ملی اور ناشائستہ حرکتوں سے روکتی ہے۔ یاد خدا بڑی چیز ہے۔ اور جو تم کرتے ہو اللہ جانتا ہے۔ سورہ عنکبوت رکوع ۵۔

۱۱۱۱ اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق الیل وقران الفجران قران الفجر کان مشہوداً و من الیل
فستجیبہ نافعاً لک عسی ان یتخک ربک مقاماً محموداً۔
۱۱۲ دامر الملک بالصلوٰۃ و اعطیہ علیہا لایحکام رزقا سخن نزلتک و العاقبۃ للمتقین۔
۱۱۳ فی ہیئت افون الشہ ان ترغ و ینکر منہا اسمہ یسیر لہ فیہا بالغد و الاصال رجال لا ینہم تجارۃ
و لا بیع عن ذکر اللہ و اقام الصلوٰۃ و ایتار الزکوٰۃ بخافون لہ یستقلب فیہ القلوب و الا بصار۔
۱۱۴ و اقبوا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ و اطیعوا الرسول لعلکم ترحمون۔
۱۱۵ اتل ما دحی الیک من الکتاب و اقم الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ تنہن عن الفحشا و المنکر و لا تکلوا
اکبر اللہ لعلم ما یفعلون۔

باب چہام

شخصی معاملات اور ضابطہ عدالت

فصل سی و دوم

شرکت کاروبار

انسان اپنی خلقت میں ایک دوسرے کا محتاج پیدا ہوا ہے۔ بنی نوع انسانی کو باہم مل جل کر کام کرنا ناگزیر ہے۔ کوئی قوم کوئی فرقہ کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں چند آدمیوں کا ایک دل ہو کر شرکت باہمی سے کاروبار کرنا محمود نہ خیال کیا جاتا ہو۔ یہی شرکت کبھی اتفاق کے لفظ سے تعبیر کی جاتی ہے۔ بہر حال یہ تسلیم ہے کہ دنیاوی کاروبار میں ایک انسان کا دوسرے انسان سے مدد مانگنا یا بہ شرکت اسکے کام کرنا لابدی ہے۔ اب بحث یہ ہے کہ کن کن امور میں شرکت مناسب ہے۔

اعظم امور میں شرکت کے نفع یا اسکی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور کوئی کر کیا جائے۔ جب دنیا میں کوئی فرد بشر اس سے بے نیاز نظر نہیں آتا۔ گفتگو صرف یہ ہو کہ خانگی امور میں بھی شرکت نفع بخش اور سائیش رسان ہو سکتی ہے۔ یہاں شرکت سے مراد ایک کا دوسرے سے مدد حاصل کرنا نہیں ہے۔ ورنہ یہ حالت تو کسی صورت میں مستغنی نہ سمجھی جاسکتی اور نہ کوئی شخص اپنے گود و مردن کی اعانت سے کسی حالت میں مستغنی کہہ سکتا۔ ہم نا مذہب و کی شرکت سے بحث کرتے ہیں اس شرکت میں جہاں سیکڑوں فائدے ہیں وہاں ہزاروں مضر تین بھی ہیں۔ اسکی بدولت بعض اور حسد کو ترقی ہوتی ہے۔ خانگی تجارت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اتفاق کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ ایک دوسرے پر تکبہ

رم فضل سی و دوم

صبح کو کھجی

برجی پڑھو

میں پہنچا

پچھ روزی

سورہ طہ

یزد فرخت

یہ لوگ اس

ع ۵۰

نور کو

نماز عجمی کی

تے ہوا

ن الیل

سیم تجارت

بھار

روڈ کلا

کرنے لگتا ہے۔ اس لیے ہمت اور جفا کشی سلب ہو جاتی ہے۔ آدمی نکما ہو کر رہ جاتا ہے۔
ان سب باتوں پر نظر ڈال کر یہ بات مستحسن خیال کی گئی ہے کہ خانگی اور جزوی معاملات
میں شرکت سے گریز کیا جائے۔ قومی باتوں میں۔ اہم معاملات میں یا ایسے کام میں
جبکہ عوام سے تعلق ہو شرکت بیشک نفع بخش ہوتی ہے۔ بلکہ انسانی ترقی کا مدار اسی
پر ہے۔ لیکن خانگی معاملات میں اس سے جتنا نفع حاصل ہوتا ہے اُس سے کمین
زیادہ رحمتیں اٹھانا پڑتی ہیں۔ تمام عالم کے باشندوں کے طرز تمدن پر نظر ڈالنے
سے معلوم ہوتا ہے کہ دانشمند قومیں اپنے خانگی معاملات میں شرکت سے بہت زیادہ
اجتناب کرتی ہیں اور اس قسم کی شرکت کو اُمّ الخباثت جانتے ہیں۔ انگریزوں کو دیکھیے
کہ وہ اپنے خاندان والوں سے کس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ اپنے بچے بچاؤ بھتیجے
سے شرکت رکھنا کیسا وہ حتیٰ الوسع یہ چاہتے ہیں کہ باپ بیٹے بھی یکساں نہ ہوں۔ بیٹے
ذرا ہوشیار ہوئے کہ کسی بوڑنگ پوس بین داخل کیسے گئے۔ وہ ان سے نکلے تو فکر
معاش میں پڑے مگر باپ سے بالکل الگ ہو کر معیشت کی صورت بندھی تو گھر بٹنے
کی سوچھی لیکن وہ بھی کبھی کبھی باپ سے بھی استعزاج کیسے بنے۔ انہیں باپ بیٹے کی یکجائی
کا زمانہ بہت مختصر ہوتا ہے۔ جب تک بیٹا خود معاش پیدا کرنے کے قابل نہ ہوگا باپ کا
بھوکون مرنے کو ارا نہ کرے گا خرچ سے ضرور مدد دے گا۔ لیکن یہ نہ ہوگا کہ بیٹے باپ کے
ساتھ سکونت اختیار کریں اور اس طرح باپ کی آزادی میں خلل والین۔ یہاں اُن
حالتوں کا تذکرہ نہیں ہے کہ باپ اپنے کسب معاش یا اجراء سے پیشہ میں دسویں لاکھ
یا سو اثنین کا محتاج ہو اور اس غرض سے وہ اپنے بیٹوں کی معیشت مزج تصور
کرے۔ اس قسم کی یکجائی ممالک یورپ میں بھی دیکھی جاتی ہے۔ مگر اس طور پر بیٹے

اور باب کی شرکت دہین تک قائم رہے گی جہاں تک غرض مشترک کو تعلق ہے اس کے خانگی معاملات بھر بھی علیحدہ علیحدہ ہونگے۔

اگر نیردن میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کے پاس کسی منصفی کام کے انعام میں دینے کی غرض سے نہیں) اگر ٹھہر گیا تو چلتے وقت خالصاں نے خرچ خوراک کا بل پیش کر دیا۔ ہم لوگوں کا طرز تمدن اسکو بہت ہی کمزور بتاتا ہے۔ لیکن فی الواقع یہ ہماری بھول ہے اس میں کوئی رستکارہ نہیں۔ یہ معاملہ کی صفائی ہے جب تک ہم خود اپنے وقت باز دے کاتے ہیں دوسرے کا احسان کیون لین۔ یا جب کوئی ہماری نجف شون کا محتاج نہیں ہے تو ہم اس کے ساتھ کیون سلوک کریں۔ ستائیت اور ہدایا کا بھیجنا۔ خاندانہ سمان ہونا یہ دوسری باتیں ہیں جسے محبت کو ترقی ہوتی ہے۔ لیکن جب ہم کسی دنیاوی کام کی غرض سے کہیں آئیں تو کیا فرد کا کہ کسی عزیز کے گھر ہی ٹھہر کر کوئی دوسری جگہ ٹھہرنے کے لائق سمجھنا نہ آئے اور اس لیے اپنے کسی رشتہ دار کے پاس جاؤ تو ترین تو یہ کیا کہ خواہ مخواہ اس پر اپنے خرچ کا بار بھی ڈالیں۔

ہندوستان میں شرکت کا معاملہ بالکل بڑا ہے۔ اب تو کچھ ترسیم ہو چکی ہے۔ ورنہ پہلے تین تین اور چار چار شپتین گڑ جاتی تھیں مگر خاندان کی حالت مشترک ہتی تھی۔ کبھی کبھی ممبروں کی تعداد سیکڑوں تک پہنچ جاتی تھی لیکن کاروبار مشترک رہتا تھا۔ خاندان میں ایک ہی شخص امام یا پیشوا ہوتا تھا باقی سب منصفی ہوتے تھے یا نیم غلام ہوتے تھے۔ اس قسم کا طرز تمدن بیشک مصلحتوں پر نظر ڈال کر اختیار کیا گیا تھا۔ مصالح سے سہکوا سو وقت گفتگو نہیں ہے۔ کنایہ ہے کہ نفع سے فرار ہوا

ہوا ہے۔ ہندوستان میں آزادی بہت کم ہے۔ یمنین بہت۔ طبین بھی ہوئیں۔
 خیالات محدود۔ دل غلاموں سے بھی زیادہ کمزور لوگ کہتے ہیں کہ ہندوستان کی
 آب و ہوا کا یہ اثر ہے۔ ممکن ہے کہ ایسا بھی ہو لیکن ان برائوں کے پیدا کرنے میں
 یہ طرز تمدن ضرور شریک غالب ہے۔

عربوں کے اصول بھی اگر نردن سے ملتے جلتے ہیں وہ اپنے خانگی کاروبار میں
 کسی کی شرکت پسند نہیں کرتے "مال عرب پیش عرب" اپنا مال اپنے قبضہ اور اختیار
 میں۔ ایک کو دوسرے سے لگاؤ نہیں۔ حتیٰ کہ زن و شو کے درمیان بھی مال دولت
 اور اثاثہ کی تفریق ہوتی ہے۔ اس برتاؤ کے اثر سے جو سچی خوشی۔ سچی آزادی اور
 بے فکری (جو کہ لطف زندگی کہتے ہیں) عربوں کو اس گئی گزری حالت میں بھی
 حاصل ہے وہ بیان کرنے کی چیز نہیں ہے۔ بلکہ آنکھوں سے جا کر دیکھنے کی
 چیز ہے۔

برٹش عدالتیں ہمیشہ ملکی رسم و رواج کی پابند ہوتی ہیں۔ ہندوؤں میں شرکت
 خاندانی اس درجہ عام ہے کہ ممبران خاندان ہندو کی نسبت قانونی قیاس شرکت
 کا قیام ہوتا ہے اور خاندان کا تقسیم ثابت کرنا اس فریق کے ذمہ ہوتا ہے جو الپ
 بیان کرے۔ یہ اصول ہمارے نزدیک بہت زیادہ ترقی کا مانع ہے۔ تجارت کرنے
 لو کو کسی کرنے یا کسی اور اعلیٰ ذریعہ سے غیر ملکوں کا سفر کر کے دولت پیدا کرنے میں
 ہر سمجہ دار کو یہ خطرہ ہو سکتا ہے کہ اسکی محنت میں حصہ لینے کی غرض سے وہ لوگ اٹھ
 کھڑے ہوں گے جو چھپرے بھائی یا اس سے بھی دور کے رشتہ دار ہیں۔

ہند کے مسلمانوں نے بھی اپنے پڑوسیوں کا طرز تمدن اختیار کیا اور انہیں

بھی اس قسم کے شوق اور خیالات بہت زیادہ پھیل گئے۔ اگر ایک شخص ذرا فارغ
 البال ہے تو تمام کتبہ کا اسپر بار ہے۔ وہ فورتی کرنا چاہتا ہے مگر کتبہ پر دوسری کا بوجھ
 ہے کہ اسے ابھرنے نہیں دیتا ہے۔ لوگ اس قسم کے سلوک کو نہایت متحسین سمجھتے
 ہیں اور فلس اعزہ اپنے اس استحصال بیجا کو عیب نہیں سمجھتے۔ لیکن ہمارے
 نزدیک نعم اور نعم کہ دونوں برسرِ خطا ہیں۔ اگر ہر کوئی مالدار کو سے تو دوسروں پر احسان
 کرنا اقتضا سے شکران نعمت ہے۔ لیکن گفتگو یہ ہے کہ احسان کا پیرا یہ ادشکران
 نعمت کا طریقہ کیا ہے۔ کوئی غریب بھائی ہمارا ہو تو ہو کہو چاہیے کہ اس کے لیے
 کاشتکاری کا بندوبست کرادیں۔ بیل مول لے دیں۔ کھیت ٹھہرا دیں۔ گھر۔ اثاثہ
 اور کچھ دنوں کے کھانے کا سامان مہیا کرادیں اور پھر اس سے کہہ دیں کہ تم اگر اپنے
 بال بچوں میں آزادی کے ساتھ بسر کرو۔ اگر وہ اس ڈھب کا نہیں ہے نہ جدت کا
 سخا ہمنہ ہے یا کسی حرفت و صنعت کی طرف اس کی طبیعت راغب ہے یا نوکری کرنا
 چاہتا ہے تو دیسا سامان کر دیں۔ اگر سچ پوچھیے تو سچے سلوک کی یہ سب صورتیں
 ہیں۔ باقی رہی مردجہ صورت۔ وہ ہمارے نزدیک نہ سچی سخاوت ہے نہ پوری ہمدردی
 بلکہ ایک قسم کی ریاکاری اور خاصی فرعونیت ہے۔ کوئی غریب بھائی مدد کے لیے
 آیا اس کا کھانا مقرر کر دیا۔ دونوں وقت وہ ”گس خان اغنیا بودن“ کا مصداق ہو
 لوگوں میں مشہور ہے کہ فلان رئیس کے دسترخوان پر بیسیوں آدمی ردی کھاتے ہیں
 تمام کتبہ کا بار اس کے سر پر ہے۔ نام تو بہت بڑا پایا لیکن فی الواقع جو کچھ کیا اپنی خود غرضی
 سے۔ یہ جتنے گھر میں بھرے ہوئے ہیں غلام سے بھی بدتر حالت میں ہیں اور
 نوکروں سے بھی زیادہ کام کرتے ہیں۔

ہم مختلف پیرایہ سے ثابت کر سکتے ہیں کہ شرکت بسا اوقات بجاے نفع کے مفرت ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ بحث چنداں محتاج ثبوت نہیں ہے۔ کم و بیش سب ہماری تحریر سے اتفاق کریں گے۔ اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اس شرکت کے مسئلہ نے انگریزی عدالتوں یا انگریزی انصاف پر کیا اثر ڈالا۔

ایک تو بندہ خاندان مشترکہ کی صورت ہے۔ کبھی تو پیشوا سے خاندان دوسرے کمزور ممبروں کی حق تلفی چاہتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بے تعلق اشخاص اپنے معمول رشتہ داروں کی کمسور جائداد میں حصہ لینے کی غرض سے اسے خواہ مخواہ اپنا پیشوا ٹھہراتے ہیں۔ دیوانی اور فوجداری کے مقدمات کی سلیں الٹی جائیں تو تہ معلوم کتنے مقدمہ ایسے لکھیں گے جنکی بنیاد میں سے شروع ہوئی ہو۔

دوسری صورت اشتراک کی یہ ہے کہ اکثر دیہات کی پٹی داریاں مشترک ہیں لمبہ دار یا زبردست حصہ دار چاہتا ہے کہ آسامی اسی کے اختیار میں رہے۔ دوسرے حصہ داروں کا وہ خواہ مخواہ منجر بنا رہے جتنے ہیں سب اسکے دست نگر رہیں۔ ادھر دوسرے کمزور حصہ دار ہیں کہ اپنا رنگ ملیجہ جمانا چاہتے ہیں اور یہی آگے چل کر سب ٹھہرتا ہے نفاق کا۔ اگر غور سے دیکھیے اور کل نزاعات کے ابتدائی اسباب پر نظر ڈالیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جتنے مقدمات دیوانی۔ فوجداری اور کلکٹری عدالتوں میں دائر ہوتے ہیں انہیں سے نصف اسی پٹی داری مشترک کے سبب سے قائم ہوتے ہیں۔ ان دفتروں کے مٹانے کے لیے تقسیم کا ایک جارہ کار قانونی ہے مگر اسکی کارروائی میں تاخیر اتنی ہوتی ہے اور فریق متوکل کو جائز ناجائز کارروائی کے مواقع اتنے ملتے ہیں کہ کمزور شرکت تقسیم کے نام سے گھبراتے ہیں کیونکہ تقسیم کے قبل جبری

سچی حصّہ داری کی صفت قائم بھی رہتی ہے۔ مالگاری گھر سے دنیا نہیں پڑتی۔
تقسیم میں کمین بنجر اور ناقابل زراعت زمین حصّہ میں آئی تو سرکاری مالگاری بھی گھر
سے دینا پڑے گی۔ گو اس قسم کے معاملات بہت کم ہوتے ہیں مگر در حصّہ داروں کے
لیے تقسیم سے ابھار کوئی چارہ کار نہیں ہے مگر نا سمجھ لوگ اس عمدہ چارہ کار کے اختیار
کرنے سے بہت زیادہ گریز کرتے ہیں اور ایک سیدھی راہ کے بھولنے سے ایسے
ایسے نقصان اٹھاتے ہیں کہ ناگفتہ بہ۔

بیان تک تو شرکت کاروبار کی خدمت ہی خدمت بیان کی گئی۔ اب کچھ اُسکی
بھلائیوں بھی لکھنا چاہیے۔ شرکت کاروبار صرف خانگی معاملات میں یا تجارت میں ہوتا
ہے ورنہ بڑے معاملات میں شرکت ہی ایک ایسی چیز ہے جس پر کامیابیوں اور ترقیوں
کا مار ہے۔ یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ جتنا ہی ہم کو چھوٹے معاملات میں شرکت کا شوق
ہے اتنا ہی بڑے بڑے معاملات میں شرکت سے نفرت ہے۔ ہر جانتے ہی نہیں
کہ بڑے بڑے معاملہ میں شرکت سے دنیا کی دوسری قومیں کیا کیا منافع اٹھاتی ہیں
ہندوستان میں مشترک کاروبار کی ایک بہترین یادگار موجود ہے کہ ایسٹ انڈیا
کمپنی نے ہندوستان کی حکومت اسی ذریعہ سے حاصل کر لی۔ لیکن ہم سے کبھی یہ
نہوگا کہ کوئی کوٹھی شراکتی قائم کر کے کچھ اپنا جوہر دکھائیں۔ انگریزوں کے صفحہ چڑھانے
کو ہندوستان میں بھی سیکرٹوں ملٹیڈ کمپنیاں قائم ہو گئیں۔ لیکن کامیابیوں زیادہ تر
انھیں کمپنیوں کو ہوئیں جو انگریزوں کے ہاتھوں میں یقین یا جنہیں شریک غالب ہیں
تھے۔

اب ہم یہ دکھاتے ہیں کہ شرع محمدی نے ان دونوں قسموں کی شرکتوں کی نسبت

نفع کے

بیشرب

شرکت

دوسرے

ہے

مخو

میں

میں

حصّہ

مرد

ٹھہرتا

یہ

میں

ہے

کی

واقع

میں

کیا بتایا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ عالمی معاملات کی شرکت اسلام نے بہت زیادہ
 ناپسند کی ہے اسکے ثبوت میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا برتاؤ سند
 میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ آنحضرت کے متعدد ازواج مطہرات تھیں جن میں سے
 ہر ایک کے مکانات جدا تھے اور کھانے پینے کا سامان بھی علیحدہ تھا۔ باری باری
 سے آنحضرتؐ ازواج مطہرات کے گھروں میں شب باش ہوتے تھے اور خود آنحضرتؐ
 کا قیام بھی اپنے ازواج کے گھروں میں گویا بطور مہمان کے ہوتا تھا لیکن آنحضرتؐ کی
 چیزوں اور ازواج مطہرات کی چیزوں میں امتیاز کیا جاتا تھا۔ اور ہر ایک کو اپنے اسباب
 میں آزادانہ حقوق حاصل تھے۔ اسکے بعد حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے ساتھ جو
 برتاؤ آنحضرتؐ کا تھا وہ بھی قابل لحاظ ہے۔ حضرت علیؓ بچا زاد بھائی آنحضرتؐ کے
 تھے اور آنحضرتؐ نے نفل فرزند کے انکی پرورش کی تھی۔ حضرت علیؓ کے مان باپ
 مرچکے تھے سوائے آنحضرتؐ کے کوئی دوسرا انکا مربی نہ تھا۔ آنحضرتؐ نے جب
 اپنی جنتی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو انکے ساتھ بیاہا تو حضرت علیؓ سے انکا اثنا بکوار بیلے خانہ
 دار تھی کا سامان عیا کر دیا تب کہیں حضرت فاطمہؓ کو انکے حوالہ کیا۔ آنحضرتؐ کو بیٹی
 اور داماد کی رودنی دہ بھرتی بلکہ محض اپنے طرز عمل سے یہ تعلیم کرنا مقصود تھا کہ شادی
 کرنے کے بعد زن و شو اپنے کنبہ سے علیحدہ ہو کر رہیں گے جب ہی وہ آزادی کا فخر
 اٹھائیں گے اور دین و دنیا کے فائدے حاصل کر سکیں گے۔ مزید توضیح کے لیے
 ”آفتہ اسلامی“ فصل نوزدہم کتاب ہذا پڑھنا چاہیے۔ لیکن اسکے ساتھ ہی بڑے
 بڑے امور میں مسلمانوں کے اشتراک پسند کرنے سے ظاہر ہے کہ پیغمبر اور بعد پیغمبر
 کے خاندان سے ارباب کل بلاد اسلام کے تہنانشاہ تھے۔ معاویہ اور حضرت علیؓ کی

چند روزہ لڑائیوں میں نظر انداز کی جائیں تو بنو امیہ بھی تنویر سے قریب تمام بلاد
اسلام پر تہنا قابض تھے۔ فرانس سے لیکر ہندوستان اور تاتار تک جہاں اب اس
تہذیب کے زمانہ میں بھی بیسویں شاہنشاہ جد اجد حکومت کرتے ہیں تنہا بنو امیہ
حکمران رہے۔ بنو عباس بھی شروع شروع میں تمام بلاد اسلام پر تہنا قابض تھے کچھ دنوں
کے بعد اندلس نکل جانے پر بھی تمام افریقہ اور ایشیا کے بلاد اسلام پر اپنے عروج کے
زمانہ میں تنہا بنو عباس کی حکومت تھی۔ ان حکومتوں کو یون سمجھے کہ بادشاہ کوئی
چیز نہیں ہوتا۔ اراکین دولت حکومت کی جان ہوتے ہیں۔ مشرق سے مغرب تک
جتنے اراکین دولت تھے وہ نسل عرب سے تھے۔ باپ دادا سے وہ سبق سنتے
آئے تھے جس میں رسول اللہ نے اہم کاموں کو بالاتفاق انجام دینے کی بابت تاکید
کی تھیں یہ اسی سبق کا اثر تھا کہ جب تک مسلمانان عرب باحکومت تھے کبھی انکو یہ خیال
بھی نہیں آیا کہ وہ علیحدہ علیحدہ حکومتیں کریں لیکن وہی ملک جب دوسری قوم کے
حاکموں اور گورنروں کے ہاتھ آیا تو وہ شرکت کے برکات نہ سمجھ سکے اور جا بجا خود
منتخارانہ روش اختیار کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ یہ بھی واضح رہے کہ جب تک
سلطنت عربوں کے ہاتھ میں تھی بادشاہ سلطنت کو کاروبار شرکت سے بڑھ کر کوئی
چیز نہیں سمجھتا تھا اور نہ خود کو کوٹھی شراکتی کے بنجر سے بڑھ کر جانتا تھا اور یہی وجہ ہے
کہ تمام یورپین موترخ بالاتفاق کہتے ہیں کہ دنیا کی شہنشاہی عربوں سے ابھی کسی نے
نہیں کی۔ سلاطین اسلام نے زمانہ مابعد میں جو حالت اختیار کی وہ اس طرز سے
بالکل جدا گانہ تھی جس پر سلاطین عرب قائم تھے اور یہی وجہ روز بروز ان کے اخطا ملکی ہوئی
غرض کہ میں طرح اس وقت دنیا کی زندہ قومیں خانگی معاملات میں شرکت ناپسند کرتی تھیں

اور بڑے بڑے کاموں میں شرکت کی دلدرا رہیں۔ یہی کیفیت تمام مسلمانوں کی تھی
عروج میں تھی۔ رہے نام اللہ کا۔ "کل من علیہا فان" وہی دھربک ذوالجلال
والاکرام۔

فصل سی و سوم

توریت

نکاح اور وراثت یہ دو باقیں اختتام عالم قائم رکھنے کے لیے نہیں تو تمدنی حالت
کو اعلیٰ درجہ پر رکھنے کے لیے بہت ہی اہم ہیں۔ مسلمانوں کو اس پر ناز تھا کہ ان دو چیزوں
پر ان کے قانون اتنے عمدہ اور محکم اصول پر قائم ہیں کہ اپنا نظیر نہیں رکھتے۔ "ناز تھا"
کا یہ مطلب ہے کہ اب اس پر ناز نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس خود منہر کے مسلمانوں
کا تو یہ خیال ہے کہ خدا نے اگر قرآن میں کچھ غلطی کی ہے تو وہ انہیں مسکون کے متعلق
کی ہے۔ ہمارے نزدیک جن لوگوں کے خیالات ایسے ہوں وہ ہرگز ہرگز مسلمان
نہیں ہیں۔ ہم مسلمان ہو کر شراب پیتے۔ بد اخلاقی کے مرتکب ہوں۔ سود کھاتے ہیں
اور دل میں سمجھیں کہ ہم بُرا کرنے ہیں تو ہم صرف گنہگار ہیں دائرہ اسلام سے خارج نہیں
ہوئے لیکن اسکے ساتھ اگر ہم یہ خیال کریں کہ شراب ایسی پاک اور عمدہ چیز قرآن میں
"من عمل الشبھان کفی گئی ہے۔ یہ تو مبرا سے مناسب ہے۔ زنا کرنے والوں کے
لیے جو سخت سزا قرآن میں لکھی ہوئی ہے ہرگز مناسب حال نہیں ہے۔ سود کھانے
کو اکلنا رکھا ہے۔ یہ بالکل ہی مصلحت عامہ کے خلاف ہے۔ تو ہمارا یہ سوچنا یہ جتنی سبک
کرے گا کہ قرآن کے احکام موجودہ زمانہ کے موافق نہیں رہے۔ اب ایک دوسرا
نئی اور ایک دوسری کتاب نازل ہونا چاہیے جو موجودہ ضرورتوں کو سمجھے اور موجودہ

حالت کے موافق ہو۔ جب ہمارا یہ اعتقاد اپنے مذہب اور اپنی مذہبی کتاب کی نسبت ہوا تو ہم مسلمان کہان رہے۔ اقرار باللسان صرف ایک منافقانہ فعل رہ گیا۔ تصدیق باقلب کہان رہی۔ اور ہم بے اسکے مسلمان کس طرح ہوئے۔ قرآن کو دل سے ناپسند کریں اور اسکے حکم کو خلاف مصلحت جانیں اور پھر مسلمان کے مسلمان بنے رہیں۔ اچھا اسلام ہے۔

ابتداءً اسلام میں ایک یہودی اور ایک مسلمان میں کچھ جھگڑا ہوا۔ یہودی آنحضرت محمد کو رسول اللہ نہیں ماننا تھا۔ لیکن اُن کو ایک اچھا نصف تسلیم کرتا تھا۔ مسلمان نام کا مسلمان تھا۔ لیکن دل سے منافق تھا۔ اُس خاص جھگڑہ میں وہی برسرِ خطا تھا۔ اسلئے اُسے کسی نصف مزاج کی بھی ضرورت نہ تھی۔ یہودی نے آنحضرت کو فیصلہ کے لیے ثالث مقرر کیا۔ مسلمان اس خیال سے راضی ہو گیا کہ شاید مذہبی خیال سے آپ میرے موافق فیصلہ کریں گے۔ جب آنحضرت نے اُس منافق مسلمان کے خلاف فیصلہ کیا تو وہ راضی نہ ہوا اور عمر بن الخطاب کے پاس یہودی کو بلوالایا اور چاہا کہ یہاں سے دوسرا فیصلہ اپنے موافق صادر کرائے۔ عمر بن الخطاب کو جب معلوم ہوا کہ یہ مسلمان برسرِ خطا ہے اور پیغمبرِ خدا کے فیصلہ کو غلط سمجھ کر تجھ سے اسکے خلاف اسید رکھتا ہے تو وہ اندرِ مکان کے چلے گئے اور تھوڑی دیر میں ننگی تلوار لیکر نکلے اور اُس منافق کو قتل کر دیا اور کہا یا اب حق اور باطل میں فرق ہو گیا۔ زبانی فیصلہ سے یہ مردِ دُکھی راضی نہ ہوا۔ اسی واقعہ سے حضرت عمرؓ کو الفاروق خطاب دیا گیا۔ مسلمان ہو کر جو توریت کے متعلق تھوٹی تدبیریں سوچتے ہیں اور احکامِ خدا اور رسولؐ کی قدر نہیں کرتے وہ خود بھیجیں کہ زمانہ رسولؐ میں وہ کیا سمجھے جاتے۔

نکاح کے متعلق جو خوبیاں مذہب اسلام میں رکھی گئی ہیں انکا بیان فصل ۳۸
د نکاح "میں ہوگا۔ یہاں صرف مسائل توریت اور انکی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں۔

آیات قرآنی

"مان باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں مردان کا حصہ ہے اور اسی طرح عورتوں
کا بھی ٹھوڑا حصہ مان باپ اور رشتہ داروں کے ترکے میں حصہ ہے اور ٹھوڑا حصہ ہے
تقسیم ترکہ کے وقت رشتہ دار یتیم اور مساکین آسودہ ہون تو انکو بھی آسین سے کچھ دیدیا
کر د اور نرمی سے گفتگو کرو۔ سورہ نسا رکوع ۱۔

"تمھاری اولاد کے حق میں اللہ بتاتا ہے کہ مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ
دیا جائے۔ اور اگر عورتیں ہی ہوں تو دو سے زیادہ کو ترکے کی دو تھائی۔ اور اگر
ایک ہو تو اسکو آدھا۔ یتیم کے مان باپ میں سے ہر ایک کو اگر اس یتیم کے
اولاد ہو) ترکے کا چھٹواں حصہ۔ اور اولاد نہ ہو اور مان باپ دونوں وارث ہوں تو
مان کو ایک ثلث۔ اور یتیم کے بھائی بہنیں ہوں تو مان کو ایک سہ۔ ترکہ کی
تقسیم ادا سے وصیت (اگر یتیم نے وصیت کی ہو) یا قرض کے بعد ہے۔ تم نہیں
جانتے کہ تمھارے باپ اور بیٹوں میں سے کون تلکو زیادہ نفع پہنچائے گا۔ اللہ کی
طرف سے حصے مقرر ہیں کہ وہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اگر تمھاری بیبیاں اولاد
نہ چھوڑیں تو تلکو نصف ترکہ ملے گا۔ اور اولاد ہو تو چوتھائی۔ ترکہ کی یہ تقسیم ادا سے وصیت
(اگر یتیم نے وصیت کی ہو) یا قرض کے بعد ہے۔ اور تمھارے ترکہ میں تمھاری

لہ لاجال نصیب ما ترک لوالدان والاقریون ولفنا نصیب ما ترک لوالدان والاقریون مائل من ذلک نصیباً
مرفوضاً واذ حضر لقتلوا القری ولبنی ولبسکین فارز قومہ من ذلک واما قدامہ واما

نجی دید۔ ہر چیز اللہ کے پیش نظر ہے۔“ سورہ نسا ۵۷۔

”یعنی ہر لوگ تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں تو کہہ دو کہ اللہ کلام کے بارے میں حکم کا آدھا اور بہن لاد لہ مرد کا دھرم جادے اور اسکی بہن موجود ہو تو بہن کو اس کے ترکہ تو دونوں کو ترکہ کا ڈیڑھ ملے گا اور اگر بھائی بہن ہوں کچھ مرد اور کچھ عورتیں تو دونوں کے برابر ایک مرد کا حصہ ہوگا۔ تمہارے بکنے کے خیال سے اللہ تم سے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے۔“ سورہ نسا ۲۴۔

ان آیات قرآنی سے فقہانے مختلف صورتیں پیدا کر کے مسائل وراثت کو اتنا عمدہ طور پر ظاہر کیا ہے کہ کسی طرح اس سے اچھی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ مختصر یہ ہے کہ جبکہ حصے قرآن میں عین ہیں وہ ذوی الفروض کہلاتے ہیں ان کے حصے دینے کے بعد عصبیات کو جو عموماً ایک جدی ہوتے ہیں حصہ ملتا ہے جسے از ان ذوی الارحام پاتے ہیں جہین دوری اور مادری رشتہ دار شامل ہوتے ہیں۔ سورہ نسا میں چند مقامات پر آپ زیادہ غور کیجیے۔ شروع میں خدا نے

۱۔ دیکھو کہ ہر مالی مائیک الودان والا قربون والذین عقدت ایماکم فاقولہم نعیم ان اللہ کان علی کل شئی شہیداً۔

مسلمان جب مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے رشتہ داروں سے قطع تعلق ہو گیا تھا اسوقت آپس میں لوگوں نے بھائی بھائی کر لیا تھا پھر جب اسلام پھیلا ہوا آپ کے شرعی وراثت موجود نہ تھے اور آیت تو ربیب بھی نازل ہو چکی تھی تب یہ حکم ہوا کہ جن عموں بھائیوں سے حسن سلوک ہو انکو بھی کچھ جیتے جی دیدیامرنے کے بعد ان کے حق میں وصیت کر دو۔ ”وصیت کی“ فصل میں شرح بیان کیا جا چکا کہ وصیت کیا معصاح ہیں اور کھلی وصیت میں وصیت ایک تہمت سے زیادہ روایتیں ہیں۔ ۲۔ یتفقونک قل اللہ یفیکم فی الکلام ان امرؤہ ملک لیس لہ ولہ خست فلما نصفت مائیک دہو پریشان کہ مائیک لہا ولہ فان کانتا آنتین فلما اثلشن مائیک ان کانتا اخرہ رجلا و نسا فللذکر مثل حظ الانثیین یہین اللہ لکم ان تصلوا و اللہ بکل شئی علیم۔

مردوں کا حصہ عورتوں سے دو چند قرار دیا ہے۔ اب اسپر بھی مرد شکر نہ کریں تو سخت نافرمانی ہے۔ اولاد کے ہوتے ہوئے والدین کو حصہ دینا بعض جہاں عرب کو پسند نہ تھا سیلے ان نافعوں کے لیے دستور کوع میں خدا کست ہے "تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ اور اولاد میں سے کون تمکو زیادہ نفع پہنچائے گا" اسکا منشاء یہ ہے کہ خدا تم سے زیادہ سمجھتا ہے۔ تم لوگ یہ خیال نہ کرو کہ میرا ترکہ بون تقسیم ہوتا تو اچھا ہوتا۔ اور یہ میں سے صریح تردید اس خیال کی بھی ہوتی ہے کہ بیٹوں کے ہونے سے با بیٹوں میں جائداد کے رہنے سے بقاے نام رہے گا اور مورث کو کچھ نفع پہنچے گا۔ اسکے بعد ہی خدا کستا ہے "اللہ کی طرف سے حصہ مقرر ہیں کہ وہ جاننے والا حکمت والا ہے" یعنی یہ حصے جو مقرر ہیں خدا کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ کوئی اس سے عدول نہ کرے۔ کسی کے دل میں خیال نہ گزرسے کہ یہ حصے مصلحت وقت کے خلاف ہیں۔ کوئی ایسا بے ادب خیال دل میں لائے گا تو خدا کو معلوم ہو جائے گا۔ وہ دلوں کی بات جانتا ہے۔ کیا تمکو خدا حکیم ہونے میں شک ہے۔ اور تم سمجھتے ہو کہ تم خدا سے اچھا قانون بنا سکتے ہو۔ ہرگز نہیں۔ خدا نے اخیر میں کم دیا کہ دین یا وصیت تقسیم ترکہ سے پہلے جب ہی قابل لحاظ ہے کہ اسمیں ضرر نہ ہو یعنی جب محض ورثہ کی محدودی کے لیے وصیت یا دین عاید نہ کیا گیا ہو۔ سیدھے سیدھے طور پر سمجھا کر اور پھر حکم خدا پر چلنے والوں کے لیے جنت کی بشارت دیکر انسان ایسے سرکش مخلوق کے لیے اخیر کوع میں پھر خدا صاف صاف کستا ہے کہ "جو کوئی اللہ اور اللہ کے رسول کی نافرمانی کرے گا اللہ کی حدوں سے بڑھ جائے گا اُسے اللہ دوزخ میں ڈالے گا اور پھر اُلت

بارے میں تمکو
ن کو اُس کے ترکہ
میں نہیں دے دیں
میں تو دو عورتوں
م سے کھول
-
س وراثت
م ہو سکتی
ہیں انکے
ہے جس
-
ہیں -
ن خدا نے

ان اللہ کان

نے بھائی جا
حکم ہا کہ جن
وصیت کی
روائشیں ہر
ان کمین
لا نشین

کا عذاب ہوگا۔ اب وہ حضرات جو خدا کے حکم اور خدا کے وعدہ دن کو محض ارموہم سمجھتے ہیں۔ حقوق غضب کرنے میں نڈر ہیں مرنے کے بعد خوب سمجھ جائیں گے کہ خدا کے وعدے کیسے سچے ہیں لیکن افسوس کہ اسوقت کی سمجھ کچھ کام نہ آئے گی۔ مذہب اسلام نے تو ریٹ کا قانون بنانے میں مفصلہ ذیل سو پر لحاظ رکھا ہے۔

(۱) ایک کو دوسرے کی کمائی یا دوسرے کے مال میں کوئی حق نہیں ہر ایک کو اپنی محنت اور مزدوری پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ متوفی کے اعزہ کو محض سیلے ترکہ دیا جاتا ہے کہ متوفی کے بعد اُس کے مال کے نصف کے لیے کرکئی اخلام نہ ہوگا تو جھگڑے پیدا ہونگے۔

(۲) مرنے والے کی دولت اُس کے تمام اعزہ میں جہاں تک ہوسکے منفرق ہو کر تقسیم ہونا چاہیے کہ وہ تمام لوگ فائدہ اٹھا سکیں جو اسکی حیات میں شمع ہوتے تھے یا شمع ہونے کا حق رکھتے تھے۔

(۳) عورتوں کو خود کما کھانے کے ذریعے بہت کم ہیں اسلئے اُنکے حقوق تخصیص کے ساتھ قرآن میں محکوم ہوئے

(۴) اس لحاظ سے کہ مردوں پر دوسروں کے نان و نفقہ کا بار ہوتا ہے مردوں کا حصہ عورتوں سے دو چند رکھا گیا ہے۔

(۵) شرع میں یہ بہت ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے کہ ایک شخص ضرورت سے بہت زیادہ استول ہو جائے اور دوسرا بہت زیادہ مفلس ہو کر گزارا کرے۔ شرع کے احکام ہر امر میں مساوات چاہتے ہیں اسلئے متوفی کے ترکہ میں بھی بہت سے حصے کر دیے جاتے ہیں۔

(۶) قرآن میں حکم ہے کہ جب کوئی مرے اور ترکہ تقسیم ہونے لگے تو افتخار شکر گزار سی یہ ہے کہ در ثلث شرعی اپنا حصہ لینے کے قبل اُن تمام اقربا اعزہ اور پڑوسیوں کو کچھ کچھ دیدین جو وقت تقسیم کے موجود ہوں۔ یہ حکم نہایت تقسیم کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس لیے فرض نہیں ہوا۔ لیکن اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام کے نزدیک مورث کے ترکہ میں حصہ لینے کی نوعیت کیا ہے۔ بعض مکینہ فصدات جو مورث کی دولت پر اپنے کسویہ مال سے زیادہ اپنا حق قائم کر کے اسکے مرنے کے جتنی بیٹھے رہتے ہیں انکو اسلام نہایت ہی ناپاک سمجھتا ہے۔

ہندوؤں کا قانون

ہندوؤں میں خاندان مشترکہ ہو تو لڑکیاں یا بوائے عموماً ترکہ نہیں بائیں بیٹے کی موجودگی میں باپ بالکل محروم رہتے ہیں۔ خاندان مشترکہ میں تو عورتوں کا حق کچھ بھی نہیں ہوتا اور جب ہوتا ہے تو ایسا کہ خاندان کے منقسم ہونے کی حالت میں کل کی بیاہی ہوئی بی بی کل پر قبضہ کر لیتی ہے اور ان باپ بھتیجے کو رجاتے ہیں انکے یہاں بہنیں کسی حالت میں وارث نہیں ہوتیں کھینچ کھانچ کر بھائیوں کو تو برٹش عدالتوں نے در ثلث میں شامل کر دیا ہے لیکن بہنیں ہنوز محروم ہیں۔ جائداد ضبط سرکار ہو جائے گی مگر بہن کو نہ ملے گی۔ عجیب قانون ہے معلوم نہیں ہوتا کہ ہندو مقنون کو عورتوں سے کیوں ایسی غلش تھی۔ اس موقع پر مجھے ایک گفتگو یاد آئی میں (مؤلف) ایک روز اپنے ایک ہندو دوست سے گفتگو کر رہا تھا۔ وہ اپنے بیان کے مسئلہ تو ریش کی خوب بیان کرتے تھے اور میں اُنکے نقائص بیان کرتا تھا کہ اسی اثنا میں اُنکے پیچھے ایک اجنبی ہندو فقیر (گداگر) آکر کھڑا ہو گیا۔ بہن نے

محض ام موبہم

میں گئے گی۔

ماہر۔

نہیں ہر ہر ایک

ضلع

کے کئی اختتام

سے متفرق

تھے ہوتے تھے

تھیں تھیں

ہندوؤں کا حصہ

بہت زیادہ

کے احکام

تھے کر دیے

اپنے دوست سے کہا کہ خدا سزا ستہ آپ مرجائیں اور سوا اپنی بہن کے اور کوئی
 رشتہ دار نہ چھوڑیں تو آپ کی تمام املاک یہ باباجی جو پیچھے کھڑے ہیں پاسکتے ہیں
 لیکن آپ کی بہن نہیں پائے گی۔ اسپریرے دوست نے پوچھا یہ کیونکر ممکن ہو میں
 نے کہا یہ تو بہت صاف سلسلہ ہے ہر ایک اس سے واقف ہو کہ بہنیں کسی صورت
 سے وارث نہیں ہوتیں۔ بہن کے لیے مرد بنانا دشوار ہے۔ اور جب تک عورت
 ہے محروم رہے گی۔ لیکن باباجی ممکن ہے کہ وہ چھوٹے گواہ عدالت میں گواہ کر
 خود کو آپ کا گور بھائی ثابت کر دیں اور جائداد کے مالک ہو جائیں۔ خیر اسکا جواب
 تو ہمارے دوست سے بن نہ آیا۔ لیکن انھوں نے یہ کہا کہ ”تم کو یہ عجب دھن ہے۔
 کہ خواہ مخواہ اپنی شرع کے مسائل کو تمام دنیا کے قوانین پر افضل سمجھتے ہو یہ عید
 تمھاری طرح اور بھی چند مسلمانوں میں پایا گیا ہے۔ آج کل چند ہندو بھی ایسے ہیں
 جو اپنے مسائل کو تمام عالم سے فوقیت دیتے ہیں۔ تم ایسے محتبان قوم کو بالبخش
 ہو گیا ہو کہ گزرتے زمانہ کی باتیں اس زمانہ میں پیش کرتے ہو اور موجودہ تہذیب
 سے مقابلہ کرتے ہو جو بات پہلے تھی وہ ضرور مناسب وقت تھی۔ لیکن اب زمانہ
 بدل گیا۔ زمانہ کے موافق جو باتیں ہیں اب وہی قابل تقلید ہیں۔ پرانی باتوں پر
 حاشیہ چڑھانا بالکل کاربے سود ہے۔“ میں نے اسکے جواب میں جو کچھ کہا اسکا خلاصہ
 بیان کرنا مضمون سے کسی قدر الگ ضرور ہو جاتا ہو لیکن خالی از دھچی نہیں ہے۔
 میں نے کہا کہ ”میں مسلمانوں کے موجودہ قواعد اور مراسم کو ہرگز عمدہ ثابت کرنے
 کی کوشش نہیں کرتا۔ اگر میں ایسا کروں تو میری غلطی ہے۔ اور اسی طرح اپنے
 موجودہ زمانہ کی باتوں کو ہندو مناسب ثابت کرنے کی کوشش کر میں تو وہ بھی غلطی ہوگی۔“

لیکن
 تمام
 کہ اپنی
 نہیں
 وہ
 تمدن
 اچھی طرح
 نہیں
 برضات
 روشن
 کے
 تھا۔ اب
 رفتار
 نے
 سے
 کی قدر
 کی مختلف
 ۲ سٹر
 یہ تحقیق

لیکن اسکے ساتھ ہی اگر ہم یہ دعویٰ کریں کہ اپنے عروج کے زمانہ میں اسلام کے تمام مسائل پر از حکمت تھے تو ہمید قع نہیں ہے۔ اور اسی طرح ہندو اگر یہ دکھانا چاہیں کہ اپنی ترقی کے زمانہ میں ہندو دین تمام خوبیاں ہر قسم کی موجودتیں تو بھی بہ موقع نہیں ہے۔ بیشک ہندوؤں کے زمانہ عروج کو گزرے ہوئے امتناع ہو کہ وہ اپنے عروج کی تمام باتیں جان نہیں سکتے اور نہ یہ سمجھ سکتے کہ کیا حالت ان کے تمدن کی زمانہ عروج میں تھی۔ پھر بھی جہاں تک ان کے علم دریافت کر سکے انھوں نے اچھی طرح ثابت کر دیا کہ زمانہ عروج کے عادات اور مراسم زمانہ حال سے بالکل مطابق نہیں ہیں اور جو برائیاں اس وقت ہیں وہ انکی ترقی کے زمانہ میں ہرگز نہ تھیں۔ برخلاف اسکے مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ ابھی تین صدی قبل تک تمام عالم پر یہ روشن تھا کہ مسلمانوں کی رفتار گنتا رہ عقاید و عبادات و معاملات اور تمدن دوسروں کے لیے قابل تقلید تھے اور دنیا میں کوئی تمدن مسلمانوں کے تمدن کے برابر نہ تھا۔ ابھی زمانہ نے کوئی بہت بڑا پلٹا نہیں کھایا ہے۔ وہی لیل و نہار ہیں اور وہی رفتار زمانہ ہے۔ مسلمان اپنی خوبیاں چھوڑ بیٹھے اور تاریکی میں آگئے۔ ہونہار قوموں نے انکی خوبیاں اختیار کر لیں اور روشنی میں آگئیں۔ عربوں نے جو روشنی فرشتوں سے سرسند تک اور یمن سے سرحد چین تک ایک دل ہو کہ پھیلانی اور بعد ازاں کسی قدر متزل کے ساتھ لیکن پھر بھی دوسری قوموں سے کہیں بڑھ چڑھ کر مسلمانوں کی مختلف طاقتوں نے اس روشنی کو خلیج بنگالہ تک پورب میں اور سرحد چینی اور ۴ سٹریا تک مغرب میں وسعت دی۔ اگر اس روشنی کے اسباب کا ہم ذکر کریں تو یہ تحقیقات علمی بالیو لیا کی مدین داخل ہوگی ہمہ گیر نہیں ہم صرف یہ دکھاتے ہیں کہ

ہرے کانگوہ تین سو برس تک کسی خاکستریں دبے رہنے سے اپنی اصلی آب
 تاب کھو نہیں سکتا۔ ہمارا یہ کنا بالکل بے نقصانہ ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جس طرح
 دو نقطوں کے درمیان میں خط مستقیم ایک ہی ہو سکتا ہے اسی طرح دنیا میں ترقی
 کرنے کی راہ مستقیم جسے راہ خدا کہتے ہیں اصولاً ایک ہی ہے جس راہ پر ہنود
 اپنی ترقی کے زمانہ میں چلے اسی راہ پر یونانی اور رومی اپنے اچھے دنوں میں
 چلے۔ مسلمان بھی اپنے زمانہ عروج میں اسی راہ پر تھے اور عیسائی بھی اس زمانہ
 کے اسی راہ پر تھے۔ بیشک اس وقت کے عیسائی اپنی رفتار میں موجودہ مسلمانوں کے
 زیادہ تر رہہ مستقیم پر تھے لیکن اس کو ہم کیا کوئی ذی عقل کبھی نہیں تسلیم کر سکتا کہ کبھی
 رہہ مستقیم پر مسلمان نہ تھے اور اسی طرح یہ بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہنود کبھی اس راہ
 مستقیم پر نہ تھے۔ ہم کوئی نئی بات نہیں کہتے ہیں بلکہ صرف یہ کہتے ہیں کہ ان مسلمان
 بھی اسی راہ مستقیم پر تھے۔ اس پر اگر ہم اتنا درست زاد کر دیں کہ یہ راہ مستقیم جب مسلمانوں
 کے زیرِ شوق تھی تو زیادہ تر بار دن تھی تو چند ان ہی موقع نہ ہوگا۔ ہزار برس تک مسلمان کا
 قرآن تمام کرہ ارض پر اپنی روشنی پھیلائے ہوئے تھا جسکی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں
 ملتی۔ احکام قرآن پر بغیر توہین بھی انکی خوبیوں کے لحاظ سے مفتون تھیں۔ اور کبھی
 انکو یہ خیال نہیں ہوتا تھا کہ انپر کوئی کسی قسم کا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اب اگر انپر زمانہ کی
 گردش سے کچھ خاک پڑ گئی ہے اور ہم اس خاک کو ہٹا کر عوام کے سامنے آنکی
 خوشنما صورتیں پیش کرتے ہیں تو یہ کوئی انوکھا کام نہیں ہوا اور انہیں کسی قسم کی ہٹ کر سکتی

یورپ کا قانون

یہ بات صرف اہل اسلام میں ہے کہ یورپ۔ ایشیا۔ افریقہ جہاں کہیں وہ ہیں

اصلی آب
کہ جس طرح
یہاں ترقی
راہ پر نمود
دلوں میں
اس زمانہ
بہرہ مسلمانوں
سکتا کہ کبھی
اس راہ
ان مسلمان
مسلمانوں
مسلمان کا
میں نہیں
اور کبھی
بہر زمانہ کی
نے انکی
ہے ہر کسی
نہ میں

انکی توریت قرآن کے موافق ہے۔ اگر وہ غیر قوم کی رعایا ہیں جب بھی توریت میں
ہدایتیں انکے درمیان انھیں کا قانون جائز رکھتی ہیں۔ اسے برکات اسلام میں شمار
کرنا چاہیے۔ ورنہ یورپ ایسے مذہب ملک کے عیسائیوں کے لیے جتنے ممالک ہیں
اُنہیں ہی قانون ہیں بلکہ ایک ہی ملک میں مختلف جلیادوں کے لیے مختلف قوانین
جاری ہیں مثلاً انگلستان میں زمینداروں کا قانون جدا ہے اور دیگروں کے لیے اسباب
اور زر رفتہ کے لیے جدا ہے۔ وہاں زمینداروں میں جائیداد اور خطاب ہریشہ بڑے
لڑکے کو ملتا ہے۔ اگر باپ نے وہ ساری اولاد کے لیے کچھ وصیت کر دی
تو فیروزہ بڑے بیٹے کی مرضی پر ہے کہ اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ کچھ سلوک کرے
یا نہ کرے اسی کے قریب قریب متعلقہ اران اور وہ کے لیے بھی گورنمنٹ نے قانون
بنادیا ہے۔ ہندوؤں میں راج بھی بڑے لڑکے کو ملتا ہے لیکن شاید یہ فرق ہے
کہ ہندوستان کے راجہ قانوناً مجبور ہیں کہ اپنے بھائی بہنوں کی غرض اور پوشش کا سامان
کریں۔ انگلستان کے پیرس اس پابندی سے بھی غالباً آزاد ہیں انگلستان میں زمینداری
کا قانون زمانہ جاہلیت کی یادگار ہے۔ کیا معنی کہ جب رومن انگلستان سے چلے
گئے تو برٹشس (قدیم باشندگان انگلستان) نے فاتحین انگریزوں کی غلامی میں
جنھوں نے انگلستان کے چھوٹے ٹکڑے کر کے آپس میں بانٹ لیے اور ان ٹکڑوں
کے باشندوں کو زمین کی ملکیت میں کچھ حق نہیں دیا۔ بعد انگریزوں کی غلامی کے جب نارمن
آئے تو انھوں نے بھی یہی طریقہ قائم رکھا اور سب سے انگریزوں کو سرکاروں کے
نارمن سردار مختلف ٹکڑوں کے قابض اور حاکم ہو گئے۔ اسی اثنا میں جب سلطنت
مذہب کی گئی تو تمام سردار رکن سلطنت قرار پا گئے۔ لیکن بادشاہ نے یہ عزت

نہ کی کہ ان سرداروں کے حقوق زمینداری میں کچھ مداخلت کرے اور نہ زمانہ محبت کے اس قاعدہ کو کہ ہمیشہ خلف اکبر تھا قائل رہے وہ ٹاسکے۔ متذیب پھیلنے پر تو شان حکومت میں فرق آگیا لیکن تواریث کا یہ قاعدہ بدستور قائم رہا کہ زمیندار ہی تھا خلف اکبر کو ملے۔ اگر کچھ ترسیم ہوئی تو اتنی کہ وصیت کا اختیار مورث کو دیا گیا اور متذیب کے ساتھ اس وصیت کرنے کا دستور بھی بڑھتا رہا لیکن وصیت کا موقع نہ ملنے کی حالت میں جو حق تلفی اکثر اولاد کے حق میں ہو سکتی ہے اسکا کوئی تدارک اب تک نہ ہوا۔ برخلاف اسکے مسلمانوں نے حکومت قائم کرتے ہی دل کڑا کر کے امیر و غریب سب کو اصول انصاف کی ایک رستی میں باندھ لیا اور سمجھے کہ انصاف ہی کرنے میں سلطنت کو قوت پہونچے گی اور شخصی تشخصات سے بچاے ہوئے ہوونچنے کے صفحہ آئے گا۔ شاہ عثمان کی حکایت مشہور ہے کہ وہ عیسائی بادشاہ تھا اور وارہ اسلام میں داخل ہو گیا تھا حضرت عمرؓ کے سامنے وہ ایک بازاری آدمی کے مقابلہ میں فروق مقدمہ بنا۔ کچھ ہی میں اپنی عزت اس معمولی آدمی سے کچھ زیادہ نہ پا کر جب شاہ عثمان گھبرا یا تو حضرت عمرؓ نے اسے آگاہ کیا کہ اسلام تشخصات کا مٹانے والا اور تمام نوع انسانی کو ایک راہ پر چلانے والا ہے۔

علامہ زمینداریوں کے اور جائداد کی نسبت انگلستان کا قانون اور نیز یورپ کے دیگر ممالک کے قوانین ہندوؤں کے قوانین سے بدرجہا اچھے ہیں اور حکم ہے کہ بہت سی باتیں مسلمانوں سے لیگئی ہوں کیونکہ ترکہ کا بہت سے حصوں میں تقسیم ہونا اور ایک وقت میں ذکور اور اثاث اور چھوٹوں بڑوں کو ملنا مسلمانوں کی طرح انہیں بھی ہے۔ در نہ یورپ کے ایام جاہلیت میں جسکی لاشی اسکی بھنیس ترکہ کا

چہارم ہے لیکن دوسرے رشتہ داروں کے منونے کی حالت میں سب کا سب آتے
 لہجہ بنگالہ۔ انگلستان میں اگر روجہ اور زوجہ کی اولاد ہو تو زوجہ کو ایک نمائی ملتا ہے۔ اور
 مسلمانوں میں ایسی حالت میں ایک شش ملتا ہے۔ یہ کمی عورتوں کے مدارج گھٹانے
 والی نہیں ہے بلکہ اور درنا کے حقوق کی نگہبانی کرنے والی ہے۔ علاوہ برین تعداد
 مہر ایک ایسی چیز ہے جو تقسیم ترکہ پر مقدم ہے اور تعین مہر کا اختیار بیویوں کو اور رائے اولیا
 کو پہلے سے حاصل ہوتا ہے اس لحاظ سے مسلمانوں کا ایک شش انگلستان کے ایک شش
 سے تمام جوانب پر نظر کر کے کسی طرح کم نہیں ہے۔

دیگر مختلف قعین

بعض قعین دنیا میں ایسی ہیں کہ انہیں مردوں کو وراثت پہنچتی ہی نہیں۔ اس خیال
 سے کہ مرد خود کما سکتے ہیں متوفی کا سارا ترکہ عورتوں کو دیا جاتا ہے۔ پارسیوں میں ترکین
 کا حق اتنا مضبوط ہے کہ ان کے مرنے پر ان کے شوہر قائم مقام ہوتے ہیں یعنی داماد اور بیٹے
 برابر کے حصہ دار ہوتے ہیں۔ ابھی حال میں بھی ہائیکورٹ سے ایک مقدمہ کا مفیلہ ہوا ہے
 جس میں یہ بحث تھی کہ داماد اگر پہلی بی بی کے غم کو دل سے بھلا کر دوسری شادی کرے
 جب بھی وہ پہلی بی بی کے خاندان میں حصہ پاسکتا ہے ہر کام نے تجویز کیا کہ جب
 داماد وارثوں کے زمرہ میں داخل ہے تو اس کا رٹو وار بنایا نہ مانا کوئی فرق نہیں ڈالتا
 اب ان قوانین کے مقابلہ میں شرعی قانون کا اعتدال ملاحظہ کے قابل ہے۔ کہیں
 عورتیں کچھ پاتی ہی نہیں اور کہیں مردوں کے برابر پاتی ہیں اور بعض جگہ مردوں کو مرد
 کر کے سب کا سب پاتی ہیں۔ مسلمانوں کا اعتدال قابل قدر ہے کہ وہ ہر حالت میں
 پاتی ہیں لیکن مردوں سے نصف اور یہ کمی بیشی جن درجات پر مبنی ہے اس کا ذکر اوپر آچکا ہے

اب اس پر بھی بعض مسلمان باوجود دعویٰ مسلمان کے ہندوؤں کے قانون کی پیروی کرتے ہیں۔ اپنی طمع سے اندھے۔ گونگے۔ بہرے ہو رہے ہیں تو وہ ختم اللہ علی قلوبہم وعلیٰ سمعہم وعلیٰ ابصارہم غشاوہ کے مصداق بنیں تو کیا ہیں۔

ہند کے مسلمان

ہند کے جاہل مسلمان توریت کے متعلق ہندوؤں کی پیروی کرتے ہیں۔ اور تعجب تو یہ ہے کہ بعض لکھے پڑھے مسلمان بھی اس بارہ میں قرآن کو ناقص تصور کرتے ہیں۔ برٹش گورنمنٹ کی عدالتوں کی وجہ سے شرع محمدی کے احکام انہیں بہ جبر نافذ کیے جاتے ہیں ورنہ خود فراموش رعایا کس چلتا تو اب تک کبھی یہ سودم ہو گئے ہوتے جن مسلمان خاندانوں میں ہندوؤں کی پیروی سبارہ میں اچھی سمجھی جاتی ہے انکی تمدنی حالت ہندوؤں سے بھی بدتر ہے کیونکہ اشتراک خاندان اور حق نان و نفقہ یہ دو باتیں تو مسلمانوں میں پیدا ہوتی نہیں اور بلا انکے متعلق کیے جوتے ہندوؤں کا قانون وراثت جب مسلمان گھروں میں نافذ ہو جاتا ہے تو وہ آدھا تیتراؤ دھا بٹیر بہت ہی جڑا ہوتا ہے۔ ہندوؤں کے دیگر عادات اور مراسم کے اعتبار سے انکے لیے انکا قانون زائد تکلیف دہ نہیں ہے مگر مسلمانوں کے لیے تو وہ بہت ہی مخرب اخلاق ہے۔ مثلاً ایک ساتھ دو لڑکیاں رام کی اور زبیدہ (ایک ہندو اور دوسری مسلمان) بیاہی گئیں دونوں ساتھ بیوہ ہوئیں اور بیوہ ہونے کے بعد وہ دونوں بارہ برس تک اپنے میکے میں رہ گئیں۔ رام کی تو ترکہ شوہری بائیں سکتی تھی۔ ان زبیدہ باقی۔ لیکن ہندوؤں کے میل جول سے متاثر ہو کر سال والوں نے اُسے ترکہ شوہری میں حصہ دینا پسند نہیں کیا۔ اب بعد بارہ برس کے

کاسب ہے

ماہ ہے۔ اور

ج گھٹانے

برین تعداد

اور انکے اولیا

کے ایکٹ

ن۔ اس خیال

دن میں لڑکیاں

اما اور بیٹے

مفید ہوا

مادی کرے

کیا کہ جب

رق نہیں ڈالتا

ہے۔ کہیں

مردن کو مرد

میں

اگر اوپر آچکا ہو

دو دنوں کے سیکے والے منہس ہو گئے اور وہ سسرال چلین۔ رام کلی ترکہ نہیں
 پاسکتی تھی لیکن نان و نفقہ پانے کا حق اسکا ایسا زبردست تھا کہ جب تک جیتی رہتی
 نافذ کرا سکتی تھی۔ انگریزی عدالت موجود ہو سسرال والوں کی کیا مجال کہ عذر کرتے۔
 یہ لگی اور نہایت پیار سے اسکی آؤ بھگت ہوئی۔ زبیدہ جو بونچی تو سسرال
 والوں نے ڈولی تک اترنے نہیں دی۔ وہ جانتے تھے کہ شوہری ترکہ میں
 ایک ربع اُس کا تھا جو تادی ایام کی نذر ہو گیا اب اسے گھر میں ٹھہرا کر کون
 بکھیرا پیدا کرے۔ کل کو ہمارے قبضہ کی نوعیت پر بحث ہوگی تو اسکا ڈولی سے
 اُترنا غضب و عداوت کا۔ دین گواہ محلہ کے گور جاہلین گے کہ برابر آمد و رفت
 لگی رہتی تھی اور سسرال والوں کا قبضہ موافق تھا۔ ہندوؤں میں لڑکیاں ترکہ نہیں
 پاتیں لیکن ترکہ کے عوض میں شادی کے قبل اور شادی کے بعد انکو۔ اُنکے شوہر
 اور انکی اولاد کو رسم و رواج کے پیرایہ میں مختلف مواقع پر بہت کچھ ملتا رہتا ہے۔ مسلمان
 کی لڑکیاں ان چیزوں سے محروم رہتی ہیں اپنے دستور کے مطابق اور پھر آئینہ چلکر
 ترکہ پردہ سے محروم رہتی ہیں ہندوؤں کے دستور کے مطابق اور اس طرح اپنی
 ہندو بہنوں سے زاید گھاٹے میں رہتی ہیں۔ ہندوؤں میں عورتوں کو ترکہ پردہ کا
 خیال بھی نہیں ہوتا اور اسلیے جو کچھ بطور خیرات اور حسنت کے پائی ہیں بے انتہا
 شکر گزار رہتی ہیں اور خوش رہتی ہیں اور اس طرح انکی تمدنی حالت پر اچھا اثر پڑتا ہے۔
 مسلمان لڑکیاں احکام شرع کے مطابق اسیدوار رہتی ہیں اور بھائیوں کے ساتھ
 خود کو برابر کاچی دار جانتی ہیں۔ اور جب ملنے کے وقت نکاحا جواب پائی ہیں تو
 کہ ورت پیدا ہوتی ہے۔ اور لطف محبت میں فرق پڑتا ہے اور یوں بہت کچھ

بے لطفیوں کا سامان پیدا ہوتا ہے۔ اس حالت تذبذب سے تو یہ بہتر ہے کہ مسلمان ایک دل ہو کر گورنمنٹ سے قانون پاس کروالین کہ شاستر کے مطابق ان کے حقوق کا تصفیہ ہو کرے۔ ذرا ہینٹھی ہوگی لیکن ہمیشہ کے لیے خلش تو رفع ہو جائیگی۔ ایسی ہی اور بہت سی مثالیں ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جن مسلمانوں کے گھروں میں دیکھا دیکھی دھرم شاستر کے توریتی سائل جاری ہیں وہ بہت ہی بد قسمت ہیں۔

غرض کہ مختلف قوم کے مختلف قوانین ہیں۔ ہر ایک بجائے خود اپنے قانون کو سب سے اچھا سمجھتا ہے۔ مسلمان کہتے ہیں کہ شرعی توریت کے قاعدے دُنیا کے تمام گوشے اور موجودہ قوانین سے اچھے ہیں۔ لیکن ہے کہ غیر مذہب والے بھی دلائل اور شائع پر غور کر کے یہ کہیں کہ مسلمانوں کا قانون وراثت بیشک افضل القوانين ہے۔ لیکن مسلمانوں کے لیے ایسا عقیدہ رکھنا تو گویا ان کے دین اور ایمان کا جز ہے۔ بہت سے مسلمان ایسے ہیں کہ جب خود غرضی متعلق ہوئی اور طم سے آنکھوں پر اندھیری چھائی تو بھڑانکے نزدیک اچھے اور بُرے کا فرق نہیں رہتا۔ یقیناً انھیں ہیں اور دل میں سوچتے ہیں کہ ہندوؤں کے قانون ہمارے قانون سے کہیں اچھے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اتنا خیال گزرتے ہی اسلام نے خیر باد کہہ دیا۔ جب شرعی احکام بُرے ٹھہرے تو اُسکا بنانے والا حکیم مطلق نہ رہا۔ اب یا اللہ کے حکیم مطلق ہونے سے انکار کیا جائے یا قرآن کے کلام ربّانی ہونے سے انکار کیا جائے یہی دو صورتیں ہیں اور دونوں صورتوں میں دائرہ اسلام سے آدمی خارج ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے دوسو سے زیادہ ترا سو فٹ پیدا ہوتے ہیں

کلی ترک نہیں

یعنی رہتی

نذر کرتے

سہرا

ترک بن

خبر اگر کوں

لی سے

دور رفت

ترک نہیں

انکے شوگر

ہے مسلمان

بہر آئندہ جلد

مرح اپنی

کہ پوری کا

بے انتہا

اثر پڑتا ہی

کے ساتھ

نہیں تو

بہت کچھ

۲

جب فریق مقابل کمزور ہو۔ مثلاً کوئی متول شخص گیارہ لڑکے اور ایک لڑکی چھڑ کر فوت کرے تو لڑکوں میں باہم کوئی مناقشہ نہ ہوگا ایک دوسرے سے دبتا رہے گا۔ لیکن وہ بچاری لڑکی سب کی آنکھوں میں کھٹکے گی۔ اگر یہ اپنا حصہ چھڑ بھی دے تو لڑکوں کے حصہ میں کوئی افترونی نہوگی۔ محض جزوقلیس۔ کل ترکہ کا تیسواں حصہ اس بچاری کو ملنے والا ہے۔ لڑکی اگر بھائیوں پر ذرا مہر ہی ہے۔ جان نثار کیسے دیتی ہے۔ اور بھائی ہیں کہ اپنے ستونی والدین کو روز صبح اٹھ کر صلواتیں سناتے ہیں کہ پیدا ہوتے ہی کمبختوں نے جو اسکا گلا گھونٹ دیا ہو تا تو آج اس بلا سے ہلکا ٹھپکا رہا ہوتا۔ فریق مقابل کی کمزوری بھی بسا اوقات جرایم کی جرأت کراتی ہے۔ بہنوں کا باشم ہونا پردہ نشین ہونا فطرتاً بائیس اور کمزور ہونا بھائیوں کو بے رحم۔ غاصب اور کمینہ خصلت بنادیتا ہے۔ بھائی بھائی کا حق مارنے کی جرأت نہ کرے گا لیکن بہنوں کے مقابلہ میں نیک سے نیک بھائی بھی بعض اوقات بڑے سے بڑا دشمن ہو جاتا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ زیادہ تر یہ خیابان اُن خاندانوں میں دیکھی جاتی ہیں جو بشریت کھلاتی ہیں اور ریاست اور شرافت قدیم زمانہ سے انکے گھرانے میں چلی آتی ہے۔ بہنوں کے حق میں بے رحم زیادہ تر ایسے ہی خاندان میں ملیں گے۔ کوئی چند رہ برس کے قریب ہوئے کہ ایک بڑے ذی علم اور اعلیٰ خاندان کے ایک شخص پر بہن نے پدری حق کا دعویٰ راجع کیا تھا۔ مدعا علیہ نے مدعیہ کے بہن ہونے سے صاف انکار کر دیا۔ گواہوں کی کیا کمی تھی۔ فریقین کی طرف سے گواہ پیش ہوئے۔ مدعیہ اور اسکے گواہوں کا یہ بیان تھا کہ فریقین ایک باپ کی اولاد ہیں اور ایک ہی مان کے بطن سے پیدا ہوئے اور ایک ہی مان کی گود میں پلے۔ مدعا علیہ اور اسکے گواہوں کا یہ اظہار

مفعول سے ہوتا ہے
چھوڑ کر فوت
رہے گا
یہی ہے
وہاں جہت
جان نثار
صلواتیں
بلا سے بہک
ہے بہنوں
صوب اور کہینہ
ن بہنوں کے
ہو جانا ہے
ہیں جو شہر
پہلی آتی ہے
لوئی پندرہ
شخص پر ہیں
نے سے صاف
مدعیہ اور اسکے
کے بطن سے
ول کا یہ اظہار

تھا کہ مدعیہ کی ماں بھیک مانگتی ہوئی مدعی علیہ کے پاس گھر آ کر نوکر ہوئی اور اس وقت یہ لڑکی گود میں تھی۔ اس قدر تعلق بھی مدعا علیہ بیان نہ کرتا۔ لیکن وقت یہ تھی کہ اکثر خطوط میں وہ مدعیہ کو بہن لکھ چکا تھا۔

مدعیہ کے وکیل نے۔ مدعا علیہ کے اظہار کے وقت مدعی علیہ سے پوچھا کہ اگر مدعیہ شومہ مدعیہ کو طلاق دیدے تو تم اس سے عقد کر سکتے ہو؟ یہ سوال پوچھا تھا کہ مدعا علیہ کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ تمام جسم سے عرق جاری ہو گیا۔ عدالت نے یہ کہہ کر روک دیا کہ اس آبرو باختہ کی کہاں شک ہے عزتی کرو گے ہم مقدمہ سمجھ چکے ہیں غرض کہ مراغہ ادلی سے مدعیہ کا دعویٰ ڈگری ہوا اور جب تک اپیل سے فیصلہ صادر نہیں ہوا۔ مدعا علیہ نے شرم سے اپنی صورت و دستوں کو نمین دکھائی۔ عدالت رنگ دار و۔ عدالت اپیل کے حاکم نے دعویٰ مدعیہ کا دسمس کر دیا۔ بظاہر محض اس خیال سے کہ اگر مدعیہ بہن ہوتی تو ہرگز انکار نہ کیا جاتا۔ حاکم عدالت نے شاید اپنی طبیعت پر قبض کیا۔ زمانہ کے رنگ کا لٹا نہ نہیں کیا۔

ایسی صورتیں تو بہت پیدا ہوتی ہیں کہ بہن نے دعویٰ کیا اور بھائی نے بہن کے وجود سے انکار کر دیا۔ اب ہم اُن جان خراش صورتوں کی طرف ناظرین کو توجہ دلاتے ہیں۔ جب یتیم لڑکیاں اپنے بھائیوں کے قبضہ میں آجاتی ہیں بعض کمبخت بھائی ایسے ہیں جو جائداد نکل جانے کے خوف سے اُن بیچارہ بہنوں کو یہ کہہ نہیں کرتے اور کبھی ارادہ بھی کرتے ہیں تو اس شرط سے کہ نکاح کے قبل لڑکی گل جلا دے گا بہ نامہ بھائی کے نام لکھ دے۔ لڑکیاں پر وہ نشین بھی لیکن کہاں تک۔ نادان رہیں گی۔ آخر وہ بھائیوں کی خواہشوں سے واقف ہو کر اشارہ کنایہ اپنی رضامندی

ظاہر کر ہی دیتی ہیں اور دل میں سمجھتی ہیں کہ اگر اس پادری دولت کی بدولت تمام
عمر کنواری بیٹھا رہنا ہے تو اس نول سے افلاس اچھا ہے۔ کتنا پروردگار یہ نظر ہے
کہ ایک کنواری پر وہ نشین لڑکی اپنی تمام پادری جائداد سے دست برداری کا وثیقہ
لکھ کر اُسکے بدلہ میں اپنے نکاح کی نسبت بھائی کی رضا مندی سے سول بنتی ہے۔ بعض
بعض صورتیں ایسی بھی دیکھنے میں آتی ہیں کہ بیٹن کی شادی کم حیثیت لوگوں سے
محض سیلے کر دی گئی کہ بہن کو ناجنس کی صحبت کے غم سے اتنی فرصت نہ ملے کہ
وہ اپنے حقوق طلب کرنے کی کوشش میں مصروف ہو۔ یا یہ کہ بہن کے شوہر کو کبھی
برابری کا دعویٰ نہ ہو سکے اور نہ بہن اس شرم سے کبھی سر اٹھا سکے۔ معاذ اللہ
اسے بسا ابلیس کا دم نہ ہے بہت

غرض کہ وہ حالت ناگفتہ بہ ہوتی ہے جبکہ بے مان باپ کی لڑکیاں کبھی کبھی اپنے
بیویا اور طاع بھائیوں کی ولایت میں آجاتی ہیں۔

ایک صورت بھائیوں کے اختیار میں یہ بھی ہے کہ والدین سے جتنے جی
کوئی ایسی تحریر لکھ لیں جس سے آئندہ زمانہ میں بیٹن کو نقصان پہنچے۔ مگر اس
صورت میں اکثر ناکامی ہوتی ہے۔ ایک تو شرعاً والدین کو یہ اختیار نہیں دیا گیا ہے
کہ وہ اپنے ترکہ کی نسبت کوئی انتظام قرآن کے خلاف کریں اور دوسرے یہ کہ والدین
سے یہ کب ہو سکتا ہے کہ اپنے بچوں میں امتیاز کریں۔ اس کے نزدیک دونوں آنکھیں
برابر ہونی چاہئیں لیکن زمانہ انحطاط ہے جو کچھ ہو جائے تعجب نہیں ہے۔ بعض
ایسے بدمعاش دل کے بھی ہوتے ہیں جنکو اولاد کو رکھنے کو سزا کر لیتی ہے یا تو
انکی تنگ خیالی رہبرین جاتی ہے اور وہ بے تکلف اپنی اولاد انات کی حق تلفی کے

لیے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ دنیا میں بہت کم ہیں اور بہن بھی تو اس قبیل سے ہیں جو ایام جاہلیت میں لڑکیوں کو قتل کر ڈالتے تھے یا تنگی کی حالت میں لڑکیوں کو بیچ ڈالتے تھے۔ ان لوگوں سے سوسائٹی کو احتراز لازم ہے۔ اگر انکس چلتا اور انگریزی گورنمنٹ کا خوف نہ ہوتا تو یہ بھی اپنی لڑکی کا گلابیڑا ہوتے ہی گھونٹ دیتے۔ پیدا ہوتے ہی گلا گھونٹ دینے اور اپنے ترکہ سے آئندہ کے لیے محروم کرنے میں اخلاقاً کوئی بہت بڑا فرق نہیں ہے۔ صرف اتنا ہے کہ پہلی صورت میں بیسین منرا ملجائیگی۔ اور دوسری صورت میں خدا کے بیان باز پرس ہوگی۔ زاید توضیح کے لیے ”ہبہ“ کی فصل ۳۶ دیکھیے۔

بھائیو! اگر تم اپنے اور بھائیوں کا حق مارو تو تم صرف غاصب اور گنہگار ٹھہرو گے دائرہ اسلام سے خارج بنو گے لیکن جب تم بہنوں کے حق مارنے کی فکر کرتے ہو تو اللہ تمھارے قلب کو دیکھتا ہے کہ تمہیں قرآن کے احکام سے نفرت ہے اس وقت تمھارے دل کی نوعیت ہی دوسری ہے۔ جس قرآن کو تم چومتے ہو جانتے ہو۔ طوطے کی طرح روز پڑھتے ہو طاق پر اسے سب کے اوپر رکھتے ہو اور ادھر پشت تک نہیں کرتے اسی قرآن کو تم اس بارہ میں بہترین کتاب سمجھتے ہو اور اسی کی بدولت تم خدا کو دل میں بُرا کہتے ہو۔ اب تمہیں بتاؤ تمھارے اسلام کی نوعیت کیا ہے۔

فصل سی و چہارم

وصیت

ایک مسلمان کے مرنے پر اسکی جائیداد کس کے قبضہ میں جائے گی؟ ہر وقت اسکا جواب معلوم ہو سکتا ہے۔ نہ خاندان کی تقسیم کچھ فرق ڈالتی اور نہ وارثوں کا دور

برداشت تمام
در دین غفار ہے

ری کا وثیقہ
یعنی ہر بعض

لوگوں کے
ت نہ ملے کہ

سے شوہر کو کبھی
نہ لگاؤ اللہ

کی کبھی اپنے

جیتے جی

مکراس

ن دیا گیا ہے

یہ کہ والدین

نوں انکھیں

ہے۔ بعض

تی ہے یا نو

تلفی کے

یا نزدیک رہنا کچھ فرق ڈالتا ہے۔ قرآن میں ہر ایک کے حصہ صاف طور پر مبین ہیں۔

بعض صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ اپنی خدمت اطاعت اور احسانات سے اغیار اعزہ سے بڑھ کر ہو جاتے ہیں۔ ایسے شرع نے یہ اجازت دی ہے اور یہ اجازت نہایت عدل اور صفات پر مبنی ہے کہ سورت اپنی ایک ثلث جائداد کو اغیار کے حق میں وصیت کر سکتا ہے۔ لیکن بقیہ دو ثلث جائداد کی نسبت اسکو کوئی کسی قسم کا حق نہیں دیا گیا ہے۔ نہ وہ کسی وارث کو محروم کر سکتا ہے اور نہ دارالون کے حق میں خلاف شرع تقسیم کی ہدایت کر سکتا ہے۔ وہ مجاز نہیں ہے کہ دریا کے حق میں کوئی وصیت کرے۔ جس خدا نے مرنے والوں کو متمول بنا رکھا تھا اسی خدا نے یہ بھی ٹھہرا رکھا ہے کہ مرنے کے بعد دولت کس کی طرف منتقل ہوگی۔

سب سے عمدہ وصیت نامہ قرآن ہے اور سب سے عمدہ تحریر قرآن کی آیتیں ہیں۔ جو کوئی مسلمان ہو کر قرآن سے عمدہ و ثقیلہ اپنی اولاد کے حق میں لکھنا چاہے وہ گمراہ ہے۔ دنیا میں رسوائی اور خدا کے بیان ذلت اور پیر پو بھی نہیں کہ تمام وقتوں کے بعد کسی طرح کامیابی بھی حاصل ہو۔ عدالتوں میں کسی طرح توریث اور وصیت کے متعلق کوئی امر خلاف شرع جائز نہیں رکھا جاسکتا ہے جو شخص اپنے ترک کی نسبت یہ چاہے کہ قرآن کے خلاف اسکی تقسیم ہوا سکے لیے صرف دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا تو وہ اپنا مذہب بدل ڈالے یا جائداد کو ایسی جگہ چھپا کر رکھ دے کہ بجز معمود و ہنسی اشخاص کے دوسرے پتہ نہ پاسکیں۔ جو لوگ دوسرے کے حق تلف کرنے کے لیے ایسا کر رہے ہیں اور قرآن اور حدیث کے

مرجع احکام کے ہوتے ہوئے نادانوں کا ہونڈھتے ہیں اور دوسروں کے حق ہارنے کی تدبیریں سوچنے میں وہ گمراہ ہیں۔

ہدایہ کی عبارت ذیل میں نقل کی جاتی ہے جس سے حدیث نبوی اور سند فقہ دونوں معلوم ہو جائیں گے۔

”ولا تجوز لوارثہ لقولہ علیہ السلام ان اللہ تعالیٰ اعطی کل ذمی حق حق اللہ الاولیٰ لوارثہ۔ ولانہ ینفذ ذمی البعض باینار البعض نفی تجوزہ قطیۃ الرحم ولانہ حیث بالحدیث الذمی ردینا نحوہ اگر کوئی شخص وارثوں کے حق میں وصیت کرے تو جائز نہیں نہیں ہے کیونکہ پیغمبر خدا کا مرجع قول ہے کہ خدا نے تمام وارثوں کے حصے معین کر دیے ہیں۔ معلوم رہے کہ وارثوں کے حق میں وصیت درست نہیں ہے ایک کو ترجیح دی جائے گی تو دوسرے کو خواہ مخواہ اذیت پہنچے گی۔ اور ایسا کرنے سے قطع رحم لازم آتا ہے۔ اور علامہ وہ برین حدیث متذکرہ بالا کے رو سے ایسا کرنا ظلم ہے۔“

عام طور پر جہلا میں یہ مشورہ ہے کہ مرنے والے کو وصیت کر کے مرنا چاہیے اپنے بعد جگہ لگا رکھنا چاہیے یہ خیال جہان تک درنا کے حق میں وصیت کرنے کی بابت ہے اور زیادہ تر ایسا ہی ہوتا ہے بالکل غلط اور سرسراہٹ ہی ہے۔ جب توریث کی آیتیں اتریں تو اب مسلمانوں کے لیے اُنہی اچھی وصیتوں کا خیال کرنا ضلالت ہے۔ ان دوسروں کا قرض باقی ہو تو اُسکے ادا کی بابت فردر وصیت کو دینا چاہیے یا اگر غیر دن کا بار احسان ہو یا دوسروں سے کچھ وعدہ کیا ہو یا دوستوں کے حقوق خدمت ہوں تو احسان کا بدلہ احسان ہے مرنے کے قبل اُنکے لیے

طریقہ معین

ت سے

سی ہے

ن جابدا کو

ن اسکو کوئی

نہ وارثوں

کہ درنا کے

لکھا تھا سی

ن

آن کی

حق میں

ور پھر بھی

میں کسی

سکتا ہے

کے لیے

لو ایسی جگہ

دوسروں

کے

وصیت کرنا مناسب ہے۔ لیکن وصیت ایک ثالث سے زیادہ کی بابت نحو اگر زیادہ کی بابت ہوگی تو احکام شرع اسے باطل کر دیں گے۔ قرآن میں سورہ بقرہ کے بابیسویں رکوع میں وصیت کا تذکرہ ہے۔ لیکن تمام مفسرین اس آیت کی نسبت متفق البیان ہیں کہ یہ آیت آیات توریث کے قبل اور تریقی تھی اور جب آیات توریث میں تمام ورثہ کے حصہ بیان کر دیے ہیں جیسا کہ کتاب ہذا کی فصل ۳۳ آیات توریث میں مذکور ہے تو پھر اس آیت کے مطابق وصیت کرنے کی ضرورت نہی وصیت کیے بغیر بھی وہ بات حاصل ہو جائے گی جسکی بابت وصیت کرنے کا حکم کیا گیا تھا۔ عربوں کی حالت یہ تھی کہ مثل ہندوؤں کے اولاد ذکر تمام ترک پر قابض ہو جاتی تھی۔ متوفی کے والدین کو کچھ نہیں دیتے تھے اور دیگر رشتہ داران قریبی کو کچھ دیتے تھے اسوقت یہ حکم ہوا۔

”مسلمانوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ تم میں سے کسی کے سامنے موت آجود ہزار وہ کچھ مال چھوڑنے والا ہو تو مان باپ اور دوسرے رشتہ داروں کے حق میں دجہی طور پر وصیت کرے۔ خدا سے ڈرنے والوں پر انکے رشتہ داروں کا بھی حق ہے پھر جو کوئی وصیت سنکر اسے بدل دے گا تو اسکا گناہ اٹھین بہلنے والوں پر ہوگا بیشک اللہ شہتا اور جانتا ہے۔ سورہ بقرہ رکوع ۲۲۔“

اسکے بعد جب مان باپ اور دیگر رشتہ داروں کے حصہ بھی عین کر دیے گئے تو اس آیت کے مطابق علی طور پر وصیت کرنے کی ضرورت نہی بلکہ محض اصول

اے کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک ذرا الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی النہین فمن بعدہ لیسعہ فانما اثمہ علی الذین یبدلونہ ان اللہ سمیع علیم۔

بابت نمونہ
سورہ
س آیت
نہی ادیب
کی فصل ۳۳
درت نہی
نے کا حکم
برقالبض
ان قری
وجود ہوا
میں ذہنی
میں حق
نوں پہونگا
یہ گئے
مضامین
مضامین

سمجھانے کے لیے یہ آیت قایم رہ گئی وہ یہ کہ علاوہ اولاد ذکر کے مان باب اور دیگر رشتہ داران کے حقوق کی حفاظت کی طرف شرع محمدی میں بہت کچھ خیال کیا گیا ہے۔

فصل سنی و بیع

بج

ایک چیز کا دوسری کے بدلہ میں دینا بیع کہلاتا ہے اور اگر کوئی بدلہ دوسرے کی جانب سے نہ ہو تو اسکو ہبہ کہتے ہیں۔ بیع کے مسائل شرع محمدی میں بہت طوالت سے بیان کیے گئے ہیں۔ بہت سی صورتیں ایسی ہیں کہ فریقین چاہیں کہ بیع عمل میں آئے لیکن شرع بیع کے جواز کو روکتی ہے۔ شرع میں یہ حکوم ہے کہ اگر کے فروخت کرنے سے کیا کیا چیزیں فروخت ہو جاتی ہیں۔ جاکو بیچنا کہان تک جائز ہے۔ بے دیکھے ہوئے چیزوں کی خرید و فروخت کن شراب سے روا ہے بیع میں عیب ظاہر ہونے کی صورت میں کیا کرنا چاہیے۔ بیع ناجائز کے متعلق دلہی زرمشن کے احکام۔ اقالہ بیع یعنی بیع کے واپس کرنے کا بیان۔ تولیہ کا بیان یعنی خریدنے کے ساتھ ہی دام کے دام پر بیچنا یا نفع پر بیچنا جبکہ مراحت کہتے ہیں۔ مال منقول و غیر منقول کی تفصیل۔ روایے سود خواری کی ممانعت۔ ان حقوق کا بیان جو داخل بیع ہوتے ہیں۔ بیع اگر کسی غیر کی ظاہر ہو تو کیا ہو۔ سلم کا بیان یعنی پہلے قیمت کا دیدینا۔ اور کچھ دنوں کے بعد مال کا لینا وغیرہ وغیرہ بہت سی باتیں شرع محمدی میں بیع کے متعلق بیان کی گئی ہیں جنکے بالتفصیل بیان کرنے میں چند ان دلچسپی نہیں ہے۔ اتنا جاننا کافی ہے کہ فقہی

مذہبوں سے احکام و بیع بہت طوالت سے بیان کیے گئے ہیں اور مسلمان فقہیوں کی نہایت نکتہ چینی اور انصاف پسندی سے سبیل بیع پر ہٹنے سے ظاہر ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی عالمگیر حکومت کے زمانہ میں حقوق ملے کرتے وقت کیسی باریک نظر سے معاملات دیکھے جاتے تھے۔ ان تمام سبیل پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفصلہ ذیل امور پر ہی طارکھا جاتا تھا۔

(۱) ایک انسان دوسرے انسان سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے۔

(۲) کوئی معاملہ قمار بازی کے طور پر نہ کیا جائے۔

(۳) مال عرب پیش عرب رہے۔

(۴) جہان تک ممکن ہو معاملہ صاف رہے اور سادہ رہے۔ آئندہ کے

لیے نرا عنوان اور جھگڑوں کے دردازے نہ کھلیں اور پیچیدہ معاملات کی بنیادیں بڑھیں۔

آیات قرآنی

”مسلمانو! جب تم ایک میعاد مقرر تک ادھار کا لین دین کرو تو اسکو لگہ لیا کرو

یا تمھارے درمیان میں کوئی دوسرا لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھ دیا کرے۔

لکھنے والے کو انکار نہ کرنا چاہیے جیسا اللہ نے سکھایا ہے لکھ دیا کرے۔ اور مقرر

کو چاہیے کہ لکھا جائے اور اللہ سے کہ وہی اسکا کارساز ہے ڈرتا رہے۔ اور

کچھ کمی بیشی نہ کرے۔ اگر مقرر ضلیم عقل ہو۔ معذور ہو یا خود نہ لکھ سکتا ہو تو اسکا

دلی انصاف سے لکھا دے۔ اپنے لوگوں میں سے اطمینان کے دو مرد گواہ

کر لو اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں کیونکہ ایک بھول جائے گی تو دوسری

یا دوا دے گی۔ گواہ جب بلائے جائیں تو وہ انکار نہ کریں۔ میعاد می معاملہ چھوڑنا ہو

بڑا اُسکے لکھ لینے میں کاہلی نہ کرو۔ خدا کے نزدیک یہ بہت ہی منصفانہ کارروائی ہے اور گواہی کے لیے بھی یہی طریقہ بہت ٹھیک ہے اور زیادہ تر قرین قیاس ہے کہ تم اس طرح آئندہ شک و شبہ نہ کرو گے۔ ہاں سودا دیم نقد ہو جسکو تم لیتے دیتے ہو تو اُسکے نہ لکھنے میں کچھ گناہ نہیں۔ خرید و فروخت کرو جب بھی گواہ کر لیا کرو۔ کاتب کو اور گواہ کو کوئی نقصان نہ پہنچے اگر ایسا ہو گا تو یہ تمہاری شرارت ہے اللہ سے ڈرو۔ اللہ تمکو معاملہ کی صفائی سکھاتا ہے وہ سب کچھ جانتا ہے اگر تم سفر میں ہو اور تمکو کوئی لکھنے والا نہ ملے تو رہن بالقبض کر لو۔ جب تم سے ایک دوسرے کا اعتبار کرنا ہے تو جسکا اعتبار کیا گیا ہے اُسے چاہیے کہ فرض دینے والے کی امانت ادا کرے اور خدا سے جو اُسکا کارساز ہے ڈرے۔ شہادت کو نہ چھپاؤ جو چھپاتا ہے وہ دل کا کھوٹا ہے جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو سب معلوم ہے۔

سیرۃ بقرہ کو ع ۳۹۔

لین دین خرید و فروخت تمام معاملات کی نسبت کتنا مختصر طور پر سب باتیں اصول کے طور پر بیان کر دی گئی ہیں لیکن جب ایک دوسرے سے لین دین کرے تو خود

يا ايها الذين امنوا اذا تدانتم بين الی اجل سمي فليكتبوه وليكتب بينكم كاتب بالعدل ولا ياب
كاتب ان يكتب كما علمه الله فليكتب وليملل الذي عليه الحق وليتقن السدرة ولا يخس منه
شيئا فان كان الذي عليه الحق سفيهاً او ضليلاً فلا يستطیع ان يمل من فليمل وليد بالعدل ويستشهدوا
شهداء من سن رجاكم فان لم يكن رجليه فرجل وامراتن ممن ترضون من الشهداء ان فضل احد منافكر
احد ما الاخرى ولا يبال الشهداء اذا ما دعوا ولا تستخوان لكتبوه صغيرا او كبيرا الى اجل انكم انقطعوا عنه
واقدم للشهادة رادى الا تاتوا الا ان تكون تجارة حاضرة تديرونها بينكم فليس عليكم جناح ان تكتبوا
الشهداء اذا ابتاعتم ولا بفراكم ولا تشهدوا ان تفعلا فانه منسوق بكم ان تقرا الله فليعلم الله والله
بكل شئ عليم وان اقيم على سفر دية تجددوا كاتبا فزمن بمقتضى فان امن بيمينكم فليد الذي اذن من
امانة وليتقن السدرة ولا تكتبوا الشهادة بين يديها فان اتم فليد والله باقصدكم عليم

میں اور مسلمان
سے ظاہر ہوتی ہے
میں ملے کرتے وقت
دوسری نظر ڈالنے

-۷-

آئندہ کے

بنیادین پیرین

سکولہ لیا کرو

سوریا کرے۔

۱۔ اور مقروض

رہے اور

اسی وقتوں کا

۱۵۰

تو دوسری

ما لا يحصى ما سئل

کھڑے یا دوسرے سے ٹھیک ٹھیک لکھوائے۔ کھنے والے کو چاہیے کہ جیسا ہے
 لکھنا آتا ہے حتیٰ الوسع ٹھیک ٹھیک لکھ دے۔ اور دوسرے سے لکھوانے کی حالت
 میں مفروض کو چاہیے کہ وہ لکھوائے اور ٹھیک ٹھیک لکھوائے۔ مفروض غیر مکلف
 ہو تو اسکے اولیاء میں کام کریں۔ معاملات کے وقت دوا گواہ شہر الینامی محکوم ہے۔ عورتوں
 کا حافظہ کمزور ہے اسلئے اس بارہ میں وہ دوا ایک مرد کے برابر ہیں۔ میعاد میں معاملات جتنے
 ہوں اور اسلئے آئندہ انکی بحث پیدا ہونے والی ہو وہ چھوٹی تہو یا بڑی لکھنا ضرور ہے خدا
 کے نزدیک یہی طریقہ یادداشت کا ٹھیک ہے اور گواہ مقرر کرنا بھی بہت مناسب ہے اور
 اس طرح امید ہے کہ آئندہ شک و شبہ پیدا نہ ہوگا۔ بان دیم نقد سودا ہو ایک ہاتھ سے
 دینا اور دوسرے ہاتھ سے لینا ہو تو تحریر کی ضرورت نہیں ہے۔ خرید و فروخت
 کرنے وقت بھی گواہ کر لو۔ گواہ کو یا کاتب کو حیران نہ کرنا چاہیے کیونکہ انکے ذریعہ سے
 مدد ملتی ہے۔ یہ سب طریقے جو بتائے گئے ان سے معاملہ میں صفائی پیدا ہوتی ہے
 سفر میں اگر کھنے والا نہ ملے تو جلد ہی میں قرض دینے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جبکو
 نقد دیا اسکی چیز رہن رکھ لی لیکن رہن سے رہن سودی مراد نہیں ہے۔ جب اس
 طرح ایک دوسرے پر اعتبار کر کے قرض دیتا ہے تو چاہیے کہ بد معاملگی سے اس
 میں فرق نہ ڈالا جائے۔ خدا سے ڈرنا چاہیے وہ کار ساز ہے۔ نیت درست ہوگی تو
 وہ ادا سے قرض کی صورت بھی نکال دے گا۔ تمام معاملات میں شہادت کی تاکید
 ہے تو شاہدوں کو بھی چاہیے کہ وہ شہادت نہ چھپائیں۔ دل کے کھوٹے شہادت
 چھپاتے ہیں۔ اللہ سب کے دل سے آگاہ ہے۔ فقہانے ان آیات سے بہت
 سے مسائل نکالے ہیں۔ جہان جہان شاہدوں کی تعداد قرآن میں مذکور نہیں ہے

دہان کم سے کم دو شاہد شرعاً ضرور ہونے چاہئیں۔ اب بھی انگریزی عدالتوں میں بہت سی دستاویزیں ہیں جو بغیر دو گواہوں کی شہادت کے کالعدم بھی جاتی ہیں۔ بہت سے معاملات ایسے ہیں کہ وہ اگر تحریر نہ کیے جائیں اور گواہوں کی گواہی نہ ہو تو آج کل کی انگریزی عدالتیں انھیں کالعدم سمجھتی ہیں۔ قرآن میں گواہ کر لینا اور رکھ لینا سنایت افضل سمجھا گیا ہے اور قرآن میں اسکی بابت سخت تاکید ہے جیسا کہ مفصلہ بالا آیت سے ثابت ہے۔ لیکن فقہان آیات کو اس بارہ میں محض ترغیب دلانے والی سمجھا ہوا انکے نزدیک اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر قاضی کے سامنے معاہدہ کرنے والا یہ بیان کرے کہ میں نے معاہدہ کیا اور معاہدہ سے فائدہ بھی اٹھایا لیکن معاہدہ تحریری نہیں ہوا اور دو گواہوں کی گواہیاں نہیں ہوئیں اسلیے وہ مجھ پر واجب التعمیل نہیں ہے تو اُمیر سے معاہدہ کی پابندی اٹھا دی جائے۔

خرید و فروخت میں عربوں کی تہذیب

اگر قومی تمدن کسی مضبوط اور یکپارچہ اصول پر مبنی نہیں ہے تو دولت کے ساتھ اسراف لازم ہے۔ جب دولت بڑھتی ہے تو ساتھ ہی اسراف بھی بڑھتا ہے۔ علمائے اخلاق نے اسراف سے بہت کچھ ڈرایا ہے۔ لوگ دھیان نہیں کرتے اور نہ یہ سمجھتے کہ اسراف دولت کی بنیاد کا گرانے والا ہے۔ جس طرح دولت حاصل ہونے کے بعد دولت کی حرارت لینے نخوت کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ ویسے ہی یہ بھی لازمی ہے کہ کچھ دنوں کے بعد دولت کی قدر و لون سے جاتی رہتی ہے اور اسی کا دوسرا نام اسراف ہے۔ دولت کی قدر نہ کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ نخوت پیدا نہ ہو لیکن اس طرح کی ناقدری شاذ کالعدم کے حکم میں ہے۔

آج کل انگلستان میں دولت کی کثرت ہے اور اس لیے وہاں کے باشندے اسراف
 کی باتیں کرتے رہتے ہیں وہاں اسراف کی صورتیں مختلف ہیں۔ ہم صرف اُس صورت سے
 بحث کرنا چاہتے ہیں جو خرید و فروخت سے متعلق ہے۔ وہاں کے اہل دول جب کسی
 دکان میں چیزیں خریدنے جاتے ہیں تو نقد قیمت ادا کرنا نشان کے خلاف جانتے ہیں
 اور لیڈیان تو قیمت بھی نہیں دریافت کرتے گنیں اور پسند کی چیزیں اٹا لیتے۔ دکاندار
 نے جو چاہی قیمت لکھ لی۔ بے ایمان تاجر دن کا تو ذکر نہیں۔ دیانت دار تاجر بھی ایسے
 سودے میں سود۔ ہربہ۔ حیرانی اور محنت بھی کچھ دل میں جوڑ کر ڈیوڑھا دنا دام رکھ
 لیتے ہیں۔ امر کی دیکھا دیکھی غوا بھی وہی چال چلے۔ نقد قیمت دیکر سود الینا گویا سا فرما
 محمول الاسم ہونے کی دلیل ہے۔ یہی طریقہ ہندوستان میں بھی جاری ہوا ہے۔ جو
 ہندوستانی دکانیں انگریزی دکانوں کے طور پر بیان کھلی ہیں انہیں بھی یہی راستہ
 اختیار کیا گیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی دکانیں جنہیں بشکل دھنل میں روپیہ کھاپی کو بچتا
 ہے انہیں بھی فروسے کہ دھنل پندرہ روپیہ ماہوار کا محرر بل بنانے کے لیے مقرر ہے
 پانچ پانچ روپیہ کے دو زاید پاد سے تقاضے کے لیے مجبور ہیں۔ ہمارے نزدیک
 یہ طریقہ نہایت ہی بندیدہ ہے۔ روپیہ کا مال خواہ مخواہ ڈیوڑھا اور روپیہ کو اس طرح لینا پڑتا
 ہے۔ علاوہ گرانی کے خریدار کے لیے ایک یہ وقت ہے کہ اکٹھا دینا اور سکاٹھ کرنا ہے
 اور لمبا اوقات وہ بآسانی نہیں دے سکتا۔ اور آسانی وصول ہونے کی وقتیں وہ
 خوب سمجھ سکتے ہیں جو صالون کی بٹی۔ لیمپ۔ نب۔ ٹین۔ برش وغیرہ چھوٹی چیزیں
 کی بدولت نوکری پیشہ انگریزوں کا اثاثہ روز کیہر لون میں نیلام ہونے دیکھتے ہیں۔ اس
 طور سے صرف خریداروں ہی کا نقصان نہیں ہوتا بلکہ دکانداروں کا بھی ہوتا ہے مگر وہ

غیر ممکن الوصول رقموں کا پرتہ دوسرے خریداروں پر بچھا لیتے ہو گئے۔ لیکن جب شروع سے نادبند ہی نادمہند ہیں تو ان بیچاروں کا بھی دم ناک مین ہو جاتا ہے۔ یوں ظاہری بھگدڑ دیکھ لیجیے لیکن حساب دیکھنے سے معلوم ہو گا کہ درخت کا اندرونی حصہ بالکل سڑ کر کھوکھل ہو گیا ہے۔ ذرا تیز ہوا چلی اور گر۔ بڑے بڑے شہروں میں انسانی کوڑے مین جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ دکانداروں پر کیا گزرتی ہے۔ زمانہ کے دستور نے ہند کی تجارت کا لطف کم کر دیا ہے۔ اور یہ ناپسندیدہ طریقہ جاہلین کے لیے مضر ہے۔ اگر نقد قیمت دیکر خریداری کی جائے تو مال مستاصلے اور آئندہ دقیقین نہ ہوں۔ دکاندار خریداروں کو دعائیں دین اور خریداروں کو کبھی دقت کا سامنا نہ ہو۔ عرب اپنے زمانہ عروج میں ملک التجا رتھے نہ فرض لیتے تھے اور نہ قرض پر معاملہ کرتے تھے۔ مال عرب پیش عرب، مثل مشہور ہے۔ اب بھی بعض بلاد اسلام میں پرانے طریقے پر مسلمان تجارت کرتے ہیں اور نہایت آزادی اور بفکری سے مال بیچتے ہیں۔ خود بھی خوش رہتے ہیں اور خریداروں کو بھی خوش رکھتے ہیں۔

فصل سہم و ششم

ہب

صدقہ اور ہدیہ کا بیان اور ان دونوں کا فرق فصل سہم کتاب ہذا میں مفصل نہ کور ہوا ہے۔ بیان ان دونوں کے متعلق احکام فقہ بیان کیے جاتے ہیں۔ صدقہ اور ہدیہ کے لیے فقہ میں ایک ہی لفظ "ہب" کا مستعمل کیا جاتا ہے۔

ہب ہمیشہ بغیر عوض کے ہوتا ہے اور جو عوض ہوتا ہے وہ بیع کے حکم میں ہے ہب نہیں ہے۔ ہب مثل اور معاملات کے کبھی دھوکے سے بھی ہو جاتا ہے پھل مار

مفصل سہم و ششم
شد سے اسرار
صورت سے
دل جب کی
ت جانتے ہیں
تین۔ دکاندار
رتا ج بھی ایسے
دونام رکھ
گو یا سا فریا
ہوا ہے جو
ی را سہ
پا کی کو بچتا
لیے مضر ہے
سے نزدیک
طرح لینا پڑتا
والا کرتا ہے
دین وہ
جھوٹی چیز
تے ہیں اس
ہے گود

۱۔ باؤ وال کر بی جو شامہ کر کے اور کبھی فریب دیکر لوگ اپنا کام نکال لیتے ہیں۔ اگر ان صورتوں میں بہہ کرنے والے کو بہہ کے واپس لینے کا اختیار نہ دیا جائے تو نہایت بے انصافی ہوگی۔ ہر ملک کے قوانین میں یہ امر نہ گور ہے کہ فریب - دغا - غلط بیانی - دباؤ - داب ناجائز سے یا بدحواسی کی حالت میں کوئی معاملہ کیا جائے تو کالعدم ہے اور اسلئے بہہ بھی ان صورتوں میں خود بخود کالعدم ہو جاتا ہے۔

شرع محمدی نے اور معاملات کے ساتھ بہہ کے احکام اس بارہ میں شامل نہیں کیے ہیں بلکہ اسکے لیے جدا احکام ہی مبنی بر عدل و انصاف بنا دیے ہیں جیسے یہ محکوم کر دیا ہے کہ بہہ مکمل نہیں ہوتا جب تک واسب اپنا قبضہ اٹھانے - اور موہوب لہ بہہ کو قبول کر کے شرموہوب پر اپنا قبضہ نہ کرے۔ اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے تو صرف وہ صورت جبکہ زوجہ یا اولاد نابالغ کے حق میں بہہ کیا جائے۔ بہہ کے قابل شرع محمدی میں وہی چیز سمجھی گئی ہے جس پر قبضہ ہو سکتا ہو اور واسب آپس وقت بہہ کے قابض ہو۔ واسب کے حق میں اس قدر سہولتیں اور رعایتیں محکوم ہوئیں ہیں بھی خفیون نے (جبکہ قانون اکثر بلاد اسلام میں نافذ ہے) خیال کیا کہ ممکن ہے کہ واسبوں کے حق میں اس طرح پورا انصاف نہ ہو اور اسلئے حکم مرتع نافذ کیا کہ بہہ کے ہر طور پر نافذ ہوجانے کے بعد واسب کو اختیار ہے کہ شے موہوب واپس کرے (۱) بشرطیکہ شے موہوب ضائع نہ ہوئی ہو (۲) موہوب لہ کی ملکیت سے خارج (۳) واسب مر نہ گیا ہو۔ نہ ہوئی ہو۔

(۴) شے موہوب میں ترقی نہ ہوئی (۵) شے موہوب میں تبدیلی واقع نہ ہوئی ہو۔ (۶) واسب لہ موہوب میں رشتہ زناشوئی نہ ہو۔

اور ایک سو سو لاکھ زینت داری بدرجہ حرمت خود (۸) ہبہ کے عوض میں کچھ لیا نہ گیا ہو۔

غرض کہ جب ایک شوخست میں دیجاتی ہے تو لینے والے پر فرض ہے کہ وہ دینے والے کا ہمیشہ شکر گزار رہے اور اسکی نیت بدلنے نہ دے اور خوب سمجھ بوجھ کر اطمینان کی حالت میں دے تاکہ معاملہ کی صفائی میں ذرا بھی شبہ نہ رہے۔ شرع محمدی کا یہ مسئلہ بھی قابل قدر ہے کہ مرض الموت میں اگر کوئی شے ہبہ کی جائے تو صرف ایک تھائی اسکی موصوبہ کہ کو بیخوشی ہے ایسا ہبہ وصیت ہو جاتا ہے۔ اب دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ درثا کے حق میں ہبہ درست ہے یا نہیں۔ اگر ہبہ سے اولاد کے سوا دوسرے درثا کو محروم کرنا ہے تو ہبہ کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ لیکن اگر ہبہ سے مقصود دو ایک اولاد کو دینا یا زیادہ دینا اور دوسری اولاد کو کم دینا یا نہ دینا تو ایسی ہبہ کے جواز میں اختلاف ہے فقہاء جواز کا فتویٰ دیتے ہیں لیکن اخلاقاً ثابت ہوتا ہے کہ میں اور بعض محدثین ایسی ہبہ کو شرمع سے کالعدم قرار دیتے ہیں۔

اس اختلاف کی وجہ قول رسول کے معنی سمجھنے پڑی ہو چکا تبصریح بیان کرنا تمام مسلمانوں کی ہدایت کے لیے مناسب سمجھتے ہیں۔

نعمان احمد انصار رسول اللہ سے تھے انکے باب بشیر نے انکو ایک غلام دینا چاہا۔ چونکہ پیغمبر خدا نے اصول اسلام اپنی صحبت سے سب کے دلوں میں جما دیا تھا۔ اس لیے اس ہبہ کے جواز میں ان سب کو غیب ہوا اور انھوں نے چاہا کہ پیغمبر کے پاس چلکر انکو گواہ کریں اور اس طرح دریافت کر لیں کہ اس ہبہ میں کوئی نقصان تو نہیں ہے۔ پیغمبر نے شکر ہبہ کو ناجائز بتایا اور نعمان کو تبر غلام بشیر سے ملا تھا وہ

نام فصل ششم
میں۔ اگر ان
نے تو نہایت
دعا۔ غلط
یا جائے تو
باتا ہے۔
مل نہیں کیے
میں سمجھنے پر
نہ لے۔ اور
ملیہ سے مستثنیٰ
جائے۔ ہبہ کے
واہب آپس
میں محکوم ہو جائے
کہ ممکن ہے کہ
محافظ کیا کہ
یہ دالیں کرے
سے حاج
واقع ہوئی ہو۔
زمانہ کی سنو۔

پھر تیرے پاس واپس آگیا۔

”نہان کے باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہا کہ میں نے اپنا ایک غلام نہان کو دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کیا اپنے تمام لڑکوں کو تم نے ایسا ہی غلام دیا ہے۔ نہان کے باپ نے جواب دیا کہ نہیں۔ پیغمبر خدا نے کہا کہ واپس آ کر اور ایک روایت میں کہا کہ اُس سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل کرو (صحیح البخاری المجلد الثالث کتاب النبی)۔

حدیثین بالفاظ اور بہجی دونوں طرح منقول ہوئی ہیں۔ راویوں کا حافظہ اکثر نقصان کو بھول کر معنی کا خیال رکھتا تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اصل راوی نے کبھی بالفاظ روایت کی اور کبھی بہجی۔ مختلف دانتوں میں مختلف سننے والوں کے ذریعے سے اختلاف شروع ہوا۔ جب حدیثوں کی تدوین کا وقت آیا تو جمیع اقوال نظر باحتیاطا قلمبند کر لیے گئے۔ غرض کہ یہ پیغمبر خدا کے نسخہ سے جو الفاظ بکھلے انکو مختلف کتب احادیث میں یوں لکھا ہے۔

”رسول اللہ نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل کرو“
(تمام کتب احادیث میں)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا دہبہ واپس لے لو“۔ (صحیح بخاری اور صحیح مسلم)
”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا مجھے گواہ نہ کر کہ میں مجرور و تم گواہ نہ بنیں گا۔“ (مسلم)

۱۔ ان اباء اتی بہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال الی غلہ ابی ذالعلوان فی فقال لہ رسول اللہ
اکل دلدک غلہ مثل ذال فقال فارجو فی روایت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا اللہ فی اولادکم۔
۲۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا اللہ فی اولادکم۔
۳۔ فارودہ یا فارجہ۔
۴۔ فلا تشمہ فی فانی لا تشمہ علی جور۔

”اس امر میں میرے سوا کسی دوسرے کو گواہ کرو۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ بنی حق ہی پر گواہ ہو سکتا ہوں“ (جامع صحیح مسلم و سنن نسائی)۔

”ہبہ میں تم اپنی اولاد کو برابر بھیجیو جیسا کہ تم چاہتے ہو کہ وہ سب تمہاری اطاعت برابر کریں“ (صحیح مسلم)۔

”تمہاری اولاد کا یہ حق ہے کہ تم ان کے ساتھ عدل کرو۔ بھوکو تم ظلم پر گواہ نہ کرو۔ تم چاہتے ہو کہ وہ تمہاری اطاعت برابر کریں؟ بشیر نے کہا ہاں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تو تم عدل نہ کرو گے تو وہ اطاعت نہ کریں گے۔ (احمد شریف)۔

”میرے سوا کسی اور کو گواہ کرو“ (سنن نسائی)۔

”اپنا گواہ ہونا آنحضرتؐ کو روک دے“ (سنن نسائی)۔

”کیا اپنی اولاد میں تم نے برابری کا خیال نہیں رکھا؟“ (سنن نسائی)۔

”اولاد میں مساوات کا خیال رکھو“ (ابن الجبان)۔

”دائیں لے لے“ (سوطا امام مالکؒ)۔

”دوہین گواہی نہیں دیتا لیکن حق پر“ (عبدالرزاق)۔

”نہ کوئی کا یہ حق ہے کہ تم ان کے ساتھ عدل کرو جیسا کہ تم کو یہ حق ہے کہ وہ

۱۰۰۰ فاشد علی ہذا غیرہ۔ لیس فیہ ذافانی لا اشد الا علی حق۔
 ۱۰۰۰ اعد لو بین اولادکم فی النخل کما یجوزون بعدوا ینکم فی البر۔
 ۱۰۰۰ ان ینک علیک سن الحق ان تعدل بینہم فلا تشد فی علی جورا تحب ان یؤذوا لیک فی اسرار مالہ
 ۱۰۰۰ فلا تشد علی ہذا غیرہ۔
 ۱۰۰۰ فکرو ان لیسہ۔
 ۱۰۰۰ الاسوبیت بینہم۔
 ۱۰۰۰ یترو بینہم۔
 ۱۰۰۰ فارحبہ۔
 ۱۰۰۰ لا اشد الا علی حق۔

نے اپنا ایک
 تم نے ایسا ہی
 کا کہ دایسے تو
 (صحیح البخاری)

کا حافظ اکثر
 س راوی نے
 فتنے والوں کے
 آیا تو صحیح اقوال
 ملے انکو مختلف

سل کرو

فی اور صحیح مسلم
 فن کا بہت
 قال لہ سوال لہ
 عدوانی اولادکم۔

متھاری اطاعت کریں۔ (سنن ابی داؤد)

ان تمام اقوال مختلفہ پر لیا کر کے جو نتیجہ علماء متقدمین نے نکالا ہے وہ یہ ہے
 ”سب کا ایک ہی مضموم ہے یعنی مساوات کا حکم اور اس کے خلاف کرنے کی نماندگی
 اور تصریح اس امر کی کہ یہ بین مساوات نہ ہو تو وہ جائز نہیں ہے اور ظلم ہے اور
 اس کے اعلان کا حکم فحواے عبارت سے عیاں ہے (حافظ ابن حجر)۔
 ”اگر ان لیلوں سے منع نہیں سمجھا گیا تو پھر معلوم نہیں کونسی دلیل سے منع سمجھا جائیگا“
 (شوکانی ص ۱۲۱)۔

”اس سے مساوات اور عدل کا وجوب نکلتا ہے کیونکہ یہ امر کی جگہ پر آیا ہے اور
 امر مقتضی ہے وجوب کا“ (امیر حسین درشفاء الاقدام)۔
 ”ان سب سے یہی نکلتا ہے کہ اولاد میں سوائے قسوتیہ کے یعنی ان کے حقوق
 مساوی رکھنے کے سوا اور کچھ جائز نہیں ہے“ (امام احمد بن سلیمان در اصول الاحکام)
 امام احمد بن سلیمان نے ایک قول ابن عباس کا نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا
 کہ ”وہ میں اپنی اولاد کے ساتھ مساوات کا خیال رکھو۔ اگر ایک کو ترجیح دینے کا اختیار
 ہوتا تو میں اس کو ترجیح دیتا“

یہیں یہ لکھنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جتنی باتیں اوپر بیان کی گئیں وہ سب فقہاء

- ۱۱۱۱ ان لم یملک من الحق ان یعدل بینہم لک من الحق ان یردک۔
 ۱۱۱۲ کل تریع الی سنی واحد قد اشتل علی الامر بالتسویۃ والنہی عن المظالم والقصر علی عدم صحت المبدیۃ
 الی لا تسویۃ فمما دنا من الجور والتبذیر علی المظالم بالعموی۔
 ۱۱۱۳ ازالم تفرق ذہ الاولۃ المنع فلا یرسی اسی دلیل یفیدہ۔
 ۱۱۱۴ دل ذلک علی وجوب المساوات والعدل لانه اور وہ سرور الامر والامر یقتضی الوجوب۔
 ۱۱۱۵ دل علی انه لا یجوز الا التسویۃ بین الاولاد۔
 ۱۱۱۶ سوادین اولادکم فی العطیۃ فلو نلت مفضلاً فضلت العبادات۔

کے نزدیک مسلم ہیں جو کچھ انہیں اختلاف ہے نتیجہ نکالنے میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ تنویہ (یعنی سب اولاد کو برابر دینا) مناسب ہے اور اسکا ترک کرنے والا گنہگار ہے اور بعض کا قول ہے کہ نادرک گنہگار تو ہے ہی نفس ہب بھی کالعدم ہے۔ تنویہ بیان حصص شرعی کے ہونا چاہیے یا باعتبار فرد و محبوبہ کے ہونا چاہیے۔ دوسرے لفظوں میں مساوات ہر حسب مواریث ہونا چاہیے یا ہر حسب روس۔

امام احمد کہتے ہیں۔ ”مساوات کی ضرورت میں علما کا اختلاف نہیں ہے جو کچھ اختلاف ہے کیفیت مساوات میں ہے۔ ابو یوسف رحمہ اللہ کا مذہب یہ کہ باپ بخشش میں پسر اور دختر کو برابر رکھے۔ اور محمدؐ نے کہا۔ نہیں۔ واجب ہے کہ عسلی حسب الموارث انہیں مساوات کی جانے یعنی پسر کو دو حصے دیے جائیں اور دختر کو ایک حصہ اور وجہ اسکی یہ بیان کی کہ اگر باپ مر جائے اور کچھ دے نہ جائے تو اسکے درنا اسی طریقہ سے ترکہ جائیں گے۔“

ان تمام اقوال پر نظر کر کے محدثین کی رائے یہ ہے کہ ہب میں مساوات واجب ہے اور جس ہب میں بغیر کسی وجہ شرعی کے مساوات میں اولاد نہ ہو وہ باطل اور کالعدم ہے۔ ایسا ہب کوٹنے والا گنہگار اور سخت گنہگار تو تمام علماء اسلام کے نزدیک ہے لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ وہ باطل ہے یا نہیں۔ بعض علما کے نزدیک وہ ضرور باطل ہے اور قاضی کے حکم سے کالعدم ہو سکتا ہے۔ جن وجوہ سے یہ رائے قائم کی گئی ہے انکی تصریح ذیل میں ہے۔

جب آنحضرتؐ نے فرمایا ”یہ صحیح نہیں ہے“ (یعنی تصحیح نہ ہوا) تو بغیر عدم حجاز ہب کے اختلاف فی ہذا بین العلماء واما اختلاف فی کیفیت التوسیۃ فقہ ہابریہ صحت الی انہ یسادی ہون الا فی الذکر فی التوسیۃ قتال محمدؐ بن ابی ہریرہؓ علی حسب مواریث لاکر شغل خط ابی بن وجہ انہ لو مات ولم یلق حق المال علی ہذا السبیل۔

غیر مساوی مین کیا شبہ رہ گیا۔

”مین سوا سے حق کے دوسرے کسی امر کا گواہ نہیں ہو سکتا“ (لا تشہد لالا علی الحق) جس کا مطلب مرتج یہ ہوا کہ یہ حق نہیں ہے حق ہوتا تو مین گواہ ہوتا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو حق نہیں ہے باطل ہے۔

”جو پر مجھ کو گواہ نہ کرو“ (لا تشہد فی علی جور) جو کے باطل ہونے مین کسی کو کلام نہیں ہے۔

”لوگوں کا تجھ پر یہ حق ہے کہ تو انھیں عدل کرے“ (ان لینیک علیک من الحق ان تعدل بینہم) جب عدل لوگوں کا حق ہوا تو باپ پر واجب ہوا۔ اور باپ کا جو فعل حق اور واجب کے خلاف ہو گا وہ باطل ہو گا۔

”دائیں لے لو“ (فاخرجہ)۔ اگر یہ غلام کا مجرومی دوسرے لوگوں کے جائز ہوتا تو آنحضرتؐ اس کے دائیں لینے کا حکم نہ دیتے۔ یہ شرعاً باطل تھا جب ہی اس کی دائیں کا حکم دیا۔

”اللہ سے ڈرو اور اپنے لوگوں مین عدل کرو“ (اتقوا اللہ واعدوا بین اولادکم) اتفاق کے ساتھ بیان عدل کو عطف کیا ہے۔ یعنی اللہ سے ڈرنا جس طرح واجب ہے اسی طرح لوگوں مین عدل کرنا واجب ہے۔ احکام شرعیہ سے فقہی مسائل اخذ کرنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ اس قول مین کتنا زور ہے۔

حدیث بن نعمان کا بیان بھی منقول ہے۔ اُس نے کہا ”پھر میرے باپ نے وہ صدقہ پس لے لیا“ (فرجع الی فی تلک الصدقۃ اصطلاح شرع مین یہ بخل اور عطیہ اور کبھی کبھی صدقہ ایک ہی شے ہے۔ بشیر الفارس نے تھے۔ عربی زبان

خوب سمجھتے تھے۔ انھوں نے ہبہ کو ناجائز سمجھ کر غلام واپس لے لیا۔
 سالف سے ایک قول منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے دو مرتبہ کہا کہ ”اپنی اولاد
 میں عدل کرو“ (اعدلوا فی اولادکم)۔ اصول میں یہ بات مان لی گئی ہے۔ کسی
 شے کا حکم دینا اسکی ضد کا منع کرنا ہے اور کسی شے کی مخالفت ہو نہیں سکتی
 جب تک وہ فاسد نہ ہو“ (الامر بالشیئ منی عن مذہد والنہی عن الشیئ یستلزم الفساد والامراء
 للبطلان) فاسد اور باطل ایک معنی میں ہیں۔

”اسپر میرے سوا دوسرے کو گواہ کرو“ (اشہد علیہ غیری) پس یہی قول ہے
 جسکی بنا پر یہ راسے قائم کی گئی ہے کہ ہبہ باطل و کالعدم ہوتا تو آنحضرتؐ یہ نہ کہتے
 کہ ”دوسرے کو گواہ کرو“ اول قویہ قول ضعیف ہے۔ یہی قول کیون مرع سمجھا جائے
 اور اگر بالفرض آنحضرتؐ نے ایسا کہا تو اس سے جواز ہبہ تو پیدا نہیں ہوتا۔ مخالفت
 تخلف۔ تنذیر اور تنہید کا مضمون البتہ پیدا ہے۔

محمد ابن منصور جاح میں کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے جو کہا کہ ”میرے سوا کسی
 دوسرے کو گواہ کرو۔ اس سے دوسرے کو گواہ کرنے کا حکم نہیں نکلتا بلکہ اس سے
 محض تنہید علی سبیل الانکار مقصود ہے“ جس طرح اللہ تعالیٰ قرآن میں کہتا ہے
 جو چاہو تم کو سچ ہے۔ خدا کفار سے کہتا ہے کہ تم جو چاہو کرو اس سے یہ مقصود نہیں ہے
 کہ خدا نے کفر کو جائز رکھا ہے اور اسکے کرنے کا حکم دیا ہے۔

”اپنی اولاد میں مساوات رکھو“ (ساووا بین اولادکم فی البطیۃ) اس سے حکم
 پیدا ہے۔

”ایسی ہبہ میں صلاحیت شرعیہ نہیں ہے انان ہذا لا یصلح“ حسین شری

صلاحیت نہیں وہ باطل ہے۔

”تجبکو تو معلوم ہوگا کہ اولاد تیری اطاعت میں مسادی ہوں“ (البیہکان
کیونہانی البرسوار) اس سے مقصود آنحضرت کا یہ تھا کہ اولاد میں تفضیل کرنا سبب
انکے حقوق لینے نامرمانی کا ہوگا۔ حقوق اکبر کہاں ہے اور اکبر کہاں کا جوابعت ہو وہ
غیر باطل باطلات اور احرم محرمات ہوگا۔

”میں فضیلت دیتا تو لڑکیوں کو فضیلت دیتا“ (لو كنت مفضلاً لفضلت البنات)

اور عربی قاعدہ سے اسکا مفہوم یہ ہوا۔

”میں کسی کو ترجیح نہیں دیتا اسلئے لڑکیوں کو ترجیح نہیں دیکتا“ (کنی لا افاضل
احداً فلا افضل البنات) اس سے تفضیل کی نفی اور بطلان کی دلیل میری واضح ہے
کوئی یہ نہ سمجھے کہ جو اسے میں نے ظاہر کی ہے وہ میری رائے ہے۔ نعمان
بن بشیر کی حدیث سے اور شرع محمدی کے اعتدال اور اصول پر نظر کر کے سب
سے اکابر نے یہی رائے ظاہر کی ہے کہ اولاد میں ہبہ کے وقت مساوات
کا خیال رکھنا واجب ہے اور جس ہبہ میں مساوات بین الاولاد نہ ہو وہ کالعدم
اور باطل ہے۔

میں بیان پر علامہ محمد ابن اسماعیل میرمائی کی کتاب سبل السلام فی شرح
البرغ المرام مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی سن ۱۳۱۵ھ صفحہ ۷۷ کا ترجمہ نقل کرتا ہوں۔
”باب ہبہ۔ حدیث اول۔ نعمان بن بشیر سے روایت ہے۔ اسکا باب نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے اپنے اس بیٹے (نعمان)

سہ باب الہب۔ الحدیث الاول۔ عن النعمان بن بشیر ان اباه اتی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال انی اکت

کو اپنا یہ غلام دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اپنی تمام اولاد کو تم نے
یوہن دیا ہے۔ بشیر نے کہا۔ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ ہبہ
والہیں ملے لو۔ اور ایک روایت میں نعمان کا بیان ہے کہ میرا باپ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا کہ آنحضرتؐ کو اس ہبہ پر گواہ کرے۔ آنحضرتؐ
نے پوچھا ایسا ہی ہبہ تمام اولاد کے حق میں تم نے کیا ہے۔ میرے باپ نے
کہا نہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے حق میں عدل
کرو۔ پھر میرا باپ واپس آیا اور وہ ہبہ پھیر لیا۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اور مسلم کی
ایک روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ میرے سوا کسی اور کو گواہ کرو۔ اور پھر
فرمایا تم کو اچھا معلوم ہوگا اگر سب اولاد میری مساوی اطاعت کرے۔ بشیر نے کہا۔
ہاں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ تم عدل نہ کرو گے تو وہ اطاعت بھی نہ کرے گی۔ یہ
اصل حدیث کی عبارت ہوئی۔ اس پر علامہ یحییٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ شریح لکھتے ہیں کلا کر

ابنی ہذا غلاما کان فی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکل ملک تخلتہ من بنی نضال فقال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاجبہ فی فقال ابی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فشد علی صدیقی فقال
افعلت ہذا بلوک لکم قال لا قال فالتقوا اللہ واعدوا بین اولادکم فرجع ابی فزدتک الصدقہ متفق علیہ
فی ردائیہ مسلم قال فاشد علی ہذا غیری ثم قال الیرک ان یکونوا لک فی البسوا وقال بی قال فلا اذن الحدیث
دلیل علی وجوب المساواة بین الاولاد فی البسۃ وقد مر جہا بخاری وہو قول احمد وجمہور آخرین وانا باطلہ مع عدم المساواة
وہو الذی یفیدہ الفاظ الحدیث من امرہ صلی اللہ علیہ وسلم بارحامہ ومن قوله انقوا اللہ قولہ اعدوا بین
اولادکم وقولہ فلا اذن وقولہ لا اشد علی جرد اختلاف فی کیفیۃ التسویۃ ففیہل بان تكون عطیۃ الذکر
الانثی سوار وہو ظاہر قوله فی بعضہ انما عند النسا کی الاسویۃ بینہم وعند ابن حبان سواد بینہم والحدیثان بیان
سواد بین اولادکم فی البسۃ فلو كانت مفعلا احد الفعلات النسا واخرہ سعید بن منصور وابو یوسف یساقا حسن قبل التسویۃ
ان یجبل للذکر مثل خطا الانثیین علی حسب التوریت وہبہ لجمہور الی انما لا یجب التسویۃ بل تنبہ دا طالعانی
الاعتدال من الحدیث وذكر فی شرح عشرۃ اعذار کما غیرنا ہفتہ وقد کتبت فی ذلک رسالہ جواب سوال اولیہ
فیما قرۃ القول لوجوب التسویۃ وان البسۃ مع عدمها باطلہ۔

لن

اسب

ہودہ

بغات

فی لا فضل

محمدا منہ

نعمان

کسبت

ماوات

وہ کاحدم

شرح

ن

پ بنی

نعمان

نعمان

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مہیہ کرنے میں تمام اولاد کو مساوی درجہ میں گننا واجب ہے اور بخاری نے بھی ایسی ہی صراحت کی ہے۔ احمد اور اسحق وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے اور یہ بھی پیدا ہے کہ جس مہیہ میں مساوات بین الاولاد ہو وہ باطل ہے۔ الفاظ حدیث دیکھو۔ آنحضرت کا حکم دینا کہ مہیہ واپس لے لو اور پھر فرمانا کہ اللہ سے ڈرو۔ اولاد کے درمیان عدل کرو۔ آپ کا فرمانا۔ تو وہ اطاعت بھی ٹکریں گے۔ آپ کا ارشاد کہ۔ میں ظلم پر گواہ نہیں ہوتا۔ ان سب سے یہی پیدا ہے۔ ہاں مساوات کی صورت میں البتہ اختلاف ہے۔ بعضوں نے کہا مرد اور عورت کو برابر دینا چاہیے کیونکہ حدیث کے الفاظ صریح یہی سن رہے ہیں۔ مثلاً نسائی کے نزدیک عبارت یہ ہے۔ ”کیا تو نے اولاد میں مساوات نہیں رکھی؟“ ابن حبان کے نزدیک آنحضرت کا قول یہ ہے۔ ”اولاد میں مساوات رکھو“ ابن عباس کی حدیث یوں مشہور ہے ”اپنی اولاد میں تسویہ (برابری) رکھو۔ اگر کسی کو میں فضیلت دیتا تو عورتوں کو فضیلت دیتا“ سعید بن منصور اور بیہقی نے ہمسواو حسن یہ نقل کیا ہے اور بعضوں کی رائے ہے کہ تسویہ یوں ہونا چاہیے کہ مرد و عورت کی حالت مہیہ میں دو عورتوں کے برابر دیا جائے جیسا کہ توریث کی حالت میں چھٹہ مانتا ہے اور بہت سے لوگوں کی یہ رائے بھی ہے کہ تسویہ واجب نہیں ہے بہتر ہے۔ حدیث میں انھوں نے تاویلین کی ہیں اور ریش جتین لکھی ہیں جنہیں ایک بھی مقول نہیں ہے۔ میں نے اس باب میں ایک سالہ بطور سوال جواب کے لکھا ہے اور خوب توضیح سے ثابت کیا ہے کہ وجوب تسویہ کی رائے قوی تر ہے۔ اور جس مہیہ میں تسویہ نہ ہو وہ باطل ہے۔“

کلمت
حق غیر
اولاد ہو
لو اور پھر
طاعت
سے یہی
نے کہا
تے ہیں
نہیں
وات کو
اگر
نے بناو
کہ مرد کو
ت میں جھٹ
ہیں ہے
میں جنہیں
کے لکھا
اور جس

یہ بھی واضح رہے کہ دیگر اولاد اسلام میں ہمہ بین الاولاد میں غیر سادات محبت کے کم و بیش ہونے کی وجہ سے ہوگی اور علما نے اسی خیال سے اسکو غیر مدوح یا باطل ٹھہرایا ہوگا۔ منہدوستانی مسلمان جو اپنی لڑکیوں سے محبت رکھتے ہیں۔ لڑکوں سے ناخوش رہتے ہیں اور پھر یہ جانتے ہیں کہ لڑکے اٹکا کر کہہ پائیں اور لڑکیاں نہ پائیں وہ عورتوں کے حقوق کو جو قرآن میں مقرر ہیں خلاف عقل سمجھتے ہیں اور اس طرح خدا کے کلام کو خلاف حکمت جانتے ہیں اور خدا کو حکیم مطلق نہیں سمجھتے انکو وضاحت ہے کہ انکے خاندان میں وراثت قرآن مجید کے مطابق جاری نہ ہو۔ اگر یہ صورت ان علما کے سامنے پیش ہوتی تو وہ ہمہ کے باطل ٹھہرانے پر اکتفا نہ کرتے بلکہ واہب کے مرتد (دین اسلام سے پھرنے والا) ہو جانے کا بھی فتویٰ سناتے۔

شرع محمدی جس اصول پر مبنی ہے اسکا مقتضا بھی یہی ہے کہ ایسی ہمہ بین سادات واجب ہو۔ جن گھروں میں باپ اپنی اولاد کے ساتھ سادات کا خیال نہیں رکھتا وہ ان اولاد بھی باپ کی اطاعت دل سے نہیں کرتی۔ علما نے لکھا ہے کہ ”پھر یہ ترتیب منزل کی خرابی کا باعث ہوگا“۔ میں کہتا ہوں کہ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ بھائیوں میں اور بھائی بہنوں میں اور انکی اولاد میں ہمیشہ کے لیے باہم لاپ و دوسرے سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ اس سے قومی نفاق کی بنیاد قائم ہوتی ہے اور پھر نہایت خراب اثر مترتب ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کی حالت بلاشبہ یہی ہے جہاں لڑکیاں جانتی ہیں کہ وہ شاستر محمدی میں۔ لیکن مسلمانوں میں جب یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ باپ کے مرنے پر لڑکیاں فردر پائیں گی۔ باپ کو بغض نہیں ہے کہ وصیت کے ذریعہ سے انکو محروم کرے تو لڑکیاں ایک حق اپنا

یہی

پیدا سمجھتی ہیں۔ اب اگر باپ کو اجازت دیجائے کہ وہ دوسرے درشا کے حق میں
ہبہ کر کے اپنی لڑکی کو خردم کرے تو اس سے خواہ مخواہ لڑکی کو شکوہ کا موقع ہوگا۔
اسید ہی پیدا ہو جانے سے تو شکوہ کا موقع ہوتا ہے۔ شکوہ اکثر نفرت اور عداوت
کے منجر ہوتا ہے۔ باپ کو وصیت سے روک کر یوں ہبہ کی اجازت دینا گویا اسکو
جھوٹی کارروائی کرنے کی اجازت دینا ہے۔ اور یہ اور بھی بُرا ہے۔ غیر مساوی
ہبہ کے عدم جواز کا حکم نہ ہوتا جب بھی یہ قیاس ہونا چاہیے تھا کہ ہبہ غیر مساوی مصالح
شرعی کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہے لیکن یہاں تو صریح حدیث نبوی
موجود ہے نہ اسمین تاویل کی گنجائش ہے اور نہ کچھ بھی پس دپیش کا موقع ہے۔

ہندوؤں کا یہ قانون ہے کہ باپ اپنے بیٹوں کی مرضی بغیر کسی خاندانی جاہلاد
و سے نہیں سکتا اگر دے تو ایسا دینا کالعدم ہے۔ یہ مسئلہ شاستر کا انگریزی عدالت
میں بہت زیادہ بار و نق کر دیا گیا ہے۔ اب عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ باپ کے
حقوق محدود ہیں۔ اس درجہ باپ کو محدود حالت میں رکھنا مسلمانوں کے اصول
شرع میں کسی طرح مستحسن نہیں سمجھا جاسکتا۔ لیکن ایک اولاد کو یہ عہدوی و دوسری اولاد کے
کچھ دینا بہت ہی بُرا ہے جیسا اوپر بیان کیا گیا اور عقل بھی کہتی ہے کہ یہ ممانعت نہایت
ہی عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ ہم اپنی اس تحریر میں قوم کے دو مجتہد مشرحتین ابراہیم علی
اور مشرحتین بدرالدین طیب جی قاضیان وقت کو توجہ دلاتے ہیں کہ اگر انکے نزدیک
مختصین کی رائیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں صحیح ہیں تو وہ کیوں اس امر کی کوشش
نہ کریں کہ اس مسئلہ شرع کا لفافہ ہوا اور باپ کے اختیارات اس بارہ میں محدود کیے
جائیں۔ بالخصوص ایسی حالت میں کہ عورتوں کے حقوق کی طرف سے مسلمان چشم پوشی

کرتے جاتے ہیں اور ایسا مہبہ جبکہ مقصد اولاد انانیت کی محرومی ہے زیادہ تر ردِ اِج
 پکڑنا جاتا ہے مصلحان قوم کو قوم کی حالت درست کرنا چاہیے اور قرآن اور حدیث کے
 مطابق اصلاح کی صورت سوچنا چاہیے۔ قرآن و حدیث میں صرف اصول بیان کیے
 گئے ہیں ان سے ضرورت کے وقت مسائل اخذ کرنے کا کام مجتہدین اور قاضیوں
 کا ہے۔ جموں کو بھی قانون بنانے کا اختیار دیا گیا ہے۔ ہندوستان میں جہاں تمام
 عدالتیں محض عدالتِ العالیٰ ہیں جموں کے اختیارات اور بھی وسیع رکھے گئے
 ہیں جس زمانہ میں صرف اولاد کی نافرمانی محرومی ارث کا سبب ہو سکتی تھی۔ باب
 کے حقوق بین نھان ابن بشر کی حدیث کی وجہ سے دست اندازی کرنا فقہاء فروعی
 نہیں سمجھے۔ لیکن اب کہ حقوق نساء پر چلے ہوتے ہیں اور شرع محمدی کے مسائل
 سے غلط طور پر وراثتے جائز کو فقہان بہو بچانے کے خیالات پیدا ہوتے ہیں فقہاء کو
 وہ حدیث نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔ جس طرح گورنمنٹ دفتر کشی بند کرنے کی نسبت اور
 رسم سستی مٹانے کی بابت احکام جاری کرنا اپنے فرض سمجھی اسی طرح قاضیان و مفتیان
 وقت نھان ابن بشر کی حدیث کے مطابق اس وقت فتویٰ دینا ناگزیر سمجھیں تو کہیں
 شرعی قباحت نظر نہیں آتی۔

فصل ششم

وقف بکار خیر

وقف کو زیادہ تر ملکی اور اخلاقی معاملات سے تعلق ہے اور اس کا تذکرہ باب اول
 میں ہو سکتا تھا لیکن وقف کبھی وصیت کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی مہبہ کی صورت
 میں اس لیے وصیت اور مہبہ کے بعد اس کا بیان کرنا مناسب سمجھا گیا۔

کے حق میں
 موقع ہوگا۔
 رت اور عداوت
 نیا گویا اسکو
 فیرو سادی
 سادی مصالح
 حدیث نبوی
 ہے۔
 ندانی جاہل
 ربی عداوت
 کہ باب کے
 لے اصول
 سری اولاد
 ممانعت نہایت
 سببیں بر علی
 کے نزدیک
 کو کشش
 دے کے
 خیم پوشی

”صدقہ اور زکوٰۃ“ کے متعلق فصل ہفتم میں کہا گیا ہے کہ کثرت دینا ہو تو اقربا اور
 بڑوسیوں کو دینا چاہیے۔ یہاں تک کہ ابو طلحہؓ نے ایک باغ اہل صفہ کے خرچ
 کے لیے دینا چاہا اور حضرتؓ نے کہا کہ اپنے اقربا کو دو کہ وہ زیادہ مستحق ہیں۔
 پھر دوسری جگہ پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ تبوک میں سامان فوج درست کرنے کے
 لیے جب چندہ کیا گیا تو حضرت عثمانؓ نے وہ سب کا سب مال دیدیا جسکو وہ تجارت
 کے لیے شام کی طرف بھیجنے والے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے وہ تمام مال دیدیا جو اس وقت
 انکے گھر میں تھا اور کہا کہ بال بچے خدا کے سپرد کر دیے۔ اور حضرت عمرؓ نے اپنی
 کوئی دولت حوالے کر دی۔ یہ چندہ نہایت غرضی سے آنحضرتؐ نے قبول فرمایا۔
 ان امور سے صاف اور صریح طور پر عیاں ہے کہ موقع اور محل کو ہر وقت دیکھنا چاہیے
 اور نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ قومی کام مسلمانوں میں بہت زیادہ با وقف تصور کیا گیا ہے۔
 ”شکر ت کاروبار“ (فصل سی و دوم) میں ظاہر کیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں شخصی معاملات
 اور قومی معاملات دو مختلف اصول پر مبنی تھے اور اس سے انکو ترقی کے میدان میں
 بہت کچھ مدد ملتی تھی۔ وہیں یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں قومی خیالات بہت
 زیادہ تھے اور بغیر اسکے وہ اُس درجہ پر نہیں پہنچ سکتے تھے جس پر پہنچنے تھے لیکن
 کا خیال ہے کہ بادشاہوں کی سطوت اور سیاست اراکین دولت کو مطیع رکھتی تھی اور
 اس لیے حکومت کا ڈیڑھ چار ٹھیکہ ہونے نہیں پاتا تھا۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اراکین
 دولت اور دربار کے گورنروں اور صوبہ داروں اور دیگر حکام ماتحت کو قومی خیال
 اتنا تھا کہ کہیں سے سرکشی کا دھم بھی دلوں میں نہیں آتا تھا۔ یہ امر قابل حیرت ہے کہ
 تین چار سو برس تک پورب سے پچھم تک تمام اچھے حصے دنیا کے عربوں کے قبضے

میں تھے اور اُن عربوں نے ہمیشہ ایک بادشاہ کے زیر فرمان رہنا پسند کیا۔ اس حیرت انگیز مثال سے زیادہ اور کیا ثبوت عربوں کے قومی خیالات کا ہو سکتا ہے جس طرح عربوں نے ملکی معاملات میں اپنی قومی حالت دکھائی ہے اُسی طرح انھوں نے اخلاقی حالت میں بھی ہمیشہ نمونہ دکھایا ہے۔ ان کے زمانہ عروج میں بڑے بڑے حسنت اور خیرات کے کام اُن کے ذریعہ سے قائم تھے اور گویا کاجیکو وسیع پیمانہ پر وقف کے ذریعہ سے قائم کرنا مسلمانوں کے زمانہ میں مکمل ہوا۔ درحقیقت قبل ہجرت عبادت گاہوں کے کوئی چیز دنیا میں کسی قوم اور کسی ملت کے نزدیک موقوفہ نہیں سمجھی جاتی تھی۔ اور نہ عبادت گاہوں کے قائم رہنے کے لیے ان میں کوئی قانون یا کوئی آئین تھا۔ عبادت گاہوں پر لوگ مال۔ اسباب اور جہاد چڑھاتے تھے اور کوئی شخص مذہبی خیال سے اُس میں دست اندازی پسند نہیں کرتا تھا جس کو کچھ تھا اتنا ہی تھا۔ ہنری ہفتم شاہ انگلستان نے جب انگلستان کی خانقاہیں اور اُس کے ساتھ کی جائیدادوں کا ضبط کرنا چاہا تھا تو کوئی قانون اُس کا مانع نہ تھا صرف عوام کی بددلی اُسے کچھ روز تک ڈراتی رہی اور پھر اُسکی حکمت عملیوں اور دراز دستیوں نے اُس کا بھی خیال نہیں کیا۔

اس مقام پر تاریخی حالات لکھنے نہیں ہیں احکام وقف بیان کرنے ہیں جو باعتبار اصول کے بہت مختصر ہیں۔ صرف اتنا جاننا کافی ہے کہ جس طرح ہر ایک مسلمان اپنی تمام جائیداد کا سبب دوسروں کے حق میں کر سکتا ہے ہندوؤں کی طرح اُسکی خود مختاری اُن کو کن یا دیگر مالی خاندان کی مرضی پر موقوف نہیں ہے اُسی طرح وہ اپنی کل جائیداد کو عوام یا ایک کے حق میں بھی وقف کر سکتا ہے۔ لیکن اگر

ماہر تلو قریبا اور
مغفہ کے خرچ
رستحق ہیں۔
ت کرنے کے
جسکو وہ تجارت
ل دیا جاسکتا
مقرر نے اپنی
نے قبول فرمایا
وقت رکھنا چاہیے
کیا گیا ہے۔
فصلی معاملات
میں میدان میں
خیالات بہت
بچے تھے لیکن
رجھتی تھی اور
ہے۔ اراکین
کو قومی خیال
ہے کہ
ن کے قبضے

وقف کرنے کا یہ منشاء ہے کہ وقف کرنے والا جیسے جی نیت رکھتا رہتا ہے اور اس کے بعد عوام کو مداخلت کا حق ہو تو ایسے وقف سے وصیت کے احکام متعلق ہونگے اور صرف ایک ثلث تک وقف نافذ ہوگا۔ یہ مسئلہ عام اصول الفضا پر مبنی ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے ورثے سے شرعی کو ایک ثلث ترکہ سے زیادہ کی نسبت محروم کرے۔ ہندوستان میں جہاں تمام باتین نام کے لیے مین دہان وقف کا مسئلہ بھی برائے نام جاری ہے۔ زیادہ تر تو یہ ہوتا ہے کہ جب مرنے کے دن قریب ہوئے تو مالک جائیداد کو یہ خیال گزرا کہ جائیداد خاندان سے باہر نہ جائے اور وارثوں کی بدچلنیوں سے مبالغہوں کے پاس جائے اس لیے اس نے اپنی جائیداد کا وقف نام شہر کر لیا اور وقف نام میں یہ لکھا کہ جیسے جی واقف مختار رکھتا ہے اور اس کے بعد اولاد ذکور میں سے سب سے بڑا لڑکا متم ہوگا اور آمدنی اولاد ذکور میں بھجوا دی تقسیم ہوگی۔ اولاد اناث کو کچھ ملے گا۔ اور اگر یہ خیال آیا کہ کار خیر بھی لکھ دینا چاہیے تو یہ لکھ دیا کہ متم کو چاہیے کہ دروازے پر جو مسجد ہے اسی میں ایک پیسہ روز کا نیل رو دینی کے لیے ضرور دیا کرے۔ ایسا وقف شرعاً کالعدم ہوتا ہے۔ برٹش گورنمنٹ کی حکومت میں خداداد دینی اور رات چوگنی ترقی کرے کہ اس کی بدولت ایسے اوج پڑی کوئٹل تک کالعدم قرار پائے اور شرع محمدی کی شرم رنگی یا عاقبت اندیش خود غرضوں کی بدولت اس کی توہین نہیں ہونے پائی۔

فصل ششم نکاح

اسلام میں نکاح نہ تو مندوبوں کی طرح کوئی مذہبی رسم ہے اور نہ دیگر مذہبوں کی

کی طرح گئے کی بھانسی ہے۔ بے نوالہ اور تناسل کے انتظام عالم قائم نہیں رہ سکتا اس لیے فطرت نے مرد و عورتوں کا اور عورتوں کو مردوں کا خلقاً شایع کیا۔ مرد و عورتوں کی طرف اور عورتوں کو مردوں کی طرف مایل ہونے میں جو خون فرشتگی۔ بدحواسی یا سراسیمگی پیدا ہوتی ہے اُس سے بہت بُرا سبب خالق عالم کی صنایع میں کا حاصل ہوتا ہے۔ بیان قانون قدرت کی تشریح کرنا نہیں ہے بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ اگر خلقت میں کوئی نقص نہیں ہے تو مرد و عورت بیزینہ سکتا اور نہ عورت بے مرد کے چین سے رہ سکتی اور دونوں کی یکجائی ناگزیر پھرتی ہے۔ اس یکجائی کی نوعیت دہی قسم کی ہو سکتی ہے۔ عورتیں مرد کی ہو کر رہیں یا حیوانات کے سے تعلقات رکھیں کہ غرض حاصل ہوئی اور جدائی ہوگئی پچھلی صورت زنا ہے پہلی صورت نکاح ہے۔ زنا فی الواقع ایک نہایت بُرا فعل ہے جسکی پوری توضیح "زنا" (فضل بلیٹ دوم) میں کی گئی ہے۔ بیان اُسکے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس مضمون کو پورے طور پر سمجھنے کے لیے اُسے مزید دیکھ لینا چاہیے۔ اب بیان صرف یہ کہنا ہے کہ زنا سے بچنا اور پھر فطرت کے اقتضا کو بھی پامال نہ ہونے دینا بس اسی کا نام نکاح ہے۔ نکاح کی صورتیں مذہب۔ ملت۔ ملکی رواج اور قومی خصائل کے اعتبار سے مختلف ہیں۔

ہندوؤں میں مذہبی رسم ہونے کی وجہ سے بچوں کا بیاہ گڈاگڈی کے بیاہ سے زیادہ ہرگز نہیں ہے۔ یورپ میں عمر کا بہترین حصہ گزر جانے پر نکاح ہوتا ہے۔ خیر یہ چنداں معیوب نہیں ہے جتنا یہ امر پسندیدہ ہے کہ وہاں دیکھ بھال میں ضرورت سے زائد آزادی برتی جاتی ہے۔ ہند کے مسلمانوں کی تو

ہے اور اسکے بعد
تو ہوئے
پرتی ہے
سے زیادہ کی
میں دہان قبض
کے دن قریب
نے اور دارو
مذاکد کا دفعہ نام
اُسکے بعد
میں بھڑی سادی
چاہیے تو یہ
میں ردشنی
مورمنٹ کی
ایسے اوچا
نیا عاقبت

دیکھو زون کی

تو کوئی سذنبین لیکن انکی مذہبی کتاب اور علماء مذہب کے طرز عمل سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ گویا پ صغریٰ میں بھی اپنے بچوں کو بیاہ سکتا ہے لیکن سن مشور کو بہر بچنے کے بعد بیاہ کا ہونا زیادہ تر پسندیدہ ہے اور ایسا ہی ہوتا بھی ہے۔
 باہمی پسند کے لیے شرع میں دور سے دیکھ بھال لینے کی بھی اجازت ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اعتدال شرع محمدی کا ضرور قابل پسند ہے۔

صغریٰ کی شادی کا عام طور پر رواج دینا یا ایسے نکاحوں کو چاہے وہ کیسے بھی مصلحت پر مبنی ہوں بالکل ہی ناجائز قرار دینا۔ عمر کا اتنا بڑھا دینا کہ اخلاق مذکورہ اپنا گھر کر لیں۔ پسند کے متعلق فریقین کی مطلق العنانی کی کوئی حد نہ ہو یہ باتیں ایسی نہیں ہیں کہ انکی برائیاں بیان کی جائیں جب ہی سمجھ میں آئیں۔ ان ایک بات ضرور قابل لحاظ ہے کہ زن و شو کی ناموافقیت تمام بڑائیوں پر بالا ہے۔ انتظام عالم میں بھقہ راس سے فتور پڑتا ہے کسی چیز سے نہیں پڑتا۔ مسلمانوں میں نکاح کی غرض سے باہم ایک دوسرے کا دیکھنا گوارہ ہے مگر نہ اتنا کہ ایک دوسرے کے حسن و قبح سے بخوبی واقف ہو جائے اور آئندہ کے لیے تمدنی خرابیوں کی روک تھام ہو۔ ان خرابیوں کے رفع کرنے کے لیے مسلمانوں نے طلاق اور خلع کی آزادی عطا کی اور یورپین قوموں نے اپنی تہذیب کے زمانہ میں کورٹ شپ کی آزادی رد رکھی۔ یہ دونوں طریقے نامحود ہیں لیکن مجبوری ہے کہ بڑے بڑے چارہ نہیں ہے۔ طلاق اور خلع کی آزادی سے کورٹ شپ کی آزادی ضروری ہے۔ لیکن ہندوستان میں جو یہ طریقہ جاری ہے کہ ایک طرف طلاق اور خلع کی نفی ہے اور دوسری طرف صغریٰ کی شادی کا رواج ہے۔ کبرسنی میں بھی بیاہ ہوتا

ایک کو نہ دوسرے کے دیکھنے کی اجازت ہوتی اور نہ اپنی آزادانہ رائے ظاہر کرنے کا
حکم ہوتا۔ اس جڑے طریقہ مناکحت سے کورٹ مشپ کا طریقہ بہر حال اچھا ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں میں شادی بیاہ

مسلمانوں میں نہ تو عیسائیوں کی طرح چرچ۔ پادری۔ رجسٹری اور سائٹیکٹ کی
ضرورت ہوتی اور نہ ہندوؤں کی طرح بین کھڑاگ کا نام بیاہ ہے۔ دو گواہوں کے
سامنے فریقین یاد کلاے فریقین نے ایجاب و قبول کیا اور نکاح ہو گیا۔ مہر لازمی
ہے لیکن منہ سے اسکا اقرار بھی ضرور نہیں ہے وہ از خود واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن
صریح قرار داد ہو جائے تو اچھا۔ پیغمبر خدا نے حضرت علیؑ کے نکاح میں خدا کی تحمید
کی تھی۔ نکاح کی ضرورت اور مقدرات باری تعالیٰ کی توفیق کی تھی۔ وہ وقت اور
تھا اور ضرورت اور تھی۔ لیکن سنت نبویؐ کے لحاظ سے وہ خطبہ ہر نکاح میں پڑھ لیا
جائے تو اچھا ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں میں آج کل جو طریقہ نکاح کا رائج ہے اُس میں حضور
زاد کو بہت دخل ہے۔ شرعی نکاح یا مسنون نکاح میں بہت زاید سادگی ہونا چاہیے
ذرا بھی لیزیات کو دخل ہوگا تو مسنون طریقہ جاتا رہے گا۔ ناچ اور گانا نکاح سے ایک
مُجَدَّاشے ہے۔ بیاہ کو اسکے ہونے نہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے اسکا وجود
موجود و ب میں داخل کیا جائیگا اور یہ منکر لگا تو کہا جائے گا کہ لہو و لب کو دخل نہ تھا۔
لیکن نکاح کو مسنون طریقے سے انجام دینے کے لیے تمام باتوں میں سنت نبویؐ
کی تقلید ضرور ہے۔ رسولؐ اور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جس طرح عقد نکاح ہوتا تھا وہ
سیر کی کتابوں سے ظاہر ہے۔ اگر اُس سے کچھ زیادہ اہتمام کیا جائیگا تو رسول اللہؐ

صلی اللہ علیہ وسلم

عمل سے یہ

کتابا ہر لیکن

کی ہوتا بھی ہوتا

ہے۔ اور ہم

کے وہ کیے

خلاق مذکور

تین ایسی

ن ایک بات

۔ اختتام

ن میں نکاح

دوسرے

یون کی

طلاق اور

ن کورٹ

کہ بیز انکے

ی فرد پر

طعن کی

بیاہ ہوتا

کی بپردہ باقی نہیں رہے گی۔

بیابان کھانا کھلانے کا بھی دستور شروع ہے لیکن وہ اس طرح سے ہے کہ دولہا اپنے احباب کی ضیافت کرتا ہے۔ اس کھانے کو اہل طلاق شرعیین طعام ولیمہ کہتے ہیں۔ ہزار پانچ سو یا دو چار ہزار آدمی دلہن کے گھر براتی بنکر کھانا کھانے کے لیے جاٹیں اور بغیر اس جماعت کے بیابان ہوتی نہ سکے اسکا وجود کہیں بھی مسلمانوں کی قدیم تاریخ میں پایا نہیں جاتا اور نہ اب بھی دیگر بلاد اسلام میں کہیں اسکا چرچا پایا جاتا ہے۔

راجپوت کبھی بہ جبر بیابان کرتے تھے۔ کبھی کبھی وہ عورتیں لڑکھیں لاتے تھے اجنبی خاندانوں میں ہنود عموماً بیابان کرتے ہیں۔ اور اس لیے بہت سے نزاعی امور طے کرنے کے لیے دولہا کے ساتھ ایک جماعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اجنبی خاندانوں میں دور درویشا دیان ہونے سے سفر دراز کرنا ہوتا ہے اور راہ کے مخدوش ہونے کی حالت میں براتی بنکر ساتھ جانا گویا ایک قسم کی قومی مدد ہے۔ اب اس زمانہ میں ہندوؤں کے لیے بھی براتیوں کا جانا فضول سا ہو گیا ہے اور مسلمانوں کے لیے انکی تقلید کسی زمانہ میں مناسب حال نہ تھی اور اب تو شرعی برائیوں کے علاوہ جہالت کی بُرائی ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ ایک مسلمان سیکڑوں ہزار دن آدمیوں کی جماعت کے ساتھ اڈل اڈل سسرال میں قدم رکھنے کا کیا مطلب سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح رسم نے مسلمانوں کے گھرن میں ایسی مضبوط جڑیں سی بنے کہ باسانی جاتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ اس جہالت کی بھی کوئی انتہا ہے کہ وہ حقیقی بھائی باہم سدھی ہونا چاہیں تو یہ لازم ہو گا کہ بیٹے والا ہزار دن آدمی راہ چلتے جیسے کبھی کی رسم نہیں اس لیے جبر کرے

کہ وہ دوسرے بھائی کے گھر پر دعا داکرین اور پھر یہ غیر ممکن ہے کہ ان ناخواندہ معاشروں کے کھلانے پلانے میں دوزخ حقیقی بھائی آپس میں لڑنے جائیں۔ تجربہ سے دیکھا گیا ہے کہ کوئی برات ایسی نہیں ہوتی کہ سمیوں میں شکر رنجی نہ ہو۔ رسم درواج کی بامندوبوں میں یہی تو بڑائی ہے کہ آزادی جاتی رہتی ہے۔ سچی خوشی مفقود ہوتی ہو اور دونوں میں کمزوریان پیدا ہوتی ہیں۔ افسوس کہ میرہ شادی میں برات لہجانے کی رسم مذہب نہیں ہوتی۔ قوم نے خوب سمجھ لیا ہے کہ بیٹی پیدا کرنے کے جرم میں اس کے بیاہ کے دن سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کو ضرور کھلانا پڑے گا۔ اور کھانے والوں کی تعداد کھلانے والوں کی مرضی پر منحصر ہوگی۔ بلکہ ایک غیر شخص کا یہ کام ہوگا کہ جتنے آدمیوں کو چاہیے مدعو کرے۔ یہ نئی قسم کا کفارہ گناہ ہے جس کا ذکر کمین فقہ کی کتابوں میں نہیں ہے اور ایک نئی قسم کی دعوت ہے جس کا تذکرہ کسی اخلاقی کتاب میں یا انہیں جاتا۔ گو شرع کے مطابق مراتب اسباب و قبول اب بھی نہایت سیدھے سادے طور پر ادا ہوتے ہیں۔ لیکن زن و شو کی رفتار کے پہلے عورتیں وہ تمام رسمیں پوری کر لیتی ہیں جو مہندوں کے فیض صحبت سے انہیں پیدا ہوئی ہیں۔ اس غلط فہمی میں اکثر اصحاب گرفتار دیکھے گئے کہ باہر ناچا گانا بھڑا اور اندر سب کچھ ہوا تو وہ سمجھے کہ شرعی نکاح ہوا۔ اندرون خانہ جو رسمیں ادا ہوتی ہیں انکو بالتفصیل دیکھنا تو جو کتاب مولوی علی امام بیہر سٹریٹنگ کی بہن کی تصنیف شائع ہوئی ہے اسے پڑھنا چاہیے اور اس کے پڑھنے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اس کے گھر کیا ہوتا ہے مرد عورتوں کے مقابلہ میں خود کو کیوں مجبور محض سمجھتے ہیں؟ بعض جگہ تو عورتیں باحق بدنام کی جاتی ہیں۔ عورتوں سے زیادہ مرد رسم درواج کے بندے ہوتے ہیں۔

س طرح سے

ملاح شرع میں

وادی بنکر کھانا

کا وجود کمین

سلام میں کمین

تے تھے اجنبی

اور طے کرنے

خاندانوں

مخدوش ہونے

اس زمانہ

مسلمانوں کے

ن کے علاوہ

دسیوں کی

ہے اس نئی

ہوئی نظر

ہونا چاہیے

لیے جس کے

اگر سیدھے سادے طور پر نکاح کیا جائے تو تین فائدے مرتب پیدا ہونگے
 اول مذہبی خیال سے خدا خوش ہوگا۔ دوم زحمتوں سے نجات ہوگی۔ سوم
 زرباری سے چھٹکارا ہوگا۔ خدا کی خوشی کی نسبت کچھ لکھنا فضول ہے۔ ہم سے
 تو خدا کی خوشی سب ہی چاہتے ہیں لیکن ایسے بہت کم دیکھے گئے جو خدا کا
 خوش کرنا دل سے چاہتے ہوں اور جو حضرات ایسے ہیں (کیونکہ زمانہ اچھوں
 سے خالی نہیں ہے) انکو اس تحریر سے بے نیازی ہے انکو کسی کے کہنے سننے
 کی ضرورت نہیں ہے وہ ہر وقت خیال کرتے رہتے ہیں کہ انکے افعال اور اعمال
 سنت نبوی سے نہ زیادہ ہوں اور نہ کم ہوں۔

شادی بیاہ کی زحمتوں کی نسبت ایک حکیم صاحب کے مقولات قابل
 سننے کے ہیں۔

”بھئی لڑکا بالغ ہوا اور نسبت بھی پائی ہوگی ہے۔ لیکن شادی بیاہ کے
 کھڑاگ سے میرا جی گھبراتا ہے۔ ہزار پانچ سو روپیہ مجھ سے کوئی لیکر بانی میں بیچ
 دے تو مجھے منظور ہے لیکن یہ منظور نہیں ہے کہ چار مہینے کے لیے اپنے فردری
 کام چھوڑ کر میں گھر پر بیٹھوں اور سامان کرنا شروع کروں۔ جن صاحبوں نے یہ دردِ سر
 خریدا ہے انکی صورت میرے سامنے ہے۔ ایک آدمی لکڑی کٹوانے کو تنہا
 ہے۔ سوکھی لکڑی ملتی نہیں گیلا درخت کٹے تو جلد سوکھ نہیں سکتا۔ اچھا لکھی بازار
 میں نہیں ملتا۔ دیہات سے منگوانے کا بندوبست نہیں ہو سکتا۔ بازار کا سیدہ
 اچھا نہیں ہوتا۔ اور گیہوں پسوانے کی زحمت سے جی اٹھتا ہے۔ گوشت بھالہ
 تو مول مل سکتا ہے۔ دیگ مانگنے کی ہوں تو کام چلے۔ مرنے ایک دیگ نہیں

دری۔ جاجم۔ فیلد سوز۔ لمپ۔ چار پائیان۔ سخت ایک کسریٹ کا بڑا سا تان
کس سے اور کہاں سے مانگا جائے۔ یہ تو باہری سامان ہیں جنکا انعام مردوں
کے لیے چند ان شکل نہیں۔ غضب تو یہ ہے کہ سناں بلوا کر گناہ بنوانے کا بار کون اٹھائے
کپڑا۔ زیور مختلف چیزیں۔ دو چار ہوں تو تفصیل لکھی جائے۔ سیکڑوں چیزیں کہیں
نک بیان کی جائیں۔ خزانہ قارون۔ عمر زوج۔ صحت آدم میسر آئے جب بھی وقت
پر ایک نہ ایک چیز ضرور گھٹے گی اور کوشش نا کافی ثابت ہوگی۔

مجھ سے تو یہ کھراگ نہ ہو سکے گا۔ یاد دہرے لفظوں میں ہیں تو اتنا جاہل نہیں
ہوں کہ فوشی سے اسکو منظور کر لوں۔ جب تک میرے سر میں دماغ۔ دماغ میں عقل
اور عقل میں نیک و بد کی تمیز ہے مجھ سے تو یہ غلطی کبھی نہ ہوگی۔ میں صاف لفظوں
میں دھن کے باب کو لکھوں گا کہ میں شرعی خیال کا آدمی ہوں۔ اور اپنے لڑکے
کو بھی میں نے شرعی تعلیم دی ہے۔ خلاف شرع میں بال برابر بھی کوئی کام نہیں
کر سکتا۔ لڑکا حاضر ہے جب چاہیے بلوایے اور نکاح پڑھوا دیجیے۔ میری شرکت
بھی غیر ضروری ہے۔ نکاح جسکا ہو گا وہ جائیگا۔ مجھے خدا نیکاروں کی طرح ساتھ جانا
کیا ضرور ہے۔ اگر سنت نبوی کی تقلید منظور ہے تو بسم اللہ اور نہیں تو آپ کوئی دوسری
نسبت ڈھونڈھیے۔ آپ سنت رسول کی پیروی میں تو ہیں سمجھتے ہیں تو میں آپ
سے ناتہر رشتہ قائم کرنے میں اپنی توہین تصور کرتا ہوں۔

مالی زیر باری کی نسبت زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہزاروں لاکھوں
گھر برباد ہو گئے۔ رسم و رواج کی پابندیوں نے بڑے بڑے ہوشیار والدین سے
انتا خرچ کر دیا کہ جب دھن گھر میں بیاہ کر آئی تو دھن کے گھنے بیچ کر دو وزن

وقت کی روشنائی ہم پہنچانے کے سوا اور کوئی سہارا نہ رہا۔ کوئی متول شخص کے کہ میرے گھر وافر مال ہے خرچ کرتا ہوں تو کیا بڑا کرتا ہوں۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اگر خدائے آپ کو دولت دی ہے تو خوشی سے خرچ کیجیے۔ فقیران کو دیجیے اعزہ کو دیجیے۔ لڑکی کے لیے زیور بڑا سیے کپڑے تقسیم کیجیے کھانے کو پکوائیے۔ لیکن بیوہ و یتیم کے ساتھ ابراخر خرچ نہ کیجیے کہ خدا کو برا لگے اور آپ کی دیکھا دیکھی کتنے غریب بھائی برباد ہوں۔

وقت تو یہ ہوتی ہے کہ ایک گھر بیاہ ہوتا ہے تو کہنے ناتے کے تمام گھروں پر تردد و مہیا ہوتا ہے۔ غریب جگہ پاس کھانے کو بھی نہیں ہے اپنا اسباب بچتے ہیں اور یہ نہیں گوارا کر سکتے کہ برادری میں ناموسی ہو اور جہان دہل بھائی موقع موقع سے تمام رسومات میں خرچ کرنے کو ملتا ہوں وہاں کچھ بھی نہ کریں۔ ایک گھر میں شادی اور دہل گھروں کی بربادی۔ جہاں ایک کے گھر کسی قسم کی تقریب پیش ہوتی ہے تمام نادار بھائیوں کو فکرا انگیر ہوتی ہے۔ جب مسلمانوں میں متول تھا تو کسی طرح نہیں جاتی تھی۔ اب اس تنگ زمانہ میں فضول رسمن کی پابندیوں سے جن مالی زحمتوں میں مسلمان گرفتار ہیں وہ ناگفتہ بہ ہیں۔

یہ سب باتیں کچھ نئی نہیں ہیں سبھی جانتے ہیں اور ہر ایک اس سے بھی زیادہ سوچتا۔ سمجھتا اور بیان کر سکتا ہے۔ لیکن سچی جرأت (مارل کر ج) کے نہ ہونے سے سوچتے سب کچھ ہیں لیکن کر کے کچھ دکھا نہیں سکتے۔ ہندوستانی تعلیم تو بڑی تھی ہی۔ پرانی لکیر کے فقیر کس مدین تھے۔ نئی تعلیم دے دے روشن خیال رکھنے والے بھی مارل کر ج سے متفرق نظر آتے ہیں تو تعجب ہوتا ہی۔ نئی تعلیم والوں نے رسم و

رواج کے مٹانے کی طرف توجہ نہیں کی تو سوا اسکے اور کیا سمجھا جائے کہ انہیں کافی جرأت نہیں ہے۔ نہیں انہیں! اہم نے غلطی کی۔ انگریزوں کی سرفراز مز زندگی جلی نظر دن میں خوش آئند ہے وہ پرانی رسموں کو جو زیادہ تر اسراف پر مبنی ہیں دل سے پسند نہیں کرتے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جھٹلا کے ستم سے یہ سنا معذور ہو کہ فلان صاحب نے تمام عمر انگریزوں سے برابر صحبت رکھی لیکن بچت خیال اور رخصت دار ہیں کہ ملک کی قدیم رسموں کی وقت اب تک تسلیم کرتے ہیں۔ قوم کے اخلاق یا ان کی طرز زندگی میں جتنی بڑا گمان ہیں جہالت کی وجہ سے ہیں۔ قوم کے علما (روشن خیال حضرات) پر بہت بڑا الزام ہے کہ وہ قوم کی حالت درست کرنے میں کوشش نہیں کرتے اور نہ اپنی روشن خیالی سے دوسروں کو فائدہ پہنچاتے۔

ازدواج ہیں۔ بے احتیاطی

ازدواج ایسے اہم کام کے متعلق جو بے احتیاطیان ہندوستان میں رواج رکھتی جاتی ہیں وہ شمار سے باہر ہیں۔ اصول رضامندی کے متعلق جو بے احتیاطیان ہوتی ہیں وہی ہم اس وقت دکھانا چاہتے ہیں۔

دنیا کے کسی معاملہ میں غالباً اتنی بے پردائی نہ کی جاتی ہوگی جتنا انتخاب زوج بازوج میں رواج رکھی جاتی ہے۔ بڑے اخوس کی بات ہے کہ تمام عمر کے لیے ایک جگہ ازیدیا جائے۔ لیکن انجام پر مطلق نگاہ نہ ہو۔ والدین کے حوصلے زوج کی ناخبر بہ کاری۔ فرط شوق۔ نیکی مراسم۔ سب امور اکٹھا ہو کر اس طرح نوجوان کو بے بس کر دیتے ہیں کہ ان سے کچھ نہیں بڑتی اور آئندہ زندگی پر غور کرنے کی

انہیں دماغی مہلت نہیں ملتی۔ وہ ہرگز یہ نہیں سوچتے کہ اس وقت کچھ کتنا عمر بھر رہا ہے۔ والدین کو کیا انہیں بھوکے رکھنے کا شوق یا خاں آبادی سے مطلب ہوتا ہے آفت تو اسیر آتی ہے جسکو تمام عمر بیاہ کرنا ہے اور تھوڑی دیر کے لئے سعادت مند بننے کی خوشی میں ہمیشہ کے لیے بلاے جان خریدنا ہے۔ والدین کو بیاہنے سے جب قدر سوکار رہتا ہے اسکا اندازہ ان لوگوں کے مذاق سے بخوبی ہو سکتا ہے جو لادہ کی وجہ سے گڈی گڈے یا باغ و کینوئیں کے بیاہ سے اپنے دل کے حوصلے نکالتے ہیں۔

بیاہ کے بعد انسان کو نئی دنیا میں قدم رکھنا ہوتا ہے اور اپنے طرز زندگی میں ایک بڑا عظیم الشان انقلاب ہمیشہ کے لیے پیدا کرنا ہوتا ہے۔ نہایت افسوس ہے کہ اس انقلاب کے پیدا ہونے کے قبل نشیب و فراز پر پورے طور سے نگاہ نہ ڈالی جائے۔

زن دشوین اگر انس نہیں اخلاص نہیں تو انکی زندگی خود دوبرہ جاتی ہے۔ بیاہ کے بعد خود ہی انس پیدا ہو رہے گا یہ خیال مزکی نا عاقبت اندیشی ہے ایسی طبیعت کا یہ بھی ایک خاصہ ہے کہ اپنے پسند کی عیب پوشی اور دوسرے کے پسند کی عیب جوئی کی طرف اسکا فطری میلان رہتا ہے۔ اب آپ یہ خیال کر سکتے ہیں کہ یہ دونو باتیں مسئلہ ازدواج کے متعلق کیسے کچھ زہریلے اثر یا نتائج پیدا کر سکتی ہیں۔

جس کسی کو اپنی اہلیہ سے انس نہیں ہوتا ہم سمجھتے ہیں کہ سچی خوشی اسے کبھی نصیب نہیں ہوتی اور اس نطف سے ہمیشہ محروم رہتا ہے جو زن دشوکی بکری آواز

نیچر نے پیدا کر رکھا ہے۔ مردوں پر جو بنیادی ترددات کے بار پڑتے ہیں اگر کوئی شے انکی بنانے والی پیدا ہے یا جو مردوں کے غم غلط کرنے میں بددلیا کئے کا دعویٰ کر سکتی ہے وہ صرف اُن فرمانبردار بیبیوں کی ذات ہے جنکے ساتھ اُنکے شوہروں کو اُنس ہے۔ فطرت اس امر کو چاہتی ہے کہ مردوں کو سب سے زیادہ پیاری انکی عورتیں ہوں۔ لیکن ہندوستان میں نفیہ سنگھ ہے۔ یہاں کے طرز معاشرت پر نظر ڈال کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تنو میں دل بھی ایسے نکلیں گے جنکو اپنی بیبیوں سے عشق ہو۔ ہمارے ملک میں بیبیوں کے ہوتے ہوئے دوسری غیر عورتوں سے تعلق رکھنا اتنا سیوہ نہیں سمجھا جاتا جتنا اوزناکون میں ہے اسکی وجہ ایک یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس امر کی طرف کل سوسائٹی کا رجحان ہو وہ میری کس طرح سمجھا جائے۔ حالت تو یہ ہو رہی ہے کہ جو بیاہ مان باپ کے ذریعہ سے ہوتا ہے وہ سمجھا جاتا ہے کہ گھر کی حفاظت کے لیے والدین نے ایک لونڈی خرید کر دی ہے۔ باقی رہا بی بی بننے کا حق یہ اسکو حاصل ہوگا جو اپنے پسند سے مستقل یا غیر مستقل طور پر آگے چل کر منتخب کی جائے گی۔ یہ کیسی شرمناک بات ہے۔ لیکن اُنکے بھی ایک اعتبار سے مجبور ہیں۔ مان باپ کے انتخاب پر کھانے پینے کا مدار تو ہونہیں سکتا۔ ازدواج کا سانا رک معاملہ بھلا مان باپ کی پسند سے کیونکر مان لیا جائے۔ ایجاب و قبول کا کتنا تو فطری اطاعت تھی لیکن دل کس طرح ایک مستقل حکم کی تعمیل کے لیے ہمیشہ حاضر رہے۔ والدین جو اب نزلوں کے بیاہ کے بارے میں دخل دیتے ہیں بالکل کون کے استخراج کو مقدم نہیں سمجھتے وہ سخت غلطی کرتے ہیں۔

ہم اس امر کے قائل نہیں ہیں کہ باپ کو خوں کے تعلق سے محبت ہونی ہے

ماؤن کی محبت اللہ فطرتی ہے اور باپ کے دل میں اسی کے واسطے سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ لطف الکریم ملاقاتوں کے بے درپے واقع ہونے سے ایک محبت کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور محبوب کا محبوب بھی پیارا معلوم ہوتا ہے۔ باپ کی محبت لڑکوں سے اسی مسئلہ پر فروع ہے۔ باپ کا اگر محض یہ خیال ہے کہ اسکے لڑکے بڑے ہو کر ہماری ضعیفی میں کام آئیں گے تو یہ محبت نہیں خود غرضی ہے ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ لڑکوں سے غیر مانوس رہنا بی بی سے اُنس لینے کا نتیجہ لازمی ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے کو درپے ہیں میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہیں۔ ماؤن کا دل بھولائیز سماتا۔ پیاری پیاری آواز اور پیاری پیاری ادا۔ اگر باپ بھی اس میں شریک ہو جائے تو کسی سچی خوشی حاصل ہو اور فطرت گویا نگیل کو بونچے۔ لیکن کیسا محبت وہ باپ ہے جسکو لڑکوں کا کونما ناگوار گزارتا ہے اور اسکے دل کو ٹھٹھے کا سبب ہوتا ہے۔ یہ کیوں؟ سبب ظاہر ہے۔ بی بی سے اُنس نہ تھا تو لڑکوں سے کیا اُنس ہوگا۔ والدین کے دلوں میں بے لطفیوں کے تخم تھے ان لڑکوں کے پیدا ہونے سے وہ جم گئے اور لڑکوں کے ساتھ وہ بھی بڑھتے گئے اور اس طرح نئی نئی زحماتیں بڑھتی گئیں۔ اور مرتے دم تک یہ رنج ساتھ رہا۔

جب نئی بویا ہر گھر میں آتی ہے اور اول اول ساس کی نظر اس پر پڑتی ہے وہ حالت ایسی نہیں ہوتی کہ تحریر میں آسکے۔ پیٹ میں لڑکوں کا رہنا انکے پیدا ہونے کی دقیقہ انکی پرورش کے جھگڑے انکی مختلف حالتوں کے انقلابات یہ سب باتیں اُن ماؤن کو یاد آ جاتی ہیں اور وہ سمجھتی ہیں کہ آج اُن ساری زحماتوں کا نتیجہ نکلا لیکن تلخ کامیاب جو آئندہ انکے پیارے لڑکوں کے نصیب میں ہیں انکا ایک چٹا لانا کہ وقت

اُس ہو کے برابر رکھ دیا جائے تو شاید ان ماؤں کی روح بدن سے نکل جائے
 لیکن انسوس اسوقت امتیاز نہیں ہوتا۔ دودھ چار مہینہ کے بعد آہستہ آہستہ خشک ہونے شروع
 ہوتی ہیں۔ ساس الگ تھا۔ منہ میں جھدار بچیدہ۔ سیان ہیں کہ کبھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے
 بیٹے کو پھر اسودا دیکھ کر مان بھی پھر گئی بھائی کی نظر کو مندوں نے بھی مارتا لیا۔ اب دل میں
 ہے کہ لونڈیوں سے بھی بدتر اسکی زندگی ہے۔ لڑکے ہوئے تو چند سے اسکول
 بہل گیا۔ لیکن وہ بھی اُسی وقت تک کڑا لڑکے ہو شیار نہیں ہوئے۔ سمجھ آئے پر وہ بھی
 ایسی مان کو جو قوت سمجھنے پر مجبور ہوئے جسکو سارے کہنے کی نظروں میں وہ ذلیل پاتے
 ہیں۔ اب غور کیجئے تو ان تمام خرابیوں کا باعث یہ ہے کہ بیاہ کرنا انکی پسند پر نہیں چھوڑا گیا
 تھا جسکو فی الواقع اسکی احتیاج تھی۔ یاد دہرے لفظوں میں جسکو پسند کرنے کا حق تھا۔

عزات نکاح

جن عورتوں سے نکاح درست نہیں ہے انکی تصریح قرآن میں کر دی گئی ہے
 سورہ نسا در کوع ۴ میں مذکور ہے۔

”اپنے باپ کی منکوحات سے نکاح نہ کرنا۔ خیر جو چوکا دہ ہو چکا۔ بڑی بیوی
 غضب کی بات اور بہت ہی بُرا دستور تھا۔ سلیمان اور تمھاری مائیں۔ بیٹیاں۔ بہنیں۔
 جو بیچیاں۔ خالائیں۔ بھینجیاں۔ بھانجیاں۔ دودھ پلائی دایاں۔ دودھ شری کی بیوی
 بیویوں کی مائیں۔ اور جن بیویوں کے ساتھ تم ہمبستر ہو چکے ہو انکی ماں۔ راجلو لڑکیاں
 جہاں لیا تھا۔ ری گود دن میں پرورش پاتی ہیں یہ سب تم پر حرام ہیں۔ لیکن اگر
 بیویوں کے ساتھ تم نے ہمبستری نہیں کی تو مادر راجلو لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنا گناہ
 نہیں ہے۔ اور تمھاری بہنیں بھی تم پر حرام ہیں اور دو بہنوں کا بھی ایک ساتھ نکاح

میں جمع کرنا حرام ہے۔ مگر جو پہلے ہو چکا اسکا معاف کرنے والا اللہ ہے وہ بڑا مہربان ہے۔ سورہ نسا رکوع ۴۔

حدیثوں سے ثابت ہے کہ خالہ بھانجی اور چھوٹی بہتیجی کا نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے۔

ابتداء سے خلقت میں نکاح کے متعلق کسی قسم کی قید ہو ہی نہیں سکتی تھی لیکن دنیا کی آبادی بڑھنے اور عقل و شعور حاصل ہونے پر یہ سمجھا گیا کہ قریب کی رشتہ دار یوں میں شادی بیاہ کا ہر نسل کی کمزوری کا سبب ہوتا ہے۔ نباتات میں بھی یہی کیفیت ہے۔ قلم لگانے سے پھل بڑے اور میٹھے ہوتے ہیں۔ پودے ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لگائے جاتے ہیں تو پھل زیادہ آتے ہیں اور اچھے ہوتے ہیں انھیں خیالات سے بند و دن کے نزدیک جہاں تک اُد خانہ دار کا ایک مورث کی نسل سے ہونا سمجھا جائیگا انہیں شادی بیاہ قطعاً ممنوع ہو گا اسی کے قریب قریب لیکر بھی قدر و ہولت کے ساتھ یورپ کا بھی دستور ہے۔ ایران کے قدیم باشندوں میں قربت کا پرہیز نہ تھا یہاں تک کہ بیٹیوں اور بیٹوں کے ساتھ بھی وہ بیاہ کر سکتے تھے۔ شرع محمدی نے اعتدال ملحوظ رکھ کر صرف قریبی رشتہ دار یوں میں باہمی ازدواج نا پسند ٹھہرایا۔

گھار عرب میں یہ دستور تھا کہ کم سن عورتیں اگر باپ کے نکاح میں ہوتی ہیں تو کبھی کبھی بیٹے باپ کے مرنے پر انھیں اپنے نکاح میں داخل کر لیتے تھے۔ اس رسم قبیح کو شرع محمدی سے بالکل مٹا دیا اسی کی نسبت قرآن میں اشارہ ہے کہ غیر جو ہو چکا نہ ہو چکا۔ اے ایسی بیویاں نہ ہونے پائے۔

شرع محمدی نے قریبی رشتہ دار یوں میں نکاح کو اس قدر مجہد و مذموم ٹھہرایا کہ رضاعت (دودھ پلانے) سے جو رشتہ دار بیان پیدا ہوتی ہیں ان میں باہمی نکاح جائز نہیں رکھا۔ اس مسئلہ سے شرع محمدی کی وسعت نظر کا ثبوت ہوتا ہے۔ ولادت اور رضاعت دو تعلقات بہت قریبی ہیں۔ ان دو ذون میں حرمت نکاح کا لحاظ درمیان رکھنا اسی لیے ہے کہ مسلمان ذون کی نسل میں کمزوری آنے نہ پائے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ سب سے بڑا احسان انسان پر عجبہ بان کے مادر رضاعی کا ہے۔ رشتہ داران رضاعی میں باہمی نکاح کو حرام کر کے رضاعت کا احترام مسلمان ذون میں اصول فیاضی اور اصول اظہارِ احسان محمدی پر جو قومی ترقیین کی جان ہے قائم کیا گیا ہے اور یہ وہ بات ہے کہ دنیا کی کسی قوم میں اسکی نظیر نہیں ہے۔

قریبی رشتہ دار یوں مہین نکاح کا جائز ہونا بہ مطلب نہیں رکھتا کہ خاندان کی لڑکیاں
خواہ مخواہ خاندان ہی میں رہیں یہ جواز محض اس لیے ہے کہ اگر کسی وجہ سے ایسا ناگزیر
ہو تو شرعی تحریم مانع نہ ہو۔ یہ غرض نہیں ہے کہ جو چیز جائز ہو اس پر خواہ مخواہ عمل ہی کیا جائے
پیغمبر خدا کے وقت میں اور نیز بعد اُس کے بھی غیر خاندان میں شادی کرنا پسند کیا جاتا تھا
شادی بیاہ میں ایک کفو ہونا بیشک مناسب تصور کیا گیا ہے۔ کفو کا مطلب ہر شرفیت
اور حیثیت میں مساوی ہونا۔ کفو کے لحاظ رکھنے سے یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک
دادا کی اولاد آلیس میں خواہ مخواہ بیاہ شادی کرے اس طرح مزدنس خراب جاتی ہے

[illegible]

سفر
برایان
جمع
بین
دو
ادب
نور خاں
کی
مندی
دہ بیاہ
سین
اس
ہے کہ

کفو کا یہ مطلب ہے کہ دبّاغ کی لڑکی حتیٰ الوسع دبّاغ کے گھر بیاہ کر جائے گی تو زن شو کے لیے راحت کا سامان ہوگا۔ عطا کی لڑکی جو ہمیشہ عطر میں مٹی رہی اور پھولوں سے کھیلتی رہی اگر بیاہ کر دبّاغ کے گھر جائے گی تو چمڑے کی تباہی کے دباغ کو ایسا پریشان رکھے گی کہ اسے عین مذائے گا۔ پیڑ خدا نے اپنے بہت سے عقد کیے لیکن خاندان میں صرف ایک عقد کیا اور وہ بھی نہایت مجبوری سے۔ حضرت زینبؓ جو بی بی بنی ہاشم کو آپ نے زید سے بیاہا۔ زید نے حضرت زینب کو طلاق دی تو حضرت زینب طول ہوئیں۔ حضرت زینب کو پہلے ہی اس نکاح میں تاثر تھا اسی لیے کہ حضرت زید خیال جاہلیت سے ذات میں بیٹھے سمجھے جاتے تھے۔ آنحضرتؐ نے اخوت اسلامی کی مسادات اپنے ہی گھر سے قائم کرنا چاہی اور اسی لیے حضرت زینب نے آنحضرتؐ کی خاطر سے زید کے ساتھ بیاہا جانا پسند کیا۔ حضرت زید کے طلاق دینے پر آنحضرتؐ کو حضرت زینب کی دلجوئی کے لیے اُنکو اپنے نکاح میں لینا انسب معلوم ہوا۔

دوبسوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا صریح قرآن میں منع ہے۔ آنحضرتؐ نے اسی اصول پر بی بی کی حیات میں اسکی بھتیجی یا بھانجی سے بھی عقد کرنا منع کر دیا۔ آنحضرتؐ نے اسی اصول پر بی بی کی حیات میں اسکی بھتیجی یا بھانجی سے بھی عقد کرنا منع کر دیا ہے۔ اس میں مصلحت یہ ہے کہ اتنی قریب کی رشتہ دار بیویں میں اس قسم کا تبادلہ مستحسن نہیں معلوم ہوتا۔ بی بی کا احترام اس امر کا مقتضی ہے کہ اُسکے جیسے جی اُسکے قریب رشتہ داروں سے نکاح نہ کیا جائے۔ لیکن بیویوں کے مرنے کے بعد یہ صورت شرعی قائم نہیں رہتی۔ اس بارہ میں بھی مسئلہ شرعی نہایت متدل حالت رکھتا ہے۔ ورنہ یورپ میں بی بی کے مرنے کے بعد بھی سالیوں کے ساتھ نکاح درست نہیں سمجھا جاتا۔

لیکن بی بی کے مرنے کے بعد سالی سے بیاہ کرنا تمدنی حالت کے اعتبار سے
کبھی کبھی بہت مناسب تصور کیا جاتا ہے چنانچہ پارلیامنٹ میں اسے جائز
کر دینے کی بابت کئی مرتبہ بل پیش ہوئے اور بڑے بڑے مباحثہ ہوئے۔ ابھی
قانون پاس نہیں ہوا لیکن عام خلقت کا رجحان ہے کہ ایسا ضرور ہونا چاہیے۔
فصل سٹی نہم

مسلمانوں میں طلاق کا دینا بہت آسان امر ہے۔ کثرت ازدواج کا بھی ان میں
دستور ہے۔ یہ دونوں بجائے خود دوسخت بلائیں ہیں۔ لیکن یہ دونوں بلائیں اسلام
نے اپنے گھر میں اسی طرح پل رکھی ہیں جس طرح لوگ چوہوں کے مارنے کے
لیے بیتان پالتے ہیں۔ ان دونوں بلاؤں سے سخت تر بلا زنا کاری ہے۔ زنا کاری
کی روک تھام کسی طرح نہیں ہو سکتی اگر ہو سکتی تھی تو صرف انھیں دو چیزوں کے قایم
رکھنے سے۔ ان دو چیزوں کا قایم رہنا عورتوں کے حقوق اور ان کی آزادیوں کو بالکل ہی
نہایت دباؤ دے دیتا تھا۔ اس لیے عورتوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے مہر قایم کیا گیا
دنیا میں جتنی نکالیف ہیں انہیں سے اکثر کا سعاد منہ روپیہ سے ہو سکتا ہے۔ زنا کو
سخت ترین جرم قرار دیکر مردوں کو شریعت نے نکاح کی طرف مائل کیا۔ عورتیں نکاح
کے ساتھ کثرت ازدواج اور سہولت کے سبیل سنکر گھبرائیں تو شریعت نے عورتوں کے
کام میں چپکے سے کمد یا کہ لومردوں کو تھارے اختیار میں ہم کیے دیتے ہیں جتنا
چاہو مہر نہ دو۔ مگر ان کا کس بات ہے۔ یہ مہر عورتوں کے ادب کا حق نہیں ہوتا۔ خود
عورتیں اسکو پاتی ہیں۔ چاہیں شروع ہی میں سے لین یا بار دین شہرہ کی گردن پڑ

قائم رکھیں۔ یا کچھ سے لین اور کچھ باتی لگا رکھیں۔ مکتا صاۃ مسئلہ ہے۔ لیکن اسکے سمجھنے میں عملد رآدین اسکے اغراض اور اسکی پالیسی کی جانچنے میں جو غلط فہمیاں قوم سے اور قوم بھی ایسی دسی بازار میں خلقت نہیں۔ اچھے اچھے سمجھداروں سے۔ عدالتوں سے۔ اور قانون پیشوں سے ظہور میں آتی ہیں۔ وہ بہت زیادہ کثیر الوقوع ہیں اور بہت کچھ فرائض انسانی کے خلاف ہوتی ہیں۔ جب خود مسلمان بہت کم ایسے ہیں جو اس مسئلہ کو بخوبی سمجھ سکیں تو دوسری قوم کے لوگ جو مسلمانوں سے معاملے کرتے ہیں اور اس طرح مسئلہ دین مہر کے متعلق معاملات پیش آنے پر انکے نفع اور نقصان کو بھی اسی مسئلہ سے عارضی طور پر دیکھ سکی پیرا ہو جاتی ہے بھلا کیا سمجھیں گے۔ سبب یہ ہے کہ لوگوں کو اس بحث کے متعلق ایسی نامہ واقفیت حاصل نہیں ہے جو ہونا چاہیے اور اس لیے شاید کوئی دوسرا شرعی مسئلہ اس بارہ میں دین مہر کا سا کم نفیب اور بد بخت نہ ہوگا۔

سب سے پہلے ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ نفرت نے مرد کو کمانے کے لیے پیدا کیا ہے اور عورتوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ مردوں کی کمائی میں حصہ لیں اور انکے بخت کی شریک بنیں۔ مردوں کی آرام و آسائش کے لیے عورتوں سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز نہ پیدا ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ شور ہے "ہر کہ زن ندارد۔ آسائش تن ندارد" باعتبار قومی حالت کے ان عورتوں کا مردوں کے قبضہ میں آنا مختلف پیرایہ میں ہوتا ہے ہم یہاں سمجھنے کے لیے ہندو۔ عیسائی اور مسلمان تین قوموں سے بحث کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے نزدیک نکاح ایک مذہبی رسم ہے۔ نجات آخرت کے لیے نکاح ضرور ہے (کیونکہ لڑکا نہوا تو بیٹا دینے کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا) اور نکاح کا ہر ایک ایسا مضبوط عقد ہے جو کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا۔ طلاق کا کہیں دھرم شاستر میں

ذکر نہیں۔ بیاہ کے بعد عورت اور مرد اس طرح ایک دوسرے کے بخت کے
 شریک ہو جاتے ہیں کہ کسی طرح انفصال ممکن نہیں ہوتا۔ یوں عورت خود مرد کو چھوڑنے
 اور مرد چھپکا ہو رہے تو وہ بات ہی جدا ہے۔ لیکن وہ بھر دونوں ملنا چاہیں تو کوئی امر
 مانع نہیں ہے۔ ہندوؤں اور انگریزوں کے دستوراً سارہ میں قریب قریب یکساں
 ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ زنا کاری کی حالت میں حلاق دیرینے کا قاعدہ
 انگریزوں کے بیان میں بڑا سدرجہ قانون ہے۔ اور ایک بی بی کے ہوتے ہوئے
 دوسری بی بی لانے کے قاعدہ کو انگریزوں نے اپنے نزدیک باقضا تہذیباً چاہے
 بلکہ حرام قرار دے رکھا ہے۔ ان دونوں قوموں میں عورتوں کا ہر کچھ نہیں ہوتا لیکن
 اس میں نہ ہونے کی کمی یوں پوری کی جاتی ہے کہ مرد عورت کو طلاق نہیں دے سکتا
 اور اولاد ذکر نہ ہونے کی حالت میں بیوائیں اپنے شوہروں کا کل ترکہ باقی ہیں۔
 جیسے جی اگر نان نفقہ میں مرد کمی کرے تو در عدالت کھلا ہوا ہے۔ عدالت بھی ایسی
 دینی نہیں۔ فوجداری۔ فوراً آتھم آنے کی درخواست پر سچا رس روپیہ ماہوار تک
 (حسب حیثیت) نان و نفقہ مقرر ہو جاتا ہے۔ اور اجراءے ڈگری میں یہ آسانی ہے کہ
 ہر مہینہ پولیس نے پکڑ کر سیان سے بی بی کا وظیفہ و لوا دیا۔ سیان نے ذرا پہلوتی کی
 کہ جیل کی صورت دیکھنا نصیب ہوئی۔ مہاجنوں کا روپیہ ہوتا دیوالیہ بنشکی درخواست
 بھی ہو سکتی ہے۔ اس میں وہ بھی نہیں۔ جب تک زندگی ہے اسکے ادا سے چھٹکارا
 نہیں۔ بی بی کی چوتھوں پرناک رگڑ کر اسکو راضی کیا جائے۔ یا قتل انسان مستلزم
 سزا کی پاداش میں جو سزا ہوتی ہے یعنی حلا وطنی خود خوشی سے قبول کر لی جائے
 غیر ملک میں پناہ لی جائے ورنہ ہندوستان میں تو پولیس کے وارنٹ سے کہیں

چشم کارائین ہو سکتا۔ بتائیے ہندوؤں اور عیسائیوں کی عورتوں کو جو حقوق وصول فقہ کے حاصل ہیں کیسے متکلم ہیں جس آسانی سے ڈگری ہوتی ہے اور جس طریقہ سے اجراء گری عمل میں آتی ہے وہ ان لوگوں کو بھی نصیب نہیں جو دیون کو خافہ کش دیکھ کر روپیہ دیتے ہیں اور اسٹامپ اور رجسٹری سے پوری جو کسی کر لیتے ہیں۔

اب ذرا مسلمانوں کے قانون ملاحظہ فرمائیے کہ مرد ہر وقت بلا تصور عورت کو طلاق دے سکتا ہے اور ضابطہ فوجداری کے احکام سے گویا مسلمانوں کی قوم مشتبی ہے۔ بی بی نے نان نفقہ کا سمن جاری کرایا اور میان نے آیام عدت کا مزج عدالت کی میز پر رکھ کر اور باعلان تین مرتبہ عورت کو طلاق دیکر سیدھا گھر کا راستہ لیا اور اس طرح تین نفیوں میں سارا مرحلہ طے ہو گا۔ مسلمانوں میں عموماً نان و نفقہ کا دعویٰ وہی عورتیں کرتی ہیں جو اس طرح طلاق پانے کو اپنا چارہ کار سمجھتی ہیں۔

مسلمانوں میں عورتوں کو کل ترکہ شوہر کی کسی حالت میں نہیں ملتا زیادہ سے زیادہ راج در نہ معمولی طور پر ایک ثمن (اتھوان) ملتا ہے۔ دیکھیے طلاق کے مسئلہ میں اور کل ترکہ کے نہ پانے میں مسلمان عورتوں کی حالت کس درجہ ہندو اور عیسائی عورتوں سے گھٹی ہوئی ہے۔

یہاں ایک بات اور یاد رکھنے کے لائق ہے کہ مطلقہ عورتوں کو کچھ دوسری سے نکاح کرنا آسان نہیں ہوتا ہندوستان میں تو شامت اعمال سے یہ قریب قریب حرام سمجھا جاتا ہے۔ لیکن جہاں اسکا رواج ہے وہاں بھی زن پر وہ یا مطلقہ سے لوگ مجبوری عقلمند ہیں در نہ عام طور پر ہر ایک ایسی ہی عورت کا متلاشی رہتا ہے جو کسی شوہر کا منہ نہ دیکھ چکی ہو۔ عورتوں میں سب سے زیادہ قابل قدر اذ قیمتی چیز بادی النظر میں ماوا شباب ہے جس کو

دوسرے لفظوں میں بچہ (فطرت) کے پسند سے یا قدرت کے حوال سے تشبیہ ہو سکتے ہیں۔ مگر اسباب چلے جانے کے بعد نہ عورتوں میں اپنی طرف دلوں کے کھینچنے کی طاقت باقی رہتی ہے اور نہ مردوں کی زبان پر یہ مصرعہ رہتا ہے۔

نرخ بالا کن کہ ار زانی ہنوز

ایک بات اور بھی قابل لحاظ ہے کہ ہندوستان کی مسلمان عورتیں نکاح کے بعد ہر وقت طلاق کے ڈر سے لرزان رہتی ہیں اپنے حقوق کے طلب کرنے میں کبھی ہلری سے کام نہیں لے سکتیں اور ساری عمر گویا لوٹ لٹو کی طرح سے بسر کرتی ہیں۔

مفصلہ بالا تقریر سننے کے بعد ناظرین سمجھیں گے کہ مسلمان عورتوں کا سادہ بخت کوئی دوسرا مخلوق نہیں ہے حالانکہ یہ اسے صحیح نہیں ہے عورتوں کے جتنے حقوق شرع میں ہیں انہیں دست اندازی نہ کی جائے تو وہ بھی مردوں کی طرح آزاد اور خوش رہ سکتی ہیں۔ کیونکہ آئینہ تمام مصیبتوں کے مقابلہ کرنے کے لیے مسلمان عورتوں اور ان کے ولیوں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ نکاح کے قبل زیادہ سے زیادہ جو ہر مردوں سے چاہیں ٹھہرائیں کہ یہ نقدی بار ہمیشہ کو مردوں کے مقابلہ میں ان کے حقوق کا محافظ ہے اور وصول ہو جانے کی حالت میں نہایت عمدہ طور پر تمام دیگر تقاضوں کی تلافی کر سکے۔ لیکن افسوس ہے کہ قوم کے طرز عمل نے ان بیچاری پر وہ تشویش اور بے زبان عورتوں کو اس زبردست آلاء حفاظت خود اختیاری سے محروم کرنے کی دہلی دے رکھی ہے۔

ان عورتوں کی حق تلفی کے تین ذریعے ہیں۔ ایک خود قوم کی غفلت۔ دوسرے قانون پیشوں کی (جس میں عدالت بھی شامل ہے) غلط فہمیاں۔ تیسرے ان لوگوں کی نادانیت جن کو مسلمانوں کے خاندانوں سے معاملے کرنے پڑتے ہیں مگر ہر ایک

نفس کے
اجازت دہی
روپیہ دیتے

طلاق

ہے۔

کی ہنری

لفظوں

کی ہیں

زیادہ

ترک

کھٹی

نکاح

جائنا

تھکر

ہے۔

کد

کد

شق کو مختصر طور پر الگ الگ بیان کرتے ہیں۔

عورتوں کی غرض مشترکہ پر لچانا نہ کیا جائے تو مارا شباہ سے زیادہ قیمتی چیز دنیا میں کوئی دوسری نہیں ہو سکتی اور ایسے اسکے عوض میں جب قدر روپیہ دیا جائے یا دینے کو کہا جائے تو اسے ہے۔ مہر کی تعداد شرع میں حدیں نہیں ہے۔ جب قدر فقیرین میں ملے یا جائے وہی مہر ہے۔ بان دس درم شرعی سے کسی حالت میں کم نہ ہو۔ ابتدا سے اسلام میں جو کیفیت مسلمانوں کے افلاس کی تھی وہ ظاہر ہے۔ اور حالت کے اعتبار سے تعداد مہر بھی بہت کم ہوتی تھی۔ پیغمبر خدا اور ان کے خاندان کے مہر بہت کم تھے اور ایسے اب بھی مسلمانوں کے بعض خاندانوں میں انھیں تعداد دن کی بیرونی مناسب سمجھی جاتی ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک شرع ایسی بیرونی کو مستحسن نہیں سمجھتی بلکہ بعض اوقات لڑکیوں کے والدین پر ایک اخلاقی الزام یہ عاید ہو جاتا ہے کہ انھوں نے زمانہ موجودہ کی حالت سے غافل رہ کر نامناسب طور پر شرعی غلط فہمی پر عمل کرنے سے اپنی بیویوں لڑکیوں کو تعداد مہر کم منظور کر کے نقصان پہنچایا۔

بعض خاندان ایسے بھی ہیں کہ وہ مہر کے اغراض تک نہیں سمجھتے۔ جیسے مسلمانوں کا جو ٹھکانا بیٹا پناہ علامت اسلام سمجھتے ہیں ویسے ہی نکاح کے وقت دس درم کا فخر دنیا میں آجنا شمار اسلام جانتے ہیں۔ زیادہ تر شرفاء کے خاندان ایسے ہیں جو اپنی لڑکیوں کے مہر زیادہ مقرر کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ مہر زیادہ ہونا لڑکیوں کے آرام و آسائش کا سبب ہو گا۔ لیکن بعض اوقات گزشتہ زمانہ کی ثروت کے لحاظ سے مہر کی تعداد میں اتنا غلط خاندان کی اتنی زیادہ ہو جاتی ہے جو کسی طرح مناسب نہیں معلوم ہوتی۔ گو یہ حالت پسندیدہ نہیں ہوتی لیکن مجبور سی ہے

عدالتوں
کہ تعداد مہر
مہر
زیادہ تھی
کے مہر
کے مہر
حق نہیں
ہونے
جو مفصلہ
قائم کرنا
جانی
تو کلام ہی

حکیم ہو جائی
لیے ایسا
کہ کس درجہ
الضات
کہ دعویٰ
ایک مالدار
ایک لاکھ رو

عدالتوں کو اس بڑی سے بڑی تعداد کے بھی صحیح مان لینے میں ایسے کچھ تامل نہ کرنا چاہئے
کہ تعداد مہر خود فریقین کے سمجھنے کی بات تھی نہ کہ عدالت کے۔

سہد کی اعلیٰ عدالتوں سے جو فیصلہ مہر کے مقدمات میں ہوئے ہیں وہ بہت
زیادہ تشفی بخش ہیں۔ ستونی کا ڈنگی دین مہر جب تک ادا نہ ہو تقسیم ترکہ عمل میں نہ آئے ستونی
کے مرنے پر اگر قبضہ اسکی بیوہ کا اُسکی کل جائیداد پر ہو جائے تو اسکا قبضہ عوض دین مہر
کے مرثیانہ سمجھا جاتا ہے اور جب تک دین ادا نہ کیا جائے دیگر مرثانہ کو ترکہ کی مالش کا
حق نہیں ہوتا۔ لیکن نوعیت قبضہ اور طریقہ وصول دین مہر کی بحث تو دین مہر کے طے
ہونے کے بعد پیدا ہوتی اور تعداد مہر میں کرنے کا کام ایسے لوگوں کے خلق ہوتا ہے
جو مفصلہ بالا اصول سے ناواقف رہنے کی وجہ سے عورتوں کے خلاف رائے
قائم کرنا محض ظریقہ خیال کرتے ہیں بعض دقت تو وہ ایسی بے پروائی سے قائم کی
جاتی ہے گویا دین مہر حق العباد ہے ہی نہیں محض ایک رکن مذہب ہے اور اس میں
تو کلام ہی نہیں کہ دعویٰ مہر رجوع ہونے یا سلسلہ مہر زیر بحث ہونے کے ساتھ ہی یہاں
خاتم ہو جاتی ہے کہ شوہر یا در ثائے شوہر کی سازش سے کسی غریب کی حق تلفی کے
لیے ایسا کیا جاتا ہے۔ مجوز کے دل میں ایسا شک پیدا ہونا ناظرین سمجھ سکتے ہیں
کہ کس درجہ خطرناک ہے اور یہ بھی جان سکتے ہیں کہ نظریہ حالات سابق شک گمان تک
الضاف سے دور ہے۔ بعض حالتیں تو ایسی ہوتی ہیں کہ اگر یہ فرض کر لیا جائے
کہ دعویٰ سازشی ہے پھر بھی سازش سے الضاف میں کوئی فرق نہیں آتا۔ مثلاً
ایک مالدار کی لڑکی کسی مالدار کے ساتھ بیٹن ہزار مہر پر بیاہی گئی۔ جائیداد شوہر ہی
ایک لاکھ روپیہ کی ہے۔ عورت دین مہر کے باعث سے اپنے کو جائیداد کے ایک خس

تبی چیز دنیا
نے یا رہنے
یقین میں
ابتداء
کے اعتبار
میں اور ایسے
سب سمجھی
بعض اوقات
نامہ موجودہ
پنی بیرون

سے سلاہون
م کا فظ در دنیا
پنی لڑکیوں کے
اسائش کا
تعداد میں
من معلوم
ہے

کی مالک سمجھی جاتی ہے۔ اتفاق زمانہ کوئی نہیں جانتا۔ کسی طرح ایک لاکھ روپیہ ہر صبح کی ڈگری شوہر پر کسی غیر نے حاصل کر لی اور جائیداد فقیر مہیا ہو چاہتی ہے۔ اب عورت اسی اثنا میں دعویٰ اپنے مہر کا کر دے اور عرض یہ ہو کہ اگر ڈگری ہو گئی تو زر نیلام میں عورت بھی حصہ رسی پا جائیگی اور اس طرح ۲۰ ہزار کے قریب فرد مل جائیں گے۔ یوں خوش رہنے سے کل جاتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے دعویٰ کے رجوع کرنے میں شوہر فرد خوش ہو گا وہ سمجھے گا کہ غیر کی ڈگری میں کل جائیداد نیلام ہو جائے سے بہتر ہے کہ ایک جزو میری بی بی کے پاس آجائے لیکن کیا محض سیلے کے زودہ کی ڈگری سے شوہر کا بھی نہیں فائدہ ہو گا زودہ کے دعویٰ کا ڈگری کرنا کسی طرح اعلیٰ درجہ کے عدل اور انصاف سے ذرا بھی گرا ہوا ہو گا؟ ہرگز نہیں۔

ہماری اس تحریر سے ان لوگوں کو بھی نفع پہنچے گا جو مسلمانوں کے قاعدہ دین مہر سے بالکل ناواقف ہیں اور مسلمان کے خاندان کو ہندوؤں اور عیسائیوں کے خاندان پر قیاس کر کے سوائے کر بیٹھتے ہیں اور پھر بیچے سے واقعات کے چھپانے سچی بات کے بدلنے اور غلط مقدمات کی ترتیب دینے سے اپنی غلطیوں کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن جو شخص سوا ملہ کرنے سے پہلے احتیاط سے کام نہیں کرتا وہ گویا خود اپنی مدد نہیں کرتا اور ظاہر ہے کہ جسے خود اپنی مدد نہ کی عدالت سے مدد چاہنے کا اسے کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

مالک مغربی و شمالی کے ٹکٹ گورنر نے عدالتوں کو دین مہر کی تعداد گنتے کا حکم دینا چاہا تھا۔ واپس اس نے یہ تحریک پسند نہ کی۔ اس اثنا میں بہت سے لوگوں سے رائے طلب ہوئی یقیناً مؤلف نے بھی ایک واسطی سے بکارت جریج ذیل ہے۔

”آج کل ہمالک مغربی و شمالی کے دارمضان قانون یہ عور کر رہے ہیں کہ توہمہر کا عدالت کو گھٹا نامناسب ہے یا نہیں۔ اودھ میں عدالتوں کو اختیار ہے کہ اگر کسی طور پر مہر میں زیادتی کی گئی ہو تو اسکی تعداد گھٹا دی جائے۔ ہمالک مغربی و شمالی میں ایک مقدمہ ہائیکورٹ تک پہنچا جس میں یہ بحث تھی کہ اگر توہمہر گھٹائی نہیں جاتی تو تمام جائیداد مہر ہی کی نذر ہو جاتی ہے۔ دوسرے دارٹون کے لیے کچھ نہیں بچتا۔ ججوں نے تجویز کی کہ اودھ کی طرح اس ملک میں عدالتیں دست اندازی کی مجاز نہیں ہیں اس لیے مجبوری ہے۔ گورنٹ تک اسکی خبر پہنچی اور اب یہ غور کیا جا رہا ہے کہ ہمالک مغربی و شمالی میں بھی اودھ کا سا قانون نافذ کیا جائے تو کیسا ہے۔“

”سیر سے نزدیک موجودہ حالت میں تغیر مناسب نہیں ہے اور وجہ اس کے یہ ہیں۔“

انگریزوں اور ہندوؤں کی طرح مسلمانوں کے قانون میں طلاق مشروط بشرط یا غیر محکوم نہیں ہے۔ ہر شخص کو کسی وجہ کے اپنی زن منکوحہ کو چھوڑ سکتا ہے اور قانون انگریزی نے کوئی مداخلت اس بارہ میں بلا لحاظ اسکے کہ یہ مداخلت مناسب ہوگی یا نامناسب اب تک نہیں کی۔ مسلمانوں کی عورتیں اعادہ حق زناشوی کا دعوے دیوانی میں اور نان و نفقہ کا دعویٰ عدالت فوجداری میں عملی طور پر نہیں کر سکتیں کیونکہ جواب میں ایام عدت کا نفقہ رکھ کر عدالت کے سامنے مدعا علیہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے اپنی عورت کو طلاق دیدی۔ ہندوستان میں باستثنا سے خاص خاص عورتیں خاندانوں کے طلاق کی رسم برابر جاری ہے۔ اور جن گھروں میں طلاق کی رسم نہیں ہے وہاں طلاق سے بھی بدتر طریقہ جاری ہے یعنی عورتوں کو لوگ سلفات کے طور پر چھوڑ دیتے ہیں کبھی وہ حق زناشوی ادا نہیں کرتے اور نہ طلاق ہی دیتے

پیر ہر جہ کی

ہے۔ اب

ہو گئی تو زور

خود مل جائیں

وہی کے

کیلام ہو جاتے

کہ کر دوجہ

طرح اعلیٰ

اعادہ دین

دن کے

پہچانے

مسلح

ن کرادہ گویا

رو چاہئے گا

نے کا بیٹا

دن سے

ن ذیل ہے۔

کہ وہ انکی حکومت سے آزاد ہو جائیں۔ بہر حال ہندوستان کی بے زبان عورتیں
بے لکھی پڑھیں اپنے شوہروں کے قبضہ میں بے بسی کی حالت میں رہتی ہیں اور
جن گھروں میں رسم پردہ جاری ہے وہاں عورتیں اور بھی مجبوری کی حالت میں
رہتی ہیں۔ پردہ کی سختی شرعی حدود سے تجاوز ہے اور اسلیے بہت سخت ہے۔
ان سب زحمتوں کی تلافی اگر کچھ ہے تو وہ مہر سے ہے اس مہر کے ذریعہ سے
ایک گونہ شوہروں پر عورتوں کا دباؤ رہتا ہے۔ گوا اپنے حقوق سے نادانف رہنے
کی وجہ سے ان عورتوں کو اس دباؤ کے نافرمان کرنے کا اتنا موقع نہیں ملتا جتنا کہ
ہونا چاہیے۔ لیکن بھر بھی تعداد مہر میں عدالت کی دست اندازی کاردار گھنا عورتوں
کی حالت زار سے صریح بے پردائی کرنا ہے اور مردوں کی زیادتیوں کو اور غریب
دینا ہے۔

”جسوقت اسلام عرب میں پھیلا تھا عورتوں کو بہائم کے طور پر لوگ استعمال کرتے
تھے۔ طلاق میں آزادی عورتوں کی سہاری سے قائم کی گئی۔ یعنی جاہل
عرب جب اپنی بیبیوں کو ناپسند کرتے تھے تو وہ طلاق نہیں دیتے تھے بلکہ انکو چوڑ
دیتے تھے اور گھروں میں لونڈیوں کی طرح رکھتے تھے اور یہ اجازت نہیں دیتے
تھے کہ وہ دوسروں کے ساتھ بیبیوں کی طرح رہ سکیں۔ شرع نے اس رسم کے
مٹانے کے لیے طلاق کے قواعد منضبط کیے اور اس خیال سے کہ طلاق جو ایک
بلا دفع کرنے کے لیے قائم کی گئی تھی خود اس سے بڑی بلا نہ ہو جائے عورتوں کو
تعداد مہر بڑھانے کی عام اجازت دی گئی۔ شروع شروع اپنے شوق میں عربوں نے
تعداد مہر کی زیادتی پر اپنی رضامندی ظاہر کر لی شروع کر دی اور عورتیں جو قوی

سمرقانی کے اثر سے آزاد ہو چلی تھیں زیادہ مہر پر اصرار کرنے لگیں۔ کچھ دنوں کے بعد مردوں نے اسے ناپسند کیا اور خلیفہ دوم حضرت عمرؓ نے ایک روز یہ ایسی ہی کردی کہ وہ زیادہ مہر نہ باندھیں۔ ایک بوڑھا جو مجمع میں موجود تھی وہ بولی کہ قرآن شریف نے جس چیز کو جائز رکھا ہے خلیفہ وقت کو اسے مٹانا نہ چاہیے۔ حضرت عمرؓ کو اس بوڑھے سے ایک سبق حاصل ہوا اور انھوں نے اپنی غلطی مان لی اور اس بوڑھے کا شکریہ ادا کیا اور پھر تب سے بلاد اسلام میں کبھی تعداد مہر گھٹانے کی طرف بادشاہ وقت یا قاضیوں کو توجہ نہیں ہوئی۔

”میری رائے میں جب عورت مدعی ہو کہ مہر کا دعویٰ شوہر پر پیش کرے اس لحاظ میں عدالت کو تعداد مہر میں دست اندازی کرنا کسی طرح قرین مصلحت نہیں ہے۔ اب رہا یہ امر کہ بعد مہر نے شوہر کے دربار کے مقابلہ میں تعداد مہر کی بحث پیش ہو تو کیا کیا جائے؟ اس کا جواب بھی کچھ شکل نہیں ہے بعض اوقات ضروری ایسی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں جنکو عوام پسند نہیں کرتے جیسا کہ مقدمہ کلکٹر ادا بادیام ہرنس سنگھ کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن اسمین شرع محمدی کا کچھ نقص نہیں ہے بلکہ خود اپنی سمجھ کا پھر ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی کل جائداد کسی کو دیا ہے تو اسمین کسی کا اجارہ نہیں ہے اور اگر کوئی شخص کسی عورت کے حق میں اپنی کل جائداد کا ہبہ کر دے اور پھر اس سے نکاح کرے تو عقلاً یا الفانی کوئی قباحت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر اس نے بقدر مایست جائداد کے مہر کا تعین کر دیا تو یہ بھی ایک طور پر اپنی کل جائداد کا ہبہ کرنا ہے اور یہ ہبہ بے وجہ نہیں ہے عورت اپنی آزادی مرد کے حوالہ کرتی ہے تب کہیں یہ جائداد باقی ہے۔ اگر اس طرح دیگر رٹا محمود ہو جاتے ہیں تو کوئی بے الفانی لازم نہیں آتی دوسری

ن عورتیں
ہیں اور
ت میں
ت ہے
ر پر
ت رہنے
جتنا کہ
نور تو
را و غیب

کرتے
جابل
نکو چوڑ
ن دینے
رسم کے
ق جواک
ور تون کو
ن نے
و قومی

قوموں کے قوانین دیکھئے۔ یورپ میں ورثہ و قریب کا حصر مان مختلف صورتوں میں نظر آتا ہے۔ مثلاً خلف الکر کے مقابلہ میں چھوٹے رشتہ کے میں نہیں اگر وصیت نہ ہوئی تو اوپر تمام لڑکے محروم رہتے ہیں۔ اسلئے وہاں پہلے سے صورت کو اختیار ہوتا ہے کہ اپنے ورثہ میں جب طرح چاہے وصیت کرے اسلام نے نہ قریبے بیٹے کو کسی حالت میں کوئی ترجیح دی ہے اور نہ متوفی کی وصیت جہاں تک ورثہ کے محروم کرنے یا ایک وارث کو دوسرے وارث پر ترجیح دینے کے متعلق ہو جائز رکھی ہے۔

دشارع اسلام نے گورنار کے حقوق کی بہت زیادہ حفاظت کی ہے لیکن پھر بھی تعداد مراد اہل ہونے تک تقسیم نہ کرے۔ اہلین رکھی۔ اور نہ تعداد مر کے گھٹانے کی طرف کبھی توجہ کی۔ شرع میں تعداد مر ایک نہایت ہتم باشان امر اب تک مسلمانوں میں بجا گیا ہے۔ ”مہر قوم کا قانون ایک حد تک اس قوم کے لیے آرام دہ ہے۔ اگر کوئی جزا سکنا نقص سمجھ کر اسکی اصلاح میں کوشش کی جائے تو بجا سے نفع کے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اگر تبدیلی روا رکھی جائے تو کل قانون میں ایک ساتھ تبدیلی ہونا چاہیے۔ مثلاً اگر مرد اور مر کے گھٹانے کا اختیار عدالت کو دیا جائے تو یہ بھی اختیار عدالت کو دیا جائے کہ بغیر اجازت عدالت کے شوہر طلاق نہ دے اور نہ بغیر اجازت عدالت کے کوئی ایک سے زیادہ نکاح کر سکے۔ طلاق اور کثرت ازواج میں مرد آزاد رہے اور تعداد مر بڑھانے میں عورتیں آزاد نہ رہیں تو مصلحت عام کے خلاف ہوگا اور بعض صورتوں میں جو اتفاقی برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں ان سے کہیں زیادہ برائیاں موجودہ قاعدہ کے بدلنے میں پیدا ہوں گی۔

فصل چہلم

طلاق

شوہر اپنی بی بی کو چھوڑ دے تو اسے طلاق کہتے ہیں۔ اور جب طلاق کے لیے بی بی کی طرف سے ترغیب دی گئی ہو تو اسے خلع کہتے ہیں۔

طلاق دینا بیشک ایک قسم کی بیوفائی ہے۔ شرع نے اسے عمدہ سمجھ کر جائز نہیں رکھا بلکہ شرع نے صرف یہ بتایا ہے کہ اگر زن دشمن بناسبت طبعی ضرور اس بیوفائی کے سوا کوئی دوسری صورت نظر نہ آئے تو یوں بیوفائی کر دے۔ طلاق فی الواقع علاج ہے صحت سے امراض مملکہ کا۔ اور جہاں امراض پیدا ہو لے پر اس کے علاج کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا وہاں ایسے ایسے مملک نتائج پیدا ہوتے ہیں کہ اعظمہ للہ۔

خلع میں تو بیشک فریقین کی مرضی سے طلاق ہوتا ہے لیکن جب کبھی عورت کی مرضی کے خلاف مرد طلاق دیتا ہے تو بظاہر ایک بدنام صورت پیدا ہوتی ہے اور اسی بدنامی کے روکنے کے لیے پہلے سے عورتوں کو دین مہر کا حق دیا گیا ہے کہ وہ جتنا چاہیں مردوں پر بار عاید کر لیں کہ مردوں کو طلاق کی جرأت نہ ہو اور اگر وہ عورتیں طلاق چاہیں تو مہر کا مہر کرنا نفاذ حق خلع میں بھی ان کو آسانی بہم پہنچائے۔

طلاق صرف مسلمانوں میں نہیں ہے۔ تمام دنیا میں طلاق جاری ہے۔ جب سے دنیا میں شادی بیاہ قائم ہے طلاق بھی قائم ہے اور جب تک دنیا میں انسان رہیں گے اور انہیں بیاہ کا دستور قائم رہے گا تب تک طلاق کا وجود بھی قائم رہے گا۔

مختلف

میں نہیں

پہلے

تک

کی ریت

پینے کے

پھر بھی

رکھتی تھی

یا

سکا

اگر

اگر

اگر

اگر

اگر

اگر

اگر

اگر

اگر

رہے گا۔ ہندوستان میں تو سب سے زائد طلاق کا رواج ہے۔ بیچارے
 غربا کا تو ذکر نہیں لیکن امر میں یہ بلا گھر گھر ہے۔ مغربی میں شادی ہوئی۔
 ہوش سنبھالنے پر بی بی سے نفرت پیدا ہوئی اور پھر تمام عمر شاہان بازاری کے
 یا اس سے بھی بُری حالت میں دوسری قسم کی عورتوں سے تعلقات بیچارے
 اور بی بی سے کبھی دید و شنید بھی نہیں ہوئی۔ گھر کی حفاظت کرنے اور کھانا پکانے
 کے لیے لونڈی نہ ہی لگ ب بی بی پڑی رہی۔ اب ان بیبیوں میں اور طلاق عورتوں
 میں کیا فرق ہے۔ دوسرے ملکوں میں بھی کم و بیش یہ قاعدہ جاری ہے زن و
 شوہر سے ہر ایک نے دل بدلاؤ کی چھپی ہوئی صورتیں پیدا کر لیں۔ ایک کو دوسرے
 سے بالکل تعلق زنا شوقی نہیں ہوتا لیکن برا سے نام دوسروں کے دکھانے کو
 یہ تعلق تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ تو مذہب ملکوں کا دستور ہے۔ غیر مذہب ملکوں میں جہاں
 عورتیں مردوں کے اختیار میں رہتی ہیں اور طلاق کا دستور نہیں ہوتا وہاں مجنسہ
 ہندوستان کی سی تہذیب کی پیروی کی جاتی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عربوں کا بھی
 یہی دستور تھا کہ جب وہ ایک بی بی کو ناپسند کرتے تھے تو اسے چھوڑ کر دوسری لائے تھے
 لیکن جب کو چھوڑتے اور گھر سے باہر جانے نہیں دیتے تھے بلکہ ماؤن کی طرح کام
 لینے کے لیے اُسکو گھر میں رکھتے تھے۔ جو بی بی کل پلنگ سے نیچے نہیں اُترتی
 تھی وہ آج نئی دُلمن کے سامنے محض بھاڑ دینے اور کھانے کے برتن منا
 کرنے سے تعلق رکھتی ہے کتنا بُرا نظارہ ہے۔ طلاق کے حکام مذہب کو کے
 سلام نے بہت بڑا احسان عورتوں پر کیا کہ انکو شوہر کی قید سے آزاد کر دیا
 احکام شرع جاری ہونے پر ہر ایک عورت جسکو مرد چھوڑ دے قاضی کے سامنے آئے

دے سکتی ہے کہ اسکو شوہر کے گھر سے علیحدہ کر دیا جائے کہ کسی دوسرے سے وہ عقد کرے۔ مسئلہ طلاق اُن احسانات میں شمار کیا جاتا ہے جو اسلام نے عورتوں کے ساتھ کیے ہیں۔

طلاق کا یہ قاعدہ ہے کہ جب تین طلاقیں ہو جائیں تو پھر عورتوں سے کسی قسم کا تعلق مرد نہیں رکھ سکتا تھا۔ یہ قومی تہذیب اور قومی زور کا اثر تھا۔ یہ نہیں کہ آج طلاق دی اور کل عورت نے دوسرا خاندان ٹھہرایا تو کہنے لگے کہ نہیں نہیں میں طلاق واپس لیتا ہوں۔ مسلمانوں میں مطلقہ عورتوں سے پھر شوہر دن کو کچھ تعلق نہیں رہتا۔ بان زن مطلقہ دوسرے کے نکاح میں رہے اور وہ بھی طلاق دے تو سابق شوہر کو نکاح اس سے کر سکتا ہے۔

طلاق واقع ہونے کے لیے تین مرتبہ طلاق دینا لازم ہے۔ ایک ساتھ با باری باری سے۔ لیکن عمدہ صورت یہ ہے کہ ایک مرتبہ تین طلاقیں نزدیکی جائیں بلکہ ایک ایک حدیث کے بعد ایک ایک طلاق دی جائے اور جب تین پوری ہو جائیں تو عورت مطلقہ سمجھی جائے۔ تین طلاقیں ایک ساتھ اس لیے ناپسندیدہ ہیں کہ اس میں غور کرنے کا موقع کم ملتا ہے غصہ کی حالت میں ممکن ہے کہ طلاق ہو جاوے اور پھر پچھتاہٹ سے اس لیے شرع نے حکم دیا ہے کہ حتی الوسع سوچ سمجھ کر یہ کام کر دو تو اچھا کہ پھر افسوس نہ ہو۔

فریقین میں نا اتفاقی ہو اور کسی طرح ایک دوسرے کو پسند نہ کرے تو علیحدگی سے ابھی کوئی دوسری صورت نہیں ہے یہی عین حکمت ہے اور یہی عین تہذیب ہے کہ آہستہ سے علیحدگی ہو جائے اور پھر ہر ایک اپنا دوسرا اندر لیت کر لے

ہے۔ بیچارے

ی ہوئی۔

بازاری سے

تو بیچارے

اور کھانا پکانے

اور مطلقہ عورتوں

ی ہے زن

ایک کو دوسرے

دکھانے کو

یوں میں جہاں

ہوتا وہاں بھینسے

ی عربوں کا بھی

سری لائے تھے

کی طرح کام

بچے نہیں لڑتی

کے برتن منا

مذہب کو کے

سے آزاد کر دیا

کے سامنے نہ تھا

دنیا داری کا چھڑا ایسا نہیں ہے کہ فریقین کی ناراضا مندی ہو جب بھی وہ اس
امان سے چلا چلے۔

ہندوستان میں طلاق مینے کا دستور نہیں ہے اگر ہے تو بس اس قدر کہ عورت کو
مرد نے چھوڑ دیا اور عورت لونڈی کی طرح گھر میں کام کر رہی ہے۔ اور اس سے اچھی
صورت میں بھی نہیں سکتی جب تک عورتوں کا دوسرا بیاہ ناجائز ہے۔ لیکن یورپ میں
طلاق ہے اور بعد طلاق کے فریقین کی دوسری شادیان ہوتی ہیں اور پھر قسمت نے
یادری کی توجہ سے بستر بھی ہوتی ہے۔ لیکن وہاں طلاق کا قانون ایسا خراب ہے
کہ بڑی شکل سے طلاق واقع ہوتی ہے۔

۱۔ انگلستان میں زنا کوئی تعزیری جرم نہیں ہے۔ ۲۔ بیاہ کے بعد فریقین کی
مرضی سے طلاق نہیں ہو سکتی بلکہ عدالت کی مرضی پر فریقین کا تفرقہ منحصر ہوتا ہے۔ ۳۔
بارہا ایسا ہوا ہے کہ فریقین نے طلاق حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن عدالت
سے منظوری حاصل نہیں ہوئی۔ ۴۔ اکثر طلاق کی ڈگری عدالت سے اس حالت
میں حاصل ہوتی ہے جبکہ فریقین کا یا انہیں سے ایک کا زنا کاری کی حالت میں
رہنا عدالت کے نزدیک ثابت ہو۔ ۵۔ طلاق حاصل کرنے کے لیے عدالت ہے
انگلستان میں ایک فریق دوسرے فریق کی زنا کاری ثابت کرنے پر پائل ہوتا ہے اور
کوشش ہوتی ہے کہ فریق تالی کی بے عصمتی یا خود سالگہ کی بے عصمتی عدالت کے
نزدیک۔ عدم ثابت نہ ہے۔

جنگل کے ایک سابق لفٹ گورنر کی صاحبزادی ایک یادری کے ساتھ انگلستان
میں بیاہی گئیں۔ نکاح کے واقعات معلوم نہیں ہوئے صرف اتنا معلوم ہوا کہ نکاح کے

بعد ایک نے دوسرے کو ناپسند کیا۔ اگر دونوں مسلمان ہوتے تو کچھ بھی دقت نہ ہوتی۔
 ناپسندیدگی با دوسری صاحب کی طرف سے ہوتی تو وہ طلاق دے سکتے تھے اور
 اگر بی بی صاحب کی طرف سے ناپسندیدگی تھی تو وہ امیر کبیر کی لڑکی تھیں دولت کے
 زور سے شوہر کو طلاق دینے پر راضی کر لیتیں۔ اور اسی کا نام خلع ہے۔ لیکن قانون
 انگلستان اسلامی قانون سے مختلف ہے یعنی اس اصول پر مبنی ہے جبکا ذکر
 اوپر کیا گیا ہے اسلئے ہم صاحبہ کو طلاق حاصل کرنے کے لیے اپنی بد چلنی کا ثبوت
 عدالت کے اطمینان کے مطابق دینا لازم ہوا۔ اور با دوسری صاحب کو بھی یہی راستہ
 اختیار کرنا ناگزیر ہوا کہ سعد مصیبت میں دونوں مبتلا ہوئے۔ سیدھی بات کو قانون نے
 خواہ مخواہ پیڑھی کر دی لوگوں کا خیال ہے کہ یورپ کے قانون میں بڑی آزادی ہے
 لیکن اگر اسی کا نام آزادی ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ یورپ میں کچھ بھی آزادی نہیں ہے۔
 مناکحت کا معاملہ اور اسی میں اس درجہ خلاف عقل باتوں کو داخل ہوا وہ بھی یورپ کے
 مذہب ملک میں تو ہم کو سخت حیرت ہے۔ ہم صاحبہ بد چلن ہوں یا نہ ہوں لیکن ملک کے
 قانون نے انکو مجبور کیا کہ وہ ایسے شخص کی صحبت سے جس سے بڑا انکے نزدیک
 کوئی دنیا میں نہ تھا جھگڑا پانے کے لیے اپنی عصمت کو ہلاک اور عدالت کے سامنے
 گئی گزری ثابت کریں۔ چند سال کا ذکر ہے کہ اخبار دن میں طلاق کی کیفیت پوچھا
 ہوں کہ ہم صاحبہ نے ایک چٹھی اپنے شوہر کے پاس لکھی کہ سچی اور سیدھی بات یہ ہے کہ میرے
 ایک ایسے شخص پر فریفتہ ہوں جو میرے لیے سب کچھ ہے۔ اگر آپ اس پر کچھ کرنا چاہتے
 ہیں تو طلاق شخص سے میرے مزید حالات دریافت کر لیجئے۔ اس چٹھی کے معنی یہ ہوئے
 کہ میں ناپاک حالت میں ہوں اور میری ناپاک حالت کو عدالت پر ظاہر کر کے آپ مجھ

دہ سن

عورت کو

سے اچھی

یورپ میں

مست نے

خزائے

یقین کی

ہے۔

عدالت

س حالت

لین

ت ہے

ہے اور

کے

ملک

کے

گلو خلاصی چاہتے ہوں تو میں آپ کی مدد کے لیے لینے اپنی برائیاں ظاہر کرنے کے لیے طیار ہوں۔

وہ چٹھی یا محض عورت کا اقبال کافی نہ تھا بلکہ جا بجا سے اور بھی رسوائی کا ثبوت درکار تھا۔ غرض کہ چند تائیدی ثبوت اور بھی ہم پہنچائے گئے۔ جن ہوٹلون میں ہم صاحبہ رہ چکی تھیں وہاں کے رجسٹر دیکھے گئے۔ منبر کے اظہار ہوئے اور یہ دکھایا گیا کہ اپنے نئے چاہنے والے کے ساتھ ہم صاحبہ برابر زن و شو کی طرح رہتی ہیں۔ عدالت کو جب ثابت ہو گیا کہ فی الواقع ہم صاحبہ زنا کاری کی حالت میں رہ چکی ہیں۔ تب پادری صاحب کی گلو خلاصی کا حکم دیا گیا۔ ہم صاحبہ کا کھٹا کھٹا۔ اور نئے چاہنے والے سے کل کارروائی کا خرچہ دلایا گیا۔

اب آزادی کا زمانہ ہے۔ ہر جگہ عقل سے کام لیا جاتا ہے۔ مفصلہ بلالابات ظاہر کرنے کے بعد اس میں ذرا شبہ نہیں رہتا کہ اس بارہ میں مسلمانوں کا قانون یورپ کی دیگر سلطنتوں کے قانون سے اچھا ہے۔

کیا اس وقت ہم اس کہنے سے باز رہ سکتے ہیں کہ اوڈنٹ پر چڑھنے والے ریگستان میں گھومنے والے اتنی محض تجھ پر یقین کرنے والے تو تجھ کو خاص فیضان الہی کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں اور سمجھنے نہیں گے۔ لیکن جو تجھ کو نہیں مانتے وہ بھی جب عقل سے کام لیتے ہیں تو یہ تسلیم کرتے ہیں کہ تیری ذات بابرکات خلاصہ موجودات کے ذریعہ سے جو شریعت قائم ہوئی اُس کے احکام و حقوق تمام قوانین سے افضل ہیں۔



فصل ہپٹل ویکم

کثرت ازدواج

آج کل یورپ میں کثرت ازدواج انتہا سے بے اخلاقی ہے اور بلاد اسلام میں نیز اسکے اخلاقی خوبیاں قائم نہیں رہ سکتیں۔ یورپ میں ایک بی بی کے ہوتے ہوئے دوسری عورت سے ناجائز تعلق رکھنا کوئی مجرم نہیں ہے محض بے اخلاقی ہے لیکن دوسرا بیاہ کر لینا جسکو وہاں کی اصطلاح میں 'پولی گیمی' (Polygamy) کہتے ہیں ایک سنگین مجرم ہے یہ مسئلہ بہت زائد یورپ اور افریقہ کے اُن سواحل میں زیر بحث رہتا ہے جہاں جانب مقابل میں یورپین آبادیاں واقع ہیں۔ یہ بحث وہاں خاص خاص لوگوں میں محدود نہیں ہوتی بلکہ طبقہ عوام میں بھی اس قسم کے مرتبے ہوتے ہیں۔ ایک فرانسیسی سیاح شام اور مصر کے شہروں میں شرکون پر رات کو روشنی کا اختتام نہ دیکھ کر حیرت سے پوچھتا ہے۔ یہ کیسے شہر ہیں کہ انہیں رات کو روشنی نہیں ہوتی؟۔ ہوٹل کا مسرخی خاں سامان جواب دیتا ہے "ہیان کے لوگ اپنے گھر پر ایسے خوش رہتے ہیں کہ انکورات کے وقت اپنے گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں رہتی اور اسلئے شرکون پر روشنی کا سامان بھی کم کیا جاتا ہے۔ یورپ میں لوگوں کے گھر دن پر عیش و نشاط کے سامان دنیا نہیں رہتے اسلئے وہاں کے باشندے تھیسٹر، کرس، ناچ، میخانہ، قمارخانہ کی سیر کے لیے رات بھر مارے مارے پھرتے ہیں اور رات کے لیے راستوں میں روشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ هیان کے لوگ اپنی بیبیوں میں ایسی خوشی سے بسر کرتے ہیں کہ انکو ناضی کے چکر لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی" اس جواب میں وہ خاں سامان اپنے طور پر جو کثرت ازدواج کی خوبیاں

سارم فصل چل دیں

ہاں کرنے کے

کی کا ثبوت

میں ہم صہ

کا اپنے نئے

ت کو جب

بادری

لے سے

بلایا بات

یورپ کی

نے والے

رنگو خاں

مانتے

بابرکات

م وقت

عورتوں

دوسرے

حالتوں

جاسکتی

قانون

انسانی

کیا کہ

کے تو

کی جہ

تک

خلاف

رکھنا

اب

انسانی

۱۰

کما

کی گ

از و

ہیں

کہہ گیا خاص اسی کا حصہ تھا۔ بیان سلوہ ہے لیکن مطلب سب ادا ہو گیا۔

اس مسئلہ پر اگر عالمائے بحث کی جائے تو سب کے پہلے ان امور پر غور کر لینا چاہیے۔
۱۔ گرم ملکوں میں فطرتاً کثرت ازدواج کی طرت توجہ زائد ہوتی ہے اور سرد ملکوں میں عموماً اس سے نفرت کی جاتی ہے۔ قمریان ہمیشہ اپنا جوڑا ساتھ رکھتی ہیں اور خروسی کا طرز زندگی اس بارہ میں بالکل جدا ہوتا ہے۔ اسی طرح ملکی آب و ہوا کے اثر سے انسانی طبیعت کے جذبات میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہو جاتا ہے۔ جن اقوام میں بغیر غور و دلوش کے افکار صوم ہوتا ہے انکی تمدنی حالت ان برستان کے باشندوں پر قیاس نہیں کیجا سکتی جہاں ایام سرما میں نباتات کی قوت نمونگی انسان کی قوت حواس کے ساتھ مسلوب ہو جاتی ہے۔

۲۔ دنیا کے تمام حصوں میں عورتوں کی معمولی بیماریاں اور انکے ایام حمل و زچست عورتوں کو مردوں سے اکثر پار رکھنے پر مجبور کرتے ہیں۔

۳۔ عورتوں کی قوت تناسل عموماً مردوں سے بہت پہلے ختم ہو جاتی ہے۔

۴۔ تمام ملکوں کی مردم شماری سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زائد ہے۔

ان تمام باتوں پر نظر کرنے کے بعد ذرا شبہ نہیں رہتا کہ مثل قریوں کے اپنی زندگی انسان بسر نہیں کر سکتا۔ بہت سی صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک مرد کو چند عورتوں سے تعلق رکھے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔ اسکے لیے دلیل و برہان کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر ایک کو خود اسکا وجدان سمجھا سکتا ہے۔ دنیا میں ایسی عورتیں بہت کم ہیں جنکو متعدد مردوں سے تعلق رہا ہو۔ لیکن ایسے مرد بہت کم نکلیں گے جنکو متعدد

عورتوں سے تعلق نہ ہا ہو۔ بلا واسطہ میں یہ تعلقات کثرت ازدواج کے جواز کی وجہ سے دوسری صورتیں رکھتی ہیں اور دیگر ملک میں زنا کاری کا یہ راہ اختیار کر کے دوسری حالتوں میں نمودار ہوتے ہیں لیکن نفس تعدد و زوجین جبکہ موجود ہے اور اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک مرد کو کئی عورتوں سے تعلق رکھنا انسانی فطرت میں داخل ہو گیا ہے قانون کا کام یہ نہیں ہے کہ جذبات انسانی مثلاً اسے بلکہ قانون کا صرف یہ کام ہے کہ جذبات انسانی کو جہاں تک ممکن ہو معتدب کرے۔ اب اسلام نے ان جذبات کو یوں معتدب کیا کہ تعدد ازدواج رو رکھا لیکن چار نکوہ پیو تک اسے محدود کر دیا اور اس قانون کے توڑنے والوں کے لیے ابتدائی سزا مازیانہ اور انتہائی سزا قتل تجویز کی۔ یورپ کی جدید تہذیب نے اسے یوں معتدب کیا کہ ابتدائی حالت میں یہ تعدد نامتناہی تعدد تک معاف رکھا اور آخری حالت میں صرف ایک بی بی سے تعلق رکھنا محکوم کیا۔ اور اسکی خلاف ورزی میں صرف زن و شو کا افتراق ممکن ٹھہرا یا لیکن ایک سے زیادہ بیویوں کا رکھنا کسی حالت میں جائز نہیں رکھا۔ بلکہ اسے جرم قابل سزا قرار دے دیا۔ اب ناظرین فیصلہ کریں کہ جذبات انسانی کو معتدب کرنے میں کس قانون نے زائد تر فطرت انسانی کا خیال رکھا ہے۔

اسلام کوئی قانون مختص الامریہ یا مختص المقام نہیں ہے۔ کئی مرتبہ کہا گیا اور اب بھی کہا جاتا ہے کہ یہ تمام دنیا کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس میں زیادہ تر اصول سے بحث کی گئی ہے اور ہر موقع اور ہر مقام کے متعلق اس میں سہولتیں کھی گئی ہیں۔ اس میں ازدواج کے متعلق جو مسائل ہیں وہ کسی خاص قوم یا خاص ملک کے لیے نہیں ہیں۔ عرب اور افریقہ کے ریگستان اور قطب شمالی کے برفستان ان دونوں کے لیے

اور اسو گیا۔

پر غور کر لینا چاہیے

ہے اور ہر ملک

نہیں اور عورتوں

کے اثر سے

ہے جن اقوام

ان کے باشندوں

کی قوت حاصل

محل و رعایت

تی ہے۔

مردوں سے

کے اپنی

ب مرد کو چند

س ضرورت

ن بہت کم

جنکو مستعد

نہیں

ایک ہی قانون ہے۔ جو مسئلہ اس قوم کے لیے ہے جہاں بولی گئی یعنی کثرت از دواج کا رواج ہے وہی اُن اقوام کے لیے بھی ہے جہاں اسکے برعکس بولی گئی یعنی کئی مردوں میں ایک عورت کے رہنے کا دستور تھا اور شاید اب بھی کہیں کہیں پہاڑی ملک میں ایسا ہوتا ہے۔ جو انوں اور بوڑھوں ضعیفوں اور تندرستوں۔ مفلسوں اور مالداروں۔ مزدوروں اور پاشاہوں سب کے لیے ایک ہی قانون ہے۔ دنیا میں سب کی حیثیتیں یکساں نہیں ہیں۔ بعض تو ایسے ہیں کہ اُنکے لیے ایک بی بی سے بیاہ کرنا بھی داخل مصیبت ہے۔ اور کتنے ایسے ہیں کہ چار بیبیاں ہوں تو وہ چاروں کے ساتھ عدل کر سکتے ہیں اور چاروں کو خوش رکھ سکتے ہیں۔ ان تمام امور کے لحاظ سے قرآن کی سورہ نسا رکوع اول میں محکوم ہے۔

”اپنی مرضی کے مطابق دو تین چار عورتوں سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ کئی بیبیوں میں برابری کا برتاؤ نہ کر سکو گے تو ایک ہی بی بی کر دیا جو لونڈی تمہارے قبضہ میں ہو اسی پر قناعت کرو۔ بے انصافی سے بچنے کے لیے یہی تدبیر قرین مصلحت ہے“

اس آیت میں عورتوں کے حقوق کا زیادہ تر لی فاک کیا گیا ہے اور انھیں کے فائدہ کے لیے یہ منصوص ہوا ہے کہ مردوں کے حقوق کا بڑھانا اور عورتوں کے حقوق کا گھٹانا ہرگز اس سے مقصود نہیں ہے۔

ما طاب لکم من النساء ثلث ذلک فان ختم الاصل لواحدا واما ملک الیام کم ذلک او فی الاصل لواحدا۔

اس آیت سے صریح ظاہر ہے کہ ایک بی بی سے زائد کی اجازت کن شرعاً اور
فیہ دون سے گھری ہوئی ہے۔ بیشک مستحسن ہے ایک بی بی کا کرنا لیکن ان عدل
کرنے والوں کے لیے یہ استحسان نہیں ہے جنکو بغیر چند بیبیوں کے اطمینان قلب
جسپر دون جہان کی کامیابیوں کا مدار ہو حاصل نہیں ہو سکتا۔ بیبیوں میں عدل قائم
رکھنے کا مفہوم آمیزہ ازدواج مطہرات نبی کے بیان میں درج کیا جائیگا۔

ان تمام امور کے ساتھ ہم یہ بھی کہیں گے کہ بعض اقوام کا تمدن کثرت ازدواج کے لیے
مناسب نہیں ہے۔ مثلاً ہندوؤں میں کثرت ازدواج جائز ہے لیکن بلحاظ آنکے
طریق تمدن کے جائز نہ ہونا چاہیے اُنکے بیان جو حالت زنا شوی ہے یا انکی عورتیں
جس طور سے رہتی ہیں اسپر کثرت ازدواج کا مستزاد کرنا سچا ری عورتوں کی حالت زار سے
بالکل فراموشی کرنا ہے۔ اُنکو کچھ ہر نہیں ملتا۔ سیکہ کے تعلقات بالکل قطع ہو جاتے ہیں۔ مردوں
پر اُنکا کچھ باد نہیں مہتا۔ طلاق لیکر وہ عقد ثانی نہیں کر سکتیں۔ یہاں تک کہ شوہر کے مرنے
پر بھی وہ دوسرا بیاہ نہیں کر سکتیں۔ ان تمام مجبور لیون کے ساتھ اتنا اور مستزاد ہوا کہ شوہر
دوسری بیبیان لائے اور اب سابق بی بی کو بجز لونڈیوں کی طرح بھاڑ دینے اور تن
مانجنے کے اور کوئی تعلق نہ رہا۔ یا شوہر نے کچھ انسانیت کو راہ دی تو اناج کی کوٹھڑی کی
کنجیاں اُسکے پاس رہنے دیں اس طرح لونڈیوں سے بڑھ کر ماؤں کی سی حیثیت قائم
رہی۔ بہر حال ہندوؤں کا تمدن کثرت ازدواج کے بالکل نامناسب ہے اور اسی طرح
جن مسلمان گھروں میں تمام امور متعلقہ ازدواج میں رسم ہندو کی پیروی ہے وہاں بھی
کثرت ازدواج ضرور ایک اخلاقی جرم ہے۔ جن لوگوں نے مسلمان ہو کر کثرت ازدواج
کے خلاف رسالہ لکھے ہیں اگر وہ اپنے رسالہ میں اتنا اور بڑھا دیتے کہ مسلمانان ہند

کی تمدنی حالت کے اعتبار سے کثرت ازدواج نادرست ہے تو ضیک ہوتا۔ کئی قانون
اچھے سے اچھا ہو جب تک اُسکے تمام اجزاء پر عمل نہ کیا جائے وہ مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔
لیکن جن لوگوں نے اس نازک فرق کو سمجھے بغیر نفس کثرت ازدواج کو بڑا بتایا ہے
اور حدیث اور قرآن کے معنوں میں تاویلین کر کے اسلام کا کھڑکھاؤ کیا ہے سخت غلط
کی ہے۔ بین نہایت ادب سے اُنکی تحریروں کی نسبت یہ لکھوں گا کہ تمدن اسلام کی صورت
اُنکے ذہن میں نہ تھی اور جو چیز کہ اُنھوں نے بُری بتائی ہے فی الواقع وہ نہایت اچھی
چیز ہے۔ انھیں تحریروں کا نتیجہ ہے وہ کتاب جو لاہور میں کثرت ازدواج کے متعلق
عیسائیوں کی طرف سے شائع ہوئی ہے اور ہمیں خود ہماری قوم کے پیشواؤں کی تحریروں
ہمارے لیے مضر ثابت ہوئی ہیں۔ ہم ایک طرف کثرت ازدواج کو برا سمجھ کر اُسکی بُرائیاں
دکھاتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں اس امر کے ثابت کرنے کی کہ کثرت ازدواج
مسلمانوں میں جائز ہے مگر بہترین عمل سمجھا گیا ہے۔ اور دوسری طرف وہ کتاب الہ
دکھاتا ہے کہ پیغمبر خدا نے مرتے وقت گیارہ ازواج مطہرات چھوڑیں اور تمام صحابہ کبار
کے پاس بھی قریب قریب بلا استثناء کے متعدد بیبیان تھیں تو گو یا خود ہمارے قول
سے پیغمبر خدا اور صحابہ پیغمبر بہترین اعمال کے مرتکب ہوئے۔ یہ سب خرابیاں صرف
اس لیے پیدا ہوئیں کہ تمدن عرب سے ہم ناواقف ہیں یا زنا۔ نکاح۔ طلاق۔ خلع
اور مہر کے اصول سے ناواقف ہیں جس زمانہ میں کہ ”انہات المؤمنین“ شائع ہوئی
دو کا بیان بے طلب میرے پاس آئیں اور میں نے اُنکو الماری میں بند کر دیا کی
مسلمان کو دیکھنے نہیں دیا۔ لوگوں کے مانگنے پر میں صرف یہ کہتا تھا کہ جب تک تمدن عرب
کا نقشہ ذہن میں نہ ہو گا اس کتاب کا بڑھنا گمراہی کا سبب ہو گا۔ اسی وقت ایک جگہ مذکورہ

ہوا کہ فلاں شخص اسکا جواب لکھنے والا ہے۔ اُس شخص کی نسبت مجھے بڑی عقیدت تھی۔ میں انھیں بڑا ادیب بڑا ذہین اور محب اسلام سمجھتا تھا۔ لیکن باوجود اسکے میں نے اپنا خیال یہ ظاہر کیا کہ وہ اسکا جواب نہیں لکھ سکتے۔ لوگوں کے پوچھنے پر میں نے کہا کہ جالینوس برس کے سن میں انکی بی بی نے انتقال کیا اور انھوں نے باوجود فارغ البالی کے دوسرا بیاہ نہ کیا۔ جو شخص ایک بی بی کا رکنا بھی پسند نہ کرے وہ ایک سے زیادہ بیویوں کی مصلحتیں نہیں سمجھ سکتا۔ علاوہ بریں انھوں نے اپنے بیاہ کی فکر کبھی نہ کی لیکن اپنے بیٹے کے بیاہ میں انھوں نے بے انتہا رحمت اٹھائی۔ جو شخص بجا سے اپنے بیاہ کے بیٹوں کے بیاہ کے لیے تمام دنیا کی زمیںیں مال لے دے کثرت ازدواج کے متعلق جو ان خیالات سے بالکل ہی مجدا تمدن پر مبنی ہے کوئی دلچسپ مضمون نہیں لکھ سکتا۔

خیر یہ تو ایک جملہ تفرقہ تھا اب میں اصل مضمون کی طرف غور کرتا ہوں اور مذہب قوموں کے درمیان میں محکمہ کرتا ہوں۔ مسلمان اپنی مذہب کے زمانہ میں کسی طرح یورپین قوموں سے کم نہ تھے۔ اور کثرت ازدواج جائز رکھتے تھے۔ اور عیسائی اپنے زمانہ مذہب میں اسے جرم قرار دیتے ہیں۔ میں ان دونوں قوموں کو اپنی اپنی جگہ پر حق بجانب پاتا ہوں اور یہ قول فیصل سناتا ہوں کہ جو تمدن عربوں کا تھا اسکے لحاظ سے کثرت ازدواج کا جائز ہونا عین مذہب ہے۔ لیکن اگر یہ پوچھا جائے کہ کس کا مذہب اچھا ہے تو میں بے تکلف کہوں گا کہ مسلمانوں کا۔ اور وجہ پوچھی جائے تو میں کہوں گا کہ یہ کل کتاب شروع سے اخیر تک بڑھی جائے تو وجہ سمجھ میں آجائے گی کیونکہ یہی اس کتاب کا موضوع ہے۔ تمدن نام ہے عادت رسم اور قانون ملکی کے مجموعہ کا اور

بہار مضمون فیصل
ہوتا۔ کئی قانون
بت نہیں ہو سکتا۔
جو بڑا بتایا ہے
بے سخت غلط
اسلام کی صورت
ہذا نہایت اچھی
ج کے متعلق
واؤن کی تحریر
اسکی برائیاں
ازدواج
وہ کتاب الا
تمام صحابہ کیا
ہمارے قول
ایمان مرت
اطلاق خلع
شائع ہوئی
نہ کر دی گئی
تمدن عرب
جگہ تذکرہ

اس کتاب میں میرا مقصد مسلمانوں کے تمدن کو تمام دنیا کے تمدن پر فائق ثابت کرنا ہے اس لیے اگر یہ سوال ہو کہ اس زمانہ کی مذہب قوموں کا تمدن سابق مسلمانوں کے تمدن سے اچھا ہے تو میرا جواب ہوگا۔ نہیں۔ اور اگر یہ سوال ہو کہ یورپ کے موجودہ تمدن کے لحاظ سے کثرت ازدواج کا جرم قرار پانا کیسا ہے تو میں کہوں گا۔ بہت مناسب۔ اور اگر یہ پوچھا جائے کہ جن ممالک میں اسلام کے تمام قوانین پر عمل ہو وہ ان کثرت ازدواج مناسب ہے؟ تو میں کہوں گا۔ یقیناً مناسب ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ کثرت ازدواج اور دستور طلاق سے تمدنی حالت انسان کی خراب جاتی ہے۔ مفصلہ بلانا تقریر پر سننے کے بعد شاید کوئی سمجھ داریہ نہ کہے گا کہ سائل شرع ان امور کے تعلق تمدن انسانی کے بگاڑنے والے ہیں۔ دلیل دربان سے جنگی پوری تشفی نہیں ہوتی ان کے یہ ہنری ہشتم شاہ انگلستان کے حالات سمجھانے کو کافی ہونگے۔ ہنری ہشتم نے تخت پر بیٹھنے کے بعد اپنے بادشاہی کی بی بی سلک کیتھن سے بیاہ کیا۔ یہ بیاہ زیادہ تر اس شان و شوکت کا نتیجہ تھا جو کیتھن کو اس کے شوہر کے زمانہ میں حاصل تھی۔ عرصہ تک کیتھن کے ساتھ رہ کر بادشاہ اس سے سیر ہو گیا تو ایک نوجوان لڑکی، اپنی بولین، پر فریفتہ ہوا۔ اس زمانہ میں آج کل کی طرح زنا کاری کا رواج نہ تھا ورنہ معاملہ یسین تک پہنچتا۔ اور نہ کثرت ازدواج باطلاق کا دستور تھا کہ کیتھن کے ہوتے ہوئے یا کیتھن کو طلاق دیکر اپنی کے ساتھ بادشاہ دوسرا بیاہ کر لیتا۔ کثرت ازدواج کا تو رواج ہی نہ تھا اور طلاق کے لیے شرطیں اتنی تھیں کہ بادشاہ کے اختیار میں وہ بھی نہ تھا۔ بادشاہ نے پوپ روم سے مدد چاہی اور یہ درخواست کی کہ پوپ بطور مذہبی پیشوا کے کیتھن سے عہدائی کرادے۔ اور اب تک جو تعلق کیتھن

سے تھا اُسے ناجائز قرار دے یا دوسرے لفظوں میں یہ قرار دے کہ آپؐ کیتھرن بطور مدخلہ کے تھی منکوہ نہ تھی تاکہ اپنی کے ساتھ بیاہ ہونے میں کوئی امر مانع نہ ہو۔ دیکھیے گھر کا بھگڑا کہاں پہونچا۔ اور کس کس کا فیضوت کے ساتھ پہونچا۔ کیتھرن نے اپنی توہمیں پسند نہ کی اور اسکے خلاف کوشش کی۔ کیتھرن کا بھتیجا چارلس اسپن اور جرمنی کا بادشاہ تھا۔ اٹلی میں بھی اسکا بڑا اثر تھا۔ پوپ کو کیتھرن کے خلاف حکم دینے کی خبر آت نہ ہوئی اور ادھر شاہ ہنری سے اُسے یہ ڈر تھا کہ میں اسکا کہنا نہ مانوں اور یہ میرے مذہب ہی اثر سے خود کو الگ کر کے پرائسٹنٹ ہو جائے جب بھی مجھ کو ملے۔ عرصہ تک پوپ لیسٹا لعل کرتا رہا اور بالآخر انگلستان میں ایک کمیشن تحقیقات کے لیے بنھائی اور دو لیسے وزیر انگلستان کو بھی اُس کمیشن میں ممبر کیا۔ کمیشن نے خلاف بادشاہ کے رپورٹ کی جسکی وجہ سے بادشاہ بہت بخیرہ ہوا اور خود کو پوپ کی ماتحتی سے آزاد کر کے انگلستان کا الگ تاج پشپ تھامس کرامر کو مقرر کیا اور وزیر کو بیوفائی کے الزام میں موقوف کر کے اسکی تمام جائیداد ضبط کر لی اور اسکے بعد بلوہ کے الزام میں اُسے ماخوذ کر کے اسکی طلبی کی اور وہ راستہ میں بیمار پڑ کر مر گیا۔ اب انگلستان کی عجیب کیفیت تھی کہ جو کیتھرن کو منکوہ کہتا نقل کیا جاتا اور جو اسے بادشاہ کی مدخلہ کہتا تھا اُسکے درجہ بڑھائے جاتے تھے۔ گویا تمام انگلستان میں خوشامدیوں کا راج اور صاف گوئیوں کی تباہی تھی۔ اسی تباہی میں اُسوقت تھامس ہور ایک بہت بڑا ممبر وطن اور خدا ترس بھی آگیا تھا جب گون مارنے کے لیے یہ تختہ پر چڑھا یا گیا تو اُسنے کہا کہ اتر آنا میرے اختیار میں ہے مگر میں خود کو اوپر ہی محفوظ پاتا ہوں اور جب گردن مقتل پر رکھی گئی تو اُسنے ڈاڑھی نیچے سے نکال لی اور بلا کمین یہ نہ کٹ جائے قصور میں نے کیا ہے یہ بے قصور ہے

ماتلق ثابت کرنا
مسلمانوں کے
پ کے موجود
کا بہت سنا۔
کثرت ازدواج

انسان کی
کا کسائل
دربار کے
سجبانے کو
بی سلک کیتھرن
لے شوہر کے
ہو گیا تو ایک
کاری کا
ستور تھا کہ
میاہ کالیتا
شاہ کے
ت کی
علی کیتھرن

اب آگے آئیے۔ بادشاہ کو اپنی کاجال چلن پسند نہ آیا اور کیتھرن کے معاملہ سے وہ گھبرائے گا تھا اس لیے اپنی کوٹھ سے طلاق دینے کی جگہ اس نے تلوار سے طلاق دی اور فوراً تیسری بی بی جین سے تیسرا عقد کر لیا۔ جین اپنی موت سے مری اسکے بعد بادشاہ نے ایک جرمنی عورت اپنی آف کلیوس سے بیاہ کیا یہ عورت جہدی تھی اور بادشاہ کو پسند نہ آئی۔ اب قانون بنانا بادشاہ کے اختیار میں تھا۔ بادشاہ نے بے شکسے اسے طلاق دیدی۔ اپنی آف کلیوس بادشاہ کی پوری داستان گھر سے سنکر چلی تھی وہ چپکے سے اپنا طلاق پانا غنیمت سمجھی اور اس سمجھ کی وجہ سے بہت بڑی پیش بادشاہ سے پائی اور جب تک زندہ رہی امن سے رہی لیکن کراؤنل وزیر جس نے ایسی جہدی عورت سے بادشاہ کو بھینسا نا چاہا تھا اپنا سر دیکر بادشاہ کے عتاب سے پھوٹا۔ بادشاہ نے پھر پانچویں شادی کیتھرن اور ڈس سے کی اور اسکو بھی قتل کیا۔ پھر عیسا عقد کیتھرن پار سے ہوا جس نے اخیر تک ساتھ دیا۔ بادشاہ کے جوش اور ولولے کم ہو چکے تھے ورنہ اسکو بھی جینا نصیب نہ ہوتا۔ جہان طلاق کی جگہ پر قتل رائج ہو مان بچاری عورتوں کا کیا بس چلے مفصلہ بالا واقعات سے بخوبی سمجھ میں آگیا کہ طبیعت کا جوش انسان کے دبائے نہیں دیتا۔ کثرت ازدواج اور طلاق اسی جوش کے دبانے کے لیے شرع میں موضوع ہو ڈاں اگر اسے لاپرواہی کی جائیگی تو یا مہتری ہتم کے محلوں کا نقشہ ہر اختیار گھردن میں نظر آئے گا یا وہ صورت دکھائی دے گی جو رنیا لڈ کے نادون میں ہے۔ جن گھردن میں زربہ دولت ہے۔ اختیار ہے۔ جہانی قوت ہے اور پھر باتیں نہیں ہیں اور یورپ میں ایسے بھی ہزار ہیں تو وہ الشاذ کالمہ حکم میں ہیں۔

بعض آدمی یہ کہتے ہیں کہ پولی گمی کے ساتھ پولی انٹری بھی روا رکھی جائے تو پورا الفاف ہو۔ جہاں ایک مرد کئی عورتیں رکھتا ہے۔ وہاں ایک عورت بھی ایک ساتھ کئی خاوند رکھ سکے تو کیا بُرا ہے۔ اگر محض عیش و نشاط کے لیے مردوں کو کئی بیبیوں کا رکھنا روا ہوتا تو بیشک عورتوں کو بھی یہ اجازت ہوتی کہ وہ کئی خاوند رکھیں۔ لیکن کثرت ازدواج ہرگز عیش و نشاط کے اصول پر روا نہیں رکھا گیا ہے گو اُس کے ذریعہ سے حصول نشاط بھی ممکن ہے۔ بلکہ اسکا جواز محض اس لیے ہے کہ وہ فطرت انسانی کے مناسب ہے۔ اور جس طرح پولی گمی فطرت انسانی کے موافق ہے۔ اسی طرح سے پولی انٹری فطرت انسانی کے خلاف ہے۔ جو دلیلین پولی گمی کے جواز کی ہیں وہی دلیلین پولی انٹری کی ناجوازی کی ہیں۔ اس لیے مزید ظاہر ہے کہ ایک ساتھ دو خاوند کا جمع ہونا بودی سے بودی شریعت میں بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ پولی انٹری بیشک کسی زمانہ میں جا بجا رائج تھی لیکن بہت کم۔ اور اب تو نہایت ہی کم ہو گئی ہے۔ لیکن کبھی کسی مذہب قوم میں اسکا رواج نہ تھا اور اگر تھا تو قومی شان و شہرت کا نقصانی حالت تھی۔ اگر مذہب قوم کے چار پانچ اشخاص کسی جن فروش عورت سے یا کسی عورت دار عورت سے کسی خاص حالت میں مشترک تعلق رکھیں تو یہ نہیں کہا جائیگا کہ اُس قوم میں یہ دستور رواج ہے۔ ابتدائے خلقت میں بہت سی ایسی باتیں تھیں جو کسی اصول پر مبنی نہ تھیں محض تن آسانی کی وجہ سے جائز تھیں۔ لوگ چھلیاں پکڑ کر کچی کھا جاتے تھے۔ بجائے اناج کے درختوں کی پتیاں اور بیل کھاتے تھے۔ پتوں سے جسم چھپاتے تھے۔ غاروں میں گھس کر سردی اور گرمی سے اپنے جسم چھپاتے تھے۔ اسی طرح اگر شروع زمانہ میں کہیں یہ رواج ہو کہ

بمقتضا سے کولت ایک ہی عورت پر کئی مرد قناعت کریں تو یہ بمقتضا سے فطرت انسانی
نہ تھا بلکہ ایک قسم کی خلاف فطرت من آسانی تھی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مردوں کے لیے کثرت ازدواج زحمت ہے۔ بیشک اس
شخص کے لیے جو ایک بی بی کا بھی بار نہیں اٹھا سکتا اسے کئی بیبیان کرنا ضرور زحمت
ہے۔ لیکن معلوم رہے کہ ایسوں کے لیے کثرت ازدواج محکوم نہیں ہے مگر
مزاج کو ٹیٹھا کھانا مضر ہو تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ شرع نے تمھاری کو حلال قرار دینے میں
غلطی کی ہے۔ دودھ سے اگر نزلہ پیدا ہو تو دودھ کی لطافت میں کوئی کمی نہ آگئی
بلکہ کھانے والے کی خلط فاسد پر لازم عاید ہوگا۔ کھانا کھانا باعث حیات ہے مگر
اُسکے لیے نہیں جو بیضہ میں مبتلا ہے۔ اسی طرح کثرت ازدواج اُسی کے لیے
زیبا ہے جو ہر ایک بی بی کو جدا جدا گھر رہنے کے لیے اور دوا فرج پر اسوقات کے
لیے دے سکے اور خود میں یہ قابلیت پائے کہ اپنے منصفانہ برتاؤ سے ہر ایک کو
راضی رکھ سکے گا۔ اور جبکہ بچے ٹنگے نہیں ہے اور نزلہ میں خیال حمیت ہے
اُنکے لیے دوا دیکھنا کا کرنا غیر مستحسن ہے۔ مثلاً جب ایک بی بی گھر میں تھی تو دوا میں
کام کرتی تھیں۔ جب ایک اور آئی تو ایک ماہ تعینت میں آگئی۔ اور دوسری بی بی آئی
تو دوسری ماہ بھی سو قوت ہو گئی۔ اب پہلی بیبیان کو نئی بیستی میں کھانا پکاتی ہیں گھر
میں جواز دیتی ہیں اور نئی بیباہی وطن پہنک پر پڑھی بیٹھی ہے ایسے بے حیثیت خانہ
کے لیے کثرت ازدواج ضرور باعث زحمت ہو گا اور ایسوں کے لیے تو کثرت ازدواج
موضوع بھی نہیں ہے۔ انہیں کی شان میں سورہ نباور کو عہد میں ہے
”اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ کئی بیبیوں میں برابری کا برتاؤ نہ کر سکو گے

تو ایک ہی بی بی کر دے۔

غرض کہ جو شخص کثرت ازدواج کی استطاعت رکھتا ہے۔ ضرورت رکھتا ہے اور انصاف بھی کر سکتا ہے اُس کے لیے کثرت ازدواج ہرگز زحمت نہیں ہے بلکہ عین راحت ہے جیسا کہ شروع شروع میں مسلمان کا جواب زیب عنوان کیا گیا ہے۔ اور اگر فرض کر لیں کہ کثرت ازدواج میں زحمت ہے اور نفس زحمت سے انکا بھی نہیں کیا جاسکتا تو یہ زحمت موجب تکلیف نہیں ہے جتنا ہی تعلقات دنیوی بڑھیں گے اُن کے ساتھ زحمتیں بھی مزدور بڑھیں گی۔ جسکے پاس صرف ایک گھوڑا سواری کا ہے اُسے بہ نسبت اُس شخص کے جسکے پاس دو گھوڑے ہیں مزدور کم زحمت ہے۔ اسی طرح بیویوں کے بڑھنے سے مزدور زحمت بڑھتی ہے۔ لیکن یہ زحمت اُن خلیفہ شایع سے بدرجہا بھی ہے جو زنا کاری سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ پہلے کہا گیا ہے کہ کثرت ازدواج محض زنا کاری سے بچنے کے لیے موضوع ہے درنہ جو حضرات اپنی حالت کے اعتبار سے ایک بی بی پر قناعت کر سکتے ہیں اُنکو دو بیبیاں کرنا بیکار ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جہاں کثرت ازدواج ہے وہاں عورتیں خوش نہیں رہیں۔ لیکن غلطی ہے۔ عورتیں خوش رہتی ہیں مردوں کے اچھے سلوک سے۔ ایک شخص نے صرف ایک بی بی سے عقد نکاح کیا ہے۔ لیکن اُسے زنا کاری اور شر بخواری سے اتنی فرصت نہیں ملتی کہ وہ اپنی بی بی سے کبھی مل سکے۔ اور اُسی کے پڑوسر میں ایک دوسرا شخص ہے جسکے پاس چار بیبیاں ہیں لیکن وہ سوے چار کے کسی پانچویں عورت کی طرف نظر ہے دیکھنا حرام مطلق جانتا ہے اور باری باری سے ہر بی بی کے

۱۰ وان ختم الا تعدوا فواحدة۔

گھر جو تھے روز آتا ہے اور نہایت حسن سلوک سے پیش آتا ہے۔ اس کے یہاں نہ تو شراب خواری کا چرچا ہے نہ کسی اور نہایت سے اسکو تعلق ہے۔ عواض جہلی سے وہ بالکل تبرا ہے اور محبت اسکی نہایت اچھی حالت میں ہے۔ اب عورت جو اپنے خاوند کی تنہائی بی دیکھنے کو ہے لیکن فی الواقع بیوہ کے حکم میں ہے کہیں نہ بادر خزانہ کی بہ نسبت اس عورت سے بسر کرتی ہے جسکے خاوند کی چار جیلیاں ہیں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس بد بخت عورت کے پاس شوہر آنا چاہتا ہے اور یہ چاہتی ہے کہ شوہر اپنے امراض متعدی اور خباثت نفس کے ساتھ الگ ہی رہے تو اچھا۔ میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورتیں اپنی سوتوں کو ناپسند نہیں کرتیں وہ فرد ناپسند کرتی ہیں لیکن اگر کوئی عورت ایسے شخص کے ساتھ اتفاق سے بیاہی گئی جو اپنی فطرت میں ایک عورت پر قناعت کرنے والا نہیں ہے تو اس عورت کے خوش رہنے کی طرف یہ صورت ہے کہ وہ اپنے مرد کے ناجائز تعلقات چھوڑ دینے کے لیے جائز طور پر کسی عورت سے اسکا عقد کرادے اور اس طرح غیر قناعتی محائب کا سد باب کرے۔

بعض اکابر اسلام کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ انکے پاس بہت سی بیبیاں تھیں۔ اور بہت سی بیبیوں کو انھوں نے طلاق دی۔ شاید کسی مسلمان کا یہ فرض نہ ہوگا کہ وہ تمام اکابر دین کی عصمت ثابت کرے بلکہ وہ جہتِ سلیمان کے طرف یہ لازم ہے کہ جب تک ہم اسلام پر قائم رہیں اسکی خوبیاں سمجھتے رہیں اور جو کوئی سمجھنا چاہے تو سمجھا دین اور اعتراض کرے تو اسکی نشانی کر دیں۔ لیکن اصول اسلام کی مزید توضیح کے لیے اس موقع پر یہ کہنا کچھ بیجا ہوگا کہ اکابر اسلام فرشتہ نہ تھے انسان تھے۔ انسان کتنی ہی خوبیاں رکھتا ہو بھی وہ انسان ہے اور انسان کی تمام خصلتیں رکھتا ہے اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ مختلف

آمیون میں قوتوں کی کمی بیشی مختلف درجہ میں مخلوق ہوتی ہے کسی میں غصہ زیادہ ہے اور کسی کا حلم بڑھا ہوا ہے۔ کوئی زیادہ کھانا ہے اور کوئی کم کھانا ہے۔ ایک شخص ایک کوس بھی پابیاہ نہیں چل سکتا اور ایک ہے کہ منزلان چلا جاتا ہے اور نہیں تھکتا۔ ایک شخص سردی اور گرمی ذرا بھی نہیں برداشت کر سکتا اور اسی کے بجائی جھٹھ بیا کھ میں پہاڑ سے پھر ڈھولتے ہیں اور ماگھ پوس میں پہاڑوں کی چوٹیوں سے لکڑیاں کاٹ لاتے ہیں۔ کوئی ایک سیر بوجھ نہیں اٹھا سکتا اور کوئی ہنون بوجھ بیٹھ پر لاد کر ٹٹو کی طرح پہاڑوں پر چڑھتا چلا جاتا ہے۔ ایک کو آواز خوش ہے زیادہ مرغوب ہے۔ دوسرا آب ٹھنک کا شید ہے کسی کو گھوڑے کا شوق ہے۔ کسی کو کشتی لانے کی لت ہے۔ عورتوں کی باتوں سے کسی کا جی اچھتا ہے اور کوئی چاہتا ہے کہ سوا عورتوں کے کوئی اُسکے پاس نہ آئے۔ غرضکہ مختلف بلعیتیں ہیں اور مختلف مذاق ہیں یہ فیصلہ کرنا کہ کونسا مذاق اچھا ہے نہایت مشکل ہے ہر شخص اپنے ہم مذاق در اپنے ہمنیال کا طرفدار ہوگا۔ اسلام کا یہ کام ہرگز نہیں ہے کہ وہ کسی کا مذاق بدل دے یا جذبات انسانی کو مٹا دے اُسکا کام صرف یہ ہے کہ ان جذبات میں جہان تک ممکن ہو تہذیب اور اعتدال پیدا کرے۔ اگر کوئی بیمار عورتوں کے دور رہے تو کوئی صفت نہیں ہے صفت اُس تندرست کی ہے جسکو عورتوں کی طرف نظر اتنا محسوس کشش ہے لیکن وہ اُس کشش کو خلاف تہذیب یا غیر متدل لیت میں نہیں رکھتا۔ جن اکابر اسلام پر کثرت ازدواج کا الزام لگایا جاتا ہے وہ برستان کے رہنے والے تھے بلکہ عرب کے رہنے والے تھے انکے لیے کثرت ازدواج کوئی الزام نہیں ہو سکتا۔ اگر ان بزرگوں کی نسبت کوئی یہ دکھا دے کہ لڑکیوں سے مرنے تک

مان نہ تو

جس جہان سے

پنے خاوند

وہ خراب بندگی

جی ایسا بھی

ہے کہ شہر

کے کہنے

کہ کافی ہیں

ت میں

م صفت یہ

پر کسی صورت

ن۔ اور

ہام اکابر

ہم اسلام

کرے

بچہ بچانگا

انسان

تلف

کون

انھوں نے کبھی کسی غیر عورت کو نظر بد سے دیکھا۔ کبھی اپنی عورتوں میں انھوں نے
 خلاف عدل کیا یا کسی طرح پرانگونا خوش رکھا تو ضرور انکی بزرگی میں فرق آتا ہے۔
 لیکن کوئی ایسا نہیں کہتا اور نہ ایسا کہہ سکتا ہے۔ راکشت ازدواج یہ کوئی عیب نہیں
 ہے۔ حضرت داؤدؑ و عیسیٰؑ اور حضرت سلیمانؑ وغیرہ انکے قبل حضرت ابراہیمؑ و پیغمبر کے بعد پیدا
 تھیں۔ ہندوستان میں سرسری کرشن جی کی گویاں مشہور ہیں۔ راجہ دستر تھاپیہ برائیدہ
 راجہ کی گئی چلیاں تھیں۔ میرے نزدیک تو جو شخص صحیح دھرم جو اور دولت و ثروت رکھتا
 ہوا اسکے لیے کئی پیسوں کا ہونا ثبوت اسکا ہے کہ وہ چھپ کر ناجائز تعلقات رکھنا پسند
 نہیں کرتا تھا۔ حضرت امام حسن کی نسبت بھی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے بہت سے بیواہ
 کیے۔ مگر حضرت امام حسن کی ذاتیات سے تو چند ان بحث نہیں ہے۔ مگر دین اسلام
 کے مسائل کی خوبیاں بیان کرنا ہے اور اس لیے حضرت امام حسن کی ذات کہ ہم بہت
 اچھا نمونہ اسلام کی خوبیاں دکھانے کے لیے قائم کر سکتے ہیں۔ حضرت امام حسن
 شاہ عرب کے نواسے تھے۔ خلفائے ثلاثہ کے وقت میں وہ بے انتہا دربار خلفاء
 میں پیارے اور محترم سمجھے جاتے تھے۔ حضرت علیؑ کے زمانہ میں شہنشاہ عالم کے
 وسیعہ زمینیں تو خلف اکبر تو تھے۔ اور اخیر میں چھ مہینہ کے لیے تمام مالک شرتی کے
 (کوہ سے سرسند اور ماوراء النہر تک) شہنشاہ تھے۔ اس میں مشبہ نہیں کہ انہیں عورتوں
 سے مواہبت رکھنے کی خواہش بہت زیادہ تھی۔ جہالت عرب کا زمانہ عین انکے قابل
 گزرا تھا۔ اب ناظرین یوں غور کریں کہ اگر اسلام نہ پھیلتا تو معلوم نہیں حضرت امام حسن
 اپنی اس خاص قوت کی وجہ سے جو فطرت نے ان میں دلالت کی تھی اس بارہ میں
 کہاں تک آزاد ہوتے۔ لیکن یہ خاص اسلام کی برکت ہے کہ حضرت امام حسن

ایسے شخصوں نے مسائل اسلام کے لحاظ سے اپنی قوت شہوانی کو اس درجہ معتذب اور مستدل رکھا کہ تمام عمر کوئی فعل انہوں نے ایسا سرزد نہیں ہوا جو بدعت نبوی کا کیا ذکر اعلیٰ وجہ سے بھی گرا ہو۔ طلاق انہوں نے بہت سی عروق کو دی لیکن کسی سے بیروانی نہیں کی۔ طلاق کے وقت بڑی بڑی رقمیں علاوہ مہر کے وہ بعض مطلقات کو انکی دجائی کے لیے دیتے تھے۔ جو ان کے انکی پرورش پر دخت میں بجا اخلاق اور محبت مرت کرتے تھے۔ جو عورتیں ان کے نکاح میں آتی تھیں وہ سمجھ کے آتی تھیں کہ نکاح کو زیادہ پائیداری نہ ہوگی سب لوگ جانتے تھے۔ خود حضرت علیؑ لوگوں سے کہا کرتے کہ بڑے صاحبزادے طلاق دینے میں مہیاک ہیں لوگ سمجھ بوجہ کہ اپنی لڑکیاں دین۔ لیکن وہاں کا طرز تمدن ایسا تھا کہ لوگ اسکو محبوب نہیں سمجھتے تھے اور امام حسن میں دوسری خوبیاں اتنی زیادہ تھیں کہ چند روزہ تعلق ہی لڑکیاں اور لڑکیوں کے اولیا مستقیم سمجھتے تھے۔

آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی کئی ازدواج مطہرات تھیں۔ آنحضرتؐ میں تمام قوتیں مکمل اور مستدل حالت میں مخلوق تھیں انکی کثرت ازدواج کے اسباب بالکل وہی نہیں ہیں جو ادب پر بیان کیے گئے دوسرے مصالح اور دوسری ضرورتیں بھی باعث تھیں یہ ایک مجدا بحث ہے فصل پینتالیس کتاب ہذا میں پورے طور پر اسکا ذکر کیا گیا ہے۔

فصل چہل و دوم

عقد بیوگان

عرب میں عقد بیوگان زمانہ جہالت میں بھی جائز تھا اسلام نے اسے پسند کیا اور قائم

نہوں نے
رق آتا ہے
کوئی عیب نیک
کے تہذیبیان
ترتیب ایسے برگزیدہ
ت و شریعت کھتا
ت رکھنا پسند
سے بیاہ
بہکد و فاسلام
ت کہ ہم تہذیب
امام حسن
امام حسن
عہدہ دار بار خفا
ماہ عالم کے
شرقی کے
نہیں عروق
ن ان کے ہاں
امام حسن
رد میں
ام حسن

رکھا۔ اس زمانہ میں ہند کے مسلمان اسے حیووب سمجھتے ہیں۔ عقد بیوگان کا مسئلہ اتنا صاف ہے کہ اسکی خوبیاں بیان کرنا کاربے سود ہے اور اسلئے اس فصل میں صرف وہ باتیں درج کی جاتی ہیں جو اس بڑے رسم کے اٹھا دینے میں مدد دیں۔

”بیوہ لڑکی کے عقد ثانی نہ کرنے کی باز پرس خدا کے بیان ہوگی۔“ شاید یہ مسئلہ ایسا عام نہیں ہے کہ تمام مسلمان اس سے واقف ہوں۔ اسلئے اس موقع پر کچھ بیان کرنا ضروری ہے۔ قرآن شریف کی سورت نور کے چوتھے رکوع میں حکم ہے ”تم اپنی بیواؤں کو بیاہ دو“ اب اس سے زیادہ اور صاف حکم کیا جاتا ہے۔ نص قطعی موجود ہے۔ اور اسلام نام ہے نص قطعی پر یقین کرنے اور اسکو پر از حکمت اور مناسب حال سمجھنے کا۔ ”تم“ سے بیان بیواؤں کے اولیا مراد ہیں۔ پہلے باپ۔ بھائی۔ چچا۔ مان۔ دادی وغیرہ اولیا تھے۔ اب ہندوستان کے رواج کے مطابق سسر۔ ساس۔ دیور بھی دلی بن جاتے ہیں۔ بہر حال بیوہ جبکہ اختیار میں ہو اسپر واجب ہے کہ وہ بیوہ کے عقد ثانی کی فکر کرے۔

جامع ترمذی باب الصلوۃ میں حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”علی! تین باتوں میں دیر نہ کر۔ نماز پڑھنے میں جب وقت آجائے۔ میت کے دفن کرنے میں جب جنازہ طیار ہو۔ بیوہ کے بیاہنے میں جب کوئی مناسب شخص مل جائے“ دیکھئے نماز پڑھنے مردہ دفن کرنے کے برابر بیوہ کا عقد کرنا محکوم ہوا ہے۔ لیکن لوگ سمجھتے ہی نہیں کہ عقد بیوگان کوئی شرعی کام ہے۔

۱۔ دائرہ الایمانی مکمل۔

۲۔ یا علی! ثلاث لا تؤثر بالصلوۃ اذا انت والنجارۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت لھا کفرا۔

ایم کی جمع ہے ایام اور ایام سے ہوا یا می اسکا ترجمہ لوگوں نے رائڈ اور
بیوہ کیا ہے۔ لیکن لغت میں ہر مرد و زن کو جو بیاہنے کے قابل ہوں ایم کہتے ہیں
عام اس سے کہ وہ بیاہی نہ گئی ہوں یا بیاہنے کے بعد موت یا طلاق نے زوج سے
انفراق کرادیا ہو۔ لیکن بیان ایامی سے مراد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ بیاہ کرنے پر مرد و زن
نان و نفقہ دینا لازم ہوتا ہے اور اسلیئے محفل نکاح جو ان کو ناجائز نکاح کرنا واجب نہیں
کرتا۔ کوئی یہ کہے کہ لغوی معنی کے اعتبار سے بیوہ کی شادی کی تاکید قرآن میں نہیں
ہے بلکہ تمام جوان عورتوں کی طرف اشارہ ہے۔ تو ہم یہ کہیں گے کہ اولیا کو خدا تعالیٰ
طور پر حکم دیتا ہے ”تمہارے قبضہ میں جو جوان عورت بے خاوند کی ہو اسکو بیاہ
دو“ اب یہ کہنا کہ بکر کو تو ہم بیاہیں گے اور بیوہ کو نہ بیاہیں گے گویا خدا کے نصف
حکم کو ماننا اور نصف حکم کی توہین کرنا ہے۔

اب ہم صاف طور پر بھی دکھا دیتے ہیں کہ بیوہ کی خصوصیت کے ساتھ خدا کا حکم
دیتا ہے۔ سورہ بقرہ رکوع ۲۳ میں ہے۔ ”تم میں سے جو لوگ مرد جائیں اور چھوڑ جائیں
اپنی بیبیوں کو تو وہ (بیبیان) اپنے کو چار مہینے دس دن تک روکے رہیں یا خدا
کہتا ہے کہ چار مہینے دس دن تک روکی رہیں اور اولیا احکام قرآنی میں بہترین پیش
کرتے ہیں کہ چار مہینے دس دن نہیں عمر بھر کی رہیں۔ خدا سورہ بقرہ کے بتیسویں رکوع
میں فرماتا ہے کہ ”جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ اپنی عہد پوری کر چکیں تو پھر انکو
اس بات سے نہ روکو کہ جسکو وہ خاوند بنانا چاہیں بنا لیں۔“ کبھی عرب کے جہا

۱۵ والذین یدفون منکم ویزون ازواجہن یحسن باطنہن اربعۃ اشھر وعشرا
۱۶ اذا طلقتم النساء فلین اھلن فلین اھلن ان ینکحن ازواجہن اذ اترامنہنیم بالمعروف۔

سئلہ سنا
فصل میں
دین -
بیر پست
موت
ع میں
کم کیا چکا
وہ پراز
مردہ میں
کے
جکے
سہلی
وقت
جب
برابر ہو
کام

عورتوں کو طلاق دیکر انکو دق کرتے تھے۔ یعنی خود چھوڑ دیتے تھے اور دوسرے مردوں سے نکاح بھی نہیں کرنے دیتے تھے۔ عورتوں کی حق تلفی کے اس ناباک طریقے کو خدا نے ناپسند کر کے عورتوں کی آزادی کا یہ حکم دیا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کتاب النکاح میں حضرت انس سے روایت ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "میں عورتوں سے عقد کرتا ہوں جو میرے طریقہ سے منہ پھیرے وہ مجھ سے نہیں ہے" یعنی جو نکاح کو مبرا جانے وہ انت محمدی ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ راہیہ امر کہ پیغمبر خدا نے کیسی عورتوں سے عقد کیے تھے۔ میں ابھی عرض کرتا ہوں کہ آپ کی ازدواج مطہرات میں سوائے ایک حضرت عائشہ کے اور سب بیوائیں تھیں۔ اور ہم لوگ ہیں کہ عقد بیوگان کو بڑا سمجھتے ہیں۔ پیغمبر خدا کی پیروی چھوڑ کر ہندوؤں کے پروہتے ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ کنواری لڑکیاں راہ درسم سے ناواقف ہوتی ہیں انکے بیٹھے رہنے میں اتنے خطرے نہیں ہوتے جتنے کہ بیوہ کو دوسرا بیاہ نہ کرنے میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ زیادہ تصریح کی ضرورت نہیں ہے اتنا اشارہ سمجھنے کو کافی ہے۔

ایک طرف پیغمبر خدا فرماتے ہیں کہ نماز کا وقت آئے تو پھیر دیر نہ کرو۔ اور اسی طرح بیوہ کا کفو کوئی ٹھہر جائے تو پھر تاقل نہ کرو۔ اور دوسری طرف ہندوستان کے مسلمان ہیں کہ آئین بالہجہ اور رفع یدین پر لڑنے کو طیار ہیں۔ نازکی صفت میں کسی کا باؤن ذرا آگے ہو گیا تو پھر آنکھیں نکال کر اسپر دوڑ پڑیں گے۔ جھوٹی جھوٹی باتوں میں اس طرح اہتمام اور بڑی بڑی باتوں میں اتنی پہلو تہی کہ اگر کوئی کہے کہ تمھارے گھر میں ایک رائیڈ بیٹی ہے اسکا نکاح کر دو پیغمبر خدا کی سنت ہے۔ قرآن میں واجب قرار پایا ہے۔ تو

۱۵ ازواج النساء من رغب عن سنی فلیس منی۔

رہنے کو طیار ہو جائیں گے۔

بھائیو! اسلام اگر سب سے مانی بات ہے تو اسلام کا ہے کہ ہے کھیل ہے جو تین شرع کی پسند آئیں انکو اختیار کیا۔ اور جو ناپسند ہو میں چھوڑ دین۔

عقد بیگان کی نسبت آیہ اور حدیث کا بیان تو ہو چکا ہے الفاظ اوصاف میں اور مفہوم بھی واضح ہے۔ اب یہ جاننا چاہیے کہ فقہانے اسکو واجب۔ فرض۔ سنت کیا سمجھا ہے۔ سنئے فتاویٰ عالمگیری کتاب النکاح میں اسکی بابت لکھا ہے "حالت اعتدال میں نکاح سنت مکرہ ہے اور حالت جوش میں واجب ہے" سنت مکرہ کا درجہ بھی واجب کے قریب ہی ہوتا ہے۔ لیکن یہ معلوم رہے کہ حالت اعتدال بہت کم ہوتی ہے۔ عمر کی زیادتی بالحق امراض نہ ہو تو صحیح مجسم در کم سن عورتیں بیشہ حالت توقان میں بھی جائیں گی۔ ہر ایک اپنے اوپر قیاس کر کے اسکا مطلب سمجھ لے در مختار میں ہے "جوش طبیعت میں نکاح واجب ہے۔ اور اگر بغیر نکاح کے زنا کا یقین ہو تو فرض عین ہے۔"

فرض کا ترک کرنے والا۔ ترک فرض کی ترغیب دینے والا۔ یا اس پر مہر یا ضمانت عجز کرنے والا۔ فاسق اور گنہگار ہے۔ لیکن فرض کو فرض نہ جاننے والا۔ احکام الہی کو خلاف طبیعت یا باعث توہین سمجھنے والا۔ خدا کے حکیم ہونے میں شک رکھتا ہے۔ نبی کے فضل کو مبرا جاننے والا کس نہ سے نبی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا پیغام پہنچانے والا کہہ سکتا ہے یہ بتبر خدا کے وقت میں جو منافق تھے انکے پاس بجائے ایک سر کے دوسرے تھے۔ در

۱۵۰ ان فی حالت الاعتدال سنت مکرہہ فی حالت التوقان واجب -

۱۵۱ دیون واجباً عند التوقان فان یقین الزنا نقرض -

مردوں
ریختے کو
کتاب
میں نے
نہ ہے
مرد کی غیر
زواج
ہیں کہ
ہیں
میں
میں
میں

حجہ
ن میں
راگے
ہم نام
بند ٹی
تو

آنکھوں کی جگہ پر وہ چار آنکھیں نہیں رکھتے تھے وہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے منسلک ہوتے تھے۔ زبان سے وہ بھی توصیف و رسالت کے قائل تھے۔ لیکن آیات قرآنی کی عظمت انکے دلوں میں نہ تھی۔ اور نہ فعل رسولؐ کو وہ اچھا سمجھتے تھے۔ اسی لیے منافق کے جاتے تھے احکام شرع کو ذلیل اور خلاف مصلحت سمجھنے والا خود اپنے دل میں فیصلہ کر لے کہ وہ پیغمبر خدا کے وقت میں ہوتا تو منافق سمجھا جاتا یا مومن۔

قرآن شریف عملیات کا کوئی مجموعہ نہیں ہے اور نہ وہ سحر اور جادو کی کوئی کتاب ہے۔ اس میں تمثیلات حکایات یا مرتبہ احکام کے ذریعہ سے بتایا گیا ہے کہ انسان کو دنیا میں کیونکر بسر کرنا چاہیے۔ قرآن کا ماننا یہ نہیں ہے کہ دہل بائخ رد مالوں میں وہ لپیٹ کر رکھا جائے یا بیماری میں اُسکے اوراق تنوید کی جگہ پر مستعمل ہوں۔ قرآن کی سچی تعلیم یہ ہے کہ اُسکے احکام پر عمل کیا جائے۔ اُسکے بعد یہ آداب کی باتیں ہیں کہ وہ اعتیاد سے رکھا جائے۔ بے وضو اُسے کوئی نہ چھوے۔ پشت اُسکی مٹ نہ ہو۔ اونچی جگہ پر وہ عظمت کے ساتھ رکھا جائے۔ افسوس کہ یہ باتیں رہ گئیں اور اصل امر یعنی قرآن کا سمجھنا اور اُسکو دستور العمل بنانا جا تا رہا۔

بہاؤ باغیت نازک وقت اسلام پر ہے۔ اسلام کی باتیں خود مسلمانوں کو پسند نہیں ہیں۔ مسلمانی نام کو رکھتی ہے۔ جن باتوں پر مسلمانان سابق کو ناز تھا۔ وہی باتیں اس زمانہ میں باعث ہنسک بھی جاتی ہیں۔ ایک عقد ہو گا ہی نہیں ہے دنیا میں رسم و رواج نے بہت کچھ احکام قرآنی میں ترمیم کر رکھی ہے۔ لیکن جو کچھ اس پر وہ مرتب ہے کہ قرآن اپنی حالت پر ہے۔ لوگ اُسکے مفہوم کی نہیں توانفاذ کی عظمت ضرور کرتے ہیں۔ پہلے مجھے قرآن کو طوطے کی طرح پڑھنے پر ہمیشہ اعتراف رہا۔ اب کچھ

دنوں سے میری رائے بدل گئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح قرآن پڑھنے کی حالت پر تو رہے گا۔ لوگوں کے دنوں میں اسکی عظمت تو باقی رہے گی۔ رہا مقدمہ سمجھنا اور اس پر عمل کرنا وہ کب تک نظر انداز رہے گا۔ قوم کی حالت ضرور بدھے گی اور آیات قرآنی پر عمل کرنے سے جسکے بغیر اسلام میں روز بروز ترقی ہے پھر ترقی ہوگی۔ بین اسلام کی قوت یا ضعف یا ترقی یا تنزل کی نسبت ایک بالکل جدا رائے رکھتا ہوں۔ علوم جدیدہ۔ نئی روشنی اور صنعت و حرفت سے مسلمانوں کی ترقی یقیناً ہو سکتی۔ مسلمانوں کی ترقی کا ایک ہی ذریعہ ہے۔ یعنی احکام قرآنی پر عمل کرنا۔ جب سے یہ عمل چھوڑنا شروع ہوا۔ اقبال جاتا رہا۔ ادب اور علم گھیر لیا۔ اور جب ترقی ہوگی تو اسی حالت میں ہوگی جب قرآن مسلمانوں کا دستور العمل ہوگا۔ اسوقت جتنی ترقی یا تہمت قومیں دنیا میں ہیں گو وہ مسلمان نہیں ہیں۔ لیکن اکثر معاملات دنیا میں مسلمانان ہند کے زیادہ تر انکا عمل قرآن کے موافق ہے اور یہی وجہ انکے عروج کی ہے۔

اس موقع پر رسول اللہ اور صحابہ کرام کے زمانہ میں جو عقد بیگان ہوئے انکا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ پیغمبر خدا نے ملکی حالت۔ قومی حالت اور ترویج دین محمدی وغیرہ وغیرہ بہت سے دینی اور دنیاوی مصالح کے اعتبار سے جسکے بیان تمام سیر کی کتابیں بھری ہوئی ہیں بہت سے نکاح کیے تھے۔ جنہیں بجز ایک حضرت عائشہ کے اور تمام عورتیں بیوائیں یا مطلقہ تھیں۔ ازواج مطہرات کے تفصیلی حالات کے لیے فصل تینا لیتے ہیں کتاب ہذا پڑھنا چاہیے۔

آنحضرت کی لڑکیوں میں سے حضرت رقیہ پہلے عتبہ ابن ابی لہب کو بیامی گئیں۔ پھر حضرت عثمان ابن عفان کو۔ اور حضرت ام کلثوم پہلے عتبہ ابن ابی لہب کو اُسکے

بیگانہ فصل چنانچہ
در عہدِ محمد کے
آیات قرآنی
اسی لیے
خود اپنے
یا مومن۔
کی کوئی کتاب
ہے کہ انسان
روا لوں
عمل ہوں
اب کی تین
اسکی
نادر اصل
ما لوں کو
نہ تھا
نہیں ہے
جو کچھ اسید
نہ ملے
اسکے

بعد حضرت رقیہ کے مرجا نے پر حضرت عثمان غنی کو۔

پیغمبر خدا کی نواسی حضرت اُمّہ بنت حنفہ زینب حضرت فاطمہ کے مرنے پر خود انکی وصیت کے مطابق پہلے حضرت علیؓ کو بیاہی گئیں اور جب حضرت علیؓ شہید ہوئے تو حضرت علیؓ کی ہدایت کے موافق حضرت منیرہ ابن نوفل سے بیاہی گئیں۔

حضرت فاطمہ کی بیٹی حضرت ام کلثوم کے چار عقد ہوئے تھے۔ پہلا امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دوسرا عون ابن جعفر طیار برابر اور حضرت علیؓ سے۔ تیسرا عون مرنے پر انکے بھائی محمد سے۔ پھر چوتھا بیاہ انکے مرنے پر انکے تیسرے بھائی عبداللہ ابن جعفر سے۔

سبب یہ بھی قابل تذکرہ ہے کہ حضرت عون آلہ حقیقی بھائی حضرت جعفر طیار کے بیٹے اسما کے بطن سے تھے۔ اسما نے جعفر طیار کی شہادت کے بعد آلہ بیٹوں کی موجودگی میں اپنا دوسرا عقد حضرت ابوبکر سے کیا جس سے محمد ابن ابی بکر پیدا ہوئے۔ اسکے بعد حضرت ابوبکر کے مرنے پر تیسرا عقد حضرت علیؓ سے کیا جسے یحییٰ پیدا ہوئے۔ دیکھیے عون کا طریقہ کیسا سچا اور صاف تھا۔ یہیں سے یہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے کہ وہ لوگ زنا کو کتنا محبوب جانتے تھے۔ اور اپنی آزادی کی کتنی قدر کرتے تھے۔

حضرت امام حسین کی صاحبزادی سکینہ کے چار نکاح ہوئے۔ پہلا مصعب بن نمیر سے۔ دوسرا عبداللہ ابن عثمان بن حکیم سے۔ تیسرا صبیح بن عبدالعزیز بن مردان سے جو تھا زید بن عمر بن عثمان غنی سے۔

آنحضرت کی چھوٹی زاد بہنوں اور بھوپھیوں کے بھی متعدد نکاح ہوئے تھے۔ آپ کی پردادی یعنی عبدالملک کی ماں سلیمہ کے بھی دو نکاح ہوئے تھے۔ پہلا حمیرہ

بن جراح سے اور دوسرا ہاشم سے جنگی اولاد ہاشمی کہلاتی ہے۔ اگر یہ عقد بیوگان مرد
نہ ہوتا تو فخر روزگار ہاشمیوں کا وجود دنیا میں نہ ہوتا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو بات رسول اور صحابہ رسول کے زمانہ میں باعث فخر
تھی اور ہندوستان کے باہر تمام بلاد اسلام میں جائز ہے وہ ہندوستان میں کیوں
مکروہ باعث ذلت اور عکلا گوید اخل صحیبت سمجھی جاتی ہے؟ سوائے جہالت کے اور
کوئی وجہ نہیں ہے۔ مشہور ہے کہ ہندوؤں کی صحبت سے مسلمانوں میں بھی عقد
بیوگان کی ناجوازی رائج ہوئی۔ ایک حد تک یہ کہنا صحیح ہے۔ لیکن اسکے ساتھ بھی
دافض رہے کہ عقد بیوگان کی ناجوازی ہی مسلمانوں نے ہندوؤں سے نہیں لی بلکہ
اپنی بہت سی عمدہ باتیں وہ کھو بیٹھے اور ہندوؤں کی بہت سی بُری باتیں اختیار کر لیں۔
نبت سی رسمیں مسلمانوں میں ایسی رائج ہو گئی ہیں جو شرک فی اللہ اور شرک فی النبیۃ
کی حد تک پہنچتی ہیں بہت مستعدی۔ حیث۔ مردانگی۔ راستبازی۔ ایفاسے وعدہ
ہم کن کن باتوں کے لیے رد ہیں۔ زمین ہند میں ہمارے تمام اوصاف باب دادا کے
ساتھ دفن ہو گئے۔ نکبت اور ذلت کے دن دیکھنے کے لیے ہم لوگ رو گئے ہیں۔
اقبال نے تھو پھیر لیا۔ ادبار نے آگھیرا۔ دنیا دانیہا سے غافل کسی طرح زندگی کے دن
پورے کرتے ہیں۔ نر ایمان کی کمی اپنے عیوب ظاہر ہونے نہیں دیتی۔

مردوں نے صرف عقد ثانی سے رد کر عورتوں کے حقوق تلف نہیں کیے بلکہ
دنیا کے تمام امور میں وہ عورتوں کو عام اس سے کہ وہ مائیں ہوں بہنیں ہوں بیبیان
ہوں یا لڑکیاں ہوں بہا ہم اور لونڈیوں کی طرح سمجھتے ہیں۔ اُنکے حقوق اور انکی آزادیوں
کے غصب یا تلف کرنے میں کچھ بھی پس پیش نہیں کرتے۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ اسلام کو

رہنے پر فدا کی
سید ہوئے
تین۔

سیر المؤمنین
تیسرے عورتوں کے
مالی عبد اللہ

نار کے بیٹے
ن کی ہو گئی
نے اسکے
دیکھے
وہ لوگ

ب بن نبیر
مردان سے

نے تھے۔

پہلا نمبر

دنیاوی معاملات میں بہت بڑا ناز اس امر پر ہے کہ اس نے عورتوں کے حقوق کی حفاظت بہت کچھ کی ہے۔ کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی جب تک عورتوں کے حقوق کی پوری نگہداشت نہ ہو اور انکی غلامی رفع نہ کی جائے۔ مری ہوئی طبیعتیں رکھ کر اور فیصلہ حالت میں رہ کر عورتیں جواد و جنین کی وہ غلامی کا سبق اپنی ان سے لیکر نشوونما پا سکتی ایسی اولاد کیا خاک ترقی کرے گی۔ عورتوں کی جائز اور شرعی آزادیوں میں غفلت نہ کرنا گویا آئندہ نسل کی مٹی زراب کرنا ہے۔

ہندوؤں میں بدھوا بیواہ کی حالت زمانہ حال کی رسم ہے جب ہندوؤں کی ترقی کا زمانہ تھا تو اس قسم کا خیال بھی نہیں تھا۔ کلکتہ اور بنارس کے چند فون نے ادھر توجہ کی ہے۔ دہلی۔ لاہور اور بمبئی وغیرہ شہروں میں ادھر خیالات رجوع ہوئے ہیں۔ یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ ہندو کی مقدس کتابوں میں کہیں بھی عقد بیوگان کی نفی نہیں ہے۔ بلکہ بعض شیون کے قول سے اسکی ہدایت پائی جاتی ہے۔ صاف طور پر محکوم ہے کہ شوہر کے طلاق دینے سے مفقود الخیر ہو جانے یا مرد کی ناقابلیت کی وجہ سے عورت بے خاوند کی ہو جاوے تو اسکو دوسرا بیواہ کہنے دونوں کے بعد کرنا چاہیے۔ جب ہندوؤں کی جہالت اور خود غرضی کا زمانہ آیا علم اور آزادی کا شوق جاتا رہا تو عقد بیوگان بھی مسدود ہو گیا۔ لوگ کہنے لگے کہ پہلے زمانہ میں جائز تھا اور اب جائز نہیں ہے۔ گویا پہلے فطرت انسانی کچھ اور تھی اور اب کچھ اور ہو گئی ہے۔ اسی طرح جب مسلمانوں کے بڑے دن آئے تو بہت سی بڑی عادتوں اور دستوروں کے ساتھ عقد بیوگان بھی پیچیدہ ٹھہرا۔ مشہور تو لیون ہے کہ جب ہند کی عورتوں سے خلا ملا نہوا۔ اور وہ مسلمان ہو کر مسلمانوں کے گھر آئیں تو عقد بیوگان

کی مخالفت کی۔ نفی قطعی پہنچا تھا لاکین۔ ممکن ہے کہ اور بد رہنمیں اسی طرح بھلی ہوئی
 مگر عقد بیوگان کو ناروا سمجھنے میں تو میں زیادہ تر مردوں ہی کو لازم دوں گا میں دیکھتا
 ہوں کہ لڑکیوں کے پیدا ہونے سے لوگ بیوجہ ملول ہو جاتے ہیں۔ انکا بڑھنا
 سہاگن رہنا۔ صاحب اولاد ہونا اُس خیال کے بالکل منافی ہے جو شروع ہی میں
 لڑکیوں کو وبال جان سمجھتا تھا۔ ملکی رسم کے خیال سے لڑکیاں پہلی دفعہ بیاہ دی
 گئیں یہی بڑی بات ہوئی۔ بار بار انکے بیاہنے کا بار اٹھانا بھلا کب گوارا ہو سکتا ہے
 ہندوستان میں عورتوں کی حق تلفی کو عاریتین سمجھتے۔ بھائی بہن کے حصے غضب
 کرنے کو پتیا رہیں۔ بعض باپ ایسے نیک بخت ہیں جو چاہتے ہیں کہ انکے مرنے پر
 آنکی جائیداد قرآن کے حکم کے خلاف لڑکیوں کی حق تلفی کے ساتھ تقسیم کی جائے
 شرم! شرم! شرم!!!۔ جہاں نیتیں ایسی ڈانوان ڈول ہیں وہاں عورتوں کا حساب
 خاندان دوزی اولاد ہونا گویا انکے دعویٰ کا اور مضبوط ہونا بھلا کب پسند کیا جائے گا
 میں تو سمجھتا ہوں کہ بڑے بڑے ستول خاندانوں میں عورتوں کے بیوہ ہونے پر لولیا
 خوش ہوتے ہوئے گئے کہ اچھا ہوا لڑکی بیوہ ہو گئی۔ خاندان کی جائیداد باہر نہیں گئی۔
 اعوز بائیسہ من شر در انفسنا۔ بھائیو! خدا سے ڈرو۔ اور احکام خدا کی محبت دل میں پیدا کرو۔
 سنہ سے مسلمان اور دل میں احکام شرعی سے نفرت اس منافقانہ طریقہ کو چھوڑ دو۔
 اور ملکوں میں مردوں کو زیادہ تر تلاش نکاح کی ہوتی ہے۔ اور یہاں عورتوں کے
 اولیا سے جو کوئی نکاح کی بات چیت کرتا ہے تو گویا اپنے بہت بڑا احسان کرتا ہے کیونکہ
 لڑکیوں کے بیاہنے میں تو یہ رقت ہے۔ بیوہ عورتوں کا بیاہ کوئی کرنا بھی چاہے تو
 مناسب حال شوہر کا ملنا مشکل ہے۔ تمام داغظین لڑکیوں کے اولیا پر لازم رکھتے ہیں

نیت

کی حق

دق کی

برادر فی

کا با با گ

نخل

دن کی

نے

نے ہر

نخت

نہر

رد کی

کتنے

آزادی

مین

فیہ اور

دین

ہند

یوگان

گودہ کسی طرح الزام سے بچ نہیں سکتے۔ لیکن میں اپنے بھی الزام رکھتا ہوں جبکہ خواہش عقد ہوتی ہے اور اپنی طلب کا دائرہ کنواری لڑکیوں پر محدود رکھتے ہیں۔ عمر کتنی ہی زیادہ ہو۔ چوتھے پانچویں عقد کی نوبت آئی ہو جب بھی تلاش کنواری لڑکیوں کی ہوگی۔ حالانکہ یہ بالکل غلط خیال ہے۔ ایران میں لوگ بیوہ عورتوں کو ترجیح دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ راہِ درسم دنیا اور طریقہ خانہ داری سے واقف ہونگی۔ سردست تو تمام خیالات کا بدلنا آسان نہیں ہے۔ لیکن جب کوئی زندہ واقعہ ثانی کی فکر میں ہو تو کتبہ۔ محلہ۔ شہر کے با اثر لوگ ہم پر رائے عورتیں اسکے لیے تجویز کریں تو آسانی سے سنت محمدی زندہ ہو سکتی ہے۔

حضرت عمر کا قول اشجار العلوم میں نقل کیا گیا ہے کہ وہ دودھی باتیں نکاح سے منع کرتی ہیں۔ مجبوری یا بد چلنی۔ "بے کوئی آدمی دولت اور صحت جسمانی رکھ کر نکاح سے گریز کرے تو اسکو بد چلن سمجھنا چاہیے۔ جوان عورتیں صحت جسمانی کی حالت میں نکاح نہ کریں گی تو غرور بد چلن ہو جائیگی۔ شریف خاندان البیان جو گھر کی چار دیواری میں قید رہتی ہیں۔ غیر مردکی صورت نہیں دیکھ سکتیں وہ اپنی خاص حالت کی وجہ سے عفت آبرہہ سکتی ہیں۔ لیکن قانون فطرت میں جوڑو ہے اور انسانی طبیعت میں بمقابلہ ہوا دھوس جو مخلوقی دولت کی گئی ہے وہ بھی کسی طرح نظر انداز نہیں ہو سکتی۔

مشوایم از زن کردن پارس است کہ خربہ بہ گرچہ دزد آشناست
اور جو عورتیں بے طرح جبرگوارا کر کے معصوم صفت زندگی بسر کرتی ہیں وہ طرح

لے دین من الکاح الامحز او فجو۔

طرح کے امراض میں مبتلا ہو کر اپنی زلیست کے دن بہت جلد ختم کرتی ہیں۔ جب کنواری لڑکی کا بیاہنا شرم نہ تھا تو رانڈ کے بیاہنے میں کیا عیب ہے۔ لڑکے رنڈ دے ہو جائیں تو بیاہنے میں ہرج منین ہے اور لڑکیاں رانڈ ہو جائیں تو انکا عقد ثانی میوب سمجھا جاتا ہے۔ کچھ عجیب منطق ہے کہ سمجھ میں نہیں آتی۔ کسی شرم کی بات ہے کہ چالیس برس کی ماں اپنے شوہر کے پاس رہے اور اسکی لڑکی پندرہ برس کی ہو گھر میں موجود ہو۔ ایسے بے حیثیت بھی بہت سے پائے جاتے ہیں کہ پندرہ بیس برس کی ہو لڑکیاں انکے گھر میں موجود ہیں اور خود بچاں ساتھ برس کے ہو کر اپنا عقد ثانی کرتے ہیں۔

صحیح بخاری کتاب الادب میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک مسافر راستہ چلا جاتا تھا اسے چار س معلوم ہوئی۔ قریب ایک کنواں نظر آیا۔ اس کنوئیں میں وہ اتر گیا اور پانی پیکرنا نکلا۔ دیکھا کہ ایک کتا زبان نکالے۔ نم مٹی چاٹ رہا ہے۔ وہ پھر کنوئیں میں اتر گیا اور اپنے جوتے تین بافی بھر کر اس جوتے کو گھنٹہ سے تمام کراد پر نکلا اور گھنٹے کو پانی پلا دیا۔ اب ان بے حیثیتوں کو دیکھیے تو گھر کی جوان رانڈوں کے ساتھ اتنا سلوک بھی نہیں کرتے جتنا کہ اس مسافر نے کتے کے ساتھ کیا تھا۔ بیچاری بے زبان رانڈ دن بظلم کرتے ہوئے انکو شرم نہیں آتی۔

مردی نہ لغوت مست و شیر نے آنت کہ ظلمے کہ تو اسنے نہ کنی
کیا لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ عورت اور مرد کی یکجائی انتظام عالم کے لیے ضروریات سے ہے۔ انسان اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ خدا نے انسانی فطرت میں ایسی

تھا ہوں جنگو
رکتے ہیں
کنواری لڑکیوں
دن کو ترجیح
فہم ہونگی
نہر و عقد ثانی
تجویز کریں

تین نکاح
ت جسمانی
ت جسمانی
نہر ان ایان
میں دہا پنی
ت میں جوزہ
ہے وہ بھی کسی

ت
ہیں دو طرح

قوت رکھی ہے کہ قانون فطرت کی غرض کبھی فوت ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کی بجائی
میں اولاد کا ہونا لازم ہے۔ اولاد کی پرورش اور حسن معاشرت کے لیے باپ کا
جائز طور پر مقرر ہو جانا بھی نجات کی نمانت ہے۔

نوع انسانی کا گھٹانا قانون فطرت کا بڑا جرم ہے۔ ہر مذہب نے اسے تسلیم
کیا ہے۔ تمام گورنمنٹیں اس کی حمایت کرتی ہیں۔ ۱۸۵۷ء میں جو مردم شماری ہوئی
اُس سے معلوم ہوا کہ پانچ کروڑ ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان ہندوستان میں تھے
جنہیں تقریباً دو تہائی کروڑ مرد تھے۔ اور اسی قدر عورتیں تھیں۔ ان عورتوں میں کچھ
ادھر چالیس لاکھ میوانہیں تھیں۔ یعنی کل عورتوں میں ایک سدس کے قریب میوانہ
تھیں۔ اگر دولت جواں فرض کی جائیں تو اُنٹ محمدی کی ترقی میں نوین حصہ کی
کمی عہدہ ہو گا۔ ان کو ناروا سمجھنے سے ہوتی ہے۔

مزانو یہ ہے کہ جب لڑکی بیوہ ہو جاتی ہے تو لوگ اُسے کمبخت سمجھتے ہیں اور
نہایت محبت سے کہتے ہیں کہ ہاے یہ بے نصیب! جہنم کے لیے بیٹھی رہ گئی۔ اور جو
کسین اتفاق سے وہ لڑکی بھی مر گئی تو بہت خوش ہوتے ہیں اور کہتے کہ وہ بی بی
خوش نصیب تھی کہ دنیا سے اٹھ گئی۔ پھر پھرین اس سمجھ پر۔ جہاں ہندوؤں میں مرد
کی چتا پر عورتیں زندہ جل جاتی تھیں تو لوگ خوش ہوتے تھے وہاں عورتیں اپنی
موت سے مر جائیں تو بھلا کب افسوس ہو سکتا ہے۔ عورتیں ایسی ہی فالتو ہیں
تو پیدا ہوتے ہی مار ڈالی جائیں تو اور اچھا۔ شرم! شرم! شرم! ایا۔

جب قوم کی یہ کیفیت ہے کہ وہ رائڈ کامرنا مبارک خال سمجھتے ہیں تو یہ تذکرہ
کرنا فضول ہے کہ باعصمت رائڈوں کو لکھا جیاریاں پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن ترتیب گفتگو

عہدہ ہو گا۔

غالب

مرگی

کبھی

ہیں

کی تشو

اور

بھرت

ہو جاتی

ہا کر دنی

کی تکمیل کے لیے انکا بیان بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

بیاد نہ کرنا گو با قانون فطرت کے خلاف کرنا ہے۔ ہوائیں قانون قدرت پر تو غالب آئیں سکتیں۔ خود مملوب ہو کر۔ اختناق رحم۔ تپ دق۔ المیولیا۔ جنون۔ عشق۔ مرگی۔ غشی۔ وسواس وغیرہ وغیرہ بہت سے امراض میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ اولیا جب کبھی علاج کے لیے مستعد ہوئے تو حکیم صاحب قصہ۔ جلاب۔ ٹھنڈائی تجویز کرتے ہیں۔ اور اصل علاج بتاتے ہوئے شرانے ہیں۔ اور ہوائیں ان نادان طبیبوں کی تشویش بربازان حالی سے کہتی ہیں۔

آن افسوسم اے طبیب نادان
آگاہ نئی تپ دردن مرا
چشمے بدل مشوش انداز
این شیشہ دل کہ پز خون است
اور اپنے اولیا سے کہتی ہیں۔

آسودہ دلا حال دل زار چانی
شب تاب سو خفته سجدہ نگہ نازی
اے فاختہ بد از کن بر سر
درد دل مرغان گرفتار چانی

اختناق رحم کی وجہ سے کبھی کبھی وہ حائضین پیدا ہو جاتی ہیں کہ لوگوں کو آسیب بھوت چڑیل کا شبہ ہوتا ہے۔ اور پھر اسی دعوے کے میں ہزار دن شرک اور کفر کی باتیں ہو جاتی ہیں۔ المیولیا میں بھی کبھی کبھی آسیب کا لگان ہوتا ہے اور ہر طرح کے افعال ناکردنی اسکی بدولت کیے جاتے ہیں۔ غرض کہ با عصمت ہوائیں مختلف امراض میں مبتلا

اس کی بجائی
لیے باپ کا

سے تسلیم
ری ہوئی
میں تھے
دن میں کچھ
قرب ہوئیں
ین حصہ کی

تھے ہیں اور
ہی اور جو
ہ بی بی
ن میں مرد
تین اپنی
قالتوین

یہ تذکرہ
رتیب گفتگو

مترجم

پذیرہین

ہین۔ بیوہ

اُس بیوہ

طلاق

شرع۔

اسلام

عارفین

کے چند

آئمہ اطہار

کہ رسوم

دینا انہیں

طعنہ دے

شیوخ

”وہ“

چند کفار

قابل

قتل

ان پیش

جو کہ مر جاتی ہیں اور انکی تربت پر علی قلم سے یہ شعر کندہ ہوتا ہے۔
 بلوح تربت من یافتند از غیب تحریر کے کہ این مقبول را غیر از گناہ نیست تصفیہ
 لیکن سب کے پاس آنکھیں نہیں ہوتیں کہ یہ غیبی تحریر نظر آوے۔
 امام ہند مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ رسالہ عقد بیوگان میں لکھتے ہیں کہ اگر
 جہد رسوم خاصہ مخالف شرع کہ در کفر ہندوستان شہنشاہ اردو بعضے از سفہائے مسلمین کہ با
 ایشان اختلاط سید از آمد موختہ التزام نموده اند مالفت زمان بیوہ است از نکاح ثانی۔ و همچنین
 مسیبت افستن طلاق و اہانت بیوہ زن کہ نکاح ثانی کردہ باشند و همچنین اہانت زمان مطلقہ از
 امور دین مالفت چنانکہ مخالف شرع است همچنان مخالف رسوم جمیع مسلمین است۔ چہ مجموع اہل
 اسلام ملک عرب دروم و توران و سیستان است و دران دیار ہرگز ازین امر عارضیت نہ دین
 خبر و زمان نہ پیشتر از ان و طرفہ تر این است کہ چند سے از سفہائے مسلمین ہندوستان خود را
 بشرفا و ملقب ساختہ اند نسبت نسبت خود را بھجا بہ کہ بارو آئمہ اطہار کہ دوسرا عرب بودہ اند افتخار
 خودی انکار نہ و بظاہر است کہ رسوم مذکورہ یعنی نکاح ثانی زنان بیوہ و طلاق منکوحات عند الحجت
 در ایشان جاری بود پس گویا این محققان خود را کہ شرافت از ایشان یافتہ اند لعین میکنند
 رسم ایشان را عاری انکار نہ پس لایق بحال ایشان آنست کہ خود را از مرہ سادات و شیوخ بر شمارند
 نہ سے سفاہت این جمعا کہ خود را بشرفا ملقب ساختہ اند بنا بر باساری چند سے کفرہ اور ہندوستان
 آباد و جدا و خود را کہ افضل خلائق بودہ اند ملعون و طامی سازند زیرا کہ نکاح ثانی زنان بیوہ متوفی ہنما
 یا مطلقہ را عار و ننگ می شمارند پس فی الحقیقت آن پیشوایان دین کہ بیخ و بنیاد شرافت و نجابت بسبب
 ایشان مستحکم گردیدہ ہوسے بے حیثیتی و بے ناموسی نسبت میکنند۔ اعاذنا اللہ من شر ذلک
 المنافقین الفالین۔

ترجمہ: بہت سی ایسی رسوم فاسدہ مخالف شرع ہندوستان کے کافروں میں شہرت پذیر ہیں جنکو بیوقوف مسلمانوں نے بھی سیل جول رکھ کر سیکھ لیے ہیں اور خود پر لازم کر لیں۔ بیوہ عورتوں کو نکاح سے روکنا بھی اسی قبیل سے ہے۔ طلاق کو مبرا جانا۔ اُس بیوہ عورت کی اہانت کرنا جس نے دوسرا نکاح کر لیا ہو۔ اور ایسا ہی جن عورتوں کو طلاق ملی ہو انکی توہین کرنا۔ یہ سب امور اور یہ نکاح سے روکنا جس طرح مخالف شرع ہے اسی طرح تمام مسلمانوں کے رسوم کے بھی مخالف ہے۔ کیونکہ مجمع اہل اسلام ملک عرب دروم۔ توران۔ سیستان ہے اور ان ملکوں میں اس امر سے ہرگز عار نہیں ہے نہ اس زمانہ میں اور نہ اس سے پہلے۔ زیادہ طرفہ یہ ہے کہ ہندوستان کے چند بیوقوف مسلمان جو اپنے آپ کو شرفا کا لقب دیتے ہیں اپنے نسب کو صحابہ کبار اکابر اہل علم سے (جو روساے عرب تھے) منسوب کرنے میں اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ رسوم مذکورہ یعنی بیوہ عورتوں کا نکاح کرنا اور ضرورت کے وقت نکاحی عورتوں کو طلاق دینا انہیں جاری تھا۔ پس گویا کہ یہ احمق اپنے بزرگوں کو جسے شرافت پائی ہے طعنہ دیتے ہیں اور انکے رسم کو عار سمجھتے ہیں۔ انکو مناسب ہے کہ اپنے کوسادات اور شیوخ کے گروہ میں نہ شمار کریں۔

”وہ احمق گروہ جس نے اپنے آپ کو شرفا کا لقب دیا کیسا بیوقوف ہے کہ ہندوستان کے چند کفار کی خاطر داری سے اپنے آباد اجداد کو جو بزرگ ترین خلافت تھے ملعون اور قابل ملامت بنا رکھا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی کو (خاوند کے قضا کرنے یا طلاق پانے پر) تنگ دعار سمجھتے ہیں اور اس طرح فی الحقیقت دین کے اُن پیشواؤں کو جسکے باعث شرافت اور نجابت کی جڑ مستحکم ہوئی ہے بے حریت اور

تفسیر

نے ہیں کہ از

سلیں کہا

وہیں

ان مطلقہ از

چہ مجمع اہل

یت زدرین

ناتان خود را

وہ انداختار

سند الحجت

عن سیکند

عوض نہ شمار

کفر اور ہندوستان

یہ توفی نہا

سبب

وراد لک

اور بے ناموس بتاتے ہیں۔ ان گمراہ منافقوں کے شر سے خدا ہم سب کو بچا دے۔

عوام میں چند جیلے عقیدہ یوگان کے خلاف مشہور ہیں۔ قرآن اور حدیث اور سنت نبوی سے خلاف کرنے یا کہنے کی جرات تو مسلمانوں کو ہونہیں سکتی۔ یہاں تو ان سے کام لیتے ہیں۔ جو شیطانی دوسو سو سے زیادہ دعت نہیں رکھتے مثلاً دُک کہتے ہیں عقیدہ یوگان شرافت کے خلاف ہے۔ اس کا جواب سوا اسکے کیا دیا جائے گا کہ خود کو میخیر سے زیادہ شریف سمجھنا احکام قرآنی کو خلاف خرافت جاننا ضلالت نہیں ہے تو کیا ہے؟

بعض کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا نے ایسا نہیں کیا ہے تو ہم کیوں کریں۔ کفار عرب بھی دعوت اسلام پیش ہونے پر ایسا ہی کہتے تھے سورہ بقرہ کو ع اکیس۔ اور جب اُنکو کہا جاتا ہے چلو اس حکم پر جسکو اللہ نے اُتارا ہے۔ تو کہتے ہیں۔ یقین ہم تو اس پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ گوانکے باپ دادا ان دُکراہے ہوں۔

لیکن اس سے قطع نظر کہ میں کہتا ہوں کہ باپ دادا سے ہندوستان ہی کے مسلمان کیوں مراد لیے جائیں مسلمانان سابق کیوں نہ دیکھے جائیں جیسے مسلمانان کو فخر ہے۔ باپ دادا کو ناحق بدنام کرنے والے مرتد جھوٹ بولتے ہیں۔ باپ دادا طرز زندگی ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔

کوئی کہتا ہے کہ نکاح ثانی رائج ہونے سے عورتوں کو اپنے خاوندوں کی محبت

لے واذا قیل لهم اتوا ما انزل الله قالوا بل نتبع ما الفین علیہا بائنا وادواکان ابائهم وانا لبقولن شکیا ولا یریدون۔

فرہ ہے گی۔ راہ کیا محفول محبت ہے۔ سچی محبت تو اُسی وقت پہل جب سچائی اور آزادی کے ساتھ خیالات کا اظہار ہوگا۔ دوسرے یہ کہ زن و شو کی محبت فطرتی ہے مرد تو دوسرے نکاح سے ممنوع نہیں ہیں پھر وہ عورتوں سے کم محبت کیوں نہیں رکھتے۔ ۶۔

جُبلّا کہتے ہیں کہ دوسرا بیواہ کرنے سے اولاد کی محبت کم ہو جائے گی۔ اول تو یہ تمام بیواؤں سے متعلق نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اولاد سے جو فطری محبت عورتوں کو ہے وہ کبھی کم نہیں ہو سکتی۔ ماں کی محبت بچوں کے کس کام کی۔ باپ کی محبت عسکی بددلت بیٹے بہتے ہیں نکاح ثانی سے کم ہو جاتی ہے نومردوں کا نکاح بھی ناروا ٹھہرا دینا چاہیے۔ اپنے ذاتی منافع میں تو لوگ کسی کی پیر دی یا تقلید ضروری نہیں سمجھتے۔ بیچاری مظلوم بیواؤں کے فائدے کی صورت میں ناحق کا بھانہ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مردوں کا نکاح کیا جائے تو اولاد دکھان بیاہی جائے گی۔ واہ کیا معقول محبت ہے۔ اچھا لوگ بازاری عورتوں سے نکاح کرتے دقت یہ پیدا پیش کیوں نہیں کرتے؟ نکاح کے دقت یہ کیوں نہیں سوچتے کہ بچہ پیدا ہو گا تو کھانا کپا۔ بھائیو۔ یہ سب خدا کے اختیار میں ہے۔ یہ سوچنا کہ کل کیا ہو گا انسان کے ضعف ایمان کی دلیل ہے۔ بعض کفار عرب لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے۔ انکی شان میں خدا کہتا ہے۔ ”اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے نہ مارو۔ ہم تمکو بھی رزق دیتے ہیں اور انکو بھی“ جن لوگوں سے عقد میوگان جائز رکھا ہے اُنکے کتبہ میں کہیں شادی بیاہ کا ر ۱۶ ہے۔ ہرگز نہیں۔

لا تقتلوا اولادکم من اولاد یحییٰ ذر قلم وایا هم۔

جہلا کہتے ہیں کہ بڑے لوگ عقد بیوگان ردا رکھیں۔ علمائے وقت نمونہ دکھائیں
تو ہم بھی ایسا کریں۔ یہ حجت گوشت ہے لیکن قوم کے بااثر لوگوں پر ضرور الزام
عاید کرنے والی ہے کہ وہ اپنے فعل سے سنت نبوی زندہ کرنے میں اور قومی حقوق
ادا کرنے میں جھوٹی کرتے ہیں۔

ہندو بیواؤں کی فریاد

ضلع گورکھ پور میں ایک متمول خاندان کی ایک بیوہ برہمنی اس جرم میں عدالت
سشن کو سپرد کی گئی کہ اس نے اپنی لڑکی پیدا ہوتے ہی مار ڈالی تھی۔ تاثرین خود
بخود سمجھ جائیں گے کہ لڑکی حمل حرام کی تھی اور شرم سے اس عورت نے مار ڈالا
فی الواقع اس عورت پر بھی الزام تھا۔ پولیس اور سپر ڈکرنے والا مجسٹریٹ دونوں ایسا
ہی سمجھتے تھے۔ یہ محض اتفاق تھا کہ جج کے نزدیک ثبوت قابل اطمینان نہ تھا اور ایسے
محض افتحائے موت کے جرم میں حسب دفعہ ۳۱۸ تعزیرات ہند بیوہ کو ۹ مہینے قید
کی سزا دی گئی۔

ملزمہ بار بار یہ کہتی تھی کہ کوئی اپنے لڑکے کو بھلا کیوں مار ڈالے گا۔ اُسکی یہ حجت
دوسرے ملکوں کے طرز تمدن پر بھانڈا کر کے کتنی ہی باوقفت ہو لیکن اسوس کہ ہندوستان
میں اس گفتگو کو کچھ بھی وقعت نہیں ہے۔ جج اور تمام تاشائی مزدور سمجھتے تھے کہ جو حجت
ملزمہ پیش کرتی تھی وہ خود ملزمہ کے دل میں بھی بوقفت تھی۔ جو وقت ملزمہ کو قید کا حکم
سنا یا لگا خوشی سے اُسکا چہرہ بدل گیا۔ وہ سمجھی کہ گویا بھانسی سے اُناری گئی۔ اپنے لڑکے
دوسرے نابالغ بچے کی پرورش اور اپنے امانت خانہ کی بابت جیل خانہ جاتے وقت
جو کچھ اُسے ہدایت کی وہ بہت زیادہ دل ہلا دینے والی تھی۔ شروع سے اخیر تک یہ نہایت

حیرت افزا اور درد انگیز نظارہ تھا۔

ہم اپنے مضمون کے اغراض کے لیے یہ فرض کر لیتے ہیں کہ اس عورت کو بھانسی دیدی گئی۔ یہ نہ سہی اسکی اور ملکی بنین سیکڑوں ہزاروں اس جرم میں بھانسی پا چکی ہوگی۔ ہکویہاں منصفانہ طور پر یہ اسے قایم کرنا ہے کہ اس بچہ کے قتل کا اور اگر وہ بیوہ بھانسی پا جائی تو اس کے یا اور جتنی جو رائیں اس جرم میں پہلے بھانسی پا چکی ہیں ان سب کے خون کا الزام کس کی گردن پر ہے۔

اصل باعث اس سب فساد کا وہ شخص ہے جسے عورت کے ساتھ مہبستی کی۔ بنین! بنین! اسکا کچھ بھی قصور نہیں۔ بیوہ عورت کے ساتھ تعلق پیدا کرنا اس وقت کسی مذہب گورنمنٹ کے قانون میں منع نہیں ہے۔ ہندوستان میں جو مجموعہ تحریرات جاری ہے گو وہ ان تعلقات میں اور لوگوں سے کسی قدر سخت ہے۔ لیکن اس نے بھی اسکو ناجائز نہیں ٹھہرایا ہے۔ ہاں مذہب اسلام اس بارے میں بہت سخت ہے لیکن ساتھ ہی اسکے آسانیاں بھی قابل لحاظ ہیں۔ ہزاروں قسم کی آسانی اور سچی آزادی ہم پہنچانے کے بعد وہ حکم لگاتا ہے کہ تم ان آسانیاں پر کافرانہ کرو گے خدا کی لعنت کو جائز اور آسان طریقے کے ہوتے ہوئے ناجائز طریقے سے اپنے کام میں لاؤ گے تو مکہ سخت مزا دی جائیگی۔ غرض کہ مسلمانوں کے قانون کا شمار نہ کیا جائے جس میں سختی کے ساتھ نرمی بھی ہے تو کسی مذہب ملک میں یہ شخص مجرم نہ سمجھا جائیگا۔

اب رہی وہ عورت اسکی نسبت قتل طفل کے قبل تک کوئی تو بڑی ہی احکام متعلق نہیں ہوتے۔ یہاں تک وہ گویا انسانیت جائز طور پر قانونی زمین پر چڑھتی ہوئی چلی گئی۔ انتہا سے بلندی تک پہنچ کر غار میں گرنے کی جو صورت پیدا ہوئی وہی صورت زیر بحث ہے۔

ہمارے نزدیک وہاں تک پہنچنے کے بعد وہ کسی طرح باد مخالف کے جھونکون کا مقابلہ
نہیں کر سکتی تھی وہ گڑبے میں گر پڑنے پر مجبور تھی اور وہی مجبوری ہمارے نزدیک قابل
بحث ہے کہ آیا یہ فطرتی طور پر ہے یا ملکی رسم و ملکی قانون کی بدولت ہے۔

ایک باشرع عورت جب اپنے شوہر کے مرجانے پر تمام عالم کو ایک کھیتی تھی اور یہ کھیتی
تھی کہ رسم و رواج اور ملکی قانون کی بجائے بند یوں نے تمام ذرائع آسائش ہمیشہ کے لیے
اُس سے الگ کر دیئے انتظام عالم کے فطرتی کاروبار میں وہ ایک درجہ مغل رگینی۔ اپنے
یگانے اسکی زندگی کو بدل سکتے تھے تو تمام دنیا کی نعمتوں میں ذلیل اور ب کے خیال
میں بارہو کر زندگی بسر کرنے سے جان دے ڈالتا اسکے نزدیک کہیں جہا نظر آتا
اور پھر گھر والوں کی خواہش بھی محک ہوئی تو دیوانہ راہوئے بس است، کامن
سہا۔ تمام گھر داے جب سکا جل کر خاک ہو جانا چاہتے تھے جو وہ بیچاری کس کس کا مقابلہ کرتی
فرما غم فرما جاتا۔ آئندہ زندگی کی تلخ کامیوں کا خیال دریا میں کود پڑنے پر اسے ایل کرنا تھا اور
گھر کے لوگ ہوا سے تند کی طرح اسے ببار کسوع آب میں اس طرح ڈالتے تھے کہ وہ
بھڑکھڑکتی تھی۔ بیوہ نے اپنی آئندہ زندگی کی نعمتوں کو خیال کر کے جب اپنی جان سے
ڈالنے میں بیٹھے تھی ہو جانے میں آسانی دیکھی تو اسکو گورنمنٹ نے قانون کے ذریعہ
سے روک دیا لیکن ان اندرونی حالات کی کچھ درستی نہ کی جس کے ذریعہ سے اُس بھاری
کو جان دے ڈالتا آسان تھا۔ گورنمنٹ نے مرنے والی کو چھاپر جل جہنم کر خاک ہو جانے
سے نور وک لیا لیکن ان نعمتوں کا کچھ بھی خیال نہ کیا جو اسکو سسرال یا بیکے کے جلیان
میں اُٹھانی پڑتی ہیں۔ گورنمنٹ نے اسے ہی خواہاں قوم پر چھوڑا تھا لیکن سیکڑوں ہزاروں
گرینچوٹ ہر سال کالج سے نکلتے ہیں۔ روشن خیالی اور اعلیٰ تعلیم کا خواب دیکھتے ہیں مگر اس

عقہ ہوگان
طرف مشرق
ملکی
کتنی ہی
سن
مر
جائے غلو
چھاپا ہوا
سے بی
جائے د
ایک
ہو سکتی
نکل جا
کڑو لیا
کافرین
ملکی
رکھیں
جسمانی
نہ ہو جا
پر مقرر

طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

ملکی قانون یا دراج نے خلاف عقل و حکم سے رکھا ہے کہ انتظام عالم کے
 کتنا ہی خلافت ہو۔ قانون فطرت کتنا ہی اپنا زور دکھائے لیکن بیوہ گودہ کتنی ہی کم
 رسن ہو کسی مرد سے ایسا تعلق پیدا نہیں کر سکتی جو برادری کے سامنے جائز ہو۔
 صرف برادری ہی کے سامنے نہیں بلکہ ملکی قانون کے نزدیک بھی اسکا کسی سے
 جائز تعلق پیدا کرنا ممنوع ہے۔ جائدا دشوہری برفضہ حاصل کرنے کے بعد اگر بیوہ کسی سے
 چھپا ہوا ناجائز تعلق پیدا کرے تو بہت سے فیصلے اسکے شاہدین کو وہ جائدا دشوہری
 سے مبدخل نہ ہوگی۔ لیکن اگر وہ دوسرا بیاہ کرے اور علانیہ تعلق جائز پیدا کرے تو وہ
 جائدا سے بالکل بے تعلق ہو جائیگی۔

ایک بیوہ جسکے قبضہ میں ہزاروں لاکھوں روپیہ کی جائیداد ہے اُس سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی تمام جائیداد پر بلا تمارک کسی جوگی کے ساتھ جوگن بنکر گھر سے نکل جائے گی اور عیش و انبساط کے ساتھ سچی آزادی کا لطف اٹھائے گی انسانی کمزوریوں پر نظر کر کے ہر شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ہزاروں سے ایسی توقع کرنا امر محال کا ذوق کرنا ہے۔

ملکی رسم اور ملکی قانون نے گویا بواؤں کو مجبور کر رکھا ہے کہ وہ ناجائز فتنے مردوں کے رکھیں اور حنیٰ بالوسع اُسے مخفی رکھیں۔ یہیں پر ہم یہ کہنا بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ صحت جسمانی اور آزادی حاصل ہونے کے بعد یہ غیر ممکن ہے کہ والدین اسل کا سلسلہ جاری نہ ہو جائے۔ قانون فطرت انسان کا بننا یا ہوا نہیں ہے جس نے عالم پیدا کیا اور جس نے یہ مقدر کر دیا کہ روز بروز عالم کی ترقی ہوتی رہے گی اُسی نے انسان کو مجبور محض کر کے اس میں

وہ قوت و ولایت کی ہے جسکو انسان جب تک انسانیت کی پوری حالت میں ہے کسی طرح دبا نہیں سکتا۔ بیوہ حالت صحت میں ہے یا بعض خاص خاص شریف خاندانوں کی عورتوں کی طرح گھر کی چار دیواری میں جس درام بنیر عبیدہ یا پشور کی سزا میں جکٹ ہی ہے تو ایسی صورت میں اُس عورت سے یہ توقع رکھنی کہ وہ اپنے کو خدا کی قدرت سے زیادہ قوی ثابت کرے گی۔ محال ہے۔ غیر ممکن ہے۔ دیوانہ پن ہے۔ اور جب فقر نے اپنا اثر ظاہر کیا پھر اسوقت یہ خیال کرنا کہ عورت اُس اثر ٹھٹھانے کی جسکو تمام برادری کے لوگ بڑا سمجھتے ہیں کوشش نہ کرے گی یہ ایک دوسرے امر محال کا ممکن فرض کرنا ہے جس عورت کو تمام عمر بجز شرم کے اور کوئی چیز سکھائی نہیں گئی اُسکی سمجھ ہی میں نہیں آسکتا کہ اپنی حفاظت کار یوں کی زندہ شہادت گو دین لیکر وہ کسی طرح بھی دوسروں سے نظر چار کر سکے گی۔ استفادہ مل کی تدبیریں تو گویا لازمی ہیں اسکے بعد اپنی جان دینی یا بچنے کی جان لینی یہی دو صورتیں رہ جاتی ہیں۔ چھوٹی قوم یا بیجا خاندان کا تذکرہ نہیں ہے خاندان جتنا ہی اونچا ہوگا اتنا ہی ان باتوں کا دامن زیادہ رواج ہوگا۔ گورنمنٹ ٹیک اگر ایسی خبریں کم بہنیں تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ قوم میں ایسے دل ہلا دینے والے واقعات نادر الوجود ہیں۔

سندھ و ہریانہ زبان حال سے گورنمنٹ سے کہتی ہیں۔

اندرون قعر دریا تھنہ بندم کردہ باز سیکوئی کردمان ترکمن ہندوستان

جب ہم شوہر کی چتا پر جلنے جاتے تھے اسوقت تو آپ بہت ہی رجم المزاج اور سراپا مہر دی کی صورت بنکر سامنے آکھڑے ہوئے اور ہمیں جلنے اور اس طرح مٹ جانے سے روک رکھا لیکن دمان سے اگر جب گھر والوں کی قید میں پڑے۔

ملکی رسم و رواج
بنے طرح
اصل
ہے۔ عق
مسلمان
چند عورتیں
ظاہر کی۔ ا
ان اجا
کسی طرح
گورنمنٹ
سے قدا
خیال کر
کی سیوا جب
ذی علم
تو شاید
استدراش
خبر
کردہ قوم
خلاف۔

ملکی رسم و رواج کی بدولت اذیتیں اٹھانے لگے۔ مردوں کی خود غرضیوں کے شکار بنے۔ طرح طرح مصیبت پھیلنے لگی تو کبھی بھولے سے بھی خبر نہ لی۔

اصل شکایت ہم کو پیشوا یان قوم سے ہے کہ جو رسم قدیم موجودہ حالت کے مناسب ہے۔ عقل کے خلاف ہے۔ مذهب ملکوں کے چلن کے بالکل مخالف ہے۔ مسلمان قوم اُسکے مٹانے کی کوشش نہیں کرتے۔ بعض مقاموں پر ہندوؤں کے چند عزیز پیشواؤں نے عقد بیگانہ کا رواج دینا چاہا۔ اس پر چند اخباروں نے اپنی سرت قلم اٹھائی۔ اکثروں نے سکوت کیا۔ سکوت کرنے والے بھی غنیمت تھے۔ لیکن ہندوؤں نے یہ خیال کہ ان اخباروں پر ہوا جو اس رواج کے مخالف ہوئے اور کہنے لگے کہ ہندو مذہب پر کسی طرح بھوکا بیاہ نہیں ہو سکتا۔

گورنمنٹ پر ہم ضرور الزام دیتے کہ وہ اپنی رعایا کے جزو اعظم یعنی عورتوں سے جوہدوں سے تعداد میں زیادہ ہیں بالکل غافل ہے۔ لیکن جب ہم قوم کی بہت دھرمی پر خیال کرتے ہیں تو پھر بہت نہیں ہوتی کہ گورنمنٹ پر کتنے جینی کریں۔ عمر رضا مندی کی مبادی جب بارہ برس مقرر ہونے لگی تو کہیں سے بھی یہ خیال ہو سکتا تھا کہ اس پر کوئی ذمی علم باشندہ ہند کا معترض ہو گا؟ اگر کل پیش ہونے کے پہلے یہ سوال مشتہر کیا جاتا تو شاید کہیں سے بھی جواب اثبات میں نہ ہوتا۔ لیکن بل پیش کرنے کے بعد اظہارِ تشدد اس قدر شور و غل ہوا کہ گویا گورنمنٹ ہندوستان کے مردہ مذاہب کی جڑ کاٹ رہی ہے۔ خیر جو قوم اپنے نقصانات سے اس قدر بے خبر ہو جائے کہ گورنمنٹ سے یہ تو کہنا کہ وہ قوم کے پیشواؤں کے خلاف کوئی بات راج کرے گی ملک ناری کی بالیسی کے خلاف ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہم ہرگز ہرگز یہ نہیں کہتے کہ انکشاف

گورنمنٹ ہندوستان کی عورتوں کے حقوق کی پامالی اخلاقی اور تمدنی حالت میں
یون دیکھتی رہے گی اور کچھ بھی توجہ نہ کرے گی۔ ہمارے نزدیک انھیں برائیتوں کے
رفع کرنے کے لیے قوم میں تعلیم رائج کی گئی ہے۔ گورنمنٹ نے جو تعلیم کا سلسلہ جاری
کیا اسکے ذریعہ سے اس قدر ہے کہ آہستہ آہستہ تمام خرابیاں رفع ہوتی جائیں گی۔
لیکن حیرت ہلکوب ہوتی ہے کہ یونیورسٹی کے بڑے سے بڑے ڈگری پائے
وہ اخلاقی اور تمدنی حالت میں ترقی منکوس کی خواہش ظاہر کرتے ہیں۔

جو دوگ بڑی بڑی کتا بین پڑھ کر بھی چوڑی باتیں کرتے ہیں انھیں پر یہ الزام ہے کہ
یا وجود اس قدر دانش کے وہ اپنے گھر کی اصلاح میں کوشش نہیں کرتے۔ تمام دنیا
کا انتظام کرنا چاہتے ہیں۔ بات بات میں انگلستان کی پارلیامنٹ کا ذکر کرتے ہیں۔
تمام باقوں میں انگریز بنا چاہتے ہیں گورنمنٹ سے اپنے حقوق کے لیے آڑش
قوم سے بھی زیادہ آزادی کے خواہاں ہیں۔ لیکن اسکا ذرا خیال نہیں کہ جو حقوق
(عورتوں کے) ہم پر ہیں ہم انکو کہاں تک ادا کرتے ہیں یا ادا کرنے کی کوشش
کرتے ہیں۔ کوئی بُرا مانے یا بھلا۔ آج تک دنیا میں کسی قوم نے ترقی نہیں کی جب
تک اسے عورتوں کی ترقی اور انکے حقوق کی حفاظت کی طرف توجہ نہیں کی۔
اگر عورتیں مثل نوٹریوں کے سمجھی جائیں گی یا اولاد پیدا کرنے کے لیے محض ایک
جیس و حرکت شین (کل) مانی جائیں گی نہ انکے حقوق کا خیال ہوگا اور نہ انکے
آرام۔ آزادی اور آسائش کی فکر ہوگی تو جو بچے اُسے پیدا ہو گئے وہ بھی غلامی۔
مجبوری اور مصل و جبری کا سبق اپنی مان سے لین گے امد ایسی حالت میں تو
ترقی کیا خاک ہوگی؟

ہندوؤں میں تمام پورانی باتوں کے بیان کرنے میں ہزاروں لاکھوں برس کا ذکر کرنا تو گویا تکیہ کلام ہو گیا ہے۔ لیکن غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ ابتدائی جہیز تمدن کی ضرورت ہی تھی اسکو ست جگ کہتے ہیں۔ اور قومی ترقی کے آغاز کو تیرتا کہتے ہیں۔ اور دوا پر وہ زمانہ ہے جب ترقی حد کو پہنچی۔ بہار کے بعد جس طرح خزان آتی ہے اسی طرح انتہا سے ترقی پر قوم پہنچ کر انحطاط کی طرف مائل ہوئی۔ ہندو جب اپنی ترقی کھو کر پڑے دن دیکھنے لگے تو اسکو گمجاگ کہنے لگے۔ اور جس طرح بگڑی ہوئی قوموں میں صرف پچھلے زمانہ کے فسانے یاد رہ جاتے ہیں اسی طرح اب ہندوؤں میں بھی پچھلی باتیں صرف عام چند حکایتوں کا پیرایہ رکھتی ہیں۔ اس پر بھی ایک خرابی یہ ہے کہ اگر وہ پچھلی باتوں کو بطور صحیح واقعات کے یاد رکھیں تو کچھ کام بھی چلے تمام واقعات انکے مثل فسانہ کے ہو رہے ہیں۔ اور ان غلط فہمیوں سے جو حالت موجودہ قائم ہو رہی ملکی رواج اور ملکی قانون سمجھی جاتی ہے۔ اور گورنمنٹ بھی آئین جھانڈاری کے لحاظ سے اسکو قانون کے برابر سمجھنے پر مجبور ہے۔

اب ہکو یہ دکھانا ہے کہ ہندوؤں میں عقد یوگان کا دستور کس جگہ میں تھا اور کس جگہ میں نہیں ہے۔ مہابھارت ہندوؤں میں سب سے بڑی تاریخ اور سب زیادہ مقبول کتاب ہے۔ یہ دوا پر کے اخیر میں لکھی گئی ہے اور تذکرۂ شجک اور تریماکی باتیں بھی اس میں بیان کی گئی ہیں۔

پیماس جی اپنی کتاب مہابھارت میں ازدواج کے متعلق قدیم رسم کو یوں بیان کرتے ہیں کہ ست جگ کے آغاز میں عورتوں اور مردوں کا تعلق مثل بہائم کے تھا۔ جب زمانہ نے ترقی کی اور خود غرضی و خود داری ساتھ ساتھ چلی۔ مسائل سائنس میں

دقتیں پیدا ہوئیں تو ضرورت اس امر کی ہوئی کہ اولاد کی پرورش کا بار باپ ڈالا جائے اور اُسی وقت سے یہ خیال پیدا ہوا کہ جب تعلق مہبستری کے ساتھ اولاد کی پرورش کا بار لینا باپ کو کم کوں خاطر نہ ہو تو وہ زمانہ ہے اور ناجائز ہے۔ ابتدائی زمانہ تھا اور ابتدائی قانون تھا اس لیے ایک مرد کے بعد دوسرے مرد سے تعلق پیدا کرنے کے درمیان میں صرف ایک مہینہ کا انتظار عورت کے حاملہ یا نہ حاملہ ہونے کی جانچ کے لیے کرنا ہوتا تھا آخر سب تک اس اسی قدر زمانہ ترقی کر چکا تھا۔ تربتادوار میں شادی بیاہ کے قانون میں کچھ کچھ اور ترقی ہوئی۔ لیکن اس بار سے میں ہندوؤں کا قانون بھی سخت نہیں ہوا۔ وہ فطری حیثیات کا سبب بڑا احترام کرتے تھے۔ مثلاً دواپر میں مہا بھارت کے پانچ ہیرو جسکو پانڈو کہتے ہیں پانچ مختلف باپ سے تھے۔

آخر دواپر میں ایک رشی سویت کیتو گڑ سے یہ اُس زمانہ میں تھے جب ہندوؤں کی تہذیب اعلیٰ درجہ کو پہنچ گئی تھی۔ کم سنی میں وہ اپنے باپ سے پڑھ رہے تھے کہ سامنے سے ایک غیر برہمن آیا اور وہ انکی والدہ کو تخلیہ میں لے گیا۔ رشی جی نے اپنے باپ سے اس مداخلت بجا پر اپنی ناخوشی ظاہر کی۔ لیکن باپ نے اس وقت کے موجود قانون پر نظر ڈال کر بیٹے کو سمجھایا کہ یہ بات ابتدا سے زمانہ سے چلی آتی ہے اور یہی مناسب بھی ہے اور گویا زبان حال سے یہ کہا کہ فطرتی جوش کا روکنا انسانی قوت سے باہر ہے جیسا کہ منوجی نے فرمایا ہے۔ سویت کیتو نے باپ کی توجی پسند نہیں کی۔ اور اُسی وقت انھوں نے فلم اٹھا کر یہ قانون بنایا کہ اپنے مرد کے جیتے دوسرے مرد سے تعلق پیدا کرنا جرم قرار پانا ہے اور اسکی سزا وہ قرار پاتی ہے جو اسقاطِ محل کی ہے۔ تمام قوم نے اسکو اپن کیا اور اسوقت سے زنا کاری بہت زیادہ مہیوب محکم ہوئی۔ لیکن اسوقت

جائے
پیش کا
رائی
میں
ہوئے
قانون
ہوا
ہو
دون
تھے
اپنے
جور
ی
سے
در
کے
م
ت

ایک ہندوؤں کو کہیں سے یہ خیال بھی نہیں گزرتا تھا کہ عقد بیوگان نامناسب ہے
چنانچہ ارجن نے ناگ کنیا کے ساتھ اس وقت بیاہ کیا تھا جب پہلے شوہر سے
دس برس کا لڑکا اسکے پاس تھا۔

دوا پر کے آخر تک یعنی بیودن کی اعلیٰ ترقی تک کہیں بھی عقد بیوگان کی نہایت
نہ نفعی اور نہ قوم کچھ بھی اس سے آگاہ تھی۔

ہم یہاں پر یہ کہنا مناسب سمجھتے ہیں کہ ہندو عقن قابلِ سہم صرف اٹھارہ ہیں۔
شو۔ اترے۔ بشتو۔ اریٹ۔ جاگیش۔ ملک۔ اوسنٹ۔ اگرا۔ جم۔ اینٹ۔
کاتیا۔ پرتی۔ پاداسٹر۔ بیاتل۔ شکو۔ دیکھت۔ دکش۔ گومت۔ ساتا۔
بشت۔

یہ سلسلہ ہے کہ سوائے ان اٹھارہ کے دوسرا کوئی ہندو عقن قابلِ وقت
نہیں ہے۔ اور یہ سلسلہ ہے کہ ان لوگوں نے بجائے ممانعت کرنے کے ممان
و مریخ لفظوں میں بدھوا بواہ کی ممانعت کی ہے۔ چنانچہ پاراسر نے کلجگ کے لیے
جو مجموعہ قانون بنایا ہے اُسکا نام پاراسر گتا ہے اس میں لکھا ہے کہ پانچ حالتوں
میں عورتوں کو دوسرا شوہر کرنا جائز ہے۔ (۱) شوہر کی مفقود الخبری۔ (۲) شوہر کے مطلق
دینے پر۔ (۳) شوہر کی وفات پر۔ (۴) شوہر کے نامرد ہو جانے پر۔ (۵) شوہر کے ترک
نزدیب کرنے پر۔ پھر لکھا ہے کہ شوہر کی مفقود الخبری کی حالت میں اولاد دالی برہمنی
آٹھ سال تک سابق شوہر کا انتظار کرے اور بے اولاد دالی چار سال تک انتظار کرے
اسی طرح ججری کی عورت کو چھ برس اور مین برس کا دن دیا گیا ہے اور دیش کو چار
برس اور دو برس۔ شوہر کے لیے کوئی ایام مین نہیں ہیں۔ مفقود الخبری کے وجہ

چاہے دوسرا بیاہ کرے۔ ناظرین کے اطمینان کے لیے تھوڑی سے عبارت
اصل کتاب سے نقل کی جاتی ہے۔

नष्टे मृते प्रहजिते क्लीबे च पतिते पतौ ॥ १०१ ॥

पञ्च द्वापतसु नारिणां पतिरन्यो विधीयते ॥

अष्टौ वर्धा एवपेक्षेत ब्राह्मणी प्रोचितं पतिम् ॥

अप्रसूतानु च त्वारि परतोऽन्यं समाश्रयेत् ॥

اب بیان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہندوؤں کی ترقی کے زمانہ میں یہ حالت تھی
تو اب عقد بیوگان کیوں مہیوب سمجھا جاتا ہے۔ اسکے سمجھانے کے لیے مسلمانوں سے
ذیادہ دوسری تمثیل ہمارے پاس نہیں ہے۔ اُنکے قرآن میں حکم ہے "واکھوا اللہ
یا ماسکم" خود محمد صاحب نے سوائے ایک بی بی کے اور تمام بیواؤں سے عقد کیے۔
اپنے اپنی لڑکیوں کے بھی عقد کر رکھے۔ تمام صحابہ کرام میں بھی ایسا ہی رواج تھا
باوجود اس لاشعور کے کہ مسلمانان ہند اور وہ بھی عام مسلمان نہیں خاص خاص لوگ جو
اپنے کو پیغمبر اور صحابہ پیغمبر کی نسل میں بتاتے ہیں عقد بیوگان مہیوب جانتے
ہیں۔ اسی طرح جب ہندوؤں کے منزل کا زمانہ آیا تو انھوں نے ترقی کی بہت
سی باتیں چھوڑ دیں۔ منجملہ اُنکے عورتوں کے حقوق سے بھی وہ بے پردا ہو گئے۔ دختر
گشتی کی رسم انہیں جاری ہوئی۔ زندہ عورت اپنے متوفی شوہر کی لاش کے ساتھ
جلنے لگی۔ عقد بیوگان بالکل سدود ہو گیا۔

اسی مقام پر ہم ایک تاریخی واقعہ بھی لکھتے ہیں کہ عقد بیوگان کی ممانعت کیونکر
شرع ہوئی۔ کجنگ میں ایک رشی (لیکن کوئی بڑے نامی رشی نہیں) تھے جنکی

آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ مزاج کے کرٹے تھے اور کامل لوجود تھے۔ انکی بی بی ان سے سخت متفرق تھی۔ ایک روز دریا کے کنارے وہ نہاتے ہوئے بہ گئے۔ انکو خیال گرا کہ بی بی نے بہا دیا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ میرے بعد دوسرے سے وہ اپنا لطف قائم کرے گی۔ اتفاق سے وہ کہیں آگے چل کر دریا سے نکلے اور کسی بڑے راجہ کے دربار میں رسوخ پا گئے۔ وہاں انھوں نے یہ قانون جاری کیا کہ کسی حالت میں بیوگان کا عقد نہ ہوتا کہ وہ اپنے شوہر کو ہر حالت میں مستقیم سمجھا لیں۔ قومی خیالات بھی بدل رہے تھے۔ رشی جی کا بچن سہارا ہو گیا۔

مسلمانوں نے بہت کم دخل ہندوؤں کے رسم و رواج میں دیا۔ اور نہ ہندوؤں نے کوئی اخلاقی بات مسلمانوں سے سیکنا چاہی۔ بلکہ خود اپنے بڑے رسم و رواج میں انھوں نے مسلمانوں کو پابند کر لیا۔ جلال الدین اکبر نے خدیم ہندوہوکر ہندوؤں کی رسم میں بہت کچھ دخل دینا چاہا تھا۔ عقد بیوگان کو اسے جاری کرنا چاہا تھا۔ وہ کچھ گلاب بھی ہرچاہا تھا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد پھر دوسرے بادشاہوں نے ادھر توجہ نہ کی۔

اب ہم بیان یہ لکھنا چاہتے ہیں کہ انگلش گورنمنٹ نے ہندوؤں کی ناجائز رسم و رواج کی کمان تک اصلاح کی۔

زندہ عورت کا متوفی شوہر کے ساتھ جل جانا اور زندہ لڑکین کا دریا سے گنگ کی نذر کرنا ۱۸۲۹ء میں موقوف کیا گیا۔

غلامی کا دستور ہندوستان میں بہت بڑا تھا۔ بیداری کے ذریعہ سے ایک شخص دوسرے شخص کو اپنے مویشی میں شام کر لیا تھا۔ اور کبھی سر قہ بالجبر اور سر قہ مخفی کے ذریعہ

سے بھی غلام حاصل کیے جاتے تھے۔ ۱۳۳۷ء میں گورنمنٹ نے اسکو
موقوف کر دیا۔ اور اسکے ساتھ ہی غلامی کے متعلق جتنے شائستری احکام تھے
سب تقویم پارمینہ ہو گئے۔

جو کوئی بیوہ عورت کے ساتھ یا کسی غیر برادری کی عورت کے ساتھ بیاہ کرے اور جائز
تعلق کی حالت میں اولاد پیدا ہو تو گودہ ہندو لاکے مطابق اولاد صحیح النسب نہ ہو لیکن
گورنمنٹ نے لارڈ میو کے وقت میں برہمن سماج کی تحریک پر یہ قانون پاس کیا کہ ایسی اولاد
واسطے اغراض وراثت کے اولاد صحیح النسب سمجھی جائے گی۔

دختر کشی کے انسداد کے لیے گورنمنٹ کی طرف سے بہت کچھ عملی کارروائی کی گئی
ہے اور خاص ایکٹ پاس کیا گیا۔

۱۳۵۷ء میں یہ قرار پایا کہ کوئی شخص تبدیل مذہب کی وجہ سے اس وراثت سے
محروم نہ ہو گا جو مذہب تبدیل کرنے کی حالت میں اسکو پہنچتی تھی۔

ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ گورنمنٹ ہند کے اختیار میں جو فارم ہے وہ اس
سے غافل نہیں ہے۔ لیکن لوگ اپنی بیوہ و زکیوں کو نہ بیاہیں اور ایسا کرنا مجرب سمجھیں تو
ظاہر ہے کہ یہ بات گورنمنٹ کے کرنے کی نہیں ہے۔ قوم کے پیشواؤں
کے کرنے کی ہے۔

گورنمنٹ اور رعایا کا عجیب تعلق ہے۔ جیسی رعایا ویسی ہی گورنمنٹ۔ مذہب رعایا
کی مذہب گورنمنٹ۔ غیر مذہب رعایا کی غیر مذہب گورنمنٹ۔ رعایا سخت مزاج اور جاہل
ہے تو گورنمنٹ کے لیے بھی سخت مزاجی اور جاہالت لازم ہے۔ رعایا سنجیدہ ہے تو گورنمنٹ کی بھی سنجیدگی
یعنی جو اسل اعتبار سے اگر کہا جائے کہ ہندوستان میں بہت سی جگہیں ایسی ہیں جہاں شائستہ کی طرف

گورنمنٹ متوجہ نہیں ہو اور ایسے مسہل نفس ہے تو بہ کتنا ایک حد تک مناسب ہو سکتا ہے لیکن انصاف سے دیکھا جائے تو گورنمنٹ بالکل بے قصور ہے۔ اس زمانہ کا دستور جہان داری پنجپتی قسم کا نہیں ہے۔ اگر گورنمنٹ ایک محکمہ قائم کرے۔ حلقہ بندی کے ذریعہ سے قومی رفاہ کی مجلسیں قائم ہوں تو یہ انوکھا دستور تمام مذاہب گورنمنٹ کے خلاف ہی نہیں ہوگا بلکہ گورنمنٹ کی طرف سے عوام میں ناراضی پھیلنے کا سبب ہوگا۔ گورنمنٹ جو کچھ کر سکتی تھی اُسے کر دیا۔ اس سے زیادہ اصلاح اُسکے اختیار سے باہر ہے۔

عام تعلیم کا سلسلہ قائم کر دیا گیا ہے۔ لوگ پڑھ کر نکلتے ہیں۔ تمام دنیا کے حالات سے واقف ہوتے ہیں۔ قانون قدرت اور انتظام عالم کی ماہیت اور اسرار کم و بیش دریافت کرتے ہیں۔ آزادی اسی نعمت کی قدر کرتے ہیں۔ جمہالت کو برا جانتے ہیں۔ قوموں کے تنزل اور ترقی کے اسباب سے واقف ہوتے ہیں۔ جب ایسے لوگوں کے پیدا کرنے کا بند و بست گورنمنٹ نے کر دیا تو وہ اپنی ذمہ داری پوری ہو گئی۔ اب ذمی علم اور ذمی عقل باشندے اپنی تمدنی حالت کی اصلاح کی طرف خود رائل ہوں اور سمجھیں کہ گورنمنٹ نے انکو ایسے تعلیم نہیں دی ہے کہ وہ دانشمند ہو کر بے دانشوں کو نہ سمجھائیں۔ قومی اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ قانون فطرت کے اغراض کو نہ سوچیں۔

گورنمنٹ تعلیم میں بے انتہار روپیہ صرف ایسے خرچ کرتی ہے کہ قومی اصلاح ہو رعایا کی اخلاقی حالتیں درست ہوں۔ ایک ذمی علم ہزار دن لاکھوں جاہلون کا رفاہ کر سکتا ہے۔ جو کوئی کلمہ پڑھ کر اور اعلیٰ تعلیم سے بہرہ یاب ہو کر عوام کی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور رفاہ میں سعی کرنے سے گریز کرتا ہے تو وہ بالکل گورنمنٹ کے منشا دار گورنمنٹ کی امیدوں کے خلاف کرتا ہے اور قوم کے حقوق ادا کرنے میں سخت پہلو پتی

کرتے ہے۔ غرض کہ الزام انہیں پر ہے جو کچھ کر سکتے ہیں اور نہیں کرتے۔

فصل چہل و سوم

احسانت مومنین۔ ازدواج مطہرات رسول

آنحضرتؐ نے سب کے پہلے حضرت خدیجہ کبریٰ سے بیاہ کیا۔ حضرت خدیجہ کی پہلی شادی ابوہالہ بن اش سے ہوئی تھی انکے مرنے پر دوسرا بیاہ عقیق بن عابد سے ہوا پہلی شادی سے دو بیٹے پیدا ہوئے ابوہالہ دونوں زندہ تھے اور دونوں آنحضرتؐ پر ایمان لائے تھے۔ دوسرے خاندان سے ایک بیٹی تھیں وہ بھی مہند کے نام سے مشہور تھیں۔ تیسرا نکاح انگا چالیس برس کی عمر میں آنحضرتؐ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا انہیں کے بطن سے حضرت فاطمہؑ پیدا ہوئیں اور حضرت فاطمہؑ کی اولاد سیدہؑ کی جاتی ہے اور غالباً اور لوگوں کی سلسلہ اولاد قائم نہ ہوا۔ مہند وستان میں جو قبضہ سی شریف پر وہ اتنا ہی عقد ہوگا ان کو محبوب جانتا ہے۔ عقد ہوگا ان کو سادات اپنی ہنک سمجھتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ اگر ان کی داوی حضرت خدیجہؑ اپنا تیسرا نکاح نہ کرتیں تو زمانہ ان سادات سے خالی رہتا جو اپنے وقت میں فخر و زکاوت تھے اور اب بھی وہ سادات فخر زمانہ سمجھے جاتے ہیں جو احکام شرع کے عامل باعمل ہیں۔ یہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت خدیجہؑ نسل قریش سے تھیں۔ تمول۔ عقل اور خوش اخلاقی کی وجہ سے ایام جاہلیت میں بھی مکہ کی تمام عورتوں میں ممتاز تھیں اور طاہرہ انکا لقب تھا۔

حضرت سوڈہ قریش کی نسل سے تھیں۔ پہلا نکاح انکا سکوان ابن عمر سے ہوا تھا اور دوسرا نکاح آنحضرتؐ سے ہوا۔ پہلے نکاح سے عبدالرحمن صحابی تھے جو کسی لڑائی میں شہید ہوئے حضرت خفصہؑ حضرت عمر فاروقؓ کی بیٹی پہلے خنیس سے بیاہی تھیں حضرت خنیس

بدری صحابی تھے اُنکے مرنے پر حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے حضرت حفصہؓ کو بلا ہنسنا چاہا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا۔ ”اچھا میں غور کر کے جواب دوں گا۔“ پھر کچھ دنوں کے بعد حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی شادی نہ کروں۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے درخواست کی۔ یہ بچکے ہو رہے ہاں ہمیں کچھ بھی نہ کہا۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ مجھے حضرت ابو بکرؓ کا سکوت بڑا معلوم ہوا لیکن جب آنحضرتؐ رسول اللہؐ نے حفصہؓ کا پیغام بھیجا اور میں نے اُنکو آپؐ سے بیاہ دیا اسوقت معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ سرور کائنات حضرت حفصہؓ کا ذکر حضرت ابو بکرؓ سے کر چکے تھے۔ اور یہی وجہ حضرت ابو بکرؓ کے سکوت کی تھی۔

حضرت ام سلمہؓ بھی قریشی النسب تھیں۔ پہلا نکاح انکا عبداللہ ابن عبد الاسد ابن مغیرہ سے ہوا۔ عبداللہ کی کنیت ابو سلمہ تھی۔ یہ بدری صحابی تھے ابو سلمہ کے مرنے پر ام سلمہؓ آنحضرتؐ کی زوجیت میں داخل ہوئیں۔ پہلے شوہر سے دو بیٹے سلمہ اور عمر اور دو بیٹیاں درہ اور زینب پیدا ہوئیں۔ سلمہ کو امامہ بنت امیر حمزہؓ سے آنحضرتؐ نے بیاہا تھا۔ عمر کو حضرت علیؓ کے وقت میں فارس اور بحرین کی حکومت ملی تھی۔

حضرت ام حبیبہؓ سردار مکہ ابوسفیان کی لڑکی تھیں۔ یہ اپنے خاوند عبید اللہ بن حبش کے ساتھ حبش کو ہجرت کر گئیں۔ وہاں عبید اللہ کے مرنے پر تنہا رہ گئیں۔ عمر ابن عیسہؓ ضمیری کو بھیجا کہ آپؐ نے سباشی بادشاہ حبش کو اپنا وکیل کیا اور اُسے آنحضرتؐ کے ساتھ ام حبیبہؓ کا عقد کیا اور اُنکو آنحضرتؐ کے پاس مدینہ بھیج دیا۔

حضرت زینب بنت حبشؓ پہلے زید بن حارثہ کے عقد میں تھیں۔ زید نے طلاق دی۔ تب آنحضرتؐ نے خواستگاری کی اور زید ہی کو بیاہ لیا۔ اسوقت تک آیہ پردہ نازل نہیں ہوئی تھی۔ حضرت زینبؓ نے زید کو دیکھ کر گھٹھ پھیر لیا۔ اور رسول اللہؐ

کی پہلی

پہلی شادی

سے

میں ہیں

حضرت

سلا اولاد

ہے۔

خدیجہؓ

زادہ تھے

سین

ل اور

ر تھیں

دوسرا

شہید

نہیں

کاسینا م سکر کہا کہ میں نماز پڑھ لوں تو جواب دوں۔ اسی اثنا میں آیت اتری »جب زید اس (زینب) سے اپنی غرض پوری کر چکا لیئے طلاق دے چکا تو ہم نے اُسکو تجھ سے بیاہنا کہ مومن اپنے بے پاک لکون کی بیبیوں سے عقد کرنے میں جب وہ مطلق ہو جائیں کوئی ہرج نہ بھین» آنحضرت زید کو بہت مانتے تھے۔ گویا وہ آنحضرت کے منہ بولے بیٹے تھے۔ منافق کہنے لگے کہ رسول اللہ نے اپنی بہو سے نکاح کیا۔ اُسوقت آیہ نازل ہوئی »محمد تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں ہے۔ رسول ہوا در خاتم النبیین ہے» ممکن ہے کہ اُسوقت آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینب کو اپنی زوجیت میں قبول کرنا جلا کے نزدیک نامناسب امر ہو لیکن اس زمانہ کی موجودہ حالت پر نظر رکھ کر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آنحضرت کا فعل بڑی ہی مصلحت پر مبنی تھا۔ پیغمبر نے ہر طور پر نکاح کی آزاد لیون کا سبق خود اپنے فعل سے اپنی امت کو دیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ نکاح کے معاملات کو لوگ نہیں معلوم کس طرح کا ڈرانا بھیانک غیر سمجھتی وحشت انگیز معاملہ سمجھنے لگے۔

نکاح سے اصل غرض یہ ہے کہ لوگ زنا سے بچیں۔ زنا میں مختلف عوارض لاحق ہونے اور روز کے جھگڑہ تفسیہ پیدا ہونے کے علاوہ ایک خرابی یہ ہوتی ہے کہ پرورش ارلا د کے لیے کوئی مناسب طریقہ پیدا نہیں ہوتا اور انتظام عالم میں فتور واقع ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ عورتوں کی طرف سے مردوں کا اور مردوں کی طرف سے عورتوں کا میلان طبع قانون فطرت ہے۔ اسکا توڑنا خدا سے لڑنا ہے۔ شرع نے اس میلان طبع کو ذرا مقید اور

۱۔ غلام زید سے ملازمت کا کیا کیونکہ علی المؤمنین حرج فی ازدواج اوعیاہم اذا اقتضوا منہن وطرا۔
۲۔ ماکان محمد اباحہ من رجلا کم دکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔

مذہب کو ناجائز ہے کہ زنا کی حالت پیدا نہ ہو۔ یا یہ کہ زنا سے انسان کی عملی طور پر بچنا آسان قرار دینے کے جتنے وسائل تھے انکا نکاح۔ طلاق۔ خلع وغیرہ مسائل مستعلقہ زنا شوئی میں لحاظ رکھا گیا۔ اب ان سیدھی سیدھی پاک باتوں کو اپنی جہالت سے کوئی تماشہ بنانے تو یہ مرضِ لاعلاج ہے۔ (دیکھو زنا کاری فعلِ بہت دوم)

حضرت زید اور حضرت زینب کے معاملات میں بہت کچھ شرعی تعلیم کی گئی ہے۔ سوا زید کے اور کسی صحابی کا نام قرآن میں نہیں ہے حضرت زید ایک شریف عرب کے رطب کے تھے۔ ایک ظالم کسی طرح انکو پکڑنے گیا تھا۔ پیغمبر خدا کے ہاتھ یہ غلام ہو کر بیگے۔ جب انکے باپ کو خبر ہوئی تو وہ لینے آئے۔ پیغمبر نے آزاد کر دیا۔ لیکن وہ ایسے ہر باں کا ساتھ کب چھوڑتے تھے۔ وہ اپنے گھر نہ گئے اور آزاد ہو کر پیغمبر ہی کے پاس رہنے لگے۔ آنحضرتؐ نے انکو بیٹے کی طرح پال لیا۔ یہ جوان ہوئے تو چاہا کہ اپنی بھوپھی زاد بہن زینب کے ساتھ انکو بیاہ دین۔ حضرت زینب اور انکے بھائی عبد اللہ نے زید کی سابق غلامی پر نظر کر کے تامل کیا۔ اسوقت یہ آیہ اترتی "کسی مسلمان مرد یا عورت کو زینا نہیں ہو کہ جب خدا اور رسول انکے کام میں حکم دین تو وہ پھر اپنی رشتہ کو دخل دین" ظاہر ہے کہ اس آیت سے صرف یہ قصد تھا کہ ایک دوسرے کو صرف خارجی اسباب کی وجہ سے معاملات نکاح میں ذلیل سمجھے۔ حضرت زینب نے بیاہ لو کیا لیکن یہ خیال ل سے نہ گیا کہ غلام کو انھوں نے شوہر بنایا ہے۔ حضرت زید کو حضرت زینب سے ہمیشہ بے لطفی رہی پیغمبر خدا نے سمجھا یا لیکن اس سے بھی کام نہ نکلا تو حضرت زید نے حضرت زینب کو طلاق دیدی۔ اختلاف مزاج کی حالت میں فقہین کے لیے طلاق سے عمدہ کوئی دوسرا اچھا چارہ کار نہیں ہوتا۔ لیکن ہر کس

لے ما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امر ان یکون لہم الخیرۃ من امرہم۔

نہ زید اس

سے بیاہنا کہ

ن کوئی

بولے

ت آیہ نازل

ہے "مکن

بیت میں

ر کہ کر تسلیم

ن کی

ن ہے

ت انگیز

ن حق

ن بدوش

ن ہونے کا

ن کامیلا

ن رفیقہ اور

طلان سے حضرت زینب کچھ ملول ہوئی ہوں۔ انکو یہ خیال ہوا ہو کہ غلام بھی مجھے اپنے قابل نہ سمجھا۔ آنحضرتؐ نے انکی تسکین کے لیے خود اپنی زوجیت میں انکو لینا چاہا۔ اور زید ہی کی معرفت پیغام نکاح بھی بھیجا۔ حضرت زینب کے پہلے نکاح میں آیت قرآنی نازل ہوئی تھی۔ انھوں نے ایک شان بے اعتنائی سے فرمایا یا اقتصاد فرط غم سے یہ کہہ کہ جیسا خدا حکم دے گا کیا جائے گا۔ کیا عجب کہ حضرت زینب کو بھی پیغمبر خدا کے ساتھ نکاح کرنے میں وہی تامل تھا جو منافقوں کے دل میں آیت قرآنی اُترنے کے بعد بھی قائم تھا۔ اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ جب حضرت زینب کا پہلا نکاح وحی سے حضرت زید کے ساتھ ہوا تھا تو وہ دوسرے نکاح کے لیے بھی نفس قرآنی کی منتظر تھیں۔ حکم ہوا کہ ”زوجنا کما“ جیسا اور پر پوری آیت پڑھ کر بیان کیا گیا ہے۔ حضرت زینب کے یہ سمجھنے کو کافی تھا وہ نہایت مسرت سے پیغمبر خدا کی زوجیت میں داخل ہو گئیں لیکن منافقین اس پر بھی ہنستے تھے منافقوں کی شان میں تیسری آیت اس مضمون کی نازل ہوئی کہ محمد کسی کا باپ نہیں ہے یعنی یہ خیال کہ لیا لک کی بیوی سے نکاح بھیجا ہے بالکل غلط ہے یہ سب اہتمام صرف اس لیے تھا کہ اُمت محمدی کی نکاح کی حقیقت معلوم رہے لیکن افسوس کہ پھر بھی لوگ اسے نہیں سمجھتے۔

حضرت زینب بنت خذیمہ بھی آنحضرتؐ کی ازواج مسلمات سے ہیں۔ پہلے انکی کئی نکاح ہو چکے تھے۔ بعد میں نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ کا نکاح اسنے پانچواں تھا۔ حضرت میمونہؓ کی نسبت بھی مشہور ہے کہ آنحضرتؐ سے نکاح تیسرا یا پانچواں نکاح تھا۔ حضرت جویریہؓ جب آنحضرتؐ کے نکاح میں آئیں اسوقت انکا پہلا شوہر چکا تھا آنحضرتؐ کے ساتھ انکا دوسرا نکاح تھا۔

حضرت صفیہؓ کا نکاح آنحضرتؐ کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔

ایک اعتراض یہ ہے کہ یہ کیا جانا ہے کہ وہ شہوت پرست تھے انکو اتنی بہت سی بیبیوں کی کیا ضرورت تھی۔ شہوت پرست ہونے کی نسبت تو یہ کہنا کافی ہے کہ آپؐ کبھی زنا سے منہم نہ ہوئے۔ پچیس برس تک آپؐ نے کسی عورت سے قربت نہ کی اور عین شباب کو شتراسنی برس کے بڑھوں کی طرح کاٹا۔ اسکے بعد شاہی بھی کی تو اپنے سے زیادہ سن الی عورت سے کی ۴۵ برس کے بعد آپؐ نے عقد نکاح کرنے شروع کیے۔ مرتے دم سات بیبیان موجود تھیں لیکن ان بیبیوں میں بجز حضرت عائشہؓ کے اور کسی بکر سے آپؐ نے عقد نہیں کیا براہِ بیواؤں ہی سے عقد کیا۔ سب سے زیادہ آپؐ عائشہؓ کو چاہتے تھے لیکن ساتھ ہی عدل کا بھی خیال رکھتے تھے۔ ان عورتوں کا بڑھنا گویا حضرت عائشہؓ ایسی پیاری بی بی کی ملاقات میں فرق ڈالنا تھا اور اسلئے یہ قیاس کہ یہ عورتیں لطیف بڑھانے کے لیے عقد نکاح میں لائی گئیں بالکل قائم نہیں ہوتا جس فقر و فاقہ سے آپؐ بسر کرتے تھے وہ اظہر من الشمس ہو نہ آپؐ کی زوجات کے گھر درست تھے نہ آپؐ کے پاس کوئی اور سامان عیش و نشاط کا تھا۔ کیا شہوت پرستی کے ہی نشان ہیں کہ شہنشاہِ گھر میں بند کر کے اُنکے ساتھ چٹائی چھڑے کی کھال پر سو یا جائے اور فقر و فاقہ سے ٹبر کی جائے؟ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر اتنی بہت سی بیبیوں کے بڑھانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب تھوڑے عرصے کے بعد بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے۔ آنحضرتؐ قانونِ ربانی جاری کرنے آئے تھے۔ قرآن تو گویا ایک اصول کی کتاب ہے۔ فقہ کے مسئلے حدیث کو قرآن کے ساتھ ملا کر پیدا کیے گئے ہیں۔ حدیث نقل کرنے کے ذریعے تھے اصحاب۔ غیر عورتوں سے محبت و کھانا مناسب نہ تھی اور جو باتیں فقہ کی عورتوں کے متعلق ہیں وہ مردوں کے سامنے

ہے اپنے

اور زید

نازل

بہ کساکہ

تہ نکاح

سہ بھی

فی سے

شتر ستر

نیک کے

نیکین

کی نازل

ح بیجا

ح حقیقت

دیکھ گئی

دیکھ گئی

دیکھ گئی

دیکھ گئی

دیکھ گئی

دیکھ گئی

دیکھ گئی

دیکھ گئی

دیکھ گئی

دیکھ گئی

بیان کرنے کی نہیں تھیں اور نہ مردوں کے پوچھنے کی تھیں۔ یہی باعث تھا کہ اتنی بہت سی عورتیں آنحضرتؐ کے پاس تھیں جنکی بدولت آج سیف۔ انھاس۔ طہارت وغیرہ کے مسئلہ اور نیز بہت سی غیبی باتیں ازواجِ مطہرات سے دوسری مسلمان عورتوں کو معلوم ہوئیں اور پھر انکے ذریعہ سے عام مسلمانوں میں پھیلیں۔ ایک یہ غرض بھی تھی کہ لوگ بیواؤں سے عقد کرنا عیسیت سمجھیں بکر کے ساتھ نکاح کرنا ہر زمانہ میں انسانی طبیعت کا مقتضار ہی ہے نیز خدا نے چاہا کہ لوگوں میں بیواؤں کے عقد ثانی کی تحریکوں سے نفل سے پیدا کریں۔ باوجود اسکے آنحضرتؐ کے بعد ہی ایران میں ازواجِ بیوہ مکمل اگرچہ جوہرست کا مقلد جاری ہوا۔ اور پھر ہندوستان میں اگر تو بیواؤں سے عقد کرنا بند ہی ہو گیا۔ اگرچہ پھر صاحب کی سنتِ نبویؐ تو شاید شرعی تحریم بھی قائم کر لی جاتی غلط مشورہ ہے کہ ہند کے مسلمان اپنی بیوہ ہنوں اور بیوہ لڑکیوں کا عقد نہیں کرتے وہ خوشی سے کریں لیکن کوئی منکر بھی کرے کیا وہی دہی کرتے پھرین خدا نگاروں کے سر نہ ٹھہر دین بچا کر کیا کریں؟ بیواؤں کے ساتھ شادی کرنے میں تو لوگ خود رکتے ہیں اور مشورہ یہ کر رکھا ہے کہ بیوہ لڑکیوں کے ساتھ بیاہنے پر انکے اولیاء رضی نہیں ہوتے چھوٹی چھوٹی حیثیت کے آدمی بھی اپنے لیے بکر ہی تلاش کرتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ شاہ دارین محمد مصطفیٰؐ کے عقد میں سب سے حضرت عائشہؓ کے تمام بیوائیں ہی تھیں ایک ملکی مصالحت بھی ان بیاہوں میں شامل تھی وہ یہ کہ مختلف قبیلوں میں شادی کرنے سے آنحضرتؐ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کے جان نثاروں کا گروہ بڑھ جائیگا۔ اُس وقت کے دستور کے مطابق ایسا خیال ایک ملکی مسئلہ تھا اور بڑے مصالح پر مبنی تھا۔

فصل چہل و پچاسم

عدالتی کارروائی

(عہدہ تشفی)

مسلمانوں میں شرعی قضا خدائے تعالیٰ کی طرف سے اور ان کے بعد خلفاء اور اجداد کی اور دنیاوی احکام برائے تعلیم کرتے تھے۔ ناز پر جانتے تھے۔ بیت المال کی حفاظت کرتے تھے۔ احکام شرع بتاتے تھے ان کے اجرا اور نفاذ کے نگران رہتے تھے۔ قوی احکام بھی صادر کرتے تھے غرض کہ بہت کچھ کرتے تھے۔ بنو امیہ کے زمانہ میں یہ طریقہ جاری تھا۔ کچھ تو خلیفہ وقت کی عدیم الفرستی دودھ کسی سبب سے باعث ہوئی اور کچھ عوام کا خیال ظفار وقت کی نسبت ایسا ہوا کہ وہ تمام امور میں خود کو دارالامام رکھنا خلاف مصلحت سمجھے۔ جدا جدا عہد سے قائم ہونے لگے تو عدالتی کارروائی کے لیے قاضی القضاہ اور ان کے ماتحت قاضیوں کا تقرر ہوا اور قاضی کی مدد کے لیے مفتی مقرر کیے گئے (جیسا کہ اب یورپ میں ججوں کے ساتھ ایسیسٹ اور جوری کام کرتے ہیں) بنو عباس کے عہد میں کبھی بھی قاعدہ جاری رہا۔ علوم سے قاضیوں کو زیادہ تعلق رہتا ہے اور انسان سب برابر نہیں ہوتے اس لیے قاضیوں کی عیب جوئی کے اشارات شروع ہی سے قصہ کہنا شروع کی کہنا بدون میں پائے جاتے ہیں مگر سچ یہ ہے کہ اسلام کے زمانہ میں قاضیوں کے انتخاب میں بڑی احتیاط کی جاتی تھی بعض نفیلت کی نگہبانی بندھا یا کوئی امتحان پاس کر لیا اس عہد کا مستحق نہیں ٹھہراتا تھا۔ اس عہد کے لیے بہت سی شرطیں تھیں جو قاضیوں کے تقرر کے وقت ملحوظ رکھی جاتی تھیں۔ فقہ کی ایک چھٹی سی کتاب کنز کی عبارت کا ترجمہ ہے "چاہیے کہ قاضی بد مزاج نہ ہو، سنگدل نہ ہو، رشک اور دشمنی کرنے والا نہ ہو۔"

قاضی ایسا شخص ہونا چاہیے جسکی پرہیزگاری عقل مسلح سمجھ۔ حدیث دانی اور صحابیہ کے قول اور شریعت کی راہوں کے عالم ہونے پر اعمام ہو..... معنی کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے..... کوئی شخص قاضی کو پرہیزگاری تو قاضی اسے واپس کرے.... دعوت بھی قاضی کسی کی قبول نہ کرے خصوصاً وہ جو صرف قاضی ہی کی دعوت ہو، قاضی کی تہذیب اور خلق کی نسبت محکوم ہو، نماز جنازہ اور عیادت مرفض کے لیے قاضی کو جانا چاہیے۔ مدعی اور مدعی علیہ دونوں کو قاضی برابر بیٹھائے اور دونوں کی طرف برابر توجہ کرے اور ایک سے کان میں بات نہ کرے اور نہ اشارہ سے کچھ کہے۔ نہ کسی کو انہیں سے محبت سکھائے اور نہ کسی کو مدعو کرے۔ نہ کسی سے ہنسی کرے اور نہ گواہ کو گواہی دینے کا طریقہ سکھائے۔

قاضیوں کا انتخاب شروع شروع بڑے اہتمام سے کیا جاتا تھا مشہور ہے کہ اخیر زمانہ بنو امیہ میں امام محمد ابن مالکؒ اور شروع زمانہ بنو عباس میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ عہد قضا کے نامعلوم کرنے سے سورہ عتاب سلطانی ہوئے تھے۔ ممکن ہے کہ سلطان وقت کو محض انکی قضا قضا کی وجہ سے انکا قاضی القضاۃ مقرر کرنا مناسب معلوم ہوا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ملکی مصالح مقتضی ہوئے ہوں کہ ایک با اثر شخص کل ملازمت میں داخل ہو جانا استحکام سلطنت کا باعث ہوگا۔ ان بزرگان بن کے انکار کی وجہ یہ مشہور ہے کہ اتنا بڑا بار لین انھوں نے پسند نہ کیا لیکن ممکن ہے کہ یہ وجہ نہ ہو جو بار پیغمبر خدا اور خلفاء راشدین نے اٹھایا اسکے اٹھانے کی عزت سے گریز کرنا اعلیٰ درجہ کی حب وطنی کے خلاف ہمیں تو اسکے موافق بھی نہیں ہے میری سمجھ میں انکار کی وجہ ایک یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دربار خلافت سلاطین عجم کا رنگ پکڑ کر انھیں سید سادہ سلاطین نے خلاف دانش تصور کیا کہ سلطان وقت کے ملازم ہو کر اسکے جائز اور ناجائز احکام کی پیروی سے اپنی درع بین فرق ڈالیں یا اسے روگردانی کر کے خود کو مورد عتاب سلطان قرار دیں۔

جس طرح ہندوستان کے فاتحین اعلیٰ درجہ کے اوصاف ساتھ نہیں لائے اسی طرح
 میان کے قاضی اور مفتی بھی اعلیٰ درجہ کے اوصاف سے مصطف نہیں تھے وجہ یہ تھی کہ عربوں
 کی سلطنت یورپ اور افریقہ و ایشیا میں نابود ہونے کے بعد میان اسلام پہنچا۔ اور ہم بار بار
 ثابت کیا ہے کہ اسلام کی حالت اپنی عجائبات کے ساتھ اسی وقت تک نمود قدرت تھی
 جب تک وہ عربی النسل خلفاء کی حمایت میں تھا۔ ہم کیا تمام یورپین مورخ بھی اسے رکھتے ہیں
 اور بار بارہ میں غیور ہوں ہی کی اسے زائد سند ہو سکتی ہے۔ فاتحان ہندوستان کی کیا
 حالت تھی اسکے لیے ہند اور اہل اسلام فصل ۲ پڑھیے لیکن فاتحین ہند سے قاضیا
 ہند نسبتاً اچھے تھے اور اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ برابر قریشی النسل علماء سے منتخب کیے جاتے تھے
 قرآن و حدیث پڑھنے سے ایک خاص صلاحیت انہیں پیدا ہو جاتی تھی۔ فوجی مالی اور ملکی خدمتوں
 ترک نامارغل انجام دیتے تھے ہندو بھی ان خدمتوں پر مامور ہوتے تھے لیکن قاضیوں اور غزنین
 کا گروہ زائد تر مسلمان اور وہ بھی عرب یا عربی النسل عجمی مسلمانوں سے منتخب کیا جاتے تھے اور لوگ
 ہندوستان میں اسی طرح آتے تھے جس طرح اب سولہین انگلینڈ سے آتے ہیں فرق اتنا ہے
 کہ یہ امتحان پاس کر کے اور تقرری کا پردانہ لیکر چلتے ہیں اور وہ علم و ہنر اور قومی امتیاز کے بھرپور
 پر چلتے تھے اور آنے کے ساتھ ہی خدمتوں پر مامور ہو جاتے تھے۔ ابن بطوطہ کے سفر نامہ پر
 سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کے دربار شاہی میں کس درجہ اسکی آواہلیت ہوئی تھی اور بھر پور باہوشی
 عہدہ قاضی القضاۃ اسے دیا گیا تھا تاریخ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ محمد تغلق نے خلیفہ بغداد سے جو فتویٰ
 ترکوں کے ہاتھ میں شاہنشاہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا خطاب و رند سلطنت نہایت
 شوق سے حاصل کی۔ ہندوستان میں جتنے گھر پرانے قاضیوں کے ہیں اکثر انہیں عربی النسل
 ہیں اور جتنے عربی النسل خانہ ان ہندوستان کے مختلف حصوں میں آباد ہیں انکو کم و بیش کلیت

زمین بھی شاہوں نے عطا کی تھی اور ایسے اکثر حصہ ہند میں ملکوں سے انکی اولاد کو تعمیر کرنے
ہیں یا تھیں اور پرچھا کر کے میرا خیال ہے کہ عربی النسل علماء کو شاہان ہند مختلف حصہ ہند میں
آباد کرتے تھے جاگیریں دیتے تھے عہد سے عطا کرتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ اسلامی تہذیب
انکے ذریعہ سے پھیلے گی اور شریع اسلام سے یہ لوگوں کو واقف کریں گے اور اب حد تک
اس میں کامیابی بھی ہوئی۔ کیونکہ کئی گزری حالت میں بھی ہندوستان کی عدالتوں کا اثر نام و
صیغہ جات کے انظامات سے نسبتاً اچھا اتفاقاً ضیوں اور مفتیوں نے ان فتاویٰ سے جو
انکے بہت پہلے مدون ہو چکے تھے علانیہ طور پر کبھی گریز نہیں کیا اور حکمائے عصر نے
احکام فقہ کو جس حد تک اس میں پہلے ترقی ہو چکی تھی مستور قایم رکھا زمانہ انظام میں اس سے
زائد اور کیا امید ہو سکتی تھی۔ ہمارے بیان کے ثبوت میں قریباً گورنمنٹ کا طرز عمل یہیں کیا
جاسکتا ہے کہ ہندوستان کی عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد ۱۸۵۷ء۔ اس نے
نظامت میں مداخلت پسند زمین کی۔ تمام ضیوں کے انظام درست کرنے کے بعد آخر میں
ادھر توجہ کی صنعت سلطنت مغلیہ کے باعث جسے امراض پیشہ انہیں مسکے کم خطرات ہی
صیغہ سمجھا گیا اور ایک طبیب حاذق کے طور پر تمام دیگر امراض کے رفع کرنے کے بعد امیٹ انڈیا گئی
نے ادھر توجہ کی۔

(دوبالہ)

فید کی نزادین بانی رہنے پر سلمان بھی رہتے تھے اور غلطی ثابت ہونے پر وہ رہا بھی کرتے تھے۔
لیکن شریعہ کے زرخیز مہر معجل باضمانت کے مواخذہ میں جو کوئی قید ہوتا تھا انکی معافی کی سہولت
کی مانع نہیں ہوتی تھی۔ گویا دار کے لیے فرض لینا یا مہر معجل مقرر کر کے کسی عورت کو دھوکہ دینا
بانا داری کی حالت میں کسی کا ضامن ہونا ایک قسم کا جرم فوجداری تصور کیا جاتا تھا لیکن یہ

قانون اسی وقت مناسب تھا جب کل احکام شرع زیر عمل تھے سودی ہوا بربد تھا فرض حسہ کے لوگوں کی ضرورتیں رفع ہوتی تھیں خرید و فروخت زاید تر نقد ہوا کرتی تھی۔ اب کہ تمام تجارت ایک قسم کی قمار بازی ہو رہی ہے نہایت ہی نیک نیتی سے روزگار کیا جائے جب بھی دیوالہ نکل جاتا ہے قید کی سزا ادا کر دیوں کو دینا مناسب ہو گا۔ دیکھیے زنا کاری، فصل ۲۲ جہین ثابت کیا گیا ہے کہ احکام شرع اسی وقت بنی نوع انسانی کے مہذب کرنے والے ہو سکتے ہیں جب ان پر پورا پورا عمل کیا جائے۔ آدھا تیترا آدھا بٹیر بچا سے نفع کے فرزند ہو بچا تا ہے۔

(بجائیت)

بجائیت کے قاعدہ مسلمانوں میں ایسے ہی تھے جیسے کہ اب ہندوستان میں رائج ہیں متحجمین اپنی نزاع کے فیصلہ کے لیے جب کسی کو منتخب کرتے تھے تو حاکم ملت پر اُسے ترجیح دیتے تھے

فصل چہل و بیستم شہادت

شہادت کا قانون بھی مسلمانوں میں مثل درقوانین کے بہت ہی زائد مکمل ہے معاملات کی سادگی اور راستبازی اور قوم کی مہر دانگی اور عالی حوصلگی کے اصول پر اس کے سبب متفرع ہیں مسلمانوں پر یہ طریقہ نہیں ہے کہ فریقین کے گواہ گزین اور پھر عدالت غور کرے کہ کن کے گواہ سچے ہیں نہایت سزا نگارہ ہو کہ دو میں سے ایک یقیناً دروغ حلفی کرتا ہے اور عدالت مجبور ہے کہ جھوٹے گواہ نہیں کر سکتی اور روز بروز عوام میں دروغ حلفی ترقی کرتی ہے۔

باب جہدیم میں گواہوں کی تعداد اور ان کے متعلق احکام پورے طور سے بیان ہو چکے ہیں۔ دیوانی کے معاملات ان کے لیے بہت مختلف صورتیں ہیں مختلف حالتوں کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے گئے ہیں گواہوں کی تعداد میں کوئی کمی ہے۔ شہادت کو کس دینا جائیے

جادو یا گیارہ مختلف معاملات کے لیے مختلف طریقے جو سب حلال تھے قائم ہو گئے ہیں فقہ
کی کتاب سامنے رکھ کر تمام صدقوں کا ایک نالی نقشہ جہاں کے ذہنی عدالت قائم کی جائے تو معلوم
ہو سکتا ہے کہ اس سے اچھی صورت نوع انسانی کی حاجت باری کے لیے جہاں ناکام ہو سکتی ہے
سے قلعی ہو پیدا نہیں ہو سکتی تمام صورتوں کا بیان کرنا مضمون کی طوالت کا باعث ہوگا اب اس
شفیع کی بیان کرنے سے سمجھ میں آجائے گا کہ کیسی شہری حالت مسائل شرعیہ کی ہے۔
(شفیعہ)

مسئلہ شرع یہ ہو کہ اگر کوئی ایسا مکان فروخت کرے تو مکان کے شریک یا پڑوسی کو یا
اس شخص کو جو اس میں شریک ہو جو مکان میں ہے تک جانی ہو یہ حق ہو تا ہے کہ جتنا وہ پیشتری نے دیا ہے
اسنا ہی دیکر خود وہ مکان لے لے اس حق کو جو شفیعہ کہتے ہیں پیغمبر خدا کی حدیث سے یہ حق مسلمانوں
میں قائم ہوا۔ ظاہر ہو کر نیک نیتی اور صفائی سے اس حق کا نفاذ کیا جائے تو بے انتہا آسائش کے ذریعہ
اس سے تمدنی حالت میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ قانون اسلام کی خصوصیات سے ہے۔ زمین
اور زمین پر قانون نہیں تھا اب جہاں ہر مسلمانوں سے خود ہو لیکن اگر بد نیتی سے اس کا نفاذ کیا جائے
تو اس سے زائد تر مضر اور آزادی کا روکنے والا کوئی دوسرا قانون نہیں ہو سکتا۔ بشرعی عقول
بد نیتی کی روک تھام کے لیے اس کے متعلق شہادت میں ذرا سختی قائم کی ہو اور وہ سختی سب سے خود
نہایت سادہ اور سیدھے طریقہ پر مبنی ہو یعنی شفیعہ کے لیے یہ حکم ہے کہ جب وہ عدالت میں آئے
تو حلف سے کہے کہ جی کی خبر سننے کے ساتھ ہی میں نے اپنی رائے خریداری کی بابت قائم
کی تھی اگر کسی وجہ سے خود حلف لینے کے لیے نہ آ سکے تو اس کو گواہوں کے ذریعہ سے مبنی
ثابت کر سکتا ہے اول وجہ تو یہ ہوا اور دوسرا وجہ یہ ہو کہ بھر وہ گواہوں سے ثابت کرے کہ محض یہ قائم
کر لینے پر کوئی نہیں ہوا بلکہ شہری کے پاس یا شہر میں کسی پاس ہو چکر خود ایسا ارادہ ڈالو گواہوں کے سامنے

ظاہر کو دیا۔ یہ سادہ سادہ مسائل ہیں اور ان کا نام طلب موثبت اور طلب اشتہاد رکھا گیا ہے۔
اب دو فنون لفظوں اور ان کے مفہوم کے سمجھنے میں اس قدر غلطیاں ہوئیں کہ ان مسائل کے مصالح
نظر انداز ہو گئے اور ان امور کا گواہوں سے کہلانا ایک قسم کی رسم کا ادراک نہ سمجھا گیا اور یہ ظاہر ہے
کہ حق شفیع سے اگر طلب موثبت اور طلب اشتہاد نکال ڈالے تو حق شفیع بجا سے تمدنی حالت
درست کرنے کے اس کا مخرب ثابت ہوتا ہے بڑی پورا دام نہیں دیتا اختیار شفیع سے ڈرنے
ہیں نیچے والا مبتلا سے عذاب ہے اگر کسی نے دل کڑا کر کے خرید بھی لیا تو ایک سال تک نہ
اپنی حالت غیر محفوظ پاتا ہے سال بھر میں حالتیں بدل جاتی ہیں ارادوں میں انقلاب پیدا
ہوتا ہے۔ سال کے ختم پر ایک ایسے شخص نے دعویٰ شفیع کا ارادہ کیا جو شروع سال میں گداگری
پر بسر کرتا تھا۔ استطاعت خریداری بالکل نہیں رکھتا تھا دیکھیے خریدار کے لیے کتنی بڑی رحمت کا
سامنا ہوا غرض کہ عدالتی کارروائیوں میں بھی بڑے بڑے مصالح اور نکات ہیں جن سے وقف
ہونے اور اپنے پورا غور کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ شرع محمدی نے اپنے دلوں میں بہت کچھ
آسائش مندگان خدا کو پہنچائی ہے لیکن یہ بھی واضح رہے جبکہ کہ میں بار بار کہہ چکا ہوں اور ابھر
کتا ہوں کہ شرع محمدی تمام اصول کے ساتھ متعلق کی جائے جب ہی اطمینان آسائش ہے
در نہ نہیں۔ مثلاً اسی مقام پر سمجھیے کہ جہاں شرع محمدی کا مسئلہ شفیع رواج ہو کہ متعلق کیا جاتا
ہے اور طلب موثبت اور طلب اشتہاد کا خیال نہیں ہوتا وہاں مسئلہ شفیع سے تمدنی حالت
میں بجا سے بہبودی کے اتری پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔

(مفقود الخیر)

مفقود الخیر کی نسبت احکام شرع نہایت اچھے ہیں کہ اس کی جائداد کے انتظام کے لیے
اس کے مردہ بقصور کر لیتے ہیں اور دیگر امور کی نسبت اس سے ایک زمانہ میں تک زندہ مانتے ہیں

زمانہ انظارِ خفییون کے نزدیک بیشک بہت زائد ہے جو بسا اوقات نامناسب وقفہ کہا جاتا ہے لیکن اور ایک کے نزدیک اس سے بہت کم زمانہ رکھا گیا ہو اور اوسط حساب کے کم و بیش وہی ہوتا ہے جو انگریزی قانون میں عین ہر لینے آٹھ سال اور بعض ایئر نے تو اس سے بھی کم زمانہ رکھا ہے۔ امام مالک نے چار برس کی مدت رکھ کر عورتوں کے حقوق کی نگہداشت کی ہو اور فقہ و الجبر کی بی بی کو یہ حق دیا ہو کہ اس کے بعد وہ قاضی سے افتراق کا حکم صادر کرائے۔

باب پنجم

حقایق مذہبی اور علمی مباحث

فصل چیل و ششم

حقیقت اسلام

کوئی سمجھے تو دنیا کی ہر ایک چیز منونہ قدرت ہو اور سوچے تو ہر ذرہ سے صنعت کردگار ہوتا ہے۔ کن کن چیزوں کا نام لیا جائے۔ آفتاب۔ مہتاب۔ ستارے۔ زمین۔ ابر و باران۔ پہاڑ۔ آگ۔ پانی۔ ہوا۔ مٹی۔ حیوانات۔ نباتات۔ جمادات وغیرہ ہر ایک بحال خود تماشہ۔ اور سب سے خود ذریعہ معرفت ہے۔ ان کو آنکھوں سے دیکھنے والے تو سب ہی ہیں لیکن غور کرنے والے کم ہیں۔

مثلاً تیسرے موسم کہ وہ خود ایک تماشہ ہے۔ ابھی گرمی تھی سارا جسم ٹھکا جاتا تھا۔ کہ دفعتاً ہوا چلی۔ ابر گرا۔ مینہ برسنے لگا۔ زمین سے آسمان تک کرہ نارتھا اور دوا ایک منٹ میں طبقہ نہر ہو گیا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھوکے چلے آتے ہیں۔ زمین سطح آب کی طرح پدید ہو رہی تھی

کہ نباتات نے زمین سے اپنا سر نکالا۔ پوتے ہوئے بیج دو ہی چار روز میں جم گئے۔
سبزہ زمر دین سے تمام زمین بھر گئی۔ درختوں میں بھی نئی نئی کوہنیں نکلیں۔ جاڑے سبز
ہیں کہ تمام درخت اکڑے ہوئے کھڑے ہیں۔

برگ درختان سبز نظر ہو شمار ہر درختے دفترے است معرفت کو لا

برسات کے موسم جانے پر جاڑے کا موسم شروع ہوا اور جاڑے کے چھ گرہیں آئیں

جاڑوں میں جو چیزیں انسان کو بیماری تھیں وہ گرہوں میں بیکار ہو کر خود بخود نظروں سے
گر گئیں۔ برسات میں یہ سمجھا گیا تھا کہ پانی نباتات کی جان ہے۔ جاڑے کی شب شبنم کی

وجہ سے نصف برسات ہے۔ لیکن پھر بھی سبزہ زار زندگی سے ناخوش ہے اور اپنی صوبت
سے ہزار ہے۔ درختوں کے پتے گر گئے ہیں۔ سوکھی شبنم کھڑی موسم بہار پر ماتم کر رہی
ہیں یا آئندہ بہار کے خیر مقدم کے لیے برہنہ تن خواہگاؤ سے دھڑی چلی آئی ہیں۔

جاڑوں میں تو کچھ شبنم کا آسرا تھا اب چیت کی ہوائ نے اسے بھی الگ کیا۔ زمین جیسی

دن کو خشک دیسی ہی رات کو بھی خشک۔ بچھا ہوائ نے سطح زمین کو سوکھی راکھ سے مشابہ

بنا دیا ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ سبزہ زار برہنہ دیکھنے میں نہ آئے گا کہ دھنسا قیر موسم نے

اپنا زور دکھایا۔ موسم برسات سے بھی کمین زیادہ خوشنما حالت میں سردیوں پر پھولوں کے

تاج رکھے ہوئے نئی پتیاں نمودار ہوئیں دنیا کے انعکاسات کا نظاہر ایک سبب ہے بلکہ

وہ سبب محض تسکین قلب کے لیے ہے نہ کوئی کلیہ ہے اور نہ کوئی محین قاعدہ ہے

جو حالت پیدا ہوتی ہے انسان اس کے لیے کوئی رائے قائم ہی کر لیتا ہے اور اس جھوٹ

نوٹ کی رائے زنی کو وہ انتہا سے علم یا کمال دانش تصور کرتا ہے۔ لیکن جو جتنا ہی سچا

ہے وہ اتنا ہی مسالمت دنیا میں اپنی رائے کو ناقض اور عقل کو ناکافی محض سمجھتا ہے

شبنم
فہ
کھا
سب
نے تو
رق کی
کا حکم
کر دگار
اروہا
بحال
سب ہی
فقا ہوا
بقہ نظر
ہو رہی تھی

بیشک خدا نے ہر ایک چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے اور اسی کو تقدیر کہتے ہیں لیکن ہم نہیں سمجھتے
 علم طب کے پڑھنے والے اور علم فشریح کے جاننے والے ہیٹ کے دھندے
 سے فرصت نہیں پاتے ورنہ صنعت کردگار کے معائنہ سے دیوانہ بن جائیں۔ انسان پیدا
 ہوا۔ بڑھا۔ جوان ہوا۔ بوڑھا ہوا۔ کمزور ہوا اور مر گیا۔ اور کبھی چلتے چلتے گرا اور قبل از وقت
 مر گیا اس دوران میں اسکی حالت میں بے انتہا تغیرات ہوتے ہیں جنہیں سے اکثر
 اُسے خود محسوس نہیں ہوتے۔ خود اسکی ترکیب جسم کے متعلق ایسے ایسے راز اور ایسی
 ایسی حکمتیں ہیں کہ تمام دنیا کا علم حاصل ہونے پر بھی انسان خود کو پہچان نہیں سکتا۔ اور نہ اپنے
 جسم کی ماہیتوں کا مدرک کامل بن سکتا۔ اللہ اللہ کچھ ٹھکانا ہے جس طرح آگ کے تل میں
 تمام عالم سایا ہوا ہے۔ اسی طرح انسان جزو ضعیف تمام قدرت کا ایک خلاصہ ہے۔ یا
 دوسرے معنوں میں کیسے تو قادر مطلق کی بے انتہا صنعتوں کا ایک ادنیٰ نمونہ یا باغ
 عالم کا ایک ادنیٰ شگوفہ ہے۔

بہر حال انتظام عالم پر غور کیا جائے خود اپنے وجود اور ترکیب جسم پر لحاظ کیا جائے
 دنیا کے انقلابات اور عالم کے موجودات پر بخور نظر ڈالی جائے تو ان تمام چیزوں میں
 کم سے کم ایک قوت کا ادراک تو ہر فرد بشر کو ہوگا اور یہ معلوم ہوگا کہ اُسی قوت سے
 چیزوں کا وجود قائم ہے۔ پھر اس وجود کے اسباب پر غور کیا جائے تو ہر ایک اپنے
 بندار کے مطابق کچھ نہ کچھ فرد سمجھ لے گا۔ سوچنے والے ذرا بھی سوچیں تو ان قوتوں
 کو خدا جدا خالق ماننے کی جرأت نہ کریں گے اور نہ یہ کہہ سکیں گے کہ یہ اسباب باہم
 ایک دوسرے سے بے تعلق ہیں۔ اب یہ قوتیں حیثیت مجموعی یا یہ اسباب بہ شکل
 واحد کسی قوت یا سبب پر خواہ مخواہ منہی ہونگے۔ بس اسی علت اعلیٰ کامل سلام الم یا خالق

سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی ذات واحد کو مختلف اعتبارات سے قادر مطلق - رب - رحیم - رزاق وغیرہ وغیرہ پیارے ناموں سے پکارتے ہیں۔

اسلام پہلے یہ سکھاتا ہے کہ مختلف قوتوں کو تم اللہ نہ کہو اور نہ مختلف اسباب کو خالق سمجھو یہ ضرور ماننا ہے کہ اللہ نے ہر چیز کے عدم یا وجود کے لیے اسباب بنا رکھے ہیں معمولی طور پر ان اسباب کے خلاف نہیں ہوتا۔ ان اسباب پر غور کرنا انسان پر فرض ہے بلکہ ایک قسم کی عبادت یہ بھی ہے۔ لیکن اسلام تسلیم نہیں کر سکتا کہ خالق مطلق نے عالم کو پیدا کر کے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ دنیا کا گورکھ دھندھا بنا کر وہ خود وجود مطلق بن بیٹھا ہے۔ یہ کہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ وہ اسباب سے قطع نظر کے ہر وقت اپنے اختیارات سے کونافذ کرتا رہے۔ علم اور تجربہ کہتا ہے کہ خدا ایسا نہیں کرنا۔ لیکن یہ کہنا کہ وہ چاہے جب بھی چاہے کر سکتا۔ چھوٹا سندھ بڑی بات ہے۔

خدا کو واحد اور قادر مطلق ماننے میں جو مصلحت ہے اُسے یوں سمجھ سکتے ہیں کہ دنیا میں جتنی باتیں وقوع پذیر ہوتی ہیں اُنکے لیے ایک ایک سبب ضرور ہوتا ہے۔ سبب یا قوا ایسا ہے کہ انسان اس کو باہمی النظر میں یا ذرا غور کے بعد سمجھ جاتا ہے۔ یا ایسا ہے کہ انسانی عقل اُسکے ادراک سے قاصر ہے۔ آخر الذکر صورت میں ایسا وقت انسانی کمزوری مگر ہی کی طرف منجر ہوتی ہے۔ مثلاً بیماری کی حالت میں طبیب کے پاس جانا۔ عطار سے دوا مانگنا۔ حجام کی خوشامد کرنا یا بیہوشی ہے کیونکہ دنیا والا اسباب ہے اسباب کا محتاج بننا گویا قانون قدرت کے بالکل موافق ہونا ہے لیکن بیماری کو خطرناک سمجھ کر اسباب ظاہر سے چشم پوشی کی جائے اور کسی جاہل کے کہنے سے بیمار اپنے جسم کے برابر دھاگنا پ کو پھیل کے درخت میں لپیٹ آئے اور ایسے رکھے کہ پھیل

پیش رفت
ہرگز نہ
ہند
سان پیدا
وقت
سے اکثر
و ایسی
اور نہ اپنے
مل میں
ہے۔ یا
مونا یا باغ
لا کیا جائے
یوں میں
سے
پ اپنے
ن وقت
ب باہم
ب شکل
م الہ یا فانی

شفا بخشنے میں اپنا اثر دکھائے گا تو یہ عقلاً بہت عجیب سبب ہے اور اسلام اسکو شرک بتاتا ہے اور صاف صاف کہتا ہے کہ "انھیں کم فہمین کے مٹانے کے لیے میں ضروری سمجھا گیا ہوں" یعنی اسباب ظاہر نہ ہوتے ہوئے کسی شیء کو جو جبہ قادر مطلق مان لیت قادر مطلق کی قوت سے انکار کرنا ہے اور اسی کو اصطلاح شرع میں کفر کہتے ہیں یا ایسی ہی حالت میں کسی کو اللہ کا سہمی سمجھ لینا شرعی اصطلاح میں شرک کہلاتا ہے اور یہ کفر و شرک دونوں ہی انسانی کے لیے بجز ہر ہر میں جس طرح عالم اسباب ظاہر میں بسا اوقات حاکم وقت کی اطاعت لازم ٹھہرتی ہے اور بغیر اسکے انسان کو آرام میسر نہیں آسکتا ویسے ہی اسباب مخفیہ میں ایک قوت (اللہ کو قادر مطلق ماننا - صبر قناعت - دلجمعی - قوت دل اور مضبوطی خیالات کا سبب ہوتا ہے اور تجربہ کہتا ہے کہ بغیر ان باتوں کے سچی خوشی جسکی احتیاج سے کوئی بے نیاز نہیں ہو سکتا کسی طرح حاصل نہیں ہوتی - جس طرح کئی خدا کے ماننے میں انسان کے خیالات میں پریشانی پیدا ہوتی ہے - اسی طرح تمککے انکار کرنے سے بھی دل میں کمزوری اور بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے سب کو خود سے بڑا سمجھنے سے جس طرح دل بے انتہا کمزور ہو جاتا ہے اسی طرح کسی کو خود سے بڑا نہ سمجھنے سے دل بے انتہا زبردست ہو جاتا ہے اور یہ دونوں حالتیں انسان کے حسن معاشرت و حسن تمدن پر بڑا اثر رکھتی ہیں - اعتدال کی حالت یہ ہے کہ انسان صرف ایک خدا کا قائل ہو کسی سے نہ ڈرے مردانہ معاملات دنیا میں کوشش کرے - کامیابی کی صورت میں خدا کا شکر کرے کہ سخت پیدا نہ ہوا و نا کامی کی حالت میں یہ سمجھے کہ اسی غنی والا تمام من اللہ - اپنے مقدر نے نہ چاہا نہ کام ہوا - آئندہ بھر کوشش کی جائے گی - خدا سے نا امید نہ ہونا چاہیئے - انھیں صفت دل

حیالات سے دنیا میں موجد قومین ہمیشہ خوشحال اور سرسبز رہتی ہیں اور اسی لیے اس اعتدال کی تعلیم اسلام نے بھی کی ہے۔

”اللہ ایک ہے“ (لا الہ الا اللہ) اسکا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ ذاتین اللہ نہیں ہیں بلکہ اسکو یوں سمجھنا چاہیے کہ دنیا میں جنی بائین ہوئیں۔ ہو رہی ہیں یا ہونگی ان سب کا سبب صرف وہ قوت ہے جسکو مسلمان اللہ کہتے ہیں اور چونکہ یہی قوت با اسی سبب ہے جہاں تمام قوتیں یا اسباب منتہی ہوئے ہیں اس لیے اس قوت یا سبب کا قادر مطلق ہونا لازم ہے اور کسی کو قادر مطلق نہیں کہہ سکتے جب تک اس کے شریک یا ہمسر کا وجود متعین نہ ہو۔

خدا کا شریک کوئی دوسرا شریک یا جادوے تو خدا کو تکلیف نہیں ہوتی اور نہ خدا کو کوئی رنج پہونچتا ہے جب اسکے وجود سے انکار کیا جاتا ہے۔ وہ ان باتوں سے بے نیاز ہے۔ یہ باتیں شرع محمدی میں اس لیے ممنوع ہیں کہ خدائے انسان کو ان باتوں سے بالآخر اذیت پہونچتی ہے۔

صفحہ سے لا الہ الا اللہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تمام امور دنیاوی میں اللہ ہی سبب سمجھا جائے۔ خدا کی عظمت اور جلالت کسی حالت میں کم نہ ہو۔ عملی طور پر یہ دکھایا جائے کہ کھمہ گو کے دل سے کسی انسان یا حیوان کا خوف یا دنیاوی طمع اللہ کے قادر مطلق ہونے کے علم اور یقین کو ذرا بھی کم ہونے نہیں دیتی۔ مسلمان کسی سے ڈرتا ہے تو صرف اسی حالت میں کہ وہ ڈرنے کو اپنے اوپر شرعاً فرض جانتا ہے۔ بجا خواشاں بموقع چاہو یا ناروا تمامی یہ ہرگز اہل اسلام کا شعار نہیں ہو۔ اسلام جو شجاعت تعلیم کرتا ہے اسکا اقتضا یہ ہے کہ اگر لا تغوا بایہدیکم الی التسلکۃ قرآن میں نہ آتا تو اہل اسلام بوقت ضرورت سنا

ہاتھ سے پکڑ لیتے۔ شیر کے منہ میں کلائی ڈال دیتے یا دریا میں کود پڑنے میں بھی دریغ نہ کرتے۔
 غرض کہ سدا ان کی شان سے ہو کہ وہ اللہ کو ہر دم حاضر اور ناظر سمجھیں اور یہی ان تمام
 ترقیوں اور کاموں کی جڑ ہے جو پچھلے مسلمانوں کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔
 دینداروں کے نزدیک تحصیل دار مالگزاری خدا سے حلقہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن محتاج
 تحصیل کے لئے کوئی چھوٹا سا مجسٹریٹ ضلع یا کمشنر قسمت آجائے تب دیکھیے کہ تحصیل
 ہے کہ وہ فیچر اسی کی وقعت بھی عوام کی نظروں میں نہیں رکھتا۔ تھوڑی دیر کے لئے
 اسکی حالت بدل جاتی ہے۔ مشعل کے آگے چرخان روشنیاں ذلیل ہوئے بغیر نہیں
 رہتی۔ دن میں سورج کے سامنے شعل کی کیا مجال کہ اپنی روشنی پھیلا سکے
 ضرب المثل ہے کہ نقار خانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ بس وہیں سمجھنا چاہیے
 کہ اللہ کو پورے یقین کے ساتھ حاضر و ناظر اور قادر مطلق جاننے والوں کو پھر کوئی
 دوسری شے قابل لحاظ نہیں معلوم ہوتی۔ ایسے لوگ نہ خوفِ بجا کو قریب آنے
 دیتے نہ کسی چیز کی طمع دل میں رکھتے۔ جھوٹ۔ چوری۔ زنا۔ غیبت۔ کبر۔ لالچ۔ بغض
 حسد وغیرہ اخلاق مذموم اسنے اس طرح فدا کر دیتے ہیں جس طرح تاریکی شب سے
 نور اور حرارت آفتاب سے شبیہ منہ سے۔ موجد بنیاد تو آسان ہے لیکن دل سے
 اور یقین سے موجد ہونا دشوار مشکل ہے اور اس زمانہ میں تو بہت ہی مشکل ہے۔ اسلام
 یہ سمجھایا ہے کہ کافر کلمہ پڑھنے سے ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا وہ آج مان کے پیٹ سے نکلا۔
 توحید زبانی کوئی چیز نہیں ہے۔ مان سچے دل سے اگر مانی جائے تو آدمی کی ماہیت
 اس سے بدل جاتی ہے۔ مناسب جس طرح کچیل سے نکل کر نئی حالت پیدا کرتا ہے
 اسی طرح انسان بھی موجد بننے سے ایک نئی دنیا میں آ جاتا ہے۔ اس توحید سے

کچھ ایسے خیالات حمیدہ اور عقاید پیدا ہوتے ہیں کہ انسان اپنی پہلی حالت سے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتا ہے۔ اسلام نے اپنا جلوہ دکھایا نہیں کہ جن جاتا رہا بہت بڑ گئی۔ دل و دماغ میں قوت آگئی۔ خیالات میں تازگی اور شادابی پیدا ہوئی۔ حق اور باطل میں تمیز ہونے لگی۔ تاریکی خیالات زایل ہوئی۔ مختصر یہ کہ اسلام سے دفعتاً فوجیت ہی بدل گئی۔ کسی گاؤں کے دو بھائیوں سے ایک کاشتکاری کے کام میں گھر پر چھوڑ دیا جائے اور چھوڑ کر کسیرج یونیورسٹی میں تسلیم پانے کے لیے انگلینڈ بھیج دیا جائے۔ اب آٹھ دس برس کے بعد چھوڑا بھائی اپنے گھر واپس آئے تو ظاہر ہے کہ جسے بھائی کو چھوڑے سے کوئی نسبت نہ ہوگی۔ انگلینڈ کی تعلیم اور تربیت پچھلے لڑکے پر کچھ ایسا اثر ڈال دے گی کہ اسکی فطرت ہی بدلی ہوئی نظر آئے گی۔ اس سے کمین زیادہ حیرت افزا ترقی تھی جو ابتداء اسلام کی بدولت آنا فنا عرب اور اسکے گرد و نواح کے باشندوں کو حاصل ہوئی۔ مسلمانوں کی صحبت نصیب ہوتے ہی تمام باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہو جاتا تھا۔ سبب صرف یہ تھا کہ پیغمبر خدا کے اثر صحبت سے لوگ توحید کے سنی سمجھتے تھے اور اس پر دل سے یقین کرتے تھے اور بے تکلف اس قابل تھے کہ اپنے یقین کو فیض صحبت سے دوسروں کی طرف منتقل کر سکیں۔

(رسالت)

”تصدیق رسالت کے ساتھ تمہ سے مکر توحید کہنا اور دل سے اُسیر یقین کرنا اہل اسلام کے لیے کافی ہے“ یہ تو ایک مسلم بات ہوئی۔ اب گفتگو یہ ہے کہ یقین یا تصدیق بالقلب کیا شے ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ جو شخص بغیر افعال بڑے بڑے سماجی کا

دشمن
ی درجہ نہ کر
ن تمام
ہیں -
لیکن سنا
بھی کہ تحصیل
یر کے لیے
بہ نہیں
یلا کے
ن سمجھا جائے
چہ کوئی
ب آنے
لج نہیں
شب سے
سے
اسلام
سے نکلا
ہیت
پیدا کرنا
توحید

مترکب ہو وہ ہرگز مومن نہیں ہے اور محبت یہ کی ہے کہ خدا کو سچے دل سے حاضر اور
 ناظر جاننے والا یاد دل کی آنکھ سے اُسکا دکھنے والا از نکاب جہاں ہم کہہ رہے ہیں نہیں سکتا اگر کسی
 فوری اثر یا دیوانہ وار جوش کی وجہ سے وہ جاوہ اعتدال سے کبھی بھر بھی گیا تو خدا کا
 خیال اُسے بھر اپنی اصلی حالت پر ضرور کھینچ لائے گا۔ اسی بازگشت کو اصطلاح
 شرع میں توبہ کہتے ہیں ایک شخص مُنہ سے تو کلمہ پڑھتا ہے لیکن اُسکے افعال بالکل
 مسلمانوں کے سے نہیں ہیں اگر یہ مسلمان ہے تو پیغمبر کے زمانہ میں منافق کسکو
 کہتے تھے۔ منافق دو تھے جو خوف۔ طمع یا مصلحت سے کلمہ تو پڑھ لیتے تھے لیکن
 اُنکے دلوں میں کچھ بھی اسلام کا خیال نہ تھا۔ اب زمانہ حال کے مسلمان اپنی طبیعتوں
 پر غور کریں کہ وہ کلمہ گو محض اس لیے ہیں کہ اُنکے باپ دادا یا کتبے نامتے والے
 اکلمہ گو تھے یہ بھی اُنکی تقلید کرنے لگے یا کہ وہ خود اس طرح توحید کے دلدادہ ہیں کہ
 اگر مسلمان گھرانے میں پیدا نہ ہوتے جب بھی توحید کی محبت اُنہیں اسلام کی طرف
 ضرور کھینچ لاتی۔ اب ہر شخص بطور خود فیصلہ کرے کہ اُسکے اسلام کی نوعیت کیا ہے
 یہاں اس زمانہ کے اسلام پر کوئی مکچور دینا نہیں ہے۔ لیکن اس قدر کفایت ہے
 بموقع نہیں ہے کہ زمانہ گزشتہ کی حالت کچھ ہی ہو اس زمانہ میں مُنہ سے کلمہ
 پڑھ لینا مسلمان ہونے کے لیے ہرگز کافی نہیں ہے۔ وہ زمانہ اُنہیں زمانہ دلوں
 کے ساتھ گیا کہ ادھر کلمہ پڑھا ادھر فیضِ صحبت نے کلمہ کا مفہوم دل پر کاغذ فی الجہر
 کندہ کر دیا اور تصدیق خود بخود حاصل ہو گئی۔ اب تو یہ حالت ہو کہ ہم خود ہی مسلمان
 نہیں ہیں دوسروں کو کیا مسلمان کریں گے۔ ہم خود راہ بھولے ہیں۔ دوسروں کو کیا
 راہ بتائیں گے۔ کئی صدی پہلے سے ”مسلمانان درگور و مسلمانان در کتاب“ کہا

جاتا تھا۔ اب تو اس مقولہ کے سمجھنے والے بچے مفقود ہو گئے جاتے ہیں۔ یہاں موجودہ اسلام کی فنیجیک مقصود نہیں ہے لیکن مصلحتی لکھنا ناگزیر ہو گیا کہ اس کتاب میں حالت اسلام اس طرح لکھی جاتی ہے کہ اُس کے پڑھنے کے بعد مسلمان تمام بنی نوع انسانی میں اشراف اور افضل دکھائی دیں اور اُن کے طریقے سب کے طریقوں سے اعلیٰ اور اکمل معلوم ہوں۔ اور گو با اسلام نعمت خدا معلوم ہو۔ اس کتاب کی لمبی چوڑی داستانیں پڑھنے والے جب خارج میں مسلمانوں کے اطوار دیکھتے تو کہتے کہ ”اگر یہی نعمت خدا ہے تو ہم اس نعمت سے درگزر نہ کریں۔ یہ مسلمانوں ہی کو مبارک رہے“ ایسے مختصر طور پر دکھانا ناگزیر ہو گا کہ نہ حال کے مسلمان اور خصوصاً مذہب کے مسلمان بشکل اپنے کو مسلمان کہہ سکتے ہیں۔ کچھ دنوں پہلے یہاں کے مسلمان اہل اسلام کی صورت اور شکل بنا کر خیر اسلام کے فعال سمجھے جاتے تھے۔ اور اب زمانہ کے ابر بھیڑ سے وہ حاکم بھی جاتی رہی۔ اب مسلمانوں کو مسلمان کی صورت بنانے سے بھی نفرت ہے۔ اہل اسلام ہونا اور اسلام پر فرقہ ہونا کیسا جس اسلام کی غفلت اور حرکت اس کتاب میں دکھائی جاتی ہے وہ اسلام معدوم نہیں ہو اور نہ معدوم ہو سکتا ہے۔ لیکن بہت ہی خاص خاص لوگوں میں ہے اور وہ بھی اس طرح کہ بے سوسامانی کی حالت میں پڑا اپنے پڑا نے چاہنے والوں کے سوگ میں اتم کر رہا ہے اگر اسلام کا نعمت خدا ہونا عملی طور پر دیکھنا ہو تو ناظرین پچھلے مسلمانوں کے کارنامے اس کتاب کے صفحے آٹھ کر پڑھیں اور سمجھیں کہ جب تک اسلام اسلام کی طرح سمجھا گیا آئے کیسے کیسے سلوک اپنے متقدمین کے ساتھ کیے اور اپنے چاہنے والوں کو کیا سے کیا کر دیا یا انھیں کہاں سے کہاں پہونچا دیا اب بھی لوگ اس کے چاہنے والے ہیں اپنی نعمت سے وہ اُن کے ساتھ دروغ نہیں کرتا۔ لیکن دُعا کی تاخیر یا دُعا کی حالت کسی شہا میں نہیں پہونچے دل سے اس کی پیروی کریں تو معلوم ہو کہ اسلام کا خیر فیض کبھی خشک نہیں ہو سکتا اور

سے حاضر اور
سکتا اگر کسی
یا تو خدا کا
وا اصطلاح
افعالی لکل
مافق کسکو
تھے لیکن
نہ اپنی طبیعت
تے والے
ادہ ہیں کہ
لام کی طرف
ت کیا ہے
قد دیکھنا
سے کہہ
زمانہ والوں
تش فی الجبر
خود ہی مسلمان
سردن کو کیا
کتاب کہہ

نہ اس کے سچے اور حکم اصول کسی حالت اور کسی زمانہ میں نامناسب کہے جاسکتے ہیں۔ سب سے پہلے
ہمارے اخلاق درست کرنے کو ملتا رہے بشرطیکہ اس سے مناسب طور پر مدد چاہی جاوے جو نوع
الانسان کی اصلاح کے لیے اسلام سے اچھا قانون بن نہیں سکتا۔ لیکن تعجب یہ کہ خود
اہل اسلام جب چاہتے ہیں کہ اپنی حالتیں درست کریں تو غیر قوم کے بڑے قواعد کی پیروی
کرتے ہیں اسلام جس نے تمام دنیا کی اصلاح کا بیڑہ اٹھا یا تھا آج وہ پرانی سی دنیا کے گھڑوں
میں ارکان و ہونکی صحت۔ درستی سف تازہ خانہ و غیرہ چند محدود امور پر منحصر ہو رہا ہے اور اس
زمانہ کے بڑے بڑے علماء کی تنگ خیالی یہ کہہ ہی رہی کہ بعض چند ارکان میں اسلام کی تمام خوبیاں
کاغور ہے۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ آج اسلام کے عمدہ اصول پر کاربند ہونے سے یورپ کی قوم کس درجہ
نایاب حالت تکھی رہی غضب ہو کہ اہل اسلام اور وہ بھی کیسے کہ بڑے بڑے متقی جو آئین یا پستکریاں
کی صف میں بھی دیکھ کر گرنے کو تیار ہو جائیں یہ بھی نہیں جانتے کہ الیاف و عمدہ کیا شریعت۔ حاکم و شری
میں دیانت کا کیا معنی ہے۔ بدعہ دیون کا مفہوم کیا ہے۔ اور رزق حلال کسکو کہتے ہیں۔

”محمد رسول اللہ“ محمد خدا کا پیغامبر ہے۔ منہ سے تو یہ پانچ الفاظ کا جہیت ہی آسانی سے بولا جاتا ہے لیکن
اس پر عمل نہ کرنا اور اس سے بچنا اتنا آسان نہیں ہے جتنا منہ سے کہنے کا۔ ایمان کی تکمیل کے لیے وہ نہایت
کے ساتھ بھی نہ سمجھو رہی کہ آنحضرت محمد خدا کے پیغمبر ہیں یعنی جتنی باتیں آنحضرت نے سناوائی ہیں
وہ سب اللہ کی طرف سے ہیں۔ اور ایسے وہ سب حکمت سے بھری ہوئی ہیں۔ اللہ کی طرف سے ہیں
یہ سمجھنا تو عقائد اور عقین پر مبنی ہے لیکن انکا حال ہے کہ پڑھنا سوچنا اور سمجھنے کی بات ہے اور غوراؤ و فکر سے
اس عقائد اور عقین کی استوری میں بہت کچھ مدولمتی ہے یعنی جب بعد غور و فکر کے یہ معلوم ہوا کہ جو قانون
آنحضرت محمد رسول اللہ نے جاری کیا وہ تمام گوشہ موجودہ اور آئندہ توانمیں سے عقلاً و نفساً ہی تو
خود بخود تسلیم میان رہے گی کہ ایسا حکم اور لازوال قانون حکمت اور نعمت سے بھرا ہوا سو آجانی

حقیقت
عالم
خدا کا
کوئی
کا قانون
انسان
کہا جاتا
اسکا
کی بنا
یہ شخصہ
منہ
کے
لزام
لے
ہیں
ہیں
نہایت
کرامت

جہاں شمشیر
 بین - بہر
 جاو کو تو
 بہر کو خود
 کی پڑی
 کے کہند
 اور باہر
 کی تمام
 قوم کس
 یا بیکر
 حال میں
 لاکھ
 دھرت
 نے سکائی
 طرف سے
 راو فکر
 اور کو
 نفس ہو
 سو اس

عالم کے دوسرے کا بنایا ہوا ہو ہی نہیں سکتا۔ خدا کا گھر۔ خدا کی کتاب۔ خدا کا قانون۔
 خدا کا حکم ان سب میں اضافہ محض اظہارِ تخصیص کی غرض سے ہر در نہ کوئی گھر کوئی کتاب
 کوئی قانون کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو خدا کے علم و احسان سے علیحدہ ہو سکے۔ لہذا اسے خدا کا نہ سمجھا جائے۔ شریعت خدا
 کا قانون ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس قانونِ قدرت نے انتظامِ عالم قائم کیا ہے اسی کا مستفاد یہ ہے کہ
 انسان پر طاعتِ زندگی بسر کرنے میں شریعت محمدیؐ اپنی اس قانون کا پابند رہے جو قانونِ ربانی
 کہا جاتا ہے۔ قرآن "کلام اللہ" ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے جو قانونِ بندوں کے لیے بنایا
 اس کا ہمیں ذکر ہے اور اللہ نے بندوں کی تعلیم کے لیے اپنے رسولؐ پر اتارا ہے۔ لیون تو ہر چیز اللہ
 کی بنائی ہوئی ہے اور تمام چیزیں انکی اتاری ہوئی ہیں لیکن شریعت محمدیؐ قرآن کی نسبت
 یہ تخصیص نہیں بخون میں ہے جسکی توضیح اوپر کی گئی ہے۔

پیغمبرؐ کو فارم سے تعبیر کریں تو نئے خیال دے بخوبی سمجھ سکیں گے۔ تاریخ جاننے والے
 متفق ہیں کہ پیغمبرؐ سے ہمیشہ اصلاحِ حالت ہوتی رہی ہے کسی زمانہ میں کوئی قوم نہ ہی خیال
 سے خالی نہیں رہی خلقتِ آدم سے مذہبی حیالات کا وجود پایا جاتا ہے گو یا بنی نوعِ انسانی
 کے ساتھ ہی مذہب بھی پیدا ہوا عقل سے کام نہ لیتا بلکہ ظلم و خفقتِ انسانی کے ساتھ مذہب کا
 لزوم روزِازل سے ہے اور آخر کچھ اسکی وجہ سوچنا چاہیے۔ اظہارِ یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس عظمت
 نے انسان پیدا کیا ہے اسی نے انسان کی باطن زندگی بسر کرنے کے لئے قانون بھی بنا دیے
 ہیں اس قانون کے بنانے والے اصطلاحِ مذہب میں رسولؐ و نبی کے نام سے پکارے جاتے
 ہیں اصول میں یہ قوانین یکساں ہیں جہاں کچھ اختلاف ہے وہ بہت ہی خفیف اور ناقابلِ
 تبادہ ہے۔ ایک جدید پیغمبرؐ کا آنا اس غرض سے تھا کہ کسی نئے دین یا نئے خدا کا وجود نہ ہو کہ کوئی
 کو تھکا بلکہ ایک پیغمبرؐ کے احکام کو حیات کی آہستہ آہستہ بحال کرنے کی تو اصلاحِ حالت اور یاد دہانی کے

لیے دوسرے پیغمبر یا رفاہ راہ اس وقت دنیا کے مختلف مذہب میں جو اختلاف ہو وہ محض امت کی
 غلط فہمیوں یا تصور کا نتیجہ ہوا دینی ایک بڑا ثبوت اس امر کا ہو کہ کیوں بے درپے پیغمبروں کے
 آنے کی ضرورت ہوئی۔ پیغمبر آخر الزمان کا درجہ جو اد پیغمبروں سے فانی سمجھا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے
 کہ ان کی بعثت ایسے زمانہ میں ہوئی کہ دنیا بہت کچھ ترقی کر چکی تھی۔ جو کام پہلے انبیا کے قتل تھا وہ
 پیغمبر آخر الزمان کے علمائے امت کے قتل کیا گیا۔ علماء امتی کا دنیا ربی اسرائیل۔ دیکھو یہ قتل اور ہر
 فرقہ میں سو قرآن کے کتنی مذہبی کتابیں قرآن کی موافقت میں یا اس کی تفسیر میں تصنیف ہوئی ہیں
 اصلاح امت کے لیے کیسے کیسے لوگ بے درپے پیدا ہوتے رہے اور انھیں درسیانی اشخاص
 کی کوشش کا نتیجہ ہو کہ ہم اسلام کو مانیں یا نہ مانیں اسے سمجھیں یا نہ سمجھیں لیکن اسلام کی تصور کیوں ہے
 خراب یا سلی نہیں ہونے پائی۔ اب جس پیغمبر کی امت میں انبیاء ربی اسرائیل کی طرح علماء پیدا
 ہوں ان کے خاتم النبیین افضل البشر ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ محمد رسول اللہ کے ساتھ ایک بعثت
 اور بھی مخصوص ہو جو دوسرے پیغمبروں میں کم ملے گی وہ یہ کہ آنحضرتؐ نے ترک دنیا کی ترغیب دیکر
 خدہ شناسی کی تعلیم نہیں کی بلکہ یہ بتایا کہ دنیا اور دین دونوں کو ساتھ ساتھ رکھ کر کیونکر ایک انسان اعلیٰ
 درجہ کی خوشی حاصل کر سکتا ہے؟ آنحضرتؐ جو قانون اپنی امت کے لیے لائے اور پیغمبرؐ کرنے سے
 بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ ترکمل دوسرے کوئی دین نہیں ہو سکتا اور نہ بجز شرع محمدی کے
 کوئی دوسری شرع ایسی ہو جس پر عمل کرنے والا بھی خوشی سے فیضیاب ہو۔ قرآن میں اسی طرف اشارہ
 ہے۔ **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دنیا** کتاب ہذا میں
 مختلف مقامات پر دکھایا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کی تعلیم مذہب تمام امور میں افضل و اکمل ہے۔ آنحضرتؐ
 کی فضیلت خصوصیت کے ساتھ بیان کرنے کا یہ کوئی محل نہیں ہے کیونکہ تمام کتابیں ہی بحث
 میں ہیں اس کتاب کو ناظرین غور سے پڑھیں گے تو خود بخود ان کے منہ سے نکل جائیگا کہ ”محمد رسول

برحق ہمارے دنیا میں کوئی دستبرخاستہ کمال پیدا نہیں ہوا۔ تیری شریعت تیری اہلیت کی
 دلیل ہے۔“

بعضوں کا خیال یہ ہے کہ امور دنیا ایک معین قانون قدرت پر چلتے رہتے ہیں۔ خدا کو پیغمبر پیدا
 کرنا اسکے پاس جبرئیل کی معرفت کتاب بھیجا۔ مہجرات اپنے پیغمبر کو سچا ثابت کرنا اس دخل و مداخلت
 سے کیا دھڑکا؟ اسکا جواب یہی ہے جو پہلے لکھا گیا کہ اہل اسلام کہا دنیا کا کوئی سمجھدار یہ نہیں کہہ سکتا کہ
 اللہ نے دنیا کا گورکھ دھندھا بنا کر اپنے وجود کو معطل کر دیا۔ انسان جو یہ بھی نہیں سمجھ سکتا کہ حق
 مطلق نے پہلے اللہ سے مرغی پیدا کی یا مرغی سے اللہ اسکی مجال نہیں ہے کہ تحقیق عالم اور اسکے
 انتظام پر کوئی ایسی قطعی رک قائم کرے کہ اس سے عدول کرنے کو بمعنی سمجھے۔ عجب برین نہیں
 فرزا لگی۔ لیکن جو لوگ ایسے ہی ضدی ہیں کہ جو بات انکے ذہن میں آئی اسکے خلاف سمجھ ہی نہیں
 سکتے۔ اُنسے پوچھا جائے کہ کبھی کبھی دُئم دار ستارے کا ظاہر ہونا خود بخود ہمارے آگ کا شعلہ
 ممکن آسمان سے شہناشا تب گرنا۔ اسی قسم کی ہزاروں لاکھوں باتیں ہیں کہ سائنس کوئی نہ
 کوئی وجہ بتا دے۔ اسکی نسبت پیدا ہی کر لیتی ہے جیسے یہ سمجھتے ہیں کہ اتنے دن کے بعد دوبار
 شدہ سے لاکھنا انتظام قائم ہے۔ ضروری ہے۔ گردش فلک مقضیٰ ہے کہ سورج گرہن اور چاند گرہن ضرور
 ہوا کرے۔ ویسی ہی اگر یہ بھی سمجھ لیں کہ انتظام عالم کا مقتضا ہے کہ حسین وقفہ کے بعد مخلوقات کی اصلاح
 حال کے لیے ایک مقنن یا فرمانبر رسول اللہ کے لقب سے وقتاً فوقتاً پیدا ہوتا رہے تو کیا
 استحالہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ دوبار ستارے آکھ سے دکھائی دیتے ہیں اور اسلئے کوئی نہ
 کوئی وجہ دل سے پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہو کسی کو کیا غرض ہے کہ پیغمبروں کے وجود سے
 بحث کرنا پھرے۔ اسکے جواب میں کہا جائے گا کہ ”بیشک غرض ہے“ حالات دنیا پر
 اسے قائم کرنا یہ بھی ایک کام انسان کے تعلق کیا گیا ہے۔ جن ملکوں میں سکھوں

پیش و نشتر
 امت کی
 ن کے
 و جہ سے
 خلق تھا
 حق اور
 یقین ہو
 اشخاص
 و کسب
 علم پیدا
 ایک صفت
 بیک دیکر
 انسان اعلیٰ
 نے سے
 ری کے
 طرف اشارہ
 ہر این
 بر آفرین
 بحث
 رسول

قانون اور رعایا کی عام رائے شامل کرنے کے بعد قوانین بنتے ہیں وہ ہر روز معرض ترمیم رہتے ہیں اور پھر بھی نقص و عیب سے پاک کبھی نہیں ہوتے۔ محمد اچھی محض تھا اور ایک نابینا تربیب یافتہ قوم سے تھا لیکن انکا قانون آج تیرہ سو برس گزرنے پر بھی دسیا ہی عمدہ اور کارآمد ہے جیسا کہ میں تھا جگلیون اور پٹریون کے درست کرنے کے لیے وہ انتہائی کارآمد ہے جتنا کہ حکم و وقت و عقل و زمانہ کو مذبذوب اور شامیتہ رکھنے کے لیے ضروری۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ بغیر خاص تائید ربانی کے کیا محمد نے کیا اور خاص تائید ربانی ہی کا در سر نام رسالت یا نبوت ہے جو لوگ اسکو پورے طور سے سمجھتے ہیں وہ رسالت کے وجود کو دلی آگے سے تسلیم کر دیتے ہیں جس طرح وہ رسالت سے یا کسوف و خسوف کو چشم ظاہر سے ہم سب دیکھتے ہیں آگے تو خطا بھی کرتی ہے۔ وجدان خطا نہیں کرتا۔

فصل چیل و ہفتم

کارخانہ قدرت پر مضمون قرآنی

”لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمکو اور تم سے جو پہلے گزرے ہیں انکو پیدا کیا۔ عجب نہیں کہ تم پر ہیزگار ہو جاؤ۔ اسی نے تمہارے لیے زمین کا بچھونا بنایا۔ آسمان کی چھت بنائی اور آسمان سے پانی برساکر تمہارے کھانے کے لیے پھیل پیدا کیے۔ کسی کو اللہ کا ہم پلہ نہ بناؤ۔ تم خود جانتے ہو۔ سورہ بقرہ ۳۔“

”کیونکہ تم خدا کا انکار کر سکتے ہو۔ تم بے جان کے تھے اور اُس نے تم میں جان ڈالی۔ تمہیں وہ مارے گا اور زندہ کرے گا۔ اور پھر اُسی کے پاس تم واپس جاؤ گے۔ اُسی نے تمہارے لیے زمین کی گل کائنات پیدا کی ہے۔ اور پھر آسمان

یٰٰہٰیہٰ الناس اعبدوا الذی خلقکم الذین من قبکم لکم تعقون۔ الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء سماء و انزل امطارا فان یسئروا لکم عذابا عظیما و اللہ اعلم الذین یقلمون۔

کی طرف متوجہ ہو کر سات آسمان ہموار بنا دیے ہیں۔ وہ ہر چیز سے واقف ہیں۔
سورہ بقرہ کو ع ۳۰۔

”تمہارا معبود خدا ہے واحد ہے اُسکے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے۔“ سورہ بقرہ کو ع ۱۹۔

”بیشک آسمان و زمین کا پیدا کرنا۔ رات دن کا اول بدل۔ جہازوں کا دریا میں لوگوں کے فائدہ کی چیزیں لیکر چلنا۔ مینہ کا آسمان سے برسنا اُس سے مری ہوئی زمین کا پھر سے زندہ ہونا اور اُس میں ہر قسم کے جانوروں کا پھیلنا۔ ہواؤں کا پھیرنا۔ بادلوں کا آسمان و زمین کے درمیان میں گھرارہنا ان سب میں دانشمندان کے لیے نشانیاں ہیں۔“ سورہ بقرہ کو ع ۲۰۔

”پیغمبرؐ کو کہہ۔ اے خدا ملک کے مالک جسے تو چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے۔ جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔“ غیر قرآن ہاتھ میں ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔“ سورہ آل عمران رکوع ۴۔
”تو ہی رات کو دن میں شامل کرتا ہے اور تو ہی دن میں رات کو شامل کرتا ہے۔ تو ہی بیجان سے جان دار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جان دار سے بیجان

۵۲ کیف تکفرون بآئۃ دکنتم امواتاً فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یمیتکم ثم یرجیون۔ ہوالذی خلق کلم مافی الارض
جیسا کہ اس میں ہے۔

۵۳ والیکم الذی واحد لا الہ الا هو الرحمن الرحیم۔

۵۴ ان فی خلق السموات والارض و اختلاف الیل والنهار والفلک اللتی تجری فی الجوب ما یفیع الذین ما نزل
الذین فی السموات من مایہ فاحیاہ الارض لیس یوتئوا و یث فیما من کل دائرہ دھرف لعل الریح و اسحاب السحور
میں آسمان والارض لایست تقوم لعلول۔

۵۵ اعلیم ملک الملک تو فی الملک من تشاء و تنزع الملک من تشاء و تخر من تشاء و تدل من تشاء بیدک الخیر
اُنک علی کل شئی قدير۔

نکلنا ہی اور جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔ سورہ آل عمران رکوع ۳۔
 "آسمان اور زمین کی بناد اور رات اور دن کے رد و بدل میں اُن عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں جو کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے۔ لیٹے ہوئے خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی ساخت میں غور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے پروردگار تو نے اسے بے فائدہ نہیں بنایا ہے۔ تیری ذات پاک ہے۔ ہر کوئی عذاب و دوزخ سے محفوظ رکھنا۔ پروردگار تو نے جسکو دوزخ میں ڈالا اُسکو خوار کیا۔ گنہگاروں کا کوئی بھی مددگار نہیں ہے۔ اسے پروردگار ہم نے ایک سنادی کرنے والے پیغمبر کو سنا کہ ایمان کی سنادی کر رہا تھا اور لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ۔ تو میں ایمان لایا۔ پروردگار ہمارے گناہ معاف فرما اور ہم سے ہمارے گناہ و درک۔ اور نیک بندوں کے ساتھ ہمارا خاتمہ کرے۔ سورہ آل عمران رکوع ۲۰۔

"ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا۔ کیا تم بتوں کو معبود مانتے ہو۔ میں تمکو اور تمہاری قوم کو صریح گمراہ پاتا ہوں۔ پھر ہم ابراہیم کو آسمان و زمین کے اختلافات میں لگے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں ہو جائے۔ جب رات ہوئی تو ایک ستارہ نظر آیا وہ کہنے لگا کہ یہی میرا پروردگار ہے۔ جب وہ غروب ہو گیا تو وہ بولا

۱۵ تَوَلَّى اللَّيْلِ فِي الْمَنَارِ تَوَلَّى الْغَدَا فِي الْيَمِّ وَتَوَلَّى الْحَيَّ مِنْ أَمْتٍ وَتَوَلَّى الْمَيْتَ مِنْ الْحَيِّ وَتَوَلَّى مَنْ تَشَابَهَ بِحَسَابٍ -

۱۶ اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالاٰخِلَاتِ الْيَلِّ الْمَنَارِ لَا يَتَدَاوٰى الْاَلْبَابُ الَّذِيْنَ يَذْكُرْنَ الْقِتْمَ وَدَعُوْا عَلٰى جِهَنَّمَ وَتَذْكُرْنَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَلًّا سُبْحٰنَكَ فَقَدْ عَذَابُ النَّارِ رَبَّنَا اَلَمْ يَكُنْ مِنْ مَّجْلِ الْمَنَارِ فَقَدْ اَخْرَجْتَهُ مِنَ الْغُلِيِّ مِنَ الْغُلِيِّ رَبَّنَا رَبَّنَا هٰذَا سَمْنَا دَا يٰ دَا يٰ دَا يٰ دَا اِنَّا اَمْرًا بِرَبِّكُمْ فَاَمَّا - رَبَّنَا فَاعْفُ رَنَّا وَتَوْبَنَا وَكُفْرَنَا سَيِّئًا تَوْبَنَا مَعَ الْاَبَارِ -

”اُسی نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہر قسم کے نباتات پیدا کیے۔ نباتات
ہری ہری کو پلین پیدا کیں۔ اور اُن کو پلن سے گتھے ہوئے دانے پیدا کیے۔
کھجور کے گاہے سے گتھے جھکے پڑتے ہیں۔ انگور۔ زیتون اور انار کے باغ
صورت میں بکسان اور مزے میں مختلف۔ یہ جب پھلتے ہیں تو انکے پھل اور پلوں کا
پکنا دیکھو۔ مومنوں کے لیے اس میں نشانیاں ہیں“ سورہ انعام رکوع ۱۲۔

”تم لوگ خدا کے سوا اے ناموں کی پرستش کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے آبا
نے گڑھ رکھے ہیں۔ خدا نے اُن کے معبود ہونے کی کوئی سند نہیں
آنا سی ہے“ سورہ یوسف رکوع ۵۔

”ساتون آسمان اور زمین اور جہنمی چیزیں انہیں ہیں وہ سب خدا کی تسبیح
کرتی ہیں کوئی شے ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہیں کرتی لیکن تمہاری
سمجھ میں نہیں آتا“ سورہ بنی اسرائیل رکوع ۵۔

”تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے لیے سمندر میں جہازوں کو چلاتا ہے
تا کہ تم اس کا فضل لینے اپنی معاش تلاش کرو۔ اس میں شک نہیں کہ وہ تم پر بڑا مہربان
ہے“ سورہ بنی اسرائیل رکوع ۷۔

”لوگو! اللہ ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا۔ تم کچھ بھی نہیں جانتے

۹۹ وہاں اسی انزل میں اسرارِ نام و فخرِ جہا۔ نباتات کل شے فخرِ طہا۔ خضر اخرج من جہا۔ تاکب۔ من نخل من
طلعیما۔ خضران۔ کواثر۔ جنت من۔ انساب۔ والزیتون۔ والرا۔ ان شتبا۔ و غیر شتبا۔ انظر مالی خمر۔ اذا شتر۔ و غیر
ان فی ذلک لآیت لقوم یؤمنون۔

اللہ مالعبدون من دونہ الا اسماؤ سمیعہ و انتم و آباؤکم ما انزل اللہ رہا من سلطان۔
اللہ تسبیح لہ اسموات السبع والارض و من فیہن دان من نخلی الا تسبیحہ و لکن لا تفقهون تسبیحہ۔
اللہ ربکم الذی یرزقکم الفساک فی البحر لیتقوا من فضلہ انہ کان بکم رحیم۔

تھے۔ اسنے کان دیے۔ انگلیں دین۔ دل دیے کہ تم اسکا شکر کرو۔ کس لوگ
پر بندوں پر نظر نہیں کرتے کہ آسمان کے میدان میں وہ گھرے ہوئے ہیں انکو اڑانے
وقت خدا ہی سنبھالتا ہے۔ اسمن بھی مومنوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اللہ ہی نے
تمہارے لیے گھروں کا ٹھکانا بنایا۔ جو پاپوں کی کھالوں سے تمہارے لیے فیضے بنائے
کوچ اور مقام کے وقت تم انکو ہلکا پاتے ہو۔ جو پاپوں کی ادن۔ رروڈن اور بالوں سے
اسنے بہت سی سامان ایک وقت تک بکار آمد چیزیں بنائی ہیں۔ اللہ ہی نے
تمہارے لیے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کے سائبہ بنائے۔ بہاڑوں میں تمہارے
چھب بیٹھنے کے لیے جگہیں بنائی ہیں۔ تمہارے لیے کرتے بنائے جو تمکو گرمی
سے بچائیں اور زر میں بنائیں جو آپس کی زد سے تمہیں بچائیں۔ یوں وہ اپنی نشین
تم پر پوری کرتا ہے کہ تم اسے آگے جھکواؤ۔ سورہ النحل رکوع ۱۱۔

”لوگو! اگر تمکو بھرجی اٹھنے میں شُبھہ ہے تو یوں سمجھو کہ ہم نے تمکو یوں پیدا کیا کہ پہلے
سٹی۔ پھر نطفہ پھر فرخن کا لوتھرا۔ پھر پوری اور ادھوری ہوئی۔ تاکہ ہم تم پر اپنی قدرت
ظاہر کریں۔ عورتوں کے پیٹ میں ایک وقت مقرر تک اپنی مرضی کے مطابق ہم نطفہ
قائم رکھتے ہیں۔ پھر تمکو بچہ بنا کر نکالتے ہیں۔ پھر تم کو بڑا کرتے ہیں۔ پھر تم
میں سے کوئی مر جاتا ہے اور کوئی اخیر عمر تک پہنچتا ہے تاکہ اب تو کچھ سمجھ سکتے ہو۔“

۱۱۔ واللہ اعلم من بطون انکم لا تعلمون شیاناً جعل لکم سمع والابصار والافرة ملک تشکون۔ الم یروا
الی الطیر سوات فی جوار السمار ما یمسکمن الا اللہ ان فی ذلک لآیت لقوم یؤمنون واللہ جعل لکم من بینکم
سکناً وجعل لکم من حلوہ والانسام نبواً تستخفوننا یدیم فلعنکم یدیم اقا ملک دمن اموا خدا و بار بار اشارہ
اثبات دینا عا لی حین واللہ جعل لکم ما خلق ظلالاً وجعل لکم من ارجال الکنائما وجعل لکم سرائل فقیلکم انھو
سرایل فقیلکم باسکم لذلک یتیم نعمت علیکم لعلکم تسلون۔

نہایت

پیدا کیے۔

کے باغ

اور بچوں کا

سے کہا

نہیں

کی تبیج

نہاری

تاکہ

لہر بان

من جاتے

نہی من

شرعیہ

”کتنے جانور ہیں جو اپنی روزمی لادے ہوئے نہیں بھرتے اللہ ہی اُنکو روزمی پہنچاتا ہے اور وہی تمکو بھی روزمی پہنچاتا ہے وہ سب کی سننا ہے

[illegible]

اور سب کچھ جانتا ہے۔" سورہ عنکبوت رکوع ۴۔

"اللہ مثلاً بیان کرتا ہے کہ ایک شخص غلام ہے جس میں کئی ماحی ہیں جو آپس میں بڑی کشمکش رکھتے ہیں۔ اور ایک وہ غلام ہے جو تنہا ایک کی لاک پر کیا ان دونوں غلاموں کی حالت ایک ہو سکتی ہے۔ جواب میں کہا جائیگا کہ نہیں پیغمبر تم سنکر کہو۔ الحمد للہ مگر افسوس ہے کہ انہیں سے اکثر آنا بھی نہیں سمجھتے۔" سورہ الزمر رکوع ۳۔

اسکا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایک خدا کو مانتا ہے وہ اُس غلام کی طرح ہے جسکا ایک مالک ہوتا ہے جو خوشی سے زندگی بسر کرتا ہے اور جو شخص سیکڑوں قوتوں کو خدا کا شریک مانتا ہے وہ اُس غلام کی طرح ہے جو کئی ایک کے زیر حکومت رہ کر ہمیشہ پریشان رہتا ہے۔

فصل چہل و ہشتم

حکمت اور فلسفہ کے متعلق آیات قرآنی

دنیا میں دو قسم کے اسباب ہیں ایک ظاہر اور ایک پوشیدہ جیسا کہ "حقیقت اسلام" فصل ۶۶ میں بیان کیا گیا ہے۔ اسباب ظاہر کا سمجھنا انسان کی قوت مدد رکھ پر موقوف ہے جتنا ہی وہ مدد کرے گا اتنا ہی اچھی طرح اُنکو سمجھ سکے گا لیکن اسباب مخفیہ پر سوچنا عبث ہے کیونکہ وہ صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکتے محض قیاسات سے لوگ کام لیتے ہیں۔ اور قیاس کرنے والے خود ہی درجہ یقین نہیں رکھتے۔ مثلاً

۱۹۔ وہا میں من و آتہ لا تغفل رزقہما اللہ یرزقہما دایما کم دہوا سمیع العظیم۔

۲۰۔ ضرب اللہ مثلاً رجلاً فہی شرکاً متشککون درجہ سلاً لرجل ہل یستون مثلاً الحمد للہ بل اکثر ہسم لا یعلمون۔

اختلاف لیل و نہار کے اسباب کو خدا نے پوشیدہ رکھا ہے نہزار و نبرس تک عقلا سے
زمانہ یہ سمجھتے رہے کہ آفتاب زمین کے گرد گھومتا ہے۔ اور اب سیکڑوں برس سے یہ
خیال ہے کہ زمین گھومتی ہے آفتاب ساکن ہے۔ اتنا تو لوگ سمجھے کہ زمین پر آفتاب
سے روشنی آتی ہے اور یہ بھی سمجھے کہ ماہتاب بھی آفتاب کی وجہ سے روشن دکھائی دیتا
ہے۔ لیکن کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ آفتاب کیوں روشن ہے۔ اور ممکن ہے کہ کل یہ
راے قائم ہو کہ چاند میں جو روشنی آتی ہے وہ سورج کی فیاضی کا نتیجہ نہیں ہے
بلکہ اسکا سبب کچھ اور ہے۔ غرض کہ اسباب مخفیہ پر سوال کرنا انسانی طبیعت کا مختصا
اور اس پر کچھ نہ کچھ راے قائم کر لینا اسکا خاصہ ہے اور یہ بھی اسکا خاصہ ہے کہ جب تک سکی
راے میں تبدیلی نہیں ہوتی وہ اپنی راے کو یقین کے درجہ تک سمجھتا ہے۔

پیغمبر خدا ضرور اپنے وقت کے حکیم تھے اور ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ اُن سے زیادہ عقل والا
آج تک کوئی دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔ لوگ ان اسباب مخفیہ کی بابت پیغمبر خدا سے
سوالات کیا کرتے تھے۔ اور آنحضرت اُسکے جواب میں اختصار کو کام میں لاتے تھے۔
اس اختصار کے دو وجوہ تھے۔ اول یہ کہ آنحضرت کو تمدن اور معاشرت کی اصلاح
منظور تھی وہ لا طائل باقون کی طرف توجہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ دوسرے یہ کہ آنحضرت جانتے
تھے کہ جب تک انسان اس عالم ناسوتی میں ہر وہ عالم ملکوتی کی باتیں نہیں سمجھ سکتا
اپنے خیال کے مطابق وہ ہمیشہ نئے طور پر غور کرتا رہتا ہے۔ اور اس کے متعلق
نئی باتیں پیدا کرتا ہے لیکن حقیقت یہ کہ وہ سمجھ سکتا اور نہ پہنچ سکتا ہے پیغمبر خدا کے
سمجھ سے کسی بات کا نکلا نہ سب کو باز سمجھ لفظان بنادیتا۔ یہ بھی واضح رہے کہ جن باتوں کے
بیان کرنے سے قرآن میں انماض کیا گیا آج تک کسی شخص نے اس کے متعلق کوئی

حکمت اور فلسفہ کے متعلق آیات قرآنی

ایسی بات نہیں کہی جو ہر زمانہ کے عقلا کی تشفی کا سبب ہو۔

پیغمبر خدا سے لوگوں نے چاند کی حقیقت اور اس کا گھٹنا بڑھنا پوچھا۔ اور ایک طور پر گویا نام علم مہیبت کا سبق پڑھنا چاہیے۔ پھر خدا اگر علم مہیبت قدمیہ کی مطابق اس کے اظہار قابلیت کرنا چاہتے تو اس زمانہ میں انکی رائے باطل بھی جاتی۔ اور اگر علم جدیدہ کے مطابق ارشاد فرماتے تو اس وقت کے علما ایمان نہ لاتے اس لیے پیغمبر نے کہا تمہیں ان جگہوں سے کیا مطلب۔ اتنا سمجھ لو کہ یہ معاملات اور عبادات کے لیے وقت بنا یا گیا ہے۔ سورہ بقرہ کے رکوع ۲۴۷ میں ہے۔

”پیغمبر! لوگ تم سے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ تو تم کہہ دو کہ چاند لوگوں کے معاملات اور عبادات مثلاً حج کے اوقات معلوم ہوتے ہیں“

حکمت کی کئی قسمیں ہیں حسن تمدن اور حسن معاشرت بھی ایک حکمت ہے عقل سلیم اور اسے صائب سب سے بڑی حکمت ہے۔ سورہ بقرہ کے رکوع ۲۴۷ میں خدا فرماتا ہے۔

”خدا جسکو چاہتا ہے حکمت (بات کی سمجھ) عطا کرتا ہے اور جسکو حکمت یعنی بات کی سمجھ دی گئی ہو اسے بڑی ہی دولت پائی ہے“

دنیا ایک لفظ ہے جس کا ہم معنی لفظ مختلف زبانوں میں ہے اور زبان زد خلافت ہر لیکن کمین اسکی شکیک تعریف پائی نہیں جاتی۔ ہندوؤں میں اسکو ”مایا“ یا ”مایا روپی“ سے تعبیر کیا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ اس سے اچھا لفظ نہیں مل سکتا لیکن ہمارے

۱۔ لیلک من اللہ قل ہی ساقیت مناس وایح۔
۲۔ یونی اکل من بنیاد من یوت اکلہ فقد لونی خیرا کثیرا۔

س عقلا سے
برس سے یہ
ین پر آفتاب
لحائی دیتا
ہے کہ کل یہ
بہ نہیں ہے
کا متھنا ہو
ب تک سکی
و عقل والا
خدا سے
تے تھے۔
اصلاح
نرت جاتے
پہلے حکمت
کے متعلق
فرمے خدا کے
جہن باطن کے
ن کوئی

تو دیک قرآن میں جو لفظ اسکے لیے آیا ہے وہ اس سے بھی اچھا ہے۔ سورہ آل عمران رکوع ۱۹ میں ہے۔

”دنیا کی زندگی مرنے دھوکے کی پونجی ہے“ دھوکے کی پونجی مطاع غرور کا ترجمہ ہے لیکن مطاع غرور میں جو لفظ ہے وہ ترجمہ میں ادا نہیں ہوا۔ جس طرح مایا روپی کا لفظ ہندی زبان کے اعتبار سے بہت اچھا سمجھا جاتا ہے اسی طرح عربی زبان کے اعتبار سے مطاع غرور کا لفظ نہایت ہی مناسب ہے اور اس میں بے ثباتی دنیا کا جو مفہوم ادا ہوتا ہے وہ مایا روپی میں ادا نہیں ہوتا اس لیے کہا جاتا ہے کہ قرآن میں جو لفظ مطاع غرور کا دنیا کے لیے استعمال کیا گیا ہے وہ بالکل انوکھا ہے۔ انگریزی میں ایک لفظ world of vanity ہے۔ قرآن میں لفظ ”مطاع غرور“ جو ”مایا روپی“ اور ڈولتس فانی ”دونوں کو حاوی ہے۔

اسی کے قریب قریب سورہ توبہ کے رکوع ۶ میں نصیحت کے پیرایہ میں مذکور ہے۔

”کیا تم آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پر قناعت کر کے بیٹھے ہو دنیا کی زندگی کے فائدے آخرت کے مقابلہ میں محض بے حقیقت ہیں“

قوم کا عروج اور زوال بھی دنیا کا ایک تماشہ ہے جب دن اچھے آتے ہیں غنیمت سے سامان ہو جاتا ہے اور جب زوال آتا ہے تو کبھی کسی طرح کسی کے رو کے نہیں رکتا خدا تو ہر قوم کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ ہر قوم کو باری باری سے گھٹاتا

۱۷ ذوالحجۃ الدنیا الامتاع الزور۔

۱۸ ارضیتیم بالحیوة الدنیا من الآخرة فامتاع الحیوة الدنیا فی الآخرة الا قلیل۔

اور بڑھاتا رہتا ہے۔ یہ مضمون سورہ اعراف رکوع ۴ میں بیان میں بیان کیا گیا ہے۔

"تمام قومن کے لیے چھٹنے کا ایک وقت ہے۔ جب وہ وقت آگیا تو پھر نہ وہ ایک ساعت پیچھے رہ سکتی ہے اور نہ ایک ساعت آگے بڑھ سکتی ہے و اسلام نے یہ تعلیم کی کہ اچھے اعمال کی جزا اچھی ملے گی اور بُرے اعمال کی جزا بُری ملے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ جزا بعد مرنے کے کیوں کر ملے گی۔ اس کا جواب صاف یہ ہے کہ روح کو جزا کے اعمال پہنچنا ہوگی۔ جو لوگ کہ فنی فہم ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ روح جس عالم غیر مادی میں ہوگی اسی کے موافق غیر مادی جزا اور سزا بھی ہوگی۔ لیکن سب تو حکمت اور فلسفہ پڑھے ہوئے نہیں ہیں ایسے مضمون کو عام فہم کرنے کے لیے لسان تمثیلی کی ضرورت ہوئی۔ لوگ اس پر استعجاب کرنے لگے تو یہ آیت اتری۔

لوگ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم گل شکر کھڑیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو ہم از سر نو پیدا کیے جائیں گے اور اٹھائے گئے جائیں گے۔ پیغمبر تو ان سے کہو۔ تم بہرہ نہ لیا اپنے خیال کے مطابق کوئی اور بُری چیز بن جاؤ گے جب بھی زندہ کیے جاؤ گے۔ اس پر لوگ پوچھیں گے کون ہو گا زندہ کرے گا تو کہنا وہی جس نے اول بار تم کو پیدا کیا تھا۔ اس پر وہ لوگ تمہارے آگے سر جھکانے لگیں گے اور پوچھیں گے کہ کیا ایسا ہی ہو گا تو کہنا عجیب نہیں کہ قریب ہی ایسا ہوا" سورہ نبی اسرائیل رکوع ۵۔

۵۵ وکل امیہ اجل فاذا جاء اہلہم لایستخرون ساعۃ ولا یتقدون

۵۵ و قالوا اؤاذا کنا عظاما و رفاۃا لایستخرون خلقا جدیدا قل لکنوا حجارۃ اوحديدۃ او خلقا سماکبر فی صدورکم فیتقربون من ربکم الذی نظرکم اول مرۃ فسیخفون الیکم و یسہم و یقولون منی ہونقل عسی ان یکون قریبا۔

دنیا میں سب سے بڑا اہم مسئلہ روح کا ہے۔ اسکے متعلق بیسوں اقوال ہیں اور ہر ایک دوسرے سے الگ۔ ہر مذہب اور ہر فرقے اور ہر ملک میں کچھ نہ کچھ رائے اسکے متعلق ضرور ظاہر کی گئی ہیں۔ لیکن سب اپنی راہوں کی نسبت یہی کہتے ہیں کہ ممکن ہے اسکے خلاف ہو۔ کوئی شخص اگر وہ مقلد نہیں ہے شخص اسے زن ہے کسی طرح اپنی اسے پر یقین نہیں رکھتا اور حق یہ ہے کہ اس عالم میں جب تک ہم ہیں کسی طرح یہ نہیں سمجھ سکتے کہ روح کیا چیز ہے اور کیونکر بنی۔ کہاں تھی کہاں رہتی ہے۔ کہاں سے اور کیونکر آئی۔ کیونکہ آئی۔ کہاں گئی۔ کیسے گئی اور اگر وہ کوئی چیز نہیں ہے تو یہ کیا کہ اسکی وجہ سے سب کچھ تھا اور اسکے جانے سے سب کچھ جاتا رہا۔ یہی سوال پیغمبر خدا سے کیا گیا۔ جواب اتنا عمدہ ملا کہ اس سے اچھا جواب اس عالم ناسوتی میں ہوا نہیں سکتا۔ سورہ بنی اسرائیل روح آئین ہو پیغمبر تم سے روح کی حقیقت دریافت کرتے ہیں تو کہو روح میرے پروردگار کا ایک حکم ہے اور تمکو تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے۔ "یعنی تمہارے معلومات ایسے نہیں ہیں کہ تم سے روح کی حقیقت بیان کی جائے اور تم سمجھ سکو۔

افلاطون اس جزا و سزا کی نسبت لکھتا ہے کہ روح نے اگر اچھے اعمال کیے ہیں تو اسے مرنے پر خوشی ہوگی اور اگر بُرے اعمال کیے ہیں تو اسے مرنے پر غم ہوگا۔ اگر یہی خوشی اور رنج فلاسفہ کے سمجھانے کے لیے جنت اور دوزخ سے تعبیر کیا جائے تو ایمان میں فرق نہیں آتا بشرطیکہ خوشی تمام نعمات سے دنیا سے بڑھ کر ہو اور رنج اُس تکلیف سے بڑھ کر مانا جائے جو دنیا میں

کے دیلوں کے روح قل الروح من امر ربی وما اذنتہم من العلم الا قلیلاً۔

آگ سے جل کر محسوس ہوتی ہے۔

دنیا میں غیب کا علم کسی کو نہیں ہو سکتا۔ ابراہیمؑ آیا تو قیاس ہوا کہ بانی پرے
گا یا ذرا اور معلومات بڑے تو تار کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ خلیج بنگالہ سے ابراہیم
باران جل نکلا ہے۔ قیاس سے کہا گیا کہ آٹھ دن روز میں ممالک مغربی و شمالی میں
بھی بارش ہوگی۔ تب وہی درجہ سوم پر پہنچ گئی تو طیب نے کہا کہ اب مریض نہ بچے
گا۔ ان تمام قیاسات میں غیب کا علم نہیں ہے اور جو قطعی طور پر حکم لگاتے ہیں کہ
خواہ مخواہ فلاں بات فلاں دن ہوگی اور خود کو گویا عالم الغیب کہتے ہیں وہ
بالکل جھوٹے ہیں۔ رمل۔ جفر۔ علم نجوم۔ علم قیاضیہ تمام علوم کوئی قطعی حکم نہیں
دے سکتے۔ یہ وسائل اور ذرائع ہیں قیاسات قائم کرنے کے لیکن۔ قیاسات
تجربہ سے ہر حالت میں صحیح نہیں پائے جاتے۔ اسلام نے ان باتوں پر پورا
یقین کرنا منع کر دیا ہے کیونکہ انسان کو اس طرح دھوکا ہوتا ہے۔ اس نے
اس طرح کے علوم سیکھنے کو کاربے سود ٹھہرایا ہے اور اسپریتین کرنے کو مصیبت
قرار دیا ہے یعنی یوں کہنا کہ خواہ مخواہ یوں ہوگا کہ منجم نے ایسا ہی بتایا ہو داخل کفر ہے
اور یہ خیالی کرنا کہ منجم نے یوں کہا ہو ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو بے عقلی ہو۔ عرب میں غیب
کی خبر دینے والے کاہن کے نام سے مشہور تھے جیسا کہ بیان رزیل قومون میں
سو کھے (غیب کی باتیں کرنے والے) غیب دان سمجھے جاتے ہیں۔ وہ اپنی
قوت نفس سے کچھ باتیں بتا یا کرتے تھے اور انہیں کچھ باتیں صحیح ہوتی تھیں
اور کچھ باتیں غلط ہوتی تھیں۔ ان اداہام باطلہ سے انسان کو نجات دینے
کے لیے سورہ لقمان رکوع ۴ میں محکوم ہوا۔

” بیشک اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے۔ وہی منہ پر سنا تا ہے۔ وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے۔ کوئی دوسرا نہیں جانتا کہ وہ خود کس زمین میں مرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ خود کل کیا کرے گا۔ ان سب باتوں کا علم اور خبر اللہ ہی کو ہے۔“

انسان جس طرح تند و تیز بڑھتا ہے اُسی طرح وہ تند و تیز گھٹتا ہے۔ اگر کوئی شخص عمر طبعی تک پہنچ کر گھل گھل کر مرے تو اسکی کیفیت مثل نوزائیدہ بچے کے ہو جائے گی۔ ہڈیاں تو چھوٹی نہ ہونگی لیکن اور تمام باتیں بچوں کی کسی ہو جائیں گی۔ دانت گر جائیں گے۔ سواے کراہنے کے اور کوئی بات منہ سے نہ نکلے گی۔ بال کم ہو جائیں گے۔ سواے دودھ کے دوسری غذا نہیں نہ ہوگی اور نہ بغیر دوسرے کے سہارے کے وہ کروٹ بدل سکے گا۔ یہی حالت سورہ لیسین کے رکوع پنجم میں ہے ”جسکی عمر ہم زیادہ کرتے ہیں اُسے بناوٹ میں الٹا گھٹاتے جاتے ہیں۔“

پہلے تو کفار عرب کو کھانے پینے اور سونے کے کچھ سمجھتے ہی نہ تھے۔ مار پیٹ ڈالنے جھگڑے سے کام تھا وہ کسی سو ڈرتے نہ تھے اگر ڈرتے تھے تو صرف بتوں سے لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ کیوں۔ اسلام نے انکو بتایا کہ بتوں کے اختیارات کچھ بھی نہیں ہیں یہ ادنیٰ قسم کی مخلوق جمادات سے ہیں۔ اعلیٰ مخلوق عالم نبی نوع انسانی سے بھی بڑھ کر ذات باری تعالیٰ ہے جس نے انسان کو اور تمام دنیا کی چیزوں کو پیدا کیا ہے اس کے بعد جو عربوں کی آنکھیں کھلیں تو دونوں میں سوالات

۵۵ ان اللہ عنہ علم الساعۃ و نزل الہیات و علیم ما فی الارحام و ما تدری نفس اذا کسب غذا و ما تدری نفس بای ارجح ثبوت ان اللہ علیم فیہر
۵۶ و من نعمہ تنکسہ فی المخلوق۔

مجھے پیدا ہوئے اور سوالات ایسے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی آج تک کسی عالم نے قابل تشفی جواب نہیں دیا اور کوئی جواب دے نہیں سکتا اور نہ مخاطب کو سمجھا سکتا۔

جب تک مشکل اور مخاطب دونوں علم ناسوتی سے الگ نہ ہو جائیں یا انکی اودارح بین اتنی صفائی نہ آجائے کہ اس عالم میں رہ کر دوسرے عالم کی باتیں سمجھ سکیں تب تک اس قسم کے مسائل کے سبادیات پر گفتگو بھی عبث ہے۔ قرآن میں اسکا جواب دیا گیا ہے لیکن نہایت ہی مختصر اور اتنا اچھا کہ اس سے اچھا جواب ہو نہیں سکتا سورہ سوسن کے ساتویں رکوع میں ہے۔

”وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو اور وہ ہو جاتا ہے“

”کہتا ہے“ کے معنی ”ارادہ کرتا ہے“ سمجھو تو مطالب صاف ہے۔

خلقت زمین و آسمان کے متعلق سورہ حم کے رکوع دوم میں ہے۔

”پس خیر! لوگوں سے تم کہو۔ کیا تم اُس (اللہ) سے انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین پیدا کی اور اُسکا تھمر تم دوسرے کو ٹھہراتے ہو۔ وہی سارے جہاں کا پروردگار ہے اور اُسی نے زمین میں ادھر سے پہاڑ گاڑ دیے ہیں اور اُس میں برکت دی ہے اور اُسی میں ایک اندازہ مناسب کے ساتھ اُسکے باشندوں کے

ﷻ ہوالہی بھی وصیت فاذا قضی الامر انا انما نقول لکن فیکون۔

ﷻ قل انکم تکفرون بالذی خلق الارض فی یومین و یجعلون لہ انداداً ذالک رب العلمین و جعل فیما رداسی من فوقہا و برک فیما و قدر فیما و اقراسا فی اربعۃ ایام سوا الذلک العلمین ثم استوا علی السوا و ہی و خان فقال لہما و الارض انما طوعا و کرہا قالتا اتینا طائعتین نفقسن سبع حرات فی یومین و ادحی فی کل سائر امراء و اتینا استواء الدینا بمہنا سبع و حفظا ذالک تقدیر العزیز العظیم۔

کھانے پینے کا بندوبست کر دیا ہے سب کچھ چاروں مین سب مانگنے والوں کے لیے برابر۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت تک کھر کی طرح کا تھا تو اُس کھر کو اور زمین کو حکم دیا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ تو آؤ اور زبردستی آؤ تو آؤ۔ دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ اس کے بعد دونوں مین اُس نے اُس کھر کے سات آسمان بنائے اور ہر ایک آسمان میں انتظام کر دیا۔ نیچے کے آسمان کو ہم نے قندیلوں سے سجایا۔ اور حفاظت کے لیے بھی ایسا کیا۔ یہ انوارے اُس کے بازو سے ہوئے ہیں جو زبردست اور دانا ہے۔

یہ آیت بدیہت افلاک ظاہر کرنے کے لیے نہیں اُترتی بلکہ خدا اپنی آفرینش یاد دلا کر کہتا ہے کہ جس طرح ہم نے یہ سب کچھ بنایا اُسی طرح نافرمانوں کو ہم تباہ بھی کرتے ہیں۔ اس کے بعد کی آیت یوں ہے

”اگر اسپر بھی کفار سر تابی کریں تو اُن سے کمد و کجی کڑک عا د اور شہود پر ہوئی تھی اُسی طرح کی کڑک سے مین تلو بھی ڈرانا ہوں۔“

جب مقصود سمجھنا تھا تو مناسب بھی تھا کہ مطلب کی سمجھ کے مطابق گفتگو کی جاتی اور اسی لیے خلقت ارض سما کے متعلق یہودیوں مین جو باتیں مشہور تھیں وہی تحریر کی گئیں۔ لیکن یہ بھی واضح رہے کہ یہ تحریر فلسفہ قدیم یا فلسفہ جدید کے مخالف نہیں ہے۔ مفصل بیان اسکا آفرینش ارض و سما، فصل ۵۰ مین دیکھو۔

رزق کو شش پر رکھا گیا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ باوجود کوشش کے رزق حاصل نہیں ہوتا لیکن ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ رزق کسی قوم سے ناپیدا ہو جائے۔ رزق اگر

ﷺ فان اعرفوا فقل انذرکم صفة من مثل صفة عا د و شہود۔

سوانحی کی طرح انسان کو ملا کر تاجیے معمولی نباتات ارض سے انسانی خوراک بھی
متیا ہو جاتی تو انتظام عالم جہاں تک نوع انسانی سے تعلق ہے قائم نہ رہتا اسی مضمون
کو خدا سورہ شوری رکوع ۳۰ میں سمجھانا ہے۔

• اگر خدا اپنے بندوں کی روزی فراخ کر دے تو وہ ضرور ملک میں سرکشی
کرنے لگیں۔ مگر خدا اپنے بندوں سے خبردار ہے اور انکا لگران ہے جتنی روزی
چاہتا ہے بقدر مناسب دیتا ہے۔“

قرآن میں آنحضرتؐ کا معجزہ ایک بھی نہیں لکھا گیا ہے بلکہ بار بار یہ لکھا گیا ہے کہ لوگ
پیغمبر سے یہ فرمایش کرتے تھے کہ کوئی بات خرق عادت کی دکھاؤ تو ہم تم کو سچا
سمجھیں۔ اور پیغمبر کہتے تھے کہ اور پیغمبروں کی اُمت نے معجزہ کا کیا اعتبار کیا کہ میں
تکو دکھاؤں۔ لیکن کتب سیر اور احادیث میں چند باتیں ضرور از قسم خرق عادات
آنحضرتؐ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں جنہیں واقعہ شوق القمر بھی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے
کہ لوگوں نے آنحضرتؐ سے امرار کیا کہ چاند کو دو ٹکڑے کر دو تو ہم تم کو سچا پیغمبر سمجھیں۔ آنحضرتؐ
نے جناب باری میں دعا کی اور چاند دو ٹکڑوں میں نظر آیا۔ بعض کہتے ہیں کہ نہ پیغمبر میں چاند
کو دو ٹکڑے کرنے کی طاقت تھی اور نہ خدا کو چاند کے تقسیم کرنے کی ضرورت تھی۔ خدا کو
اتنا ہی اہتمام کرنا تھا تو بجائے قمر و نیم کرنے کے وہ کفار کا دل ہی نہ بھیر دیتا۔ خدا
کو اسلام کا اسباب دنیا کے ساتھ جاری کرنا مقصود تھا اسباب دنیا سے قطع
کر کے اسلام کا جاری کرنا اسکو مقصود ہوتا تو تاریخی حالات اسلام کے وہ نہ ہوتے
جو ہوئے۔ لیکن معجزہ شوق قمر صحیح ہوتا اس میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔ جب پیغمبر کو لوگوں

ﷺ ولو بسط الله الرزق لعباد لبغوا في الارض ولكن نزل بقدر ما نشاء انبياءه خبر ليعلم

قرآن میں بھی مذکور ہیں۔ ان یہود اور نصاریٰ کے پُرانے مقصود کی تائید ہوتی ہے۔
 اس لیے ہم کو اس کہنے کی جرأت ہو سکتی ہے کہ اہل اسلام جو پُرانے قصبے بیان
 کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ صحیح سمجھے جاتے ہیں۔ یہودی۔ عیسائی اور
 اہل اسلام یہ تینوں مل کر یقیناً دنیا کی آبادی کا بڑا حصہ پورا کرتے ہیں۔ شروع سے
 چلیے۔ حضرت آدم کی پیدائش۔ شیطان کا حسد اور پھر اس کا راندہ درگاہ ہونا۔ آدم کا
 دنیا میں آنا۔ حوا کا ملنا۔ نوح کے زمانہ کے حالات۔ دنیا کا گویا پھر سے بننا۔ ابراہیم
 کا آگ میں گر کر نہ جلنا۔ موسیٰ کا عصا اور پھر اس کے واقعات۔ عیسیٰ کا بے باب کے
 پیدا ہونا پیغمبر آخر الزمان کے وقت کے بعض معجزات۔ ہم نے تو سب مختصر کہا۔ غور کیجیے
 تو کسی پیغمبر کا زمانہ ان معجزات سے خالی نہیں ہے۔ حضرت سلیمان کو دیکھیے کہ ہوائے
 زیر فرمان تھی۔ دیو اور پری خادم تھے۔ حیوانات کی بولی وہ سمجھتے تھے۔ اگر ان باتوں
 کو چھوڑنا سمجھتے تو قطعاً ہی ختم ہے۔ اور اگر سچ سمجھتے تو پھر ہندو جو ہندوستان کے پچھلے
 حالات بیان کرتے ہیں انکو بھی غیر ممکن یا محال ٹھہرانا آسان نہیں ہے۔ اگر ان
 عجوبہ باتوں کا تعلق پیغمبروں سے منقص سمجھا جائے جب بھی یہ کہنا کہ ہندوستان کی
 سرزمین پیغمبروں سے خالی رہی بہت بڑی زیادتی ہے اور فیضان الہی کو ارض آدم
 کے ساتھ منقص سمجھ لینا بڑی بے امتیازی ہے کہ شرن جی کے حالات یا رام چند راجی
 کے کوائف جو ہندو بیان کرتے ہیں مانا کہ انکی نسبت سبالت کا احتمال ہے کہ شروع
 سے ان کو غلط یا غیر ممکن سمجھ لینا زیادتی ہے اور گویا درپردہ یہ کہنا ہے کہ ہندو
 براہمنوں ہم اپنی کتابوں کے قصوں کو بھی تو ایسا ہی لچر سمجھتے ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے
 کہ دنیا کے کسی واقعہ کو بے سمجھے ہوئے آسانی سے غلط یا غیر ممکن مان لینا صریح خدا

کے فادر مطلق ہونے سے ہمارا کرنا ہے۔

مذہبی خیال کو الگ کیجیے جب بھی تاریخی واقعات بتاتے ہیں کہ ابتدا سے زمانہ
میں بہت سی باتیں ایسی تھیں جو اس وقت عجائبات میں شمار کی جاتی ہیں اور چونکہ
مختلف ملکوں کی تاریخیں انکی تائید کرتی ہیں اسلئے اسنے انکار کرنے کو ہرگز جی
نہیں چاہتا۔ مثلاً جس قوت۔ حالت یا کیفیت کو دیو پرستی سے یہود و نصاریٰ اہل
اسلام قہر کرتے ہیں۔ اس سے ایرانی تاریخ بھی تو تسلیم ہے۔ تاریخ ایران میں
پادشاہوں کا دیوؤں سے جہاں کرنا صاف درج ہے۔ ہندوؤں کی کتابوں میں
بھی ایسے عجیب الخلق لوگوں کے تذکرے پائے جاتے ہیں کہ انکو دیو سمجھیں تو
بیجا نہیں ہے۔ بہر حال یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ انتظام عالم کی جو کیفیت اب ہے
پہلے اس کے خلاف تھی اور بار بار انقلاب نے ترقی اور تنزل کی حالتیں دکھا دی
ہیں چیزوں کے نام بدل گئے شہر کے نام بدل گئے۔ جو قوتیں اور صنعتیں ہمدوم ہو گئیں انکے
بیانات اور تشریحات کے ذرائع بھی تو مفقود ہو گئے۔ پہلے کچھ تھا اور نقل ہوتے ہوتے
کچھ رہ گیا۔ کوئی راز جب کھدیا گیا راز نہیں رہتا۔ کوئی صنعت جب ایام گذر کے صنعت
کی مدین شمار نہیں کی جاتی۔ ایک شہر کو ہم بہت عظیم سمجھتے ہیں لیکن اس سے واقف ہو گئے
تو دل سے اسکی عظمت جاتی رہی۔ ہم بیان بیٹھے ہوئے زیوارت کے باشندے سے تار
کے ذریعہ سے گفتگو کر رہے ہیں۔ دن چھپنے کے بعد ہم بائیں پور میں سوئے
اور دن نکلنے کے پہلے ہم گلہ میں داخل ہو گئے۔ زمانہ پلٹ جائے۔ تار اور
ریل ہمدوم ہو جائیں تو ان باتوں کو کتاب میں پڑھ کر لوگ کس طرح سمجھ
سکیں گے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ تمام پچھلی باتیں انہیں دو جملوں پر قیاس کر لیا جائے

لیکن یہ تو فزدر کہین گئے کہ سوچنے کے لیے یہ بھی ایک پہلو ہے۔ ہاں خوب یاد آیا۔ ابھی حال ہی میں افریقہ جنوبی کے وحشیوں کو انگریزوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ جہالت کا امتقنا ہے سخت۔ یہ وحشی (مقابلہ کلاتے ہیں) تلوار لیکر توپ اور بندوق کے مورچے پر ٹوٹ پڑے۔ چلے تو تھے یہ سمجھ کر کہ انگریزوں کا خاتمہ کر دیں گے اور انگریزوں کے پاس بھی نرمی تلواریں ہو تیں تو شاید ہوتا بھی ایسا ہی۔ لیکن یہاں تو بندوق اور توپ تھی۔ باڑھ جو دغی سب راستہ ہی میں سلفہ ہو گئے۔ انگریزی سپاہیوں کی صورتیں بھی ان بیچاروں کو دیکھنا نصیب نہ ہوئیں۔ انہیں سے ڈوچار بیچ کر اپنی قوم کے پاس گئے تو کہنے لگے کہ انگریز بڑے جادوگر ہیں۔ سحر سے یہ مار ڈالتے ہیں لڑائی کی فزبت آنے نہیں پاتی۔ یہ ایک ایسا طریقہ ہے کہ بہت سی مذہبی باتیں اس طور پر بھی سمجھائی جاسکتی ہیں۔

فلسفہ کی تعلیم اسباب پر غور کرنے کی عادت پیدا کرتی ہے اور پھر یہ بھی سکھاتی ہے کہ باپ دادا سے سنی سنائی باتوں پر بے سمجھے عمل کرنا بے دانشی ہے۔ بس انہیں دو باتوں نے فلسفہ کو مذہب کے حق میں بڑا ثابت کر رکھا ہے۔ اب بعض تو فلسفہ پڑھنا ہی ناروا ٹھہراتے ہیں اور بعض یہ کوشش کرتے ہیں کہ فلسفہ پڑھائی جائے اور مذہبی امور میں تاویلین کر لی جائیں تاکہ مذہبی باتیں کھیل نہ معلوم ہوں۔ یہ دونوں اپنے اپنے طور پر مذہب کے خیر خواہ ہیں۔ فلسفہ عقل بڑھانے کے لیے پڑھائی جاتی ہے اور مذہب اخلاق سکھانے کو۔ مذہب کو تو یہ دونوں مقدم سمجھے۔ لیکن فرق اتنا رہا کہ ایک ایسی عقل کے بڑھنے سے باز آیا جس سے اخلاق بگڑ جائیں۔ اور دوسرے نے کوشش کی کہ عقل بھی بڑھتی رہے اور مذہبی اخلاق بھی قائم رہیں۔ لیکن ہمارے

نزدیک ایک تیسری صورت بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ سمجھنا کہ فلسفہ سے مذہب کو نقصان
 پہونچے گا۔ بیجا ہے۔ فلسفہ ہرگز مذہب کا دشمن نہیں ہے۔ لیکن فلسفہ کیا ہو ہی سمجھنے
 کی بات ہے۔ آگ کیونکر پیدا ہوئی۔ پانی کس طرح ہوا بن گیا۔ بخارات سے
 کس طرح بارش ہوتی ہے۔ اور ایسے ہی انتظام عالم کے متعلق دو چار باتوں کا سمجھ
 لینا لوگ فلسفہ پڑھنا سمجھ لیتے ہیں۔ اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ فلسفہ کی اصل ماہیت سے بہت سے
 طلباء ناواقف ہیں اور یہی ناواقفیت تھوڑی استعداد والوں کو حجابِ سحر کی طرح ابھرنے
 پر مجبور کرتی ہے۔ خلقت عالم کی ماہیت سے پورے طور پر تو آج تک کوئی واقف
 نہیں ہوا اور نہ واقف ہو سکتا۔ اتنا ہی سب سمجھ سکتے ہیں کہ عالم کی خلقت جسکی طرف
 منسوب ہوتی ہے یا سلسلہ اسباب جہاں جا کر ختم ہو چکا ہے اُسی قوت کا نام خالق عالم
 ہے اور عالم کے حالات مختلف طور سے سوچنے کا نام فلسفہ ہے۔ جب یہ معلوم
 ہو چکا کہ ماہیت عالم سے واقفیت حاصل کرنا عملی طور پر غیر ممکن اور محال ہے تو اب
 جو فکر کرنے کے جسکو صرف کردگار کہہ سکتے ہیں فلسفی کو یہ حق کمان سے پیدا ہوا کہ
 وہ کسی شے کو ممکن الوقوع یا کسی شے کو غیر ممکن الوقوع قطعی طور پر مان لے۔ ظاہر ہے کہ
 اب اصل شے لینے خلقت عالم پر قطعی رائے دینے سے سزدوری ہے تو اسکے
 ردعات کے متعلق کیونکر کوئی رائے مستحکم قائم ہو سکتی ہے۔ جس طرح خود بخود خالق
 خلقت کی خواہش سے عالم کا وجود ہونا مان لیا جاتا ہے ویسے ہی یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ
 مذہب کی تمام باتیں ہر وقت اور ہر لحظہ از سر نو پیدا ہو سکتی ہیں۔ آگ ٹھنڈی ہو سکتی
 ہے۔ پانی پتھر ہو سکتا ہے۔ مردہ زندہ ہو سکتا ہے۔ حیوانات انسان کی بولی بول سکتے
 ہیں۔ اب اس کو غیر ممکن تو وہ کہے جو پہلے یہ بتائے کہ آگ گرم کیونکر ہوئی پانی

سال کیوں ہوا۔ انسان کی پیدائش میں کیا کیا اسرار ہیں۔ مر کے جینا علی طور پر کیوں محال ہے۔ ہم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ اول انسان کس طرح پیدا ہوا۔ اُجائے کے بعد اندھیرا ہوا یا اندھیرے کے بعد اُجالا ہوا۔ پہلے دُنب میں سردی آئی یا گرمی۔ یا خود دنیا ہی کو کوئی بتائے کہ یہ کیا چیز ہے۔ یہ عجب خیال ہے کہ جس نئی بات کو ہم آگے سے دیکھ لیں اُسکے لیے تو ایک نہ ایک تاویل پر ایکے بغیر کبھی نہیں گئے اور جسے آگے سے نہ دیکھیں کان سے سنیں اُسپر بے تکلف اپنی رائے میں قائم کر لیں اور رائے بھی ایسی کہ اپنی عقل کو کم سمجھنے میں ہمیں ہزار دقیقین پیش آئیں اور قادر مطلق کے اختیارات کے مندرجہ کر لینے میں ہمیں ذرا بھی نا اہل نہ رہے۔

اگر فلسفہ کا یہ مطلب ہو کہ خالق عالم نے تخلیق عالم کے بعد اپنے ہاتھ کٹا ڈالے۔ دنیا کا گورکھ دھندھا بنا کر وہ وجود مطلق بن بیٹھا تو فلسفہ جہل مرکب ہے۔ اور اگر فلسفہ کا یہ مطلب ہے کہ خالق عالم نے دنیا کو دارالاسباب بنا یا ہر اور عموماً ہر بات کے لیے اُسے سبب قرار دے رکھے ہیں۔ ان اسباب کا خواہ مخواہ سمجھ جانا گو ہماری قدرت سے باہر ہے لیکن اپنے غرور کرنا ایک قسم کی عبادت ہے۔ تو ہم نہایت خوشی سے کہیں گے کہ فلسفہ بہت ٹھیک ہے اور ہر سچے مذہب کا یہی دستور ہونا چاہیے۔

منفصلہ بالا تحریر میں جو مختلف خیالات کی توضیح کی گئی ہے اُسے ایک دوسرے طور پر یوں سمجھنا چاہیے۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ یہ بیان تخت پر بیٹھا کر مومنین آدمیوں کو آڑا سکتی ہیں تو موجودہ تجربہ کے یہ خلاف ہوگا۔ مگر اس سے مذہب اسلام میں کچھ فرق نہ آئے گا اور اگر کوئی کہے کہ زمین پر یوں میں ایسی قوت نہیں ہے اور نہ پر یوں کا وجود ہے جب بھی اُسکے اسلام میں فرق نہ آئے گا۔ لیکن جو یہ سمجھے گا کہ یہ بیان خدا کے حکم سے باطل ہے اور

یہ دہم
سنان
سمجھنے
سے
کا سمجھ
سے
انہی نے
توقف
ف
ق عالم
علوم
تو اب
ہوا کہ
ہے کہ
رہے
وہ ذات
سکتا ہو
ہو سکتی
سکتے
نی ہانی

تو تین ہیں اور جو چاہتی ہیں کرتی ہیں تو بیشک وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔
یہ خوب واضح رہے کہ مذہب اسلام فلسفہ سکھانے نہیں آیا تھا۔ وہ صرف یہ بتانے آیا تھا کہ
سچو ایک ذات باری کے اور کسی کو قادر مطلق نہ مانو کیونکہ حسن معاشرت سکھانے کی لہجہ اتنا ہی کافی تھا
سنو دیکھتے ہیں کہ انکا مذہب عین فلسفہ ہے۔ لیکن ہے کہ ایسا ہو۔ لیکن مسلمانوں کے
نزدیک مذہب کا عین فلسفہ ہونا کوئی وصف نہیں ہے۔ مذہب کا کام ہر حسن معاشرت کا کھانا
عقلی منکے لگانے سے مذہب کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن اسکا یہ مطلب بھی نہیں ہے
کہ مذہب اسلام فلسفہ کے خلاف ہے۔ یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ عین فلسفہ ہونا
اور فلسفہ کے خلاف نہ ہونا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اسلام ہرگز فلسفہ کے مخالف
نہیں ہے لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بھی یقینی ہے کہ اسلام نے فلسفہ کی پردہ نہیں کی۔
اگر کوئی خاص فلسفہ مذہب اسلام اختیار کرتا تو مذہب کی اصلی غرض حسن معاشرت کے
نظر انداز ہونے کے علاوہ یہ نقص بھی پیدا ہوتا کہ یہ مذہب تمام دنیا کا مذہب اور ہر زمانہ کا
مذہب نہ رہتا فلسفہ گویا نتیجہ فکر کی ایک قسم ہو اور فکر انسانی ہمیشہ بدلتی رہتی ہو۔ اگر اسلام کوئی فلسفہ غلط
اختیار کرتا تو ایک زمانہ میں وہ جھوٹا سمجھا جاتا اور دوسرے زمانہ میں سچا سمجھا جاتا یا ایک
ہی زمانہ میں بعضوں کے نزدیک صحیح اور بعضوں کے نزدیک غلط ہوتا۔ اسلام کی
خاص حکمت ہے کہ وہ ہر زمانہ کے فلسفہ کے موافق ہے۔ جاہل سے جاہل قوم کی
سچی تشہی کر سکتا ہے اور بڑے بڑے عقلا سے زمانہ کو بھی وہ سمجھا سکتا ہے اس مضمون کو
وضاحت سے سمجھنے کے لیے "حکمت اور فلسفہ کے متعلق آیات قرآنی" فصل ۴۴
اور قصص قرآنی فصل ۵۳۔ شیطان اور جن "فصل ۵۴۔ سحر (جادو)" فصل ۵۱۔ انفثار
ارض و سما فصل ۵۰ پڑھنا چاہیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ فلسفہ مذہب اسلام کے خلاف نہیں ہے اور نہ اس کے بڑھنے سے آدمی گمراہ ہو جاتا ہے۔ قرآن کو جو کوئی محدود حالت میں مانتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ فلسفہ سے اسلام جاتا رہے گا وہ اسلام کی اعلیٰ عظمت سے واقف نہیں ہے۔ اس باب پنجم میں زیادہ تر مضامین اسی قسم کے لکھے جائیں گے جن سے فلسفہ جدید بڑھنے والوں پر یہ ثابت کیا جائے کہ قرآن مرت جہلا کی ہدایت کے لیے نہیں ہے بلکہ عقلا کی ہدایت کے لیے بھی ہے اور انکا بھی تشفی کرنے والا ہے۔

بعض مسلمانوں نے مجھ سے کہا کہ فلسفہ بڑھنے سے ان کے ایمان میں فرق آگیا اور اب خدا کو وہ دیکھنا نہیں سمجھتے جیسا پہلے سمجھتے تھے۔ میں نے اس کے جواب میں کہا کہ بچے اور بزرگ خدا کی نسبت یکساں خیال نہیں رکھ سکتے اور نہ علماء اور جہلا ایک سا خیال رکھ سکتے ہیں۔ جو چیز دیکھنے کی نہیں ہو وہ تصور کرنے کی ہے اس کی حالت تصور کے ساتھ بدلتی رہے گی مگر یہ تبدیلی ایمان میں کچھ فرق نہ ڈالے گی۔ حضرت موسیٰ اور گریٹر یسے کا قصہ شہنوی مولانا روم میں یوں مذکور ہے کہ گڈریا خدا سے ملنے کی تمنا ظاہر کرتا تھا اور کہتا تھا کہ خدا ملتا تو وہ اسے بھیڑ کا دو وہ بلاتا اور بڑی خاطر کرتا۔ حضرت موسیٰ نے اسے ڈانٹا لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ گڈریا اپنے پندار کے مطابق خدا کا خیال رکھے گا اور حضرت موسیٰ بنی دانیل کے مطابق خدا کا تصور کریں گے۔ نوعیت میں زمین و آسمان کا فرق ہو گا لیکن اصل میں دونوں متحد ہیں۔ اصل ایمان جو صرف ایک ہی ذات کو خدا سمجھنا اور اس کو سب پر بلا جانا اور اس میں دونوں فرق نہیں ایک سرگزشت میں اپنے مطلق بیان کرنا باعث دلچسپی سمجھتا ہوں۔ مجھے صفر سنہی میں عبادت کا بڑا شوق تھا اور خدا سے بیحد محبت تھی۔ خدا کا وجود میں جب بھی آتا تھا۔

اور اب بھی ماننا ہوں لیکن نوعیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلے میں سمجھتا تھا کہ خدا کے ہاتھ آدمی کے ہاتھ کی طرح ہیں اور وہ اپنے ہاتھ سے چیزوں کو اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھتا ہے۔ گجرات کا سفر مجھے پیش آیا اور میرا اونٹ دالانال اور اباب لیکر بھاگ گیا۔ قلعہ بہت طول طویل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مجھے اس بیگانی عجیب بھوک نے ستایا تو میں نے مسجد میں جا کر نماز پڑھی اور سر سجدہ میں رکھ دیا اور خدا سے درخواست کی کہ اور رزاق مطلق فلان طاق پر کوئی چیز کھانے کی رکھ دے۔ تین مرتبہ میں نے سجدہ سے سر اٹھا کر طاق کو دیکھا لیکن کوئی چیز نظر نہ آئی۔ مجھے دوق کا مل تھا کہ کوئی چیز ضرور لمبا لگی۔ گھنٹہ بھر میں اسی حالت میں مبتلا رہا۔ اب جب کبھی میں یاد کرتا ہوں تو اپنی حرکت پر مجھے بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ یہ نہایت ہی صغریٰ کا واقعہ ہے۔ اسکے بعد میں جب ذرا اور سن شور کو پونچا تو میرا یہ خیال ہوا کہ اپنے ہاتھوں سے چیزوں کا کھت اٹھانا خدائی کام نہیں ہے بلکہ اپنے لام میں اسے تاثیر دے رکھی ہے دعا مانگنے کے بعد اپنے موقع اور محل سے وہ کام خود ہو جاتا ہے۔ اسکے بعد چند آیات قرآنی ایک دعا کی کتاب سے میں نے یاد کر لیں اور جب کبھی ضرورت ہوتی تھی تو میں پڑھتا تھا اور وہ کام ہو جاتا تھا۔ سات آٹھ مرتبہ کامیاب رہ کر میں نے یہ خیال کیا کہ یہ دعا تیرہ ہفت ہر اسکے خلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ ایک مرتبہ نہایت ہی اہم کام کے لیے میں نے جلد کیا لیکن وہ کام میرا نہ بنا۔ مجھ کو نہایت بیداری ہوئی اور اس کے ساتھ ہی خدا کی طرف سے میرے دل میں ناامیدی (نوز بانسدین ذلک) پیدا ہوئی اور یہ خیال گزرا کہ میں نے اس التجا سے مانگا وہ کیسا خدا ہے کہ اسے دینے میں سبب کیا۔ اب میری عمر قریب بلوغ تھی وہ صغریٰ کی حالت نہ تھی کہ اتنی بڑی مایوسی کے بعد مجھ کو ملال نہ ہوتا۔ اس کا می پر مجھے سخت بخ ہو

بعد چند سے جب میری سطوات بڑھی تو میں اپنے خیال پر بہت نادم ہوا اور نے
 سر سے گویا مسلمان ہوا۔ اب میرے خیالات یہ ہیں کہ خدا سبب الاسباب ہے۔
 اسباب ظاہری میں اُس نے اپنے بندوں کو اپنے فعل کا مختار بنا دیا ہے۔
 اور رہنمائی کے لیے عقل دے دی ہے۔ لیکن اسباب خفیہ کو نہ کوئی جانتا اور
 نہ کسی کو سوائے ذات باری کے اُمین دخل ہے۔ خدا جو کچھ کرتا ہے اچھا کرتا
 ہے اور وہی اپنے افعال کی مصلحت جانتا ہے۔ بندہ لاکھ جانتا ہے لیکن خدا
 وہی کرتا ہے جو اُس کے نزدیک مناسب ہے۔ اُس کے افعال جو اسباب خفیہ کے
 ذریعہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ درکات انسانی سے باہر ہیں۔ اُن پر غور کرنا عبادت
 ہے لیکن اُس کے پیچھے پڑنا گمراہی ہے۔ اب میں سوچتا ہوں تو اپنے اسلام کو نسبت سابق
 کے کمین اچھا پاتا ہوں۔ اسی کو سعدی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔

کہ بے علم نتوان خدا را شناخت

فصل پنجم

آفرینش ارض و سما

خلقت ارض سما کے متعلق گو کوئی قطعی راے قائم نہیں ہوئی ہے لیکن لوگوں کا
 خیال ہے اور تورات موجودہ سے بھی اسکا پتہ چلتا ہے کہ پہلے پانی ہی پانی تھا
 خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے اس میں حرارت پیدا کی تو پانی بڑھا گیا اور بخار
 اُڑے جہاں سخت ہو کر زمین کی صورت میں آگئی اور بخارات سے آسمان بنے
 آسمان کیا ہیں اور کیونکر بنے اسکی توضیح آئندہ کی جائے گی۔ ہر وقت صرف یہ کہنا کہ
 اگر خلقت ارض سما کی یہی صورت مانی جائے تو قرآن سے اسکی نفی نہیں ہوتی بلکہ کچھ تائید ہوتی ہے قرآن میں

”پھر آسمان بنایا اور وہ گہر تھا“ سورہ حم رکوع ۲

اور دوسری جگہ ہے۔

”اُمّی نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں اور تھا اسکا تخت زمین پر“

سورہ ہود رکوع ۹

”چھ دن“ کا لفظ اسوقت موضوع بحث نہیں ہے اور ”تخت“ کا لفظ مجازاً لکھا گیا ہے۔ خدا کے لیے کسی مکان کا تخلص نہ ہوتا تمام مسلمانوں میں مسلم ہے اور باقی آریہ کے کئی صاف ہیں۔ خبر یہ قدامت نہیں ہے۔ اس کے تعلق کوئی راستہ یقینی کسی نے قائم نہیں کی۔ سادہ مذہب نے کوئی صاف بات بتائی اس لیے اسکو جس طرح چاہیں فرض کر سکتے ہیں بشرطیکہ احکام قرآن سے مخالفت نہ ہو۔ لیکن بحث طلب صرف یہ امر ہے کہ علم ہیئت کے تعلق جو کچھ قرآن میں بیان کیا گیا ہے اسکا کیا مطلب ہے جب تک یونانی زبان کے علوم عربی میں ترجمہ نہیں ہوئے تھے اسکی طرف مسلمانوں کو توجہ نہیں ہوئی اور اگر کچھ توجہ ہوئی تھی تو جو ہیئت یہودیوں کے نزدیک آسمان و زمین کی تھی اُمّی کے مطابق لوگ آیات قرآنی سمجھتے رہے۔ بعد ازاں جب یونانی لکھا میں عربی میں ترجمہ ہوئیں تو علماء اسلام قرآن کی تفسیر میں یونانی علم ہیئت کی جو یہودیوں کی معلومات سے زائد تر نہ تھی۔ اتباع کی۔ مثلاً قرآن میں سبع سموات (سات آسمان) مذکور ہے اور یونانیوں نے آسمان نو قرار دیے تھے۔ علماء اسلام نے ”کرسیا مسموات والارض“ اور ”دھورب العرش العظیم“ پر لحاظ کر کے سات آسمان کے ساتھ کرسی اور عرش شامل کر دیے اور اس طرح نو آسمان

سے غم استغی الی اسماء و جی و خان۔

سکھ و جی و خلق السموات والارض فی سبۃ الایام و کان عرشہ علی الماء۔

قرآن سے بھی ثابت کر دیے اور قرآن کے اس معجزہ کو کہ وہ ہر طبقہ کے انسان کا تسفی کرنے والا ہے سچا ثابت کر دکھایا۔ مہر زمانہ نے ادھر بہت سی تفسیریں قرآن کی پیدا کیں اور ہر ایک میں ہیئت یونانی کی تقلید کی گئی اور اب قرآن کو اس ہیئت سے الگ کر کے سمجھا گیا جو مفسرین سے اختلاف کرنا سمجھا جاتا ہے۔ اب قریب آٹھ سو سال بعدی میں نظام شمسی کے آنے والے اتنے بڑھے کہ ہیئت یونانی ایک دم سے باطل ہو گئی۔ اب اگر قرآن ہیئت یونانی کا تابع سمجھا جائے تو قرآن کا بھی بطلان لازم آتا ہے۔ ہم قرآن کے اس معجزہ کو سچا سمجھتے ہیں کہ وہ ہر ایک شخص کی تسکین کر سکتا ہے اور اسلام کے اس دعویٰ کو بھی ہم سچا سمجھتے ہیں کہ وہ ہر حالت اور ہر موقع کے مناسب ہے۔ اس لیے حکمران ہوتی اس امر کی طرف کہ اگر تحقیقات جدیدہ کو ہم باطل نہیں کر سکتے۔ یہ ضرور ثابت کر سکیں گے کہ قرآن موجودہ علم ہیئت کے منافی نہیں ہے۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہم تحقیقات قدیمہ کو صحیح اور تحقیقات جدیدہ کو غلط کہیں اور اس لیے موجودہ تفاسیر سے حکموں اختلاف نہ کرنا پڑے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہم اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تحقیقات جدیدہ میں بہت سی باتیں ایسی پائی گئی ہیں جو طبیعیات میں داخل ہو جاتی ہیں۔ دور میں نے بہت سی چیزیں ہمیں آنکھوں سے دکھا دی ہیں۔ اگر ہم آگ کے روشن ہونے سے انکار نہیں کر سکتے تو تحقیقات جدیدہ کے صحیح ہونے سے بھی انکار نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں کا یہ کوشش کرنا کہ تحقیقات جدیدہ غلط ہیں انہیں ایک دوسرا الزام جہالت کا عاید کرے گا۔ علوم کے تمام باریک سائل کا لکھنا اس کتاب کے موضوع سے الگ ہو جانا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس طرح مصنف عام فہم نہ ہے اس لیے چند موٹی موٹی باتیں ہم درج کرتے ہیں جنکو تھوڑے سے علم

سہیت جانتے دے بھی سمجھ سکیں۔ اور جو حضرات اس قدر بھی نہیں سمجھ سکتے اُنکے لیے
موجودہ تفسیر قرآن کی کافی ہے کیونکہ اُنکے دل میں کبھی خدشات پیدا ہونگے اور نہ
مخالفین کبھی اُنسے مباحثہ کریں گے مثلاً۔

۱۔ یونانیوں نے صرف سات سیارے دریافت کیے تھے اور اسلئے اُن کے
یہ سات آسمانوں کی ضرورت تھی۔ اب دور بین سے زمین چھوڑ کر دس سیارے
نماہت ہوئے ہیں۔ پہلے مسلمانوں نے سب سے سادہ سات کا ترجمہ آسمان کیا۔ اب اُسکا
ترجمہ گیارہ سادہ ہونا چاہیے۔ لیکن ممکن ہے کہ کوئی اور تیز دور بین سمجھے اور چند سیارے
اور نظر آئیں اسلئے سب سے معنی متعدد ہوں تو اچھا۔ ہم آگے دکھائیں گے کہ ”سبعہ“ کے
معنی ”متعدد“ ہیں اور یہ معنی اُس وقت کے گئے تھے جب سات آسمانوں سے زیادہ
دریافت نہیں ہوئے تھے۔

۲۔ آسمان کو پیاز کے چھلکے کی طرح تو بہ یونانیوں نے اجسام مانے ہیں
اور مفسرین نے بھی اسی کا تتبع کیا ہے۔ اب یہ وقت ہے کہ دور بین سے بعض
ستاروں کے گرد نظر آتے ہیں۔ مثلاً مشتری کے گرد چار قمر ہیں۔ اگر سیاروں کا
مدار خلا میں یا کسی لطیف جسم میں نہ ہو اجسام میں ہو تو ان قمروں کی گردش متعدد ہو جائے
یا اجسام کو چکنا چور کر ڈالیں۔

۳۔ اگلے زمانہ میں یونانی حکماء مدار ستاروں کو سمجھتے تھے کہ آسمان اور زمین کے
بیچ میں پیدا ہوتے ہیں اور فنا ہو جاتے ہیں۔ اب دور بین سے معلوم ہوا کہ یہ سستقا
ستارے ہیں اور تمام ستاروں کے اوپر نکل جاتے ہیں۔ یونانیوں سے
جس طرح کا جسم آسمانوں کا مانا ہے وہی ہوتا تو وہ مدار ستاروں کو روکتا اور مدار ستاروں

کی وجہ سے تمام آسمان شیشہ کی طرح چکنا چور ہو جاتے۔

۴۔ حکماء یونانی شمس کو زمین کے گرد گھومنے والا مانتے ہیں لیکن اگر ان کے پاس دور بین ہوتی اور وہ زہرہ وغیرہ سیاروں کا بدر و ہلال ہونا دیکھتے تو سمجھتے کہ آفتاب کے گھومنے سے یہ بات پیدا نہیں ہو سکتی بلکہ زمین مع تمام سیاروں کے آفتاب کے گرد گھومے جب ہی پیدا ہو سکتی ہے۔

۵۔ دور بین سے کبھی عطار د اور زہرہ آفتاب سے نیچے دکھائی دیتے ہیں اور۔ کبھی آفتاب کے اوپر دکھائی دیتے ہیں۔ اگر یونانیوں کی طرح فلک اول پر زہرہ۔ دوم پر عطار د۔ سیوم پرنس مانا جائے تو یہ صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ صورت جب ہی پیدا ہو سکتی ہے کہ شمس کے گرد عطار د۔ عطار د کے بعد زہرہ۔ زہرہ کے بعد زمین چکر لگائے۔

غرض کہ یونانیوں کا یہ قول کہ آسمان شیشہ کا سا ایک جسم ہے اور بیاز کے چمکولوں کی طرح توبہ توجا ہوا ہے اور اُس میں سیارے جس میں شمس بھی داخل ہے جڑے ہوئے ہیں۔ آسمان زمین کے گرد گھومتے ہیں اور ان کے ساتھ سیارے بھی گھومتے ہیں۔ اتنا غلط ثابت ہوا کہ برہمیت میں داخل ہو گیا ہے۔ نظام بطلیموس (یونانی) کے صحیح ماننے میں ایک یہ بھی بُرائی ہے کہ خدا کی قدرت محدود ہو جاتی ہے اور نظام شمسی ماننے میں خدا کی قدرت کا مد جو مثل اس کے بے انتہا ہے غیر محدود معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے اس مقولہ کو وہ بخوبی سمجھ سکتا ہے جو نظام شمسی کو پورے طور پر جانتا ہے۔

ہم اپنے مفسرین کے سمجھانے کے لیے اگر تمام آیتوں سے بحث کریں

تو مضمون ہے وجہ لول ہو جائے گا۔ لیکن اُن تمام اہم آیتوں سے ہم ضرور بحث کرنا چاہتے ہیں جنکے سمجھنے کے بعد پھر تمام قرآن کا نظام شمسی کے مخالف نہ ہونا بخوبی سمجھ میں آجائے۔

قرآن میں سارا لفظ عموماً بولا گیا ہے۔ سارے معنی لغوی پہلے سمجھنا چاہیے۔

قاموس میں لکھا ہے کہ ”السا حروف“ یعنی آسمان وہی ہے جسے سب جانتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ سب کسے آسمان جانتے ہیں۔ ہندوستان میں جسے لوگ آسمان سمجھتے ہیں اُسی کو عرب بھی جنکی زبان میں قرآن اُتراتا آسمان سمجھتے تھے اور اُسی کو تمام دنیا کے لوگ اپنے دل میں آسمان سمجھتے ہیں۔ یعنی زمین کے گرد نیلی یا سبز چیز جو چاروں طرف سے زمین کو گھیرے ہوئے نظر آتی ہے وہی ساہج اور یہ علم مہیت کے آسمان سے الگ ہے۔ نظام بظاہر سی کے رو سے بھی یہ وہ شیشہ والا آسمان نہیں ہے جس میں کو اکب جڑے ہوئے ہیں یا تیر رہے ہیں اور نہ نظام شمسی والا یہ خلاے محض ہے جس پر سیاروں کا مدار ہے بلکہ یہ ایک دوسری شے ہے۔ تمام حکماء قایل ہیں کہ زمین کے اوپر طبقہ ہوائی ہے۔ اس طبقہ ہوائی میں آنتاب کی کرنیں منعکس ہو کر یہ رنگ پیدا کرتی ہیں جو سب کو نظر آتا ہے تو گویا آسمان جو ہموار دکھائی دیتا ہے اسی زمین کا ایک جزو ہے اور ممکن ہے کہ اور سیاروں میں بھی ایسے ہی آسمان ہوں۔ سورہ حم میں اس آسمان کو ”سما و دنیا“ لکھا ہے۔ کتنا پرستنی لفظ ہے۔ غرض کہ اصلی معنی آسمان کے ہیں یہی نیلی چھت جو اوپر نظر آتی ہے۔ لیکن مجازاً اسکو ہر چیز پر بول سکتے ہیں جو اوپر ہے۔

اسی لحاظ سے سارا لفظ قرآن میں چار معنوں میں بولا گیا ہے۔

۱۔ کہیں اُس نیلی چیز پر بولا گیا ہے جو دکھائی دیتی ہے۔

۲۔ کبھی محض فضا سے محیط پر بولا گیا ہے۔

۳۔ ابراہیم بادل کے معنی میں بھی بولا گیا ہے۔

۴۔ ستاروں کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔

قسم اول یعنی نیلی چھت کے معنی میں جہان سما کا لفظ استعمال کیا گیا ہے
وہاں زائد مخاطب کا لحاظ کیا گیا ہے یعنی عرب کے لوگ اس نیلی چھت کو جس طرح
کی سمجھتے تھے کہیں کہیں انھیں کے پیار کے موافق اُسے گفتگو کی گئی ہے۔ قرآن
میں جہان آیا ہے کہ آسمان کو دیکھو وہاں اکثر آسمان سے نیلی چھت مراد ہے کیونکہ وہی
دیکھنے کی چیز ہے۔ اُن تمام آیتوں کے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے جہاں کسی قسم کی
بحث پیدا نہیں ہوتی لیکن وہ آیتیں جنہیں شہادت پیدا ہو سکتے ہیں ضرور قابل
مذکرہ ہیں۔

۵۔ اگر ہم کھول دیں اُن پر دروازے آسمان کے اور وہ ایسے ہو جائیں کہ وہ تمام
دن اُس میں چڑھتے رہیں جب بھی کہیں گے کہ ہماری ڈھیٹھ بندھی ہوئی ہے
یا ہم پر جادو ہوا ہے۔

اس میں جو لفظ دروازے کا آیا ہے اُس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آسمان میں دروازے
ہیں بلکہ ایک غیر ممکن بات فرض کر کے کہی جاتی ہے کہ آسمان میں دروازہ ہو جائیں
اور کفار چڑھنے لگیں جب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے اور کہیں گے کہ ہم پر جادو کیا
گیا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ایسی ہی غیر ممکن بات کو مثلاً بیان کر کے اس

لے وَلَوْ تَحَوَّلَ عَلَيْهِمُ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اِنَّمَا سُبُكْتُ الْبَصَارَ اَبْلُ خُنَّ قَوْمٌ مَّسُوءٌ

معنی کی اور توضیح کی گئی ہے۔

”ہماری نشانیاں جنہوں نے ٹھٹھکائیں اور انہماک کر کے ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھلیں گے (یعنی ان کے حق میں خیر و برکت نہ ہوگی) اور نہ وہ بہشت میں جائیں گے جب تک سوئی کے ناکے میں اونٹ نہ گھسے گا۔“

یعنی اونٹ کا سوئی کے ناکے میں گھسنا جس طرح محال ہے اسی طرح انکا بہشت میں جانا محال ہے۔ اسی طرح سورہ اول کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ جس طرح آسمان میں دروازہ نہ کا ہوا محال ہے اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ جنکے لیے ایمان لانا بے نہیں ہے وہ ایمان لائیں۔ اسی مقام پر تفسیر کہہ رہی ہیں جو کچھ لکھا ہے اس کے ایک جزو کا ہم ترجمہ کرتے ہیں۔ ”الحاصل یہ ہے کہ جب اہل عرب نے رسول خدا پر ایمان لایا آسمان سے فرشتوں کے اترنے پر مشغول کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتایا کہ اگر بر تقدیر ایسا ہو تب بھی مسکین کہیں گے کہ یہ جادو ہے اور جو چیزیں ہکود دکھائی دیتی ہیں فی الواقع ہم انکو نہیں دیکھتے اب اگر یہ کہا جائے کہ جب آسمان میں فرشتوں کے اترنے اور کافروں کے چڑھنے کے لیے دروازہ رکھا گیا تو آسمان کو ٹھوس ہونا چاہیے نہ کہ ہوائی تو ہم کہیں گے کہ بیشک جن لوگوں سے گفتگو کی گئی تھی وہ آسمان کو ٹھوس ہی سمجھتے تھے اور انہیں کے خیال کے مطابق اُن سے گفتگو کی گئی۔ اس سے یہ نہیں نکلتا کہ خدا نے اس نبی جھوٹ کو اینٹ۔ پتھر۔ شیشہ یا کسی اور ٹھوس چیز کی بنی ہوئی بتائی ہے محض بندوں کے خیالی جسم پر بندوں کے محاورہ کے موافق دروازہ کھولنے کا اطلاق ہوا ہے نہ بطور اصل حقیقت کے۔“

۱۵ ان الذين كذبوا بآياتنا هم سكران لا يفقهون لهم العذاب ولا يسمعون له ولا يحزنون انهم في سمر لجاما۔

ایک جگہ ہے۔ "آسمان کو ہم نے محفوظ چھت بنائی" اور دوسری جگہ ہے "قسم ہے اونچی چھت کی" ان دونوں مقاموں پر سقف محفوظ (محفوظ چھت) اور سقف مرفوع (اونچی چھت) میں سقف (چھت) سے بھی نیلی چیز مراد ہے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ آسمان کو چھت اس لیے کہا کہ وہ زمین کے لیے ایسا ہی ہے جیسے کہ گھر کے لیے چھت۔ اسمین جو لفظ مرفوع آیا ہے وہ بھی کچھ بے موقع نہیں ہر بیشک یہ نیلی چھت مرفوع نظر آتی ہے۔ لیکن مرفوع ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اونٹ لگا کر گنبد بنایا گیا ہے۔

"کیا وہ اپنے آگے پیچھے آسمان و زمین نہیں دیکھتے۔ اگر ہم چاہیں تو انکو زمین میں دھنسا دیں یا چاہیں تو انہیں آسمان سے کوئی ٹکڑا ڈالیں" کفار کہا کرتے تھے کہ اگر ہم خدا کا کہنا نہیں مانتے تو خدا ہم پر آسمان کیون نہیں گرا دیتا کہ ہم دب کر مر جائیں۔ کفار اپنی پندار میں سمجھتے تھے کہ نیلی چھت ایسی ٹھوس ہو کہ اسکے گرنے سے لوگ بجا نہیں گئے ان کفار کی پندار کے موافق آیت اتری کہ زمین و آسمان سب خدا ہی کا بنایا ہوا ہے جیسا کہ کفار دیکھتے ہیں۔ پھر خدا کے لیے یہ کیا مشکل ہو کہ وہ زمین میں کفار کو دھنسا دے یا آسمان کا ٹکڑا کفار پر گرا دے۔ یہاں ٹکڑا زیر بحث نہیں تھا۔ بلکہ خدا کی قدرت زیر بحث تھی۔ مخاطب عرب تھے اس لیے انھیں کی سمجھ کے موافق اور انھیں کے محاورات کے مطابق ٹکڑے کا لفظ بولا گیا۔ یہی زیادہ تر صاف ہو جاتے ہیں دوسری آیت کے

۳۳ وجعلنا سماء سقفا محفوظا۔ الانبیاء آیت ۳۳

۳۴ والسقف المرفوع۔ الطور آیت ۵۔

۳۵ افلا یبہدوا لی ما بین یدیمہم دما خلفہم من السماء والارض ان نشاء نحن بہم الارض ونسقط علیہم کسفا من السماء۔ سبا آیت ۹۔

چڑھنے سے۔ کافرون نے پیغمبر سے کہا: تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا ٹکڑا اگر اتر پھر اس کے جواب میں اگر کہا جائے کہ خدا ٹکڑا گرانے پر قادر ہے تو بلحاظ مخاطب کے خیال کے کیا بیجا ہوا۔ اور ممکن ہے کہ سما سے بادل مراد ہو جیسا کہ آگے بیان کیا جائیگا تو پھر مطلب اور بھی صاف ہو جاتا ہے کہ زمین اور بادل انسان کے لیے مفید ہیں۔ مگر انکو خدا اس طرح مضر کر سکتا ہے کہ زمین کو دھنسا دے اور تندرست بانی برسنے کے عوض ایک دم سے ابر کو گرا دے کہ شدت بارش باعث ہلاکت ہو۔ اسی کے قریب قریب امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں: "خدا نے اس سے کافرون کو تہدید کی ہے کہ ہم چاہیں تو زمین کو دھنسا دیں یا آسمان کو ٹکڑہ ٹکڑہ کر دیں جو چیز تمہارے فائدہ کی ہے اسے مضر کر دیں دھنسا کر یا ٹکڑہ ٹکڑہ کر کے۔"

"جس دن ہم لپیٹ لیں گے آسمان جیسے لپیٹتے ہیں طواریں کاغذ" اتنا رقیق اور قدرت خدا کا ذکر ہے کہ جس طرح خدا نے آسمان پیدا کیا اسی طرح اسکو نیست بھی کر دے گا یعنی جس طرح پھیلا یا اسی طرح سمیٹ بھی لے گیا۔ اس سے ٹھوس ہونا آسمان کا معلوم نہیں ہوتا بلکہ سکی نفی ہوتی ہے۔ اگر وہ ٹھوس ہوتا تو کاغذ کی طرح لپٹا لیکر لیکن واضح رہے کہ اس سے کاغذ کی طرح ہونا بھی پایا نہیں جاتا۔ یہ بھی ایک طرز پر بیان کا۔ اس سے مقصود صرف معدوم کرنے کا بیان کرنا ہے۔ جیسا کہ مابعد عبارت سے ظاہر ہے "جیسا کہ ہم نے پہلے پہل پیدا کیا تھا دیسا ہی پھر کر دیں گے" دیکھنا اول خلق (غیرہ) اسکا مطلب یہ ہے کہ زمین و آسمان کو نیست کر کے پھر ہم پیدا کریں گے۔

فاسقط علینا کفنا من السماء ان کنتم من الصادقین۔ انشور آیت ۱۸۷ -

یامطوی السماء علی السجیل مکتوب۔ انبیاء آیت ۱۰۴ -

قرآن میں ایک دوسری جگہ پر ہے کہ ”آسمان اللہ کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہیں“ (والمسوات مطويات بيمينه) صاحب کشف نے اس موقع پر لکھا ہے کہ ”مٹھی سے ملک خدا مراد ہے۔ اور دائیں ہاتھ سے اسکی قدرت مراد ہے اور اُسکے داہنے ہاتھ میں لپٹے والے سے مراد ہے فنا ہونے والا۔“

عرب سمجھتے تھے کہ مثل زمین کے آسمان ایک ٹھوس چیز ہے اور وہ زمین کے اوپر اس طرح سے ہے جس طرح رکابی کے اوپر سر پوش رکھا جاتا ہے۔ خدا نے عربوں کی سمجھ کے مطابق اگر یہ کہا کہ یہ گنبد چرخ اتنا پُرانا ہے لیکن ہنوز قائم ہے زمین پر گرنے نہیں پاتا تو آخر کسی قوت نے اسکو سنبھال رکھا ہے اور وہی خدا ہے۔ ”وہی تمام رکھتا ہے آسمان کو زمین پر گرنے سے۔“ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن میں یہ نیلا آسمان ٹھوس مانا گیا ہے اور اگر آسمان سے کوکب مراد لیے جائیں جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا تو تاویل کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ عرب جسے آسمان سمجھتے تھے اور جسے وہ ٹھوس سمجھتے تھے اسکی بیان ہے اور انھیں کی سمجھ کے موافق الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

”جب آسمان پھٹے گا تو گلابی تیلیا ہو جائے گا۔“ اسی طرح اور بھی چند آیتیں ہیں جنہیں آسمان کا پھٹنا چرنا۔ کھلنا ٹکڑہ ٹکڑہ ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اور زیادہ تر آثار قیامت کے تعلق یہ بیانات ہیں یہ قصود ان سب سے آسمان کا فنا ہونا ہے۔ عربوں کے خیال کے مطابق فنا ہونے کی صورت بیان کی گئی ہے تاکہ انکو سمجھنے میں دقت نہ

نہو۔ سکھانا تھا اخلاق اور سکھایا جاتا علم ہیئت تو مطالبت ہوتا سیلے کی پندار کے موافق الفاظ اختیار کیے گئے۔ اسی مضمون کو شاہ ولی اللہ صاحب نے فوز الکبریٰ میں لکھا ہے۔ "پس اگر برخلاف طور ایشان (عرب اول) گفتہ شود بحیرت در مانند چیزے نا آشنا گبوش ایشان رسد و فہم ایشان را مشوش سازد" اب اگر یہ کہا جائے کہ قرآن تو صرف عربوں کے لیے نہ تھا تمام جہان کے لیے تھا دوسرے کیونکر سمجھیں تو کہا جاسکتا ہے کہ اہل مقصود عرب کو سمجھانا تھا اور اسلئے صرف عربی زبان میں قرآن اُترا دنیا کی سب زبانوں میں نہیں اُترا۔ اور عربوں کے ذریعہ سے پھر تمام دنیا میں پھیلا نا مقصود تھا۔ اب جہان قرآن جائے گا وہاں کے لوگ سمجھ جائیں گے کہ قرآن میں بہت سی باتیں مخاطب یعنی عربوں کے پندار کے موافق کہی گئی ہیں۔ اگر کسی کی استعداد بیدار ہوں اور اُس سے کہا جائے کہ تم بیبیوں کے ساتھ بد سلوکی کرتے ہو عجیب ہے تو جتنے سننے والے ہیں سب سبق حاصل کریں گے اور سمجھیں گے کہ بی بی کے بد سلوکی جُبری شے ہر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ نفیحت صرف اُسکے لیے تھی جسکے بیدار ہوں میرے تو صرف ایک بی بی ہے میرے لیے بد سلوکی جُبری نہیں ہے۔

قرآن کے سورہ نازعات میں "انتم اشد خلقاً ام السماء" تم خلقت میں زیادہ مضبوط ہو یا آسمان۔ مضبوط ہونے سے ٹھوس ہونا مراد نہیں ہے بلکہ کمال قدرت کا اظہار مراد ہے۔ خدا کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی تمام سرسبز جی آسمان سے متعلق ہے۔ دھوپ نہو۔ مینہ نہر سے تو دنیا کا خاتمہ ہو جائے۔ اور یہ دونوں چیزیں آسمان سے آتی ہیں یعنی غیبی جہت کی طرف سے تو جس خدا نے آسمان بنا ڈالا پھر اُسے

الان کا بنانا اُسکا مارنا اور پھر بنانا عذاب و ثواب دینے کے لیے کیا مشکل ہے۔

سورہ بقرہ کی ۲۰ آیت ہے »الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناءً«
اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو محل بنایا
آسمان بمقابلہ زمین کے ضرور محل کی صورت میں ہے۔ گنبد نیلگون معلوم
ہوتا ہے۔ آفتاب، ماہتاب، ستارے قندیلوں کی طرح ٹلکے ہوئے ہیں۔
محل سے یہ مراد لینا کہ وہ کسی سخت چیز سے ڈانٹ لگا کر جوڑا گیا ہو۔ ایسے پتھر
یا شیشہ کا بنا ہوا قرآن کا مفہوم نہیں ہے۔

دوسرے معنی سما کے فضا کے محیط کے ہیں۔ اور جو آیتیں اس قسم کی
ہیں انہیں زائد سمجھیں نہیں ہیں۔

فصلت ۱۱ و ۱۲ میں ہے »پیدا کیا بلندی کو اور وہ دھوان دھانی تاریک
تھی اور کہا اُسکو اور زمین کو حکم مانو خوشی سے یا ناخوشی سے دونوں نے کہا ہم
نے حکم مانا خوشی سے پھر کہ بے سات یا مستعد آسمان دو دن میں ادر ڈال دیا
ہر آسمان میں اُنکا کلام۔«

دھوان کا ترجمہ کسی نے کٹر کیا ہے۔ کسی نے دھوان دھار کیا ہے اور کسی
نے تدریک کیا ہے اور یہ سب معنی علما کے خیالات کے بھی موافق نہیں۔
فضا کے محیط میں کواکب کی روشنی کے قبل تاریکی تھی۔ اس فضا کے محیط میں

ثم استوى الى السماء وهي دخان فقال لها وللارض ائتيا طوعاً أو كرهاً قالتا اتيناهما طعنين فقضاءهن
سبع سموات في يومين وادخل في كل سما امرأۃ۔

سیارے گھومتے ہیں۔ انکے گھومنے کی حدیں مقرر ہیں۔ ہر ایک حد کو ایک جدا
آسمان علمی قاعدہ سے کہہ سکتے ہیں۔ خدا نے کو اکب بنا کر گردش دی۔ اور
ہر ایک کے مقام گردش کو ایک جدا آسمان قرار دیا۔ یہ علماء سے حال کی رہنمائی
اور قرآن اسکے خلاف معلوم نہیں ہوتا۔ فضا سے محیط کا خلا سے محض ہونا یا اجزائے
لطیف سے چڑھنا علمائے اہل علم میں متنازعہ فیہ ہے لیکن مذہب اسلام کو اس سے بچت نہیں
ہے کہ وہ خلا سے محض ہے یا وہ ان کوئی شے ہے لیکن ایسی لطیف کہ گردش
کو اکب میں مزام نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ ایک محوس جسم میں کو اکب
کا چڑھنا اور مع کو اکب کے اُسکا گھومنا جیسا کہ یونانی کہتے تھے اور جواب تحقیقات
جدید سے باطل ثابت ہوا جو قرآن میں مذکور نہیں ہے۔ اس آیت میں استوعبی
کے سننے ہم نے لکھے ہیں پیدا کیا اور اکثر مفسرین یہی معنی لیتے ہیں۔ ایک
اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ خلا ایک غیر معدوم ہے تو اس سے خدا نے خطاب کیونکر کیا
لیکن یہ محض لفظی تکرار ہے۔ جو شے مقام گردش کو اکب ہے اسے معدوم کس طرح
کہہ سکتے ہیں وہ ضرور موجود مانی جائے گی چاہے وہ خالی ہو یا بھری ہوئی ہو۔
اس قسم کی آیات میں بروج کا لفظ بھی آیا ہے۔ مثلاً۔

”وَبُذِّبَتْ کَکَتْ هِيَ اُسْکِیْ جِسْ نَے آسْمَانِ مِیْنِ بَرْجِ بِنَانِے اَوْرَ اُسْمَانِ جِرَافِ
اَوْرَ جَانْدَرُوشَن لَکْھِے۔“

بروج کے معنی بعضوں نے کو اکب کہے ہیں اور بروج واسے آسمان کو
لکھا ہے کو اکب والا آسمان اور بعضوں نے بروج سے منازل قرار دیا اور منازل سیارات

ﷲ تَبَارَکَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّامِیِّ رَحًا وَجَعَلَ فِیْهَا سَرَابًا وَقَرَّٰ نَیْبًا۔ الفرقان آیت ۶۲۔

مراد ہے ہیں اسی کے قریب قریب سنون میں بارہ برج اہل تخم میں مشہور ہیں۔
بروج سے منارے اور طاق کسی طرح مراد نہیں ہو سکتے ہیں اس قسم کی آیات میں
کہیں کہیں آسمان کے دروازے بھی مذکور ہوئے ہیں۔ مثلاً۔
”نہ کلّین گے اُنپر دروازے آسمان ﷻ کے“

یہاں دروازے سے مراد ہے برکت آسمانی۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہوا ہے کہ
”اُنپر دروازے نہ کھلنے کے یہ سننے ہیں کہ اُنپر یعنی کافرون پر خیر و برکت نہ نازل ہوگا“
میسے قسم کی وہ آیتیں ہیں جنہیں آسمان ابر کے سننے میں بولا گیا ہے۔ مثلاً۔
”بھیجا ہم نے بادل کو اُنپر دھڑے سے برساتا ہوا“

اس قسم کی آیتوں میں کوئی آیت قابلِ بحث نہیں ہے۔ صرف ایک جگہ ”وإسماہ
ذات الرج“ ہے جبکہ ترجمہ آسمان صاحبِ رحمت کر کے شاید آسمان کے گھومنے
کا خیال محضوں نے پیدا کیا ہے۔ اور یونانیوں کا آسمان سمجھا ہے۔ لیکن اس بارے
میں تفسیر میں بہت صاف ہیں۔ تفسیر کبیر میں رج کے معنی میٹھ کے ہیں۔ اور اسے
عبارت مذکورہ بالا کا ترجمہ یہ ہوگا ”میٹھ والا بادل“ علاوہ اسکے اور بھی کئی معنی مفسران
نے لکھے ہیں۔ لیکن یونانیوں کا آسمان کسی معنی سے ثابت نہیں ہوتا۔

چوتھی قسم کی وہ آیتیں ہیں جنہیں سما کی جمع سلوات مستعمل ہوئی ہے اور اسکے
معنی کو اکب کے ہیں۔ عرب کے محاورہ میں طرف سے منظور مراد لینا بہت عام
ہے۔ فضا سے محیط زمین کو اکب پھرتے ہیں اس لیے فضا سے محیط آسمان

ﷻ لافتح ہم الواب السماء - اعراف ۳۸۔

ﷻ وارسلنا السماء علیہم زارا۔ انعام ۶۔

یا سار بول کر اس سے کو اکب مراد لے سکتے ہیں۔ ان آیتوں سے ہکویہ دکھانا ہے کہ قرینہ بھی ایسے ہی امکان کا مقتضی ہے۔

سورہ ملک آیت ۴ میں ہے۔ "الذی خلق سبع سموات طباقاً"۔ ترجمہ۔ جس نے پیدا کیا سات یا متعدد آسمانوں یا کو اکب کو تلے اوپر۔ اسمین ہر ایک لفظ بحث طلب ہے۔ آسمانوں سے کیا مراد ہے۔ سات سے کیا مراد ہے اور تلے اوپر سے کیا مراد ہے۔ پہلے ہم یہ طے کرنا چاہتے ہیں کہ آسمانوں سے کو اکب مراد ہیں کیونکہ اسکے بعد کی آیتیں اسی معنی کی سوید ہیں۔ اسکے بعد مذکور ہے۔

"خدا کے پیدا کرنے میں تو قنات نہیں دیکھے گا، پھر کہتا ہے۔

"پھر اپنی نگاہیں کہیں کچھ خرابی تجھے دکھائی دیتی ہے" پھر خدا کہتا ہے۔

"پھر پھر اپنی نگاہ دوبارہ تیری نگاہ عاجز ہو کر اور تھک کر اولٹ آؤ تلے گی"

ان آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ جن آسمانوں کا ذکر خدا نے پہلی آیت میں کیا ہے وہ انسان کے دیکھنے کی چیز ہے اور انسان کو صرف کو اکب نظر آتے ہیں کو اکب کے گھومنے کی جگہ میں وہ شیشہ کی سی ہوں یا ہوا اور پانی کی سی ہوں یا خلا سے محض ہوں کسی حالت میں انسان کے دیکھنے کی چیزیں نہیں ہیں۔ اس آیت میں تلے اوپر کا لفظ بھی زیر بحث ہے بعض اسکے معنی یونانی آسمان کی رعایت سے پیاز کے چھلکے کی طرح توبہ تو بہتے ہیں۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔

۱۴۷ تری خلق الرحمن من تفاوت -

۱۴۸ فاروج البعزل تری من فلور -

۱۴۹ ثم ارجع البصر کرین قلب الیک البصر خاسئاً و مجسیر -

ابن کثر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ طبا قایعنے تلے اوپر سے یہ ضرور نہیں ہے کہ وہ چمٹے ہوئے ہوں بلکہ یہ مطلب ہے کہ باہم متوازی ہوں (یعنی حالت حرکت میں ایک دوسرے سے ٹکرائے جائیں) اب لفظ "سات" کا رہا۔ دیکھنے میں صرف سات ہی سیارہ نظر آتے ہیں اور یہی زیادہ اہم بھی ہیں اس لیے انہیں سات کا ذکر کیا گیا اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ سات سے زائد نہیں ہیں۔ اور محاورہ کے مطابق لفظ سبعة جبکہ ترجمہ سات ہے بمعنی متحد بھی آتا ہے۔ اگر اس آیت میں یہی ترجمہ اختیار کیا جائے تو پھر کوئی بحث پیدا نہیں ہوتی۔

سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۰-۱۱ میں ہے "کیا نہیں دیکھا تم نے کہ جس اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ طاقت رکھتا ہے کہ ایسے ہی اور پیدا کرے" اور دوسری جگہ سورہ لقمان آیت ۹ میں ہے "پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو بغیر ستون کے کہ تم دیکھو انکو"۔

انہیں تو صریح دیکھنے کا لفظ آسمانوں کے ساتھ ہے اور سوائے کو اکب کے جو دکھائی دیتے ہیں دوسرے معنی ہو ہی نہیں سکتے۔ اور اگر کہا جائے کہ یہی چیت جو دکھائی دیتی ہے اسکی طرف اشارہ ہے جب بھی ہمارا مطلب حاصل ہوتا ہے کیونکہ مقصود تو ہمارا صرف یہ ہے کہ یونانیوں کا آسمان خواہ مخواہ قرآن سے ثابت نہیں ہوتا۔ سورہ نوح آیت ۱۵ و ۱۶ میں تو گویا صاف طور پر آسمان کے معنی کو اکب کے بتا دیے گئے ہیں۔ خدا کہتا ہے "تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے سات یا متعدد

۱۱- اولہم یرد ان اللہ الذی خلق السموات والارض قادر علی ان یخلق مثلم
۱۲- خلق السموات بغير عمد ورونا۔

آسمانوں کو کس طرح تلے اوپر پیدا کیا ہے اور انہیں سے چاند کو نور اور سورج کو چراغ روشن بنایا ہے۔

”انہیں سے“ صریح ظاہر ہے کہ چاند اور سورج بھی سموات میں داخل ہیں جس طرح دوسرے مقام پر خدا حضرت ابراہیم کی دعا کا ذکر کرتا ہے۔
”اے ہمارے پروردگار اٹھا انہیں ایک رسول انہیں میں سے“ یعنی انہیں کی قوم میں سے ایک کو رسول بنا۔

واضح رہے کہ کہیں کہیں قرآن میں سموات صیغہ جمع کو مفرد کے معنی میں بھی بولتے ہیں۔ خورش کا قول ہے کہ سموات جنس ہے اور یعنی مفرد بھی مستعمل ہوتا ہے۔
آیہ کریمہ ”اولم یرالذین کفرو ان السموات والارض کاشارقنا فبقننا“ انبیاء آیہ ۳۔ کا ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب نے یوں کیا ہے ”ایماندین کا فرمان کہ آسمانہا و زمین بستہ بودند پس واکردیم اینہارا“ اور حاشیہ پر لکھا ہے ”واگردن آسمانہا نازل کردن مطراست و واکردن زمین رویانیدن گیاه از دوسے“ اور شاہ عبدالقادر نے اس کا ترجمہ یہ لکھا ہے ”کیا نہیں دیکھا ان سکر وں نے کہ آسمان و زمین منہ بند تھے پھر ہم نے اُن کو کھولا“ اور حاشیہ پر لکھا ہے ”یہ منہ بند تھے یعنی ایک چیز تھی۔ زمین سے کانین اور نرین اور بربرے بھانت بھانت نکلے آسمان سے کئی ستارے ہر ایک کا گھر جدا اور چال جدی“ اس سے ظاہر ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے آسمانوں کو بصیغہ واحد لیا اور اُس کے معنی میںہ کے قرار دیے اور مولوی عبدالقادر نے

واللہ الم ترکب خلق اللہ علیہ سموات لہا قاع و جبل القمر فیہ نور و اصل الشمس سر اجا۔
شہ ربنا و البیت فیہم رسولنا ہم۔

جمع کے معنی رکھے اور انے ستارے مراد لیے۔ جمع کے معنی لینے میں بھی بادل کے معنی پیدا ہو سکتے ہیں کیونکہ بادل مختلف اقسام کے ہوتے ہیں اور انکے ٹکڑے بھی الگ الگ ہوتے ہیں یہ حال ابر کے معنی زیادہ جہاں ہیں کہ زمین کی روئیدگی اور آسمان کی بارش کا ساتھ ہے اور اسی پر دنیا کے تمام کارخانے مبنی ہیں۔ خدا انھیں کو دکھا کر اپنی قدرت یاد دلاتا ہے۔ اس آیت میں بند رہنے اور کھولنے یعنی رقیق و فقیق کا جو لفظ آیا ہے اُس سے آسمان کا ٹھوس ہونا کسی طرح ضروری نہیں معلوم ہوتا۔

فصل پنجاہ دیکم

سحر (جادو)

ایک یورپین جج کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں ایک رزیل قوم کے دو شخص باہم لڑتے تھے۔ ایک کو دوسرے سے یہ شکایت تھی کہ اُس نے اپنے گھر کا بھوت اُس کے بیان بھیج دیا ہے۔ جج نے پوچھا کہ بھوت کس ذریعہ سے گیا ہو۔ کہا گیا کہ اُرد کے دانہ پر جادو کے ذریعہ سے بھوت مسلط کیا گیا اور وہ دانہ بھیجا گیا۔ اُرد کا دانہ بھی پیش کیا گیا تھا۔ جج وہ دانہ منہ میں رکھ کر نگل گیا اور کہنے لگا تم لوگ جادو بھوت کو ہم کھا گئے اور پھر دونوں تنہا صمیمین ہو کر چلے گئے۔ یہ حکایت ہم نے اپنے ایک بورڈ سے دوست سے سنی اور سننے کے بعد صرف اتنی ترسیم ذہن میں آئی کہ جج نے وہ دانہ فی الواقع کھایا نہ ہوگا تنہا صمیمین کو اپنا نگل جانا باور کراد یا ہوگا اور نظر سچا کرانہ کو جینک دیا ہوگا لیکن اس کے ساتھ ہی متخیال گزرا کہ کیا ایسے اوہم باطل سے بے انتہا بیان مانے جا سکتے ہیں۔ ایک طرف تو یہ خیال تھا کہ جو قوم اعلیٰ درجہ کی تہذیب کے

تمام عالم پر صدیوں تک حکمران رہ چکی ہے اس کے خیالات ایسے بودے ہرگز نہ ہونگے۔ اور دوسری طرف یہ خیال کہ مسلمانوں میں جادو کا برحق ہونا مشہور ہے اور قرآن میں بھی سحر کا لفظ جا بجا آیا ہے یہ کیا راز ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی خیال گزرا کہ اگر خدا نے جادو گردن کو سب کچھ قدرت دیدی ہے تو پھر وہ قادر مطلق کہاں رہا۔ ان خیالات نے مجھے تحقیق حق کی طرف مایل کیا اور بعد تحقیق کے جو کچھ میری سمجھ میں آیا وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

سب کے پہلے سحر کے معنی کی میں نے تحقیقات کی۔ عام طور پر جو کچھ اسکا مفہوم عوام میں سمجھا جاتا ہے میں نے اس پر غور کیا اور اس کے علاوہ جتنی صورتیں قیاسات سے پیدا ہو سکتی ہیں سب پر نظر کی تو آٹھ صورتوں سے زیادہ پیدا نہیں ہوئیں۔ انہیں سے بعض کا مانا جانا کچھ مضائقہ نہیں رکھتا اور بعض کا ماننا دائرہ اسلام سے خارج ہو جانے کا حکم رکھتا ہے۔

اول خود قوت نفس انسانی کبھی کبھی عجائبات دکھاتی ہے اور لوگ اُسے

جادو سمجھتے ہیں۔

نفس انسانی کی قوت کو مشق اور مجاہدات سے بڑھا لینا ہر مذہب اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے۔ اس قوت کے ذریعہ سے ایک شخص دوسرے پر اپنا اثر ڈال سکتا ہے اور دوسرے کے واسطے کی مخلوق اُس اثر کو اس طرح قبول کرتی ہے کہ غیر موجودہ شے اُسے موجود معلوم ہوتی ہے اس قسم کے اثر سے صحیح آدمی بیمار ہو جاتا ہے اور بیمار آدمی صحیح ہو جاتا ہے۔ خواب مفناطیسی جسکو مسمریزم کہتے ہیں اور آجکل بہت دیکھا جاتا ہے اس کی شاخ ہے۔ حکماء یونان کا عالم اشراق بھی اسی قبیل سے تھا۔

دوم۔ جس یا نظر کی غلطی عجائبات و دوزگاریاں سے پیش کرتی ہے۔
 اس قسم کی غلطیاں بہت ہو جاتی ہیں۔ رات کو ایک چیز دیو کی صورت نظر آئی
 آنکھ۔ کان اور ناک دکھائی دیے۔ بڑے بڑے دانت کھولے ہوئے وہ شے ہم پر
 جھپٹی اور ہم سہم گئے۔ لیکن جب قریب سے ٹٹولا تو دہانہ کی لکڑی کو نے مین کھڑی
 ہوئی نظر آئی۔ کبھی کبھی دن کو بھی ایک چیز ہمارے واسطے مین گزری۔ لیکن فی الواقع
 کوئی شے نہ تھی۔ ہماری نظر کی غلطی تھی۔ علم مناظرین آنکھ کا غلطی کرنا بہت اچھی طرح سے
 عالموں نے بیان کیا ہے۔ اسی نظر کی غلطی سے فائدہ اٹھانے کے لیے بھتی
 کا تماشا کرنے والے گولیاں اڑاتے ہیں۔ کوئی شے ایک ٹیبلین رکھی اور دوسرے
 ٹیبل سے نکال دی۔ اور جب کبھی وہ قوت نفس بھی مرگ کر سکے اور اس دوسری قسم
 کے ساتھ پہلی قسم بھی مل گئی تو نہایت کاسیابی سے انکا تماشا ہوتا ہے۔

سیوم۔ علم و فن کی کاریگریاں بھی نادانوں کے لیے جادو ہوتی ہیں۔
 علم و فن کے ذریعہ سے ہر قرن میں کچھ نہ کچھ باتیں ایجاد ہوئی ہیں۔ اور ہر ایک
 ایجاد نادانوں کے لیے شروع شروع ضرور جادو تھا۔ جن لوگوں نے یورپ کی
 صنایع انہیں کبھی بین اگر وہ جنوبی امریکا یا وسط افریقہ سے لاکر لندن کی بازار میں کھڑے
 کر دیے جائیں تو گھڑی کا سہنہ۔ خود بخود برقی روشنی کا ہو جانا۔ دیاسلائی سے سگرٹ
 جلانا۔ بائیکل پر لوگوں کا بھاگتے ہوئے چلا جانا۔ بھاپ سے زمین کے اندر ہی اندر
 ریل کا دوڑنا۔ یہ سب باتیں اُنکے نزدیک اسی طرح جادو سمجھی جائیں گی جس طرح
 رہنیں کرو سو کا ہندو سے شکار کرنا فریڈ سے جادو سے مارنا سمجھا تھا۔ آجکل یورپ
 میں لڑکوں کے کھلونے اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ وحشی انسانوں میں جانا رکھ دیے

جائیں قودہ انکو جادو کا پتلا سمجھیں گے۔

چہارم۔ خاصیت اشار کی نادانیت سے بھی بہت سی چیزیں جادو معلوم ہوتی ہیں۔

خاصیت اشیا جانتے سے بھی بہت سے عجائبات معلوم ہوتے ہیں۔ اور یہ ایک طور پر چوتھی قسم میں بھی داخل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خاصیت اشیا کا جانا علم پر موقوف ہے۔ مثلاً اگر دو قسم کی ہوائیں الگ الگ دو بوتلون میں بھر کر ان بوتلون کے ساتھ ملا دیے جائیں تو اس زمانہ کے بڑے بڑے ہوشیار شخص جو کمٹری نہیں جانتے ان بوتلون سے پانی گرنے کو جادو سمجھیں گے۔

پنجم۔ زبان میں بھی جادو ہے۔

جھوٹ سچ ادھر کی ادھر لگا دی دو شخصوں میں لڑائی ہونے لگی جنکو اس میں مشاقی ہے انکے نزدیک زن دشمن لڑائی کر دینا۔ بھائیوں میں نفاق ڈال دینا۔ باپ بیٹوں میں دشمنی کر دینا کوئی بات نہیں ہے۔ ششم۔ ستاروں کی تسخیر کا عمل جاننا۔

بعضوں کا خیال ہے کہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں وہ ستاروں کے اثر سے قائم ہیں۔ انہیں سے کوئی ستاروں کو واجب الوجود جانتا ہے اور کوئی زمین اور واجب الوجود کے درمیان میں ستاروں کو واسطہ سمجھتا ہے اور کسی کا خیال ہے کہ مثل انسان کے افلاک بھی خود مختار جانتا ہیں اور دنیا پر انکو پورا قابو ہے ان یمنون قسم کے عقیدہ والے کو اکب کی تسخیر کے عمل پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور وہ نہیں تو انکے معتقدین ضرور سمجھتے ہیں کہ جب انھوں نے کسی طرف اشارہ کر کے

مثلاً "قتل یا مرتج" کہا تو مرتج اُسے ضرور قتل کر ڈالے گا۔

ہفتم۔ ارواح کا قابو میں رکھنا۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ دنیا میں اچھی اور بُری روحیں بھرا کرتی ہیں اور کبھی کبھی مرے ہوئے انسانوں کی روحیں بھی انہیں شامل ہو جاتی ہیں جن پر پی۔ بھوت۔ جڑیل۔ پریت سب انہیں شامل ہیں۔ اور لوگ سمجھتے ہیں کہ ان دونوں کو مختلف اشکال کے قبول کرنے کی قوت ہے۔ اور ان روحوں کو بڑھنت کے ذریعہ سے قابو میں کر لینا ایک قسم کی جادوگری ہے۔ مشہور ہے کہ ان روحوں کو علوی یا سفلی عملوں کے ذریعہ سے تاج کرنے والے اُنسے اپنی مرضی کے موافق اچھے بُرے کام لے سکتے ہیں۔

ہشتم۔ تاثیر اسما۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اسما پر ہوکل مقرر ہیں۔ اسما کا عمل جاننے والے سوکھوں پر قابو پا لیتے ہیں اور پھر تمام مشکل باتیں اُنکے لیے آسان ہو جاتی ہیں۔ اسما کچھ اچھے ہیں اور کچھ بُرے ہیں۔ اور اُنکے جاننے والے بھی علوی یا سفلی عالموں کی طرح دُڑ گروہ پر مشتمل ہیں۔

یہ آٹھ قسمیں جادو کی ہوتی ہیں۔ انہیں سے اول پانچ کے برحق ہونے کا عقیدہ ہر سمجھ دار کو رکھنا چاہیے۔ باقی رہیں تین قسمیں یعنی کواکب ارواح یا اسما کی تاثیر سے عجائبات کا کرشمہ دکھانا یہ کسی ذی علم اور مذہب قوم کے نزدیک کبھی صحیح نہیں سمجھا گیا اور نہ اب سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اسکے تذکرے تمام دنیا میں ہیں۔ ہر قوم میں نامہ نامعلوم سے اسکا چرچا چلا آتا ہے اور اب بھی اسکا وجود ہے۔ لیکن ہمیشہ جہالتیج

باقین زیادہ تر مقبول ہوئی ہیں اور قوم منکوب میں زیادہ تر اسکاچر چائنا جاتا ہے۔
مسلمانوں میں بھی مثل دیگر اقوام کے اب اسکاچر چاہے۔ لیکن ابتداء اسلام
میں ہرگز یہ اعتقادات مسلمانوں میں نہ تھے۔ اور زمانہ مابعد کے مسند علماء کی کتابوں
میں کہیں اسکاچہ چلتا ہے۔

اب دیکھنا صرف یہ ہے کہ قرآن میں ان تین اقسام کے جادو کی نسبت کیا
ہے۔ تمام قرآن کی آیتوں پر بغور نظر ڈالنے سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن میں اگر کوئی
جادو صحیح مانا گیا ہے تو وہ پہلی قسم کا جادو ہے اور اسلئے قرآن کی آیتوں سے بحث
کرنے کے قبل پہلے قسم کے جادو کی مزید توضیح ضروری ہے۔

نفس انسان میں ایک ایسی قوت برقی اور مقناطیسی موجود ہے جو خود اس پر اور
اس کے خیال پر اور نیز دوسروں پر اور دوسروں کے خیال پر اثر کرتی ہے۔ یہ اثر بہت
مستولی ہے۔ کسی کو رنج پہونچا دہ پڑ دہ ہو گیا۔ بیمار ہو گیا۔ یا مر گیا۔ یا کوئی خوش ہوا اور دھقی
کی وجہ سے ہوا یا غیر دھقی کی وجہ سے ہو تو فوراً بدشاں ہو گیا اور بدن میں توانائی آگئی۔
یہ قوت نفس ہی کا اثر ہے کہ خود اپنا اثر اپنے اوپر پڑتا ہے اور جاگنے ہی میں ایسا نہیں
ہوتا بلکہ مومن نے میں اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ جب نیند نے قوائے جسمانی کو
گزر دیا تو قوت نفس کا اثر اور زیادہ ہو گیا۔ اچھے اور بُرے خواب نظر آنے لگے۔
اچھے خواب سے آدمی خوش ہوتا ہے اور بُرے خواب سے رنجیدہ ہوتا ہے۔
خواب میں آدمی عجائبات کی سیر کرتا ہے۔ روتا ہے۔ ہنستا ہے۔ کبھی کبھی خواب
میں سمجھتا ہے کہ اس پر برہمن گزر گئیں اور حالانکہ وہ گھنٹہ بھر بھی نہیں سویا۔ خواب
میں سفر کرتا ہے۔ لڑائی لڑتا ہے۔ پانی میں تیرتا ہے۔ چار پائی پر پڑا ہوا منہ سے

جادو لپیٹے ہوئے یہ سب کچھ کرتا ہے۔ یہ سب نتیجہ ہے اسکا کہ قوت نفس خود اپنے آپ پر اثر ڈالتی ہے اور اسی وجہ سے کبھی کبھی انسان سچے خواب بھی دیکھتا ہے اور خود میں جتنی ہی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے اُسے ہی زیادہ سچے خواب نظر آتے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک کی قوت نفس کا دوسرے پر اثر پڑتا ہے۔ ایسا بھی بہت ہوتا ہے۔ کسی کو تیر بدل کر دیکھو تو وہ رنجیدہ ہو جائے گا۔ اس کے آسکے سامنے کھڑے ہو کر انہماق تنظیم کر دو تو وہ خوش ہو جائیگا۔ کسی کی طرف لکڑی اٹھا کر دوڑو تو وہ ڈر کر بھاگ جائے گا یا غصہ سے اُسکا منہ سُرخ ہو جائے گا۔ چمکانے سے بچے خوش ہو کر دوڑے ہوئے چلے آتے ہیں۔ ڈانٹنے سے بھاگ جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ جانوروں پر بھی اسکا اثر ہوتا ہے۔ کوئی اپنے گتے کے سامنے بیٹی بچائے تو گتا اُٹھ کر کودنے لگتا ہے۔ یہ سب مثالیں ہیں ایک قوت نفس کی دوسرے پر اثر کرنے کی۔

علاوہ ان معمولی باتوں کے چند غیر معمولی صورتیں بھی قوت نفس کی ہیں جب کسی میں قوت نفس خلقتاً زیادہ مخلوق ہوتی ہے یا مجاہدات اور ریاضات سے بڑھ جاتی ہے تو غیر معمولی باتیں اس سے ظہور میں آتی ہیں اور لوگوں کو تعجب میں ڈالتی ہیں۔ مشہور ہیں کہ یونان کے اشراقیین ایک جگہ بیٹھے ہوئے دور دور کا حال معلوم کر لیتے تھے۔ ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو اور خود انکی قوت نفس اپنا اثر ڈالتی ہو صدیقان کرام کامراقبہ بھی اسی کے قریب قریب ہوتا ہے۔ ممکن کہ لفظ ہم ایسے کہتے ہیں کہ نہ ہمیں یہ کمال ہے اور نہ قرآن میں اس کے بادر کرنے کی ہدایت ہوتی

ہے۔ لیکن برابر ایسا سنا جاتا ہے اور عقل کے خلاف معلوم نہیں ہوتا۔ آج کل سمرزم کا چرچا بہت ہے۔ معمول پر اپنی قوت نفس کا اثر عامل ڈال دیتا ہے اور معمول تمام باتیں جو عامل چاہتا ہے بولتا چلا جاتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو عامل کہتا ہے وہی معمول کو نظر آتا ہے۔ خود اپنے آپ پر اپنی قوت نفس کا اثر ہونا حالت شوق یا خوف میں بارہا دیکھا گیا ہے۔ جب کسی شے کے انظار میں کھڑے ہوتے ہیں تو بارہا اس شے کی صورت سامنے آجاتی ہے اور پھر غائب ہو جاتی ہے۔ عید کا چاند دیکھنے والوں کو اس کا تجربہ بہت دفعہ ہو چکا ہوگا۔ رات کو اور کبھی کبھی دن کو بھی اس جگہ پر جو ادراخ خبیثہ کا سکن سمجھا جاتا ہے ڈراؤنی صورتیں ضعیف الاعتقادوں کے سامنے اُکھری ہوتی ہیں مسکودہ بھوت پلید سمجھتے ہیں۔ لیکن علما کے نزدیک وہ نظر کے دھوکے سے زیادہ کوئی شے نہیں ہے اور نظر کا دھوکا ان حالتوں میں ایک شاخ ہے خود اپنے آپ پر قوت نفس کے اثر ہونے کی۔

قرآن میں دو مقام پر سحر کا ذکر آیا ہے۔ ایک تو دہان جہان فرعون کے ساتوں سے حضرت موسیٰ کا مقابلہ ہوا۔ اور دوسری جگہ ہاروت و ماروت کے سحر کا ذکر ہے اور تیسرا موقع یہ ہے کہ کفار پیغمبروں سے جب کوئی بات عجیب دیکھتے تھے تو پیغمبروں کو کہا کرتے تھے کہ یہ ساحر ہیں۔ یہ تیسری صورت بہت صاف ہے۔ پیغمبروں کو کفار ساحر اور سحر کہتے تھے۔ مسلمان ایسا نہیں کہتے تھے اور نہ خدا کہتا ہے۔ ساحر سے کفار مراد لینے تھے نظر بندی کرنے والے۔ جس طرح بیان مداری تماشہ کرتے ہیں اور ایک بٹے کی گولی دوسرے میں دکھاتے ہیں۔ عوام میں انکی کوئی وقعت نہیں ہوتی محض وہ تماشہ گر سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح بھراور شام میں بہت سے لوگ پہلے سے سحر پر

عمرہ باتوں کے سمجھنے کی تو کفار میں شروع شروع قابلیت نہیں ہوتی تھی یا ہوتی بھی تھی تو وہ دھیان نہیں کرتے تھے اور جب کبھی کوئی عجیب بات دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ مدار یا لینے جادو گر ہے۔ مثلاً سورہ اسریٰ میں ہے۔

”کافر آپس میں کہتے ہیں کہ تم محمد کی پیروی کرتے ہو جو جادو کیا ہوا آدمی ہو“ اور دوسری جگہ اسی سورہ میں ہے۔

”فرعون نے موسیٰ سے کہا کہ موسیٰ میں پوچھتا ہوں کہ تم پر جادو کر دیا گیا ہو۔ زیادہ وضاحت کے لیے مفصل قرآنی فصل ۴۵ پڑھنا چاہیے۔

اب حضرت موسیٰ اور فرعون کے سر کون میں جو لفظ سحر (جادو) کا استعمال کیا گیا ہے اسکا ذکر کیا جاتا ہے۔ فرعون کے ساحرین سے حضرت موسیٰ کا مقابلہ کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔ سورہ طہ میں بیان ہے کہ جب حضرت موسیٰ آگ کے پاس گئے تو وہ پکارے گئے اور ایک خدا سے واحد کی عبادت کا انکو حکم ملا اور وحی سے القا ہوا کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے موسیٰ نے کہا کہ میری لاشی ہے جسکو ٹپک لیتا ہوں اور بھیڑوں کو بھی اس سے ہنکاتا ہوں اور دوسرے کاموں میں بھی لاتا ہوں۔ پھر وحی سے القا ہوا کہ موسیٰ اسکو پھینک دے۔ پھر موسیٰ نے اسے پھینک دیا تو وہ دفعتاً چلنا ہوا سانپ تھا۔ پھر وحی سے القا ہوا کہ اسے پکڑے نہ ڈر ہم پھر اسے پہلے ہی سا کر دیں گے۔

سورہ نمل میں مذکور ہے کہ جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو اسنے کہا گیا کہ جو کچھ آگ میں اور آگ کے گرد ہے اسکو ہم نے برکت دی ہے۔ اللہ پاک تمام عالموں کا پروردگار ہے اسے موسیٰ بیشک میں خدا ہوں سب پر غالب حکمت والا اسکے بندہ وحی سے موسیٰ کو القا ہوا کہ اپنی لاشی پھینک دے پھر انھوں نے دیکھا کہ وہ سانپ

کی طرح ہلتی ہے تو بیٹھ بھیر کر پیچھے بٹے اور پھر پلٹ کر رخ نہ کیا اٹھا ہوا۔ موسیٰ نہ ڈر میرے پاس پیغمبر نہیں ڈرتے۔

ان آیتوں پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ لاشی سانپ نہیں ہو گئی تھی۔ بلکہ وہ سانپ دکھائی دی تھی۔ ان آیات میں ”پھر پہلی سا کر دین گے“ ”سجدہ سیرتہ الاولیٰ“ اور ”سانپ کی طرح سے“ (کا نہا جان) ظاہر کرتا ہے کہ لکڑی کی ماہیت نہیں بدلی تھی بلکہ لکڑی اپنی حالت پر تھی اور اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت موسیٰ پر جو کیفیت طاری ہوئی وہ اسی قوت نفس انسانی کا ظہور تھا جس کا اثر خود آپر ہوا۔

اس کے بعد کے حالات میں دکھایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ کی قوت نفس کا اثر دوسروں پر پڑا۔ حضرت موسیٰ اپنی لاشی لیے ہوئے فرعون کے پاس آئے اور فرعون کو حضرت موسیٰ کی لاشی سانپ معلوم ہوئی۔ لیکن فرعون کے دل میں کچھ غفلت حضرت موسیٰ کی قائم نہیں ہوئی۔ وہ حضرت موسیٰ کو ساحر سمجھا اور دوسرے ساحروں کو جنکو ہم اپنے لفظوں میں کہہ سکتے ہیں کہ گرد و نواح کے ٹوٹے بند تھے۔ آسنے طلب کیا۔ ان ساحروں نے جب اپنی قوت نفس کا اثر ڈالا تو انکی لاشیاں اور رستیاں سب کو سانپ نظر آئیں۔ پھر حضرت موسیٰ نے جو اپنی لاشی ڈالی تو لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کی لاشی اثر دیا۔ ان سانپوں کو کھا گئی اس پر بھی فرعون ایمان نہ لایا بلکہ آسنے حضرت موسیٰ کو تمام جادو گردوں کا استاد مینے ایک بڑا جادوگر قرار دیا۔ قرآن میں جا بجا ان واقعات کے بیان کرنے کا صرف یہ مطلب ہے کہ لوگ معجزات کی فرمائشیں آسنے سے نہ کریں بلکہ آنحضرت کے اقوال اور افعال کی

خوبیان سمجھ کر ایمان لائیں۔ لوگ آنحضرت سے معجزات کی فرمائش کرتے تھے اُسکے جواب میں یہ ارشاد ہوتا تھا کہ گذشتہ پیغمبروں کے معجزے دیکھ کر کب اُنکی امتیں اُنکو رسول خدا سمجھی تھیں کہ آنحضرت محمد اُنکی تقلید کریں۔

حضرت موسیٰ اور ساحران فرعون کے مقابلہ کا ذکر سورہ یونس میں ہے۔

”جب فرعون کے ساحرا گئے تو حضرت موسیٰ نے انہیں کہا کہ ڈالو تم کیا دالے ہو تب انھوں نے ڈال دیا تب موسیٰ نے کہا جو کچھ تم نے کیا جادو ہے اللہ ابھی اسکو جھوٹ کر دے گا۔ اللہ مفسد دن کا کام درست نہیں کرتا۔

پھر سورہ شعرا میں مذکور ہے کہ۔

”موسیٰ نے فرعون کے ساحرون سے کہا کہ ڈالو تم کیا ڈالتے ہو پھر انھوں نے اپنی رستیاں اور لاشیاں ڈال دیں اور پکار اُٹھے کہ فرعون کی جے۔ ہم ہی موسیٰ پر غالب ہوں گے۔ پھر حضرت موسیٰ نے اپنی لاشی ڈالی تو وہ یکایک اُن سب کو ننگنے لگی جبکہ فرعون کے ساحرون نے دھوکا بنایا تھا“

سورہ اعراف میں یوں مذکور ہے کہ۔

”فرعون کے ساحرون نے کہا کہ موسیٰ تم ڈالو یا ہم ڈالیں۔ موسیٰ نے کہا کہ تم ڈالو پھر جب انھوں نے ڈالا تو جادو کر دیا انھوں نے لوگوں کی آنکھوں پر

۱۔ فلما جاء السحرة قال لهم موسى القوا ما انتم تقولون فلما القوا قال موسى ما جئتم به الا سحران اللہ سید اللہ ان اللہ لا یصلح علی المفسدین۔

۲۔ قال لهم موسى القوا ما انتم تقولون فالتقا جالهم وعصیم وقالوا لفرعون انما نحن الخالئون فالتقى موسى عصاه فاذا هي تقف ما یاتکون۔

اور ڈرا دیا لوگوں کو اور بڑا جادو کیا۔ اتفاقاً ہم نے موسیٰ کو کہ تو بھی ڈال دے اپنی لاشی
پھر یکایک رہ نکلنے لگی اس دھوکے کو جو انھوں نے بنایا تھا۔

سورہ طہ میں یوں مذکور ہے کہ۔

”فرعون کے ساحرون نے کہا کہ موسیٰ تم ڈالو تمہیں تو ہم ڈالتے ہیں۔ موسیٰ
نے کہا کہ وہاں تم ڈالو پھر یکایک انکی رسیوں اور انکی لاشیوں کی طرف موسیٰ نے
خیال کیا کہ انکے جادو کے سبب سے چلتی ہیں پھر موسیٰ کے جی میں ڈر سا ہوا تو ہم نے
اتفاق کیا کہ تم ڈر تو ہی اُن پر غالب ہو۔ اور ڈال دے جو تیرے واسطے مقرر ہیں
تاکہ نکل جاوے جو کہ انھوں نے بنایا ہے کہ وہ جادو کروں گا مگر ہے اور
جادو گر کو فلاح نہیں ہے جہاں جادو۔“

سورہ اعراف میں جو عبارت ”جادو کروا لوگوں کی آنکھوں پر“ وہ ترجمہ ہے
”سحر و العین الناس“ کا۔ اور اسکا ترجمہ بجائے آنکھوں پر جادو کرنے کے ٹھٹ
بند کرنا کیا جائے تو محاورہ اور بصورت واقعہ کی بالکل موافق ہوگا۔ اور اسی
ایک لفظ سے وہ تمام باتیں سمجھیں آجائیں گی جنکو ہم مندرجہ سے کہتے چلے آتے
ہیں۔ اسی سے یہ بھی فریہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی لاشی بھی دوسروں کو سانپ
معلوم ہوئی تھی وہ فی الواقع سانپ نہیں ہو جاتی تھی کیونکہ جب وہ لاشی اٹھالی جاتی

۱۱۱ قالوا یا موسیٰ انا ان تلقی داما ان تكون نحن الملقین قال القوا ظلم القوا سحر ولا عین الناس واستر
سحرهم وجاهلوا سحرهم داود جہنا الی موسیٰ ان القى عصا فاذا هی لقف یا مفلکون۔

۱۱۲ قالوا یا موسیٰ انا ان تلقی داما ان تكون اولیٰ من النبی قال بل القوا فاذا جاہم دعیمہم یخیل الیہ من
سحرهم انہا تسعی فاذا جس فی نفسہ فیئذ موسیٰ قلنا لا تحفت انا اختہ الاعلیٰ وانی یزیدک تعلقف ما صنوا انما
صنوا کید ساحر ولا یفلح الساحر حیث انی۔

تھی تو پھر لاٹھی کی لاٹھی رہ جاتی تھی جب تک کسی کی تمام قوتیں غیر معمولی طور پر سب کمال کو نہ پہنچیں وہ پیغمبر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے حضرت موسیٰ کی قوت نفس سارون کی قوت نفس سے بہت زیادہ قوی تھی اور جب حضرت موسیٰ نے اس سے کام لیا تو سارون کی قوت نفس ہوا ہو گئی۔

دوسرا فتنہ کمین ہاروت اور ماروت کے سحر کا بیان ہے وہ سورہ بقرہ میں ہے خدا تعالیٰ یہودیوں کی بد اعتقادیان اور خرابیان کر کے اُسے ذیل میں فرماتا ہے کہ۔

”جب اُنکے پاس خدا کی طرف سے رسول آیا تو اُس کتاب کی جو اُنکے پاس ہے تقدیر بھی کرتا ہے تو اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے خدا کی کتاب قرآن اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دی کہ گویا وہ اُسے جانتے ہی نہیں اور اُن ڈھکوسلوں کے پیچھے پڑ گئے ہیں جنکو شیطان یعنی کفار حضرت سلیمان کے وقت میں پڑھا کر رہا کرتے تھے حالانکہ سلیمان سے کفر کی حرکت سرزد نہیں ہوئی۔ شیطان یعنی کافروں نے کفر کیا تھا کہ لوگوں کو سحر سکھاتے تھے اور اُسی گروہ نے اُس چیز کی پردہ کی جسکو وہ اپنے زعم میں سمجھتے ہیں کہ وہ دُور فشتوں پر جگانام ہاروت اور ماروت ہے اُماری گئی ہے بابل میں۔ اور وہ فرشتے کسی کو کچھ بتاتے نہ تھے جب تک کہ اُس سے یہ نہ کہہ لیتے تھے کہ ہم تو فتنہ ہیں تم کمین کافر نہ ہو جانا۔ اس پر بھی اُننے لوگ ایسی باتیں سیکھتے تھے جنکی وجہ سے میان بی بی میں جدائی کرادین حالانکہ بے حکم خدا کے وہ ان باتوں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے غرض کہ یہ لوگ اُننے ایسی باتیں سیکھتے تھے جن سے خود انھیں کو نقصان

ہو چننا تھا۔ اور کسی طرح کا فائدہ نہیں ہو چننا تھا۔

اس آیت میں بیشک بقیہ تین اقسام کے جادو کا ذکر ہے لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو اُس کے موقعہ ہونے سے ممانعت کی گئی ہے۔ اسی آیت کا مطلب بیان کرنے کے قبل ہم شان نزول اور حالت ملک بیان کرتے ہیں ایک زمانہ بنی اسرائیل کا ایسا تھا کہ تمام دنیا میں وہ علم و فضل اور قوت کے اعتبار سے بڑے سمجھے جاتے تھے اور اُسی زمانہ میں حضرت سلیمانؑ بھی مبعوث ہوئے تھے جو پیغمبر بھی تھے اور بادشاہ بھی تھے۔ اسکے بعد بنی اسرائیل لگتے لگتے اور بالآخر پیغمبر خدا محمدؐ کی زمانہ میں انکی دی حالت تھی جو ہندوستان کے مسلمانوں کی تیرہ صدی میں تھی اور اب بھی ہے کہ انہیں ابھی بہت کم ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی طرح بعثت رسول کے زمانہ کے یہودی فالنامے۔ تعبیر نامے۔ قانون۔ گنڈے۔ فلیٹے نقش۔ عملیات اور جادو کے ناجائز ڈھکوسلے بہت سے کرتے تھے۔ جب کسی قوم میں عروج کے بعد زوال آتا ہے تو انکی حالت آخری ایسی ہی ہوتی ہے جس طرح ہندوستان کے مسلمان قرآن کے احکام کی پیروی نہیں کرتے اور لغویات میں بہت جی لگاتے ہیں اسی طرح یہودیوں نے قرآن کو کپڑے میں باندھ کر کنارہ رکھ دی تھی اور لغویات میں پھنپھتے تھے اور ان لغویات کو کہتے تھے کہ حضرت سلیمانؑ نے لوگوں کو تعلیم کیسا ہے

۱۰۰ ولما جاءهم رسول من عند الله مصدق لما هم به من الفرق من الذين ادقوا الكتب كتب الله دراهمهم
لا تعلمون ولا تعلمون وابتغوا نكاحوا اشرعطين على ملك سليمان وداوود سليمان ولكن اشرعطين كفر واطاعوا لانا
اسود انزل على الملكين جبال باروت وداروت وداوود سليمان من احد حتى يقولوا انما نحن فتنه فلا تكفروا
فيعلمون انهم يفرقون بين المرء ورجله واما هم ليعلموا ربهم اجد الا باذن الله ورسولهم
الفرع ولا يفرقون

جیسا کہ اس زمانہ میں لوگ بہت سے عملیات کو صحابہؓ اور کبھی پیغمبر خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ بعد حضرت سلیمان کے جب قوم پر نکتہ آئی اور تمام ملک میں نکتہ پھیلی۔ اُس زمانہ میں دو شخص ہاروت اور ماروت غالباً عراق عجم کی طرف ایسے ہوئے جیسے ہندوستان میں آج کل پیر جی جا بجا پھرتے ہیں۔ لوگ ان کو باعتبار انکی کم سنہنی اور قاضی اور انکسار کے فرشتہ خلعت کہتے ہیں۔ دعا۔ توبہ۔ نکاحات پر انکا گزر ہوتا ہے اور نیکی کی وجہ سے وہ مرجع خلافت ہوتے ہیں ان پر گون کی یہ کیفیت ہو کہ یا وجود اس ظاہری زہد و تقویٰ کے چور کو چوری کے لیے بھی ساعت اچھی بتا دیتے ہیں۔ اسوقت بڑے سے بڑے بزرگ کے پاس جاتے اور درویشی سامنے رکھ کر ہاتھ جوڑے اور کہے شاہ جی حب کا توبہ لکھ دیجیے تو وہ فوراً قلم اور دولت اٹھا کر لکھ دین گے اور زرا تاخیر نہ کریں گے۔ اگر تاخیر کریں گے تو روپیہ کے ساتھ مرغ کا گوشت بھی کھا نا چاہیں گے اور کہیں گے کہ مرغ کا خون ہوتا تو اسکی تحریر زیادہ نوثر ہوتی۔ اب شاہ صاحب مذہبی تقدس سے کچھ کہیں گے تو دبی زبان سے فرمت یہ کہیں گے کہ بجائی غدا اب و ثواب تمہاری گردن پر ہے میں لکھے دیتا ہوں لیکن لکھ کر کبھی انکار نہ کریں گے اور نہ ڈانٹ کر یہ کہیں گے کہ "دوسروں کی سہوٹی نکلاؤ" کے لیے میں کٹنا نہیں ہوں کہ توبہ لکھوں جادو ہو" ممکن ہے کہ اسی قسم کے دو مشہور پیر زادے ہاروت اور ماروت اگلے زمانہ میں گزرے ہوں اور یہودی اپنے افعال کی سند میں حضرت سلیمان ہاروت اور ماروت کا نام لیتے ہوں جب یہودیوں نے پیغمبر خدا کا کٹنا نہیں سنا اور پیغمبر خدا نے توبہ کا حوالہ دیا تو انہیں بھی دھیان نہ کیج اور اپنے ڈھکوسلوں کے سامنے اسکو بھی بے وقعت قرار دیا انصوت یہ آیت اتر سی

اب آیت کے معنی بہت صاف سمجھ میں آجائیں گے۔ یعنی جب ان یہودیوں کی طرف خدا کے رسول آنحضرت محمدؐ آئے جو تورات کی بھی تصدیق کرتے ہیں تو نبی اہل کتاب نے تورات سے انکھین بند کر کے قرآن کی تکذیب کی۔ اگر وہ تورات کو دیکھتے تو جانتے کہ قرآن میں وہی باتیں نصیحت اور نہی کی ہیں جو تورات میں ہیں۔ لیکن وہ تو بجا سے تورات دیکھنے کے وہ چیز دیکھتے ہیں جو کفار دیکھتے تھے یعنی عملیات اور حاضرات وغیرہ اور کہتے ہیں کہ سلیمان نے یہ چیزیں بنائی ہیں۔ حالانکہ سلیمان کو ان چیزوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ سلیمان کے وقت کے کفار البتہ ان خوبات کے عامل تھے۔ اور لوگوں کو یہ خوبات سکھاتے تھے اور یہود کہتے ہیں کہ یہ عملیات تو ہاروت ماروت ایسے فرشتہ خصمت انسان کے بھی زیرِ عمل تھے اس میں شبہ نہیں کہ ہاروت اور ماروت ایسا کرتے تھے لیکن اسکے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ بڑا کام ہے اور ہم بڑا کرتے ہیں۔ بیشک لوگ اُن دونوں سے یہ بڑائیاں سیکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ بڑائیاں کچھ بکرا آدم ہیں یعنی اگر چاہیں گے تو میان بی بی میں اسکے ذریعہ سے لڑائی کرادیں گے یا اور خرابیاں اپنی خواہش کے مطابق پیدا کر سکیں گے۔ لیکن وہ بھی خرابی نہیں پیدا کر سکتے تھے۔ اگر کچھ ہو جاتا تھا تو خدا کے حکم سے ہوتا تھا۔ اگر کوئی عمل کیا جائے تو خواہ مخواہ عمل کرنے والے کے موافق ہوگا یا مخالف ہوگا دو ہی صورتیں ہیں۔ اگر موافق ہو تو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اُس عمل کی تاثیر سے ہوا بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ عمل نہ پڑھا جاتا جب بھی ایسا ہی ہوتا۔ اب ناظرین خود سمجھ لیں کہ قرآن میں سحر کی تکذیب کی گئی ہے یا تائید کی گئی ہے۔

اس میں چند باتیں غور طلب ہیں ایک یہ کہ قرآن میں لفظ شیاطین کا ہے جسکے

معنی بعضوں نے شیطان کو بمعنی شیطان لیا ہے اور یہ معنی سمجھتے ہیں کہ جنات شیطان دلو۔ پری جادو کے سکھانے والے ہیں۔ جس طرح پیغمبر توحید سکھاتے پھرتے ہیں ویسے ہی شیطان آدمی کا بھیس بدل کر جادو سکھاتے پھرتے ہیں۔ ان مخون مین ذرا سا فرق ہے اگر یہ معنی لین کہ انسان شیطانی حرکات اختیار کر کے جادو سکھاتے ہیں تو ٹھیک ہے۔ اور اسی رعایت سے ہم نے شیطا طین کا ترجمہ کفار کیا ہے۔ اور دوسرا لفظ "ملکین" کا قرآن میں ہے جسکے معنی ہیں دؤ فرشتے۔ اور ہم نے اس سے مراد لیے ہیں دؤ فرشتہ فصلت انسان۔ اور فرشتہ فصلت بھی واقعی طور پر نہیں بلکہ اسوقت کے لوگوں کے خیال کے مطابق یہ معنی اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ ہمارا مطلب یوں بھی حاصل ہو سکتا ہے کہ لام کو تیر کے ساتھ پڑھیں (ملکین) اور اسوقت اسکے معنی ہو جائیں گے "دو بادشاہ بہت سے قراء ایسا ہی پڑھتے ہیں اور اس قرأت پر بہت سے مفسرین نے ماردت اور ماردت کو دو بادشاہ مانا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قرآن میں سورہ فلق میں ہے "گرہوں میں پھونکنے والی عورتوں کی بُرائی سے سے" (من شر الفاسات فی القد) یہاں گرہوں میں پھونکنے والی عورتیں اُن پچھلے اقسام میں داخل نہیں ہیں جنکی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ ایسے با اقتدار لوگوں کا وجود قرآن سے ثابت نہیں ہوتا۔ جس طرح انسان میں ایسی عورتیں ہیں جنکی نظریں بدہین سیلی کو جیلی کیفیت حالت میں رہتی ہیں اور کبھی کبھی وہ اس امر کا بھی غلط دعویٰ کرتی ہیں کہ اُنکے پھونکنے یا پڑھنے سے کسود کار ہوتا ہے یا بھلائی بُرائی وقوع میں آجاتی ہے۔ اُنکے پیچھے پیچھے جا بل عورتوں کا غول ہوتا ہے سب سمجھتی ہیں

کہ تمام زمین و آسمان کے اختیارات اسی کے ہاتھ میں ہیں اور اس لیے اُس کے اقتدار بڑھنے سے طرح طرح کے فسادات پیدا ہوتے ہیں۔ خدا نے کہا اُنکے شر سے خدا کی پناہ مانگو یعنی اُنکو قابلِ نفرت سمجھو۔ اسلام پھیلنے پر ایم جہالت کی یہ تمام لغویات قابلِ لحاظ نہیں رہے۔

فصل پنجم دوم

مسئلہ جبر و اختیار و قضا و قدر

جب انسان عالم کی خلقت پر غور کرتا ہے تو وہ ایک کو دوسرے کا سبب پاتا ہے اور انہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ عالم کی ترکیب چھوٹے چھوٹے ذروں سے ہے جسکو سبب یا مادہ کہتے ہیں۔ لیکن یہ معلوم کرنا انسانی قدرت سے باہر ہے کہ وہ مادہ از خود جوڑا تھا یا کسی موجود نے اُسکو پیدا کیا تھا اور مختلف اجناس اور انواع اقسام اشکال میں اُن مادوں کے مرکب ہوئے کا کیا سبب تھا۔ یہ خاصیتیں اور قوتیں خود انہیں موجود تھیں یا کسی موجود کی ودیعت کی ہوئی تھیں۔ موجودات میں موجود و محسوس کے سوا انسان کو کچھ نظر نہیں آتا یعنی انسانی قویٰ میں عالم ادیان سے آگے سجادہ ہونے کی قوت نہیں ہے۔ اب یہیں سے فلاسفہ طبیعی اور فلاسفہ الہیین جدا ہوتے ہیں۔ فلاسفہ طبیعی تو یہیں تک پہنچ کر سبب جاتے ہیں اور نیچر یا مقبضات جاتے ہیں کیونکہ نیچر ہی کو وہ خالق کائنات مانتے ہیں۔ مگر فلاسفہ الہیین یقین کرتے ہیں کہ اُسکا پیدا کرنے والا ہی واحد ازلی اور ابدی ہے جسکو بیان کے لوگ خدا اور عرب کے لوگ اللہ اور یورپ کے لوگ گائڈ اور فلاسفہ الہیین علت العلل کہتے ہیں۔ خلاصہ اس تقریر کا یہ ہے کہ خدا دنیا کے پیدا کرنے کا سبب ہے۔ جو طریقہ آفرینش کا اُس نے پیدا کر دیا اُسی پر لوگ

پیدا ہوتے ہیں۔ کہار کے آنسو سے مختلف رنگ اور مختلف وضع کے برتن نکلتے ہیں۔ کوئی ٹیڑھا ہو گیا اور کوئی سیاہ ہو گیا۔ کہار کی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ کسی کو ٹیڑھا یا سیاہ بنائے۔ لیکن سب کا بنانے والا کہار ہی سمجھا جاتا ہے۔ اور اسی طرح خدا کی قایم کی ہوئی فطرت سے مختلف شکل مختلف صورت مختلف قدا و مختلف رنگ کے انسان پیدا ہوتے ہیں۔ فطرت انسانی خدا کی بنائی ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ اچھے اور بُرے اور نیک و بد ہر طرح کے انسان خدا نے پیدا کیے۔

علہ الععل ہونے کی حیثیت سے خدا کو قادر مطلق مانتے ہیں۔ لیکن انسان اپنے فعل کا پورا مختار ہے اس لیے اچھے اور بُرے افعال کا مرکب خود اسی کو قرار دیتے ہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ خدا چور کو چوری کرنے کے لیے اٹھاتا ہے اور چور کو تولی شہر کو خراب کر دیتا ہے کہ چور کو پکڑے اور سزا دے۔

ایران کے زردشتوں کا یہ مسلک تھا کہ خالق خیر و بد ان ہی اور خالق شر اہرن ہے۔ عیسائیوں کے تین خدا تو فرضی ہیں۔ لیکن زردشتوں نے واقعی طور پر انکو کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا تھا۔ عرب کے رگستان میں بھی یہی خیالات پھیلے ہوئے تھے۔ اسلام کا بڑا کام جہالت کا رخ کرنا ہے اس لیے قرآن میں جا بجا بیتلایا گیا کہ علہ الععل ہونے کی حیثیت سے شر اور خیر دونوں کی نسبت ایک ہی ذات کی طرف کی جاسکتی ہے اور وہ ذات واحد ہے اسکا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ قادر مطلق ہے یعنی اسکی قدرت کامل ہے اور ہیوری نہیں ہے۔ قرآن عام فہم لفظوں میں ہے

اسمیں نتیجہ سے اور تمثیلی زبان سے بحث کی گئی ہے تاکہ چھوٹی سمجھ دالے اور بڑی سمجھ دالے دونوں اسکو سمجھ سکیں۔ علہ الععل کا ساموئیل لفظ اسمیں رکھا جاتا ہے اور

عرب عموماً سمجھنے سے قاصر رہتے۔ لیکن یہ ضرور نہیں ہے کہ ترقی علوم کے طبیب بھی اُسی طرح سمجھیں جس طرح ریگستان کے بدو سمجھتے تھے۔

یہ عالم ناسوتی ہے بیان کے جتنے ذریعہ ہیں وہ سب اس عالم ناسوتی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ کوئی بیان عالم غیر مادی یا معاد کا عام فہم استعارات اور تشبیہات سے خالی ہو تو عوام اسکو نہیں سمجھ سکتے۔ تمثیلی زبان سے کتب مادی میں سب سے بانیں بیان کی گئی ہیں جن لوگوں میں روحانی قوتیں خلقتاً یا ذریعہ اکتساب کے زیادہ ہیں وہ عالم مادی اور غیر مادی کے تعلقات کو زیادہ تر سمجھتے ہیں اور اسی لیے کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کی حقیقت صوفیان کرام عمدہ طور پر سمجھتے ہیں بشرطیکہ ٹھکنے کے لیے صوفی نہ بنے ہوں۔ لیکن جو لوگ صوفی نہیں ہیں اور علوم جدیدہ یا قدیمہ کی تحصیل سے قانون فطرت پر غور کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں انکو بیشک یہ حق ہے کہ کتب مادی کے سمجھنے میں انکا مذاق جدا گانہ ہو اور اس سے انکار کرنا ثبری غلطی ہے۔

کلام الہی یعنی قرآن اور فعل الہی یعنی موجودات عالم میں فرق نہیں ہو سکتا۔ لیکن اُنکے سمجھنے کا جو طریقہ اختیار کیا جائے وہ البتہ غلط ہو سکتا ہے۔ خدا نے جس عالم میں ہمکو پیدا کیا اور جس عالم کی مناسبت سے ہمکو قوی دیئے اُس عالم کی پوری ماہیت دریافت کرنے کے بعد کلام الہی کو اُس سے منطبق کرنا یہ ہمارے اختیار کی بات ہے اور اسی طریقہ سے موجودات عالم کے ماہر کلام الہی پر پورا یقین بھی کر سکتے ہیں۔ اور یہ غلطی ہے کہ کلام الہی کے سمجھنے کا جو ذریعہ ہے اُسکو ہم کلام الہی میں ڈھونڈھیں۔

الحاصل جب خدا جمیع کائنات کا عللہ العلل ہے تو تمام حوادث واقعات و افعال مخلوقات اسکی طرف منسوب ہو سکتے ہیں۔ اور وہ عللہ العلل (یعنی ذات باری) اپنی

معلومات کا علم واقعی رکھتی ہے۔ اور علم باری ہی کا نام اگر تقدیر رکھا جائے تو زیادہ تر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ انسان سے اچھے یا بُرے افعال زیادہ تر اُسکے اعضا کی ترکیب سے سرزد ہوتے ہیں یعنی جس طرح ایک ہی اسٹیم (جہاں کے مشین) مختلف پُر زور وین میں پونچر مختلف طور کے کام کرتی ہے اُسی طرح نفوس انسانی مختلف قسم کے دل و دماغ اور اعضا میں مختلف کام دیتے ہیں۔ اس لیے جسم کی فطرتی بناوٹ اور خلقت کے لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ اچھے یا بُرے انسان مان کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں۔ حال کی تحقیقات بھی بالکل اس خیال کی موید ہے اور انسانی تجربہ بھی یہی کہتا ہے۔ آثار میں یہی سائینس تیرہ سو برس پہلے یون بتائی گئی ہے۔

اسعد بن سعد فی لیلن امہ دانشمن شقی فی لیلن امہ

نیک مان کے پیٹ ہی سے نیک پیدا ہوتا ہے اور بد مان کے پیٹ ہی سے بچ پیدا ہوتا ہے۔

انسان کو اس اعتبار سے کہ اچھا یا بُرا وہ پیدا ہوتا ہے یا غیر مختلف ہونا چاہیے لیکن اس کے ساتھ ہی عقل بھی لگی رہتی ہے جو اچھے اور بُرے میں اسے تمیز سکھاتی ہے۔ اس لیے اُسے مُکلف کہتے ہیں۔ جب صریح دیکھتے ہیں کہ وہ حرکت بالارادہ ہے کچھ کرنا چاہتا ہے تو کسی کے رد کرنے سے بھی نہیں ماننا۔ اور جب ہتھین کرنا چاہتا تو مارنے پر بھی نہیں کرتا تو پھر کیونکر اُسے غیر ذمی اختیار سمجھیں۔ غرض کہ انسان کو پورا اختیار اچھے یا بُرے افعال کے ارتکاب کا دیا گیا ہے جسم کی بناوٹ سے جو فطرتی سیلان طبیعت کا ہوتا ہے اُسکی اصلاح عقل۔ رسم درواج یا مذہب سے

ہو سکتی ہے۔ انسان کا کام ہے کہ عقل سے ہر وقت سوچا رہے ہو یا اپنی
کے اچھے بُرے رسم و رواج میں امتیاز نہ کرے اور یہی قوت امتیاز یہ تحرک
بالارادہ کے ساتھ مل کر انسان کو تکلف بناتی ہے۔

خیر یہ سمجھنا تو مشکل نہیں ہے کہ انسان اپنے فعل کا مختار ہے۔ اور علتہ العمل ہونے
کی حیثیت سے اللہ قادر مطلق کہا جاتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیا کلام اللہ سے
اور بزرگان دین کے اقوال سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے یا نہیں۔

ہمیں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ علم الہی کا نام بعضوں کے نزدیک تقدیر ہے۔
مثلاً کوئی نجومی کسی کی نسبت یہ بیان کرے کہ وہ آگ میں جل کر مرے گا۔ تو یہ
کہہ سکتے ہیں کہ مرنے والے کی موت کا علم اُس نجومی کو تھا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی
یہ کہنا صحیح نہ ہو گا کہ نجومی نے اُسے آگ میں کود پڑنے پر مجبور کیا تھا۔ علتہ العمل ہونے
کی حیثیت سے خدا کو علم ہے کہ کون بندہ کیونکہ دنیا میں گزران کرے گا اور اس
طرح ہر شخص کی آئندہ زندگی کی حالت جو خدا کے علم میں ہے وہ تقدیر کی جاوے گی۔
لیکن اسکے ساتھ ہی یہ نہیں کہا جائے گا کہ خدا نے اپنے کسی بندہ کو کسی خاص
فعل یا ترک فعل کے لیے مجبور کیا۔ پہلے چند باتیں بطور مقدمہ کے سمجھ لینا چاہیے
تاکہ کلام اللہ کی آیتوں کا سمجھنا آسان ہو جاوے۔

(۱) تمام موجودات عالم کو اور تمام انسان کو مع اُسکے تمام قوی کے اُس نے
پیدا کیا جسکو ہم خدا یا علتہ العمل کہتے ہیں۔

(۲) اُس نے تمام انسان اور حیوان کو اپنی مشیت سے ایک فطرت پر پیدا کیا
اور اس فطرت میں وہ تغیر و تبدل نہیں کوتا۔ اسی فطرت کے مطابق انسان سے

افعال صادر ہوتے ہیں۔ اختیاری ہوں یا اضطراری اور دونوں حالتوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ شیت الہی سے وہ افعال صادر ہوتے ہیں۔

(۳) انسان میں دو متضاد قوتیں موجود ہیں۔ ایک کسی کام کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور دوسری اسے کام کرنے سے روکتی ہے۔

(۴) انسان اُن تمام قوی کو جو اُس میں دو بعیت رکھے گئے ہیں اپنی فطرت کی حد تک کام میں لانے کا مختار ہے۔

(۵) انسان اپنے فعل کا مختار ہے اس لیے مکلف ہے۔

(۶) موجودات عالم کے حالات و افعال کا علم اُس علت العلل کو ہے جس نے اس عالم کو بنایا یا پیدا کیا ہے۔

(۷) تمام افعال جو انسان سے صادر ہوتے ہیں اُنکی نسبت تمام مساویہ کو خدا کے کہہ سکتے ہیں کہ علت العلل سے صادر ہوئے۔

(۸) انسان اپنے تمام افعال کو علت العلل یعنی خدا کی طرف منسوب کر سکتے ہیں کیونکہ وہی اُن قوتوں کا خالق ہے جس سے وہ افعال ظاہر ہوئے۔

(۹) اسوۃ شریعہ کے بجا لانے میں قوت فعل کو کام میں لانا اور منہیات شریعہ سے بچنے میں قوت ترک فعل کو کام میں لانا اس علت العلل کی مرضی کے موافق ہے اور باعث درجات ہے۔

(۱۰) برخلاف اسکے منہیات شریعہ میں قوت فعل کو کام میں لانا اور قوت ترک فعل کو کام میں نہ لانا اُس علت العلل کی مرضی کے موافق نہیں ہے۔ اور باعث درجات ہے۔

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بغیر مشیت الہی نہ کچھ ہوا ہے اور نہ ہو گا لیکن مشیت الہی کیا چیز ہے۔ اسی کا سمجھنا اصل امر ہے۔ مشیت الہی کا ظہور اس فطرت میں ہوتا ہے جس پر انسان اور کل مخلوقات پیدا کیے گئے ہیں۔ آگ کی فطرت میں جلانے کی قوت رکھی گئی ہے۔ جب کوئی چیز جلنے کے لائق اس میں ڈالی جائے گی تو ضرور جل جائے گی۔ اور یہ کہا جائے گا مشیت الہی یہی تھی۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ آگ میں قوت جلانے کی خدا نے پیدا نہیں کی ہے جب کوئی جلنے والی چیز اس میں پڑتی ہے اس وقت خدا اس میں عادتاً قوت احراق پیدا کرتا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔

اب ان اصول عشرہ کے مطابق ہم ان آیتوں کی تفسیر بیان کریں گے جنکو بعض مفسرون نے بیان کیا ہے اور بتا دیں گے کہ ان آیتوں سے انسان ان قوی کے کام میں لانے سے مجبور نہیں ہے جو اسکو عطا ہوئے ہیں اور اسی لیے وہ مکلف ہے۔

مثلاً خدا فرمایا کہ ”تم میں سے جو سیدھی راہ پر چلتا ہے اس کے لیے قرآن نصیحت ہے“ اس میں تو انسان کا مختار ہونا ظاہر ہے۔ دوسری جگہ ہے۔ ”تم کچھ نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ پر درگاہ عالم چاہے“ مقدمہ دوم کا مول بیان متعلق کیجیے۔ سلب اختیار انسان جبکہ وہ فطرت ذمی اختیار پر پیدا کیا گیا ہے اس سے لازم نہیں آتا۔

”خدا گمراہ کرتا ہے جسکو چاہتا ہے اور ہدایت کرتا ہے جسکو چاہتا ہے“ وہ علامہ العلل ہے اس لیے بندوں کے تمام افعال کو دسالیہ درمیانی حذف کر کے

اپنی طرف منسوب کر سکتا ہے (دیکھو مقدمہ ہفتم) انسان جو فطرت ذی اختیار پر پیدا کیا گیا ہے اسکی برأت لازم نہیں آتی۔

”اگر تیرا پروردگار چاہتا تو ایمان لاتے وہ سب جو زمین پر ہیں“ یعنی وہ چاہتا تو انسان کو فطرت ذی اختیار پر پیدا نہ کرتا۔

”مکن نہیں کہ کوئی شخص بے اذن خدا کے ایمان لائے“ اذن خدا کیا شے ہے؟ ذی اختیار ہونے کی فطرت یا خدا کا علم اذن ہے تو معنی یہ ہوئے کہ کوئی شخص اپنی فطرت کے خلاف ایمان نہیں لاسکتا۔ یا یہ معنی ہوئے کہ جو ایمان لایگا اسکا علم خدا کو ہے (دیکھو مقدمہ ششم) قرآن میں اذن خدا اور شیت خدا کا لفظ بطور استثناء کے بولا گیا ہے مثلاً ”کوئی شفاعت نہیں کر سکتا جب تک کہ خدا کا اذن نہ ہو“ اور ”تم نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ خدا چاہے“ لیکن ان دونوں مقامات پر کسی امر استثناء کا واقع ہونا مراد نہیں ہے بلکہ خدا کو اپنی عظمت و جبروت اور قدرت کاملہ کا اظہار مقصود ہے یا جملہ ماقبل کی توثیق مراد ہے۔

”ہم انکو چھوڑ دین گے انکی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے وہ ایمان نہیں لانے کے مگر جب خدا چاہے“ گمراہی میں چھوڑ دینے کے معنی یہ ہیں کہ جس فطرت پر وہ پیدا ہوئے اسی فطرت پر وہ رہیں گے (دیکھو مقدمہ دوم) خدا کا یہ کہنا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اصول ششم پر تفرع ہے یعنی خدا کو اپنے علم سے معلوم تھا کہ وہ ایمان نہیں ہونگے۔

”قرآن کے سمجھنے سے انکے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں اور انکے کانوں کو بھرا کر دیا ہے یعنی گو خدا نے انکو فطرتاً مختار پیدا کیا تھا لیکن خدا کے علم میں یہ تھا۔“

کہ وہ راستے پر نہ آئیں گے۔ اصول ہفتم پر بہ سبب علت احمل ہونے کے افعال عباد کو خدا نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

”لیکن وہ جسکو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے“ یہ جملہ اسی علم الہی پر مبنی ہے جس کا ذکر مقدمہ ششم میں کیا گیا۔ اور پھر مقدمہ ہفتم کے اعتبار پر اپنی ذات کی طرف تمام وسائل کو حذف کر کے منسوب کیا ہے۔ ”اگر خدا چاہتا تو خدا کی نشانیان نازل ہونے کے بعد وہ آپس میں نہ لڑتے۔ لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ خدا جس شخص کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے تو تو خدا سے اسکو ہرگز نہیں بچا سکتا“ بالکل سچ ہے خدا کا ارادہ قانون فطرت میں ظاہر ہوتا ہے جس فطرت ذی اختیار پر خدا نے جسکو پیدا کیا اسکو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انکو خدا نے فتنہ میں پڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ خدا نے انکے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو اُنسے باز رکھا ہے“ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے جو فطرتی اسباب غالب اور مغلوب ہونے کے یا شکست یا فتح کا اسباب ہونے کے بنائے۔ اسی پر تمام حالات یا واقعات موقوف ہیں۔

اسی طرح اُن تمام آیتوں کو سمجھنا چاہیے جن سے بادی النظر میں انسان کے مختار ہونے کا شبہ کیا جاسکتا ہے۔ انسان کے مختار ہونے کی جو آیتیں قرآن میں ہیں اُنسے بھی ہمارے مضمون کی تائید ہوتی ہے مثلاً ”فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر“ جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے ”ما ظلم الله ولكن انفسهم يظلمون“ اللہ نے آپر ظلم نہیں کیا تھا بلکہ انھوں نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا۔ حاصل اسکا یہ ہے کہ خدا نے انسان کو ایک حد تک ذی اختیار پیدا کیا ہے اور اپنے اختیار

میں جو فضل انسان کرتا ہے وہ اسکا ذرہ دار اور جوابدہ ہے گو علت العلل ہونے کے سبب سے وہ خدا کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے لیکن وہ فی الواقع بندہ کا اختیاری فعل ہے۔
مفصلہ بالا تحریر ان لوگوں کو تشفی دینے والی ہے جنکے دل میں توہمات پیدا ہو کر اسلام کی طرف انکو راغب ہونے نہیں دیتے۔ ورنہ اس مضمون کے لکھنے والے کا یہ مذہب نہیں ہے۔ خدا کے ساتھ جو خلوص اور اعتقاد اسکو ہے وہ اسلام کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ خدا کے اختیارات کو کسی طرح پر محدود کرے۔ لیکن اسکے ساتھ ہی اپنے تمام بُرے افعال کا وبال بھی اپنی ہی گردن پر دہ لینے کو ملتا ہے۔ خدا سے اسکو عشق ہے اور اسلیئے اپنے معشوق کی کسی ادا کا وہ شاکئی نہیں ہے۔ اور نہ ایسے باریک مسئلہ پر سوچنا یا سمجھنا وہ ضروری سمجھتا اور نہ اس ہم مسئلہ کو طے کیے بغیر کہیں سے اسکا ایمان ڈالنا ڈول ہوتا۔ اسکا یہ ایمان ہے کہ خدا کے جتنے اسماء صفات ہیں وہ سب سچ ہیں لیکن اس عالم کے تعلقات سے کیونکر انکو وابستگی ہے اسکی چھان بنان کی انسان کو ضرورت نہیں ہے اور چھان بنان کی بھی جائے تو جب تک روح اس عالم ناستی سے تعلق رکھتی ہو وہ ان باتوں کے ادراک کا ل سے یقیناً قاصر ہے۔ وسط سمندر میں کوئی بھینک دیا جائے اور وہ ہاتھ پاؤں پیٹ کر ساحل تک پہنچنے کی کوشش کرے تو فعل عجیب ہے۔
درین درگشتی فرود نہ ہزار کہ پیدائش شد تختہ کبریا

انسان کا دائرہ معلومات تنگ اور محدود۔ فکر انسانی ہمیشہ گرسٹ کی طرح رنگ بدلنے والی۔ ایسی حالت میں روح۔ سواد یا خلقت عالم پر اپنی عقل سے کوئی رائے بھی قائم کر لیا سب سے بڑی جہالت ہے۔ خدا کی نسبت یہ سمجھنا کہ وہ دنیا کا گورکھ دھندھا

بنکر وہ خود وجود مطلق ہو گیا بڑی گستاخی ہے۔ لیکن وہ لوگ جو حجتی طبیعت رکھتے ہیں اور قرآن کو اس لیے غلط سمجھتے ہیں کہ وہ فطرت انسانی کے خلاف ہے اور خدا کو اس لیے عادل نہیں سمجھتے کہ بندہ مجبور ہے اور خدا ہی خیر و شر کا خالق ہے انکو ضرور ہے کہ مضمون پڑھیں اور سوچیں کہ اگر فطرت موجودات کا علم انکا بہت ہی کامل ہے تو کلام اللہ بھی اسکے خلاف نہیں ہے۔ کلام اللہ انسان کی ہدایت کے لیے ہے انسان کے خیالات مختلف ہیں تو قرآن کا بھی یہ اعجاز ہے کہ مختلف خیالات کے لوگ اس سے مختلف پیرایہ میں تفسیر حاصل کر سکتے ہیں یعنی قرآن اس طور پر لکھا گیا ہے کہ ہر استعداد اور ہر مذاق کا آدمی اپنے مذاق کے موافق اس سے تسکین حاصل کر سکتا ہو۔ آسمان۔ زمین۔ دعا۔ سحر۔ جن۔ ملائکہ۔ قصہ آدم۔ خلقت عالم۔ عذاب ثواب۔ دوزخ و بہشت یہ تمام چیزیں قرآن میں اس طرح مذکور ہیں کہ عرب کے بدردن کو بھی اس کے پڑھنے سے تشفی ہوئی۔ اور یونانی فلسفہ جب مسلمانوں میں پھیلا تو تسکین دینے والے بڑے بڑے دہریوں کی تسکین کر دی اور زمانہ حال کے سائنس اور بہت سے بھی وہ کلام پر سے طور پر مطابق پایا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ یہ کلام ربانی ہے۔ ہر فرقہ ہر قوم اور ہر قرن کے مناسب حال بنایا گیا ہے۔

اکابر اسلام کے بھی چند اقوال نقل کیے جاتے ہیں تاکہ انکے خیالات اس مسئلہ کے متعلق معلوم ہوں۔

حضرت علی نے جنگ صفین سے واپس آنے پر ایک شخص کے سوال کے جواب میں جو فرمایا اُسکو امام احمد زیدی نے لکھا ہے۔ جابجا سے اُنکے فقرے بیان نقل کیے جاتے ہیں۔ "دائے کے بھوڑنے والے اور جان کے پیدا کرنے

وائے کی قسم ہے کہ ہم کسی وادی میں نہ اترے اور نہ کسی ٹیلہ پر چڑھے مگر قضا و قدر کے موافق ہے پھر شیخ نے پوچھا تو کیا ہمارے بے خدا کے نزدیک کچھ ثواب نہیں ہے کیونکہ قضا و قدر نے ہلکے چلا یا اور اسی سے ہمارا سفر ہوا۔ حضرت علی نے فرمایا۔ کہ "شاید تو اسکو قضا و یقینی اور قدر قطعی خیال کرنا ہے۔ ایسا ہوتا عذاب اور ثواب کے وعدے سب بیکار ہو جاتے۔ خدا نے ہلکے مختار بنا کر حکم دیا ہے۔ مجبور بنا کر تکلف نہیں کیا ہے ایسا خیال کافروں کا ہے۔"

حضرت امام حسن نے اہل بصرہ کو خط لکھا جسکے چند فقرے یہ ہیں۔ "جو خدا پر اور اُسکے قضا و قدر پر ایمان نہیں لایا وہ کافر ہوا۔ اور جس نے اپنے گناہوں کو خدا کی طرف منسوب کیا وہ گنہگار ہوا۔ اگر خدا کی عبادت کریں تو خدا اُنکے اور اُنکے عمل کے درمیان حائل نہیں ہوتا۔ اور اگر گناہ کریں تو خدا نے کچھ گناہ پر مجبور نہیں کیا ہے۔"

حسن بصری نے حجاج کے خط کے جواب میں مسئلہ قدر کی حقیقت یوں بیان کی ہے۔ جہلا کہتے ہیں کہ خدا جسکو چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسکو چاہے راہ دکھاتا ہے۔ اگر وہ اُمت کے اقبل اور ابعد پر نظر ڈالتے تو اُنکو معلوم ہو جاتا کہ خدا گمراہ نہیں کرتا مگر افراد گمراہ کے قدم کی وجہ سے جیسا کہ اُسکا قول ہے کہ اللہ ظالمون کو گمراہ کرتا ہے۔ امام احمد بن حنبل الرضی زیدی نے لکھا ہے عبداللہ عمر سے ایک شخص نے کہا اے ابو عبدالرحمن بعض قوموں کے لوگ زنا کرتے ہیں اور شراب پیتے ہیں۔ چوری کرتے ہیں اور لوگوں کو قتل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے علم میں تھا۔ ہلکے کوئی چارہ نہیں ہے۔ عبداللہ بن عمر غصہ ہوئے اور کہا

سبحان اللہ۔ بیشک اللہ کے علم میں تھا کہ وہ لوگ ایسے کام کریں گے۔ مگر خدا کے علم نے انکو ان کاموں کے کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ مجھ سے میرے باپ عمر بن خطاب نے ذکر کیا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ علم الہی کی مثال تمہیں مثل آسمان کے ہے جس نے تم پر سایہ کر رکھا ہے اور مانند زمین کے ہے جس نے تمکو اٹھا رکھا ہے۔ جس طرح تم آسمان و زمین سے باہر نہیں جاسکتے اسی طرح تم خدا کے علم سے باہر نہیں ہو سکتے اور جس طرح آسمان و زمین تمکو گناہوں پر بال نہیں کرتے اسی طرح خدا کا علم بھی تمکو اُن گناہوں پر مجبور نہیں کرتا ہے۔

فصل پنجاہ سوئم قصص قرآنی

قرآن میں جہاں امر اور نہی کے احکام ہیں یا اخلاق حسنہ کی تعلیم کی گئی ہے وہاں پُرانے زمانے کے قصے بھی محلا مذکور ہیں جنسے محض اخلاق اور حکمت کا کٹھا مقصود ہے۔ انہیں زائد تر دہی باتیں ہیں جو عرب اور شام میں جزوی اختلاف کے ساتھ پہلے سے مشہور تھیں۔ ابتداء سے اسلام میں مناسب معلوم ہوا کہ ان قصوں کے واقعات یا دلائل خیر کی طرف طبیعتیں متوجہ کی جائیں اور اس بیرونی عقاید اسلام تعلیم کیے جائیں۔ عبارت قرآن کی غوی تو عربی جانے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتی رہا طرز بیان وہ بھی زائد تر اسی وقت کے صب حال تھا کہ لوگوں کو باتیں پہلے سے معلوم تھیں پورا قصہ لکھنے کی ضرورت نہ تھی صرف ایک اشارہ کافی اور با اثر ہوتا تھا۔ لکن تاہم ابلغ میں انھرا حصہ۔

سب کو معلوم ہے کہ قرآن ایک دم سے نازل نہیں ہوا۔ ضرورت کے وقت آیتیں یا صدرتین نازل ہوتی تھیں اس لیے ایسا بھی ہے کہ مختلف اوقات اور مختلف مواقع پر ایک ہی بات بار بار کہی گئی ہے گو طرز بیان ہر جگہ پر جدا گانہ ہی اور باعتبار بلاغت کے نہایت ہی دلچسپ ہے۔ لیکن غیر زبان میں ترجمہ ہونے کے بعد اور شان نزول پر نظر نہ ہونے کی حالت میں قصہ کا لطف بہ حیثیت قصہ ہونے کے ضرور کم ہو جاتا ہے مگر وہ باتیں جو ان قصوں سے پیدا ہوتی ہیں بجا خود نہایت مفید اور بکار آمد ہیں اور ہر وقت اور ہر موقع کے مناسب ہیں ہم ارباب صرف انھیں فراموش سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔

قرآن میں جا بجا یہ بتایا گیا ہے کہ جب تک کوئی قوم اپنے کو خواب نہیں کرتی خدا بھی اُسکو خواب نہیں کرتا۔ جب کوئی خود کو بھول جاتا ہے تو خدا بھی اُسکو بھول جاتا ہے۔ اُسکو دیون بھی سمجھ سکتے ہیں کہ جب کسی قوم کو عروج ہوتا ہے تو وہ محنت۔ جافشانی۔ شکر گزاری وغیرہ سب ترقی چھوڑ کر خود فراموشی اختیار کرتی ہے جس کا دوسرا نام ہے خدا فراموشی۔ نتیجہ خدا فراموشی کا ہے کثرت معاصی اور اسکا نتیجہ لازمی ہے تباہی اور بربادی۔ ایک قوم کے برباد ہونے پر دوسری قوم محنت اور شکر گزاری کے راستہ پر چلتی ہے اور جب اُسکو بھی عروج ہو جاتا ہے تو خدا فراموشی کے ساتھ زوال شروع ہو جاتا ہے اور زوال شروع ہونے کے وقت اپنے ماحول یعنی پیغمبروں کا کمانہ ماننا لازمی ہے۔ جب تک نصیحت سننے کے لیے کان کھلے رہتے ہیں خدا فراموشی نہیں ہوتی اور نہ زوال آتا۔ خدا اسی قومی ترقی و زوال کو کتاب ہے کہ ”تِلْكَ اٰيَاتُ الَّذِيْنَ يُدٰوِلُهُمُ الْبَیِّنَاتُ“ دنوں کو ہم آدمیوں میں پھرتے

رہتے ہیں۔ خدا نے بہت سی امتوں کا عروج و زوال قرآن میں دکھایا ہے۔ زوال کے لیے عذاب کا لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ عذاب کی غایت قوموں کی بربادی ہے اور عذابوں کے مختلف طریقے تھے ہیں اگر سان پھیل سبھی جائے تو مطلب صاف ہے۔ اور اگر فی الواقع طوفان کا آنا زلزلہ کا محسوس ہونا پھر برباد و غیرہ آفات ارضی و سماوی کا واقع ہونا اصلی معنوں میں سمجھا جائے جب بھی سمجھ داروں کے نزدیک کوئی بات انوکھی پیدا نہیں ہوتی۔

مختلف مقامات پر مختلف پیرایہ سے قصے بیان کیے گئے ہیں اور کہیں کہیں محل طور پر بہت سے واقعات کی طرف ایک ساتھ اشارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ عنکبوت رکوع ۴ میں قوم نوح۔ قوم لوط۔ نکان مدین (یعنی قوم شعیب) قوم عاد جمہین حضرت ہود پیغمبر مبعوث ہوئے تھے۔ قوم ثمود (جہین حضرت صالح پیغمبر مبعوث ہوئے تھے) قارون۔ فرعون۔ ہامان کی نبیہوں کا بالا جمال ذکر کر کے خدا فرماتا ہے کہ "خدا پھر ظلم نہ کرنا لیکن یہ تو خود اپنے اور ظلم کرتے تھے۔ کہ اللہ کے سوا دوسروں کو کار ساز سمجھتے تھے۔ ان لوگوں کی مثال کڑی کی سی تھی کو وہ بھی ایک گھر بنا لیتی ہے اور اسے اپنے بندار میں بڑا مضبوط جانتی ہے۔ حالانکہ وہ سب کے گھر دن سے بڑا ہے۔ کاش یہ اتنا ہی سمجھتے۔" واما ان اللہ یظلمہم و لکن کانوا انفسہم یظلمون۔ مثل الذین اتخذوا من دین اللہ اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتاً و ان ادھن البیت لعیت العنکبوت لو کانوا یعلمون۔

ہم جانتے ہیں کہ چند بڑے بڑے قصے جو قرآن میں کسی قدر مراعت کے ساتھ مذکور ہیں یہاں بیان کریں۔ لیکن قصہ شروع کرنے کے قبل یہ کہنا ہم فرود

خیال کرتے ہیں کہ یہ قصے نادر نہیں ہیں کہ شروع سے اخیر تک ایک بات واقعہ کے مطابق نہ ہو مگر قوم کے موجودہ مذاق سے اس درجہ قریب ہو کہ کسی طرح کذب کا گمان بھی نہ ہو سکے بلکہ یہ قرآن پاک کے قصہ ہیں جنہیں ایک لفظ بھی جھوٹ نہیں ہے مگر واقعات اتنے پُرانے ہیں کہ ہماری تاریخی معلومات سے انکی تائید نہیں ہو سکتی۔ بلکہ بعض بعض قصہ تو اس زمانہ کے ہیں جب معاشرت انسانی اپنی نوعیت میں موجودہ معاشرت سے بالکل علیحدہ تھی اور اسوقت کے قانون قدرت سمجھنے کے لیے ہمارے عقول اُسی طرح ناکافی ہیں جس طرح اور بہت سے راز فطرت کے سمجھنے سے ہم قاصر ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ "لا تبدل فی فطرت اللہ" قانون قدرت میں تبدیلی نہ ہو سکتی ہو جب بھی ہم کسی امر کو موجودہ حالت پر نظر کر کے مافوق العادۃ نہیں کہہ سکتے۔ وہی آفتاب جو صبح کو اپنی دھیمی حرارت سے لطف بخشتا ہے وہی کو آہستہ گرمی دماغ پریشان کر دیتی ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ بد خلقیت آدم میں بہت سی باتیں فطرتاً مطابق عادت ہوں اور اب مافوق العادۃ ہو گئی ہوں اور وجہ کے سمجھنے سے ہماری قوت مدد کرے اور تخیل اسوقت قاصر ہو۔

حضرت آدم کی پیدائش پر غور کیجیے۔ آج کوئی عالم یا کوئی حکیم علوم جدید یا علوم قدیمہ کی برکت سے ایسا ہی دقوت نہیں ہے جو یقینی طور پر کسی کو یہ سمجھا دے کہ انسانی سلسلہ توالد و تناسل پیدا ہونے کے قبل ایک مرد اور ایک عورت کا جوڑا کس طرح بن گیا۔ جب قطعی طور پر کوئی دوسری صورت بیان نہیں کی جاسکتی تو کیوں ہم فقہ قرآنی کو گو کہ وہ کیسا ہی مافوق العادۃ ہو صحیح باور نہ کریں بالخصوص ایسی حالت میں کہ تمام آسمانی کتابوں میں ایسا ہی لکھا جلا آتا ہے۔ اب جب آدم کی

کی پیدا الیش ہم کو اپنے موجودہ علم کے ذریعہ سے معلوم نہ ہو سکی تو آدم کے زمانہ میں
یا انکے قریب زمانہ کی باتیں جو مافوق العادۃ بیان کی جاتی ہیں ہم انکو کیوں غلط
مانیں۔ مثلاً حضرت سلیمان کی نسبت مذکور ہے کہ وہ جانوروں کی بولی سمجھتے تھے
کہا ہے کہ اسوقت انسان میں جانوروں کی بولی سمجھنے کی قوت موجود ہو۔ اور
سلیمان میں وہ قوت نسبتہ زائد ہو۔ اب بھی تو یہ قوت انسان میں کچھ نہ کچھ موجود ہے
ایک کتے کو دیکھ کر دوسرا کتا بھونکتا ہے۔ یا گھوڑا دانے کے دھت بولتا ہے۔
بلی کھانے کے سامنے بیٹھ کر سیاؤں سیاؤں کرتی ہے اور انسان سمجھ جاتا ہے کہ
کس غرض سے یہ آواز جانور کے منہ سے نکلی۔ بطور مذاق کے کہا جاسکتا ہے کہ
ڈا۔ وان تھیوری کے مطابق جب رفتہ رفتہ بندر سے آدمی بنایا تو بندر کی خوب بھی
رفتہ رفتہ بدلی ہوگی۔ لیکن ہے کہ حضرت سلیمان کے وقت تک جانور کی بولی
سمجھنے کی قابلیت جو بوجہ ہم جنسی کے شروع شروع انسان میں تھی اُس میں
زائد تغیر نہ آیا ہو۔ بہر حال جتنے قصے قرآن کے ہیں وہ سب سچ ہیں۔ زیادہ
آسانی تو اُس میں ہے کہ اسوقت کا طرز معاشرت جُدا گانہ مان لیا جائے یا فطرت
کی جانب سے زائد تر دست اندازی اسوقت کی ماند بود میں ضروری سمجھی جائے
یا اگر کسی طرح موجودہ فلسفہ سے الگ ہونا گوارا نہ ہو تو لسان تمثیلی سے مدد لی
جائے۔ خدا کو صرف فلاسفہ کے لیے تو قرآن کا نازل کرنا مقصود نہ تھا
کُل عالم کے لیے اُسکو اُترنا تھا۔ جس میں عرب کے بدو ایسے نامرتب یافتہ لوگ
زائد نہ تھے۔ دُرُ قرآن ابک عالم کے لیے اور ایک جاہل کے لیے ہوتا تو غرض
قوت ہوتی اس لیے ایک ہی کتاب سے دونوں کو سمجھنا مناسب تھا۔ فلاسفہ

کے لیے جو قرآن اُترنا مسکو جہلا کبھی نہ سمجھتے لیکن جہلا کے لیے جو اُترا وہ عقلا بھی سمجھ سکتے ہیں اور اس لیے یہ پرواز اختیار کیا گیا جواب ہے۔ آنکھوں میں نہایت اور کانوں میں سماعت ہو تو ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے قرآن جبرائیل علیہ السلام کی نصیحت یا نصیحت کی بھی نشانی کرنا ہے اور نہ نصیحت یا نصیحت بھی اس سے ہدایت پاتے ہیں۔

الہدایہ بشر آدم

حضرت آدم کا ذکر قرآن میں کئی جگہ ہے۔ از قسم انسان سب کے پہلے یہی بنا میں آئے۔ اور اُنکے بعد حوا انکی بی بی آئین۔ خلقت انسان انھیں دو فوج سے شروع ہوئی۔ تعلیم جو اس قصہ سے کی گئی ہے اپنی نوعیت میں وہ لا جواب ہے (۱) عزرا زیل الیسا مقرب فرشتہ اپنی نخوت کی وجہ سے شیطان ہو کر مارا پھرتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ نخوت کو برمی بلا سمجھے۔

(۲) شیطان موردنی دشمن انسان کا ہے اسکے درغلانے سے بُرے افعال کرنا سخت بے دانشی ہے۔ نفس امارہ کو دشمن موردنی قرار دینا اور یوں اس سے ڈرنا نہایت اچھا طریقہ بیان کا ہے۔

بعض ایسے گمراہ حضرات ہیں جو سائنس کی چند چھوٹی سچی کتابیں پڑھ کر اپنے معلومات کو قرآن سے زائد با وقعت سمجھتے ہیں۔ مگر ان کا لفظ ہم نے بہت بُرے معنوں میں استعمال نہیں کیا ہے۔ ہمارے نزدیک وہ حضرات گمراہ کہے جانے کے ضرور مستحق ہیں جو راز فطرت کے دریافت کرنے میں اپنا عزیز وقت ضائع کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اُنکے حواس میں کام کے لیے نہیں بنائے گئے ہیں ہمارے نزدیک تو فطرت انسانی نے جن اسرار کو ہم سے پوشیدہ رکھا ہے اُنکی نسبت

سچے گھوڑے دوڑا نے زمین قانون فطرت کے ساتھ بے ادبی لازم آتی ہے۔
خدا کہتا ہے کہ ہم تم سے چھپائیں گے اور تم کہتے ہو کہ ہم خواہ مخواہ دریافت
کرین گے۔ آج تک ایک نے بھی قابل اطمینان کامیابی حاصل نہیں کی لیکن
پھر بھی تم قدر پر قائم ہو تو یہ کیا حرکت ہے اچھا بے ادبی نہ سہی مالتو لیا تو غور
ہے۔ گمراہی نہیں تو گمراہی کا مقدمہ تو ہے۔ حافظ شیرازی نے کیا خوب لکھا ہے

حدیث از مطرب و می گو در از دہر کتر جو

کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ابن تمیم را

بہر حال ہم کہتے ہیں کہ ان گمراہوں کی تسکین خاطر بھی قرآن سے ہو سکتی ہے
اور ہم اسکو بھی قرآن کا ایک سبزہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہر درجہ کے لوگوں کی سمجھ کے مطابق ہے

فقہ قرآن میں مختلف مقامات پر درج ہے یوں سلسل بیان کیا جاتا

خدا نے مٹری ہوئی گچڑ سے جو گویا آگ میں پکی ہوئی کے مثل گرم ہو رہی تھی آدم کو
اور اس کے ساتھی جو آگ میں پکے ہوئے تھے انکو اس صورت موجودہ پر بنایا۔ فرشتوں سے کہا
کہ آدم کو سجدہ کرو سب نے سجدہ کیا۔ مگر شیطان نے سرکشی کی۔ خدا کے حکم کو نہ مانا
اور سجدہ نہ کیا۔ خدا نے اُس سے پوچھا کہ تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا۔ اُس نے
کہا میں آدم سے افضل ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور آدم کوٹی
سے بنایا ہے۔ خدا نے کہا جادو رہو تو فرشتوں میں ہونے کے لائق نہیں ہے۔

اُس نے کہا مجھے قیامت تک ایسا ہی رہنے دو۔ یحییٰ نے مجھے بہکایا ہے میں
بھی انسان کو بہکا تا رہوں گا۔ خدا نے کہا دروہو اسے مردود جو لوگ تیری تعجیت
کرین گے میں اُسے و درخ بھر دوں گا۔ خدا نے آدم سے سمجھایا کہ شیطان تمہارا

پکا دشمن ہے اُس سے خبردار رہنا۔ پھر اُنکو بہشت میں رکھا جہاں کہ اُنکو چھوڑ
 تھی نہ پیاس تھی نہ دھوپ لگتی تھی اور نہ کپڑے کی حاجت تھی۔ خدا نے کہا جو
 کچھ چاہو کھاؤ مگر فلان درخت کے پاس نہ جانا اگر جاؤ گے تو آپ اپنے لیے
 مبارک دے شیطان نے اُنکو بہکا یا اور کہا کہ میں تمکو ہمیشگی کا اور ہمیشہ رہنے والی
 بادشاہت کا درخت بتاتا ہوں اور پھر وہی درخت بتایا جس سے خدا نے منع کیا تھا
 اور کہا کہ اس میں کوئی بُرائی نہیں ہے تم اس سے اس لیے منع کیے گئے جو کہ تم خوش
 اور ہمیشہ رہنے والے نہ ہو جاؤ۔ شیطان کے بہکانے میں وہ آگئے اور درخت
 ممنوع میں سے کچھ کھا لیا۔ اُسکے کھانے سے جو نادانی کا پردہ اُنپر سے اُٹھ گیا
 عیب و ثواب معلوم ہونے لگا۔ اُنکی برائی اُنکو شرانے لگی اور درخت کے بیجوں سے
 وہ اپنی شرمگاہیں چھپانے لگے۔ خدا نے کہا کہ اس درخت کے کھانے سے میں نے
 تمکو منع کر دیا تھا اور یہ بھی کہدیا تھا کہ شیطان تمہارا پکا دشمن ہے چلو جہاں سے جاؤ
 تم اب جہاں رہو گے ایک دوسرے کے دشمن ہو کر رہو گے۔ جزیرت تک
 زمین پر رہو گے دھین مرو گے اور دھین سے نکلو گے آدم نے خدا کی ہدایت
 کے موافق اپنے قصور کی معافی اس طرح چاہی کہ ”اے ہمارے خدا ہم نے
 خود پر ظلم کیا اگر تو معاف نہ کرے گا اور رحم نہ کرے گا تو ہم آفت میں رہیں گے“ خدا نے
 معاف کر دیا اور یہ بتایا کہ تمہارے پاس میری ہدایت آئے گی جو کوئی اُسے مانے
 گا وہ بے خوف ہو گا اور جو کوئی نہ مانے گا دوزخ میں جائیگا اور ہمیشہ اُسی میں
 رہے گا۔ خدا نے آدم کو زمین پر اپنا نائب بنایا فرشتوں نے کہا کہ ایسے شخص کو
 تو نیابت و امتیاج و فساد دین گے اور خون بہائیں گے اور ہم بائزگی کے

ساتھ تجھے یاد کرتے ہیں اور تیری تعریف کرتے ہیں۔ خدا نے کہا میں سب کچھ جانتا ہوں۔ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ پھر خدا نے آدم کو سب چیزوں کے نام بتائے اور فرشتوں کے سامنے کیا اور کہا کہ تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے کہا تو ایسے اُس سے زیادہ نہیں جانتے۔ پھر خدا نے آدم سے پوچھا۔ آدم نے سب بتا دیا۔

فردوس سے زیادہ عقل رکھنے والوں کے سمجھانے کے لیے مفصلہ ذیل مہرین

لکھی جاتی ہیں

خدا نے اس تمام قصے میں یہ نہیں بتایا ہے کہ شری ہوئی گرم کپڑے سے خدا نے آدم اور حوا کو کیونکر پیدا کیا۔ ایک م سے پیدا کیا یا بتدبیج پیدا کیا۔ اگر بتدبیج جائے انسانی میں آما ڈار دن خیرری کے مطابق مانا جائے تو قرآن سے نہ اسکی تصدیق ہوتی ہے نہ اسکی تردید ہوتی ہے۔ لیکن خدا نے یہ اشارہ کیا ہے کہ ہم نے پیدا کیا پھر صورت بنائی (لقد خلقناکم ثم صورناکم)۔ اسکا یہ منشاء ہو سکتا ہے کہ انسان لطف میں نہایت باریک ٹھنگہ کے مانند پیدا ہوتا ہے۔ پھر اسکی صورت بنتی ہے اور مٹی بھی ہو سکتے ہیں کہ انسان کا لبد بھی مثل اور تمام چیزوں کے انھیں چھوٹے چھوٹے ذرّوں سے بنتا ہے جو دنیا میں پہلے سے پیدا ہیں صوفیان کرام یہ معنی لگاتے ہیں کہ روح انسانی جو ایک خاص پر تو ہے ذات باری کا پہلے سے موجود تھی صورت انسانی میں وہ بعد کو آئی۔

دنیا کی تمام چیزیں ایسی ہیں کہ جب باسم ایک دوسرے سے ملتی ہیں تو نہیں کیسیائی احترام ہو کہ ایک نیا مزاج پیدا ہوتا ہے۔ انسان میں خدا نے اجبی اور بُری دونوں

قوتیں پیدا کی ہیں اور یہ قدرت خدا کی ہے کہ انسان ایسے معجون مرکب میں
 دونوں قوتوں کا مزاج الگ الگ قائم ہے۔ ان دونوں قوتوں میں سے قوت خیر
 فرشتہ اور قوت شر کو شیطان کہیں تو خلاف قرآن نہیں ہو سکتا معلوم ہے
 کہ قرآن سان تیشلی میں نازل ہوا ہے تاکہ اسکے مضامین بدن سے لیکر سقراط و
 بقراط کے درجہ والوں تک کی سمجھ میں بخوبی آجائیں۔ ہر علم کے اصطلاحات خاص
 ہوتے ہیں۔ اصطلاح مذہب میں قوت خیر کو فرشتہ اور قوت شر کو شیطان مان لینے
 سے مضمون بہت عام فہم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بعض حدیث میں جو بیان ہوا ہے
 کہ رحم میں فرشتہ انسان کی صورت بناتا ہے تو میان فرشتہ سے ایک خاص قسم
 کی قوت مصورہ مراد ہے۔

فرشتہ یعنی قوت ملکی کا آدم کو سجدہ کرنا اور شیطان یعنی قوت شری کی سرکشی اس
 یہ مطلب ہے کہ قوت ملکوتی جو انسان میں ہے وہ اسکی مطیع ہے اور قوت
 شیطانی بارہا اطاعت سے انکار کرتی ہے۔ انسان جب کوئی اچھا کام کرنا چاہتا ہے
 تو اسکو کوئی وقت نہیں ہوتی اسوقت تمام قوتیں انسان کی انسان کے تابع
 ہوتی ہیں۔ اور جب وہ اُس قوت کو حرکت دینا چاہتا ہے جو نیکی کی مخرج ہے تو
 فی الفور وہ حرکت میں آتی ہے اور انسان سے نیکی۔ رحم۔ محبت۔ ہمدردی اور
 سمیت ظہور میں آتی ہے اور اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام قوتیں جو
 ان چیزوں کی منشاء ہیں سجدہ کر رہی ہیں لیکن اسکے برخلاف حالت اُس قوت کی
 ہے جو بدی اور گناہ کی مخرج ہے۔ لہذا اُن احوال کو جو اس قوت سے پیدا
 ہوتے ہیں برا سمجھتے ہیں اور انکو نہ کہنے کا ارادہ کرتے ہیں اور ہرگز جانتے

ہیں لوگ جبرٹ کو جبرٹ سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کٹھنہ سے نہ بدلیں مگر کٹھنہ سے نکل ہی جاتا ہے غصہ کو جبرٹ جانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ نہ کریں لیکن وقت بطبعیت بڑا بڑا ہو جاتی ہے۔ زنا سب سے بڑی چیز ہے۔ زنا کے بعد لوگ خود پر ہفت کرتے ہیں اور بکا ارادہ کرتے ہیں کہ نہ کریں گے اور پھر کرتے ہیں۔ غر منکرہ قوت جو تمام بدلیوں کی بڑ ہے نہایت ہی سرکش اور نافرمان بردار ہے۔

شیطان نے جو خدا سے کہا کہ تو ہی نے مجھے بکایا ہے میں بھی انسان کو بکایا رہوں گا اسکا یہ مطلب ہے کہ خدا ہی نے قوت سرکش پیدا کی ہے اور سرکش قوت ہمیشہ سرکشی پر مایل رہے گی یہ جبر اختیار کا مسئلہ ہے مفصل بیان اس کا ”جبر و اختیار“ فصل ۵۲ میں ہے۔ بیشک خدا نے دونوں قوتیں پیدا کی ہیں لیکن اسکے ساتھ حکم و عقل دی ہے کہ قوت سرکش کو ہم دباؤ میں اور اپنے افعال پر سنبھلا قوت دی ہے کہ جب چاہیں ہم ہاتھ دلاؤں اور جب چاہیں نہ دلاؤں جب چاہیں ہم چلیں اور جب چاہیں نہ چلیں پوچھنے اور نہ بولنے پر حکم و قدرت ہے دیکھنے یا نہ دیکھنے پر حکم و پورا اختیار ہے۔

شیطان جب ایک قوت انسان کا نام پڑا تو وہ فرشتوں میں داخل کیا گیا اور جب اسکا سرکش ہونا بتایا گیا تو وہ انہوں سے علیحدہ کر کے شیطان بتایا گیا ہے یہی اسکا مرد و ہونا اور فرشتوں سے علیحدہ کیا جانا ہے۔ رہا آگ سے ہر کا خلق ہونا اسکا مطلب یہ ہے کہ قوا سے انسانی میں حرارت عزیز (مادہ الکیمیائی) ضرور پایا جاتا ہے اس تمام حرارت کا سرچش قوت سرکش ہے جسے شیطان کہتے ہیں وہ قوت سب سے اوپر ہے اور تمام قوتیں اس سے نیچے ہیں اسی لیے اسکی خلقت ایک

سے اور لقیہ قوتوں کی خلقت ٹی سے کسی گئی ہے۔

رہا "ورثت ممنوعہ" اسکے معنی بھی تمام مضامین پر نظر کرنے سے سمجھ میں آجاتے ہیں۔ انسان کے ہوش سنبھالنے کو جس طرح زبان حکما میں مانع ہونا اور زبان شرع میں مکلف ہونا کہتے ہیں اسی طرح انبیاء کی زبان میں شجرہ ممنوعہ کا کھانا یا چکنا کہتے ہیں۔ اب یہ مضمون کہ جب انسان پیدا ہوا تو وہ بلوغ تک بھی بیوپر رہے گا۔ آدم کو اس درخت کے کھانے سے منع کرنا اور پھر اسکو آدم کا کھانا اور خدا کی نافرمانی کر کے گنہگار ہونا۔ اسکا مطلب ذرا بڑھا ہے۔ جبر و اختیار کا یہ دوسرا مسئلہ ہے اور اسکے متعلق رالیون میں اختلاف ہے۔ بعض خیال کرتے ہیں کہ انسان اپنے افعال میں بالکل مجبور ہے بعض خیال کرتے ہیں کہ وہ بالکل خود مختار ہے۔ بعض سمجھتے ہیں کہ وہ جزاً مجبور اور جزاً مختار ہے۔ ممکن ہے کہ یہاں یہ بتایا گیا ہو کہ انسان بالکل مجبور ہے اچھا یا بُرا پیدا ہوتا ہے۔

السعيد بن سعد في الطبراني و الشقي من شقي في الطبراني امه

نہایت سچا قول ہے۔ بُرا کام کرنا گویا بُرا ہے لیکن انسان ضرور اس حد تک مہمان بیوپر پنہا ہے جہاں تک برائی اُسکے ساتھ مخلوق ہے اور برائی کرنے سے وہ خدا کی نافرمانی کر کے گنہگار بھی ضرور ہوتا ہے لیکن یہ تمام برائیاں اُسکی خدا سماعت کو دیتا ہے۔ اگر وہ اپنی تمام قوتوں کو مجھ سے رسد ہی کام میں لائے یعنی قوا سے ملکیہ کو جو زمین پر ضرور حالت میں ہے اُسے بیکار نہ چھوڑے۔ قوا سے ملکیہ کو کام میں نہ لاؤں انبیاء میں قریب کہتے ہیں اور اسی کو شارع نے کہا ہے (الانسان بن الزنب) مگر لازماً (لہ) یہ مشکل اور باریک مسئلہ اس عام فہم طریقہ سے یوں ادا کیا گیا کہ آدم کو

درخت ممنوعہ کے کھانے سے خدا نے رد کیا لیکن آدم نے کھا لیا اور اس نافرمانی کی وجہ سے گنہگار ہوا۔ بعد ازاں آدم اپنی قوت ملکوتی کو کام میں لائے اور وہاں کی کہ اے بے خدا ہم نے خود پر ظلم کیا۔ اگر تو معاف نہ کرے گا اور رحم نہ کرے گا تو ہم آفت میں رہیں گے۔ آدم کے پچھتاوے اور معافی مانگنے پر خدا نے انکی خطا معاف کر دی۔ اور اگر شجرہ ممنوعہ کھانے سے عام بُرائیوں کا ارتکاب مراد ہو جب بھی معنی صاف رہتے ہیں۔ آدم کو انکے قواسی شیطان نے قواسی شر کو کام میں لانے کی ترغیب دی اور وہ گنہگار ہوئے اور پھر پچھتاوے لگے خدا نے معاف کیا اور یہی توبہ کرنا اور معاف ہونا کہلاتا۔

آدم کا زمین پر نائب ہونا۔ فرشتہ نما ہے کہ سب سے زبردست مخلوق نبی نوع انسانی ہیں۔ اور فرشتوں کا تکرار کرنا یہ از قسم خطایات ہے۔ تمام قوی وہی تمام کرتی ہیں جسکے لئے وہ مخلوق ہیں۔ مگر انسان ہی ایسا مخلوق ہے کہ وہ نیکی بھی کرتا ہے اور بدی بھی کرتا ہے۔ خدا نے گویا انسان کی حقیقت بیان کر دی ہر کدہ بڑے بڑے گناہ کرتا ہے لیکن وہ قابل تعلیم اور قابل اصلاح ہے اسلئے وہ نائب کیا جاتا ہے۔ خدا نے آدم کو تمام چیزوں کے نام بتائے۔ نام بتانے سے اُس ملکہ کا علم انسان میں ودیعت کرتا ہے جس سے انسان بعد راہی طاقت کے کارخانہ قدرت پر غور کر سکتے ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ ان کو خدا نے سب کے نام ہی بتائے ہیں (و علم آدم الاسماء کلہا) حقیقت ایک چیز کی بھی تعین بتائی جیسا کہ بڑے بڑے علم کے قول سے ظاہر ہے کہ وہ جتنا غور کرتے ہیں اتنا ہی خود کو حقایق عالم سے پیچھے پاتے ہیں۔

حضرت نوح

انکو آدم ثانی بھی کہتے ہیں، سیلے کے وقت بن اکثر ذمی روح طوفان میں ہلاک ہو گئے تھے اور بہران سے اور نیز انکے ساتھیوں سے نسل بڑھی۔ قرآن میں یہ قصہ یوں مذکور ہے کہ حضرت نوح کے زمانہ میں گراہی بہت بڑھ گئی تھی حضرت نوح نے لوگوں کو بہت سبھایا۔ بجائے شکر گزار ہونے کے لوگ انکے دشمن ہو گئے کسی نے انکا کھانا نہ مانا۔ جنی کہ انکا ایک لڑکا بھی اسنے الگ ہو گیا۔ بالآخر ایک سوتے سے جبکو تھوڑے قریب کیا ہے لیکن یہ صاف نہیں لگتا ہے کہ تھوڑے قریب مراد ہے پانی نکلنا شروع ہوا۔ حضرت نوح کو پہلے سے خیال تھا اور انھوں نے ایک کشتی بنا رکھی تھی اپنے ساتھیوں کو اس پر سوار کر لیا اور جانوروں کے جڑے بھی رکھ لیے۔ تمام خلقت ڈوب گئی۔ لیکن حضرت نوح مع اپنے ساتھیوں کے صیج و سلامت رہے

ذوالقرنین

قرآن میں ذوالقرنین کا قصہ ہے لیکن ٹھیک یہ نہیں لگتا کہ ذوالقرنین سے کیا مراد ہے غالباً یہ لقب اس بادشاہ کا ہے۔ جب کا قصہ ہے۔ حضرت عیسیٰ سے کچھ ہی پہلے سکندر یونانی نے مشرق سے مغرب تک لینے یونان سے ہندوستان تک فتح کر ڈالا تھا۔ اسکا یہ سب کو معلوم تھا اور قرآن میں جس ذوالقرنین کا ذکر ہے اسے بھی مشرق سے مغرب تک فتح کیا تھا۔ سکندر کے حالات پڑھ کر مسلمان سمجھے کہ ذوالقرنین سے وہی سکندر یونانی مراد ہے۔ اسوقت کے مسلمان جغرافیہ ارض سے اسقدر واقف نہ تھے جن کا اب نئی تحقیقات حال سے دریافت ہوا ہے اور سیلے وہ ٹھیک مضمون قرآن کا نہ سمجھ سکے۔ اب تحقیقات جدید کے بعد قرآن کے معنی ٹھیک لگائے

جائیں تو ذوالقرنین کوئی دوسرا شخص بٹھرسے گا اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں بالکل نئے نئے قصے نہیں ہیں بلکہ ایسی باتیں بھی ہیں جو اس وقت کے لوگوں کو معلوم نہ تھیں صرف پیغمبر کو اس خاص فیضان الہی کے ذریعہ سے معلوم ہوئیں جس کا وہ مزار نام رسالت ہے۔

قرآن میں مذکور ہے کہ ذوالقرنین کو خدا نے بہت بڑھایا اور پیچم جانب وہ بڑھتے بڑھتے ایسے مقام پر پہنچا جہاں سیاہ کیچڑ کے کنڈل میں آفتاب غروب ہو جاتا ہے اور پھر پورب طرف بڑھتے بڑھتے ایسی جگہ پہنچا جہاں لوگ جانور دن کی طرح بسر کرتے تھے۔ ستر عورت بھی کسی چیز سے چھپاتے نہ تھے۔ قرآن میں یہ بھی مذکور ہے کہ ذوالقرنین اور تر جانے جانے ایک قوم کے پاس پہنچا جو اپنے ہمسایہ شمالی سے نہایت تنگ تھی۔ قرآن میں یہ شمالی قوم یا جوج اور ماجوج کے نام سے ذکر کی گئی ہے اور یہ مذکور ہے کہ ان شمالی وحشیوں کا حملہ بچانے کے لیے دیوار تاتار ذوالقرنین نے بنوائی تھی۔ دیوار تاتار دنیا میں صنعت انسانی کی نہایت مستقل یادگار ہے۔ اس قصہ کے ذکر کرنے کی غایت یہ ہے کہ اپنی صنعت اور بہت پر ناز کرنے والے سلاطین سمجھیں کہ خدا نے دنیا میں ایسا بادشاہ بھی پیدا کیا تھا جو دیوار تاتار ایسی مستحکم یادگار چھوڑ گیا جسکی ثانی اس وقت بنانا محال ہے۔ مشرقی وحشیوں سے چین کے ساحل شرقی کے باشندے مراد ہوں جہاں تہذیب بہت دفن کے بعد پہنچی اور مغرب میں سیاہ کیچڑ کے کنڈل سے بھرا ہوا سمجھا جائے تو ذوالقرنین کسی ایسے ملک کا بادشاہ ٹھہرتا جو جسکے شمال میں دیوار تاتار اور پیچم بحر اسود ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترکستان یعنی تاتار اور چین خاص میں

کوئی شہنشاہ اگلے زمانہ میں ایسا زبردست گزرا ہے جسکے حکم سے دیوار تار بنائی گئی تھی اور تاریخ کی پورانی کتابوں سے بھی کچھ کچھ پتا لگتا ہے کہ اگلے زمانہ میں ایک بادشاہ ایسا گذرا ہے۔

حضرت ابراہیم

انکا لقب خلیل مد ہے۔ انکا تذکرہ بھی قرآن میں ہے اور مختلف جگہوں پر ہے۔ کفار عرب اور یہودیان شام انھیں کی نسل سے تھے اسلئے قرآن میں انکے ذکر کی زائد ضرورت تھی۔ لوگوں کو یہ سمجھانا تھا کہ اگر باپ دادا ہی کے دین پر رہنے کے لیے وہ حریفین میں تو ابراہیم کے دین پر چلین کہ وہ بھی احبار دین میں ہیں۔ مگر آہ آباد و احبار کے طریقہ اختیار نہ کریں۔

حضرت ابراہیم کے باپ آذر ثبت فروش اور مقرب سلطان تھے۔ بادشاہ بھی ثبت پرست تھا۔ حضرت ابراہیم کے عرفان کی کیفیت قرآن میں یوں لکھی گئی ہے کہ یہ اپنے طریقہ آبائی یعنی ثبت پرستی سے کارہ تھے اور اسکو عقلاً بُرا سمجھتے تھے۔ ایک روز چاند نکلا تو اسکی پیاری پیاری صورت دیکھ کر یہ سمجھے کہ ثبت کی جگہ اسی کو خدا کیون نہ سمجھیں پھر اتنے میں رات گزری دن آیا۔ آفتاب کی روشنی سب پر غالب ہوئی۔ تو کہنے لگے کہ یہ تو بڑا زبردست معلوم ہوتا ہے یہی خالق عالم ہوگا پھر وہ بھی شام کو چھپ گیا تو کہنے لگے کہ خالق عالم کوئی وہ سری ہی قوت ہے جو پردہ میں بیٹھتی ہے تماشا دکھا رہی ہے اسی کو خالق سمجھنا چاہیے۔ جب وہ اسپر خوب اچھی طرح قائم ہو لیے تو نور ایمان روز بروز انکے دل میں بڑھنے لگا۔

ایک روز حضرت ابراہیم نے موقع پا کر تمام چھوٹے چھوٹے ثبت توڑ ڈالے

قرآن
لوگوں کو
یہیں جکا

دو ہر تھے
ہا تھا ہے
بح لبر
مذکور ہر
لی سے
سے ذکر
دیوار تار
مستقل
ہر پر
تھا جو
مشرقی
تہذیب
میں سمجھا
تار اور
ص میں

اور جو سب سے بڑا تھا اُسکو رہنموا۔ گھردالوں نے اگر پوچھا کہ کیا ہے۔ حضرت ابراہیم نے کہا کہ بڑے نبی سے پوچھو۔ وہ سب میں بڑا ہے وہی جانتا ہو گا یا اسی نے یہ سب کچھ کیا ہو گا۔ لوگوں نے ابراہیم سے کہا کہ اس پتھر سے میں کیا پوچھوں۔ بھلا یہ بولنا جانتا ہے یا کچھ کرنے کی قدرت رکھتا ہے؟۔ ابراہیم نے کہا کہ پھر اسکی پریش کیوں کرتے ہو۔ سب نے حضرت ابراہیم کو زندہ آگ میں ڈالنا چاہا۔ کہ اسوقت سب سنگین ہی سڑتھی۔ حضرت ابراہیم کو خدا نے اس آفت سے بچایا۔ بچنے کی صورت زائد تفصیل سے نہیں بیان کی گئی ہے قرآن میں صرف اتنا بیان ہے کہ خدا نے آگ سے کہا کہ ٹھنڈی ہو جا۔ قرآن کے الفاظ یہ ہیں: ہم نے حکم دیا کہ آگ ابراہیم کے لیے ٹھنڈک اور سلامتی کی موجب ہو جا۔ الانبیاء رکوع ۵۔ مفسرین نے لکھا کہ اگر آگ بالکل ٹھنڈی ہو گئی اور حضرت ابراہیم صحیح و سالم امین سے نکل آئے یہ مسلمان ہیں اور سکوا کے سج ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ اگر خدا چاہے تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے لیکن جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قانون قدرت کو خدا کبھی نہیں توڑتا تو وہ یوں سمجھ سکتے ہیں کہ خدا نے آگ سے اُنکو کسی طرح بچالیا جلنے کی نوبت نہیں آئی۔ دیکھیے کفار مکہ نے جب آنحضرت محمدؐ کے قتل کے لیے آنحضرتؐ کے گھر کا محاصرہ کیا تھا تو اپنی جگہ پر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو سلا دیا تھا اور خود مدینہ چلے گئے تھے۔ یہی تو خدا کا بچانا ہی تھا کہ تمام مکہ کے لوگ ایک شخص کے مار ڈالنے پر تیار نہ ہوئے تھے اور وہ بچ کر چلا گیا اسی طرح حضرت ابراہیمؑ بھی کسی طور سے بچ گئے ہونگے خدا نے اگر اسکو یوں کہا کہ ہم نے آگ کو حکم دیا کہ بجھے جائے تو محب زنا ایسا

۱۔ قلنا لئلا رکونی برداً و سلاماً علی ابراہیم۔

کہنا درست ہے۔ پڑانے فقہ قرآن میں محض اشارہ اور گناہ کے طور پر بیان کیا جاتے ہیں کیونکہ مقصود اصلی یہ تھا ہے نصیحت کرنا نہ کہ فقہ بیان کرنا۔ قرآن کی فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے قرآن کا طرز بیان بھی ایک خاص قسم کا ہے۔ خدا نے اگر آگ سے کہا کہ ٹھنڈی ہو جا تو حاصل یہی ہوا کہ خدا نے ابراہیم کو آگ میں جلنے نہیں دیا۔ ظاہری الفاظ کی پوری پوری پیروی کرنے کو تو کوئی بھی نہیں کہتا یعنی یہ کسی کا خیال نہیں ہے کہ جس طرح ایک طرف لوگ حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالنے کے لیے کھڑے تھے اسی طرح خدا دوسری طرف کھڑا ہوا کہ اپنی زبان سے آگ کو ٹھکڑے رہنا کہ ٹھنڈی ہو جا۔ جس طرح کہنے کے مجازی معنی لیے جائیں گے کہ زبان سے کہنا مقصود نہیں ہے اسی طرح آگ کا ٹھنڈا ہو جانا بھی یہ مفہوم رکھ سکتا ہے کہ آگ میں حضرت ابراہیم جلنے نہیں پائے بلکہ آگ تک پہنچنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ تدبیر سے بچ گئے۔ اس بچانے کو خدا سورہ عنکبوت کے رکوع ۳ میں اور طور سے بیان کرتا ہے۔ "قوم کے پاس حضرت ابراہیم کی باتوں کا کوئی جواب نہ تھا بجز اسکے کہ انھوں نے کہا کہ اے کو مار ڈالنا چاہیے یا جلا دینا چاہیے لیکن اللہ نے اُسکو آگ سے بچا لیا" قرآن کے قصہ زیادہ تر وہ ہیں جنکو لوگ پہلے سے جانتے تھے اُن قصوں کو یاد دلا کر لوگوں کو اسلام کی ترغیب دینے کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ طرز بیان جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کچھ تو انسان تیشلی کی رعایت سے ہے اور کچھ فصاحت کلام کے لحاظ سے ہے اُسرقت کے مفہوم کو ٹکلی اور اخلاقی امور کی طرف زائد توجہ تھی دوسرے علوم و فنون

۱۔ نہ کہ جواب توہم الا ان قالوا اقلوه اور ترقہ فابخرہ اللہ من النار۔

کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت تھی اور نہ موقع تھا۔ اس لیے وہ سید سے سید
 طور پر قصہ کی تفسیر مشہور اور معروف طریقہ سے کرتے گئے۔ دوسرے طور پر سمجھنے کی تو ضرورت
 اس وقت ہوئی جب اور علوم کی طرف بھی مسلمانوں کو توجہ ہوئی یا اور علوم
 جاننے والوں کے ساکت کرنے کی ضرورت معلوم ہوئی۔ قرآن کا سہجزہ ہے
 کہ جس طرح اسکو سمجھو ٹھیک ہوتا ہے۔ جنگی آدمیوں کو بھی وہ سمجھا سکتا ہے۔ افسانوں
 وقت کو بھی تسکین دے سکتا ہے۔

ابراہیم کو اپنے وطن یعنی زمین بابل سے آکر شام میں آباد ہونا پڑا۔ شام سے
 وہ مصر بھی گئے تھے۔ مکہ میں خانہ کعبہ انجین کی تعمیر ہے۔ لیکن بیان یوں کیا جا رہا ہے
 کہ پہلے بھی یہاں ایک عبادت خانہ تھا اور ابتدا سے خلقت آدم سے تھا
 جو سہم ہو گیا تھا۔

حضرت ابراہیم بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور کوئی اولاد نہ تھی۔ ایک دن
 فرشتوں نے کہا کہ آپ کے اولاد پیدا ہوگی۔ حضرت ابراہیم اور انکی بی بی کو حیرت
 ہوئی کہ پیرائے سالی میں اولاد کیسے ہوگی۔ لیکن خدا نے اولاد دی۔ ایک بی بی سے
 حضرت اسحاق اور دوسری سے حضرت اسمعیل ہوئے۔ کبر سن میں اولاد کا
 پیدا ہونا ایک غیر معمولی بات تھی اس لیے خدا اسکا ذکر کر کے اپنی قدرت دکھاتا ہے۔
 فرشتوں کا مزدہ دینا بھی ہمارے نزدیک مستبعد نہیں ہے ابتدا سے عالم میں جب
 کچھ نہیں ہے سب کچھ ہوا قانون قدرت کا طرز بھی موجودہ حالت سے ضرور ہی جدا
 ہوگا۔ لیکن اسکو نہ ماننے والے اگر صرف اتنی ہی بات پر دین اسلام سے الگ
 ہوئے جاتے ہیں تو ہم انکو یوں بھی سمجھا سکتے ہیں کہ ہر ایک انسان میں جو قدرت

ملکوتی یا قوت شیطانی دی گئی ہے اسی کی طرف بیان بھی اشارہ ہے یعنی ابراہیم
میں جو قوت ملکوتی تھی اُسکے ذریعہ سے آنکھ اور آنکلی بی بی کو آثار معلوم ہوئے کہ لڑکا
پیدا ہونے والا ہے اور آنکھ سخت تعجب ہوا کہ اس کبر سنی میں یہ محض نشان خدا
کہ جو انی میں یہ تمنا کبھی پوری نہ ہوئی اور اب ناامیدی کی حالت میں امید قائم ہوئی۔

لڑکا اور وہ بھی بڑھا پے کا لڑکا حضرت ابراہیم کو حضرت اسحاق سے عید اُنس تھا
خدا کو اپنے خلیل کی آزمائش منظور ہوئی اور حکم دیا کہ اسحاق کو خدا کی راہ میں قربان کر
حکم دینا وحی کے ذریعہ سے تھا اور وحی آنا دو طور سے تھا۔ خواب میں یا بیداری
میں۔ قرآن میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم نے خواب دیکھا کہ وہ اپنے لڑکے کو اپنے
ہاتھ سے ذبح کر رہے ہیں سمجھے کہ خدا کا یہی حکم ہے اور لڑکے کو راہ خدا میں قربان
کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس واقعہ کے ذکر سے مرث آل ابراہیم کو یہ یاد دلانا مقصود تھا
کہ خدا کی محبت میں اُسکا داد ابراہیم کس درجہ ثابت قدم تھا۔ قرآن میں مذکور ہے کہ
حضرت اسحاق بھی قربان ہونے کو خوشی راہی ہو گئے۔ اس بیان سے حضرت اسحاق
کا بچپن ہی سے خدا شناس ہونا دکھایا گیا ہے اور نیز یہ بتایا گیا ہے کہ اپنے
کاموں میں کس طرح باپ کی اطاعت لائق بیٹے کیا کرتے ہیں۔ یہیں یہ بھی جانا
چاہیے کہ اخلاق اور تہذیب کے طریقہ وقتاً فوقتاً بدلتے رہتے ہیں۔ اُس زمانہ
میں اللہ کی راہ میں اپنے کو قربان کرنا ناروا نہ تھا اور اسی لیے حضرت ابراہیم
بیٹے کے ذبح کرنے پر اسکی رضامندی کے ساتھ آمادہ ہو گئے۔ شرع محمدی
میں اب یہ جائز نہیں ہے اور اسلئے اگر کوئی بسم اللہ اکبر کہہ کر اپنے
گلے پر چھری پھیر دے اور خدا کی راہ میں قربان ہونا چاہے تو شریعت

ظاہری اسے عامی قرار دے گی۔

قرآن میں اس قربانی کا فقہ یون ختم کیا گیا ہے کہ ہم نے ایک بڑی قربانی اسمعیل کا فدیہ دیا اور آنے والی امتوں میں اسکا ذکر باقی رکھا ہے مفسرون نے یون لکھا کہ بہشت سے ایک سوٹا ذنبہ آبا اور وہ فوج ہوا اور اسی روز سے ہر سال قربانی ابراہیم پر اور ماہ ابراہیم کی آنت پر واجب ہوئی۔ اور آنحضرت محمد کے مذہب میں بھی وہی وجوب قائم رہا۔ لیکن اگر بہشت سے ذنبہ کا آنا نہ کہیں اور سب سے سید عالم بن جبریل کہ خدا نے پھر وہی کے ذریعہ سے حضرت ابراہیم کو آگاہ کر دیا کہ بیشک تم میرے سچے دوست ہو لیکن بیٹے کو قربان نہ کرو۔ یہ طریقہ بڑا ہے تمہارا امتحان ہو چکا اسکے عوض میں بقرعہ میں قربانی کیا کرو تو گویا یون ہوا کہ بقرعہ کی عالمگیر قربانی بچاے سخن کی قربانی کے بلور فدیہ کے قائم ہوئی اور دوسری آیت کے معنی صاف ہیں کہ اس طرح سے آنے والی امتوں میں بھی حضرت ابراہیم کا ذکر خیر قائم ہو گیا ہر ایک مسلمان جانتا ہے کہ بقرعہ کی قربانی حضرت ابراہیم کے وقت سے قائم ہے اور اس طرح قائم ہوئی ہے۔

حضرت یوسفؑ

حضرت ابراہیم کے داد بیٹے حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسمعیلؑ حضرت اسحاق کے ایک بیٹے کا نام حضرت یعقوبؑ تھا۔ حضرت یعقوبؑ کے بہت سے بیٹے پیدا ہوئے جن میں حضرت یوسفؑ صرصر، صدر اور حسن اخلاق کی وجہ سے بہت زیادہ ممتاز تھے اور اسی لیے حضرت یعقوبؑ انکو بہت پیار کرتے تھے۔ بڑے بھائیوں کو حضرت یوسفؑ نے دغنیہ مزاج غلام۔ و ترکنا علیہ فی الآخِرین۔

یوسفؑ کی حالت پر رشک آیا اور انکو شکار کے جیل سے گھر سے باہر لے جا کر ایک کنوئین میں زندہ ڈال آئے۔ مہائیوں نے تو حضرت یوسفؑ کا خاتمہ ہی کر دیا تھا لیکن قدرت خدا کا وہاں ایک قافلہ کا گزربہوا اور سخی پانی بھرنے آیا تو رسی پکڑ کر حضرت یوسفؑ باہر نکل آئے اور سردار قافلہ کے غلام ہوئے۔ بکتے بکاتے شاہ مصر کے پاس پہنچے۔ وہاں بادشاہ بیگم انکی طرف مائل ہوئی یہ بھاگے تو شرمندہ ہوئی اور دباؤ ڈالنے کے لیے فریادی ہوئی۔ بادشاہ نے تحقیقات کی تو حضرت یوسفؑ نے قصہ پائے گئے۔ اُنکے بھاگنے کے وقت پیچھے کا دامن بھٹ کر شاہ بیگم کے ہاتھ میں رہ گیا تھا اور وہی شاہ بیگم کے خلاف ایک مقول شہادت تھی۔ حضرت یوسفؑ بچے تو سی لیکن پھر مصلحتاً زندان میں بھیج دیے گئے۔ زندان میں جانے کے قبل شہر میں اس واقعہ کا جرجا ہوا تو ہم جنم عورتوں نے شاہ بیگم کو چھینا شروع کیا شاہ بیگم نے ایک روز اُن عورتوں کو جمع کیا۔ اور سب کے ہاتھ میں ترنج اور جاقو دیدیئے اور کہا کہ تراشو اور اسی حالت میں حضرت یوسفؑ کو بلا بھیجا۔ حضرت یوسفؑ آئے تو انکا جمال دیکھ کر وہ عورتیں گھبرا گئیں اور حالت بدحواسی میں بجاسے ترنج لاشنے کے انگلیان زخمی کر لیں۔ اُن عورتوں نے تو شاہ بیگم کو ضرور ناقابل الزام تصور کیا لیکن زبان خلق کو کون روکتا اس واقعہ سے اور بھی شاہ بیگم کی رسوائی بڑھی اور حضرت یوسفؑ کا زندان میں بھیجنا ناگزیر سمجھا گیا۔ زندان میں بادشاہ کا ایک ندیم چند روز کے لیے معتوب ہو کر بھیجا گیا تھا۔ جب اُسکی منائی ہوئی اور پھر اُسکو تقریباً ہی نصیب ہوا تو اُسکے ذریعہ سے حضرت یوسفؑ کی عقل و فراست کی خبر دربار میں پہنچی بادشاہ نے ایک خواب دیکھا جسکی تعبیر حضرت یوسفؑ نے یہ کی کہ آئندہ تمھارے والد کا

اور پھر اس خط کی مصیبتوں سے بچنے کے لیے ترکیب بھی بتائی۔ وہ زندان سے پھر بادشاہ کے پاس پہنچے لیکن ابی زمرہ غلامان میں نہ تھے بلکہ مذہبیوں میں تھے رفتہ رفتہ اراکین دولت میں داخل ہوئے اور بادشاہ کے مرنے پر مہر کے بادشاہ ہوئے انکے عہد سلطنت میں وہی دشمن بھائی غلامی کے لیے مہر گئے تو حضرت یوسف نے انکو پہچانا اور تھوڑے سے اسباب لطف فراہم کرنے کے بعد اپنے والدین کو مہر میں بلوا بھیجا اور بے حد تعظیم و تکریم انکی کی اور اسی سلسلہ میں اپنے دشمن بھائیوں پر بہت کچھ احسان کیا اور وہ حضرت یوسف کا کرم دیکھ کر بہت محبوب ہوئے۔

اس قصہ سے مفصلہ ذیل باتیں پیدا ہوتی ہیں۔

۱۔ عداوت و سبب خیر خدا خواہ۔ جو فضل حضرت یوسف کا باعث ہلاکت خیال کیا گیا تھا وہی انکی شادی کا سبب ہوا۔

۲۔ خدا کو کسی کے گھٹانے بڑھانے میں یا عزت اور ذلت دینے میں دیر نہیں لگتی۔ اُسے آغوشِ پدر سے نکال کر حضرت یوسف کو کنوئین میں ڈالا۔ کنوئین سے وہ نکلے تو غلام ہوئے۔ حالت غلامی میں اس رتبہ کو پہنچے کہ شاہ بیگم کی نظر چنے لگی پھر اس عیش سے جدا ہو کر زندان میں بھیجے گئے جہاں چور۔ اچکے اٹھائی گئے بند رہتے تھے۔ زندان سے نکل کر جو ایک بارگی ترقی کے زمین پر چڑھنے لگے تو میرا یہ ملک کے بادشاہ ہوئے جو اس زمانہ میں تمام دنیا میں منتخب سمجھا جاتا تھا۔

۳۔ اس قصہ میں یہ تعلیم بھی دی گئی ہے کہ تمھارے ساتھ کوئی بُرائی کرے تو تم اس کے ساتھ بھلائی کرو کہ یہ بھلائی دیکھ کر وہ دشمن محبوب اور شرمندہ ہوگا اور اس طرح جو روحی تکلیف اُسکو ہوگی وہ اور طور پر شاہد نہ ہو سکے گی

حضرت داؤد

یہ جہنمیر تھے اور بادشاہ بھی تھے۔ ان کے پاس ننانوے بیبیاں تھیں۔ کسی سپاہی کی بی بی ان کو پسند آئی۔ مگر شوہر اسکا زندہ تھا اس لیے اس کو زوجیت میں لے سکتے نہ تھے۔ اتفاق سے کوئی لڑائی پیش آئی اس کے شوہر کو دھان بھیجا اور وہ مارا گیا۔ باقیقت اسے بشریت ان کو مسرت ہوئی ہوگی۔ خدا کو اس فخرش پر متنبہ کرنا منظور ہوا۔ آپ کے سامنے ایک روز دو شخص لڑتے ہوئے آئے۔ آپ نے وجہ مخالفت پوچھی تو ایک نے بیان کیا میں دوسرے کا بھائی ہوں۔ اس کے ننانوے ڈنیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک ہے۔ یہ اسکو بھی نہیں دیکھ سکتا اور مجھ سے بے جبر میری ڈنبی لینا چاہتا ہے۔ حضرت داؤد نے کہا یہ بڑا ظالم ہے اسکے بعد انکو خیال آیا اور سمجھے کہ اُنکا حال تو بچنسہ اس ظالم کا سا ہے کہ ننانوے بیبیاں گھر میں موجود ہیں اور بچہ دوسرے کی بی بی پسند آتی ہے حضرت داؤد نے اس واقعہ کے بعد خدا سے توبہ کی۔ روئے اور پریشان ہوئے۔ خدا نے توبہ قبول کی۔ اس قصہ سے یہ دکھانا ہے کہ انسان سے قصور ہو ہی جاتا ہے اور توبہ کرنے سے خدا اسکا بھی کر دیتا ہے اسکے بعد خدا کی طرف سے جو نصیحت کی گئی ہے وہ یہ ہے: ”داؤد ہم نے تم کو زمین کا بادشاہ بنایا ہے تم آدمیوں میں منصفانہ حکم دیا کرو۔ خواہش نفس کی پیروی نہ کرو ورنہ یہ تمکو راہ خدا سے بھریے گی اور جو لوگ راہ خدا سے پھر جائیں گے اُنپر روز حساب کو دل سے بھلا دیے گی

اَلَيْدُ اِذَا جَلَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ اِنَّ الَّذِي يَضِلَّ

عن جميع الله لهم عذاب شديد بانوا يوم الحساب . صل

وجہ سے عذاب شدید ہو گا۔

حضرت سلیمان

حضرت داؤد کے بیٹے حضرت سلیمان بھی پیغمبر ہوئے۔ اور وہ زمین کے بڑے بادشاہوں میں ہوئے کہ جن دانش ہوا و طیور بھی انکے قابو کے تھے۔ الفاظ قرآن ایسے ہی ہیں اور سان تمثیلی سمجھ کر اگر یوں معنی پیدا کیے جائیں کہ علم و ہنر اور زور و رانہیں اس قدر تھا کہ ہر شے انکے تابع تھی جب بھی ممکن ہو۔ غبارہ کے اڑنے والے کو کہہ سکتے ہیں کہ ہوا پر بھی اسکا قابو ہے۔ سرکس کے تماشہ کرتے والے دھنسی جالور دن پر کیسا کچھ قابو رکھتے ہیں۔ تار بخون سے ثابت ہو کہ نبی اسرائیل کی اعلیٰ ترقی کا زمانہ ایسا تھا کہ اب اسکی مثال نہیں مل سکتی۔ خدا قرآن میں یہ دکھاتا ہے کہ ہم نے سلیمان ایسے پیغمبر بھی پیدا کیے ہیں جو ہر چیز پر قادر تھے۔ کوئی بادشاہ اپنے زور و حکومت پر اتنا ناچا ہے تو اسکو حضرت سلیمان کے حالات پڑھ کر سمجھنا چاہیے کہ ابھی وہ حضرت سلیمان کا پاسنگ بھی نہیں ہے۔

قرآن میں حضرت سلیمان کے لشکر کا یوں ذکر ہے کہ لشکر کی آمد ہوئی تو چیزیں سورخ میں چلی گئیں وہ ڈرین کہ ہم سب پا مال نہ ہو جائیں۔ قرآن میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ تمام حاضر تھے ہڈ ہڈ حاضر نہ تھا۔ سلیمان نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ سبا کی ملکہ بلقیس کی خبر لانے گیا تھا۔ حضرت سلیمان نے سنا کہ بلقیس کی بادشاہت میں لوگ آفتاب پرست ہیں۔ جواب ہی کے لیے بلقیس طلب کی گئی اُسکے آنے میں دوا دیر ہوئی دیو (شیطان) تغات ہوئے معلوم نہیں کہ ہڈ ہڈ اور دیو سے کیا استعارہ یا کنیہ ہے۔ بہر حال اس سے سمجھا جاتا ہے

کہ حکومت سلیمان کی کس درجہ کو بڑھی ہوئی تھی۔ پھر فرماں میں حضرت سلیمان کے محل کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ بلقیس مکان میں چلی تو فرش زمین شیشہ کا تھا وہ بانی سمجھ کر بائچہ پڑھانے لگی۔ آج کل اس قدر صنعت کو ترقی ہے پھر بھی شیشہ کی اتنی بڑی چادر کہ فرش زمین ہو سکے کہیں دیکھی نہیں گئی۔ خدا ظاہر کرنا ہے کہ بعد سلیمان کو عیش و آرام حکومت و طاقت دی گئی تھی دوسرے کو نہیں دی گئی۔ حضرت سلیمان کا قصہ لوگوں کا غرور کم کرے گا۔ خدا سے ذرا سی نعمت پا کر جو لوگ خود کو ادا رہنے ساتھ خدا کو بھی بھول جاتے ہیں انکو اس قصہ میں بڑا سبق دیا گیا ہے کہ ظرف ہو تو حضرت سلیمان کا سا کہ اتنا خدا نے انکو دیا پھر بھی وہ خدا کو نہیں بھولے اور نہ خود کو بھولے کہ انسان ایک قطرہ آب سے پیدا ہوا ہے اور پھر اُسکو خاک میں ملنا ہے۔

حضرت موسیٰ

حضرت موسیٰ کا قصہ قرآن میں یوں مذکور ہے کہ فرعون جو قبطیوں کی انتہا ترقی کے زمانہ میں تھا صرف پادشاہت کا مدعی نہ تھا بلکہ الوہیت کا بھی مدعی بن بیٹھا تھا۔ بنی اسرائیل جو اپنے زمانہ میں دنیا کی اعلیٰ ترین قوم سے تھے اپنے اعمال کی برائیوں سے گرتے گرتے ذلت کی انتہا تک پہنچ گئے تھے۔ آج کل ہندوستان میں جس طرح برہمن اور چھتری چاروں سے خد متین لیتے ہیں اُس سے بھی بُرے طور سے قبلی بنی اسرائیل سے پیش آتے تھے۔ خدا کو منظور ہوا کہ بنی اسرائیل کو پھر عروج دے اور انکے ہاتھ سے فرعون ہلاک ہو اور قبطیوں کا زوال ہو۔ فرعون کو سمجھوں نے خبر دی کہ عجب نہیں تیری ہلاکت

یہ بنی اسرائیل میں کوئی شخص پیدا ہو۔ فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں
 جتنے لڑکے (اولاد ذکر) پیدا ہوں وہ تہ تیغ کیے جائیں۔ صرف لڑکیاں زندہ
 رہیں۔ اسی حالت میں حضرت موسیٰ پیدا ہوئے اور حضرت موسیٰ کی ماں نے بادشاہ
 کے خوف سے حضرت موسیٰ کو صندوق میں بند کر کے دریا میں پھینک دیا۔ دریا سے
 ایک بنو باغ شاہی میں جاتی تھی۔ صندوق فرعون کی بی بی کے ہاتھ لگا۔ انھوں نے
 حضرت موسیٰ کی پرورش کی اور اتفاق سے حضرت موسیٰ کی ماں دودھ پلانے کے لیے
 نوکر بھی رکھ لی گئیں۔ خدا اپنی قدرت دکھاتا ہے کہ دشمن کے گھر حضرت موسیٰ پلنے
 لگے اور خرد فرعون کی گود میں کھینے لگے۔ جب وہ ذرا سن شعور کو پہنچے
 تو ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس سے انکو مصر چھوڑنا پڑا۔ دارالحکومت فرعون میں
 بنی اسرائیل کا ایک مزدور جا رہا تھا اُس پر کسی قبطی نے سختی کی۔ حضرت موسیٰ کو خوب
 قومی نے جوش دلایا اور انھوں نے اُس قبطی کو ٹھونکا وہ اجل رسیدہ مر گیا اور
 حضرت موسیٰ کو وہاں سے مفزور ہونا پڑا۔ حضرت موسیٰ جاتے جاتے حضرت
 شعیب کے پاس پہنچے اور انکی لڑکی سے بیاہ کیا۔ حالت سفر میں تجربہ ہوا
 عقل بختہ ہوئی۔ نبوت عطا ہوئی۔ قبطیوں کو راہ راست پر لانے کے لیے یہ
 پھر مہم آئے۔ بنی اسرائیل نے انکا ساتھ دیا۔ قبطیوں نے نافرمانی کی لڑائی
 ہوئی فرعون کی ہلاکت ہوئی۔ قصہ ختم ہوا۔ اس قصہ میں جس قدر اخلاق کی تعلیم ہے
 اور حکمت اور معرفت کی باتیں ہیں انکے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ
 خود عیاں ہے۔ فرعون کے جادو گردن سے بھی حضرت موسیٰ کا مقابلہ ہوا۔
 اسکے سمجھنے کے لیے ”سحر جادو“ فصل ۱۵ پڑھئے

اُسکے والدین صالحین سے ہیں اور یہ بڑا دلی کے گھر شیطان پیدا ہوا تھا اور اسکے بعد دوسرا لڑکا ایسا پیدا ہونے والا ہے جو اپنے والدین کے قدم بہ قدم ہے اس لڑکے کو مار کر میں نے اُسکے والدین پر بڑا احسان کیا ہے۔ کشتی میں نے اسیلے ڈوبا دی تھی کہ اُس بیچارے غریب ملاح کو مرث ایک اُسی کشتی کا سہارا تھا اور ایک بادشاہ ظالم کے آدمی کشتی گرفتار کرنے کے لیے امور ہوئے تھے۔ جب تک ملاح کشتی نکالیں گے اور اُسے درست کریں گے تب تک ظالمون کا گردہ وہاں سے چلا جاوے گا اور اُسکی کشتی بچ جاوے گی۔ دیوار میں نے اسیلے بنادی تھی کہ اُسکے نیچے خزانہ تھا اور خزانہ کا مالک ایک یتیم بچہ تھا جس کا کوئی پرسان حال نہ تھا سزاوری میں لیتا تو کس سے لیتا اور دیوار گر جاتی تو گاؤں والے خزانہ لوٹ لیجاتے۔ اب یتیم جب سن چور کو پونچے گا تو اُس خزانہ کو کھود کر تصرف کرے گا۔

”الغیر فی مادیع“ جو ہوا اچھا ہوا۔ جو شخص اسکا مقدم سمجھتا ہے اُسکو بہت کم دنیا میں تاسف کی تکلیف اٹھانا پڑتی ہے۔ موجودہ حالت پر صبر کرنا اور خیال کرنا کہ خدا اس میں کوئی بھلائی سمجھا ہوگا انسان کو نہایت آرام سے رکھتا ہے۔ خدا کے فضل کو خالی از حکمت نہ سمجھنا اور ہر امر کی نسبت یہ خیال کرنا کہ ممکن ہو راز الہی کچھ اور سمجھنے رکھتا ہو مفصلہ بالافقہ میں بیان کیا گیا ہے۔ جو انسان اسکے نتیجہ پر دھیان رکھے گا وہ اور دن سے نسبتاً زاید خوش رہ سکتا ہے۔

اس قصہ میں درپردہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ رموز الہی سے پورے طور پر کوئی انسان واقف نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ بھی جب کہ کلیم اللہ کا خطاب دانی کے مدعی نہ ہو سکے۔

قارون

قارون ایک بڑا مالدار تھا۔ اُسکے خزانہ کی کنجیاں کئی آدمیوں کا بوجھ تھیں۔ دولت کے نشہ میں وہ خدا کو بھول گیا اور سچی لکڑی کے قوت بازو سے سب کچھ ہے بالآخر خدا کی نافرمانی کرنے لگا۔ زیر دستوں پر ظلم کرنے لگا اور اُسکے غرور کی کچھ انتہا نہیں رہی۔ لوگ اسے دیکھ کر دل میں کہتے تھے کہ اللہ قارون پر اس درجہ مہربان ہے اور ہماری خبر نہیں لیتا۔ اسے کاش ہم بھی قارون کے سے زردار اور زوردار ہوتے۔ خدا نے ایک دن قارون کا مکان اور خزانہ زمین میں دھنسا دیا۔ دوسرے دن لوگوں نے یہ عبرت ناک واقعہ دیکھ کر کہا خدا کا شکر ہے کہ ہم قارون کے سے نہ ہوئے۔

اس قصہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب کو خدا سے وہ خدا کی راہ میں بھی کچھ خرچ کرے۔ خدا بر تو پاشد تو بر خلق پاش۔ قارون کی طرح ایک دن سب کو دولت چھوڑ جانا ہے۔ پھر۔ برائے نملان چہ سنگ و چہ زر۔ نہ دولت پر اترا نا چاہیے اور نہ اس کو جائز مقام پر خرچ کرنے سے دریغ کرنا چاہیے۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جو لوگ بڑے روپیہ والے ہیں انہیں دوسرے دن کو رشک نہ کرنا چاہیے زائد روپیہ والے بھی روپیہ سے اتنا ہی فائدہ اٹھاتے ہیں جتنا کم روپیہ والے قارون کی دولت اُسکے کس کام آئی۔ جو لوگ اپنی بے سمجھی سے ایک دن پہلے قارون کی حالت قابل رشک سمجھتے تھے وہی دوسرے دن اُسے قابل ہنس سمجھنے لگے۔

قارون پر کیا خصوصیت ہے دنیا میں جتنے قارون کے بھائی ہیں سب

کی یہی کیفیت ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ مالداروں کی حالت دیکھ کر شکست کزین اور نہ اپنے دل میں دولت کو کوئی بڑی چیز سمجھیں۔ بل غنی رہنا چاہئے اور شہم سیر رہنا چاہیے۔ ہر شخص دنیا میں آنا فائدہ حاصل کرتا ہے جتنا ان کی قسمت میں ہے زائد دولت بھی وبال جان ہوتی ہے۔ دنیا میں جتنے لوگ روپیہ جمع کرتے ہیں تمام عمر فکر و زین پریشان رہتے ہیں نہ وہ فاک بھی نہیں پاتے۔ برائے خداوند چنگ چہ زر۔ اور دوسروں کے لئے ایسا اندر ختم چھوڑ جاتے ہیں۔ وقتاً فوقتاً ایسے اتفاقات بہت پیش آتے ہیں کہ اگرچہ دنیا ہو تو سبق حاصل ہوتا رہے۔ ابھی تھوڑے دنوں کا تذکرہ ہے کہ یورپ میں ایک مالدار یہودی اپنے خزانہ کی کوٹھری یا تہ خانہ میں گھسا۔ قارون ثانی اسکو سمجھنا چاہیے۔ کوٹھری میں الماریاں اور درجے اتنے تھے کہ بھول بھلیاں بن گئے تھے۔ روشنی لیکر وہ گھسا اور گھستے وقت دروازہ بند کر گیا۔ روشنی گل ہو گئی اور کئی دن تک وہ اُس میں پریشان بھرا چرخ کی آواز باہر آتی نہ تھی نہ نخل ایسے موقع پر بہت چپ کر کام کرتے ہیں۔ دوسروں کو خبر بھی نہیں ہوئی کہ آج دروازہ داسے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مر گیا اور مرتے وقت ایک کاغذ پر پنسل سے اندھیرے ہی میں ٹٹول ٹٹول کر یہ لکھ گیا کہ آج میری دولت کا شمار نہیں ہے۔ لیکن ایک بیباک چاہے اور ایک بے گٹ کے نہ ہونے سے جان جاتی ہے۔

قارون کے قصہ لکھنے سے یہ سبق دینا منظور ہے کہ مالدار دوسروں پر اظہار کرنا سکھیں اور غلبہ مالداروں کو ضرورت سے زیادہ محترم سمجھ کر اپنے دل میں بیجا کڑواہی پیدا نہ کریں اور نہ خود کو حقیر اور خدا کو غیر منصف سمجھیں۔

حضرت یونس

حضرت یونس کا قصہ مختصر طور پر یوں مذکور ہے کہ حضرت یونس کشتی پر جا رہے تھے۔ کشتی رُکی۔ ایک شخص کو کشتی سے گرا دینے کی ضرورت معلوم ہوئی۔ قرعہ ان کے نام پر ڈالا گیا۔ مچھلی انکو نگل گئی۔ یہ مچھلی کے پیٹ سے زندہ بچ کر نکلے لیکن گھایاں تھے اور کدو کی بیل کے نیچے پڑے رہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ کدو کے بیجوں کے سایہ میں کھیتان نہیں آئیں۔ اور یونس کے لیے بہت ضرورت اسکی تھی کہ کھیتان نہ آنے پائیں۔ مکیوں کی وجہ سے زخموں میں کیڑے پڑ جانے کا احتمال رہتا ہے۔ ناک گھڑیال وغیرہ جانور ایسے ہیں جو آدمی کو کھا جاتے ہیں اور سمندر کی مچھلیاں بھی ایسی ہیں جو آدمی کو نگل جاتی ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان جانوروں سے آدمی نیم جان ہو کر بچ نکلتا ہے۔ اس قصہ میں دکھایا گیا ہے کہ طرح طرح کی مصیبتیں انسان کے لیے ہیں جسے پیغمبر بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ مفسرون نے یونس لکھا ہے کہ حضرت یونس کی امت گمراہ تھی۔ انہیں عذاب آنے والا تھا۔ یونس بھاگ نکلتے اور لوگوں کو بھی متنبہ کر دیا۔ لوگوں نے شکر شہر خالی کر دیا۔ اب عذاب آتا تو کس کی حضرت یونس کو خیال گزرا کہ اب قوم میں جانا اپنی منہی کرانا ہے اس لیے وہ ایک طرف بھاگ نکلتے۔ راستہ میں ایک مچھلی انکو نگل گئی اور وہ کچھ دنوں تک مقلایاں آلام رہے۔

حضرت عیسیٰ

حضرت عیسیٰ کا قصہ بھی قرآن میں مختلف مقامات پر ہے۔ جس طرح سے حضرت موسیٰ کی پرورش میں قدرت خدا ہے کہ وہ دشمن کے گھر پہ اسی طرح حشر

نکات کرتے ہیں
ہے احشیم
ت میں ہے
تے میں تمام
ن چنگ
ایسے افعات
ے دنوں کا
ن گھسا۔
کہ بھول
روشنی
ی بخیل
ج درخت
اندھیرے
ہے
سے جان

مزن پر
میں بھی

عیسیٰ کی پیدائش میں یہ شان ایزدی ہے کہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ بغیر باپ کے لڑکے کا پیدا کرنا خدا کے لیے کوئی بات نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ کی نان تو حضرت مریم موجود تھیں۔ زیادہ اہم یہ بات تو یہ ہے کہ حضرت آدم کی نہ مان تھی اور نہ باپ تھا پھر انکو خدا نے پیدا کیا۔ جو لوگ یہ خیال رکھتے ہیں کہ جب خدا نے ایک طور پر سلسلہ توالد تناسل قائم کر دیا تو پھر اس قاعدہ کو خدا نہیں توڑتا۔ اُنکے سمجھانے کے لیے ہم وہی کہہ سکتے ہیں جو اس مخصوص مین بہت سے ڈاکٹر ون نے کہا ہے۔ یعنی عورت کے شکم میں دو دونوں قوتیں پیدا ہو سکتی ہیں جن کے اتصال سے توالد و تناسل کا سلسلہ معمولی طور پر قائم رہتا ہے۔

حضرت عیسیٰ کی زندگی بہت سادہ تھی۔ نہ اخون نے شادی کی اور نہ گھر بنایا۔
لوگوں کو راہ خدا دکھاتے پھرتے تھے۔ اخیر اخیر یہود انکے دشمن ہو گئے۔ اور انکو
سولی پر چڑھا دیا۔ یہ مرنے جوگی تھے۔ آج یہاں کل دہان۔ یہ دہشتوں کے ہاتھ
نہ آئے۔ انکے شہر میں دوسرا شخص سولی چڑھا گیا جب یہ نکلا تو اسے ایک عیب بھی
نہ تھا اور اس کا حال یہ ہے۔ مرنے کے وقت انکے معتقدوں
کا گرد کسی شمار میں نہ تھا لیکن انکے بعد انکی وعظ اور نصیحت کی قدر بڑھی اور
انکے پیرو بڑھتے گئے

اصحاب کیف

چند اجاب الیے تھے جو بت پرستی سے منفرد تھے لیکن بادشاہ وقت بت پرست تھا جسکی وجہ سے اُنکو اپنی جان کے لئے پڑ گئے اور جاکر کسی غار میں چھپ کر وہیں چھپ کر خدا کو یاد کرین اور خیال کیا کہ اسکے بعد جو ہونا ہی ہوے گا۔

اسوقت مخالفین سے بچنے کی یہی صورت تھی۔ خدا کی قدرت کہ اُنکو وہاں
 بند آئی اور وہ سو گئے۔ سو کر اُنھے تو آپس میں پوچھنے لگے کہ کتنی دیر تک ہم
 سوئے مگر کچھ ٹھیک راستے قائم نہ کر سکے۔ اُنہیں سے ایک آدمی بازار میں
 سودا خریدنے چلا کہ اپنے بھائیوں سے چھپ چھپا کر کوئی سودا خرید لائے
 کیونکہ جھوک کی بیانی غار سے باہر نکلنے پر مجبور کرتی تھی۔ بازار میں جانے پر بازار
 کی صورت ہی دوسری نظر آئی اور وہاں بازار والوں نے اُس عجیب الحلقہ
 آدمی کو دیکھ کر تعجب کیا۔ سکھ جو اُس نے پیش کیا تھا وہ بھی تین سو برس کا تھا۔ لبت
 یہ تھی کہ تین سو نو برس تک وہ سوتے رہ گئے تھے۔ اس درمیان میں حضرت علی
 پیغمبر مبعوث ہوئے۔ عیسائی مذہب پھیلا اور شاہ پادشاہ سجاسے بت پرست کے
 اب عیسائی مذہب کا تھا۔ اصحاب کھٹ پادشاہ کے سامنے پہنچائے گئے
 پادشاہ نے انکی بڑی تعلیم کی اور اس واقعہ سے وہاں کے عیسائیوں کے فوراً
 ایمان میں بھی روشنی بڑھی اور وہ کہنے لگے کہ جو خدا تین سو برس تک صلا کر
 پھر جگا سکتا ہے وہ بالکل جان سے مار کر حشر کے دن زندہ بھی کر سکتا ہے
 اُنہیں سب قدرت ہے۔

ہم مسلمانوں کو اس فقہ کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہے بس اتنا جاننا چاہیے
 لیے کافی ہے کہ یہ فقہ قرآن میں ہے اور جو کچھ قرآن میں ہے سب سچ ہے
 لیکن جو لوگ غیر معمولی بات کے سچا سمجھنے میں خواہ مخواہ توضیح اور دلائل تلاش
 کرنے میں اُنکے سمجھانے کے لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ اب جی ہندو فقرائیت سے
 ایسے ہیں جو سوائے برہمنین چڑھا کر ایک جگہ بیٹھ جاتے ہیں اور برسوں اسی حال میں

کے۔ بغیر

تعلیمی کی

ن تھی اور

دارے

اُنکے

ڈاکٹر دن

جن کے

نہ بنایا

اور اُنکو

کے ہاتھ

بسی

ندون

رہی اور

تربت

ی غار

رہے گا

رہتے ہیں۔ تمام بدن میں آنا موت نظر آتے ہیں۔ صرف دماغ میں گرمی رہتی ہے۔
 سندر بن میں اب بھی ایسے فقر ہیں۔ تھوڑے روز کا ایک تہہ بنگال میں عام طور پر
 مشہور ہے کہ ایک انگریز ایک ایسا ہی آدمی سندر بن سے اٹھا لایا تھا۔ کلکتہ میں وہ
 بہت روز تک تماشہ بنا رہا۔ صرف دل دماغ میں اس کے گرمی تھی اور بدن ٹھنڈا
 نہ تھا۔ یہی دو علامتیں اس کی زبست کی تھیں ورنہ اور طور سے وہ مردہ تھا۔ انگریزوں
 نے بہت ترکیب کی کہ اس کو بیدار کریں مگر وہ بیدار نہ ہو سکا۔ علم جوگ سے انگریزوں
 نہیں ہیں اس لیے ان کی تدبیریں بیکار ثابت ہوئیں۔ بالآخر اس کو کوئی گرم چیز ملائی گئی۔
 شراب باریڈی کا تیل جس سے اس کو ایک دست آیا اور دست کے ساتھ وہ دماغی
 حرارت جس سے زبست باقی تھی جاتی رہی اور وہ مر گیا۔ اس وقت سے یہ حکم صادر
 ہوا کہ ایسوں سے قرض نہ کرنا چاہیے۔

ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ اصحاب کف کی نیند کو ہم ایسی ہی نیند سمجھتے ہیں
 ہم خدا کو قادر مطلق جانتے ہیں تو پھر کوئی چیز ہمارے لیے باعث حیرت نہیں ہے
 اور اگر بیان الین کہ خدا کبھی قانون فطرت نہیں بدلتا تو یہ کیا ضرور ہے کہ تمام قوانین
 فطرت ہماری سمجھ میں بھی آجائیں بلکہ ہمارا ایمان ہے کہ ہم اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔
 لیکن اگر سنکڑین کے ساکت کرنے کے لیے یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ اصحاب کف
 جوگ کے طریقہ سے یاد الہی کرتے تھے اور وہ بد اطوار ملکی بھائیوں سے کتا رہ ہو کر
 غار میں جا بیٹھے تھے اور تین سو نو برس تک وہ صبر و کم کر کے ایک حالت سے پرے
 رہ گئے تب بھی حاصل ایک ہی ہے یعنی خدا میں یہ قدرت ہے کہ صبر و کم کے
 طریقہ جانتے والوں کو وہ مدد توں تک ایک حالت پر بیدار رکھ سکتا ہے اور پھر جگاتا ہے

تو وہ اپنی اصلی حالت پر آجاتے ہیں۔

لہٰذا

لہٰذا ان کا ذکر بھی قرآن میں ہے۔ معلوم نہیں یہ وہی یونانی حکیم ہیں جن کا ذکر یونان کے حکیموں کے سلسلہ میں بھی پایا جاتا ہے یا کوئی دوسرے بزرگ ہیں۔ خدا نے قرآن میں فرمایا ہے کہ ہم نے لہٰذا کو حکمت یعنی دانائی عطا کی تھی اور وہ اللہ کا شکر گزار بندہ تھا۔ لہٰذا نے جو نصیحت اپنے بیٹے کو کی تھی اس کا ذکر بھی قرآن میں ہے۔ سورہ لہٰذا رکوع اول سے ہم اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔

بیٹا! کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرانا یہ بڑا گناہ ہے۔ بیٹا! راکھ کے دانہ کے برابر بھی کوئی عمل ہوگا پھر میں ہو گا یا آسمان د زمین میں کہیں ہوگا تو خدا اُسے روزِ حشر میں سامنے کرے گا۔ خدا باریک بین اور باخبر ہے۔ بیٹا! نماز پڑھا کر اور اچھے کاموں کی ترغیب دو اور بُرے کاموں سے منع کرو اور جیسی پڑے جھیلو کہ مہت کی یہی باتیں ہیں۔ لوگوں سے بے رحمی نہ کرو۔ زمین پر اترا کر نہ چلو اللہ اترانے والے اور سخی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ رفتہ رفتہ میانہ روی اختیار کرو اور آہستہ آہستہ جو لوگوں سے سب سے بُری آواز گدہوں کی ہے۔

اصحابِ فیل

اصحابِ فیل کے واقعہ کی طرف سورہ فیل میں یونان اشارہ کیا گیا ہے۔

تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے رب نے | تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے رب نے
ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ کیا اُنکی | ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ کیا اُنکی
چال اُسے غلط نہیں کر دی۔ اُنپر اُسے | چال اُسے غلط نہیں کر دی۔ اُنپر اُسے

غول کے غول جڑیان پھین جھون نے | مصائب کے غول بھیجے جس نے اُنکو اس
 آنہر تہجر کی کنکریاں پھینک کر اُنکو کھائے | آفت میں مبتلا کیا جو اُنکے لیے لکھی ہوئی
 ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔ | تھی اور کھائے ہوئے بھوسے کی طرح اُنکو کر دیا۔

سورہ فیل میں یہ قصہ لکھا ہوا ہے لیکن صورت قصہ میں اختلاف اور اسی کی
 رعایت سے اس سورہ کے ترجموں میں بھی اختلاف کیا جاتا ہے۔ دونوں ترجمہ
 اور لکھ دیے گئے ہیں۔ پہلا ترجمہ لفظی ترجمہ ہے اور دوسرا ترجمہ محاورہ کے اعتبار سے
 ہے۔ ترجمہ دونوں صحیح ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ پہلے ترجمہ میں مافوق العادت
 باتیں ہیں اور دوسرے میں کوئی بات مافوق العادت نہیں ہے۔ اور تاریخی
 واقعات کے انطباق کے لحاظ سے بھی پچھلا ہی واقعہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ
 یہ کوئی بہت پورا نام واقعہ نہ تھا آنحضرت کے سال پیدائش کا واقعہ تھا اور سب
 جانتے تھے کہ ابراہا کے لشکر اباہیل کی کنکریوں سے تباہ ہوئے باوہا سے
 پچھلے سے برباد ہوئے۔

ترجمہ میں اختلاف کا سبب یہ ہے کہ ”طیر“ کے اصلی معنی ہیں
 پرند، لیکن بدشگونی اور مصیبت پر بھی اسکا اطلاق ہوتا ہے۔ اور اسی
 طرح ”ترمیم بھجارتہ“ کا لفظی ترجمہ ہے ”تہجر کی کنکریاں پھینکیں“ اور
 محاورہ کا ترجمہ ہے۔ ”آفت میں مبتلا کیا“ اور ”سجیل“ سے مراد ہے
 آفت مقدر۔

۱۔ الم تر کیف فعل ربک یا مصعب الفیل۔ الم سجیل کید ہم فی تفصیل و ارسل علیہم طیراً اباہیل۔ ترمیم
 بھجارتہ من سجیل۔ مجملہم کصفہ مکمل۔

فصل پنجم و چہارم شیطان اور جن

بھوت - پریت - چڑیل - دیو اور پری کے افسانے جس طرح ہندوستان میں منے جاتے ہیں اسی طرح اور ملکوں میں بھی منے جاتے ہیں۔ یہ باتیں کچھ جدید نہیں ہیں بہت پہلے سے ہیں۔ انکی دلچسپیاں البتہ قومی ترقی کے ساتھ گھٹتی اور قومی تنزل کے ساتھ بڑھتی رہتی ہیں۔ قومی ترقی کے وقت یہ خیالات خاص خاص جہلاء میں محدود رہ جاتے ہیں اور قومی تنزل کے وقت تمام قوم کی قوم انھیں باتوں میں مبتلا پائی جاتی ہے۔

یونان میں بھی ایک وقت ایسا تھا کہ تمام قوم کی قوم انھیں لغویات میں بھنسی ہوئی تھی۔ اور جب قومی ترقی شروع ہوئی تو ان توہمات سے بھی آزادی نصیب ہوئی۔ اسی زمانہ میں ایک حکیم نے ارواح کے وجود سے انکار کیا اور بہت سختی سے لوگوں کو اپنے انکار کے وجہ بتائے۔ ایک برابر کے علم والے نے اسپر اعراض کیا تو اسنے کہا کہ "ارواح کے وجود سے محکوم انکار نہیں ہے لیکن اس بارہ میں لوگوں کے خیالات ایسے بڑے ہو رہے ہیں کہ کچھ دلوں تک ارواح کے وجود ہی سے انکار کرنا قرین مصلحت ہے۔ عوام سے یہ کہنا کہ تمھارے خیال کے مطابق ارواح کا وجود نہیں ہے بلکہ میرے خیال کے مطابق اسکا وجود ہے قوم کی دلدلی کا سبب ہوگا اور قومی اصلاح کا باعث نہ ہوگا۔ اب بھی مذہب سے مذہب ممالک میں یہ بلا پائی جاتی ہے۔ لیکن ادنیٰ طبقہ کے لوگوں میں جو جتنا ہی ذلیل حالت میں ہے اتنا ہی اسکا زائد متفر ہے۔

نکواس

سی برئی

نکو کردیا

درسی کی

ن ترجمہ

عتبار کے

الاعادت

اور تاریخی

ہے کیونکہ

سب

باب

معنی ہیں

اسی

اور

مراد ہے

نہیں

عرب میں بھی مشرکان عرب بھوت یہ پریت کے خیالات رکھتے تھے۔ اور عرب کی لغت میں انکو جن کہتے تھے۔ جن کے معنی ہیں پوشیدہ۔ خیال یہ تھا کہ اردو جن چھپی پھرتی ہیں۔ مخلوقات عالم میں سے جو صورتیں چاہتی ہیں اختیار کر لیتی ہیں۔ بجنسہ یہ وہی خیال تھا جو ہندوستان میں بھی ہے۔ صرف لفظوں کا فرق ہے۔ ہندوستان میں بھوت نام ہے اور عرب میں جن۔ شیطان کو بھی اسی قبیل سے سمجھتے تھے۔ فرق اتنا ہے کہ جنات تعلیم پذیر سمجھے جاتے تھے۔ انہیں اچھے بھی ہوتے تھے اور بُرے بھی ہوتے تھے۔ شیطان رانده بارگاہ ایزدی خیال کیا جاتا تھا اور سمجھا جاتا تھا کہ تعلیم قبول کرنے کی قابلیت آسمین نہیں ہوتی۔

جہاں کہیں انسان نے ترقی کی ان خیالات باطل کی بھی پیروی چھوڑ دی۔ کیا اسلام نے اپنے زمانہ ترقی میں اس قسم کے خیالات کی تقلید قائم رکھی تھی؟ ہمارے نزدیک جس طرح دُور دور و دُور چار ہوتے ہیں اُسی طرح یہ امر بھی درحقیقت رکھتا ہے کہ اگر اسلام نے ان باتوں کی پیروی کی ہوتی تو ہرگز اُسکو ترقی نصیب نہ ہوتی۔ ہم آئندہ یہ دکھائیں گے کہ قرآن نے ان لغویات کے یقین دلانے کے بجائے ان لغویات کا ترک کرنا تلقین کیا ہے۔ اب رہا یہ امر کہ مسلمانوں نے اپنی ترقی کے زمانہ میں اسکی نسبت کیا خیال کیا۔ اسکی باہت ہمارے پاس دو قرینے ہیں جو بتاتے ہیں کہ مسلمانوں نے بھی مثل دیگر ترقی یافتہ قوموں کے ان چیزوں کی کبھی پروا نہیں کی۔ ایک تو یہ ہے کہ انکی ملکی ترقیوں کی تاریخ میں اس قسم کے توہمات کا کہیں ذکر نہیں آیا ہے بلکہ فریق مخالف نے جہاں جہاں ان لغویات سے اثر قبول کیا ہے وہاں فریق ثانی کے قوی شہاد کی تصحیک کی گئی ہے۔ دوسرا قرینہ یہ ہے

کہ اسوقت ہندوستان کے تمام مسلمان چھوٹے بڑے عالم اور جاہل ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اس قوم کی جیسی حالت ہے ویسے ہی اُسکے سامان بھی ہیں لیکن اُسکے ساتھ ہی ہر مسلمان کو اس امر کا عقیدہ ہے کہ جب مسلمان پاک ہوتا ہے اور کلمہ یا آیت قرآنی پڑھتا ہے تو بھوت اور پھیل جو نجاست اور ناباکی میں رہتے ہیں خوف سے مسلمانوں کے پاس نہیں آتے۔ جئات جو خود مسلمان ہوتے ہیں کسی قدر بے خوف ہوتے ہیں لیکن وہ بھی مسلمانوں کو ایذا نہیں پہنچاتے اور ایذا پہنچاتے بھی ہیں تو آیات قرآنی سے اُسکی روک تھام ہو جاتی ہے۔ یہ خیالات ہمارے نزدیک موردی ہیں اور اصلیت اس خیال کی وہی معلوم ہوتی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا۔ یعنی مسلمان اپنی قوت کے زمانہ میں ان چیزوں سے ڈرتے نہ تھے اور نہ اُنکے قابل تھے۔ مسلمانوں کا نہ ڈرنا اور غیر مسلمانوں کا ڈرنا اب اس انحطاط کے زمانہ میں یوں سمجھا گیا ہے کہ اوداح خبیثہ مسلمانوں کو نہیں ستاتی اور غیر مسلمانوں کو ستاتی ہیں۔ ایسا ہی انگریزوں کی نسبت بھی کہا جاتا ہے کہ انہیں سحر یا جادو کام نہیں کرتا۔ نہ بھوت۔ پریت اُنکو ستا سکتے اور نہ کبھی برہنہ یا اُنکو قوت کرتے ہیں۔ ان چیزوں سے اُنکا محفوظ رہنا اُنکی قوت کی دلیل سمجھی جاتی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے وہ محض اسلئے محفوظ ہیں کہ وہ اسکا اعتبار نہیں کرتے۔

اب اسوقت ہندوؤں میں عموماً اور مسلمانوں کے طبقہ جہلا میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بھوت انسان سے لڑتے ہیں اور انسان کو مار ڈالتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ صرف جبران کرتے ہیں جان نہیں مارتے بیمار ڈالتے ہیں اور بیمار سے انسان مرنے ہے۔ بلاد وسط نہیں مرنے کا واسطہ مرنے ہے۔ یہ بھی مشہور ہے

کہ ان پر جن یا چڑیل سوار ہو جاتی ہیں اور اسوقت اس سے عجائبات کا ظور ہوتا ہے۔

غرض کہ یہ جتنی باتیں ظور میں آتی ہیں وہ یا تو خود اپنی قوت نفس کا اپنے اوپر اثر ہوتا ہے یا ایک کی قوت نفس کا دوسرے پر ہوتا ہے اور کبھی کبھی نظر کے دھوکا کھانے سے بھی یہ باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ مضمون "جادو و سحر" فصل ۵۱ کے عنوان میں بخوبی بیان کیا گیا ہے۔ یہاں اُسکے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے لیکن اتنا کہنا اور بھی ضرور ہے کہ اس طرح کے عجائبات اور کیفیات سے زیادہ تر انھیں کا مقابلہ ہوتا ہے جو دل کے زور پر ہوتے ہیں۔ منکرین کو اس قسم کے عجائبات نظر نہیں آتے یا بعض منکرین کو نظر بھی آتے ہیں تو صرف اُسی حالت میں کہ انکا ہنکار کاذب ہوتا ہے اور یا تھیں کی گفتگو سے اُنکے دل پر سے طور پر سا اثر ہوتے ہیں۔

سردن پر جنات اور چڑیلوں کا آتما زیادہ تر مصنوعی ہوتا ہے اور جہاں کہیں اصلی ہوتا ہے وہاں بھی اس سے زیادہ نہیں ہوتا جتنا کہ سمرنیم کے معمول عمود کھیا کرتے ہیں۔ حالانکہ کسی ارواح کا سلسلہ ہوتا نہ اُس میں ہوتا ہے اور نہ اُس میں ہوتا ہے۔

نظر کا دھوکا کھانا اور جبر اپنے نفس کا اپنے آپ پر اثر پڑنا اور دوسرے کا خلاق ہونا اس حکایت سے بخوبی سمجھ میں آجائے گا۔

ایک شاہ صاحب کسی مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں سے ذرافق اہلہ پر انکا معتد رہتا تھا اور روز رات کو شاہ صاحب کا کھانا پہونچاتا تھا۔ ایک رات کو وہ کھانا لیچلا تو لوگوں نے اسکو ڈرایا کہ راستہ میں فلاں درخت پر ایک بڑا بوٹ رہتا ہے۔ بیسیوں آدمی وہ مار چکا ہے۔ تعجب ہے کہ اُس سے تم سے بڑھ کر

نہیں ہوئی۔ اس تقریر سے اُس پر کچھ ایسا خوف غالب ہوا کہ وہ اُس شب کو کھانا نہ کھا گیا اور دوسرے دن کچھ دن رہے کھانا لیکر پہنچا اور جلد واپسی کی اجازت چاہی۔ شاہ صاحب نے اُسکو باتوں میں لگایا۔ جب آدھی رات گزری تو اُس سے جانے کی اجازت دی۔ اُس مقتد نے جانے میں تاہل کیا تو شاہ صاحب نے کہا مجھے معلوم ہے کہ اُس درخت پر بہت بڑا شیطان رہتا ہے اور لوگوں سے جھٹ بھی جاتا ہے لیکن جب تم میرے پاس آئے ہو تو اُسکی مجال نہیں ہے کہ تم سے مقابلہ کرے۔ لیکن اگر اُسکی موت ہی آگئی ہوگی اور وہ تم سے مقابلہ کرے گا تو پھر فنا بھی ہو جائیگا۔ ایک بوڑھے میں میری دھونی کی راکھ لینے جاؤ جب وہ تم سے جھٹے تو اُسکی پیشانی پر لگا دینا۔ فوراً وہ جل کر خاک ہو جائے گا۔ اور جب گھر پہنچنا تو اپنا منہ آئینہ میں فرور دیکھ لینا۔ اُس مرید کو شاہ صاحب کے کہنے سے جہاں شیطان سے ٹکھ بھڑھو جانے کا خیال قوی ہوا دامن اسبات کا بھی یقین ہوا کہ شیطان چٹا اور خاک ہوا۔ اب جب وہ درخت کے نیچے پہنچا تو اُسے معلوم ہوا کہ اب اُسکی درخت سے اُترا اور اُسے جھٹ گیا۔ اُسکا چٹنا تھا کہ اُس نے فوراً راکھ اُسکی پیشانی میں مل دی اور وہ فوراً فنا ہو گیا۔ خوشی خوشی وہ گھر آیا اور آتے ہی شیشہ میں منہ دیکھا تو راکھ کا ٹکڑا پیشانی پر تھا۔ دوسرے دن شاہ صاحب کے پاس پہنچا تو بہت خوش تھا لیکن اپنے ماتھے پر راکھ گلنے سے حیران بھی تھا۔ شاہ صاحب نے اُسکو بتایا کہ یہ سب تماشہ تیرے داہمہ نے پیدا کیا۔ تو نے خود اپنے سر پر ٹیکا لگایا اور سمجھا کہ شیطان پر ٹیکا لگاتا ہے۔ شاہ صاحب بھلے مانس تھے کہ صاف صاف کہہ دیا کہ در نہ کوئی دوسرا ہوتا تو بیسیوں اہل فریب بائین بناتا۔ تمام گرد و نواح کے باشندوں کا

مجاہدات

کا اپنے

نظر کے

نسل ۵۱

ت نہیں

زادہ تر

مجاہدات

کا ہنگامہ

ن۔

میں اصلی

کھانا کرتے

خلاق

فصلہ

ت کو

ابوت

بھیر

دین اور ایمان خراب کرنا اور اپنا گھر دولت سے بھر لیتا۔

ہم جنات شیطان اور بھوت کے مُنکر نہیں ہیں۔ ہم صرف نام جانتے ہیں۔ انکی حقیقت نہیں جانتے۔ ہمارے اس سے بھی بحث نہیں ہے کہ اسکا وجود ذہن میں ہے یا خارج میں ہے یہ محض لفظی بحث ہے اور ایک حد تک بے معنی ہے۔ اتنا ہم جانتے ہیں کہ وہ مادی نہیں ہے غیر مادی ہے اور اتنا ہی جانتا کافی ہے۔ غیر مادی ہونے کی حالت میں اسکا موجود فی الذہن ہو یا فی الخارج دونوں یکساں ہیں۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جنات اور شیاطین کبھی سانپ بن گئے اور کبھی بلی بن گئے گھوڑے کی صورت میں نمودار ہوئے اور جب کوئی تھوڑی دیر تک سوار ہو کر اُپر گیا تو وہ غائب ہو گئے۔ جب کسی کو در سے سابقہ پڑا تو اسکو مستانا شروع کیا اور جب کسی زبردست عامل سے مڈ بھیر ہوئی تو بوتل کے اندر جا کے چُپ چاپ بیٹھے اور عامل نے بوتل میں گاک لگا کر ہمیشہ کے لیے اُنکو زندہ درگور کر دیا۔ یہ سب خیالات نہ مسلمانوں کے تھے اور نہ کسی طرح قرآن شریف سے اُنکا وجود ثابت ہوتا۔ جبکہ یہ خیال ہے کہ ایسے جنات اور شیطان کا وجود قرآن سے ثابت ہے وہ قرآن شریف پر بہتان کرتے ہیں۔

شیطان کے غیر مادی ہونے کی حالت میں کسی قسم کا اعراض قرآن شریف پر کوئی ذی علم نہیں کر سکتا۔ خدا نے نہ معلوم کیا کیا چیزیں پیدا کیں جنکے جاننے سے ہمارے حواس قاصر ہیں۔ ہمارے لیے اتنا ہی جانتا کافی ہے کہ شیطان میں یہ قوت نہیں ہے کہ گدبان جائے اور جب اُسپر لڑکے سوار ہو جائیں تو وہ ہوا ہو جائے۔ اسکے بعد اسکا غیر مادی ہو کر موجود فی الخارج ہونا یا موجود فی الذہن ہونا

دو نون برابر ہے۔ اندھے کے لیے جیسا سیاہ رنگ ویسا ہی اُچھا رنگ۔ نہ یہی نظر آتا اور نہ وہی نظر آتا۔ لیکن جو لوگ اس غیر ضروری سلسلہ میں خواہ مخواہ کو محبت کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ شیطان کا وجود خارجی نہیں ہے محض ذہنی ہے اُن سے ہم انتہائی کمین گے کہ یہ قرآن شریف کی منافی نہیں ہے۔ قرآن نے جس چیز کی حقیقت نہیں بتائی اُسکو جس طرح چاہو سمجھ لو۔ شیطان کا اگر وجود ذہنی ہونا چاہئے گا تو وہ نفس انسانی کی ایک قوت ٹھہرے گی اور پھر اُسکی ہئیت وہ ہوگی جو ایسے خیال والوں کی تسکین خاطر کے لیے قصص قرآنی فصل ۳۵ میں ابوالبشر آدم کی ذیل میں بیان کی گئی ہے۔ اور اسی طرح جو لوگ جنات کے غیر مادی ہونے پر اکتفا نہیں کرتے اُسکے وجود خارجی سے بھی انکار کرتے ہیں تو اُنکے لیے قرآن کے سورہ جن کے سنی وہ کئے جائیں گے جو ہم اگے بیان کرتے ہیں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ قرآن میں جو سنی چاہے لگا لیے تو یہ قرآن کا ہے کوہِ اِدا لگی ہوئی اُسکے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ قرآن میں جہانِ ننگ اور دُعا ہی ہیں وہاں ذرا بھی رد و بدل کی گنجائش نہیں ہے۔ جاہل سے جاہل اور عالم سے عالم ایک ہی سنی سمجھے گا اور جہانِ اخلاقِ حسنہ کی تعلیم مقصود ہے۔ گزشتہ زمانہ کے حالات یاد دلانا اور موجودہ زمانہ کی بُرائیوں سے نفرت دلانا مقصود ہے۔ اور اسی ضمن میں رجاء و بیم کا بھی ذکر ہے۔ قومی خیالات کی طرف بھی اشارہ ہے۔ علمی باتیں بھی بقدر ضرورت بیان کی گئی ہیں۔ وہاں چیزوں کا نام بیان کرنا ناگزیر ہوا ہے۔ لیکن اُنکی حقیقت بیان کرنے سے گریز کیا گیا ہے کچھ تو اس لیے کہ ایسا بیان معرضِ بحث سے الگ ہو جاتا تھا اور کچھ اس لیے کہ ہر طبقہ اور ہر قرن کے مناسب حال نہ ہوتا۔ ہر شخص کو اختیار ہے

نہ انکی
نہ میں ہے
نہ انتہا
نہ ہے
نہ لیسان
نہ بن گئے
نہ ہرگز اپنے
نہ کیا اور
نہ پختہ
نہ سب
نہ بت
نہ ہے
نہ شریف
نہ نے
نہ شیطان
نہ ہوا
نہ ہونا

کہ اپنے ہندار کے مطابق جس طرح چاہے سمجھے لیکن عربی زبان میں سمجھے۔ ایسا نہ سمجھے۔ جیسا کہ ایک نے "خیر موسیٰ" "میں موسیٰ کاٹ کر عیسیٰ بنادیا کہ عیسیٰ کے پاس فریحا موسیٰ کے پاس نہ تھا اور "عسیٰ آدم" کو عسیٰ موسیٰ بنادیا کہ اخیل کا عیسا مشہور ہے آدم کے پاس عیسا کہاں تھا۔

اب ہم سورہ جن کے آیات کے معنی لکھتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ اس میں جنات کے وجود سے بحث نہیں کی گئی ہے بلکہ جو لوگ جنات کے سوت اختیار کے قائل ہو کر آدم باطلہ میں مبتلا تھے (یعنی شرکین عرب) انکی توہین کی گئی تیل اسکے کہ ہم آیات کا ترجمہ لکھیں شان زودل اور مفہوم بتا دیتے ہیں اسکے بعد آیات کا ترجمہ لکھیں گے کہ پڑھنے والے خود بخود سمجھتے چلے جائیں۔ سمجھانے کی ضرورت نہ ہو۔

عرب میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے مسلمانوں کی نصیحتوں کا سنا اور اسلئے وہ چھپ کر قرآن سنا کرتے تھے۔ انہیں عیسا کی بھی تھے کفار بھی تھے۔ یہودی بھی تھے۔ مجوسی بھی تھے۔ یہ لوگ چھپ کر قرآن سننے سے بچتے تھے جب بھی مسلمان ہو جاتے تھے۔ اپنے عقاید سے بچر جاتے تھے اور عطا نیہ اپنے عقاید کی تکذیب کرتے تھے۔ قرآن میں یہ بتایا گیا ہے کہ چھپ کر سننے والے جب قرآن سننے سے قودہ عیسا کی ہونے کی حالت میں یہ کہتے ہیں کہ خدا بڑا ہے اسکی شان سے بعید ہے کہ کوئی اسکے جود ہو یا لڑکا ہو اور ہم میں جو احمق ایسا کہتے تھے وہ خدا پر اہتمام کرتے تھے ورنہ انسان یا جنات کوئی بھی جب عقل رکھے گا تو خدا پر جھوٹ نہ بولے گا۔ یہ عیسا کی بیشک جنات کے قائل تھے اور انہیں کا قیل تھا کہ انس و جن یعنی آدمی یا اور کوئی ارواح مخفیہ اب خدا پر جھوٹ بولنے کی جرات

کمر بن گی۔ کفار عرب جب قرآن جو پکڑ سکتے تھے تو وہ اپنے عقاید سے بھر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم میں جو لوگ جناتوں سے پناہ مانگتے تھے اور اس طرح وقار بڑھاتے تھے وہ جھوٹے تھے۔ فی الواقع انکا کوئی وقار نہ تھا اصلی وقار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ جناتوں کے وقار بڑھانے والے بعض مشرکین عرب ویسے ہی تھے جیسے کہ اس زمانہ کے عامل خود کو جناتوں پر قابو پانے والا سمجھتے ہیں اور جناتوں کی بڑی بڑی داستانیں سناتے ہیں۔ اور یہودی کہتے تھے بیشک لوگ سمجھتے تھے کہ اب خدا کسی کو اپنا پیغمبر نہیں کرے گا۔ لیکن یہ بات آنحضرت محمد کی رسالت سے صریح غلط ثابت ہوئی۔ مجوسیوں میں وہ باوقار نجومی تھے جو ستاروں کی گردش سے سعادت اور شہرت کا اندازہ کرتے تھے اور غیب کی باتیں بتاتے تھے۔ مجوسی دین اسلام قبل کرنے کے بعد کہنے لگے کہ جتنے دھکوسلے چار پیشواؤں کے تھے وہ سب اس دین برحق کے سامنے غلط ہو گئے۔ وہ دن گئے کہ نجومی آسمان کی باتیں بیان کرتے تھے۔ اب وہ آسمان کی بات نہیں کہتے اور اپنے سابق پیشواؤں کی شان میں بطور طنز کہتے تھے۔ کہ اب گویا نجومیوں کے لیے آسمان پر چوکیدار بیٹھے ہوئے ہیں اور آگ کے شعلہ سے آسمان بھرا ہوا ہے کہ انکے پردہ بان جاتے ہوئے جلتے ہیں۔ پہلے ہم میں ایسے بھی تھے جو لمبی چوڑی باتیں بناتے تھے گویا آسمان میں بیٹھ کر خدا کی باتیں سنتے تھے۔ اب وہی لوگ ہیں کہ انکے لبوں پر مہر سکوت لگ گئی ہے اور گویا وہ آسمان پہنچانے نہیں پاتے۔ وہ جاہلین تو آگ کے شعلے اٹھیں جھلسا دیں۔

مفصلہ بالاسیان سے صریح ظاہر ہے کہ آسمان پر چوکیداروں کا بیٹھنا اور

مل نجات دہ چارم

مجھے ایسا
یا کہ عیسیٰ
خلیق کا عیساکہ اس میں
ت اختیار
کمی قبل
بات کا ترجمہاسلامانوں
ہی تھےب بھی
عقایدقبل آن
اسکیکہتے
کےکا قبل
جرات

شہاب ثاقب کا (فرشتوں کا اگن بان - شعلہ آتشین) ہونا اسلام کا عقیدہ نہیں ہے بلکہ یہ عقیدہ اسلام کے قبل تھا اور نو مسلموں کا یہ بیان تھا کہ یہ سب خیالات ہم لوگوں کے اسلام نے غلط کر دیے۔ لیکن ایک امر بھی بڑی بحث طلب رہا تاہم وہ لفظ جن ہے جس کا ترجمہ ہم نے کیا ہے چھپے ہوئے آدمی۔ یہ لغوی سنی صحیح ہیں لیکن جہان چھپی ہوئی ارواح پر بھی اسکو عرب بولتے تھے۔ اب گفتگو یہ ہے کہ جن لوگوں کا شروع آیت میں چھپ کر سنا بیان کیا گیا ہے وہ انسان تھے یا از قسم ارواح تھے اگر وہ انسان سمجھے جائیں تو معنی بہت ہی قرین فہم ہوتے ہیں جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ اور اگر وہ از قسم ارواح سمجھے جائیں تو ذرا بعید از فہم ہوتا ہے لیکن محال نہیں ہوتا۔ ان ارواح میں بھی عیسائی کفار یہود اور مجوسی کا ہونا ممکن ہے اور پھر فہم ہوتا ہو جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اگرچہ اس پچھلے معنوں میں یقین جب بھی صرف ارواح مخفیہ کا وجود قرآن سے ثابت ہوتا ہے جسکو تمام عقلاے زمانہ مختلف حالتوں سے صحیح مانتے چلے آئے ہیں لیکن اس سے ان ارواح یا جنوں کا وجود ثابت نہیں ہوتا جسکو جہلا مانتے ہیں۔ قرآن میں صرف لفظ جن آیا ہے اسکی ماہیت نہیں بتائی گئی ہے۔ اور اسلئے وہ خیالات مسلمانوں کی طرف کسی طرح منسوب نہیں ہو سکتے جسکو ہم نے شروع میں تمام جہلاے عالم کی طرف منسوب کیا ہے۔

اب ہم قرآن کی آیتوں کا ترجمہ لکھتے ہیں۔

”پیغمبر کہو جسکو وحی سے معلوم ہوا ہے کہ چنچھے ہوئے شخصوں (جنوں) نے قرآن سنا تو کہا کہ میں نے عجیب طرح کا قرآن سنا جو راہ نیک دکھاتا ہے ہم تو اس پر ایمان لائے اور آئندہ ہم کسی کو اپنے پروردگار کا شریک نہ ٹھہرائیں گے اسکی

بڑی اور بچی شان ہے نہ کوئی اسکی جو دہے اور نہ کوئی اسکا بیٹا ہے۔ ہم میں جو احمق تھے وہ خدا کی نسبت بڑھ بڑھ کر باتیں بناتے تھے۔ ہم تو ایسا سمجھتے تھے کہ آدمی اور جن کوئی بھی خدا پر جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اور بیشک ایسے لوگ بھی تھے جو جناتوں سے پناہ مانگتے تھے اور اس طرح انکا تکبر زیادہ بڑھ گیا تھا اور بیشک لوگ سمجھتے تھے جیسا تم سمجھے ہو کہ خدا کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا اور بلاشبہ ہم نے ڈھونڈھ ڈالا آسمانوں کو تو اسکو بڑی مضبوط چوکیوں اور شہابوں راگ کے بھر گئے ہوئے شعلوں سے بھرا ہوا پایا۔ پہلے تو آسمان میں بہت سے ٹھکانے تھے جہاں ہم سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے لیکن اب کوئی سننے کا قصد کرے تو ایک شہاب اپنے لیے طیار پائے ہم نہیں جانتے کہ اس سے زمین کے رہنے والوں کو کچھ نقصان پہونچانا منظور ہے یا انکے پروردگار کا ارادہ انکے حق میں بہتری کرنے کا ہے۔ ہم میں سے کچھ نیک ہیں اور کچھ بُرے ہیں۔ ہمارے فرقہ مختلف ہیں۔ ہم نے سمجھ لیا کہ ہم نہ تو زمین میں رہ کر خدا کو ہر سکتے ہیں اور نہ کسی طرح بھاگ کر اسکو ہر سکتے ہیں۔ ہم نے جب راہ کی بات سنی تو ہم اسکو مان گئے۔ اب جو محض اپنے پروردگار پر ایمان لائے گا اُسے کسی نقصان یا ظلم کا ڈر نہ ہوگا۔ ہم میں فرمانبردار بھی ہیں اور نافرمان بھی ہیں۔ جنہوں نے فرمانبرداری کی انہوں نے سیدھا راستہ اختیار کیا اور جنہوں نے سرکشی کی وہ دوزخ کے کندے ہوئے۔

قل ادعی الی الذی استعین فیمن یحییٰ فاعلم انما سمعنا قرآن عجیب ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰ ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰ ۱۰۱ ۱۰۲ ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷ ۱۰۸ ۱۰۹ ۱۱۰ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

اور دوسرے مقام پر سورہ ناس میں ہے۔

”تو کہہ۔ میں آدمیوں کے رب آدمیوں کے پادشاہ اور آدمیوں کے محبوب کی پناہ میں آیا دوسو سو ڈالنے والے خناس کی برائی سے۔ جن ہو یا آدمی“
اس سورہ میں بھی جن کی ماہیت نہیں بیان کی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ کوئی روح ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ عرب میں جس طرح جنات کو با اختیار سمجھ کر شر و خیر پر قادر جانتے تھے انہیں کے خیال کے مطابق ارشاد ہوا ہے کہ شیطان جو دونوں میں دوسو سو ڈالنا ہے اُسے جنات سمجھو یا انسان انہیں سے کوئی بھی پیغمبر کو نقصان نہیں پہنچا سکتا جب وہ اللہ کی امان میں ہے۔ اور اس کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ جو انسان خدا سے امان طلب کرے گا پھر اُسے کسی سے گزند نہ پہنچے گا۔ اس سورہ میں جن کے اختیارات کی تو صریح نفی ہوتی ہے اور اسی سے اسلام کو بحث ہے۔ انکی نوعیت یا ماہیت کا بیان نہیں کیا گیا تو انکا وجود اور عدم دونوں برابر ہے۔ اور اگر یہ مان لیں کہ جن کو عرب جن جنوں میں سمجھتے تھے انہیں جن جنوں میں قرآن میں بھی استعمال کیا گیا جب بھی کوئی ہرج منہیں مخاطب کے خیال کے مطابق یہ کہنا کہ جبکو تم اس قدر با اختیار سمجھتے ہو وہ خدا کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اُنکے وجود اور اختیار کا

نقد منها مقاعد للسمع فمن يتبع الان سجد له شوا با ر صد آ وانا لانه رمى اشتر اريد بمن في الاثر ام
اراد بهم رسم رشده آ وانا منا اهلون وانا دون ذلك كنا طابق قد آ وانا فلنا ان لمن النجى الله في الاثر
ومن النجى هو انا لا سمعنا الهدى اسما بهنن ليس ربنا فلا سجات بخفا ولا دقا وانا منا المسلمون ومن
الفاطون فمن اسلم فادلك تحو ارشدا وانا القاطون فكا فوا لجنم خطبا۔

۱۔ قل عزو رب الناس۔ ملك الناس الہ الناس من شر الوسوس الخناس الذي يوسوس في صدور
الناس من الجن والانس۔

ایک حد تک قرآن میں اقرار کیا گیا ہے۔ بہر حال حکومت یہ دکھانا ہے کہ جن اور شیطان وغیرہ کے جو اختیارات جہلائین مانے جاتے ہیں قرآن سے (غوراً) بالحدس ذالک) اسکی تائید نہیں ہوتی۔

فصل پنجاہ و پنجم

قومی ترقی

شخصی ترقی کے وسائل کوئی ہم سے پوچھے تو ہم سیکڑوں ہی گنا چلیں لیکن قومی ترقی یا منزل کے اسباب کا بتانا کیا سمجھنا بھی بہت مشکل ہے۔ یہ سوچنا تو آسان ہے کہ جو قوم ترقی پر ہے اسکے ساتھ چلنے کی کوشش کس طرح کی جائے۔ اس سے کس طرح خود کو محفوظ رکھا جائے اپنی کمی کیونکر پوری کی جائے۔ لیکن دوسری ترقی یافتہ قوم کے ہم پلہ یا اس سے بڑھ کر اپنی حالت کیونکر بنائی جائے (یہی سنی ہیں ترقی کے) یہ بہت مشکل اور انسان کے اختیار کے بالکل باہر ہے۔

دیوار چین کے عرض و طول اور استحکام سے چینوں کی پچھلی ترقیوں کا جائزہ لیا جاسکتا ہے وہ بہت ہی حیرت افزا ہے۔ کسی طرح اس زمانہ میں اسکے سمجھنے کا پورا مقیاس میسر نہیں آسکتا۔ قرآن میں جو لفظ ذوالقرنین کا آیا ہے بعض مسلمان مورخین نے اسے خاقان چین سمجھا ہے اور ہمارے نزدیک بجا سمجھا ہے۔ چینوں کے پچھلے کارنامے بالکل ناپید ہو گئے چینوں کا جو زمانہ پلٹا تو ایسا کہ گویا کچھ تھا ہی نہیں۔ دور نہ جانیے اسکے قریب ہی جاپان ہے۔ پچھلے زمانہ میں جاپانیوں کو چینوں کی غلامی کی بھی قابلیت تھی۔ لیکن اب جو حالت جاپانیوں کی ہے اسکے اندازہ کرنے کی بھی قابلیت چینوں کے پاس نہیں ہے۔ ۶

ہمیں تفاوت رہا اور کجاست تا بہ کجا

بیشک چینوں کو دوسری قوموں کے غلام ہو کر زندگی بسر کرنے کی ذمت کبھی نہیں
پونجی۔ لیکن اسکا بڑا سبب یہ ہے کہ ترقی یافتہ قوموں سے مجبور رہا۔ اگر کوئی قوم
بڑھی بھی تو مصافات چین تک پہنچتے پہنچتے اسکا زور گھٹ گیا۔ چین کسی طرح
اپنا گزران کیسے جاتا ہے۔ لیکن پوری آزادی سے وہ مدت ہوئی بے نصیب
پہلے آتش پرستوں۔ تاتاروں اور مسلمانوں سے وہ بہ تنگ تھا۔ اور اب یورپینوں
کی شاعین بالکل اسکی آنکھیں خیر کر رہی ہیں۔

مصر کا وہ عروج جب اسکے سلاطین فرعون کہلاتے تھے کیسا کچھ تھا۔ تاریخوں
کے صفحے اٹھتے تو معلوم ہو کہ کیسے کیسے کار نمایاں اس قوم سے ہوئے ہیں۔ مصر کی گڑی
ہوئی حالت کی ایک یادگار یہ ہے کہ لبنان کو اسنے قابل بنادیا کہ آج اسکو دنیا کی تمام
بمذہب قوموں کے استاد ہونے کا دعویٰ ہے۔ اور پھر مصر کو زوال آیا تو یوں آیا کہ
میساردون اور چند زراعتی چیزوں کے سوا اور کوئی شے اس امر کی بتانے والی نہ رہی
کہ اس ملک کو کسی زمانہ میں تمام روس زمین سے وہ نسبت تھی جو انسان کو دوسرے
حیوانوں سے ہے۔ یا انسان میں دماغ کو دوسرے اعضا سے ہے۔

ایک زمانہ بنی اسرائیل کا وہ تھا کہ مصر کے قبلی انکے ساتھ دوسرا ہی سلوک کرتے تھے
حبشہ ہندوستان کے برہمن چاروں کے ساتھ کرتے ہیں اور اگر کچھ زمانے کے طرز
و تمدن پر لحاظ کیجیے تو اس سے بھی بدتر۔ اور پھر حضرت موسیٰ کے زمانہ میں بنی اسرائیل
کی ترقی کی جو بلیا دقایم ہوئی تو ایسی کہ دنیا میں اپنی نظیر نہیں رکھتی اور اسکے ساتھ ہی قوم
گری تو ایسا گری کہ خود اس قوم کے اسلاف اپنے بزرگوں کی ترقی کا اندازہ نہ کر سکے

اور جن باتوں کو انکے بزرگوں نے دنیاوی ترقی کے انتہائے زور میں کر ڈالا تھا اسکو
 ارواح کی تاثیر پر لوگ محول کرنے لگے۔ حضرت سلیمان (خبطواہل کتاب مسلمان پیغمبر
 کہتے ہیں) جو بنی اسرائیل کے ایک بڑے بادشاہ گزرسے ہیں انکی نسبت لوگ
 کہنے لگے کہ دیوانے کے زیر فرمان تھے اور پر بیان انکا خانہ باغ اور عیش محل آراستہ
 کرتی تھیں۔ یہی ایک مثالی انتہائے ترقی اور انتہائے زوال کے سمجھنے کے لیے
 کافی ہے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ اسوقت ریل تار برقی۔ برقی روشنی۔ دُخانی جہاز مختلف
 کلین جو یورپ اور یورپ کی بدولت افریقہ اور ایشیا میں دیکھی جاتی ہیں قومی ادوار
 کی وجہ سے جاتیں۔ قومی زور گھٹ جائے یورپ کے کارخانے بند ہو جائیں۔
 کارگری اٹھ جائے۔ جاہلیت کا زمانہ آجائے تو چند صدیوں کے بعد ان چیزوں کی
 نسبت لوگ ویسی ہی رائے قائم کرنے لگیں گے جیسی حضرت سلیمان کے کارخانوں
 کے سمجھنے کے لیے دیواورپری کے وجود ماننے کی ضرورت پڑی تھی کہ مسلمانوں کے
 بعض فرقوں کے عقیدہ کے مطابق خدا کو بھی قرآن میں عوام کے سمجھانے کے
 لیے انھیں الفاظ کے استعمال کی ضرورت نظر آئی جس طرح ہندوستان کے
 بڑے بڑے ہیرد کی نسبت خارج از عقل باتوں کے سمجھنے کے لیے منتر جادو محو
 نہیں کیا کیا باتیں فرض کرنا پڑیں کیونکہ انسان کو جاہلیت کی تاریکی میں عجاہبات دنیاوی
 کے ساتھ تائید غلبی یا امدادِ روح کے مان لینے میں اور اس طرح تمام کادشوں سے
 چٹکارا پانے میں جو آسانی ہے کسی میں نہیں۔ ہندوستان کے متعدد شہروں
 کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ بارہا بیسے اور اجر سے۔ عام لوگوں میں ایک
 نقل شہور ہے کہ حضرت خواجہ خضر نے کسی بزرگ سے ملاقات کی اور عند الاستفسار

خواجہ صاحب نے بیان کیا کہ دہلی سات مرتبہ آجری اور سی اور کو توالی کو بتایا
 کہ یہ مقام ہمیشہ خطرناک رہا۔ آبادی کی صورت میں سیاست گاہ رہا۔ شہر دربارہ
 جہا تو بیان بھنور میں لوگ ڈوبتے تھے اور جنگل کی حالت میں درندہ جالوز رہتے
 تھے۔ اس نقل سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اسکو باور کرتے ہیں۔ کہنے کا
 منشاء یہ ہے کہ دنیا جب سے قائم ہے تب سے معلوم نہیں کیسی کیسی ایجاد
 کیسی کیسی قومی ترقیاں ہوئیں اور پھر اس طرح مشین کے قیاس کو بھی دخل نہ رہا
 کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ کیا کیا عمارتیں بنیں اور بنکر اس طرح منہدم ہوئیں کہ نشان
 تک باقی نہ رہا۔ ایک دیران جگہ کو دیکھ کر کبھی قیاس نہیں ہو سکتا کہ یہاں کسی زمانہ میں
 سوتی محل تھا اسکے ساتھ ایک پائین باغ بھی تھا۔ دنیا کے مشہور کاریگروں نے آکر
 بنایا تھا۔ شام کو شہنشاہ وقت اپنی شاہ بیگم کے ساتھ یہاں سیر کرتا تھا۔ فوارے
 چھوٹتے تھے۔ جا بجا حوضوں میں مچھلیاں بترتی تھیں۔ رنگ رنگ کے پھول تھے
 اور طرح طرح کے بہروزار کی کیا رباں تھیں اب کیا ہے کہ شہر شام سے گیدڑ بولتے ہیں
 عوام میں بے بھرت کے رہنے کی جگہ سمجھی جاتی ہے۔ دن دو پہر یہاں کوئی آئے
 تو ڈر جائے۔ بس یہی حالت قوم کی ہے۔ ایسی ایسی قومیں مٹ گئیں کہ انکا کچھ
 اثر تک باقی نہیں رہا۔ ہمارے نزدیک تو عمدہ مقیاس یہ ہے کہ جس قوم کو جتنا ہی
 ذلیل حالت میں دیکھو سمجھو کہ کسی زمانہ میں وہ اتنی ہی بادقت تھی۔ اگر قوم کے مرنے
 جینے کا نام تناخ ہوتا تو بہت ٹھیک تھا اور کیا عجب کہ اسی معنی میں تناخ کا خیال
 ابتداء ظاہر کیا گیا ہو۔ ہندو سان کی سچلی ترقیوں کا تذکرہ کرنا محبت ہے۔ تمام سکول
 کے بچے اسکو جانتے ہیں اور انگلستان کی سچلی حالت کا بیان کرنا بھی غیر ضروری

کوئی قلعیم یافتہ اس سے لاعلم نہیں ہے۔ بلا اپنی بچہلی ترقی میں تو ہندوستان کوئی ملک اپنا ہمسہ نہیں رکھتا تھا لیکن اس گئی گذری حالت پر بیٹے مسلمانوں کی فتح کے بعد بھی وہ ایسا تھا کہ دو تین سو برس پہلے انگلستان کو اس سے کوئی نسبت کسی قسم کی نہ تھی۔ اندر نے یورپ کو ترقی دی تو اسکے ساتھ انگلستان کو بھی بڑھا دیا۔ اور ایسا بڑھایا کہ وہ ان کے تاجروں کے گروہ اگر ہندوستان کی بگڑی ہوئی حالت سنبھالنے میں نہ نہ کرتے تو معلوم نہیں اسکی حالت کہاں تک ابتر ہو جاتی۔ اسکا کوئی سبب نہیں قانون قدرت یوں ہی ہے کہ ایک گھٹتا اور دوسرا بڑھتا رہتا ہے۔ ”ملک الایام ندا ولما بین الناس“

یونان کا جب زمانہ تھا تو علم و دولت۔ بہادری۔ متناعی۔ خدا پرستی۔ تمام صفات یونان میں اسکو کمال تھا اور صرف یورپ کی سلطنتوں میں نہیں بلکہ تمام دنیا کی سلطنتوں میں اسکا درجہ بڑھا ہوا تھا اور اب بھی وہی یونان ہے کہ یورپ کی تمام سلطنتوں سے بہ اعتبار میں گھٹا ہوا ہے اس قومی اوبار کو ہندوستان کے عام باشندے یونان قہر کرتے ہیں کہ گھٹے یونان الٹ گیا۔ سارا ملک قہر بحر میں چلا گیا گرد و نواح کے لوگ کسی اہم کام پر غور کرنا چاہتے ہیں تو جہاز لیجا کر وہاں ٹھہر دیتے ہیں۔ ہوا میں اب بھی وہی ذہانت ہے وہاں ٹھہرنے سے رائے ایسی صائب قائم ہوتی ہے کہ دوسری جگہ ممکن نہیں۔ اس عام پسند حکایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو ترقی یونان کی کسی زمانہ میں تھی وہ لوگوں کے نزدیک ایسی نفع بخشہ کہ وہ زمانہ سے بالکل زبردست ہو جاتی۔ اور اس لیے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ خطہ ہی آبادی کے قابل نہ تھا جان ملائیک صفت لوگ پیدا ہوتے تھے۔ یہ بالکل غلط ہے کہ خطہ اولٹ گیا۔ لکھتے ہیں۔ زمین وہی۔ آب وہو ادھی۔

فلسین وہی سب کچھ وہی۔ بس ایک خدا کی شہادت جبکہ اقبال کہتے ہیں البتہ نہیں ہے۔

ایران کی سلطنت بہت قدیم ہے اور مشہور ہے کہ کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے۔ پختے۔ اوڑھنے کے سارے طریقے ایران سے نکلے ایران کی ابتدائی ترقی کا زمانہ کسی طرح دریافت نہیں ہو سکتا۔ یہ ابتدائے ترقی پر تھا اور ہمیشہ ترقی پر رہا۔ جینیون سے ترکون سے مصریون سے اور یونانیون سے برابر اسکا مقابلہ رہا۔ جنگ دوسرا درجہ جیتنے مارنے کی کوئی بات نہیں۔ یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے لیکن قومی منزل اسے اسلام کے قبل کبھی نہیں ہوا۔ ہر اعتبار سے ایران دنیاوی امور میں اُستاد سمجھا جاتا تھا۔ اسکے برابر ہی عرب کی ایک خانہ بدوش قوم تھی دشمنی بھی تھی لیکن وہ بھی خانہ بدوشوں کی صفت سے مصفقت تھی جو ہمیشہ ایران کی ماتحت رہی اور اگر یون سمجھو کہ ایران کو اسکا ماتحت رکھنا ملک کے افلاس و ناداری کی وجہ سے وبال جان تھا تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایک خود مختار آزاد قوم تھی۔ لیکن آزادی ایسی ہی جیسے کسی اصحق غلام سے یہ سمجھ کر کام نہ لیا جائے کہ وہ کوئی بات سمجھ نہیں سکتا کام کیا کرے گا۔ خدا کو منظور ہوا کہ اس نکتے ملک کو بھی عزت دی جائے۔ یہ ملک جیسا ہی گرا ہوا تھا دسیا ہی علی درجہ پراسکار و جہو پی۔ ایک بے گھر پڑھے غیر متمول (یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ سے عرب ہی کی بنین ملک کل دنیا کی اصلاح خالق کو منظور ہوئی۔ ایک دن وہ کہہ پڑا کہ ہم کو اللہ نے حکم دیا ہے کہ ہم لوگوں سے کہیں کہ وہ اللہ کو پہچانیں۔ دیکھیے قوم کی ترقی کی یہی جڑ بندھتی ہے۔ جن لوگوں نے اس پر اعتبار کیا وہ پینے پیر دھوئے اور جو منکر ہوئے

وہ کافر سمجھے گئے۔ ان مومنوں پر انکے کافر اعزہ کی طرف سے زیادتیاں ہونے لگیں۔
 اس لیے بچاؤ کے لیے فوجی قوت کی ضرورت ہوئی۔ دوسرے ملکوں سے خط و کتابت کی
 ضرورت ہوئی تو لکھے پڑھے لوگوں کی بھی قدر بڑھی۔ جہلاوطن نو مسلموں کی پرورش کے
 کے لیے روپیہ پیسہ کی ضرورت ہوئی اور اسکے بہم پہنچانے کے لیے بیت المال خزانہ
 ہرادہ آگے چل کر خزانہ شاہی بن گیا۔ غرض کہ دس سال بارہ برس میں ایک عظیم الشان سلطنت
 کی بنیاد پڑ گئی اور پھر تو تمام دنیا کے علوم اور تمام دنیا کی صنعتیں مسلمانوں نے سیکھیں۔ تمام
 علوم و فنون کے ماہر مسلمانوں کے پاس آکر جمع ہو گئے اور اس طرح عرب
 بھی یہ کہنے کے قابل ہوا کہ ہمارے کارنامے بھی تاریخی دنیا میں بے نظیر
 ہیں۔ جہالت۔ نا اتفاقی۔ کم ہمتی۔ بے زری۔ بد خلقی۔ بے ہنرمی۔
 یہی سب باتیں قوم کے ارباب کا سبب سمجھی جاتی ہیں۔ لیکن غور کرنے سے یہ معلوم
 ہوا کہ قومی ترقی اور منزل میں ان باتوں کو کوئی دخل نہیں۔ شخصی موت کے ساتھ
 قوم کی موت کو پورے طور پر تشبیہ دے سکتے ہیں۔ مرنے کے لیے کسی بیماری کی
 خصوصیت نہیں ویسے ہی قوم کے منزل کے لیے کوئی سبب معین نہیں کیا جاسکتا۔
 قوم کے منزل کے وقت ہمیشہ ایک یا سبب پیدا ہو جاتا ہے۔ ایران اور یونان
 پر مسلمانوں کے فتیاب ہونے کے حالات دیکھیے۔ قدرت خدا نظر آتی ہے۔
 ہم بیان صرف ایران کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ایران میں کوئی کسی قسم کے آنا زنگیت
 یا قومی منزل کے نظر نہیں آتے تھے۔ اسکے چراغ کی روشنی بدستور قائم تھی لیکن
 اسکو کیا کیجیے کہ عرب کی شعل کے سامنے خواہ مخواہ اسکی روشنی جاتی رہے۔ اسلام
 کے پھیلنے کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد دفعۃً عربوں نے ایران کا قصد کر دیا۔

فوج لب و رہا پہنچی جسکے عبور کرنے پر ایران کی سرحد اور ایران کا پاسے تخت تھا۔
 عربوں کے پاس تلوار اور گھوڑوں کے سوا اور کیا سامان تھا۔ کشتیان ایرانیوں نے
 اپنی طرف منگوالی تھیں یا ڈبوا دی تھیں۔ عربوں نے گھوڑے دریا میں ڈال دیے۔
 گھوڑے تیرنے لگے اسی اثنا میں ایک سپاہی کی کمرین لکڑی کا پیالہ بندھا تھا اور
 وہی اسکا سارا اثاثہ تھا۔ پیالہ کسی طرح کھل کر دریا میں بہ چلا۔ ذرا اُسکے استقلال اور
 قوم کے اقبال پر غور کیجیے۔ دوسرے ملک بڑھائی۔ جان جو حکم کا سودا۔ گھوڑا بجز خار
 میں تیر رہا ہے۔ جان کے لالے پڑے ہیں۔ ان سب باتوں کا خوشیال نہیں۔
 میان سپاہی کو یہ سوچ پیدا ہوا کہ ملک فتح ہونا تو اتفاقات کے تعلق ہو۔ یہ سب اثاثہ
 جو بہا جاتا ہے "قدرتِ اہل نسبہ گزشتن کار فرد وندان نیست" اسکو تو کسی طرح جانے
 نہ دینا چاہیے۔ اب میان سپاہی نے اسی پیالہ کے پیچھے گھوڑا ڈالا۔ اور پیالے
 کے ساتھ گھوڑا بھی دھار میں چلا۔ تھوڑی دور جا کر اُسے پیالہ پایا اور پھر فوج کی
 طرف پھرا۔ یوں تو تمام سُن سن کر ایرانیوں کا اقبال و گردانی کر رہا تھا۔ اس حملہ کی
 کیفیت دیکھ کر بھلا کسے تاب مقابلہ تھی کچھ ایسی لڑائی بھی نہ ہوئی اور عربوں کا قبضہ ایران پر
 ہو گیا یا یوں کہو کہ ایرانیوں کی ترقی کا زمانہ ختم ہو گیا اور عربوں کی ترقی کا وقت خود
 بخود آگیا۔ اس ہم نے عربوں کی زبان۔ طرز تمدن۔ اخلاق۔ مذہب سب کو ایک دم
 سے ایران کا حکمران کر دیا۔ جس زبان سے ایرانیوں کو نفرت تھی اب اُسی کی تحفیل کا نام ستاد
 دار بن کا حاصل کرنا سمجھا گیا۔ فردوسی نے اسے یوں نظم کیا ہے۔

دشیرِ شیرِ خورون و سوس ماہ عرب را بجائے رسیدہ است کار
 کہ ملک عجم را گنبد آرزو تغویر تو اسے چرخ گردان تھو

فصل نچاہوششم

صفت اسلام

ہر کمال کو زوال لازم ہے لیکن کیا اسکا مطلب یہ ہے کہ زوال بلا سبب پیدا ہو جاتا ہے؟۔ نہیں۔ سبب ضرور ہوتا ہے۔ اس لیے صفت اسلام کے اسباب پر ہم غور کریں تو یہ کاربے سود نہ ہوگا۔ اسباب تو بہتیرے بیان کیے گئے اور بیان کیے جائیں گے۔ لیکن ہمارے نزدیک سبب وہی ہے جسکی پیشینگوئی روم کے پادریوں نے کی تھی۔ خلفائے عباسیہ کے عہد میں مسلمانوں نے یونان کے علوم قدیمہ کی کتابیں روم کے بادشاہ سے طلب کیں۔ یہ حکم ایسا تھا جیسا گوئرنمنٹ انگلینڈ کی دانی کشمیر کے نام۔ عدول کیونکر ہوتا۔ لیکن ملکی رسم کے طور پر پادریوں سے کہہ لی کہ اس سلطنت نئے استعصواب کیا گیا۔ پادریوں نے سوچ کر کہا۔ ”اچھا یہ کتابیں مسلمانوں ہی کے پاس جانے دیجیے کسی طرح انکا زور تو گھٹے“۔ ان کتابوں کا آنا تھا کہ مسلمانوں کا زور گھٹنے لگا۔

فلسفہ کی دو قسمیں سمجھیے علمی اور خیالی۔ مسلمانوں کا مذہب خود ایک فلسفہ تھا لیکن فلسفہ خیالی نہیں۔ فلسفہ علمی۔ اگر ہم مشرح بیان کرنا شروع کر دیں تو ایک جدا رسالہ لکھنا پڑے۔ اس اختصار میں گنجائش نہیں ہے۔ اسوقت صرف اتنا سمجھ لیجیے کہ خدا کی معرفت۔ محنت اور استقلال یہ تین باتیں موضوع اس علم کی تھیں جو مسلمانوں کو مذہب اسلام کے ساتھ اعلیٰ درجہ پر تعلیم دیا گیا تھا۔ خیالی فلسفہ کے ترجمہ نے جو کتا پائی اس سے اسلام کی خوبیاں نائل ہونے لگیں لیکن یقین گھٹا گیا اور ظن بڑھتا گیا ظنی اور خیالی قوت کے سامنے دماغی اور جسمی قوت کا زور کم ہو گیا۔ بہت اور استقلال نے

جواب دیا اور انکے بدے میں کیا ملا؟ خیالی کمزوریان۔ خدا کی معرفت اور نہ ہی روشنی
 نے گناہ کیا۔ نام کے مسلمان۔ باتوں کے شیرہ گئے۔ جسمی اور روحی ان دونوں قوتوں
 کے عزم و قوت خیالی اور لاحاصل معذرات کی ترتیب دماغ میں رہ گئی۔ ہمارے کہنے کا
 مطلب یہ نہیں ہے کہ اس وقت مسلمانوں کو فلسفہ نہ پڑھایا جاوے۔ اب کچھ نہیں تو یہی
 سہی کچھ تو جانا چاہیے۔ لیکن جس زمانہ کا ہم ذکر کرتے ہیں اُس زمانہ میں جو مسلمانوں
 کے پیغمبر کا پڑھایا ہوا فلسفہ سینہ بہ سینہ چلا آتا تھا وہ یونانی فلسفہ سے کہیں اچھا
 تھا اور اُسکی بدولت مسلمانوں نے ابتداء میں ترقیان کی تھیں۔ اب اُسکو کوئی
 سیکھنا چاہے تو مشکل ہے۔ ”مسلمانان درگور دسلمانہ در کتاب“ مسلمانوں کے
 پیغمبر کے وقت سے کئی صدی بعد تک جو سچا طریقہ زندگی بسر کرنے کا جاری تھا اُس
 اس نئے فلسفہ نے خلل ڈال دیا۔ اور خلل ڈالنے کا نتیجہ وہی ہوا جو روم کے پادریوں
 نے پہلے سوچا تھا۔ فلسفہ پھیلنے کے بعد عرصہ تک مسلمانوں کو عروج رہا۔ لیکن عروج
 مابین کارروائیوں کا نتیجہ تھا۔ ٹرائی کوریل کی شرک پر چلا کر قلی بٹھیر جاتے ہیں اور ڈالی
 سیلون خود چلی جاتی ہے۔ بس یہی مثال اسلام کے آخری زمانہ کی سمجھیے۔ پہلے زمانہ
 میں مسلمانوں نے جو ملک فتح کیے انکا مقابلہ پھلی فتوحات سے کرو تو معلوم ہوگا
 کہ فاتحین کی کارگزاریوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔ ابتدائی فتوحات میں مسلمانوں
 کی محض صحبت سے مسلمان اور کچے مسلمان ہو جاتے تھے۔ اور آخری زمانہ کو دیکھو
 اکبر نے کیا کچھ دلجوئی نہ کی۔ عالمگیر نے کیا کچھ سختی نہ کی۔ مگر ایک بھی کارگر نہ ہوئی۔
 وجہ صرف یہی تھی کہ انہیں یا انکے ہم عصر مسلمانوں میں وہ صفت نہ تھی جو اگلے مسلمانوں میں
 تھی۔ اندلس لاسپین وہ مقام ہے جہاں کے علم و فضل پر آج تک مسلمان

اختلافات سے جہادِ خدا فرمتے قائم ہوئے۔ قرآن کی آیت "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ كنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم تبعۃ اخواناً" بھی بڑھائیے لیکن عمل ایک نے بھی نہ کیا۔ سنی۔ شیعہ۔ بدعتی۔ وہابی۔ خارجی۔ اہل حدیث۔ معتزلہ۔ بھتیجے فرمتے قائم ہوئے اور نہ ہی کتابوں میں دیکھو تو ساتھ ستر فرمتے نہ معلوم کیا کیا قائم ہو گئے۔ ان فرقوں کے قائم ہونے کو گویا اسلام کی چادر کہنہ میں سوراخ ہونا یا دیوار اسلام کی اینٹیں کھسکنی سمجھیے۔ اختلاف سے اتفاق پیدا ہوا اور اتفاق سے زور گھٹتا گیا۔

اس اتفاق نے کعبہ کو بھی نہ چھوڑا وہاں خانہ کعبہ کے گرد چار مصلے بچتے ہیں اور چار فرقوں کی جہادِ انارزین ہوتی ہیں۔ گوانین باہم مخیمت نہیں۔ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کو برا نہیں سمجھتا بلکہ ایک مصلے کا مسلمان دوسرے مصلے پر بے تکلف نماز بھی پڑھ لیتا ہے۔ لیکن ہم تو سیدھے مسلمان ہیں۔ پس اتنا جانتے ہیں کہ بغیر یا اُنکے اصحاب راشدین کے وقت یہ چار مصلے قائم نہیں ہوئے تھے۔

عرب سے جب اختلافِ ہندوستان میں آیا تو یہاں اُسے صورت ہی دوسری پکڑی۔ یہاں ایک فرقہ دوسرے فرقے کے پیچھے نماز کیا پڑھے گا۔ ایک دوسرے کو دشمن اور جتنی ٹھہرانے لگا۔ جو ذی علم ہیں وہ گوشہ سے کہتے ہیں کہ فرقے براے نام ہیں۔ اور مسلمان سب ہی ہیں۔ لیکن دل اُنکے بھی متاثر ہیں۔

ان ملاؤں کے پاس کوئی جائیداد نہیں۔ جاگیر نہیں۔ اثاثہ نہیں۔ سامان نہیں۔ لڑین تو کس برتن پر۔ جھگڑین تو کس چیز کے لیے۔ اور لڑنا ٹھہرا ضروری کہ وہ انسا کا مقتضا ہے۔ یہی مسجدین جو اگلے زمانہ کے امرا اور سلاطین بنوا گئے ہیں انکی ساری

کائنات ہے اسی کے متعلق جو بڑے سچے قندے نکل کال باہم لڑا کرتے ہیں اور اس طرح دل کے ابھرے نکالتے ہیں

مسلمانوں میں ابو حنیفہ اور ان کے صحابہ بڑے ذی عقل اور ذی علم گزرے ہیں۔ انھوں نے قرآن اور پیغمبر خدا کے متعولوں سے اخذ کر کے ایک مجموعہ قانون ترتیب کیا تاکہ لوگوں کو کاروبار میں سہولت ہو۔ اس مجموعہ قانون کے ماننے والے مقلد کہلاتے ہیں اور جو لوگ پیغمبر خدا کے اقوال کو ٹپکھ کر خود اس کے معنی نکالتے ہیں وہ اہل حدیث ہیں۔ ہندوستان میں جو بہت بڑا ادیب ذی علم ہو گا وہ البتہ اجتہاد کر سکے گا۔ ورنہ عام طور پر تقلید ہی سے کام چلتا ہے۔ خفیوں کی ہو یا اہل حدیث کی۔ دونوں میں ماحصل ایک ہی ہے۔ شاید کوئی جزوی باتوں میں اختلاف ہو ورنہ ہم مسلمانوں میں اختلاف بہت کم ہے۔

دیکھیے بات کچھ نہ تھی لیکن دو نام قائم ہو جانے سے دو فرقے ہو گئے۔ اور آپس میں اس طرح لڑتے ہیں جس طرح ابتدائے اسلام میں مومنین اور کفار قریش کے مقابلے ہوتے تھے۔ محاذ المدینہ بھائیوں کوئی دوسرے مشتعل نکالو۔ یہ کیا ہے۔ کچھ دنوں پہلی میں لڑائی ہو اکی اور اب سیرت میں معرکہ جنگ و جدل ہو رہا ہے۔ ہم تو ہزاروں کہیں کہ یہ لڑنے والے محض نفسانیت سے لڑتے ہیں۔ لڑنے کا نہیں مادہ ہے۔ اسلام کو ناحق بدنام کرتے پھرتے ہیں۔

بھر گر سحر نہ ہوتا تو بیابان ہوتا

مولوی محمد شبلی نعمانی نے ابو حنیفہ کے حالات و اعتقادات کے متعلق ایک کتاب لکھی۔ جہاں سب کچھ لکھا رفع یدین کے متعلق بھی انکی رائے لکھی۔

ایک صاحب سے نہا گیا انھوں نے فوراً ہی ایک نوٹ اسکے خلاف اخبار میں لکھ دیا اور حنفیوں کی رائے سے اختلاف ظاہر کیا۔ واہ کیا نئی بات لکھی ہے۔ بھلا دنیا میں سوائے آپ کے اور بھی کوئی ان باتوں کو جان سکتا ہے۔ برادر عزیزان باتوں کے متعلق کتنا بین بھری پڑی ہیں۔ ان باتوں پر غور کرنا مجتہدین کا کام ہے یا ان کا جنھوں نے مذہبی کاموں کے لیے اپنے کو وقف کر رکھا ہے اور وہ بھی آپس میں بحث کے لیے نہیں بلکہ علم شے بہا زہل شے محض اس لیے کہ مذہب کے متعلق کوئی مسئلہ بے سمجھانہ رہ جائے۔ ہلکے آپ کو اس سے کیا بحث۔ یہ مسلم ہے کہ ہاتھ باندھ کر یا ہاتھ جوڑ کر دونوں طرح نماز درست ہوتی ہے تو پھر اس مسئلہ کو زیر بحث لانا آپ تو سمجھتے ہیں کہ اقتضائے عالمیت ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر جہالت ہو ہی نہیں سکتی کہ ناحق اپنے وقت عزیز کے ساتھ دوسرے کے وقت کا بھی خون کیا جائے اہل بلاد جبہ شجر فساد کی جڑ سنبھلی جائے۔

بعض وقت ایک ہی مذہب کے دو فرقے آپس میں اس طرح لڑنے لگتے ہیں کہ گویا انہیں اخوت مذہب کی ہوا تک نہیں لگی۔ عیسائیوں کی پہلی تاریخیں پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اختلاف فرقہ یا مذہب کی ضمنی تقسیم کی وجہ سے جو نزاعیں ہوئیں غالباً دو مختلف مذاہب یا دو اجنبی قوموں میں بھی ایسی لڑائیاں کم ہوئی ہوں گی۔ اب علی روشنی نے ان عیسائیوں کی حالتوں کو اس مخصوص میں ایسا درست کیا کہ کہیں سے بھی اس قسم کی تکرار کی مدد انہیں آتی لیکن جہاں نئے علوم نے اپنی روشنی نہیں پھیلانی یا پچھلے علوم تقویم پارہ کی طرح قوم کے خاص خاص مشیروں یا سرداروں کی الماریوں میں بند ہیں وہاں کی کیفیتیں ناگفتہ بہ ہیں۔

اب اس زمانہ کے مسلمانوں میں اگر کچھ اسلام ہے تو یہ ہے کہ ایک کو سنی
 ہونے پر فخر ہے اور دوسرے کو شیعہ ہونے پر ناز ہے مقلدین اپنے آپ کو سب سے
 بڑا جانتے ہیں اور اہل حدیث اپنے کو سب سے افضل۔ لیکن ہمارے نزدیک
 یہ تمام لوگ اپنے ٹھیسٹھ مذہب کے مطابق اس معصیت سے بچ نہیں سکتے کہ ظنون
 نے اسلام کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ضعیف کیا اور جزوی اخلاف کو رکن دین
 قرار دیکر مذہب کو خراب کیا۔

بالفعل ہندوستان میں جو کبھی کبھی غرناک لائیاں سنیوں اور شیعوں میں ہوتی
 ہیں وہ بہت زیادہ قابل افسوس اور لائق شرم ہیں۔ ہمارے نزدیک دینوں فریق
 مسلمانوں کی نفرون میں اہل اسلام ہونے کی حیثیت سے بے وقت ستھے
 جانے کے لائق ہیں۔

افسوس ہے کہ اسلام جو اخوت بڑھانے کے لیے آیا وہ فساد بڑھانے کا
 سبب سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں سے جہانک ہکو و اقصیت ہر انہیں
 سے شیعے ایسے لوگوں کو برا کہنا اچھا جانتے ہیں جتنے برا کہنے سے سنیوں کے
 دل دکھنے کا احتمال ہے اور سنیوں کا یہ فعل بھی ضرور قابل اعتراض ہے کہ شیعوں
 کے ان حرکات چرخاہ مخواہ معترض ہونا وہ اپنے مذہب کا شمار سمجھتے ہیں۔ خدا یا رسول
 کو کوئی برا کہے تو کچھ نہ بولیں لیکن مسلمانان سلف کو کوئی برا کہے تو یہ سر ہر جائیں۔
 اگر قانون کی نظر سے دیکھے تو جب بھی یہ بات ہے اہل شیعہ عرب ہونے
 بزرگروں کو برا کہتے ہیں جتنا برا کہنا ہر جہازہ جنت عربی کی بنیاد قائم نہیں کر سکتا اور
 اسکے جواب میں سنی ہندو شیعوں کو برا کہتے ہیں اسی سے لائیں کے یہ بنیاد

میں کچھ
 علاوہ انہیں
 باتوں کے
 یا ان کا
 آپس میں
 متعلق کوئی
 پرانہ نہ کر
 لانا آپ
 جہالت
 میں خون کیا
 گئے ہیں
 میں بڑے
 میں ہر
 ہر ہر
 رست کیا
 نے اپنی
 میں بنیادوں

مخاصمت پیدا ہو سکتی ہے۔

مقلدین اور اہل حدیث کے جھگڑے جو دہلی کے گرد و نواح میں آئے
دن مُسنے جاتے ہیں وہ اور بھی حیرت افزا ہیں شرعی طور پر ایک دوسرے کو
اگر کچھ کہہ سکتا ہے تو صرف یہ کہ دو درجہ احیاء است گتہا ہوا ہے۔ لیکن عملی طور پر جو
نتیجے پیدا ہوتے ہیں وہ ایسے ہوتے ہیں کہ کافروں کے مقابلہ میں بھی اسلام
کا قانون اسکی اجازت نہیں دیتا۔

میرٹھ کے مقلدین اور اہل حدیث کے جھگڑے سننے سننے ہم پریشان
ہو چلے تھے کہ امر دہا (مراد آباد) سے سنیں شیعوں کے اختلاف کی صدا سن آئے
لگین۔ ممکن ہے کہ معاہدہ خطرناک حد تک نہ پہنچا ہو لیکن اخباروں کو تو ایک
مشغلہ ہاتھ آگیا۔ کوئی اخبار اس تذکرہ سے خالی نہیں۔ اڈیشنری ہے تو رد و اس کے
ہاتھ میں ہے اور شیعوں سے تو وہ اپنی طرف کھینچتا ہے۔ حالانکہ معاملہ کچھ نہیں۔ اردو
کے ایک با اختیار اہل دول (ریٹس و انزیری مجسٹریٹ) نے کوئی مذہبی کتاب لکھی ہے
اور شیعوں اور ان کے پیروا سے مذہب کو بُرا کہا ہے۔ میں بات اتنی ہی ہے لیکن ممکن
ہے کہ بڑھتے بڑھتے بڑھ جائے۔ کوئی مولف سے پوچھے کہ آپ نے کونسی ایسی باریک
بات پیدا کی ہے یا اس کتاب کے بغیر قوم کا کونسا کام بند تھا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی ہم
سنی حضرات سے پوچھتے ہیں کہ اگر ایک شیعوں بھائی نے اپنے خیال کو ایک رسالہ
میں ظاہر کیا تو تمہارا کیا نقصان ہوا کہ خواہ مخواہ کو تم شور و غل مچانے لگے۔ اگر مسلمانوں
کے کتب خانوں کی تلاشی لی جائے تو کوئی ہزار دن ہی کتابیں ایسی نکلیں گی۔ اگر
ایک تعداد اور بڑھ گئی تو کیا ہوا۔ یہ کچھ نہیں۔ نہ کتاب لکھنے کی ضرورت تھی اور نہ کتاب پر

اعتراف کرنے کی حاجت تھی۔ دونوں میں اڑانی کا مواد موجود تھا۔ مذہب کو ناقص بنا کر کیا
 سنیوں اور شیعوں کا ایک مقدمہ بڑا دلچسپ لڑا ہے۔ کسی شیعہ نے ایک مسجد
 بنوائی اور در مسجد پر لکھا "علی خلیفہ بلا فصل" اپنے بعد پیغمبر خدا کے حضرت علی خلیفہ
 ہوئے۔ پیغمبر خدا اور حضرت علی کے درمیان میں جو تین خلیفہ ہوئے انکو حق خلافت
 حاصل نہ تھا۔ پوچھیے اسکے لئے نیز اسوقت مسجد کی کیا شان گھٹی جاتی تھی۔
 جب خلافت کا جھگڑہ تھا اسوقت ان باتوں کا لکھنا کہنا بولنا کچھ مفید بھی ہوتا۔ اب
 اس لکھنے اور پڑانے جھگڑوں کے یاد دلانے سے کیا فائدہ۔ لیکن اس سے کہیں
 زیادہ حیرت یہ متکر ہوئی کہ سنیوں نے دیوانی میں دعویٰ کیا کہ در مسجد سے یہ عبارت
 "علی خلیفہ بلا فصل" نکلوا دیجائے۔ کوئی مدعیوں سے پوچھے کہ اس عبارت نے
 انکا کیا بگاڑا۔ اور اس عبارت کے قائم رہنے سے انکا کیا ہرج۔ اگر در مسجد پر لکھا
 ہوتا کہ اس مسجد کے گرد جتنی زمین یا رکانات ہیں سب مسجد کے ساتھ مال موقوف سمجھے
 جائیں تو پڑوسیوں کے عذر کے واسطے ایک بات بھی تھی۔ ترہ سو برس کے بعد
 کسی کی خلافت یا سلطنت سے انکار کیا جائے تو ایک فعل عہدیت اور انکار پر اعتراض
 کیا جائے تو اس سے زیادہ عہدیت ہے۔

فضل پنجابہ مشرق

دنیا خوش رہنے کی جگہ نہیں ہے

دنیا میں کوئی شے ایسی بھی ہے جسکا ذکر ہر شخص کی زبان پر اور جسکی خواہش
 ہر ایک کے دل میں ہو۔ حین ولادت سے زمانہ موت تک ہر انسان اسکا متمنی ہو۔
 لیکن فی الواقع دنیا میں اسکا وجود نہ ہو اور نہ کسی کو کبھی حاصل ہوئی ہو۔ اس جہان کا

آئے

سے کو

کی طور پر جو

کی اسلام

شیان

میں آنے

تو ایک

اداسکے

ادوہا

کئی ہے

لیکن ممکن

ہی باریک

تھ ہی ہم

رسالہ

مسلمانوں

گی۔ اگر

کتاب پر

سمجھنا آسان نہیں ہے۔ جب ایک شے کسی کی مطلوب یا مقصود ہوئی تو پھر اس کے نزدیک اس کا وجود کسی طرح محال مقصور نہیں ہو سکتا لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہو گا کہ ہمارا سوال بے معنی نہیں ہے۔ بھلا سوچو تو سہی خوشی پر یہ تمام باتیں صادق آتی ہیں؟ غور کرنے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ خوشی ہی ایک ایسی شے ہے جس کو ہر فرد بشر چاہتا ہے لیکن کسی کو بھی وہ حاصل نہیں ہوتی۔ خوشی کے ساتھ غم اور غم کے ساتھ خوشی اس طرح وابستہ ہے کہ کسی طرح انہیں انفصال نہیں ہو سکتا۔ رونے کے ساتھ ہنسنے اور ہنسنے کے ساتھ رونا گویا لازم ملزوم ہے۔ خزان اور بھار دو لفظ جدا جدا ہیں لیکن ایک دوسرے کے بعد اس طرح آتی ہے کہ بے شکل کسی زمانہ کو یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابھی خزان ہے بہار نہیں آئی۔ سارے پتے گرے نہیں تھے کہ نئی کو پلین لگنے لگیں۔ اگر سرت کا کچھ وجود ہے تو اسی حیثیت سے ابھی پوری طرح سے جن شادی ہونے بھی نہیں پایا تھا کہ ماتم کے سامان بندھ چلا۔ یہ تو وہ حالت ہے کہ خوشی ہمارے نام ہمارے قریب آئی اور فوراً جلدی لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی شاد و نادر ہوتا ہے خوشی تو عموماً قریب آنے ہی نہیں پاتی ایک طرف سے اگر کچھ سامان عیش کے نظر آئے تو دوسری طرف سے کدورت کی صورت دکھائی دے رہی ہے۔ مصیبت کا پلہ ہمیشہ بھاری رہتا ہے۔ الم کے نہ ہونے کا نام ہے خوشی۔ اگر تو میں ننانوے حصہ خوشی کا ہے اور کہیں ایک حصہ رنج کا شامل ہو گیا تو خوشی کہاں باقی رہی؟ غرض کہ دنیا میں خوش رہنا کبھی انسان کو میسر نہیں ہو سکتا۔ نیولین ہونا پارٹ ایک مرتبہ جوش مہم میں کہہ پڑا کہ کوئی امر دنیا میں محال نہیں ہے اس بے معنی لفظ کو لغت سے نکال دینا چاہیے۔ اس وقت کوئی حاضر جواب نہوا

دوزخ بونا پارٹ سے فوراً ہی قبول کرالیتا کہ دنیا میں خوش رہنا فز محال ہے کیونکہ
 بونا پارٹ جیسے باہمت اور مستقل مزاج شہنشاہ سے زیادہ تر شاید کوئی شخص
 تجربہ کار اس امر کا پیدانہ ہوگا کہ خوشی ایسی شے نہیں ہے جو اس عالم میں پائیدار
 خوشی ایک محال چیز ہے تو خلقت اسکی تمنی کیوں ہے؟ یہی راز الہی یا قدرت
 خدا ہے۔ خوشی کسی کو سیر نہیں آتی۔ لیکن ہر شخص اپنے سوا دوسرے کو خوش سمجھتا ہے
 اور کوشش کرتا ہے کہ دوسرے کی طرح وہ بھی خوش رہے یہ تمن کرتے دم تک
 ساتھ لجا نا ہے اور کبھی اُسے ایسا وقت نہیں ملتا کہ وہ خوش ہو اور سمجھے کہ اُسکے
 سوا دوسرے نا خوش ہیں۔ دنیا کی حالت تو یہ ہے کہ ایک نان شبینہ کو محتاج ہے
 اور دوسرا متمول تو ہے لیکن اولاد نہ ہونے کے غم میں مہرجا نا ہے یہ غم ہے
 کہ متمول کو سب سے زیادہ خوش نصیب جانا ہے اور متمول اُس غم میں صاحب
 اولاد کو خوش قسمت سمجھتا ہے۔ اسی طرح ایک تو اسیلے نا خوش ہے کہ حکومت کی
 تنہا اسکا سارا کھیل لگا ڈھری ہے اور دوسرا ہے کہ بار حکومت سر پر پڑنے سے
 رات دن بچپن رہتا ہے۔ کسی کو بے زری تباہ کرتی ہے اور کسی کو زری ظف
 رات بھر لپ سے ہلک نہیں لگانے دیتی۔ ایک نے پیٹ کے خالی رہنے سے
 رات بھر آخر شماری کی ہے اور دوسرا سو بھنی کے درد سے رات بھر گھٹنے لگتا
 رہا۔ کسی کے گھر شادی کی دعوم ہے رات بھر اہل خاندان کو سونا نصیب نہیں ہوتا
 اور کہیں مالک خانہ کے تابوت پھر والون نے ماتم کر کے صبح کی ہے۔ لیکن شادی
 کے بعد تمام گھر والے ترددات کی بیچنی سے خرمزدہ اور بے لطف ہو رہے ہیں اور مقابلہ
 انکے ماتم کرنے والون کا اگلا دن فرحت و انبساط کا رنگ جھاڑ ہے۔ رو لینے سے

دنیا بچاؤ رہنمائی
 معلوم
 صاف
 ہے
 غم اور
 ہو سکتا
 رہتا
 شکل
 پتہ
 سے
 حلقہ
 لیکن
 ایک
 رات
 کا
 ہاتھ
 لیکن
 ہے
 سوا

طبیعت ہلکی ہے۔ متعلقین نے سمجھ لیا ہے کہ مرنے والے کے ساتھ ہمارے تمام
عیش و آرام بھی مر گئے۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب کیا رہا جیسا روئین۔

مشکلین اتنی بڑی ہیں کہ ہر اک آسان لگتیں

کسی کا قول ہے اور کیا اچھا قول ہے کہ "فرط غم کا نام ہے انبساط۔ اور
فرط انبساط کا نام ہے غم"

کسی کے ٹخنہ میں زبان ہے کہ خدا کی بے عیب ذات کو عیب لگا سکے؟
ہرگز نہیں۔ لیکن پھر بھی سیکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں کروڑوں ایسے بے سوجھ بے
بھی ہیں جو اللہ میں عدیل ہونے کی صفت کو تسلیم نہیں کرتے۔ اندھے کہتے
ہیں۔ "خدا یا ہم نے ایسا کیا تصور کیا تھا کہ انھیں (جو فطرتاً تمام بنی نوع انسان کو
دی گئی ہیں) ہم کو نہیں دی گئیں"۔ "ہم سچے کہتے ہیں"۔ ہمارا کیا تصور تھا کہ باب کا
سایہ ہمارے سر سے اٹھا لیا گیا؟ کتنے شبیر خوار سچے اپنی مایوں کے مرنے پر زبان
حال سے کہتے ہیں۔ "رب کریم ماؤن کا دودھ جو تو نے حیوانوں تک کے لیے
حلال کر رکھا ہے ہمارے لیے وہ کس جرم میں حرام کیا گیا؟" کوڑھی کہتے ہیں۔
"جب ہم دنیا کے کسی کام کے نہیں مڑے گلے پھل کی طرح درخت دنیا کی
شاخ میں لٹک رہے ہیں تو پھر باغ عالم میں ہمارے لانے یا قاتم رکھنے پر تیری
قدرت میں کیا بڑھ لگا جاتا تھا؟" اسی طرح لنگڑے لوے گونگے بہرے اپنے
اپنے طور پر سب ہی شاکی ہیں۔ راجہ اپنی لالہ دمی کے غم میں الگ اللہ کی بے
انصافیوں سے رو رو کر کہہ رہا ہے۔ "خدا یا تو نے دولت۔ مال۔ بجاہ و چشم زیب
لوگوں کے دکھانے کو دیے ہیں۔ اختیارات جو ہر کو دیے وہ اپنی رعایا کی اہمیت

کے لیے۔ دولت اسیلے دی کہ غزبائے شکستہ حال کی خبر گیری کی جائے فوج اسلئے
کہ غنیم کی لوٹ مار سے ملک بربادی سے بچا یا جائے۔ لیکن وہ شے جس سے ہر
دل کو راحت پہونچے آنکھیں ٹھنڈی ہوں تو نے عطائے کی۔ بیوہ رانی محل کے اندر
بیٹھی گھسیار لون کو دکھتی ہے کہ وہ اپنے شوہر دن کے ساتھ گھاس کا گٹھا سر پر رکھے
ہوئے چل کرتی ہوئی چلی جاتی ہیں دل میں کہتی ہے ”خدا یا ان گھسیار بیون کی
سی قسمت بھی تو نے میسے لیے مقرر نہ کی تو میں کیا سمجھوں گی کہ میں بھی کسی قادر مطلق
کی بندہ تھی۔“

عمر ساری تو مصیبت ہی میں گزری لب ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے
خدا نے راج دیا حکومت دی۔ رط کے بالے عزیز لگانے سب موجود اور خوش خرم رعایا
بھی فارغ البال غنیم کا بھی کچھ ڈر نہیں ملک میں پورا امن دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ راجہ
سے زیادہ خدا نے کسی کو خوش قسمت نہیں پیدا کیا اور راجہ ہے کہ دو دن سے
اسکے دانتوں میں درد ہے یا آنکھ میں ٹیس ہے مہم گھٹے ہو گئے کہ پلک سے
پلک نہیں لگی درد اس شدت کا ہو کہ وہ برداشت نہیں کر سکتا۔ خود کشی کے لیے کئی
مرتبہ اسنے نیچہ بنام سے باہر نکالا اور پھر کچھ سمجھ کر رہ گیا۔

جن وقت عبد الملک بن مردان کو جو اپنے وقت میں دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ
تھا مرض موت کی تکلیف نے زیادہ بقیہ رکھا اسکی نظر ایک دھوبی پر پڑی جو محل شاہی
کے نیچے دھوب میں کھڑا کپڑے دھو رہا تھا بادشاہ کے منہ سے بے اختیار یہ کلمہ
نکلا۔ ”اللہ نے اس وقت مجھ سے کہیں زیادہ آرام اس دھوبی کو دے رکھا ہے
اسلئے مجھ کو اس دھوبی کے عیش پر شریک آتا ہے۔“

دنیا میں کوئی غذا نہ ملنے سے مر رہا ہے۔ اور کوئی اس لیے مر رہا ہے کہ مفروت سے زیادہ کھانا کھا جانے سے تھمہ ہو گیا ہے۔ پہلا تو رزاق مطلق کا اس لیے شاکہ ہے کہ اسے غذا نہیں ملی اور دوسرا اس لیے کہ کیون ملی۔ کوئی برسوں دیہات میں جو کہ روٹی اور شرکیہ دال کھاتے کھاتے اکتا گیا ہے شہر میں حلوائی کی دکان پر کھڑا اپنی بے زری سے تالان ٹھائیوں کی خوشبو سے دماغ تازہ کر رہا ہے اور دوسرا صفراوی تپ میں مبتلا بستر پر پڑا کر رہا ہے طبیب کی صلاح سے گھر والوں نے کیونڑے سے بستی ہوئی کھیر کی پیالی اسکے سامنے پیش کی ہے۔ مریض ہے کہ اسکو دہر کی پیالی سے بھی زیادہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ مفلس بیاتی اس صفراوی کی حالت پر رشک کرتا ہے اور یہ صفراوی ہے کہ اس سو بیاتی کی صحت کو یاد کر کے راتوں کو خدا کی برحمیوں کے خدیبے زبان پر لاتا ہے۔ تکلیف مرض سے نیند تو نہیں آتی۔ رات بھر کرا مٹا یا خدا کا شکوہ کرنا یہ دو مشغلے ہمدرد اور ہمدرد ہیں۔ ستر برس کے بڑے میان کروڑوں روپیہ کی دولت گھر میں رکھ کر اس حسرت کے ساتھ اپنی جوانی یاد کرتے ہیں کہ اگر کوئی انکی ساری دولت لیکر اپنی جوانی انکے بٹھا پے سے بدلنا چاہے تو وہ اپنی عین مراد سمجھیں گے۔ اور ایک وہ مفلس نوجوان ہے جسکو فاقہ کشی نے اس طرح جوانی سے بیزار کر دیا ہے کہ وہ چار روپیہ پر اسے بیچنے کو پھا رہے اور فوج میں بھرتی ہو کر مر کھپ جانے کے لیے کیا کچھ بھی اور کوشش نہیں کرتا۔ دو نوجوان عورتوں میں سے ایک نوجوان مفلس اور دوسری پیر دولت مند کے ساتھ بیاہی گئی۔ اب اللہ کے انتظام پر دونوں کو اعتراف ہے پہلی کو مفلسی ستا رہی ہے اور دوسری کو غیر موانست۔ تیسری نے اگر دونوں باتیں یا بین قیاب اسکو فکر ہے کہ

طرز کے بھی بیاہ عید ہی پیدا ہو جائیں اور مہون بھی تو زندگی کا بیمہ خدا کے یہاں سے کرائے آئیں۔ شوہر بھی تا عیدار رہے اور بی بی کی زندگی تک جیسا بھی رہے اور اگر ان باتوں میں کہیں ایک بات بھی کھنڈت ہوئی تو بس پہاڑ سا الزام خدا پر دھر دیا گیا۔ یہ تو کیفیت انکے دلوں کی ہے جو انتظام عالم اور خدا کی قدرت پر بالافراڈ نظر دیتے ہیں اور جو اہل دانش ہیں وہ ان سب باتوں پر اکٹھا نظر ڈال کر یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ دنیا میں نہ کوئی خوش ہے اور نہ کوئی ناخوش ہے۔ کوئی کسی اعتبار سے خوش ہے اور کوئی کسی اعتبار سے خوش ہے۔ خوشی اور رنج کی حالتیں بائیدار نہیں ہو ہیں اگر سامان عیش باعث حزن علی الاصل قائم رہے تو اس کا وجود دیکھنے والوں کی نظر میں رہ جاتا ہے اس پر کچھ اثر باقی نہیں رہتا جسکو لوگ دائم السرد یا دائم الحزن سمجھتے ہیں۔

اللہ نے دنیا کی ساری نعمتیں ایک شخص کو عطا نہیں کیں کسی کو کچھ دیا اور کسی کو کچھ دیا۔ یہ تصور بندوں کا ہے کہ جو نعمت انکو ملی اُسے حقیر سمجھیں اور جو دوسرے کو ملی اُسے اچھی سمجھیں۔ خدا کی حکمتوں کو جو اس طرح سمجھے اور خدا کے وجود کو جو اس طرح مانے اُسی کو مذہبی اصطلاح میں موحّد اور خدا پرست کہتے ہیں۔ اور محققوں کا قول ہے کہ جو جناب ہی ثرا حکیم ہوگا اُتنا ہی بڑا موحّد بھی ہوگا اور جو موحّد ہوگا اُسے دل سے یقین ہوگا کہ خدا کے عدل اور انصاف میں ذرا تاثر کرنا عقلاً نا درست ہے اور اگر ہم سے پوچھیے تو یہ خیالات جنکے دل میں پورے طور پر حکم نہیں ہیں انکو کسی طرح سچی خوشی حاصل نہیں ہو سکتی

سچا ہر سچ

کہ فرشتے
یہ شاکہ
یات میں
ان پر کھڑا
اور دوسرا
ون نے
ریض ہے کہ
ہیاتی اس
صحت کو یاد
مرض سے
رو ہیں -
حسرت کے
بڑھاپے
وان ہے
سے پیچھے کو
ش نہیں کرتا
تند کے
فلسفی ستاری
مکو فکر ہے کہ

فصل چہارم و نہم

لیت انشاب یعود

دہلیز سے نیچے دیوار سے لگی ہوئی ایک بڑھیا بیٹھی ہے کوئی شراستی برس لاس
ہوگا۔ بدن پر بھربان پڑی ہیں۔ گردن ہلتی ہے۔ مزار کے لیے زمین کی جستجو میں مبتلا
بھی خم ہے۔ کثیف کپڑے بدن پر ہیں۔ ہاتھ پاؤں سیلے ہیں۔ منہ پر کھٹیاں بھنک رہی
ہیں۔ شاید آنکھوں کی بصارت میں بھی فرق آگیا ہے۔ ورنہ کچھ تو اسے اپنے جسم
کی صفائی کا خیال رہتا۔

پیری و صد عیب ہمیں گفت۔ اند

شاید کوئی والی دوارت نہیں ہے اسلئے بھیک کے ٹکڑوں پر مدارزیت ہے۔
مدارزیت کیا ہے زندگی کے دن پورے کر رہی ہے۔

یہاں کبریاں بیٹھی ہے ؟ وجہ کھلی ہوئی ہے۔ خود کا سکتی نہیں دوسروں کی
کمائی میں حصہ پانے کا آسرا۔ کسی گوشہ یا دیرانے میں جا بیٹھے تو کون بوجھتا ہے۔
ایسے لوگ بہت کم ہیں جو ایسے ذی الحقوق کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر دیتے پھرین۔
گورگاہ پر بیٹھی ہے تاکہ لوگوں کی نظریں چڑھیں۔ ہزار میں کہیں ایک نے بھی خیال کیا
تو اس کا کام نکلا گیا۔

کچھ کہتی بھی ہے ؟ کہتی ہی ہے کہ جن لوگوں کو خدا نے کان۔ آنکھ۔ ہاتھ۔
پاؤں۔ دانش۔ فراست۔ قوت بازو عطا کیے ہیں ان پر فرض ہے کہ ہم ایسے بااچن
کی خبر گیری کریں۔ نہیں نہیں کچھ اور بھی کہتی ہے۔ کہنے کو تو ایک نہایت عمدہ قصہ کہہ
رہی ہے۔ لیکن فوجواؤ! ہم میں اس کے سننے اور سمجھنے کی طاقت نہیں۔ ہاں۔

موتو اقبل ان متوتوا۔ پر عمل کرو تو سمجھ سکو یا اس عمر کو پہنچ کر تم خود قصہ سنانے کے قابل ہو تو شاید تمہاری سمجھ میں آئے۔ قصہ نہایت دلچسپ ہے۔ زبان مقال سے وہ کہنے پر آئے اور تم سننے بیٹھو تو مہینوں ختم نہ ہو۔ لیکن زبان حال سے جو تقریر مختصر و سنار ہی ہے اُسکا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی لڑکایا لڑکی کہیں پیدا ہو کیسے ہی غریب یا مفاس کا گھر کیوں نہ ہو اسکی پیدائش سے اپنے بگائے سارے محلہ والوں کو خوشی ہوتی ہے ہر ایک دوڑا ہوا چلا آتا ہے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے۔ حسن پر وضع پر رنگ پر بتنا سب اعضا پر رائیں دیتا ہے۔ جنکو لڑکوں سے شوق یا اپنے لڑکوں کا داغ ہے وہ تو چٹے جاتے ہیں۔ کوئی گود میں اٹھا رہا ہو کوئی چمکاتا ہے۔ ایک ہے کہ بلا ٹپتا ہے۔ دوسرا ہے کہ چٹا جاتا ہے۔ کبھی کبھی کم سن ہسلیوں میں اس لڑکی کے کھلانے کو دانے پر تکرار ہو پڑی۔ اللہ اللہ اس درجہ کا خلاص اور اس حد کا پیار۔ وجہ کیا۔ فطرت کا تقاضا نیچر کا زور۔ اگر بچوں کی طرف اللہ اس طرح مائل اور دینزداد سے بنی نوع انسان کو مائل اور گرویدہ نہ بنائے تو پرورش کیسے ہو بچوں کی بھولی بھالی صورتیں ہیں کہ لون کو مقرر رکھتی ہیں۔ جنکو اللہ نے عقل رسا یا چشم بینا عطا کی ہے وہ دوسرے ہی خیال سے دیکھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اصل گھر اور اصلی وطن سے یہ فوہ دار مسافر آیا ہے۔ ہماری ولایت سے تازہ وارد ہے۔ دنیا کی ہوا اسکو نہیں لگی۔ دیکھیے وہ ان کے خیالات اس کے ساتھ کیا کیا ہیں۔ یہ سننا ہے تو کیوں؟ اور روتا ہے تو کیا سوچ کر؟ غرض اس بوجہ پارساں اول برہن گزرا ہو گا۔ اچھے اچھے سینوں اور بڑے بڑے متکبر مالداروں کی گود میں اسے پرورش پائی ہوگی اور ذرا رونے یا اسکے منہ بنانے

برس کا سن
جس جو میں شبت
تجربہ ہی
اپنے جسم

سیت ہے

دوسروں کی

پتا ہے۔

بہترین۔

بھی خیال کیا

آنکھ۔ ہاتھ۔

ایسے ابا بچوں

عمدہ قصہ کہہ

ہاں۔

سے کنون کی جان پر آتی ہوگی۔ اب دوسرے سال کا واقعہ منسلے۔ کچھ کچھ بادون
 مین چلنے کی قوت آئی۔ بات بھی الٹی سیدھی منہ سے نکلنے لگی۔ اب ہر ایک چاہتا تھا
 کہ میری ہی دی ہوئی کوئی شے کھائے۔ مینا کی طرح اپنی بولی سنا کر مجھے شاد کرے۔
 ایک ایک بولی کے لیے سو سو خوشامدین۔ اور ذرا سے تبسم کے لیے لاکھ لاکھ آرزوئیں
 اب روز بروز مین بڑھنے لگانے نئے تعلقات لوگوں سے پیدا ہوئے کوئی تو
 اس لیے خاطر کرتا ہے کہ میرا کچھ کام کر دے گی۔ اور کوئی اس لیے کہ بڑی ہو کر میرے کام
 آئے گی۔ ہوش سنبھالنے پر دنیا پیچھے پڑی اس لیے دنیا دی تعلق کے پر ایہ مین لوگوں
 کی چاہتیں بھی شروع ہوئیں۔ ابھی یہ باتیں ختم نہ ہوئی تھیں کہ پندرہواں برس شروع ہوا۔
 اسکا شروع ہونا تھا کہ ایک دم سے چاند ابر سے نکل آیا تمام جہان مین روشنی پھیل گئی۔ یا
 یوں سمجھو کہ شباب نے تمام دنیا کے نوجوانوں کے دلوں پر اپنا سکہ جمایا یہ وہ زمانہ
 ہے کہ کیسی ہی بد صورت عورت ہو لیکن وہ بھی حسین سے حسین نوجوان پر اور متکبر سے
 متکبر مرد پر فطرتی طور پر ایسا پڑاؤ ڈال دیتی ہے کہ اسکی نظیر نہیں مل سکتی۔ سچ ہے یہ پڑاؤ اثر
 زردنچر سے نہ عطا کیا جاتا تو یہ عورتیں بیچاری بیچری خدمت تو والد و خاسل کا اتنا اہم
 کام روزانہ سے کیونکر انجام دیتی چلی آتیں۔ غرض کہ اب وہ زمانہ ہے کہ ایک غریب
 کم حیثیت کی بھی لڑکی اچھے اچھے سلاطین پر ایسی حکومت کر سکتی ہے جو کسی بادشاہ کو
 کسی رعایا پر یا کسی زبردست کو کسی کم زور پر جتنی کہ شیر کو بکری پر بھی نصیب نہیں۔ یہ بڑھیا
 کہہ رہی ہے کہ یہ سارے زمانے مین دیکھ چکی ہوں شباب کی عنان حکومت بھی ایک
 روز میرے ہاتھ مین تھی اور ایسی تھی کہ شاید دیا دید۔ مینوں زمانے مین۔ بے طے کیے
 ہیں۔ لڑکیں مین تمام دلون پر ہماری حکومت تھی اسکے بوجہ کہتے خود غرض انسانوں پر

ہمارا دبا کو تھا۔ حالت شباب میں نوجوانوں کے دلوں پر ہماری عام حکومت تھی۔ اسکے بعد چوتھے پن میں ہمارے بچوں کو دودھ پینے کے لیے ہماری خواہش تھی۔ شوہر کو اولاد کی برورش کے لیے ہماری ضرورت تھی۔ محلہ کے چھوٹے چھوٹے بچے دنیا میں زندگی بسر کرنے کے طریقے ہم سے پوچھتے آتے تھے اور اس طرح گویا عام طور پر ہم جو تھے پن میں بھی ہر دل عزیز سمجھے جاتے تھے اب یہ پانچواں پن ایسا ہے کہ ہم دنیا جہان حتیٰ کہ زمین کو بھی بھاری ہین اور ہکوسارے جہان حتیٰ کہ زمین سے بھی نفرت ہے انٹی نوٹے برس کا سن ہے۔ دنیا کے تمام تعلقات ٹوٹ گئے۔ اتفاقات سے وہ لوگ بھی زندہ نہ رہے جو محبت سے نہیں تو قرض ہی ادا کرنے کے طور پر کہ ہم سے خدمت لی تھی ہماری خدمت کرتے۔ یا خدا کے خوف سے ہماری خبر گیری کو فرض کفایہ نہیں بلکہ فرض عین سمجھتے۔ اب تو یوں سمجھ کر خدمت میں بھول آیا پھل لگا۔ پھل بڑھا بڑھ کر کچا۔ پاک کر شاخ ہی میں سڑ گیا اور لٹاک رہا ہے انسان یا جانور اسے کوئی بھی نہیں پوچھتا ہے حتیٰ کہ مالک باغ (بچہ) بھی یہی کہتا ہے کہ کمین ٹوٹ کر گر پڑے کہ درخت صاف ہو۔

قصہ تو ختم ہو گیا لیکن قصہ کا نتیجہ سننا باقی ہے جو حکمت کا ایک بہت بڑا سبق ہے۔ دنیا میں موت سے زیادہ کوئی شے یقینی نہیں ہے۔ لیکن علیٰ طور پر سب سے زیادہ شک اس کی صحت میں مانا جاتا ہے۔ موت کے آنے میں عظیم نہیں لیکن مرنے کا نام سنکر کوئی ایسا نہیں جو ناخوش نہ ہوتا ہو۔ اور جو اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے اسے سمجھو کہ اس خصوص میں سب سے اچھا ہے۔ دنیا کی تمام چیزیں میں اچھے اور بُرے دونوں اعتبارات ہوتے ہیں۔ اس میڈیا میں سب بُرائی سہی

لیکن مرنے میں وہ تم سب سے زیادہ جو ائمہ در ہے۔ اور اس لیے اس خصوص میں وہ تم سب سے اچھی ہے۔ اس پر بڑھیا کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے وقت اس کی اس خوبی پر غور کر لیا کرو تو بہت سے خطرون سے بچتے رہو گے۔

فصل شصتم

موت

انسان کو موت لازم ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ جو پیدا ہوا۔ اس کو ایک دن مرنے سے۔ بلکہ اس کا مشاہدہ بھی ہے کہ پیدا ہونے والے کے لیے مر جانا ایک عمدہ اور آخری چارہ کار ہے۔ کبر سنی کے لیے موت لازم نہ ہوتی تو درخون پر چڑھ چڑھ کر لوگ گرتے اور کنوؤں میں کود کود کر جان دیتے۔ در شاہو آج مورثوں کے مرنے پر آہ و فغان کرتے ہیں۔ موت نہ ہونے پر مورثوں کی طول حیات پر گریہ و ناری کرتے۔ ہم خود اپنی ناگوار نسبت سے بیزار ہو کر مرنے کے یوں تمنیٰ رہتے جیسے اب جینے کے۔ خدا کی جہاں سب حکمتیں ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے کہ اُسے پیدا ہونے کے ساتھ مرنے کو لازم قرار دیدیا۔ مرنے کا انتظام عالم کے بقا کے لیے ضروری ہے زندگی کو بھی اُس نے بالطف کر رکھا ہے۔

موت مرنے کا مزا کیا

ہمارے نزدیک تمام مذہبوں کے پیدا ہونے کا سبب یہی موت ہے۔ موت منقوتی تو اس کی فکر بھی نہ ہوتی۔ فکر موت محدود ہونے کے ساتھ ہی دغدغہ خستہ بھی جاتا رہتا۔ اور جب یہ نہیں تو مذہب کی پروا کس کو ہے۔ پروا ہونے ہی کیوں لگی جب دو ایک غیر ضروری چیز ٹھہری۔ اب حالت تو یہ ہے کہ موت ٹھہری لازمی اور موت کے

بعد کیا ہوگا اسکو کوئی بھی نہیں جانتا۔ یہ لاعلمی بس غضب کرتی ہے لشکر کے ساتھ
 ہی بس مسبب صورتیں سامنے آکھڑی ہوتی ہیں۔ الہام غیبی کے ذریعہ سے
 موت کے بعد کی زندگی جس علم کی موضوع ہو اسی کو علم دین یا علم مذہب
 کہتے ہیں۔ الہام غیبی تو ایک ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن زمانہ کی ضرورتوں کے
 لحاظ سے کبھی کبھی پورا نئے مذہب کی اصلاح کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اور
 ایسا بھی ہوتا ہے کہ خست باطن طبع دنیاوی یا اقتصادے جہالت کبھی ایجاد مذہب
 کا باعث ہو جاتا ہے۔ سچے مذہب بائزر مختلف طور سے مذہب باطلہ پیدا کرتے
 ہیں غرض کہ انھیں سب اسباب کے اکٹھا ہو جانے سے ہم دیکھتے ہیں کہ جتنے
 فرقے اتنے ہی مذاہب۔

اس وقت ہم کو مذہب کی تاریخ لکھنی نہیں ہے۔ حکومت یہ دکھانا ہے کہ
 دنیا میں کوئی فرد بشر ایسا نہیں ہے جو کوئی مذہب نہ رکھتا ہو۔ حق اور باطل ہے
 بحث نہیں۔ جھوٹ یا سچ ایک نہ ایک خیال موت و حیات کی نسبت ہر شخص
 رکھتا ہے اور یہی اسکا مذہب کہلاتا ہے۔ ممکن ہے کہ دنیا کی ضرورت بنکر ہی
 یا لٹ کہ حکومت مذہب کا خیال پاس نہ آنے دے۔ مذہبی باتیں ہنسی سمجھی
 جائیں۔ لیکن ترو و مصیبت۔ یا بیماری کے وقت کیسا ہی آزاد خیال آدمی ہو
 اسے مذہبی امور ضرور بدیہی معلوم ہوتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جو مرنے دم تک
 مذہب کو پاس آنے نہیں دیتے انکا مقولہ ہے کہ۔ چراغ گل ہوا تو اسکی لوکیا ہوئی
 پس یہی کیفیت روح انسانی کی ہے۔ حیات ایک کیفیت تھی جو مرنے کے
 ساتھ ہی زایل ہو گئی۔ حشر و عذاب و ثواب یہ دھکوسلے ہیں۔ لیکن ایسے

خیال کے آدمی بھی نزع روح کے وقت اپنے خیالات پر قائم نہیں رہتے۔ اور کہیں کر ڈرو کر زمین ایک آدھ ایسے نکل آئے کہ مر گئے مگر بات نہ بدلی تو انگا وجود انسان کا معدوم کے حکم میں ہے۔

موت انتظام عالم میں بہت کچھ دخل رکھتی ہے۔ مذہب گویا اسی سے نکلا ہے۔ بعض مذاہب میں موت کا خیال بہت بڑی عبادت ہے۔ ہمیں تو شک نہیں کہ دنیا میں جتنی بڑا بیان ہیں وہ موت کے خیال کو دل سے نکال ڈالنے پر پیدار ہوتی ہیں۔ دل میں موت کا تصور ہے تو انسان مصیبت کا کبھی مرتکب نہ ہو۔

دیکھو تو مہی ایک ٹھوڑی سی زندگی کے لیے انسان کیا کچھ نہیں کرتا۔ گھر بناتا ہے۔ زمین خریدتا ہے۔ کاروبار بڑھاتا ہے۔ تجارت بھیا تا ہے بڑے بڑے معاملات کرتا ہے۔ کسی کو ملک گیری کا شوق ہے۔ اور کسی کو قطاع الطریق کی چاٹ ہے۔ ایک چوری کرنے لگا ہے۔ اور ایک اسلئے بھیس بدل کر نکلا ہے کہ جو روک پڑ کر حسن کارگزاری دکھائے۔ غرض کہ مرنے دم تک انسان اپنی تدابیر سے نہیں چوکتا اچھی تدبیروں کا کیا کتنا بہانہ ذکر مجرب باتوں کا ہے۔ آدمی جانتا ہی نہیں کہ مرنا بھی ہے۔ کیسا غفلت کا پردہ ہے کہ موت کا وقت آگیا اور انسان ہے کہ زمین و آسمان کے قلابے بیٹھا مارا ہے۔ موت کھڑی ہنس رہی ہے کہ آج اسٹاکس کو دنیا میں اور رہنا ہے اور مرنے والا سمجھتا ہے کہ تمام دنیا کے لوگ مر لیں گے جب کہ میں میری باری آئے گی۔

موت سب سے زیادہ یقینی اور سب سے بڑھ کر بدیہی ہے۔ ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص موت سے انکار کرے۔ اپنے مرنے پر کوئی شخص ذرا بھی شک

میں کر سکتا۔ لیکن پھر بھی انسان جتنا موت سے غافل ہے دنیا کی کسی دوسری چیز سے نہیں۔ یہی نیچر کا اقتضا۔ قدرت کا زور کھاتا ہے۔ قدرت خدا انسان کے دل میں نزع روح تک موت کا پورا خیال آنے نہیں دیتی۔ کیونکہ اس لیے کہ نظام عالم موقوف ہے اسی امر پر کہ انسان اپنی موت یاد نہ کرے۔ موت کا جیسا خیال ہونا چاہیے اگر ویسا خیال آدمی کے ذہن میں رہے تو دنیا دیوتی کے اعتبار سے اشرف المخلوقات ہونے کی صفت انسان سے زایل ہو جائے۔

پرسے کام کے ساتھ دنیا کی بہت سی عمدہ باتیں بھی انسان سے چھوٹ جائیں۔ ہمت اور استقلال کی صفت تو بالکل جاتی رہے۔ ترقی موقوف ہی ہو جائے۔ اور حیوانوں کی طرح انسان کے مرنے پر بھی کوئی یادگار اس کی قائم نہ رہے کوئی علم ایجاد نہ ہو نہ کوئی کل بنائی جائے۔ دریا کا سفر بند ہو جائے۔ جہاز ریل تاکہ۔ یہ تمام چیزیں معدوم ہو جائیں۔ سلطنت۔ حکومت۔ یہ سب باتیں مٹ جائیں۔ زیادہ نڈر غذا کا درختوں کے پھل اور تپوں پر آ رہے۔ کپڑوں کا رواج بند ہو جائے۔ سردی میں آگ تاپنے کے سوا گرم کپڑے دیکھنے کو بھی نصیب نہ ہوں۔ یہ ایک فوری تسکین کی تمنا دلوں میں رہ جائے اور باقی تمام حوصلے اور ارادے پست ہو جائیں۔ کوئی کام کبھی اس خیال سے نہ کیا جائے کہ آئندہ زمانہ میں یا آئندہ نسل کے لیے اس سے فائدہ حاصل ہوگا۔

موت کا بالکل خیال نہ آنا ایک اعتبار سے تو قیام عالم کے لیے ضروری ہے۔ لیکن اس خیال سے کہ فسق و فجور اور پست فروع ہوتے ہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انسان کو ہر دم موت کا دھیان رکھنا چاہیے۔ مذاہب میں موت کا یاد کرنا ایک

ضروری کام سجا گیا ہے۔ بہوت کا ہر دم خیال رکھنا تو محال ہے۔ کیونکہ خود قدرت
ایسا نہیں چاہتی۔ لیکن مذاہب کھینچ کھانچ کر کچھ نہ کچھ موت کی طرف توجہ دلاتے
رہتے ہیں تا انسان دنیا کی بے ثبات خوبصورتی پر محو ہو کر بڑائیوں کا ارتکاب
نہ کرے۔ اور اسقدر خیال رکھنے کو قانون قدرت بھی بڑا نہیں سمجھتا بلکہ اچھا جانتا ہے
موت سے لوگ کیوں غافل ہیں جب وہ سب سے زیادہ یقینی ہر
اگر مفصلہ بالا تحریر نے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔ یاد دیا۔ لیکن اسقدر طولیت
کے ساتھ کہ ترتیب مقدمات کے بعد خلاصہ کلام تک ذہن آسانی سے نہیں
پہنچ سکتا تو مختصر یوں کہہ سکتے ہیں کہ جس نے جاندار دن کے لیے موت
بنائی اسی قادر برحق نے موت کے خیال کو بھی دلوں سے محو کر دیا۔ اور اگر توں
جواب میں کوئی سقم ہو تو جانے دیجیے۔ یوں سمجھئے کہ خود سوال میں جواب موجود
ہے۔ موت سب سے زیادہ یقینی ہے اور یہی وجہ ہے کہ لوگ اس سے
غافل ہیں۔ غافل نہ ہوتے تو فکر کرتے۔ اور فکر تو اس چیز کی گنجائی ہے۔ جس کا
مدارک اپنے اختیار میں ہو۔ مرنا ٹھہرنا لازمی اور یقینی تو پھر ترو دہی کیا ہے۔ موت
کو تو ایک نہ ایک دن آنا ہی ہے۔ پھر ابھی سے ہم قبل از وقت کیوں مرجائیں۔
خیر یہ تو عقلی تگے ہیں جنکی کوئی حد و انتہا نہیں۔ لیکن اس بارہ میں قول فیصل یہ ہے
کہ "مَوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا" مرنے کے پہلے مر جاؤ یعنی موت کے خیال سے
کسی دم غافل نہ ہو۔ شارح سمجھتا ہے کہ موت کے خیال میں اس طرح مستغرق
رہنا کہ دنیا کے کام بند ہو جائیں یہ تو محال عقلی ہے جب تک روح بدن میں
ہے ایسا ہو نہیں سکتا۔ لیکن اس تاکید ہی حکم کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جو دن میں تلو م تہ

موت کو یاد کرنا چاہے گا اُسے دو چار مرتبہ وہ ضرور ہی یاد پڑے گی اور دنیا کے
لذات سے بچنے کے لیے اتنا بہت ہے۔

فصل شصت و یکم

لذات دنیا

بے بھوک تمام دنیا کی نعمتیں کھائی جائیں تو کچھ مزہ نہیں۔ سوکھی روٹی شدت
اگر سبکی میں جو لذت پیدا کرتی ہے اسکا مزہ اُسے پوچھے جو دن کو چار دانے
تھنہ میں ڈال کر بجاتے ہیں اور شام کو موٹی موٹی روٹیاں انکاروں پر سینک کر
نمک یا کوئی ایسا ہی اچھا دن ہوا تو چٹنی یا آلو کے بھرتے سے کھانے بیٹھتے ہوتے
ان بے سرو سامانوں کو جو مزہ اس سا وہ کھانے میں ملتا ہے وہ مشاہیر
ایران کو اپنے خوانِ نعمت میں بھی نہ ملتا ہوگا۔ جب وہ بے بھوک اور دن کا ساتھ
دینے کو طوعاً و کرہاً پیٹ پکڑے ہوئے کھانے کی میز پر بیٹھتے ہوں گے۔ جو کسے ستو
مین نمک اور پانی ملا ہوا جس مسرت سے کسان اپنے انگوچھے کے کونے پر یا
چتون کے دوڑنے میں دیکھتے ہیں وہ مسرت اُن آنکھوں کو کبھی نصیب نہیں ہوتی
جو مزہ فراہم بریانی دیکھتے دیکھتے اگتا لگی ہیں۔

پانی کا مزہ اُسے نہ پوچھو جو سخا نہ میں بیٹھے ہیں۔ لیمو بند۔ سوڈا۔ گلاب۔ کیوڑا
شربت۔ درو۔ وغیرہ وغیرہ کی بوتلیں سامنے رکھی ہیں۔ ایک طرف برف کا کپڑا رکھا
ہے۔ ابھی ایک گلاس کی برف پگھلی نہیں اور خانا مان دوسرا گلاس طیار کر رہا ہے
بھلا ان بیگروں کو کیا پتہ لگے کہ پانی کا مزہ کیا ہے۔ اسکا مزہ اُن مزدوروں سے
پوچھو جو ہر دن گدا گرہلا کر دنِ منت کے لیے کنوئین کے قریب آکر لٹیا مایہ خربہ

ہین یا ان مسافروں سے پوچھو جو بیٹھ میا لکھ کی دھوپ میں کوسوں چل کر ایک
سایہ دار درخت کے نیچے کوئین کے قریب آکر دم لیتے ہین اور گر کی ایک ٹلی
تھیلی سے نکال کر منہ میں رکھی ہے اور پوسا کے قریب چلو لگا کر بیٹھ گئے ہین
اور زبان حال سے کہہ رہے ہین۔

بچھے اک جام سے کیا پیاس و پیرخان میری

صریحی کے دہن میں کلاٹ کر کھڑکھڑان میری

پانی خدا کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور زندگی بسر کرنے کے لیے
بہر ہوا کے اسی کا درجہ ہے لیکن اس نعمت کو وہ لوگ کبھی نعمت نہیں سمجھتے جیسا کہ
زندگی میں کبھی ایسا اتفاق نہیں پڑا کہ پینے کے لیے اُنکو پانی تلاش کرنے پر ملا ہو۔

پوشش کی دو صورتیں ہین ایک تو یہ کہ عریانی کی تکلیف قریب آنے یا نئے
اسمین امر کی حیثیت مفلسوں سے ضرور اچھی ہے۔ لیکن دوسرا پہلو یہ ہے کہ پوشش
سے راحت پہونچے جسم کو آرام ملے۔ اور برہنگی کی تکلیف رفع ہونے کے ساتھ جو

ایک خاص مزا آتا ہے اُسکا لطف حاصل ہو۔ یہ باتیں امر کو خواب میں بھی نصیب
نہیں۔ اس لطف کو اُن سے پوچھو جو مالگو پوس کے جاڑے میں نو بجے رات کو گھر سے

مکڑے مانگنے نکلے ہین۔ سردی سے ہاتھ پاؤں قابو میں نہیں ہین۔ دانت سے ذہن

بچ رہے ہین سوالوں کی طرح قدم میں لغزش ہے ہاتھ پاؤں اور گردن کو اس

طرح سٹائے ہوئے ہین جیسے لجاؤ (چھوٹی موٹی) کی پیٹوں پر کسی کا ہاتھ پڑ گیا ہو یا

کچھ سے نے آدمی کی صورت دیکھی ہو۔ پیٹ کبجٹ کا تقاضا نہ ہوتا تو یہ لاکھ برس

گھر سے باہر نہ نکلتے۔ اسی حالت میں کسی سخی دامانے مینی تال کاٹنا ہوا بارہ ہاتھ

کادبیز مکمل جسم پڑا ل دیا ۱۶۱۶- ایسا مزا آبا کہ سکندر کو خزانہ ہفت اقلیم کی گنجھون کے
شمار میں بھی یہ مزار آبا ہوگا۔ اب بتائیے جن مالداروں کی کونجھون کے پیٹے
دن چھپتے ہی بند ہو گئے۔ آتش خالوں میں آگ جلا دی گئی۔ فرش۔ گدا۔ بستر کی
چادر۔ بچھو نا۔ تکیہ۔ جدھر دیکھو ادھر شیشینہ ہی پیشینہ نظر آتا ہے۔ انکو کبھی خواب میں یقیناً
نہ آتا ہوگا کہ جاڑوں میں گرم کپڑوں کے پہننے کی لذت کی نوعیت کیا ہے اور نہ وہ بہ
سمجھ سکتے کہ جن غریبوں کو دو مکمل باٹنٹے میں انکو کیا مزار آتا ہے۔

ایک مسافر ریگستان میں پیادہ با سفر کر رہا ہے ہنڈلیاں سوج گئی ہیں۔
تلوؤں میں آبلے پڑ گئے ہیں۔ آبلوں کے ٹوٹنے سے جو زخم پیدا ہوا اُسین گرم
ریت نمک بوجاحت کا کام کر رہی ہے۔ پگڑی کا ٹکڑہ بھاڑ کر مسافر نے ہڈیوں میں
لپیٹ لیا ہے۔ یہ غیر معمولی ہنڈش اور بھی اُسکی رنارین وقت ہم پہنچاتی ہے
اور ادھر سر بند جو لگا ہوا تو تمازت آفتاب سے گود گھیلنے لگا۔ اسی حالت میں سامنے
سے ایک قافلہ نمودار ہوا اور کسی خدا ترس نے اپنے محل میں اس غریب الوطن کو بٹھا
لیا۔ اللہ نے سوشیدوں (گھوڑا اونٹ وغیرہ) کو انسان کا صلیح بنا کر کتنا بڑا انسان بناد
پر رکھا ہے۔ یاد دوسرے لفظوں میں سواریان بھی انسان کے لیے کیسی ضرورے دار
چیزیں بنائی گئی ہیں۔ اب اس مسئلہ کو یہ آوارہ وطن ابھی طرح سمجھے گا یا «لوگ سمجھ گئے
جبکہ تمام عمر دو قدم بھی پیدل چلتا نہیں پڑا اور ایسے وہ اپنی سوار یوں کو ایسی ہی معمولی
چیزیں سمجھتے ہیں جس طرح سے ہر جان دار اپنے اتحاد باؤن کو اپنا جزو دیدن اور ہر وقت
کا ساتھی جانتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی لذتیں امیر اور غریب دونوں پر یکساں تقسیم کی گئی ہیں۔

ہرگز نہ سمجھنا چاہیے کہ دنیا میں دو ملتے دن کو زیادہ عزامتا ہے اور مفلسوں کو کم آرام اور تکلیف یہ دونوں اعتباری اور خیالی چیزیں ہیں۔ اکثر غریبا کا یہ غلط خیال ہے کہ امیرون کے ساتھ فیضان الہی کچھ رعایت کرتا ہے۔ امیر اور غریب ہونا یہ ایک انتظام دنیا ہے اور یہ بھی ایک ضروریات انتظام سے ہے کہ ہر غریب کو امیر بننے کی خواہش رہے ورنہ فی الواقع سچی مسرت جو اصل نعمت ہے امیرون کو زیادہ دیکھائی ہے اور غریبوں کو کم ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے مذہبی لوگ اللہ کو عادل کہتے ہیں بلکہ ایک اعتبار سے امیرون کو تفکرات دنیا کی تکلیف غریبوں سے زیادہ دمی گئی ہے یعنی جس طرح سے غریبوں کو یہ فکر ہوتی ہے کہ ہم کسی طرح سے اپنی مالی حالت میں ترقی کرتے تھے ہی یا اس سے بھی زیادہ متولون کو اپنی حالت قابم رکھنے کی فکر ہوتی ہے سوری کا قول کتنا اچھا ہے۔

گدار اسیر شد و نان شام

چنان غرض خبیث کہ سلطان شام

فصل شصت و دوم

اچھا بُرا

دنیا کی تمام صفات اعتباری ہیں۔ ایک شے ایک اعتبار سے اچھی اور دوسرے اعتبار سے بُری ہے۔ یعنی بجز ذات باری کے اور کوئی شے یہ حق نہیں رکھتی کہ ہر اعتبار سے اچھی کہی جائے اس لیے کسی کی نسبت یہ کہنا کہ یہ اچھا ہے یا بُرا ہے نہایت مشکل ہے اور اس سے زیادہ مناسب لفظ استعمال کیجیے مسحت غلطی ہے۔ صوفیوں اور جوگیروں کا قول ہے کہ انسان کے لیے بجز خود اپنی ذات

میں ہم کیا کم نقائص پاتے ہیں کہ دوسروں کے نقائص کی پہچان ہو۔
لیکن دنیاوی اغراض کے لحاظ سے آخر کوئی توفیق "اچھے یا بُرے" کی
کھڑانا ہی پڑتی ہے۔ کسی نے لکھا ہے کہ اچھا وہ ہے جو اپنی ڈیوٹی کو اچھی طرح انجام
دیتا ہو۔ اب ڈیوٹی۔ اچھی طرح۔ انجام دیتا ہو۔ ان تینوں الفاظ کا پورے طور پر سمجھنا
اور بھی مشکل ہو گیا۔ اور گویا دقتیں سرچند ہو گئیں۔ جہاں ایک لفظ کا سمجھنا دشوار تھا
وہاں اگلے تین تین لفظ سمجھنے پڑے۔

انسان کے ساتھ بہت سی ڈیوٹیاں ہیں۔ کچھ تو باقیضات انسانیت کچھ
بلحاظ پیشہ کچھ بحیثیت حالت۔ یہ اکثر متناگیات ہے کہ ایک شخص باعتبار راجح ہونے کے
بڑا ہے اور باعتبار انسان ہونے کے اچھا ہے۔ لیکن یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گا کہ
ان حیثیتوں سے الگ ہو کر سچلایا کیا جائے تو جواب میں اچھا کہا جائیگا یا بُرا۔ یہ کہا
جاسکتا ہے کہ جن لوگوں میں زیادہ تر اچھے اعتبارات ہوں اُنکے بُرے اعتبارات
سے چشم پوشی کی جائے۔ اور اسی اعتبار سے نشہ خوار کی مروت۔ حلم۔ سخاوت
یہ صفتیں اُسکے عیب کی چھپانے والی سمجھی جاتی ہیں۔

سخاوت مس عیب را کیاست

اور اسی طرح جو اپنے اہم کام کو عمدہ طور پر انجام دیتا ہو اُسکا مالک کام باعتبار اہم
ہونے کے بہت سی صفتوں کے برابر سمجھا جاسکتا ہے اور لوگ اسکے دیگر عیب
سے چشم پوشی کرنے لگتے ہیں۔ جہاں گنہگار عالمگیر کو دیکھیے۔ قتل انسان اور باپ
کی نافرمانی پر گویا اخلاقی بُرائیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ تاریخ بتا رہی ہے کہ یہ دونوں
پادشاہ ان جرائم کے ضرور مرتکب تھے لیکن تاریخی صفحے ایسے تو معلوم ہو کہ یہ دونوں

بادشاہ اچھے سمجھے جاتے ہیں۔ جہانگیر کو تو عام باشندگان ہند اور عالمگیر کو عام مسلمان ہند اچھا جانتے تھے اور سمجھتے ہیں۔

باپ سے بغاوت اور ابو الفضل کے قتل ناحق کا وہبہ جہانگیر کے دامن نیکنامی سے کسی طرح ہٹ نہیں سکتا۔ عالمگیر کے شرعی لباس سے جہانیوں کے خون ناحق کا داغ نہ دور کیا جاسکتا ہے اور نہ جب تک اسکے باپ کے مفید ہونے کا خیال دل میں ہے غصب سلطنت کا الزام اس پر سے ہٹایا جاسکتا ہے لیکن ان تمام بُرائیوں کے ساتھ کیا وجہ ہے کہ لوگ اسکو اچھا سمجھتے ہیں؟ بس اسی لیے کہ دونوں بادشاہوں نے سخت پرہیزگار عادل ہونے کی ایسی کچھ صفت دکھائی کہ ہمیں بادشاہ باوجود تمام نیک نامی اور اخلاقی صفات کے انکا مقابلہ نہ کر سکے اور اس لباس صفت میں غالب رہنے کی وجہ سے وہ (عالمگیر اور جہانگیر) تمام صفات میں اچھے رہے اور عام طور پر اچھے سمجھے اور اچھے کہے گئے۔

اسی طرح ججون کو خیال کیجیے جو شخص حقوق کے تصفیہ کرنے کا کام اپنے سر لیتا ہے اسکے تمام صفات سے الگ ہو کر لوگ صرف یہ دیکھنے لگتے ہیں کہ اس حجتی (تصفیہ حقوق) کی ڈیوٹی کو یہ کس طرح انجام دیتا ہے اور اسکے اچھے بُرے مشہور ہونے کے لیے بس یہی ایک معیار ٹھہر جاتا ہے۔ اسکی وجہ کیا ہے۔ بس یہ کہ تصفیہ حقوق کی ڈیوٹی اسکے تمام کاموں میں اہم ہے۔ اور اس لیے لوگ اس کے دوسرے افعال کی طرف نظر نہیں ڈالتے۔

لیکن یہ کلیتہً بھی بعض مقامات پر غلط ثابت ہوتا ہے۔ کتنے بادشاہ ایسے گزرے ہیں بہتیرے قاضی ایسے ہو گئے ہیں جو باوجود اعلیٰ درجہ کے عدل اور

منصف مزاجی کے نیکنام ہوسکے اپنے غرور۔ نخوت۔ سخت زبانی۔ سخت دلی۔ تیز مزاجی سے وہ ہمیشہ بڑے سمجھے گئے اور انکے عادل و منصف مزاج ہونے کی صفت ان سخت برائیوں کے مقابلہ میں غالب نہ آسکی۔

مسلمانوں کے پیغمبر کا ایک مقولہ ہے جسکا ترجمہ ہم یوں کر سکتے ہیں کہ ”تم میں اچھا دہی ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہے اور بڑا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ بُرا ہو“ یہ مقولہ بہت صحیح ہے۔ انسان کی اچھائی بُرائی جانچنے کا اچھا موقع یہی ہے کہ اسکی ابتداء زندگی اور طرز تمدن کو سمیٹا کر دیکھیں یا یوں سمجھیں کہ جو اپنے یگانوں کے ساتھ اچھا نہ رہ سکا وہ دوسروں کے ساتھ کیا اچھا ہو سکے گا۔ کہیں یہ مطلب نہ سمجھے گا کہ جو غیروں کے گھر نقب دیکر اپنے یگانوں کی پرورش کرے وہ بھی اچھا ہے۔

مفصلہ بالا تحریر کو اُس پوری تقریر سے کوئی نسبت نہیں جو اس خصوص میں کی جاسکتی ہے لیکن ناظرین کو اس مختصر تحریر دیکھنے کے بعد بھی کسی کو اچھا بُرا ٹھہرانے میں بہت تاثر ہوگا اور مصنفین کے قول پر لامحالہ انکو عمل کرنا پڑے گا کہ ”ہم میں کیا کم عیوب ہیں کہ دوسرے کے عیوب کو ہم دیکھتے پھرتے“

حکما کے اکثر مقولے یا شاعروں کے بعض کلام بڑے بڑے مباحث کے طے کر دینے میں کچھ ایسا اثر رکھتے ہیں کہ سنکر حیرت ہوتی ہے اور یہ اسے قیام ہوتی ہے کہ خاص فیضان الہی کا یہ نتیجہ ہے کہ ایسا قول فیصل انسان کی زبان سے نکلا۔ اس خصوص میں جو اسے مسلمانوں کے پیغمبر نے ایک دوسرے مقام پر ظاہر کی ہے اُسے ابراہیم ذوق نے اپنے طور پر شاعرانہ مذاق میں

مستادم
مسلمان
اس
یوں کے
نہیں
لیکن
اسی لیے
کی کہ ہم
سب
ن اچھے
پہن
منجمی
مے مشور
س یہ کہ
س کے
ایسے
مدل اور

یوں نظم کیا ہے۔

جسے ہر اکے عالم اُسے بُرا کہتے
زبان خلق کو لغارِ خدا کہیے
فصل شصت و سوم
حرص

انسان بھی کیا حرص ہے۔ خدا نے اپنے فیض میں کسی بندے کے ساتھ کمی نہیں کی۔ لیکن عجب معاملہ ہے کہ بہت کم ایسے ہیں جو اس کے شکر گزار ہیں۔ ”ان قلیلاً من عبادی الشکور“ غضب تو یہ ہے کہ بہتیرے شکر کرنے والے ایسے ہیں جو دل سے شکر نہیں کرتے مرن زبانی سے الحمد للہ علی نعمائہ کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ رکن مذہب ادا کرنے کے لیے دل سے نہیں تو مٹھ سے کہنا لازم ہے۔

سمجھ داروں کے نزدیک خدا انصاف ہے اور نصف کا یہ کام نہیں ہے کہ اپنے مخلوق میں سے کسی کے ساتھ کم احسان کرے اور کسی کے ساتھ زیادہ۔ خدا اپنے تمام بندوں کو یکساں سمجھتا ہے یہ ہماری غلطی ہے کہ ہم سمجھنے میں قصور کرتے ہیں۔ زندگی کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز ہوا ہے۔ پھپھو بے کے فعل ہی صحیح رکھنے کے لیے نہیں بلکہ ترکیب جسم کو اپنی اصل حالت پر قائم رکھنے کے لیے بھی۔ دیکھو خدا نے ہوا اس کثرت سے پیدا کر رکھی ہے کہ شاید ہی اسکی مخلوق میں کوئی شے اتنی زیادہ ہو۔ کبھی کسی کو ہوا کی شکایت نہیں ہوتی بعض حکما کے نزدیک تو خلا محال ہے۔ جہاں کچھ نہیں وہاں

ہوا ضرور ہے۔

ہوا کے بعد پانی کا درجہ ہے ایسا نہیں ہے کہ ہوا کی طرح دھن پا بج
سنٹ تک پانی نہ ملے تو آدمی ہلاک ہو جائے۔ لیکن پھر بھی یہ ضرور ہے کہ بعد
ہوا کے اور تمام چیز دن سے زیادہ انسان کو پانی کی ضرورت ہے۔ اللہ نے
پانی کے لیے مختلف ذریعے پیدا کر رکھے ہیں کمی بیشی اچھے بُرے کی بحث
نہیں۔ نفس پانی کو دیکھے تو دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جسکو پانی بہم پہنچانے
میں دقت ہوتی ہو۔ ہر جگہ یہ موجود ہے اور فطرتی فیض باری میں اسکا شمار ہوتا ہو
ہوا اور پانی کے بعد غذا کا درجہ ہے۔ جس طرح ضروریات انسانی میں ہوا
تیسرا درجہ ہے اسی طرح اسکے بہم پہنچانے کے وسائل میں بھی کسی قدر دشواری
رکھی گئی ہے۔ لیکن پھر بھی خدا کا انتظام قابل ستائش ہے کہ ایک طرف رزق کے
وسائل تمام دنیا دی امور سے شکل رکھے گئے ہیں اور دوسری طرف یہ خوشخبری
سنائی جاتی ہے کہ ”رزقکم فی السماء“ شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو ہر کون سے
ہر شخص کو کسی نہ کسی حیلہ سے رزق پہنچ جاتا ہے۔ اور اس امر میں بھی گویا تمام
بنی نوع انسانی کا ایک ہی درجہ ہے۔ جابلوں کو یہ شکایت ہے کہ خدا بعض
بندوں کو اچھا کھلاتا ہے اور بعضوں کو بُرا۔ لیکن واہری حکمت خداوندی۔
غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ غذا کا اچھا برا ہونا ہمارا دہمہ ہے تمام
غذا میں لذت میں مسادی ہیں۔ غذاؤں میں فرق ہے ہی نہیں۔ مزہ دار اور بد مزہ
ہونے کا معیار بھوک پر کھا گیا ہے۔ کھانے کی اصلی لذت ہے بھوک۔ اور وہ
ہر شخص میں اگر کوئی جسمانی عارضہ لاحق نہ ہو سادی پیدا کی گئی ہے۔ بھوک کی حالت

کے
برانہیں
لے
کہتے
نہیں
ہیں
تھوڑا
نہیں
ہے
اصلی
رکھی
شکایت
دان

مین فقیر کی نان جوین کا خروہ اس غوان نعمت سے جو بادشاہ کے آگے رکھا جاتا ہے کمین بڑھا ہوا ہوتا ہے۔

دھات مین لوہا سب سے زیادہ کار آمد چیز ہے اور اسلئے خدانے اسے سب سے زیادہ ارزان کر رکھا ہے سونے چاندی کا وجود دنیا مین کم ہے بازار مین انکا نرخ بھی تیز ہے۔ لیکن یہ ہماری غلطی ہے کہ بے سود چیز کو بے وجہ قابل قدر ٹھہرائیں اور توانگر دنگے زر و سیم پر بال ٹپکائیں۔ کچھ دلوں سے سونے چاندی کے ورق مقویات مین استعمال کیے جاتے ہیں اور تھوڑے عرصہ سے نمود خان کی بدولت سونے کا کشتہ بھی کھایا جاتا ہے ورنہ اسکے پہلے یہ چیزیں دھوکا ہی دھوکا تھیں نہ کسی صرف کی تھیں اور نہ کسی طرح انسان کی فطرتی ضروریات کو رفع کر سکتی تھیں۔

اور بھیے زلیست انسانی کے مضر سمجھ کر خدانے ہیرے کو پہاڑوں کے نیچے چھپا دیا تھا تاکہ لوگوں کا دست رس نہ ہو۔ گندم بہشت کی طرح بندوں نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اتنا چھپایا ہے تو اس مین کوئی لذت ضرور ہوگی۔ کمبخت یہ نہ سمجھے کہ اس مین کچھ لذت ہوتی تو خالق مطلق چھپا تا ہی کیوں۔ بہ ہزار وقت جب یہ بکھوڑ کا لالگیا تو مضر زلیست ثابت ہوا۔ کمین اسکے ذرے پیٹ مین پہنچ جائیں تو زندگی کے لالے پڑ جائیں۔ مناسب تو یہ تھا کہ اپنی غلطی پر متنبہ ہونے پر انسان کو انفعال ہوتا لیکن اسکے برعکس حضرت انسان مین کہ اپنی بہت پر قائم ہیں یا اپنی محنت کی واد چاہتے ہیں۔ ہیرا جتنی ہی بیکار چیز ہے ویسی ہی اب اسکی زیادہ قدر ہوتی ہے اور تمام نعمتوں سے زیادہ گران ہو کر بازار مین

کہتا ہے۔ اب ان سب باتوں سے نتیجہ یہ اخذ ہو سکتا ہے کہ خدا نے ضرورتاً زندگی تمام بندوں پر یکساں تقسیم کر دی۔ اب یہ انسان کی غلطی ہے کہ جس چیز کو خدا نے غیر ضروری سمجھ کر کم پیدا کیا۔ انسان خواہ مخواہ اصرار کرتا ہے کہ یہی کمزوریاں ملے۔ کتنا عمدہ مقولہ ہے۔

”الانسان حریصٌ فیما سُنع“ فصل شصت و چہارم خُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا

غور کیجیے تو انسان کا سماجی کمزور اور بے سہارے سامان کوئی دوسرا جاندار نہیں۔ گائے۔ بھینس۔ بکری کے بچوں کو دیکھئے پیدا ہوتے ہی کوڑنے لگتے ہیں دو تین ہفتوں میں مان کے دودھ سے بھی بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ اور انسان کے بچے پانچ چھ مہینے کے بعد تو ہنسا سکتے ہیں۔ چلنے پھرنے بولنے کے لائق تو وہ جب ہونگے کہ انکے ہم عصر حیوانوں کے بچے عمر طبعی طے کر لیں گے۔

انسان نہ لگا پیدا ہوتا ہے۔ پیرا ہونے پر اُسے پہلی ضرورت یہ ہوتی ہے کہ گرمی اور سردی سے بچانے کو اسکے لیے لباس بہم پہنچایا جائے رکے مکان یا کسی دوسرے سایہ کی تلاش ہو۔ پوشش کے لیے دوسرے حیوانوں کی کھال ڈھونڈنا پڑتی ہے۔ نباتات کے پھلوں یا ریشوں سے کپڑوں کے لیے سوت بنائے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی کپڑوں کی مٹی یا انکے لعاب دہن کے لیے بھی (کہ یوں ہی ریشم پیدا ہوتا ہے) جانفشانی کی جاتی ہے۔ جانور دن کو قدرت نے ان تمام جگہوں سے مستغنی پیدا کیا ہے۔ اپنے جسم کی حفاظت کے لیے وہ

دوبہ کھال یا گرم روئیں ساتھ لیکر پیدا ہوتے ہیں وہ خود کیا محتاج ہونگے اپنی بدولت ہمو غنی بنا دیتے ہیں۔ اپنی کھال اور روئیں ہمیں دام دیتے ہیں جب کہیں ہماری زندگی قائم رہتی ہے۔

خزاک کی نسبت غور کیجیے۔ اکثر حیوان بے منت غیرے زمین کی گھاس اور درخت کے پتوں سے پیٹ بھرتے پھرتے ہیں اور بے غل و غش زندگی بسر کرتے ہیں۔ نباتات جنگلی غذا نہیں ہے وہ چھوٹے چھوٹے جانوروں یا کبوترن یا پانی کی سیلی کو چیلی چیزوں کے کھانے کے عاری ہیں اور اس طرح گویا ان کو بھی فکر معاش نہیں ہوتی۔ چلتے پھرتے اپنی غذائیں پاتے جاتے ہیں اور پیٹ بھرتے رہتے ہیں۔ بخلاف اسکے انسان کو اپنے رزق بہم پہنچانے میں جو کوششیں کرنا پڑتی ہیں وہ لاتعداد و لاتحصر ہیں مثلاً روٹی۔ گیہوں کے دانے کھیت میں پڑے اور جم آئے کھیت لہلہانے لگا تمام حیوانات اس پر ٹوٹے اور کھانا شروع کر دیا۔ انسان ہے کہ اسکو کھانا نہیں سکتا۔ اسکو انتظار رہے کہ خوشیے نکلیں۔ دانے پڑیں۔ دانے کپیں۔ پاک کر خشک ہوں۔ خشک ہو کر بھوسا الگ ہو۔ ان سب مرحلوں کے طے ہونے کے بعد بھی بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ یہ دانے آگ میں بھون کر کھائے جائیں۔ سب کے سب اس کے ہضم کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ضرورتاً پینا پڑتا ہے۔ پس کر چھانا اور چھان کر آٹے کا گوندھنا وغیرہ روٹی پکانا اور پکانے میں آگ کا تاؤ دیکھنا کہیں روٹی جل گئی تو ساری محنت اکارت گئی۔ اسی طرح تمام غذاؤں پر خیال کیجیے تو انسان کی کوئی غذا ایسی نہ ملے گی جو بے تردد اور بلا کوش بہم پہنچتی ہے۔

دیکھیے صحت بدنی قائم رکھنے کے لیے انسان نے کتنا بڑا علم طلب کیا یا ہے۔ روز بروز امراض اور دواؤں کے مآثر بڑھتے جاتے ہیں۔ حیات انسانی کا ایک حصہ اسکے متعلق غور و فکر کرنے میں بھی صرف ہوتا ہے اور حیوانوں کو نہ کچھ اسکی پروا ہے اور نہ کچھ احتیاج ہے۔ کتنی بیماریاں وہ زبان سے جاٹ کر اچھی کر لیتے ہیں اتنی ساخت ہی کچھ ایسی رکھی گئی ہے کہ انکو مرض بھی بہت کم ہوتا ہے۔ دیکھیے جا بجا موشیوں کے لیے اسپتال کھولے گئے ہیں انسان نے فطر رحم کے اظہار میں با اپنی خود غرضی کی وجہ سے حیوانوں کے علاج کا بندوبست کیا ہے۔ یا یوں کہو اپنی طرح حیوانوں کو بھی کمزور سمجھ کر انکی مٹی خراب کرنا چاہی ہے لیکن تجربہ سے یہ معلوم ہوا کہ موشیوں کے علاج کی بہت کم ضرورت پڑتی ہے وہ بیمار پڑنے ہی کیوں لگیں انکے قواسم ذالیقہ اور شامہ کو قدرت نے ایسا قوی پیدا کر رکھا ہے کہ انے بہت کم چوک ہوتی ہے۔ اور چوک نہ ہونے سے بیماریاں قریب نہیں آتی۔

جانوروں کی اعانت بغیر انسان راہ بھی طے نہیں کر سکتا۔ وہ خود چل بھی سکا تو اپنی ضرورت کی چیزوں کو کسی طرح اٹھا نہیں سکتا۔

یہ مضمون بہت وسیع ہے جتنا کہا جائے محسوس ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی بسر کرنے میں خلقتاً جتنا محتاج پیدا کیا گیا ہے اتنا محتاج کوئی دوسرا مخلوق نہیں ہے۔ اور اس عالم میں بیکیں و بیچارہ کی مصداق اگر ہے تو ذات انسانی ہے۔ یا اینہم انسان اپنے کو اشراف المخلوقات سمجھا ہے۔ مفضلہ الامم کو ذہن میں رکھنے کے بعد اس اشراف المخلوقات ہونے

کی اور عا پر نہیں آتی ہے۔ واہ کیا اچھا شرف ہے۔ اگر اسی جیسی دینچاری کی کو
 شرف کہتے ہیں تو اس شرف ہونا بدترین صفت ہے۔ نہیں انہیں! زبان کو
 رو کو خدا کی ناشکری نہ کرو۔ ایک نعمت ہلکوا سی عطا ہوئی ہے۔ جو ہمارے
 تمام نقصانات کی تلافی کرتی ہے اور ہماری تمام کمزوریوں کا لغم البدل بن
 سکتی ہے۔ اس نعمت کا نام عقل ہے۔ جس طرح ایک بست بڑے تیرہ دہائی
 مکان کی بھیا تک شکل کو ایک شمع کی روشنی بالکل لوزانی کر دیتی ہے ویسے ہی عقل
 نے ہماری تمام کمزوریوں کو ایک دم سے رفع کر دیا جب عقل ایسی دولت ہمارے
 ہاتھ میں ہے تو ہم کسی طرح محتاج نہیں کہے جاسکتے اور جب عقل ایسا ہتھیار
 ہمارے قبضہ میں ہے تو ہم کسی طرح کمزور نہیں ہو سکتے لیکن بھر بھی ایک پات
 رہ جاتی ہے۔ یعنی اگر ہم عقل کو کام میں نہ لائیں تو ہمارا نصف بدستور
 قائم رہے گا۔

یہ امر مسلم ہے کہ انسان میں بہت سی قوتیں ایسی ہیں جو عقل سے
 ہمیشہ لڑتی ہیں۔ اور اس پر غالب آنے کی کوششیں کرتی ہیں۔ مذہب یا
 اخلاق کے اکثر مسائل اسی نزاع کے طے کرنے کے لیے یا عقل کو قوت دینے
 کے لیے بنائے گئے ہیں۔ مثلاً تکبر نہ کرو اسکا منشا یہ ہے کہ اپنی کمزوریوں کو
 تم کبھی نہ بھولو کیونکہ انکے بھولنے سے تم اپنے کو عقل سے مستغنی سمجھنے لگو گے۔
 اور اس لیے ضرور ہے کہ ایک نہ ایک دن معصیتوں کا سامنا ہو۔ تمہاری دنیاوی
 احتیاج رفع کرنے کے لیے جو اسے عقل بتائے گی اس پر چلنے کی حالت میں
 تم میں اس امر کی جڑی ضرورت ہے کہ لوگ تمکو صادق القول سمجھیں اگر تم جھوٹ

لو کہ گے تو اس راہ پر چل نہ سکو گے اور اس طرح احتیاج کی بہتیری کمزوریوں سے اپنے کو نہ بچا سکو گے۔ اپنے ضعف مٹانے کے لیے ضرور ہے کہ دنیا کے معاملات میں قاعدوں کو اپنا رہنما سمجھ کر سختی کے ساتھ انکے پاس بند رہو اور اس لیے تم پر فرض ہے کہ بلا نکاح عورتوں سے قرابت نہ کرو۔ حاکم وقت کی اطاعت کرو۔ بڑوں کا ادب ملحوظ رکھو۔ ستونی کے ترکہ میں اپنے حق سے زائد نہ لو گھڑاؤں اور چڑھیوں سے بکشا رہ پیشانی ملو۔ اگر ان قاعدوں کا لحاظ نہ کرو گے تو اپنی کمزوری کی وجہ سے ضرور ایک نہ ایک روز بڑے دفن کا سامنا ہو گا۔

حرص - غضب - شہوت - طمع - غصہ - تکبر - حسد - رشک - فکر - تردد - بیماری - سردی - گرمی - مفلسی - بھوک - پیاس - عشق - بیکسی - ایک انسان کے پیچھے نہ معلوم کتنی بلائیں ہیں۔ اور عارضی یا چند روزہ نہیں انسان کے ساتھ پیدا ہونے والی اور اس کے ساتھ ہی مرنے والی۔ یہ سب بلائیں ایک طرف اور انسان ضعیف البیان عقل کے سہارے پر دوسری طرف۔ بھلا کہاں تک وہ ان مصیبتوں کا مقابلہ کر سکے۔

غرض کہ تمام دنیا کی بیماریاں انسان ہی کے لیے مخلوق ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر بیماریاں دو چاند بھی ہوتیں تو ایک عقل سب کے علاج کو کافی ہوتی۔ لیکن اس عقل کے دشمن اتنے زیادہ ہیں کہ ان کے مقابلہ سے اس کو فرصت نہیں ملتی۔ ہماری مدد وہ کہاں تک کرے گی۔ ایسے لوگ بھی گزرے ہیں اور اب بھی ہیں جو اس عقل کو بہت زیادہ احتیاط سے کام میں لاسکتے ہیں اس کے مخالفین کو وہ کبھی غالب نہیں ہونے دیتے۔ لیکن ان کی

تقدیر ذاتی کم ہے کہ گویا یہ نہیں ہیں اور اس لیے عملی طور پر جو نتیجے نکلتے ہیں اپنے
سچی ذکر کرنے کے بعد بے تکلف کہا جاسکتا ہے کہ انسان اپنی خلقت میں کمزور ہے

فصل شصت و پنجم

نطق اور دل و دماغ سے اس کا تعلق

شخصی حالت سے قطع نظر کر کے قومی حالت پر لحاظ کیا جائے تو یہ امر ماننا

پڑے گا کہ فصاحت بلاغت - قوت - اداسے مطلب - زبان درانی - یہ تمام باتیں
دل و دماغ کی قوت پر منحصر ہیں کسی کا قول ہے کہ ضعیف اجماع آدمی کا ذہن اور
ختمین ہونا بالکل بے سود ہے - جب دل و دماغ میں طاقت نہیں تو نرمی و بہت
سے خاک کام نہ نکالے گا - دل و دماغ کی قوت کے علاوہ طبیعت کا قومی ہونا بھی

ایک ایسی شے ہے جسکو نطق میں بہت کچھ دخل ہے - بہت بڑے علمائے ہر
کو جو مفلسی میں فاقہ کرتا ہو اس جاہل بے بلد کے پاس بٹھا دیتے ہیں جو نشہ و لذت
میں مشغول ہو اور بچہ دیکھیے - اگر ملاحظہ صاحب کو کچھ غنا سے نفس ہے تو خبردار اس
جاہل کے سامنے یہ سنی بھول جائیں گے اور بچہ سہی نہیں کہ وہ جاہل تمام
باقین بے سرو پا کرتا رہے گا - معقول باتیں بھی اس سے سنی جائیں گی - اکثر
دیکھا گیا ہے کہ دولت بڑھنے سے یا کسی قسم کی خوشی اور استغنا حاصل ہونے
سے بھی نطق میں زور اور طبیعت میں روانی آجاتی ہے اسکی یہی وجہ ہے
کہ نطق کو بہت کچھ زور طبیعت سے تعلق ہے - فاتح اور مفتوح قوموں کا مکالمہ
بھی اس خصوص میں قابل ملاحظہ ہے - مفتوح قوم کی عمدہ سے عمدہ راے
اسکی زبان سے بچہ معلوم ہوتی ہے اور وہی فاتح قوم کا ممبر ہے کہ ایک ٹری

سہی بات کس زور اور لہجہ میں بیان کرنا ہے کہ شکر تعجب ہوتا ہے۔ باوجود
کار عجب۔ سپہ سالاروں کا تمور یا ٹیسون کا داؤد یہ سب چیزیں کیا ہیں و طبیعت
کا زور ہے کہ اس نے نطق میں قوت دے رکھی ہے اور یہ قوت دلوں پر طبیعتی
اثر یا سحر کا کام کرتی ہے۔ نطق بھی قوم کی حالت کا ایک معیاس ہے جس قوم
میں طلاق و لسانی نہ ہو اسے ہمیز اور نکستی سمجھنا چاہیے۔ طلاق و لسانی سے
لاف زنی یا فضول گوئی مراد نہیں ہے بلکہ گفتگو کا وہ لہجہ مراد ہے جو دوسروں
کی طبیعتوں پر اپنا اثر ڈال سکے اور مافی الضمیر پورے طور پر ادا ہو۔ اگر ہمارے
دعویٰ کا بین ثبوت دیکھنا ہو تو عدالتوں میں تشریف لائیے۔ دیہاتی گواہ۔
بے علم۔ بے قدرت۔ چاروں طرف سے ادب اور گھیرے ہوئے۔ نہ کسی
طرح کا زور۔ نہ کسی قسم کی سمیت۔ پڑمردہ دل اور زبون حال۔ جب کبھی عدالت
میں گواہی دینے آئے تو آپ کی زبان پورے طور پر آپ کی حالت کا فوٹو
کھینچ دیتی ہے۔ چہرہ اسی نے حجت دینے کا ارادہ کیا۔

چہرہ اسی نے کہا کہو: ”خدا کو حاضر ناظر جان کر سچ کہوں گا“
گواہ: ”سچ نہیں کیا جھوٹ کہنے آیا ہوں“

چہرہ اسی سے میان! جھکتا ہوں وہی لفظ بہ لفظ کہو:
گواہ: ”ہاں! ہاں! خدا کو جانتا ہوں“

چہرہ اسی سے خدا کو کون نہیں جانتا۔ یہ کہو: ”خدا کو حاضر ناظر جان کر سچ کہوں گا“
گواہ: ”ہاں! ہاں! سچ کہوں گا۔“

غرض کہ ذرا سا معاملہ اور دس منٹ تک چہرہ اسی سے حجت ہوئی جب

تہ میں پانچ
میں کمزور ہے

یہ امر ماننا
تمام باتیں
میں اور
نہی دہا
یہ تو بھی

علاقہ ہر
روايت
نہ نہ اس
میں تمام
گی۔ اکثر
س ہونے

ہے
کا کمال
سے
سٹری

تک حاکم نے ڈانٹ نہیں بتلائی تب تک پورے طور پر حلف نہیں لیا۔ اب گے
 چلے تو سوال کا جواب یا تو سوال سے بالکل الگ یا ضرورت سے بہت زیادہ
 اور فضول اور کبھی اختصار کیا تو ایسا کہ کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ سچا سے ہان کے کیوں
 نہیں بولنا تو گویا تکلیف کلام ہے۔ پانچ پانچ منٹ پر حاکم کا ترش رو ہو کر ڈانٹنا
 یا چین بہ چین ہو کر دیکھنا ویسا ہی ضروری ہوتا ہے جیسا سٹھر گھوڑے کو بار بار ایڑا
 لگانا۔ اکثر ان کی رائے ایسے اظہار پر یہ ہوتی ہے کہ گواہ ٹال بال کرتا ہے حالانکہ
 ایسا نہیں ہے۔ یہ نطق کی کمی ہے کہ جو قومی ادب اور قومی صنعت کے ساتھ
 ساتھ چلتا ہے اسی کے مقابل میں کسی ان پڑھ گورے یا کاہلی سید و فردش
 کو کھڑا کر کے اظہار لیجیے تو دیکھیے بیس نو۔ ہان نہیں میں کھٹا کھٹ سوالوں کا
 جواب دیتے چلے جاتے ہیں۔ ابتدا سے فتوحات اسلام میں جو طلاقت
 جاہل عربوں کو تھی اُس پر مصر۔ شام۔ ایران کے بڑے بڑے عالم دگ ہو جاتے
 تھے۔ سلاطین عصر جاہل سفیران سے اپنے مذہب اور عقیدہ کے خلاف
 باتوں کا سننا اور عرصہ تک سلسلہ سخن کا جاری رکھنا محض طلاقت لسانی کا لطف
 حاصل کرنے کے لیے گوارا کرتے تھے۔ سب سے بڑا تعجب تو یہ ہے
 کہ جہلا سے عرب لڑائی۔ خوشی یا جوش کی حالت میں فی الیہ یہ شعر کہتے تھے
 اور وہ بھی دو ایک نہیں دشل دشل پندرہ پندرہ۔ فصاحت ایسی کہ اس زمانہ
 کے لکھے پڑھے مقابلہ نہ کر سکیں۔ واقعات نوید اسے بالکل موافق حق سے
 یہ خیال نہ ہو کہ شعر پہلے سے موزون کیے گئے تھے۔ فتوحات اسلام میں جاہل
 عربوں کے فی البدیہ اشعار کے دیکھنے سے ہم نے پورا ثبوت اس امر کا پایا

کہ نطق بالکل دل و دماغ کی قوت یا زور طبیعت کے ماتحت ہے۔

فصل شصت و ششم

ترک حیوانات

قانون قدرت کا اقتضا ہے اور انتظام عالم یوں ہی رکھا گیا ہے کہ ایک مخلوق فنا ہو کر دوسرا مخلوق پیدا ہوتا ہے۔ ایک شے کی فنا پر دوسری شے کا نہ ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو کھا کر رہتا ہے۔ ایک کا نازل دوسرے کی ترقی کا سبب بنتا ہے۔ انسان بھی ایک مخلوق ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں کسی دوسری شے کا فنا یا دوسرے جاندار کا نقصان گوارا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اسکی انسانیت مقتضی ہے کہ دوسروں کی بُرائی میں اپنی بھلائی سمجھے۔ ان حسن معاشرت کے لیے جو قواعد مقرر ہیں انکی پابندی میں ہی ایک ابتدائی سمجھ بوجھ یا انتہائی کمال یا صفت انسان کی ہے۔

مفصلہ بالا باتیں تمثیلوں سے بخوبی سمجھ میں آ جائیں گی۔ زمین ایسی کمزور چیز بھی اپنے سے کم طاقت والوں پر شیر ہے جہاں کوئی شے سرکل کر اور اس طرح اپنی قوت زایل کر کے زمین کے پنجہ میں پھنسی جس فوراً اجزائے ارضی اس طرح اپنی قوت بڑھانے اور اُسکے زردن کو کھینچنے لگتے ہیں جیسے جو تک آدمی کا خون چوستی ہے۔ تھوڑے دَرن میں وہ شے غائب ہو گئی اور اسکی بدولت اجزائے ارضی کی قوت پیداوار بڑھ گئی۔ سو کئی زمین میں سو کھا دانا ڈال دو تو زمین خود اپنی بالیدگی کی فکر میں ہوگی۔ دانے کی کچھ دال نہ گلے گی لیکر وہی دانہ بانی کی مدد پر کرب زمین پر غالب آتا ہے تو زمین کے تمام عمدہ زرع

جذب کرنے لگتا ہے۔ بیسیوں فٹ نیچے کا خزانہ نکال کر گردن اور بیچا تا ہے
 بیچاری زمین کو کمزور اور مفلس کر ڈالتا ہے۔ بڑے بڑے درختوں کے پاس
 چھوٹے چھوٹے درخت نشوونما نہیں پاتے اسکی وجہ کھلی ہوئی ہے۔ شیر کے
 سامنے گیدڑ کو جرات نہیں ہوتی کہ شکار کرے۔ زمین کے ذرے بڑے درخت
 کی کشش سے بچنے نہیں پاتے۔ چھوٹے درخت کو نمودار تو کس چیز سے لیکن بعض
 درختوں کی ٹہنیاں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔ لیکن محرک بالارادہ کی قوت ہی
 دوسری ہے۔ ادنیٰ ٹھنکا اور چھوٹے چھوٹے کیرے اس خصوص میں بخون سے
 زبردست ہیں جن پتیوں کو درخت ہزار شکل سے برسوں کی محنت میں تخت اسری
 سے نکال کر اپنی زمینائش کی غرض سے باہر لا کر اپنا ساز و برگ درست کرتا ہے
 کیرے مکڑے ہیں کہ بیدار پتیوں کی صفائی میں مشغول ہیں اچھے خاصے
 درخت کو دو چار گھنٹے میں برہنہ اور بے سر دسا مان کر دیا۔ اور کہیں ٹڈیوں سے
 یا لاٹرا تو گھنٹہ بھی پورا نہیں ہونے پاتا۔ آفتاب سے جو نسبت شبنم کو ہے وہی
 نسبت ٹڈیوں کو سبزہ زار سے ہے۔ کہیں ایسی حالت میں کوئی مینا قریب آ بیٹھے
 جب سمیر دیکھے۔ جن حضرات کے دانت بیچارے درخت کے پتوں پر آ رہے
 بھی زیادہ تیز تھے وہ بے تکلف بی مینا کے پیت بیک بینی و دو گوش گھستے اور ہم
 ہوتے چلے جاتے ہیں۔ بلی نے اس موقع کو دیکھ پایا اور دبے پاؤں قریب
 پہنچ کر جھپٹی تو مینا کی گردن اُسکے منہ میں ہے۔ پھر کیا تھا اسکی عید ہے۔ مینا
 ہستیا پر پھینچتا ہے لیکن بلی کو کچھ پروا نہیں۔ وہ مطمئن ہے کہ بازو جھارنے
 سے گردن چھوٹ نہیں سکتی۔ بلی کا پیٹ جو بھرا تو آپ سیدان کی طرف کھانا ہضم

کرنے کی غرض سے خرامان خرامان چل قدمی کو نکھین۔ سامنے سے ایک کتا کئی دن کا بھوکا تازہ چلا آتا تھا۔ آنکھیں چارہوئی نہیں کہ بلی بھاگی اور کلب بیگ پیچھے لگے دوڑے۔ سوچا س قدموں کے بعد بلی اسی طرح گتے کے منہ میں ہے جس طرح ابھی آدھ گھنٹہ پہلے مینا کی گردن بلی کے منہ میں تھی۔ اب ناظرین منتظر ہونگے کہ کتا کسی شیر کے منہ میں نظر آئے گا۔ لیکن تجربہ ایسا نہیں بتاتا۔ زبردست کمزور کو کھاتا ہے نہ کہ برابر والے کو۔ اسیلے ایک شکاری جانور دوسرے کسی شکاری جانور کا گوشت نہ کھائے گا۔ بلی کو گوشت نے پکڑ لیا اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اُسے کھا بھی لے گا اُسکا صرف یہ کام ہے کہ وہ بلی کو مار کر اجڑا آراضی کی بالیدگی کے لیے چھوڑ دے۔ یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ زبردست شکاری جانور کے لیے اپنے سے کمزور شکاری جانور کا کھانا محال ہے۔ ممکن ہے کہ بھوک کی بیتابی کچھ اپنا زور بھی دکھلائے۔ لیکن یہ تو مسلم ہے کہ کمزور شکاری جانور اپنے سے زبردست شکاری جانور کے گوشت سے نفرت یا خوف کھاتا ہے ہم نے ایک معزز شخص سے سنا کہ ایک مرتبہ شیر کا گوشت اُس نے طاق پر رکھ دیا تھا۔ بلی نے اُسے کھانے کے لیے گرایا لیکن پھر اُسکی بو سے خوف یا تنفر ہو کر بھاگ گئی۔

مفصلہ بالا باتوں سے ایک سرسری طور پر انتظام عالم کا نقشہ دکھانا تھا اور اُسکے ساتھ ہی یہ بھی سمجھانا تھا کہ زبردست کمزور کے مقابلہ میں جائز طور پر اپنی خود غرضی کا پیش کرنا کوئی مضائقہ نہیں رکھتا۔ اب جو کچھ گفتگو ہے وہ جائز اور ناجائز کی تصریح میں ہے۔ میری سمجھ میں اس جائز اور ناجائز کو یوں سمجھ سکتے ہیں۔ کہ کھیت میں دانہ اڑا۔ درخت اُگلا۔ بھلے لگے اور بچے۔ اگر انسان چیلن کو توڑ کر

نقشہ ششم
بیجا تاج
بے پاس
شیر کے
سے خوف
یعنی بعض
قوت ہی
حقوں سے
تسلسلی
کرتا ہے
صے
ن سے
ہے وہی
ا بیٹھے
پر آ رہے
کے اوزر
قریب
میں
رنے
کھانا ہضم

کہا جائے تو کچھ بجا نہیں۔ پھل اگر شر کر جائیں تو افسوس ہوگا۔ جو شے پیدا ہوئی
 اُسکو ایک دن فنا ہونا ہے۔ اگر آدمی پھلون کو نہ کھائے اور نہ کسی جاندار کو کھائے
 دسے تو ایک نہ ایک دن وہ ضرور مٹر کر گرین گے۔ فرض کرو کہ پھلون میں روح ہو
 اور ایک نہ ایک قسم کی جان تو تمام چیزوں میں ماننے ہی پڑتی ہے۔ مہندی میں
 اسے انس کہتے ہیں۔ ہر شے کی بہت مجموعی جس حیثیت سے قائم ہو وہی اُسکی
 جان ہے۔ اب پھلون کو کھاتے وقت یہ سمجھنا کہ پھلون کو دیکھو ہوتا ہوگا کتنی نادانی
 ہے۔ اگر پھلون میں انسان کی سی روح ہوتی تو مٹر گل کر گر جانا آدمیوں کے
 کھا جانے سے انہیں کہیں صحت گزرتا۔ انسان اگر اپنے درختوں کے پھل ہر
 سال توڑ کر کھیا کرے تو وہ ظالم نہیں ہے۔ ہاں اسوقت وہ ضرور ظالم کہا
 جائے گا جب درختوں کی شاخ کو وہ بلا ضرورت مروڑ ڈالے اور اس طرح
 درختوں کو بے کام کر دے۔ غرض کہ ہر شے کے پیدا ہونے کا عمدہ نتیجہ یہ ہے کہ
 وہ کبھی عمدہ کام میں صرف ہو جائے یا اُس کام میں لگ جائے جسکے لیے اُسکا
 پیدا کیا جانا بظاہر سمجھا جاتا ہے۔ بکری کا بچہ آج ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ نہ ہے
 اسلئے رو دھو کی اسپر نہیں اور نہ بکرون کی کچھ گاؤں میں قلعہ ہے کہ نسل بڑھانے
 کے لیے اُسکا زندہ رہنا مناسب منظور ہو۔ اب اسوقت دو صورتیں سامنے ہیں
 ایک تو یہ کہ وہ فوج کیا جائے اور گاؤں والوں کا ذالقیہ درست ہو۔ اور دوسری یہ کہ
 وہ یوں ہی چھوڑ دیا جائے کہ عمر طبعی کو پہنچا اور بڑھاپے کی سہبتیں چھیل کر اپنی جان
 دے۔ سوال یہ ہے کہ پہلی صورت پر عمل کرنا نقصانے دانش ہے یا دوسری پر اس
 حلوان کا نہ کھانا دیا ہی فطرت (بچہ) کے ساتھ ظلم کرنا یا کفران نعمت کا مرتکب ہونا ہے

جیسے باغ کے سیوون کا نہ کھانا اور یہ گوارا کرنا کہ وہ سڑ کر زمین میں مل جائیں۔
اب یہاں تھوڑی سمجھ دالے یہ اعتراض کریں گے کہ سیوون میں روح
نہیں ہوتی۔ جانوروں میں روح ہے اور اس لیے انکو تکلیف دینا سعادۂ ہے۔
اول تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ نباتات میں روح نہیں ہے۔ ہم نے جو تعریف روح
کی اس مضمون کے اعتراض کے لیے اختیار کی ہے وہ نباتات میں ضرور پائی
جاتی ہے اور پھر فرض کریں کہ پھل کو ٹٹنے میں وہ تکلیف نہیں ہوتی جو جانوروں
کو فوج ہونے میں۔ ہم یہ کہیں گے کہ اپنی موت سے مرنا ہر حالت میں مرگ مفاہات
(فوری ہلاکت) سے زیادہ تکلیف دہ ہے اور اس لیے جانوروں کو فوج کر کے کھا
جانا اس معنی کر کے بھی اُپر احسان کرنا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ بھراس اعتبار سے تو
قاتل مقتول کا محسن ہے؟ ہم اس کے جواب میں کہیں گے بیشک محسن ہے۔ ایک
دن سب کو مرنا ہے۔ اینڈریان رگرز مرنے سے یہ کہیں اچھا ہے کہ تلوار یا گولی
سے ڈومسٹ میں خاتمہ ہو گیا۔ لیکن یہ احسان صرف مقتول پر ہوتا ہے۔ مقتول کے
اعزہ۔ نیچر۔ سو مسائٹی اور گورنمنٹ پر ظلم ہوتا ہے اور اس لیے ناجائز سمجھا گیا ہے۔
نیچر پر ظلم ہونا کسی قدر محتاج تشریح ہے۔ انسان کو عقل انسانی ہے ایک ایسا جو ہر دیا
گیا ہے کہ جس نے دوسری مخلوقات سے انسان کو ہمیز اور با شرف کر رکھا ہے۔
انسان کی عقل کے متعلق بہت سی حدیثیں کی گئی ہیں۔ دوسرے مخلوق عالم کی
ترتیب و آرائشی بھی ایک کام عقل انسانی کا ہے۔ عقل انسانی کی پختگی کے لیے تجربہ
درکار ہے اور تجربہ چاہتا ہے عمر کی درازی اس لیے کسی کو ان کی عمر طبعی کے پہلے
ہلاک کرنا عام مخلوقات کے ساتھ نہ تھا ظلم کرنا ہے۔ لیکن با اینہم جو شخص چھ کام کی

کوشش میں یا اصلاح مخلوقات کی سعی میں اپنی جان دیتا ہے تو تمام مذاہب میں سمجھا جاتا ہے کہ اسکا خاتمہ سب سے اچھا ہوا۔ کیون؟ پس اسی لیے کہ مرنا برحق ہے۔ ایک دن تو وہ مرتا ہی اب جو اچھا کام کرنے یا آراستگی انتظام عالم میں اسکی جان نکلی تو اُس نے مرتے دم تک گویا نیچر کے فرالین کو پورے طور پر ادا کیا۔ اسی طرح سمجھو کہ بکرے کو ایک دن مرنا تھا ہی لیکن اس طرح اسکا مرنالاکا شرف و لمخوقات کی جسمانی اور یوں عقلی قوت بڑھانے میں اُس سے مدد پہونچے ذی عقل کے نزدیک ضرور مستحسن خیال کیا جائے گا اور یہ سمجھا جائیگا کہ اس جانور کے لیے عمرہ سے عمرہ غایت جو خیال میں آسکتی تھی اُس تک یہ پہونچ گیا۔

ہماری کچھلی تحریر سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ بکری (مادہ) یا کیا بکرے (نر) کا گوشت ممنوع ہے کیونکہ انکی زندگی انکے گوشت سے زیادہ نفع بخش ہے۔ بعض قومیں ایسا ہی سمجھتی بھی ہیں لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے جو لوگ انکے گوشت کھانے کا فتویٰ دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان جزئیات پر نظر قانون عام کے خلاف ہے موقع اور مقام کے اعتبار سے اپنی مصلحتوں کا سوچنا ہر ایک کے اختیار تیزی پر محدود ہونا چاہیے۔ ملکی یا ربانی قانون کے ساتھ جزوی اختصاص نامناسب ہے۔

مفصلہ بالا تقریر اس امر کے ثابت کرنے کو کافی ہے کہ گوشت کا کھانا کسی طرح عیب یا بیرحمی میں داخل نہیں ہے۔ تاریخ سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ کچھلی گوشت۔ دودھ اور شہد جنگلی میوے یہی سب انسان کی ابتدائی غذائیں تھیں موجودہ حالت پر اگر نظر ڈالی جائے تو دنیا میں اسوقت بہت کم لوگ ایسے نکلیں گے

جو گوشت کا کھانا عادتاً باندھا گیا جانتے ہوں۔

فیثا فورس اور اُسکے تلامذہ ترک حیوانات کو بڑا ثواب جانتے تھے شاید
قدیم مصری بھی اسی خیال کے تھے لیکن اس فرقہ نے زیادہ ترقی نہ کی۔ سہرستین
میں گو بودھ بھی حیوانات کا کھانا پسند نہ کرتا تھا لیکن اُسکے نیم مستقد چین والے
چوہا اور بلی تک کھا جاتے ہیں۔ بودھ مذہب کے پیرو جو ہندوستان میں چین
کھاتے ہیں وہ البتہ اس خصوص میں اپنے مرشد کے قدم بہ قدم چلتے ہیں مگر تو
میں وہ اتنے کم ہیں کہ کسی شمار میں نہیں۔ دو چار پتھر فقیروں کے بھی ایسے ہیں
جسکے متبع ترک حیوانات کے باندھ ہیں۔ مسلمانوں میں بھی بعض درویش گوشت کا
کھانا چھوڑ دیتے ہیں اسے جب انکے مولوی کہتے ہیں کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کا
حرام ٹھہرانا اور اپنے کو خدا سے زیادہ دھیم یا حکمت والا سمجھنا نص قطعی کے بالکل خلاف
ہے تو ان بجا پردن کو یہی کہتے بنتا ہے کہ ہم گوشت کو حرام نہیں سمجھتے بلکہ
بہتر ہے گوشت مردن بہ از تقاضاے رشتہ قضا بان

پر عمل کرتے ہیں۔ خود رانی کا الزام ہم پر نہیں ہو سکتا۔ یہ ناداری کا نباہ ہے۔
غرض کہ دنیا کے ہر حصہ میں گوشت کھانے کا رواج انسان میں جاری ہے
انہیں بعض قومیں تو ایسی ہیں کہ نباتات کی طرح تمام حیوانات کا گوشت کھا سکتی
ہیں اور بعض شرطیں لگاتی ہیں۔ کثیف اور بے حیاء درند جانوروں کا گوشت
اسی لیے حرام سمجھتی ہیں کہ کمین یہ عادتیں گوشت کے ذریعہ سے کھانے والوں میں
بھی سرائت نہ کر جائیں۔ گوشت کے نہ کھانے والے ایک حجت یہ بھی پیش کرتے
ہیں کہ گوشت جزو بدن ہوتا ہے اور اسی لیے گوشت کھانے والوں میں حیوانوں کی

خاصیت زیادہ اثر کر جاتی ہے۔ یہ کتنا ایک حد تک درست ہے اور اسی خیال سے
 حلال اور حرام جانوروں کی فہرست قائم کی گئی ہے۔ اس فہرست پر زیادہ سختی کے
 ساتھ مسلمان عمل کرتے ہیں۔ ستور۔ کتا۔ بلی۔ گیدڑ۔ شیر۔ ہاتھی۔ چرہا۔ سانپ۔ میٹر
 مکوڑا۔ باز۔ بھری۔ گدھ۔ طوطا وغیرہ وغیرہ بہت سے چرند و پرند ایسے ہیں جنکو اہل
 اسلام نہیں کھاتے۔ بعض قومیں ایسی ہیں کہ وہ ستور بھی کھاتی ہیں۔ جاپانی جینی
 اور چند وحشی قومیں ایسی ہیں کہ کتا۔ بلی۔ چرہا بھی نہیں چھوڑتے۔ انصاف شرط ہے
 گوشت کھانے میں جو اعتدال مسلمان برتتے ہیں دنیا کی کسی قوم میں یہ بات نہیں ہو
 سکتی تھی اس خصوص میں مسلمانوں کے ہم پلہ ہیں بلکہ انکی احتیاط کسی قدر حد سے
 تجاوز ہے۔ اسوقت ہم یہ کہنے کو طیار نہیں ہیں کہ مسلمانوں کی صحبت نے نہروں
 پر یہ اثر ڈالا یا خود ایرن تہذیب کا یہ اقتضا ہے بہر حال یہ تسلیم ہے کہ اس خصوص میں
 اہل اسلام اور ہندو زیادہ تر اعتدال طریقہ پر چلتے ہیں۔ خیر الامور اور سطحانہ تو یہ گوشت
 کا کھانا حرام سمجھتے اور نہ آگہ بند کر کے کیٹر مکوڑا سب ہی کچھ کھانے کو طیار ہو جاتے گوشت
 کھانے والوں پر بجا ہر سی الزام عقادت کا لگایا جاتا ہے جسکو تصریح کے
 ساتھ ہم نے اوپر سمجھا دیا اور اس کے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ گوشت جو
 اپنی نوعیت میں بنی نوع انسانی کے لیے کسی طور پر ضرر یا خلاف مصلحت ہو اسکو
 خود شارع نے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ اب رہا یہ امر کہ گوشت انسان کی خوراک نہیں ہے
 اس سے خون صالح پیدا نہیں ہوتا اسکی حدت نقصان کرتی ہے۔ یہ علم طب کی
 بحث ہے ترکاری اور مصالحہ کا گوشت میں ملانا انھیں امور پر نظر ڈال کر رائج ہے
 دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ کوئی پہلو اس میں مضرت کا نہ ہو۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حال کی تحقیقات میں ڈاکٹر ون نے یہ ثابت کیا ہے کہ انسان کا دانت گوشت کھانے کے لیے نہیں بنا ہے۔ اسکے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کچا گوشت کھانے کے لیے یا محض گوشت کھانے کے لیے انسان کا دانت نہیں بنا ہے یہ کون کتنا ہے کہ شیر ون کی طرح انسان کو بھی گوشت گوشت اور کچا گوشت کھانا چاہیے۔

خلاصہ یوں سمجھنا چاہیے کہ جن لوگوں کو دنیا ترک کر کے گوشت نشینی کرنی نہیں ہے بلکہ قوت بازو سے کام کرنا ہے۔ ہاتھ پیر دماغ قلب اور جسم میں وہ زور چاہتے ہیں۔ تہمت اور استدہی سے انکو کام کرنا ہے وہ گوشت بغیر زندگی بسر نہیں کر سکتے اب اس بار سے میں اسلام کا اعتدال قابل لحاظ ہے۔ چینیوں کے نزدیک سوائے انسان کے ہر جاندار کا گوشت قابل کھانے کے ہے۔ ہندوؤں میں جو نہ ہی گروہ کے لوگ ہیں وہ گوشت بالکل نہیں کھاتے اور جو کھاتے ہیں وہ بے وجہ محقول بہت سے جانوروں کا گوشت حرام سمجھتے ہیں۔ اس زمانہ کی مہذب قومیں ان دونوں درجوں کے وسط میں ہیں اور ان مہذب قوموں میں بھی وہ اعتدال ملحوظ نہیں ہوتا جو اسلام تعلیم کرتا ہے۔

فصل شخصیت و مہتمم

زفر

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم پیغمبر نے اپنی بی بی ہاجر اور اپنے بیٹے اسمعیل کو لڑکی زمین غیر زری و زرع میں چھوڑا تو وہاں کسی قسم کی آبادی نہ تھی اور نہ پینے کو پانی اور نہ رہنے کو کوئی گھر تھا۔ خانہ کعبہ کی نسبت مسلمان مورخوں نے

لکھا ہے کہ حضرت آدم کے وقت میں اسکی تعمیر ہوئی تھی اور مسلمانوں کے نزدیک یہ دنیا میں پہلا گھر تھا۔ لیکن جب وقت کا حال ہم لکھ رہے ہیں اسوقت یہ مکان بالکل منہدم تھا کسی قسم کی مکانیت نہ تھی۔ وہاں کی زمین کسی قدر اونچی تھی جس سے یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ یہاں پر کسی زمانہ میں عمارت تھی۔ دانے اور پانی کا ذخیرہ جب چٹکانو ہاجر کو فکر لاحق ہوئی۔ رزاق مطلق کی قدرت کا نمونہ یہ دیکھنے میں آیا کہ ایک چشمہ وہاں جاری ہوا۔ یہ چشمہ تھوڑے دنوں کے بعد زمانہ کے تصرف یا انسانی صنعت کی بدولت کنوئین کی صورت میں آگیا اور اب چاہہ زرم کے نام سے مشہور ہے۔

عرب میں پانی کی بڑی قلت تھی اور اب بھی ہے۔ کنوئین یا چشمہ کا ہوتا آبادی کے لیے پہلے زمانہ میں ایک بہت بڑی تحریک تھی اور اب بھی کم و بیش ایسا ہی ہے۔ قدیم عرب کے ایک خانہ بدوش گروہ بنو جرہم نام نے اس چشمہ کے پاس آباد ہونا چاہا۔ حضرت ہاجر نے نہایت خوشی سے ان مہمانوں کی اس بگلت کی۔ اور مہمانوں نے نہایت احسان مندی سے وہاں سکونت اختیار کی اس اشاد میں حضرت ابراہیم کی آمد و رفت بھی جاری رہی۔ اور عبادت الہی کے لیے ایک گھر کی تعمیر انھوں نے حضرت اسمعیل کی مدد سے کی جو آج تک کسی قدر ترمیم اور تبدیل کے ساتھ قائم ہے۔ خانہ کعبہ نام ہے اور تمام دنیا کے مسلمانوں کا مرجع ہے قبیلہ بنو جرہم میں ایک شخص مدد تھا جسکی لڑکی سے حضرت اسمعیل کا عقد ہوا۔ اور اس طرح جو نسل حضرت اسمعیل کی پھیلی جہین غالباً اسمعیل کی اولاد میں سے ہے اور وہ بھی شامل ہے وہ عرب کہلائے اور آج کل عرب کی غالب آبادی انھیں کہلاتی ہے۔

طے ہے۔ قریش اور پیغمبر آخر الزمان بھی اسی نسل سے ہیں۔

ایک زمانہ ہوا اسمعیل پر ایسا آیا کہ بنو جرہم نے انکو خانہ کعبہ سے بیدخل کر دیا اور وہ لوگ عرصہ تک باہر باہر گھومتے رہے۔ صدیوں کے بعد بنو جرہم کی حالت کثرت فسق و فجور سے بہت کمزور ہو گئی اور اس طرح بنو اسمعیل کو پھر خانہ کعبہ پر قابض ہونے کا موقع ہاتھ آیا۔ بنو جرہم جب مکہ سے بھاگنے لگے تو خانہ کعبہ کے قیمتی اسباب چاہ زفرم میں ڈال کر اوپر سے پیچھے بھر دیے اور اس طرح چاہ زفرم صدیوں تک معدوم رہا۔ پیغمبر آخر الزمان کے دادا عبدالمطلب نے اس کنوئین کو بڑی محنت سے کھدوایا اور قدیم زمانہ کی طرح پھر لوگ اُسکے پانی سے مستفید ہونے لگے۔

اسلام کے قبل چاہ زفرم کو لوگ مذہبی خیال سے نہیں دیکھتے تھے اور نہ اسلام پھیلنے کے بعد ہجرت مدینہ تک کوئی خیال مسلمانوں میں چاہ زفرم کی غنیمت کا قایم ہوا۔ ہر جگہ اچھے کنوئین کی طرف گاؤں کے باشندوں کا خیال عموماً رجوع ہوتا ہے بس وہی حالت چاہ زفرم کی تھی۔ لیکن ہندوستان کی حالت پر قیاس نہ کرنا چاہیے جہاں پانی آسانی سے دستیاب ہونے کی وجہ سے کوئی بڑی نعمت نہیں سمجھا جاتا۔

کفار مکہ نے جب مسلمانوں کو بہت تنگ کیا تو وہ گھبرا کر بھاگ کر مدینہ کی طرف چلے گئے وہاں کی آب و ہوا بہ نسبت مکہ کے بہت زیادہ مرطوب تھی۔ سفر کی تکلیف وطن چھوٹنے کا غم۔ بے سروسامانی کی حالت افلاس کی مصیبت تو تھی ہی آب و ہوا کی موافقت سب پر بالائے تھی۔ چند مہینوں کے بعد وہاں مسلمانوں

مین جاڑے سبھا کی بیماری پھیلی۔ شدت بھارمین جب یہ تھا جرمہان کہتے
تھے تو خانہ کعبہ۔ چاہ زمرم اور مکہ کے مشہور مقامات کا نام لیتے تھے چونکہ بیماری
زیادہ تر پانی کی ناموافقت سے تھی اسلیے وہ لوگ مکہ کے پانی لینے چاہ زمرم
کو اس طرح یاد کرتے تھے جس طرح عشاق شب ہجران میں مشتوق کو یاد کرتے
ہیں۔ مکہ والوں کو جبکی سبب سے چاہ زمرم چھوٹا تھا اس طرح کوستے تھے جس طرح
شب فراق میں رقیبوں کو گالیان دینا عشاق کی زبان سے ایشیائی شعرابانتے
ہیں۔ بیماری کی حالت تو تھوڑے دنوں تک رہی لیکن مہاجرین کے دل میں
یہ خیال برابر جاریا کہ زمرم سے اچھا پانی دنیا میں ہونہیں سکتا۔ ہاضم ہے تو وہ ہر
مقوی ہے تو وہ ہے مردن کے لیے چاہ زمرم سے اچھا پانی مہفت اقلیم
میں پیدا نہیں ہے۔ جس طرح قریش (باشندگان مکہ) اپنے کو تمام دنیا سے
افضل سمجھتے تھے اسی طرح مکہ کی ہوا اور چاہ زمرم کے پانی کو بھی وہ تمام دنیا سے
اچھا جانتے تھے جب الوطنی بھی ایک سبب تھی۔ لیکن اسمیں کلام نہیں ہو سکتا
کہ جن اوصاف کو قریش پسند کرتے تھے وہ اعلیٰ درجہ پر مکہ ہی کی آب و ہوا سے
مخلوق ہو سکتا تھا۔ آٹھ دنل برس تک مکہ میں مہاجرین کو آنا نصیب نہیں ہوا
اور اس زمانہ میں چاہ زمرم اور سواد مکہ کے دیدار کے وہ لوگ بہت مشتاق
تھے۔ فراق میں گیت بنائے گئے تھے۔ فقیدے کہے گئے تھے۔ مرنے
لکھے گئے تھے۔ غرض کہ اپنے ذوق و شوق کو ان لوگوں نے مختلف طریقے
سے ظاہر کیا تھا۔

ناظرین خود اس خوشی کا اندازہ کر سکتے ہیں جو فتح مکہ کے بعد مہاجرین کو

کہ میں آنے سے حاصل ہوئی۔ کنوئین کے گرد مسلمان کو دے تھے اچلتے تھے۔ خوشی کے نعرے بلند کرتے تھے۔ بے پیاس بھی بانی پیتے تھے۔ ہاتھ منہ دھوئے تھے۔ آنکھوں میں بانی ملتے تھے۔ بجائے تیل کے سر میں لگا تھے۔ یہ زمانہ چند مہینوں میں گزر گیا۔ مسلمانوں کو بھر چاہ زفر چھوڑنا پڑا۔ جہاں تک ہو سکا انھوں نے چھاگلین بھلین اور پھر حسرت سے چاہ زفر کو چھوڑ کر مدینہ کا راستہ لیا۔ مدینہ میں پہونچ کر زفر کا اشتیاق پھر دلوں میں سوچ زن ہوا اور حسرت و پیاس نے چاروں طرف سے گھیرا۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد پندرہ ہینزل برہنہ کے اندر اندر یعنی ہجرت کے تیس تبدیل برس پورے ہونے کے قبل وہاں مشرق میں افغانستان تاک مغرب میں افریقہ کے شرقی و غربی سواحل تاک شمال میں بحر خضر (کسپین سی) آرمینیا۔ سرحد قسطنطنیہ ترکستان تاک پہونچ گئے۔ مدینہ سے قریب چند دنوں کا راستہ تھا اب وہ اتنی دور پہونچ گئے کہ مدینہ کا سفر کرنا تو مکہ میں پہونچنا نصیب ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ مکہ کی سی گرم خشک اور لطیف آب دہوا ان مقامات مفتوحہ میں سے کسی کی نہ تھی۔ سواد مکہ اور چاہ زفر کا اشتیاق ان پہلوؤں کے ساتھ ساتھ ہفت اقلیم تاک پھرا۔ یہ خود تو مشتاق تھے ہی کہنے سننے سے انکے بچے انکی بیبیاں انکے پڑوسی انکے احباب بھی چاہ زفر کے مشتاق تھے۔

مہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کین دولت از گفتار خیزد
حج کعبہ کے فرض ہونے نے اور بھی سواد مکہ۔ خانہ کعبہ۔ جبل عرفات۔ مقام منا۔ صفا و مہرہ اور چاہ زفر کا لوگوں کو شایق بنایا۔ خود تو ہمہ گیر باقی نہ رہے اور

تو تھے
بکنتے
بہ بیماری
زفر
دکرتے
س طرح
ہتے
زبانہ
میں
دوہ ہر
سليم
نیایے
نیایے
سکتا
سے
میں ہوا
شاق
میرنے
پرفتنے
ن کو

نہ اُنکے ملنے والے زندہ رہے لیکن جو شوق کہ دلون میں یاد وطن نے مذہبی
 خیال کے ساتھ ملکر پیدا کیا تھا اُسکو روز بروز ترقی ہی ہوتی رہی۔ غرض کہ انھیں
 سب خیالات نے مل جل کر وہ نتیجہ پیدا کیا جو فی زمانہ دیکھنے میں آتا ہے یعنی
 حج کرنے والے مسافر خاکِ غلاف کعبہ کا ٹکڑہ۔ سرے کے پتھر۔ چاہ زمزم کا
 پانی تبرک لگاتے ہیں اور لوگ نہایت خلوص نیت اور مذہبی دلوں سے میں ان چیزوں
 کو چومتے ہیں چاہتے ہیں اور انکھوں سے لگاتے ہیں۔ مرتے وقت اگر چاہ زمزم
 کا پانی موجود ہوا تو مرنے والے کی حلق میں ٹپکاتے ہیں۔ مرنے پر کہیں کہیں کفن پر
 ابھی جھٹک دیتے ہیں یا غسل کے بعد جسم پر ڈالتے ہیں۔ جتنے تبرکات مکہ حاجت
 کے ساتھ آتے ہیں انہیں آب زمزم سب سے زیادہ متبرک سمجھا جاتا ہے۔
 یہ ایک تاریخی حالت بیان کی گئی تاکہ معلوم ہو کہ آب زمزم کی عظمت مسلمانوں
 میں کیونکر قائم ہوئی۔ بعض لوگ پیغمبر کے اُن اقوال سے استدلیتے ہیں جو چاہ
 زمزم کی خوبیوں میں بیان کیے گئے تھے لیکن ہمارے نزدیک اُن اقوال کے
 تذکرے کی چندان ضرورت نہیں ہے۔ مختصر طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح
 معجون کو ساگ لیلیٰ عزیز تھا اُسی طرح مکہ اور مدینہ کی تمام چیزیں مسلمانوں کے
 نزدیک پیاری ہیں خوبیوں کے لیے حدیث کے نقل کرنے کی ضرورت اسلئے
 بھی نہیں ہے کہ شہد کی خوبی خود قرآن میں مذکور ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بمقابلہ
 چاہ زمزم کے شہد کی کچھ بھی عظمت لوگ نہیں کرتے۔ اُس میں ٹھاس نہ ہوتی تو شہد
 اُسے کوئی جانتا بھی نہیں۔ اس ٹھاس پر بھی ہندوستان میں قند اور سرسبی کے
 سامنے اُسے کوئی نہیں پوچھتا۔ اور کوئی پوچھتا بھی ہے تو نص قرآنی کی سفارش

برہنیں بلکہ اہل کائنات کی تشخیص پر ایسے عالم جو نفس کے ذریعہ سے شہد کو شفا و امراض سمجھ کر اسکا استعمال کریں اور یہ عقیدہ رکھیں کہ اس میں کوئی ضرر نہیں ہے بہت کم ہیں۔ اور نفس قرآنی کا منشاء بھی یہ نہیں ہے کہ شہد کو لوگ جملہ امراض میں دوا استعمال کیا کریں بلکہ شہد کے فواید اور لذت کو یاد دلا کر خدا کی قدرت کا بندن پر ظاہر کرنا مقصود اصلی ہے۔ اسی قبیل میں وہ حدیثیں بھی ہوں گی جو چاہ زفرم کے متعلق لوگ ذکر کرتے ہیں۔

ان جملہ امور کے ظاہر کرنے سے ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ چاہ زفرم کی قیمت مسلمانوں کے دل میں کہنا تک مناسب یا غیر مناسب طور پر جمی ہوئی ہے۔ بلکہ یہ صرف یہ بتانا ہے کہ اب عام مسلمانوں کے خیال میں چاہ زفرم کی قیمت اور عظمت ایک مذہبی اثر رکھتی ہے اور اسکی توہین کرنا گویا مسلمانوں کا دل دکھانا ہے۔ غلطی پر وہ ہیں انگریزی اخبار جو چاہ زفرم کی برائیوں کے بیان کرنے میں یہ نہیں سوچتے کہ مسلمانوں کو اسکے شننے سے صدمہ ہوتا ہے ممکن ہے کہ بعض مسلمانوں پر اسکا اثر نہ پڑے۔ لیکن چونکہ عوام تو داد میں زیادہ ہیں اور اکثر حکم اکمل کے اعتبار سے عام مسلمانوں کے مصداق بھی وہی ہیں۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اب زفرم کی برائی کی جائے اور مسلمان اسے سن کر خوش ہوں یہ غیر ممکن ہے۔

زفرم کی برائی کی طرہ خیالات اسوقت سے پھرے ہیں جب سے دہائی امراض کی کثرت مکہ میں ہونے لگی ہے۔ چونکہ ان حاجیوں کی بدولت اور مالک میں بھی ہیضہ پھیلتا ہے اسلیے یورپ کے ڈاکٹروں نے تمام زفرم کو اسکے

برہنیں
نصیحتیں
یعنی
مزم کا
مزم
ہ زفر
ن پر
حاجیوں
مسلمانوں
چاہ
کے
صح
لے
سلیے
بقابلہ
نوشا
کے
مذہب

اسباب دریافت کرنے کی طرف منوط کی ہے۔ گرم ملک ہے اور گرم ملک میں دبائی مرض زیادہ پھیلتا ہے۔ جہاں زیادہ لوگ جمع ہوں اور صفائی کا بندوبست عمدہ نہ کیا جائے تو مرض زیادہ پھیل سکتا ہے۔ یہ سب وجوہ مقول ہیں۔ جہاں تک صفائی کو تعلق ہے مسلمانوں کو منظموں۔ انتظام کی تحریک پیش کرنے والوں یا ایسی خواہش ظاہر کرنے والوں کا مشکور ہونا چاہیے۔ لیکن اسکے ساتھ بعض کثرون کا قیقل ہے کہ مکہ کی ہوا لطیف نہیں ہے بلکہ بایدا کرنے میں اسکو خاص دخل ہے یا یہ کہ چاہہ زفرم کے پانی میں کوئی خاص نقص ہے۔ گندہ پانی کنوئین کے اندر تون سے پونچتا ہے اور اس طرح عام طور پر پانی کو خراب کر دیتا ہے۔ یہ اسے اُن لوگوں کے نزدیک قابل مضحکہ ہے جو مکہ کی زمین چاہہ زفرم کے موقع اور وہاں کی ہوا کی لطافت سے واقف ہیں۔

یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ دبا کے اسباب کیا ہیں۔ جہاں تک غور کیا گیا ہے کوئی سبب ظاہر نہیں ہوا کیونکہ سبب ظاہر ہونے کے بعد ازالہ سبب مشکل نہ تھا اور پھر قطعی طور پر یہ کہا جاسکتا تھا کہ دبا کارو کنا انسانی کوشش کے اندر داخل ہے لیکن جب تمام ڈاکٹر اس خصوص میں اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہیں تو ہم سوائے اسکے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ اسباب دریافت کرنے میں انکی رہن قاصر ہیں۔ صفائی کی طرف ازالہ مرض میں زیادہ تر ڈاکٹرون کو توجہ ہوتی ہے اور صفائی خود بہالہ ایک عمدہ چیز ہے۔ اسلیے طبعتین بے لیل اسے مان لیتی ہیں کہ ان ایام میں صفائی بہت ضرور ہے۔ اور صفائی کے جو سے سے ایک گوندہ تسکین خاطر بھی ہوتی ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ گندگی اصلی سبب مرض پھیلنے کا نہیں ہے اگر

ایسا ہوتا تو بیماری پھیلنے پر ہسپتال میں کی موت کا پرتہ زیادہ ہوتا اور ہسپتال میں گزری صاف کرنے کے لیے یاد دھونی گندہ کپڑا دھونے کے لیے میسر نہ آتے۔

مکہ میں قربانی کی وجہ سے اگر گندگی پھیلنے کا خیال قائم کیا جائے تو بالواسطہ نظر میں پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن جب اسکے ساتھ اس امر پر غور کیا جائے کہ مکہ کی لطیف اور خشک ہوا خون کو سڑنے نہیں دیتی کثافت بھی دور بھیجی جاتی ہے گندگی سڑنے کے بعد پیدا ہوگی اور سڑنے کے لیے کچھ وقت چاہیے۔ حاجی اس وقت کے آنے کے پہلے سوا مکہ چھوڑ دیتے ہیں۔ تو بھر بھر شکل یہ کہا جاسکتا ہے کہ قربانی کو کچھ بھی تعلق ہر ہفتہ پھیلنے سے ہے۔

زفرم کے پانی کی نسبت جو کچھ بیان ہے وہ اتنا بوج اور بچر ہے کہ کہنے والے پر سخت حیرت ہوتی ہے۔ زفرم کا پانی اگر ہفتہ کا سبب ہوتا تو ایام حج کے پہلے بھی ہفتہ پھیلا رہتا۔ اور ایام حج میں اسلئے کہ پانی زیادہ خرچ ہونے سے صاف ہو جاتا ہے پانی کی بُرائی کو مٹ جانا یا صاف ہو جانا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ جس پانی میں ہفتہ پیدا کرنے کی خاصیت ہے اسے تمام مکہ کے لوگ نوشی پیتے رہیں۔ ہفتہ اقلیم کے مسلمانوں کے پاس ہزار دن سیل کے فاصلہ پر تبرک کے طور پر جائے۔ تمام دنیا اندھی کیڑے کسی کو نظر نہ آئیں۔ صرف یورپ کے چند ڈاکٹروں کو نظر آئیں۔ یورپ کے ڈاکٹر سچے اور پانی بھی اچھا۔ درمیان میں زیادہ ایام گزرنے سے خود بخود کثیرون کا پیدا ہو جانا یا ظرف کی خاصیت سے پانی کا اگل جانا فرض کر لیا جائے تو کیا استحالہ ہے۔

کنوئین کا موقع۔ پہاڑی زمین۔ اور کنوئین کا امن دیکھنے کے بعد یہ کوئی

نہیں کہہ سکتا کہ کنوئین کے گرد گندہ بانی جمع ہو سکتا ہے اور اگر ایسا بانی جمع بھی ہو تو وہ کس طرح اندر جاسکتا ہے - ؟

زفرم کوئی جھوٹا سا کنواں نہیں ہے بہت ہی عریض اور طویل ہے۔ بانی بھرنے والے مقرر ہیں۔ اسکے قریب کوئی نہانے نہیں پاتا۔ صفائی کا عمدہ انتظام رہتا ہے۔ درونک ڈھالوان پتھر ملی زمین ہے۔ کہیں سے یہ خیال پیدا نہیں ہوتا کہ گندہ بانی سوتون کی راہ سے اندر جاسکتا ہے۔ بانی بھرنے کے لیے چبڑے کے ڈول ہیں۔ ٹی کے گھڑوں سے بانی بھر نہیں جاتا اور نہ ہر شخص بانی بھرنے کا مجاز ہے اس لیے بانی بھرنے میں بیرونی گندگی کا اندرجانا قرین قیاس نہیں ہے۔ رستہ دوستان کے کنوؤں کے صاف کرنے کے لیے جتنا بانی نکالا جاتا ہے اتنا بانی وہاں روز نکلتا رہتا ہے اور ایام حج میں تو اس سے کہیں زیادہ نکلتا ہے۔ کنوئین کی گہرائی غالباً سطح سمندر کے برابر ہے وہ کنواں ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اس میں گرے تو بہ لگے یا کوئی جا کر اسے نکال لائے۔ وہ ایک قدرتی چشمہ ہے اور جس طرح چشمہ کے بانی کو گندہ نہیں کہہ سکتے اسی طرح آب زفرم کو بھی آلائشوں سے پاک صاف سمجھنا چاہیے قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ چشمہ ایک طرف سے دوسری طرف کو چلا گیا ہے اور بیچ میں تھوڑا سا کھل گیا ہے جس کو چاہہ زفرم کہتے ہیں لیکن اگر چاہہ زفرم ہی چشمہ کی انتہا مانی جائے جب بھی بانی اس کنوئین سے خارج ہو جاتا ہے کہ آب زفرم کو چشمہ جاری کا آب روان بے تکلف کہہ سکتے ہیں۔

فصل شصت و ششم
ہند کے مسلمان

سچ میں نہیں آتا کہ ہند کے مسلمانوں کا کیا حشر ہونا ہے۔ نو سو برس سے یہاں مسلمان ہیں لیکن انکی مسافرانہ حیثیت نہیں بدلی۔ نو کروی پیشہ ہو کر وہ یہاں رہنا زمینداری کی طرف انھوں نے توجہ نہیں کی۔ تجارت اس ملک میں رائج نہ تھی اسلئے اپنی آبائی تجارت کو بھی وہ بھول گئے۔ ملازمت کے قابل اب وہ اسلئے نہیں ہیں کہ نئی تعلیم میں سچھے رہ گئے۔ اگر یہ کوشش کریں اور کرتے بھی ہیں تو غیر قوموں کی برابری نہیں کر سکتے۔ جب تک یہ چلنا سکیں گے ہند کی دوسری قومیں دوڑنے لگیں گی۔ مقابلہ میں یہ کبھی برابری نہیں کر سکتے۔ شخصی ترقی کے علاوہ قومی ترقی انکے نصیب میں نظر نہیں آتی۔ گورنمنٹ کا تقرب تو بے علی کے سبب سے ہون گیا۔ رہی زمینداری وہ پہلے ہی سے انکے حصہ میں نہ تھی اب زمین کا حاصل کرنا تو قریب قریب محال ہے۔ چند افراد قوم کے پاس جو کچھ ہے وہ بھی خرچ کی زیادتی اور آمدنی کی کمی کے نذر ہو جائے گی۔ جن گھروں میں خرچ کی مدین بڑھ رہی ہیں وہاں انکا کم کرنا مشکل ہے۔ اور اس بلامین بھی مسلمانوں ہی کے خاندان زیادہ تر مبتلا ہیں۔ گزشتہ فارغ البالی کا اگر کچھ اثر رہ گیا ہے تو وہ اسی شکل میں نمایاں ہوتا ہے۔

نو کروی نہیں رہی۔ زمین نہیں رہی۔ تجارت ایسی شے ہے کہ وہ ہندوستان کی آب و ہوا سے موافقت نہیں کھتی ہے نہ ہندوؤں میں اسکا ذوق ہے اور نہ مسلمانوں کو اسکا شوق ہے۔ تجارت کی ایک شاخ سود خواری ہے وہ البتہ ہندوستان کی آب و ہوا کے موافق ہے۔ جتنا ہی کم ہمتی کم حوصلگی اور رنگ بالی صرف ہوگی اتنا ہی اس پیشہ میں زیادہ سود ہے۔ مسلمان اپنے احکام شرعی سے

ممنوع ہیں اور اگر حرمت کا خیال نہ رکھیں جب بھی شاید وہ عمدہ طور پر اپنی افتاد
طبیعت کے لحاظ سے اس کام کو انجام دے نہیں سکتے۔

ہندوؤں میں سود خواری کا ایک دستور ایسا ہے کہ تھوڑے سے
انتظام میں تھوڑے ہی دنوں کے بعد متول کی ایک خاصی صورت
پیدا ہو جاتی ہے۔ ہندوؤں کے قدیم متول خاندانوں کو بھی اس ذریعہ سے
مصرفت پہنچتی ہے لیکن کم اور وہ بھی جب ایک ہندو سے دوسرے ہندو کی
طرف دولت منتقل ہوتی ہے تو وہ محض شخصی حالت میں انقلاب ہوتا ہے۔
قومی متول میں کچھ فرق نہیں آتا لیکن جب اس تعلق کو مسلمانوں کے ساتھ ملا کر
دیکھیے تو ایک قوم کی تباہی اور دوسری قوم کی ترقی نظر آئے گی۔

مسلمانوں میں نہ قریب سلطانی کے ذریعے سے کسب معاش کا ذریعہ باقی
رہا اور تجارت کا انکو شوق ہے اگر کہیں باپ دادا نے فرشتوں کی چوری سے
کچھ زمین پیدا کر لی تھی اور آپس کے جھگڑوں اور بے ایمانیوں سے بچ رہی
تھی تو وہ سود خواری کے نذر نہ ہوتی ہے اور فضول خرچیوں کا شکار نہ ہوتی ہے۔

مسلمان جب گھروں سے نکلتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سے زیادہ
خوش و خرم کوئی دوسری قوم ہندوستان کی نہیں ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کے
سر پر ٹوپی۔ پاؤں میں جوتا۔ بجا سے دھوئی کے عموماً پایجامہ۔ کاندھے پر رومال۔ ہاتھ
میں چٹری جب گھر سے برآمد ہوئے اور گردانے ننگے سر ننگے بدن ننگے پاؤں۔
دھوئی باز رہے ہوئے نزدیکی میں پیشہ ہندو نظر آئے تو دیکھنے والے خواہ مخواہ سمجھیں گے
کہ یہ ہندو مسلمان ان ہندوؤں سے ہر جہا خوش ہے۔ لیکن واقعی حالت میں زمین

اور آسمان کا فرق ہے۔ شریف مسلمانوں کی عورتیں باہر کم نکلتی ہیں اور نہ باہر کے لوگ گھر میں جانے پاتے ہیں زمانہ مکان کی حالت کا پتہ کیونکر لگے۔

ہم ایک بانکے مرزا صاحب کے گھر کی تصویر کھینچے ہیں اور ایک ادنیٰ سے ادنیٰ کھار کے گھر کا (جو جمال اور قلی کی مدین ہے) فوٹو لیتے ہیں۔ ناظرین تفاوت ملاحظہ کر لیں۔ پہلے مرزا صاحب کے گھر میں چلے۔ دوہی چار شپت اور ہر جا کر کسی بڑے ستوسل شاہی تک انکا سلسلہ پہنچتا ہے اور نہ بھی پہنچے تو مرزا صاحب پہنچانے کو تیار ہیں۔ خاندان تو اتنا بڑا اور مرزا صاحب کی حالت ظاہری بھی ابھی بیان ہو چکی ہے اب ذرا اندر جا کر قدرت خدا ملاحظہ کیجیے۔ گھر میں ایک یا دو چار پائیمان ہیں اور دو ایک دریاں بچھانے کے لیے بھی ہیں۔ ساری کائنات میں اسی قدر ہے۔

مال منقولہ کی قرتی کی نوبت آئے تو بجز ان چیزوں کے کوئی شے قابل قرتی نہ ٹھہرے گی۔ کھانے پینے اور پکانے کے تمام برتن مٹی کے ہیں۔ دھات کی ایک چیز اندر نہیں۔ اگر کلڑی کی سوئیاں بن سکتیں تو شاید لوہے کی سوئی بھی گھر میں نہ ہوتی۔ بی بی کے بدن پر کپڑا بوسیدہ۔ بدن پر ایک زبور نام کو نہیں۔ بیاہ کے وقت والدین نے رسم کے طور پر ضرور دیے ہونگے۔ لیکن بی بی اگر اس سے محبت رکھتی تو مرزا صاحب کی سفید پوشی قائم نہیں رہتی اور نہ گھر کا خرچ چلتا۔ آہستہ آہستہ وہ مسک بننے اور بزاز کی نذر ہو گیا۔ گھر میں جابجا کوڑے کا انبار لگا ہے دیواریں بوسیدہ ہو رہی ہیں مکان سے بدبو آتی ہے۔ ہفتوں سے جھاڑو نہیں دی گئی ہے۔ صفائی میں کچھ خرچ نہیں ہوتا لیکن نگہبند اور اخلاس کے لیے یہ سب لازم ہے۔ مرزا صاحب کے گھر سے نکل کر کسی ہندو کے گھر میں جائیے تو ادنیٰ عالم نظر آتا ہے۔ دراصل

ایک شخص سبلی دھوتی پہنے ڈر پیسے کا ناریل ٹھیکے لگائے متبا کو پی رہا ہے۔ لیکن باند عالم
 ہی دوسرا ہے۔ تمام گھر سفید مٹی سے پُتا ہے۔ جھوٹا گھر ہے لیکن محنت اور سلیقہ
 کی بدولت نہایت ہی خوشنما ہے۔ پتیل کے ڈوگلے رکھے ہیں۔ اہلیہ لکڑی کے
 چوکے پڑیٹھی لوٹا تھا لی وغیرہ بہت سے پتیل اور بھول کے برتن صاف
 کر رہی ہے۔ چند ری یا صاف رنگ کی سادہ ساری زیب بدن ہے۔ سر سے
 باؤن تک سونے چاندی پتیل کے زیور حسب حیثیت پہنے ہوئے پری بن رہی
 ہے۔ مرزا صاحب کی بی بی اُس رد مال کا انتظار کر رہی تھی جہین نمک دال آٹا اور لکڑی
 باندھ کر یا شاید خالی ہاتھ ہلاتے ہوئے مرزا صاحب واپس آتے ہوئے۔ اور یہاں
 ہر قسم کے غلے کم و بیش رکھے ہوئے ہیں اور عجب نہیں کہ دھرتی مائی کے پیٹ میں
 کچھ دفتینہ بھی ہو۔ ہم نے صورت حال بیان کرنے میں کسی قدر سہانہ کوراہ دی
 لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ لاکٹر حکم اکل کے اعتبار سے مسلمانوں کے گھر میں جانے
 سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نگہت بیان حکمران ہے اور ہندوؤں کے گھر میں جانے سے
 یہ معلوم ہوتا ہے کہ لکھی مائی کی تمام کر با ہے۔ کیسا ہی پُر رونق گھر کسی کا ہو لیکن وہاں
 کوئی مہربانے تو بے رونقی درو دیوار سے ٹپکتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے گھروں میں دلا
 یا شاید ہی بیاہ کے وقت ایک خاص کیفیت رہتی ہے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کے
 گھروں کو مقابلہ کرتے وقت ہم بے تکلف اس تشبیہ سے کام لے سکتے ہیں۔
 روز کا ذکر ہے کہ روٹی کی تجارت کی بدولت مرزا پور کو عجب رونق تھی گویا تمام دنیا
 کی دولت وہاں بچھی پڑتی تھی۔ شہر کی رونق بھی ایسی تھی کہ گلی کو سچے گلستان کی کیا
 کاٹن دیتے تھے۔ ہم سنہ ۱۹۱۱ء میں کہ جب دفعتاً روٹی کی تجارت میں نقصان ہونے

سے منڈیاں ٹوٹنے لگیں اور شہر کی دولت گھٹنے لگی تو درودوار سے بے رونق
برسنے لگی۔ دولت اور ثروت بھی عجیب چیز ہے۔ مسلمانوں کے گھر دن سے دولت
چلی تو پھر ان کے گھر دن کی رونق کس سہارے سے قائم رہے۔

تیس چالیس برس پہلے کی حالت کو اس وقت کی حالت سے مقابلہ کیا جائے
تو زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ اور اگر یہی ترقی محکوس قائم رہی تو پھر چالیس
برس کے بعد اس سے بھی بُری حالت کا سامنا ہے جو ہم نے ادھر بیان کیا۔

مالک زمین ہونا یا علمی ترقی مین ہندوؤں سے مقابلہ کرنا تو مشکل ہے اس لیے
علاقہ دار یا ملازم سرکاری کی حیثیت سے مسلمانوں کا عروج قریب قریب محال ہے
صرف ایک تجارت کی صورت باقی ہے۔ استقلال دیانت داری اور محنت سے
مسلمان کرنا چاہیں تو پھر اپنی حالت سنبھال سکتے ہیں اور اپنے آبائی پیشہ کو وہ اس
طرح زندہ کر سکتے ہیں کہ پھر ان کی قوم زندہ ہو جائے اور ہندوستان کی دیگر قوموں پر وہ
سبقت لے جائیں۔ ہندوؤں کو تجارت سے کوئی طبعی مناسبت نہیں ہے۔
سود خوری مین وہ مرد میدان ہیں لیکن تجارت کی لذت سے وہ آشنا نہیں ہوتے
مسلمانوں کی ترقی کی کوئی صورت ہے تو وہ اسی پیرایے مین ممکن ہے۔

ہند کے مسلمان مین ایک بلا فضول خرچی کی بھی ہے۔ اچھا کھانے کو چاہیے
اور عمدہ پوشاک پہننے کو چاہیے۔ عاداتیں بگڑی ہوئی ہیں وہ بیچارے مجبور ہیں اور
اس لیے جو بلا دنل بیس برس کے بعد آنے والی ہے وہ آج ہی گھر کرنے کو طیار ہے۔
آمدنی تو کسی طرح خرچ کرنے کو کافی ہو سکتی۔ جہاں بزرگوں کا سرمایہ جمع ہے وہاں
بھی روٹنا پڑا ہے۔ بزرگوں کی یادگاروں کے مٹانے اور آمدنی کی مستقل صورتوں کے

برباد کرنے پر چبھوٹے سے بڑے تک ٹٹلے ہوئے ہیں۔ غرض کہ سب سے بدترین آتا کہ
انکا کیا حشر ہوگا۔

فصل شصت و نہم

جھاڑ پھونک۔ دعا۔ توبہ

دعا۔ توبہ۔ جھاڑ پھونک۔ یہ سب ڈھکوسلے اسلام میں نہیں تھے۔

ہندوستان کے مسلمانوں نے ان معاملات میں ہندوؤں کی پیروی کی اور
اسلام میں یہ باتیں بڑھالیں۔ یالوں کیسے کہ اسلام کی چادر پر یہ بہنا دھتے
ڈال دیے۔ اسلام جو اوہام باطلہ کے مٹانے کے لیے آیا تھا وہ ان باتوں کا
مٹانے والا تھا کہ رائج کرنے والا۔ ایام جاہلیت میں لڑکوں کو توبہ پڑھانے
تھے۔ توبہ پڑھنے والے لڑکوں کو ذر تائم لکھتے تھے۔ سب سے معاملہ کا ایک مصرعہ پڑھ

فاہمیتہا من ذی تمام محولی

اس میں ذی تمام لڑکوں یعنی توبہ پڑھنے والے بچوں کا ذکر ہے۔

لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ اسلام نے بھی کہیں اس خیال کی تائید کی ہے۔
مسلمانوں کو توبہ گنڈے کا عاشق۔ فالنامے اور حاضرات کا محقق۔ جھاڑ پھونک
کا دلدادہ دیکھ کر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ ان کے اسلاف صالحین کا بھی شلوہ تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہ کو دیکھتے جاتے تھے تو ان کے سر پر
دست شفقت پھیرتے تھے اور تسلی کے لیے فرماتے تھے کہ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
تعالیٰ" یعنی اللہ چاہے گا تو تم صحیح ہو جاؤ گے (گھبراؤ نہیں)۔ اور اکثر
یہ بھی فرماتے تھے "اللهم اشفع لاشقائ الاشقار" اے اللہ اسکو شفا دے کہ

تیرے سوا کوئی دوسرا شفا دینے والا نہیں ہے۔ یہ کہنا گویا مریض کو تلقین کرنا تھا کہ تم خدا پر بھروسہ کرو۔ ادھام باطلہ سے پرہیز کرو۔ آنحضرتؐ کا یہ فرمانا ایسا ہی تھا جیسا کہ کوئی بزرگ شخص کسی کو مصیبت میں دیکھ کر براے ترجم تسکین دینے والے کلمات کہتا ہے اور عموماً اس مصیبت زدہ کے قلب اور طبیعت کو ایک قسم کی شگفتگی ہوتی ہے اور قوت بہو بختی ہے۔

اب اگر کوئی مریض کے سر پر ہونے لگا کہ ”طوڑ انشاء اللہ“ کہے یا اللہم اشفنا من الاشفاق بڑھے اور یہ خیال کرے کہ یہ کلمات ازالہ مرض کے لیے اسلام میں موضوع ہوئے تھے تو یہ شارع اسلام کی پیروی نہیں ہے۔ حصن حصین ایک حدیث کی کتاب ہے جس میں ہر قسم کی دعائیں حدیث شریف سے منتخب کر کے ایک جگہ جمع کر دی گئی ہیں اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ ہر حالت اور ہر موقع پر ایک خاص قسم کی دعا پڑھتے تھے جسکو عام لوگ سمجھتے ہیں کہ جس وقت اور موقع کی وہ دعا ہے گویا اس وقت اور موقع کی بلاناغہی کے لیے ہو رہے جو دعا جا سے ضرور کو جاتے ہوئے آنحضرتؐ پڑھتے تھے اس دعا کا یہ اثر ہے کہ اس کے پڑھنے سے وہاں کی بلا دور رہتی ہے یہ خیال شارع کے خیال سے بالکل دور ہے ہرگز آنحضرتؐ کوئی دعا ایسے نہیں پڑھتے تھے کہ اس دعا کے پڑھنے سے بھوت پریت سے بچنا مقصود ہوتا تھا۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ ایسی باتیں اسلام سے بہت دور ہیں۔ ان دعاؤں کی اصلیت یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے لوگوں کو تعلیم کی تھی کہ خالق عالم کو کبھی رستو چاہتے چلتے پھرتے بیکاری یا باکاری کی حالت میں نہ بھولو ہر وقت اسکو یاد رکھو

اور اُسکی صنعتوں پر دھیان کرو۔ نماز تو بلا بیخ وقت کے لیے مقرر ہے جو ایک طور پر فوجی قواعد ہے لیکن خدا کا ذکر ہر وقت کر د قرآن میں بھی تاکید ہے کہ خدا کا ذکر کر د لیکن اس ذکر کے لیے کوئی خاص قاعدہ مقرر نہیں ہوا ہے۔ دل سے زبان سے خیال سے کھڑے بیٹھے لیٹے ہوئے جس طرح ممکن ہو اُسے یاد کرو۔ آنحضرت نے نماز کے متعلق تو مفروضہ قاعدے بتائے کہ وہ ایک طور پر فوجی قواعد تھی لیکن ذکر کے لیے کوئی خاص قاعدہ نہیں بتایا ہر شخص کی رائے اور آسانی پر چھوڑا۔ لیکن خود اپنے لیے مناسب الفاظ مناسب مواقع کے لیے آپ نے چُن لیے تھے۔ چنانچہ رات کو سوتے ہوئے جب کبھی آپ کی آنکھیں کھُل جاتی تھیں اور آسمان نظر آتا تھا تو یہ آیت پڑھتے تھے "ان فی خلق السموات والارض واختلاف الليل والنهار لآيات لا ادلی الالباب الذین یذکرون اللہ قیاماً و تعوداً و علیٰ جہوہم و تفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت ہذا باطلا سبحانک قضا عذاب النار" ترجمہ "آسمان و زمین کی خلقت میں اور رات اور دن کے الٹ پھیر میں اُن عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں جو اللہ کو اُٹھتے بیٹھتے لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں اور خلقت آسمان و زمین پر غور کرتے ہیں کہ اسے رب تو نے اسکو بیفائدہ نہیں بنا یا دیکھو یہ عالم اسباب بڑی صنعت پر مبنی ہے) تو پاک ہے۔ عذاب جہنم سے ہلکو بچا۔"

آدھی رات کو یہ کلمات آسمان کی طرف منہ کر کے کہے جائیں تو بے انتہا خلوص اور بے حد معرفت الہی پائی جائے گی۔ لیکن انہیں کلمات کو کوئی شخص رات کے سناٹے میں بلبابت سے نہ سنے کے لیے پڑھے تو ظاہر ہے کہ کس جہ شارع اسلام کے مقصود سے دوری ہو جائے گی۔

مرغ سحر جسکو موزن صبح سمجھنا چاہیے جب اپنی آواز سے لوگوں کو بیدار کرتا ہے تو اُسکی اس خدشت کی قدر دانی یہی ہے کہ فوراً آنکھ ملتا ہوا آنکھ کھڑا ہونا چاہیے۔ چنانچہ آنحضرت مرغ سحر کی آواز کو بہت معتنم سمجھتے تھے اور آواز سننے ہی بجاے آنکھ ملنے کے زبان کو جنبش دیتے تھے اور فرماتے تھے: ”اللهم انی اسئاک من فضلك“ اے اللہ ایسا ہی تیرا فضل میں برابر چاہتا ہوں کہ روز صبح کو اُنھ کی تیری یاد کردن۔ اب اگر کوئی یہ سمجھے کہ مرغ سحر کسی بلا کو دیکھ کر شور مچاتا تھا اور آنحضرت رد بلا کے لیے دعا پڑھتے تھے تو ظاہر ہے کہ وہ اصل مقصد سے کتنا دور ہے۔

اس تحریر کا منشا وہ ہے کہ جو دعائیں ہیں وہ حکیم کے نسخوں کی طرح الگ الگ امراض کے لیے بنائی نہیں گئی ہیں۔ ایسا بنا خدا کی قدرت میں ہے۔ خدا کی قدرت سے بحث نہیں ہے بحث یہ ہے کہ شارع نے دعاؤں کے یہ قاعدے بھی بتائے ہیں یا نہیں۔ رہا یہ امر کہ دعا کا رفع تکلیف کی غرض سے یا حاجت برآری کے لیے پڑھنا بے فائدہ ہے یا با فائدہ اس وقت موضوع اس بحث کا نہیں ہے۔

میرا عقیدہ یہ ہے کہ تمام دعاؤں سے مقصود اللہ کا ذکر ہے اور ضنوع و خشوع سے اُسکو پکارنا ہے۔ درود میں حسب حال الفاظ کہنے سے ضنوع اور خشوع میں زائد مدد ملتی ہے اور شانِ عبودیت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے جو تمام طاعات کی جڑ ہے۔ اتنا تو ظاہر ہے اور اس سے بڑھ کر اگر بہ نسبت ہو کہ خلاقانہ قدرت کو توڑ کر حاجت روائی کر دے گا تو ایمان کے خلاف نہ ہو گا۔ یہ صحیح ہے

کہ خدا قانوں قدرت کے خلاف نہیں کرتا لیکن یہ سمجھنا کہ وہ کرنا چاہے جب بھی
 نہیں کر سکتا سخت بے ادبی ہے بلکہ کفر ہے۔ جس خدا نے قانوں قدرت
 بنایا ہے وہ اُسکو توڑ بھی سکتا ہے۔ پنکھے کی ڈور کو جو اندھا بیٹھا ہوا کھینچتا ہے
 اسکے اختیار میں قوا تناسل ہے کہ اُسے چھوڑ دے تو ہوا اڑک جائے اور خالق عالم
 باوجود خالق ہونے کے یہ قدرت نہ رکھے کہ خلقت عالم کے کسی معین قاعدہ کو
 مٹا دے تو وہ خالق عالم کا ہے کہ وہ خالق عالم کا فرد اور ابھی نہیں ہے بہر حال
 اللہ سے دعا مانگنا کہاں تک درست ہے اور اُسکے قبول ہونے کی امید کے
 کیا معنی ہیں یہ مجھ بحث ہے یہاں پر صرف چند اشعار مولانا سے رومی کے ہدیہ
 ناظرین ہیں۔

از دعا ہانست بس مقصود نشان جز سخن گفتن بآن شیرین زبان
 گر کند مقبول بس فہم المراد بادل و دیدار نقد آئند شاد
 گر کند ر دلزت آن بیشتر بہر تقریب سخن بار دگر

فصل سہفتا دم

اسلام اور غلامی

اپنے غلاموں کے ساتھ جو سلوک مسلمانوں نے کیے انکا بیان فصل ۹
 "غلاموں کی حالت" میں دیکھیے۔ فصل ۱۰۔ "مسلمانوں کے احسانات
 دنیا پر" میں بھی غلامان مصر کی حالت بیان کی گئی ہے۔ یہاں صرف یہ دیکھنا
 ہے کہ قرآن نے غلامی کا انسداد بھی کیا یا یہ کہ محض اسکے طریقے مذہب کیے
 اور اسکے قائم رکھنے کا حکم دیا۔ میرا خیال یہ ہے کہ انسداد کیا۔

پہلے غلامی کی تشریح کرنا چاہیے تاکہ سمجھ میں آئے کہ غلامی کیا شے ہے اور بعد ازاں پھر یہ بتایا جائیگا کہ قرآن نے کیوں نکر اسکا السدا کیا ہے۔

دنیا کی تاسیخ پڑھنے سے یہ علوم ہوتا ہے کہ بدو خلقت سے تمام دنیا میں یہ دستور جاری تھا کہ لوگ لڑائی کے قیدیوں کو مویشی کی طرح اپنے قبضہ میں رکھتے تھے اور جس طرح چاہتے تھے انکے ساتھ برتاؤ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ انکی نسل کو بھی اپنی ملک سمجھتے تھے۔ یہ وہ صورت غلامی کی تھی کہ کسی مذہب سے مذہب قوم نے بھی اسے ناجائز نہیں خیال کیا تھا۔ اور دوسری صورت غلامی کی یہ تھی کہ فریب یا چوری سے کمزور زبردست کی قید میں آتا تھا۔ اور کبھی کبھی زر کے معاوضہ میں بھی ایسا ہوتا تھا۔ یہ صورت ضرور اخلاقاً مذموم سمجھی جاتی تھی لیکن اسکا رواج مثل اور بری باتوں کے تمام عالم میں تھا۔ اور کوئی قوم اپنی خود غرضی کے سامنے اسکے رد کرنے کی طرف کامل توجہ نہیں کرتی تھی۔ یہودیون۔ ایرانیون۔ ہندوون۔ یونانیون اور رومیون نے اپنے اپنے زمانہ میں بڑے بڑے عروج پائے لیکن غلاموں کی حالت کہیں بھی مذہب نہیں کی گئی۔ رومیون نے ضرور کچھ اپنے غلاموں کے حقوق کی حفاظت کی تھی لیکن بہت کم برائے نام۔ اور کثرت فترحات کی وجہ سے رومیون کے قبضہ میں جتنے غلام تھے پہلے کبھی دوسری قوموں کے پاس اتنے نہ تھے۔ ان تمام قوموں میں دونوں قسمیں غلامی کی بے تکلف جاری تھیں۔

اسلام کی برکت دیکھیے کہ دوسری قسم کی غلامی اسلام کے جاری ہوتے ہی ان تمام ممالک سے اٹھ گئی جہاں اسلام کا جھنڈا پہنچا۔ اور اگر کچھ قایم

ہوئی تو اسلام کے ضعف کے ساتھ قائم ہوئی۔ یعنی جہان کہیں زمانہ مابعدین
اصول اسلام سے چشم پوشی کی گئی وہاں اور برائیوں کے ساتھ دوسری قسم
کی غلامی بھی جاری ہو گئی لیکن اسلام پر اسکا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ تمام غلام
زمانہ اسے تسلیم کرتے ہیں۔ رہی پہلی صورت۔ اسکی نسبت ہم یہ ضرور کہیں گے کہ
اسلام نے اسکو مٹانا چاہتا تھا مگر اسکی بیخ کنی علی طور پر نہ ہو سکی۔ بعد زمانہ رسول کے
وہ مسلمانوں میں قائم رہی لیکن یہ دلیل اس امر کی نہیں ہو سکتی کہ اسلام نے بھی
اسکی اجازت دی ہے۔

پہلے ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام نے اسکا انسداد کرنا چاہا اور بعد ازاں
بہرہم یہ دکھانا کہ اس پر عمل کیوں نہ ہوا۔

عرب میں وقت اسلام پھیلنے کے چھ قسم کی غلامی جاری تھی۔ اول خود کو بیچ
والنا۔ دوم اپنی اولاد و صغیر کا بیچ ڈالنا۔ سوم چھوٹے لڑکے یا لڑکیوں کا بچھا کر یا
چور کر بیچ ڈالنا۔ چہارم زبردستی اور ڈاکہ زنی یا رہزنی سے کسی کو بچھڑانا۔ پنجم
زمانہ جنگ میں دشمن کے ملک کی رعایا کو بچھڑانا۔ ششم حالت جنگ میں مردوں
عورتوں اور بچوں کو قید کر لینا۔ ان جملہ اقسام کے غلام عربوں کے پاس تھے
اور جو جتنا ہی زبردست تھا اتنے ہی زیادہ غلام اس کے پاس تھے۔ آنحضرت نے
قطعی حکم غلاموں کے آزاد کرنے کا نہیں دیا کیونکہ یہ بالکل ہی خلاف مصلحت تھا
لیکن موجودہ غلاموں کے آزاد کرنے کو بے حد باعث ثواب بتایا۔ بلکہ بہت سے
جرائم کا کفارہ اسے قرار دیا۔ اور آمیزہ غلامی کے انسداد کے لیے صریح
حکام سنائے۔

سورہ محمد میں خدا فرماتا ہے۔ "جب تم مقابل ہو کہ فزون کے تو انکی گردنیں کا تو اور جب ان پر گھسان کہ جنگ تو انکو قید کر لو۔ پھر قید کرنے کے بعد یا تو ان پر احسان رکھ کر یا ان سے فدیہ لیکر انکو چھوڑ دو"۔

اب اس سے زائد تر وضاحت کیا جا رہی ہے۔ صاف محکوم ہوا کہ احسان لکھ کر چھوڑ دیا فدیہ لیکر چھوڑ دو۔ کوئی تیسری یا چوتھی صورت نہیں بتائی گئی۔ یعنی قید یا جنگ کے قتل کرنے یا غلام بنانے کا حکم قرآن میں کمین نہیں دیا گیا۔ دوسری صورت میں اسخدا کر دیا گیا۔ یعنی صرف احسان رکھ کر یا فدیہ لیکر چھوڑ دینا بتایا گیا۔ مشرکین عرب کی بہت سی بری رسمیں اسوقت مسلمانوں جاری تھیں جب تک انکی ممانعت کی نفس قطعی نہیں آئی تھی۔ مثلاً جب تک شراب پینے کی ممانعت قرآن میں نہیں ہوئی مسلمان شراب پیتے تھے اور اسی طرح وہ دو بہنوں کو ایک ساتھ زوجیت میں بھی رکھتے تھے۔ باپ کی بیوائیں بھی جب تک اسکی ممانعت نہیں آئی مسلمانوں کی زوجیت میں آتی تھیں۔ اور جب ممانعت ہوئی تو موجودہ عورتیں بدستور زوجیت میں رہیں اور آمیزہ کے لیے ممانعت نافذ سمجھی گئی۔ اسی طرح آیت حریت کے بعد وہ غلام جو پہلے سے موجود تھے بدستور حالت غلامی میں رہے لیکن اسناد غلامی کی آیت نازل ہونے کے بعد پھر کوئی نیا غلام نہیں بنایا گیا۔

جو غلام موجود تھے انکی آزادی اور آسائش کے لیے احکام صادر ہوئے۔ غلاموں کا آزاد کرنا پیغمبر نے باعث ثواب بتایا گناہوں کا کفارہ بھی اسے مقرر کیا یہ بتایا کہ غلام اپنی قیمت خود ادا کرنا چاہیں تو ان سے اقرار نامہ لیکر انکو کمانے کی اجازت

۱۔ فاذا القیتم الذین کفروا فرب العقبان حتی اذا شئتموهم فشدوا الرناق فاما ما بعدہما فانداء۔ سورہ محمد۔

دیر و اورا لیے غلاموں کے لیے چندہ کرنے کی ترغیب دی۔ بیت المال سے روپیہ دینا بھی جائز رکھا۔ بعض حالتیں ایسی مقرر کیں کہ نوٹدیاں خود بخود آزاد ہو جائیں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی ازہیں تاکید کی۔ ان سب احکام سے غلاموں کو یہ دھوکا ہوا کہ غلامی قائم ہے حالانکہ آئندہ غلامی کو روک کر موجودہ غلاموں کے لیے یہ احکام بتائے گئے تھے۔

قیدیوں جنگ سلاہوں کے قبضہ میں اگر انکے حسن سلوک سے ایسا خوش ہوتے تھے کہ وہ گھر کا نام بھی نہیں لیتے تھے اورا لیے احسان رکھ کر چھوڑ دینا یا فدیہ لیکر چھوڑ دینا یہ ایک حق تھا جس کا مطالبہ غلاموں کی طرف سے نہیں کیا گیا فقیر خدا کی شان دوسری تھی وہ از خود غلاموں کے اس حق کو نافذ کرتے تھے۔ اسکے بعد جب سلاہوں میں دولت بڑھی اور حسن اخلاق میں ترقی ہوئی تو غلاموں کو آزاد ہونے سے قید میں رہنا کمین اچھا معلوم ہوتا تھا اور پھر وہ غلامی غلامی نہیں ہی وہ ایک قسم کی اغوت تھی جس طرح ہندوستان میں بتنی بیٹا بنانے کا دستور ہے۔ چیلے خوشی سے گھر چھوڑ کر گرو کے گھر آتے ہیں۔ اسی طرح یہ غلام بنائے ہوئے بھائیوں کی طرح عیش و عشرت میں عربوں کے ساتھ بسر کرتے تھے اور گھر کا نام بھی نہیں لیتے تھے۔ اسی طرح رفتہ رفتہ قیدیوں جنگ کا غلام بننا جس کا اسناد دینے کی کیا تھا عربوں میں اور انکے ذریعہ سے تمام بلاد اسلام میں قائم رہ گیا۔

قرآن میں جہاں کمین احکام غلاموں کے مذکور ہوئے ہیں وہاں عیش و مافی مستعمل ہوا ہے جس سے صریح ظاہر ہوتا ہے کہ گزشتہ غلاموں کے متعلق یہ احکام تھے قرآن میں کوئی ایسا لفظ نہیں آیا ہے جس سے معلوم ہو کہ آئندہ قیدی کے

متعلق کوئی حکم ہے۔ احادیث اور سیر کی کتابوں کو بغور پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا کے زمانہ میں بعد اس آیت حریت کے کوئی قیدی جنگ غلام نہیں بنایا گیا۔ قرآن کی نص قطعی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل صریح ثبوت اسکا ہے کہ غلامی کا ان کو اسلام نے کیا۔

آج کل یورپ میں قیدیوں کی جنگ کے ساتھ برابر کاربائو ہوتا ہے نہایت آرام سے وہ رکھے جاتے ہیں اور بعد جنگ ختم ہونے کے وہ چھوڑ دیے جاتے ہیں کبھی تو بطور احسان کے اور کبھی خرچہ جنگ کا معاوضہ لیکر۔ قیدیوں کی جنگ کا قتل کرنا یا انکو بطور مال مغرورہ کے باہم تقسیم کر لینا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ اور اس کے خلاف ہونا صریح بدعت مذہبی اور خلاف انسانیت سمجھا جاتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن جب کو دعویٰ ہے کہ وہ ہر قرن اور ہر قوم کے مناسب حال ہے اور تمام امور کی نسبت اس میں ہدایتیں ہیں اس بارہ میں کیا حکم دیتا ہے۔ یہ سوال اول اول سرسید کے دل میں پیدا ہوا اور انھوں نے ایک رسالہ اس پر تحریر کیا اور ثابت کیا کہ قیدیوں کی جنگ کا قتل کرنا یا غلام بنانا قرآن میں محکوم نہیں ہے اور نہ پیغمبر خدا نے آیت حریت نازل ہونے کے بعد کبھی قتل کرنے یا غلام بنانے کا حکم دیا۔ اس پر سرسید نے قرآن سے اور قول پیغمبر سے عمدہ طور پر اپنے دعویٰ کو ثابت کر دیا ہے۔ لیکن آخر میں انھوں نے یہ لکھا ہے کہ خلفائے اربعہ کے زمانہ میں غلام بنانے کا قاعدہ جو جاری تھا تو وہ بجا تھا۔ خلفائے اربعہ محض نہ تھے اور نہ انکا فعل بہ مقابلہ فعل رسول کے قابل سند ہے۔ بیشک خلفائے اربعہ محض نہ تھے اور نہ انکا فعل بہ مقابلہ فعل رسول کے قابل سند ہے لیکن وہ قرآن اور فعل

رسول کو ہم سے اچھا سمجھتے تھے اگر ہم قرآن اور حدیث سے افعال خلفاء العجہ
 و اعمال مسلمانان متقدمین کی مخالفت قائم نہ ہونے دین تو یہ ہماری بڑی کامیابی ہر
 اسلئے مستند کے خیالات پر مفصل ذیل مضمون اضافہ کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔
 قرآن میں یہ حکم ہے کہ "احسان رکھ کر چھوڑ دیا فدیہ لیکر چھوڑ دو" یوں محکوم
 نہیں ہے کہ "فدیہ لیکر چھوڑ دیا احسان رکھ کر چھوڑ دو"، اگر پہلی صورت ہوتی تو
 چھوڑنا لازم ہوتا۔ پہلی صورت میں چھوڑنا اس وقت لازم آتا ہے کہ کوئی فدیہ لیکر آئے
 اور فدیہ بھی معقول ہو اور کہے فلاں غلام میرا عزیز ہے اور یہ اسکا فدیہ ہے چھوڑ دو۔
 کہیں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خلفاء سے اربعہ کے پاس کوئی فدیہ لیکر آیا اور
 اسکا عزیز یا محبوم اسکی درخواست پر چھوڑا نہیں گیا۔ جب ایسا نہیں ہوا تو خلفاء
 اربعہ پر خلاف نص صریح کے عمل کا الزام عاید نہیں ہوتا۔ جب تک احسان رکھ کر چھوڑنا
 یا فدیہ لیکر چھوڑنا عمل میں نہ آتا قید میں رہنا لازم تھا۔ مسلمان اگر بجائے قید منہائی
 کے قیدیوں کو اپنے گھروں میں بطور شاگردوں کے رکھتے تھے اور انکو ہر طرح کا
 آرام دیتے تھے ایسا آرام کہ وہ قیدی اپنا گھر بھول جاتے تھے یہ صورت اچھی تھی
 جیسی نہ تھی۔ غلام آزاد کرنے کا بڑا دستور مسلمانوں میں تھا اور یہ صریح طور پر احسان لکھ کر
 چھوڑنا کہا جائے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح پیغمبر خدا بعد آیت
 حریت کے جنگ ختم ہوتے ہی قیدیوں کو چھوڑ دیتے تھے ویسا خلفاء اربعہ نے
 کیوں نہ کیا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ پیغمبر نے ایسا جو کیا وہ شانِ پیغمبری تھی اور دوسرے
 یہ کہ پیغمبر کے عہد میں انبیاء تک عرب میں ہوئیں لڑائی فتح ہوئی اور فوراً قیدیوں
 کو آزاد کر دیا۔ تمام قیدی مسلمان ہو کر فوج میں داخل ہو گئے۔ خلفاء کے عہد میں غیر قوم

کے قیدی سزائوں طے کر کے لائے جاتے تھے نہ وہ برلی سمجھتے تھے اور نہ ملکی رواج سے واقف تھے۔ اپنے ملک میں رہتے تو فساد کرتے۔ عرب میں احسان رکھ کر چھوڑ دیے جاتے تو بھیک مانگتے۔ بھیک مانگنے سے انکا کسی کے گھر میں بھائی بنکر رہنا اچھا تھا احسان رکھ کر چھوڑنا مناسب نہ تھا اور فدیہ دینے والا کوئی موجود نہ تھا کہ فدیہ دیکر انکو اپنے ملک کو لیجائے۔ ایسی حالت میں سوائے قید کے دوسری صورت نہ تھی اور قید کی بہترین صورت تھی کسی کے گھر میں انکو رکھنا۔ اور یہ کہ دنیا کہ جب موقع آئے تو احسان رکھ کر آزاد کر دینا۔ بس یہی حالت خلفاء عربیہ کے زمانہ کے قیدیوں کی تھی۔

قرآن میں یہ حکم نہیں ہے کہ خواہ مخواہ قیدیوں کو چھوڑ دو اور نہ ایسا حکم سب ہو سکتا تھا۔ اب بھی کسی مذہب کو رہنمائی کا یہ قانون نہیں ہے کہ خواہ مخواہ قیدی چھوڑ دیے جائیں۔ قیدیوں کے قتل کرنے کی ضرورت مانعت ہے اور خلفاء عربیہ کے زمانہ میں بھی کوئی قیدی قتل نہیں کیا گیا تھا۔ فتوحات اسلام کے زمانہ میں ریل نہ تھی تار نہ تھا۔ مترجم زبانوں کے بکثرت نہ تھے۔ راستہ کی سہولت نہ تھی۔ فتوحات کی کثرت تھی۔ مسلمانوں کے اخلاق دلوں کو مسخر کر رہے تھے۔ جو قیدی مدینہ میں آیا اسے بھائی بند گھر ہی پر مسلمان ہو گئے۔ اب بجائے اسکے کہ وہ قیدی کے چھوڑانے کے لیے فدیہ بھیجتے انکو قیدی کی حالت پر رشک آنے لگا کہ اسے کاش ہم بھی قیدی ہو گئے ہوتے تو مدینہ اور مکہ کی زیارت کرتے۔ خلیفہ وقت کی صورت دیکھتے۔ ہمارا بھائی بڑا خوش نصیب تھا کہ اسکی ہجرت کے لیے غریب سے ایک صورت پیدا ہو گئی۔

قرآن کا یہ بخیرہ ہے کہ وہ ہر حالت کے مناسب ہے۔ آیت حریت پر بخیر
 خدا نے جس طرح عمل کیا وہی مناسب تھا۔ بعد ازاں خلفائے اربعہ کے وقت
 میں جس طرح اس پر عمل ہوا وہی ٹھیک تھا۔ اس وقت اس سے اچھا عمل اس پر نہیں
 سکتا تھا۔ اب سلطان روم یا شاہ ایران وغیرہ شاہان اسلام کو لڑائی کی نوبت
 آئے اور قیدیان جنگ کے ساتھ یورپین تہذیب کے موافق وہ عمل کریں تو
 کہا جائے گا کہ قرآن کے موافق انھوں نے عمل کیا قرآن میں قیدیان جنگ کو
 قتل کرنے کا حکم آیت حریت میں نہیں ہے۔ یورپین بھی اپنے قیدی قتل نہیں
 کرتے۔ رہا انکا چھوڑنا یہ لازم نہیں ہے۔ یورپین کبھی کبھی احسان رکھ کر چھوڑتے
 ہیں اور کبھی خرچہ جنگ لیکر چھوڑتے ہیں اور خرچہ جنگ نہیں ملایا حسب خواہ نہیں
 ملا تو نہیں بھی چھوڑتے۔ یہی قرآن بھی کہتا ہے اور یہی اس وقت کی مہذب قوموں کا
 برتاؤ ہے۔

فصل ہفتاد و یکم

سود خوری

سود خوری کے متعلق نصوص قرآنی حسب ذیل ہیں۔

”سود کھانے والے (قیامت میں) ایسے کھڑے ہوں گے گویا انھیں شیطان
 نے چھو کر مجنوں کر دیا ہے یہ اُنکے اس کہنے کی سزا ہے کہ جیسا معاملہ بیع کا ہے
 ویسا ہی سود کا ہے۔ حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے
 اللہ سود کو گھٹاتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے (یعنی اسمین
 برکت نہیں دیتا اور اسمین برکت دیتا ہے) مسلمانوں تم ایمان رکھتے ہو تو

کرنا ایک قسم کی قمار بازی ہے اسکے متعلق میں خود ایک اپنا واقعہ درج کرتا ہوں۔
 میں نے اپنے ایک عزیز کو کچھ روپیہ تجارت کے لیے دیا۔ اس عزیز نے دو تین
 برس میں اصل کو دو گنا کر دیا اور یہ کامیابی کی صورت تھی۔ مجھ کو خبر ہوئی تو میں نے
 صرف اتنا کہا کہ ”تجارت میں زکوٰۃ ضرور دیجائے اور سود پر کوئی معاملہ نہ کیا جائے
 ورنہ بغیر ان دونوں باتوں کے تجارت میں برکت اور پائیداری نہیں ہوتی۔
 عربوں کی تجارت ہیشہ ہاپشت چلتی تھی پانچ یا سچ سو برس تک انکی تجارت
 قائم رہتی تھی۔ مصر کے خاندانی تاجروں کی دولت کی نسبت مورخوں نے
 لکھا ہے کہ بادشاہوں کو ان سے کوئی نسبت نہ تھی۔ اور آج کل کی یورپین تجارت
 گو یا کچھ سوت کا جال ہے۔ رز ہی دلیوالہ نکلا کرتا ہے۔ پونجی کچھ نہیں اور
 انتظام تمام خدائی کا۔ ذرا بل پڑا اور دیوالہ نکلا۔ صنعت و حرفت کو ان لوگوں نے
 تجارت کے ساتھ ملا دیا ہے اس لیے ذرا پائیداری ہے اور جہاں کہیں نری
 تجارت ہے وہاں کچھ بھی قیام نہیں ہے۔“ غرض کہ اس عزیز نے میری
 نصیحت پر کچھ بھی عمل نہیں کیا اور نتیجہ بد دیکھنے میں آیا۔ نقصان ہوا تو ایسا کہ اصل
 اور نفع سب کا سب جاتا رہا۔ خبریت ہوئی کہ کچھ گھر سے دینا نہیں پڑا۔ تفصیل اس
 اس جال کی یہ ہے کہ پانچ ہزار سے تجارت شروع ہوئی تھی تیس سے برس میں
 ہزار ہو گئے۔ اور اس میں ہزار کا گھی علاقہ نیپال سے لیکر کلکتہ روانہ کیا گیا۔ اڑ
 میں مال بہرہ سچتے ہی ساڑھے نو ہزار سودی مل گئے۔ فوراً ساڑھے نو ہزار کا مال
 بھیجا گیا اور نو ہزار بھر مل گئے۔ غرض کہ اسی ایرا پھر میں ایک لاکھ لاکھی روپیہ کے
 اندر کلکتہ پہنچ گیا اور ۹۰ ہزار سودی قرض اس مال کی ضمانت پر گویا تجارت کے

سر آیا۔ اتفاق دیکھیے کہ گھی کا بازار روز بروز اترتا گیا اور اتنے میں برسات آگئی اور گھی خراب ہونے لگا۔ اب تک مجھے خبر نہیں ہوئی تھی کیونکہ کارکن دوسرے صاحب تھے۔ یہ حالت دیکھ کر میرے ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ "بیدار ہو جائیے نہیں تو گھر کی جائیداد بھی نیلام ہوا جا رہی ہے" تمام حالات مجھ کو ان سے معلوم ہوئے تو مجھ کو بھی پریشانی ہوئی کہ جب گھی خراب جائے گا تو ضرور ہے کہ ۹۰ ہزار میری ذات اور جائیداد سے وصول کیا جائے۔ یا میری جائیداد سے نہ سہی اس شخص کی جائیداد سے جسکے نام سے تجارت جاری تھی۔ بہر حال اب مجھ کو فکر ہوئی اور کسی طرح میں نے اس گھی کے بکنے کا بندوبست کیا۔ خیریت ہوئی کہ ڈرگا لپچا کا زمانہ آگیا اور گھی کسی طرح فروخت ہو گیا اور صرف دس ہزار کا نقصان ہوا۔ اصل رقم اودھ میں سال کا نفع یہ سب اس نقصان کی نذر ہوئی نفع ہوتا تو لاکھ پر ہوتا نقصان ہوتا تو وہ بھی لاکھ کے پرتے سے ہوا۔ نفع میں ایک دم سے کام بن جانے کی امید تھی اور نقصان میں ایک دم سے سب کا رد بار گز گیا۔ اسوقت مجھے معلوم ہوا کہ لوگ جو کہتے ہیں کہ آج کل کی تجارت نہیں سود کے نہیں چلتی اسکا مطلب یہ ہے کہ آج کل کی تجارت قمار بازی پر تجارت نہیں ہے۔ حالانکہ تجارت وہی ہے جو شرع میں محکوم ہے کہ سود کا معاملہ کیا جائے اور نہ قمار بازی کی صورت پیدا ہو جتنی دولت ہو اسی کی مقدار سے تجارت کی جائے۔ اور تجارت میں بکری نقد ہو اور دھار نہ ہو۔ لوگ کہتے ہیں کہ اودھانے پیچھے نہیں تجارت نہیں چل سکتی۔ یہ غلط ہے۔ اودھانے پیچھے بھی ایک قسم کی قمار بازی پر سب سے ۲ فی روپیہ نفع لینے کے سہ فی روپیہ کے لالچ سے لوگ قرض دیتے ہیں۔ قرض وصول ہو گیا تو بن گئے اور نہ وصول ہوا تو بگڑ گئے۔ سب سے بد آنے کے پونے دو آنے قبول کئے

جائین اور سہرہ منظور کیے جائیں تو تجارت میں بائنداری ہوتی ہے۔ اس وقت ملتے ہیں اور چار مہینے بعد دس ملین گے یہ سود نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ غرض کہ سود کے معاملے سے شرع محمدی نے روک کر انسانی مہر و دی اور اصول تجارت کا پورا اور کچا سبق مسلمانوں کو سکھایا ہے۔

سیوم یہ سود لینے سے دلوں میں کزوری اور نیتوں میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ بے محنت کھانے کو ملتا ہے اور انسان کے لیے سب سے بڑی بلا ہے کہ اسکو محنت نہ کرنا پڑے اور کھانے کو ملتا جائے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سود خوار اپنے ہندوستان کے نہایت مالدار اور ایماندار ہوتے ہیں اور نہایت لطف سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ بالکل خلاف شرع عمل کرتے ہیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ بمقابلہ تجارت کے سود خوار کم ستمول ہوتے ہیں۔ سواحل بحر کے تاجروں سے مقابلہ کیا جائے تو سود خوار اپنے نہایت قلیل البضاعت ثابت ہونگے۔ رہی انکی ایمانداری۔ میں بھی تسلیم کرتا ہوں کہ ہندوستان کے دیگر پیشوں سے سود خاری اچھی ہے۔ اور اسلیے نسبتاً سود خوار ایماندار بھی ہیں۔ اور خوش حال بھی ہیں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سود خاری تجارت سے اچھی ہے۔ ایک پیشہ ملازمت کا ہے۔ یہاں کی ملازمت میں رشوت کو اخلاقاً معیوب نہیں سمجھتے۔ کتنے ملازم جو سیکڑوں روپیہ ماہانہ رشوت لیتے ہیں سود خوار کے گھر کا پانی نہیں پیتے اور کہتے ہیں کہ سود خوار کے گھر کا پانی حرام ہے حالانکہ رشوت لینے اور خیانت کرنے سے سود کھانا اچھا ہے۔ اسی طرح جزمیندار آسامیوں پر جبر ناجائز کر کے از روٹی داروں سے بے ایمانی کر کے روپیہ ہبہ کرتے

ہین انکی زمیندار سی سے سود خوری اچھی ہے۔ رفق و سرو د کے پیشہ سے صہین
 زنا کاری لازم ٹھہرائی گئی ہے سود خوری بدرجہا اچھی ہے۔ حتیٰ کہ تجارت میں جوڑٹ
 بولنے والے اور دعا دیتے والے بھی سود خوار سے بہتر ہین۔ مال یتیم کھانے والے
 دوسروں کی جائیداد پر قبضہ نا جائز رکھ کر تہادی کا عذر پیش کرنے والے بھی سود خوار
 سے بُرے ہین۔ مین ڈرتا ہوں کہ میری تحریر سود خوری کی ترغیب نہ دے۔ سود
 کھانا بُرا ہے اور ضرور بُرا ہے لیکن اسوقت سود کھانے سے بھی زیادہ تر بُرے
 دستور کسب معاش میں جاری ہین اُنسے بھی اجتناب چاہیے اور سود خوار بھی سے
 بھی سچا چاہیے۔ پھر اکل حلال میں وہ لطف آئے گا اور دولت اتنی جمع ہوگی کہ
 رکھنے کی جگہ نہ ہوگی۔ یہ غلط خیال ہے کہ فاقہ کشی کے لیے اسلام آیا ہے اسلام
 پھیلا گیا ہے انسان کو متمول کرنے کے لیے۔ اسلام کے قاعدوں پر عمل
 کرنے سے جتنی دولت جمع ہوتی ہے دوسرے ذریعہ سے جمع نہیں ہو سکتی
 بشرطیکہ کہ پورا پورا عمل کیا جائے۔

فصل ہفتادوم

رسم پردہ

عورتوں کے پردہ کے متعلق جو احکام قرآن میں ہین وہ یہ ہین۔
 ”پیغمبر مسلمانوں سے کہو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرگاہوں کی
 حفاظت کریں۔ اسمیں انکی زیادہ صفائی ہے۔ وہ جو کچھ کرتے ہین اللہ کو معلوم
 ہوتا ہے۔ اور مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی
 شرگاہوں کی حفاظت رکھیں اور اپنے مقامات زینت ظاہر نہ ہونے دیں سو کہ

ان آیتوں پر غور کیجیے۔ پہلی آیت میں عورتوں کو صرف یہ تاکید ہے کہ وہ اپنے مقامات زینت ظاہر نہ ہونے دین اور سینوں پر ایسا کپڑہ رکھیں کہ سینوں کا اُبھار دیکھ نہ پڑے۔ مقامات زینت میں سے وہ مقامات جگنا ظاہر کرنا لادبی ہے سستی کے گئے ہیں۔ فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ ہتھ اور ہتھیلیوں کے سوا عورتوں کو اپنا تمام جسم چھپانا چاہئے شرع میں قاضی کے سامنے عورتوں کو ہتھ کھول کر اظہار دینا محکوم ہے۔ تمام عورتیں مسلمانان سابق کی برابر سفر کرتی تھیں۔ باہر نکلتی نہیں۔ آخر وقت تک پیغمبر خدا اپنی ازواج کو برابر اپنے ساتھ ساتھ سفر میں لجاتے تھے۔ ہندوستان میں جس طرح عورتیں چار دیواری کے اندر قید رہتی ہیں عدالت میں کبھی جانے کا اتفاق ہوا تو ڈولی کے اندر کوٹو بگر گئیں۔ ریلوے اسٹیشن پر ٹرین سے اترتے چڑھتے وقت تمام مسافروں کا تماشہ نبی رہیں یہ دستور اسلام نے نہیں سکھایا ہے۔ اب بھی عرب۔ مصر۔ شام وغیرہ تمام بلاد اسلام میں عورتیں بے تکلف گھوڑوں پر چڑھتی ہیں اور سب کام بازار کا کرتی ہیں۔ ہتھ پر بُرقہ رکھتی ہیں۔ لیکن یہ بُرقہ اچھا ہوا یا بُرا قرآن میں محکوم نہیں ہے اور نہ پیغمبر خدا کے زمانہ میں شروع ہوا۔ جس طرح کعبہ کے گرد چار مُصلّے بنائے گئے اُسی طرح کعبہ کو بُرقہ بھی جاری ہوا۔ اسکی بدعت ہونے میں کلام نہیں ہے۔ حسد اور سکیہ کا تصفیہ کرنا میں نہیں چاہتا۔

غرض کہ ہتھ چھپانے کا حکم قرآن میں کہیں نہیں ہے البتہ سورہ اخرا میں لکھوٹ نکالنے کا حکم ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح دہلی اور مکتوں میں مہاجدین کی عورتیں دریا۔ بازار یا مقامات پر پیش و غیرہ کو پیادہ یا گھونگھٹ نکالے ہوئے خبیثہ کی جھنڈ جاتی ہیں اسی طرح قرآن میں بھی مسلمان عورتوں کی نسبت حکم ہے کہ وہ گھونگھٹ

نکال کر چلا کرین۔ اگر یہ معنی صحیح ہوں جب بھی جو طریقہ پردہ کا مسلمانوں میں رائج ہے
 انکی تائید اس سے نہیں ہوتی۔ لیکن واضح رہے کہ گھونگھٹ نکال کر چلنا "متفق
 علیہ ترجمہ نہیں ہے یہ ترجمہ باعتبار رواج کے مولوی نذیر احمد صاحب نے اختیار کیا
 اور ممکن ہے کہ انکو دھوکا ہوا ہو مولوی عبدالقادر کے حاشیہ سے جس میں لفظ گھونگھٹ
 کا استعمال کیا گیا ہے۔ یا تفسیر حسینی میں جو عبارت "این پوشیدن سرور سے و
 بدن" ہے اسنے انکو مغالطہ دیا ہو۔ یا کوئی اور ترجمہ متاخرین کا انھوں نے دیکھا
 ہے بہر حال دیگر مستند تراجم میں گھونگھٹ نکالنا نہیں لکھا ہوا ہے بلکہ چادر اوڑھنا
 لکھا ہوا ہے۔

مختلف ترجمے

مولوی نذیر احمد دہلوی اپنی چادروں کے گھونگھٹ نکال لیا کرین۔
 مولوی شاہ ولی اللہ فروگزارد بر خود چادر ہا سے خود۔
 سعدی علیہ الرحمۃ فروگزارد بر خود از چادر ہا سے خود
 مولوی رفیع الدین نزدیک کرلین اور اپنے بڑی چادرین اپنی۔
 شاہ عبدالقادر نیچی لٹکا لیں اپنے اور پتھوڑی سی اپنی چادرین۔
 مولوی نذیر احمد نے وہ مضمون صاف کر دیا جسکو دب کر مولوی عبدالقادر
 لکھا تھا۔ لیکن مولوی رفیع الدین کے ترجمہ سے ذرا بھی گھونگھٹ نکالنے کی طرف
 اشارہ نہیں نکلتا۔ اور نہ سیاق عبارت سے ایسا معلوم ہوتا۔ شان نزول آیت
 یہ ہے کہ مدینہ کی عورتیں جب باہر نکلتی تھیں تو لوگ دل لگی کرتے تھے۔ شریف کی
 عورتوں کی شکایت پر لوگوں کو یہ عذر ہوتا تھا کہ لونڈیوں میں اور شریف کی عورتوں

میں جب کبھی فرق نہیں ہوتا تو غلطی ہو جاتی ہے۔ حکم ہوا کہ عربوں میں جو دستور پہلے سے تھا کہ عورتیں کئی تہ کپڑے پہنتی تھیں وہ کیون نہ جاری رہے۔ یعنی عورتیں سب کپڑوں کے اوپر ایک بڑی سی چادر اوڑھ لیا کریں اس طرح وہ پہچان پڑیں گی کہ میدان ہیں اور پھر کوئی انکو نہ جھپٹے گا۔ اسوقت عرب میں گھونگھٹ نکالنے کا دستور نہ تھا۔ کہیں سے اسکا پتہ نہیں چلتا۔ اگر عرب کی عورتیں گھونگھٹ نکال چلتیں تو جھپٹنا سوقوف نہ ہوتا وہ تو اور ایک تماشہ ہو جاتا۔

بہر حال عورتیں اسلام میں اسی طرح چل پھر سکتی ہیں اور بے تکلف باہر نکل سکتی ہیں جس طرح یورپین لیڈیان صرف اسقدر فرق ہے کہ یورپین لیڈیان جو سر اور گردن کو کھلا رکھتی ہیں اور سینہ پر کوئی اوڑھنی نہیں رکھتیں یہ خلاف شرع ہے اگر وہ اسقدر ترسیم کر لیں تو انکی پوشش اور روش شرع محمدی کے مطابق ہو جائے۔

بعض مہندوؤں کا قول ہے کہ رسم پردہ مسلمانوں سے مہندوؤں نے لی ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے عرب سے کابل تک پردہ کی نوعیت میں وہ سختی نہیں ہے جو شریف مہندوؤں یا شریف مسلمانوں میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پردہ کی موجودہ حالت مہندوؤں میں تھی مسلمانوں نے اسکی تقلید کی اور اتنا سبالغہ کیا کہ مہندوؤں سے بھی بڑھ گئے۔ میں اپنے قیاس کی دلیل یہ رکھتا ہوں کہ قوم منکوب کا شمار ہے عورتوں پر سختی کرنا۔ عرب کو دیکھیے زمانہ انحطاط میں وہ کچھ اور نہ کر سکے تو عورتوں کے لیے جبر قہ نہایا۔ یہ برقمہ سر سے پاؤں تک ایک خول کی صورت میں نہایت تکلف مینے والا ہوتا ہے۔ جبکہ عادت نہیں ہے انکا تو دم گھٹنے لگتا ہے۔ لیکن پھر بھی شکر ہے مہندوستان کی قید و دام سے تو اچھا ہے۔ مسلمانوں کی آمد کے قبل مہندوؤں میں

رسم سنی جاری تھی عقد بیوگان کا افساد تھا۔ عورتوں کو مثل لونڈیوں کے یہ کہتے تھے۔ کیا کسی عورت سے جب تک وہ موجودہ قید کی حالت میں نہ رہے یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ شوہر کے ساتھ چنا پر جلنے کو طیار ہوگی یا جوانی کی حالت میں بیوہ ہو کر غیر مرد کی طرف دیکھنا پسند کرے گی۔ اگر ذرا سی بھی عقل لیکن سیدھی عقل ٹیڑھی نہیں ہمارے دماغ میں ہے تو ہم سوا اسکے اور کچھ نہیں سمجھ سکتے کہ پہلے عورتوں کا پردہ قائم ہوا اسکے بعد اُن سے فرمایش ہوئی کہ بیوہ ہونے پر پھر کسی مرد کا ہتھ نہ دیکھو اور بہتر ہے کہ مرد کے ساتھ تم بھی جل جایا کرو۔ یہی وجہ ہے کہ جن رذیل قوموں میں خانگی کا رواج ہے جھگڑوں کی وجہ سے رسم پردہ قائم نہ ہو سکی وہاں مردوں کی بہت اس قسم کی فرمایش کی طرف مائل نہ ہو سکی جس خاندان میں پردہ نہیں ہے وہاں عقد بیوگان جاری ہے۔ جہاں مسلمانوں نے اور بہت سی برائیاں ہندوستان میں سیکھیں وہاں یہ بھی سیکھا کہ جن عورتوں کو گھوڑوں پر دوڑاتے ہوئے اور میدان جنگ کی ہوا اٹھلاتے ہوئے وہ یہاں تک لائے اُنکو بیان مکان کی چار دیواری میں ہمیشہ کے لیے قید کر دیا۔

اس وقت جس طرح ہندوؤں میں جھوٹ کا بچار حیا و شرافت ہو جو جتنا ہی شریف ہے وہ اتنا ہی اس کا پابند ہے۔ اسی طرح یہاں کے شریف مسلمانوں کی پہچان اُنکی عورتوں کا پردہ ہے۔ جنکے گھروں میں جتنی ہی سختی کے ساتھ رسم پردہ جاری ہے اتنا ہی چڑانا اور خاندانی شریف اُنکو سمجھنا بجا ہے۔ اور ایک حد تک یہ صحیح بھی ہے۔ ہندوستان کی موجودہ شرافت کی قائم رکھنے والی گھر کی بیبیاں ہیں اگر رسم پردہ اٹھا دی جائے تو بہت بڑا انقلاب ہو جس طرح مرغ قفس قفس سے

کل کر دوسرے جانور دن سے خود کو بچا نہیں سکتا اسی طرح پردہ کی بیبیان اگر الیکٹیم سے باہر کر دی جائیں تو بہ نسبت رذیلوں کے انکو اپنی عصمت کا محفوظ رکھنا زائد و شمار ہوگا۔ اور ایک بہت بڑا اثر قوم پر ہوگا۔ اور دوسری طرف یہ وقت ہے کہ عورتوں کی تعلیم انکے حقوق کی حفاظت اور انکی جائز آزادی کا قیام منحصر ہے رسم پردہ کی سختیوں کے اٹھنے پر۔ اور انکی تعلیم اور جائز آزادی منحصر ہے قوم کی آئندہ ترقی۔ موجودہ حالت میں عورتیں غلام جن سکتی ہیں مرد میدان نہیں پیدا کر سکتیں۔ جب وہ خود غلامی کی حالت میں ہیں تو لڑکوں کو آزادی کا سبق نہیں سیکھا سکتیں۔ دونوں پہلو ہوتا ہے گئے۔ یہی خواہان قوم غور کریں کہ انکو کیا کرنا چاہیے۔

فصل ہفتا دسویں

روح۔ اور مسئلہ تنازع

اسلام میں روح کی نسبت اتنا ہی بتایا گیا ہے کہ وہ خدا کا حکم ہے۔ لوگوں نے پیغمبر خدا سے روح کی حقیقت پوچھی۔ وحی آئی۔ ”قل الروح من امر ربی“ ترجمہ (پیغمبر بتا دے کہ روح خدا کا حکم ہے) یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ روح کی حقیقت بیان کرنے سے انکار کیا گیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اس عالم ناسوتی میں اس سے زائد اگر سمجھایا جاتا تو سمجھ میں نہ آتا۔ کوئی سمجھ سکتا ہے تو صرف اتنا ہی کہ یہ خدا کا ایک حکم ہے۔ اور اسلئے مخاطب کی سمجھ کے موافق جواب دیا گیا۔ اور در پردہ یہ بتایا گیا کہ اس سے زائد کوئی سمجھنا چاہے تو سمجھ نہیں سکتا۔ کوشش کرنا بیکار ہے۔

حکیموں اور فلسفیوں نے روح کے سمجھنے کی کوششیں کی ہیں اور مختلف زمانہ میں اور مختلف فرقوں میں اسکی مختلف صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ

ایک ہوا ہے جو آتی ہے اور نکل جاتی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات کا ایک پرتو ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ ایک الگ شے ہے جسکے تعلق سے حیات قائم رہتی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ بہتیت مجموعی سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اسی کا نام روح ہے۔ اسی طرح بہت سی باتیں بیان کی جاتی ہیں جو مذہب اسلام سے نہ موافق ہیں نہ مخالف ہیں۔ ہر ایک راے سے زن اپنی راے کی نسبت یقین نہیں رکھتا صرف اتنا کہتا ہے کہ ممکن ہے کہ یوں ہو۔ اور یہ کسی طرح اسلام کے خلاف نہیں ہے جو کچھ خلاف ہے وہ اُسکے متعلق راے زنی کرنا ہے۔ یہ ایک راز خلقت ہے اور پیغمبر خدا نے کہا کہ اسپر غور نہ کرو۔ غور کرنے والے جب تھک کر کسی راے پر قائم نہیں ہوتے تو سوچتے ہیں کہ اسلام نے اسپر غور کرنے سے گریز کیا تو یہی نہیں کیا۔ مسلمانوں کے یہاں روح کی حقیقت بیان نہیں کی گئی ہے لیکن یہ بتایا گیا ہے کہ تمام جسم میں روح ہی اصل ہے اور اسی پر صحیح طور پر اطلاق انسان کا ہوتا ہے یہ بعد نابود ہو جانے جسم خاکی کے بھی قائم رہے گی۔ اور جسم خاکی سے تعلق رکھنے کے زمانہ میں جس قدر بڑا گیان اور بھلائی ان اس سے سرزد ہوئی ہیں ان سب پر اسکو افعال اور سرست ہوگی۔ بعضوں کے نزدیک اسی افعال اور سرست کو زبان تمثیلی سے دوزخ اور بہشت سے تعبیر کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ لیکن اتنا ضرور یاد رکھنا چاہیے کہ عمدہ کام کی ترغیب اور بُرے کاموں سے اجتناب کے لیے دوزخ اور بہشت کا ہونا لازماً ترقین قیاس صورت اور پراز حکمت بیان بہ نسبت اس قول کے ہے کہ تناسخ کے ذریعہ سے روح کو اپنے اچھے بُرے افعال کا نتیجہ اسی عالم میں معلوم ہو گا۔ ظاہر ہے کہ دوزخ اور بہشت میں روح کو اپنی سابق حالت کا خیال ہو گا تو وہ اُسکی

تجربہ تکلف
خوشی
عالم میں
جنم میں

یاد کرو
یاد کرو
کر لین
کو ہوگی

جاری
محمدی
یہ بظہر
کے
نماز
سور
دنیا

خوشی یا رنج کا باعث ہوگا۔ لیکن تنازع کا مسئلہ اصلاح حال میں کچھ مدد نہیں دیتا اس عالم میں کوئی شخص کتنی ہی بُری حالت میں ہے لیکن اسکو کبھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ گزشتہ جنم میں ہم نے فلان بُرائی کی تھی اسلیے اس حال کو پہونچے۔

اسلام کہتا ہے کہ بُرے کام کرو گے تو دوزخ میں جلو گے اور وہاں ہی بُرائیاں یاد کرو گے اور بچتاؤ گے۔ اچھے کام کرو گے تو جنت ملے گی اور جنت میں اپنی بھلائیاں یاد کرو گے اور سمجھو گے کہ تمہارے نیک اعمال کا یہ بدلہ ملا ہے۔ ناظرین خود فیصلہ کر لیں کہ اچھے کاموں کی ترغیب دوزخ اور بہشت کے وجود پر ایمان لانے والوں کو ہونگی یا مسئلہ تنازع پر یقین کرنے والوں کو؟۔

فصل ہفتاد و چہارم

تجہیز و تکفین

طریقہ تجہیز و تکفین کی نسبت قرآن میں کچھ حکم نہیں ہے۔ جو طریقہ پہلے سے جاری تھا وہی جاری رہا۔ پیغمبر خدا نے اسے سدود نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ شرع محمدی نے اسے پسند کیا۔ نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ آنحضرتؐ نے البتہ مستزاد کیا اور یہ بطور شعائر طریقہ محمدی کے قائم کیا گیا جس طرح آج کل عیسائی قوموں میں ہر کام کے ساتھ کھانے کا انتظام فرور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں میں ہر جمع کے ساتھ نماز پڑھنے ذکر خدا کا دستور قائم ہوا ہے۔ مسلمان نماز خدا پڑھ کر خدا کی امانت خدا کو سونپتے ہیں اور چپ چاپ مردہ کو زمین کے اندر دفن کر کے چلے آتے ہیں۔ دنیا میں اس تہذیب و شائستگی کی نظیر نہیں ملتی۔

نماز جنازہ سے الگ ہو کر طریقہ دفن پر اگر گفتگو کی جائے تو ہندوؤں کے

پھونکنے یا دریا میں بہانے اور پارسیوں کے زاغ و مرغ کے کھلانے سے مسلمانوں کا قبر کے کیڑوں کے (بڑی سے بڑی صورت در نہ قبر میں کیڑوں کا کھانا لازم نہیں ہے اور بہت سی فضیلتیں بغیر اسکے بھی جزو زمین ہو جاتی ہیں) اندر کرنا دیکھنے میں بھلا اور نہایت ہی شائستہ طریقہ معلوم ہوتا ہے۔

پارسیوں کے طریقہ پر عمل کر کے ہوا کا خراب کرنا یا ہندوؤں کے طریقہ سے آب دریا کا خراب کرنا بدیہی طور پر بدنام ہے جس کا معروض بحث میں لانا ہم نہیں چاہتے صرف جملانے کا طریقہ جس کو بعض مذہب یورپین نے بھی پسند کیا ہے قابلِ لحاظ ہے واضح رہے کہ مردوں کا جملانا یا تو کمالِ ناشائستگی کے زمانہ میں قائم ہوا جبکہ آدمی کو آدمی سچ پر بھون کر کھا جاتا تھا اور اتنی بھی تہذیب نہ تھی کہ تین چار ہاتھ کا گڈھا وہ آسانی سے کھو سکتا۔ یا اعلیٰ درجہ کی تہذیب پھیلنے کا نتیجہ ہے جیسا کہ اب بعض یورپین لوگوں نے اختیار کیا ہے لیکن واضح رہے کہ جو طریقہ اس وقت مردوں کے پھونکنے کا جاری ہے کہ تھوڑی لکڑی پر رکھ کر انکو اعترہ سچ کے کباب کی طرح مردوں کو الٹ پلٹ کر کسی طرح نیم برشت کر لیتے ہیں یہ طریقہ نہ تو یورپ میں پسندیدہ ہو سکتا تھا اور نہ ہندوؤں کی مقدس کتاب کے رد سے جائز ہے۔ جملانا وہی پسندیدہ ہے کہ آنکھ سے مردہ نہ نظر آئے اور تھوڑی دیر میں اسکی خاک دیکھی جائے۔ یہ طریقہ سب سے اچھا لیکن زیر زمین دفن کرنے سے کسی طرح بہتر نہیں ہے۔ علاوہ بدنام ہونے کے خلافتِ مصلحت بھی ہے۔ بعض حالتیں سکتے کی ایسی ہوتی ہیں کہ پانی سے یا قبر سے مردہ پھر زندہ واپس آیا ہے لیکن آگ کے شعلوں سے آج تک کسی کو زندہ واپس آنے ہوئے نہیں سنا۔ بدنامی کی نسبت بعض کہتے ہیں کہ قبر کا گھنا مشرنا آگ کے جلنے سے

کم ہے۔ یہ صحیح ہے۔ مگر اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ انسان کے شکم میں تمام آلائش بھری ہوئی ہے اور کچھ بھی بدنامی نہیں ہے وہ ظاہر ہوا اور پھر دور کیجائے تو البتہ بدناما اور محنت بدنام ہے۔

اس موقع پر ایک حکایت قابل تذکرہ ہے۔ میرے پاس ایک پنجاب کا مسافر آیا اور اُس نے بیان کیا کہ میں سکھ تھا اور مسلمان ہو گیا۔ اس زمانہ میں کوئی مسلمان ہوجانا ہے تو محکوم بہت کم خوشی ہوتی ہے میں سمجھتا ہوں کہ وہ کڑا ہی سے نکل کر آگ میں گرنا بہت پرستی چھوڑ کر قبر پرستی اختیار کی تو اُس نے کیا ترقی کی۔ میرا خیال اس مسافر کی نسبت یہ ہوا کہ کسی مسلمان عورت سے تعلق پیدا ہونے سے مسلمان ہو گیا ہوگا۔ یا جھوٹ بولتا ہوگا۔ ایک روز برسبیل تذکرہ اس نے بیان کیا کہ محکوم اسلام کے طریقوں کی طرف عرصہ سے رغبت تھی اور جب کوئی مردہ پھونکا جاتا تھا تو مجھے بہت خبر معلوم ہوتا تھا۔ لیکن برادری کے تعلقات سے مسلمان ہونے کی طرف میری بہت نہیں ہوتی تھی۔ اتفاق سے میرے باپ کا انتقال ہوا اور مجھے خود انکا پھونکنا لازم آیا۔ طوعاً و کرہاً میں نے آنکھ جھپائی لیکن طبیعت بہت زیادہ برجستہ ہوئی۔ گھر پر آتے آتے میں نے علانیہ کلمہ پڑھ لیا تاکہ لوگ واقف ہو جائیں اور پھر ایسی سخت خدر کی توقع مجھ سے نہ رکھیں، اُسکا یہ بیان سنا کہ محکوم اُس سے ہمدردی ہوئی اور میں نے خیال کیا کہ ممکن ہو اُسکا بیان سچ ہو اور اُس نے مارل کرج (اخلاقی بہادری) کے مقتضا سے اسلام قبول کیا ہو۔

فصل ہفتاد و پنجم

مختلف مباحث پر فصوص قرآنی

شہادت

آپس کے معاملات میں گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ نظر یہ صفحات انسانی دو گواہ شرع میں ضروری ہوتے ہیں۔ اور عورتیں بہ لحاظ اپنی کمزوریوں کے دو مردوں کے برابر سمجھی جاتی ہیں۔ قرآن میں گواہی سے گریز کرنا گناہ قرار پایا ہے آیات قرآنی یہ ہیں۔

”اپنے لوگوں میں سے جن پر تمہارا اطمینان ہو دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو۔ دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں کو ایک بھول جائے گی تو دوسری اُسے یاد دلا دے گی۔۔۔۔۔۔ اور گواہی کو نہ چھپاؤ جو کوئی اُسے چھپاتا ہے وہ دل کا کھٹنا ہے“
”مسلمانوں خدا کے لیے گواہی دینے کو انصاف کے ساتھ آمادہ رہو۔ لوگوں کی عداوت تم کو انصاف کرنے سے باز نہ رکھے“

حب دنیا

”انسان کو مرغوب چیزوں میں بی بیوں، لڑکوں، سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیروں، عمدہ عمدہ گھوڑوں، سونے کی کھیتی کے ساتھ دلچسپی ہوتی ہے حالانکہ یہ دنیا کی زندگی کے چند روزہ فائدہ ہیں اور اچھا ٹھکانا اُسی اللہ کے ہاں“

صبر

دنیا کی رحمتوں کا مقابلہ کرنے والی کوئی شے ہو تو وہ صبر ہے۔ اس کے متعلق

- ۱۷ دہشتدہ اشیاء میں سے چار کلمہ۔ فان لم یکنہما جلیس فرحان امر اتق من ترصدن من اللہ اور ان یقول حدیثا فتذکر حدیثا الاخری ~~xxxxxx~~ ولا یکتبوا اظہارہ دن کی تہمتا فائدہ آتم قلبہ۔ سورہ بقرہ رکوع ۳۹۔
۱۸ یا ایہا الذین آمنوا کوثر اقا میں اللہ شہداء بالقطر ولا یجربکم شتان قوم علی الاثر لواء سورہ نائدہ رکوع ۲۔
۱۹ زین مناس حبیب الشہوات من النساء والبنین والنسایر المقنطرة من الذہب العفۃ و الخیل المسوتہ والانعام والحیث ذلک متلع الخیرۃ الدنیا والآخرۃ عند حسن الماہب۔ سورہ آل عمران۔ رکوع ۲۔

قرآن میں ہے۔

”مسلمانوں تکلیف برداشت کرو اور تکلیف برداشت کرنے کی تعلیم دو اور آپس میں مل کر رہو۔ اللہ سے ڈرو تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو“
”تکلیف برداشت کرو کہ اللہ نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں چھوڑے گا۔“

صادق البیانی والیفا سے وعدہ

زمانہ جاہلیت کے عربوں میں تمام عیوب تھے لیکن وعدہ کے وہ بچے ہوتے تھے۔ اور کذب کو نہایت مذموم جانتے تھے۔ باوجودیکہ اسکے متعلق عربوں کو چند ان تعلیم کی ضرورت نہ تھی پھر بھی قرآن میں اسکے متعلق بہت سی آیتیں ہیں۔ اگر عربوں کی حالت اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کی سی ہوتی تو شاید قرآن کے دو حصوں میں عقد بیوگان اور الیفا سے وعدہ کے احکام ہوتے اور ایک حصہ میں دیگر احکام درج کیے جاتے۔ قرآن کی آیتیں جو اسکے متعلق ہیں وہ حسبِ ترتیب مسلمانوں اپنے قراروں کو پورا کر دو“

”تمھاری لالچینی (یعنی غیر رادی) قسموں کا خدا مواخذہ نہیں کرے گا۔ ہاں، اپنی قسموں کا تم سے مواخذہ کرے گا اور اس کا کفارہ ہے دین مساکین کو بیچ کر اس کا کھانا کھلانا جیسا کہ بالی بچوں کو کھلاتے ہو یا دین مساکین کو کپڑا پہنانا۔ یا ایک بروہ آزاد کرنا۔ پھر جسے یہ قدرت ہو وہ تین دن روزہ رکھے“

۱۔ یا ایہا الذین آمنوا اصدوا صابرا و رابطوا و اتقوا اللہ لعلکم تفلحون۔ سورہ آل عمران رکوع ۲۰۔

۲۔ و اصدوا فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔ سورہ ہود۔ رکوع ۱۰۔

۳۔ یا ایہا الذین آمنوا اذفوا بالحقود۔ سورہ مائدہ۔ رکوع ۱۔

۴۔ لا یواخذکم اللہ بالظن بل یواخذکم بما عقدتم الايمان فلفارتم اطعام مشرۃ سکین من اوططہ لظنکم الیکم او کسوتم او تحریر رقبتہ فمن لم يجد نفیام ثلثہ ایام۔ سورہ مائدہ۔ رکوع ۱۲۔

”جب کہو تو قربت مند ہی کیون نہ ہو انصاف کی کہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ اللہ تم کو یہ حکم دیتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو“
 ”مسلمانوں خدا سے ڈرو اور سچ بولنے والوں میں رہو“

”اور جب تم آپس میں قول و قرار کر لو تو اللہ کی قسم کو پورا کرو اور قسموں کو جب پکٹی کر لو نہ توڑو۔ حالانکہ تم اللہ کو اپنا خدا من ٹھہرا چکے ہو۔ اللہ تمہارے افعال سے ضرور واقف ہے۔“

شفاعت و رسالت

نبی۔ پیغمبر اور مصلح قوم ہر قوم میں ہوئے لیکن بعد انکی فوت کے تابعین نے انکے درجات خدا سے بھی بڑھا دیے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ کو پسر خدا کہنے لگے ہندوستان میں تو سجائے خدا کی پرستش کے انسان کی پرستش صریح طور پر قائم ہے آجہاں عرب تمام نبیوں کے بت خانہ کعبہ میں رکھتے تھے وہ بھی ایک قسم کی پرستش تھی۔ غرض کہ ابتداء سے اسلام کے وقت اور اب بھی دنیا میں سوائے اسلام کے اور کوئی ایسا مذہب نہ تھا اور نہ ہے جس میں بندہ اور خدا کے درمیان میں کوئی واسطہ نہ ہو۔ یہ شرف اسلام کو حاصل ہے کہ بندہ کو خدا سے بغیر کسی توسل کے تعلق رہنا ہے۔ اور یہ ایک ایسی صفت مذہب اسلام کی ہے کہ تمام علماء عیسائی زمانہ حال کے اسکے مستحق ہیں۔ اسلام میں پیغمبر محض خدا کا پیغام لانے والا بندہ کی طرف

۱۔ اِذَا قُلْتُمْ اَعَدَلُوا وَلَوْ اَنَّ ذَا قُرْبٰی وَلَمْ يَدْعُ اِلَیْکُمْ فَاُولٰٓئِکُمْ عَلٰیکُمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ ۱۹۔ سورہ الانعام رکوع ۱۹۔
 ۲۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَکُونُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۱۵۔ سورہ توبہ رکوع ۱۵۔
 ۳۔ اِذْ فَوَّاهِبَد اللّٰهُ اِذَا عٰدِیْتُمْ وَلَا تَتَّقُوا الْاِیْمَانَ بَعْدَ تَکْذِیْبِہٖ وَقَدْ جَمَعْتُمْ اِلَیْہِ عَلٰیکُمْ کُفْرًا ۱۳۔ سورہ بقرہ رکوع ۱۳۔

سمجھا گیا ہے۔ لیکن اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان اپنے پیغمبر کی عزت کم کرتے ہیں۔ بڑی عزت کرتے ہیں لیکن اسکو خدا کا بیٹا یا خدا کے کاموں میں دست اندازی کرنے والا نہیں سمجھتے یعنی اپنے پیغمبر کی ایسی عزت نہیں کرتے جس سے خدا کی عزت کم ہو جائے۔ اپنے پیغمبر کی نسبت انکا مقولہ ہے ۶

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لوگ اور امتوں کی طرح خدا سے ثانی نہ سمجھنے لگیں اس کے سوا سوا بطور حفظ و اقدم جو آیتیں قرآن میں ہیں وہ یہ ہیں۔

”محمد ایک رسول ہے اور اس سے پہلے ہی رسول گزرے ہیں“

”اللہ نے مسلمانوں پر فضل کیا کہ ان کے پاس انکی قوم کا ایک رسول بھیجا جو انکو خدا کی آیتیں سکھاتا ہے اور انکو پاک کرتا ہے اور قرآن اور حکمت انکو تعلیم دیتا ہے اس پیغمبر کے پہلے وہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے“

”اُس دن سے ڈر وجب کوئی شخص کسی شخص کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ اس سے معاف نہ قبول کیا جائے گا نہ کسی کی سفارش (شفاعت) مفادہ دے گی اور نہ لوگوں کو (کسی سے) مدد پہونچے گی“

”اُس دن سے ڈر وجب کوئی شخص کسی شخص کے کام نہ آجائے گا نہ کسی کی شفاعت قبول ہوگی نہ معاف نہ لیا جائے گا اور نہ کسی کی مدد پہونچے گی“

۱۵ احمد الارسل قد ضلت من قبلہ الرسل۔ آل عمران رکوع ۱۵۔

۱۶ لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولا من انفسہم یلوٰہم ایتہ ویزکیہم وعلیہم کلمت وامنک وامن کاوا
من قبل نفی ضلال سبین۔ آل عمران رکوع ۱۶۔

۱۷ واثقوا لہ ولا تجزئ نفس عن نفس شیئا ولا یقبل منها عدل ولا تقبھا شفاعۃ ولا ہم یجودن۔ سورہ بقرہ رکوع ۱۵
۱۸ واثقوا لہ ولا تجزئ نفس عن نفس شیئا ولا یقبل منها شفاعۃ ولا یوٰخذ منها عدل ولا ہم یجودن۔ سورہ بقرہ رکوع ۱۶۔

”کون ہے جو بے حکم اس کے (خدا کے) اسکی جناب میں کسی کی شفاعت (سفارش) کرتے“

”کوئی کسی کا شفیع (سفارش کرنے والا) نہیں ہو سکتا مگر اس (خدا) کی اجازت سے۔“
 ”اس دن کی شفاعت (سفارش) کام نہ آئے گی مگر اسکی جبکہ خدا اجازت دے
 اور اسکا بولنا پسند کرے۔“

مداخلت

”یہ کچھ نیکی نہیں ہے کہ پھوپھو اڑے سے گھر دن میں آئے۔ بلکہ نیکی یہ ہے کہ پھر پھر
 اختیار کرے اور گھر دن میں آئے تو اس کے دروازہ سے ہو کر آئے۔“ (ایام حج میں
 عرب پھوپھو اڑے سے مکہ انون میں آتے تھے حکم ہوا کہ یہ لغو حرکت ہے)۔

”مسلمان اپنے گھر دن کے سوا اور گھروں میں گھر والوں سے بوجھے اور ان کو
 سلام کیے بغیر نہ جایا کرو۔ تمہارے حق میں یہ بہتر ہے۔ تمہیں چاہیے کہ اسکا خیال
 رکھو۔ اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو جب تک اجازت نہ ملے تم اس میں نہ جاؤ اور اگر تم سے
 کہا جائے کہ واپس جاؤ تو واپس جایا کرو کہ یہ تمہارے لیے زیادہ صفائی کی بات
 ہے۔ اللہ کو تمہارے اعمال کی خبر ہے۔“

آج کل تمام مہذب قوموں کا اسپر عمل ہے اور اگر کوئی ہندوستانی اسپر عمل کرتا ہے

۱۰ من ذالہی شفع عندہ الا باذنہ۔ سورہ بقرہ رکوع ۳۴۔

۱۱ ماسن شفیع الامن لہذا ذہ۔ سورہ یونس رکوع ۱۔

۱۲ یومذ لا تنفع الشفاعۃ الامن اذن لہ الرحمن ورضی لہ قولہ۔ سورہ طہ رکوع ۶۔

۱۳ ولیس لہربان تا قوال البیوت من تلویح لہربان تا قوال البیوت من الیہما۔ سورہ بقرہ رکوع ۲۴۔

۱۴ یا ہا الذین آمنوا لاتخلوا بیوتنا غیرہم حتی یشاءوا وعلی الہما وکم غیرہم لکم من ذلک ما کان لم یجدوا

فیما اعدوا لکم واخلوا بیوتکم وان تبس لکم ارجوا فاجزا ہوا ذلک لکم وادعوا لعلکم تعلمون۔

تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ انگریزوں کی تقلید بجا ہے۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ قرآن کے حکم کی تعمیل
 ”جب تمہارے لڑکے بلوغ کو پہنچیں تو جس طرح انہیں بڑے (گھروں میں آنے
 کے لیے) اجازت مانگتے ہیں اسی طرح انکو بھی اجازت مانگنا چاہیے۔“

صدقہ

”خیرات کا مال بس حق ہے فقیروں کا محتاجوں کا اُن کا رکھنا جو صدقات پر
 تقنات ہیں اور اُن لوگوں کا جنکے دلوں کا پر چانا منظور ہے اور گردنوں کے پھرنے
 میں بھی خرچ کرنا چاہیے اور قرضداروں اور مجاہدوں اور مسافروں کو بھی دینا چاہیے
 یہ اللہ کے شہرائے ہوئے حقوق ہیں کہ وہ علیم وحکیم ہے۔“
 ”مسلمانو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور مسائل کو ایذا دیکر اس شخص کی طرح
 اکارت نہ کرو جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور
 روز آخرت کا یقین نہیں رکھتا۔“

”اگر خیرات نکال کر ہر مین دو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر چھپا کر جا بھندوں کو دو تو یہ
 تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔ ایسا دینا تمہارے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ تم
 جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔“

۱۔ وذا بلع الاطفال حکم الحکم فلیست ذلکما استاذن للذین من قبلکم۔ سورہ نور۔ رکوع ۸۔
 ۲۔ انما الصدقات للفقراء والمسلمین والعلمین علیہما والمولودہ قلوبہم فی الرقاب۔ النصارین وبنی اسرائیل
 والین السبیل فرفضہ من اللہ واللہ علیم حکیم۔ سورہ توبہ۔ رکوع ۸۔
 ۳۔ یا ایہا الذین آمنوا لاترسلوا صدقکم بالین والاذی کالذی یفوق مالہ ما والفاہ والایوس باللسہ
 والیم الآخر۔ سورہ بقرہ رکوع ۲۶۔

۴۔ ان تبدوا الصدقات فنعما ہی۔ وان تحفوا دم توکوا الفقراء فمنہم خیرکم وکیفرکم من سبائکم
 واللہ بالعلون خیر۔ سورہ بقرہ رکوع ۲۷۔

سبب تھا اُنکی استبدادی ترقیوں کا۔ مسلمانوں نے سب سے خراب نمونہ ہندوستان میں دکھایا ہے اس لیے ہندو راہل اسلام کی ایک مجہد افضل قائم کر کے دکھایا جاتا ہے کہ بُرے سے بُرے مسلمان بھی اپنے معصوموں سے بدرجہا اچھے تھے۔ مسلمانوں پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ بزور تلوار انکا مذہب پھیلا۔ لیکن غور کرنے سے اس الزام کی کوئی اصلیت ظاہر نہیں ہوتی بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو بغیر تلوار کی مدد کے ۳۰ برس کے اندر دنیا کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک پہنچ گیا۔ مسلمانوں نے تلوار میں ضرور چلا نہیں محض مسلمانوں کی حفاظت کے لیے نہ کہ کسی کو بھروسہ مسلمان کرنے کی غرض سے ”سیفِ آدرا سلام“ کو بغور پڑھیے سمجھیں آجائے گا کہ کس سچائی سے یہ دعویٰ ثابت کیا گیا ہے۔ مسلمانوں میں یہ مشہور ہے اور صحیح مشہور ہے کہ انھیں محمد کا سا اخلاق کسی دوسرے فرد بغیر میں آج تک پایا نہیں گیا۔ ”اخلاقِ محمدی“ کی ایک جدا فصل لکھ کر میں نے دکھایا ہے کہ اخلاقِ محمدی کی تعریف میں مسلمان بوجہ رطب اللسان نہیں ہیں بلکہ اخلاقِ محمدی ہی نے اسلام کے پھیلائے میں حیرت انگیز مدد کی تھی نہ کہ زور تلوار نے۔ تمدن اور حسن معاشرت پر جب قدر و ثمن قرآنی تھے آنکھ کجا کر کے میں نے دکھایا ہے کہ قرآن نے کیسا اچھا سبق دیا ہے۔ نانِ باپ کی اطاعت ایک بڑا جزو تمدن کا ہے اسلام نے اس کے متعلق جو کچھ تعلیم کی سجدہ ایک علیحدہ فصل میں بیان کرنے کی ضرورتی اور میں نے ایسا ہی کیا ہے۔ صدقہ اور زکوٰۃ کے متعلق احکام شرع محمدی کا بیان کرنا اور اُن کے مصالح پر توجہ دلانا احادیث نبوی کا ذکر یا شرع محمدی کے اسرار اور نکات کا ظاہر کرنا ہی اس لیے ایک جدا فصل اسکی قائم کی گئی۔ ”عربوں کی بہادری“ مشہور ہے لیکن اس کے اسباب پر غور کرنے والے بہت کم ہیں۔ اس مضمون کو بغور پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ اسلام نے عربوں کو بہادر بنایا تھا اور ہر قوم

باب چہارم میں شخصی معاملات اور ضابطہ عدالت کا بیان ہے اور اس میں منہجی تفصیل
ہیں انکی سرخیان یہ ہیں۔ شرکت کا رد بار۔ توریت^{۳۲}۔ وصیت^{۳۳}۔ بیع^{۳۴}۔ ہبہ^{۳۵}۔ وقف^{۳۶} بکار خیر۔
نکاح^{۳۸}۔ طلاق^{۳۹} اور خلع۔ کنسرت^{۴۰} ازدواج۔ عقد بیوگان۔ انعامات مومنین ازدواج مطہرات
رسول^{۴۱}۔ عدالتی کارروائی۔ شہادت^{۴۲}۔ ان تمام فصول میں احکام شرع بیان کیے گئے
ہیں۔ اور پھر دکھایا گیا ہے کہ ایسے اچھی صورت انسان کی تمدنی حالت درست کرنے
کے لیے ہونے میں سکتی۔ اس باب کی سرخیوں سے ظاہر ہے کہ دیگر ملکوں کے قاعدہ
سے مسائل اسلامی بہت سی باتوں میں مختلف ہیں۔ اور میرا دعویٰ یہ ہے کہ حسب قدر اختلاف
ہے اسی قدر دوسری قوموں کی حالت باعتبار تمدن مسلمانان گذشتہ سے خراب ہے
بلکہ خود ہماری حالت تمدن تو اور بھی خراب ہے اس لیے کہ ہم ان مسائل پر بالکل کاربند نہیں ہیں
ناظرین ملاحظہ کریں گے کہ محکوم اپنے دعویٰ کے ثابت کرنے میں کمان تک کامیابی ہوئی ہے۔
حقیقت اسلام سے باب پنجم شروع ہوتا ہے اس میں عقاید اور علمی مباحث ہیں نہایت
کی ضرورتوں نے اسکے بیان کرنے پر مجبور کیا ورنہ اسکا جاننا عام مسلمانوں کے لیے ضرور
نہیں ہے اور کم استعداد والوں کے لیے اسکا پڑھنا اچھا بھی نہیں ہے اس لیے سیدھے
سادے مسلمانوں کی خدمت میں میری عرض ہے کہ اس باب کا پڑھنا انکو ضرور نہیں خدا کا
شکر ہے کہ وہ بغیر اسکے پڑھے ہوئے راہ راست پر ہیں اسکا پڑھنا صرف انکے لیے ہے جنکو
تبی تعلیم نے مذہب سے برگشتہ کر دیا ہے یا انکے لیے ہے جو مذہبی کو مذہب اسلام پر ترجیح
دیتے ہیں۔ واضح ہو کہ مذہب اسلام خدا کی وحدانیت تعلیم کرنے کے متعلق ہے انتہا
لطف رکھتا ہے اور بہت کچھ تسکین خاطر اور مجموعی کاباعت ہوتا ہے لیکن تعلیم اسکی گو
لفظوں میں یکسان ہے معنوں میں یکسان نہیں ہے۔ جاہل۔ عالم۔ دشمن اور مذہب

قوتوں کے ذہن میں خدا کا وجود ایک طور پر نہیں آسکتا۔ انکے سمجھنے کے پیرائے
مزد مختلف ہیں لیکن اصولاً ایک ہیں یعنی صرف وہی ذات جو سب طاقتوں سے
بالا ہے قابل پریش ہے اور اس پریش سے ہمارے دلوں میں قوت ہوتی ہے
اور صبر کی قابلیت پیدا ہوتی ہے جبکہ اصطلاح شرع میں نورا ایمان کہتے ہیں کارخانہ
قدرت میں بے انتہا لطائف ہیں۔ کچھ تو ایسے ہیں کہ وہ ہر درجہ کے آدمی سمجھ سکتے ہیں جبکہ
سعدی نے یوں نظم کیا ہے ۵

برگ درخشان سبز و زلف ہر شیار ہر درختے ذرا سیت معرفت کردگار
اور بعض باتیں ایسی ہیں جو عام فہم نہیں ہیں علوم ٹپھنے اور غیر معمولی تجربہ حاصل
کرنے کے بعد سمجھ میں آسکتی ہیں۔ مثلاً مفصلہ بالا شعر ہر درجہ کے انسان کے سمجھنے کا
ہے۔ عالم و جاہل شاہ و گدا سادھی طور پر سمجھ نہیں سکتے دیار سے محفوظ ہوتے ہیں
اور صانع مطلق کی صنعتوں کا سبق حاصل کرتے ہیں لیکن بانی کے کٹر دن کا چھڑپن کر
اڑنا ایک مکھی کے جسم میں ہزاروں آنکھوں کا ہونا انسان کے دل میں ایک منٹ کے اندر
خون کا سیکڑوں دورہ ہونا۔ دل و دماغ کا جسم انسانی پر پھران ہونا۔ طاعون کے سیکڑوں
کٹر دن کا ایک سوئی کی نوک پر جمع ہو جانا علم کثرتی کے متعلق عجائبات غرائب مشاہدات کا ہونا
یہ ایسی باتیں ہیں جو عام فہم نہیں ہیں اور نہ اس کتاب میں لکھنے کی ہیں جو ہر طبقہ کے انسان
کے لیے نازل ہوئی ہو۔ اس لیے کارخانہ قدرت کی عام فہم باتیں عمدہ و عمدہ پیرائیں جہانگیر
مناسب تھا قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔ اسکے متعلق جب قدر آیات قرآنی ہیں وہ اس کتاب میں
یکجا کر دی گئی ہیں انکے ٹپھنے سے معلوم ہوگا کہ اس سے اچھے طور پر پچھل یعنی فطرتی چیزوں کا
بیان نہیں ہو سکتا۔ اور پھر ٹپھنے سے ایمان میں استواری ہوگی اور غیر مذہب الون کے

پیر جیلان سے ہی اس طرح حکایت منسوب
حضرت قدوہ جیلان نے یہ ارشاد کیا
یہی کہتے کہ جماعت ہے یہ دیوانوں کی
اور وہ دیکھتے تم کو تو تخت پر ہوتا
آخری دور مغل میں تھا تب جیسا ہند
دین دکھائے یہ جہالت نے انھیں آخر کا
سندھ سے قاہرہ تک کفر کا آوازہ تھا
شان مجبورہ کہ کفار مسلمان ہوئے
شرک کا نام پڑا۔ دور معاصی گزرا
کچھ دنوں تک رہی باندی احکام سول
رفتہ رفتہ ہوئی پھر اس میں خرابی پیدا
چھاگئیں آگے جہالت کی گھٹائیں ہو
جس طرف دیکھیے ادا بار و فلاکت طاری
جہل ہی جہل ہو پھر کیوں نہ مکر و در خیال
جہل و ادا بار و فلاکت کا ہے واحد مفہوم
جہل اک نام ہے اخلاق کی کمزوری کا
عبث۔ اسے دیدہ بنیا کہ ہوا ہو کیا حال
کہتے ہم بڑے گئے تھے جبکہ نہ تھے ہم کچھ بھی
سارے ملکوں میں برا ملک ہمارا افسوس

پچھی اک روز مریدوں نے صحابی حضرت
تم اگر دیکھتے صحابہ نبی کی صورت
یہی کہتے کہ نہیں ہی یہ نبی کی اُمت
کہتے کفار سے بھی انکی ہے بدرجہا حالت
اس زمانہ میں تھی ویسی ہی عجم کی حالت
ہوئے کفار مغل وارث تخت و دولت
کعبہ اللہ میں تھے نام کو اہل سنت
ادر پھر ان سے ہوئی دین کی پوزخرت
نور اسلام نے دنیا سے سٹائی ظلمت
کچھ دنوں تک رہی اسلام کی اچھی حالت
رفتہ رفتہ ہوئی پھر اُس میں نمایاں نگہبت
چھاگئی دیکھتے ہی دیکھتے کیسی ظلمت
نہ ترقی نہ وہ اقبال نہ علم و دولت
علم کے ساتھ گئی ساری باغی قوت
علم و اقبال و متول کی ہو کیا صورت
اور تعلیم کا حاصل ہے صفاتی قوت
مگر افسوس کہ تجھ میں تو بھری ہو غفلت
کس قدر گھٹ گئی ہے بڑھکے ہماری بہت
سارے عالم میں بُرائی کی ہماری شہرت

ساری قوموں سے جبری قوم ہماری اور
 وہاں ہند کی تسلیم نہ کیا کہنا
 انھیں قوموں میں تھی اگر قوم مسلمان جو آج
 کوئی درجہ نہیں ہے شری و گمراہی کا
 بت پرستی کے جوشن تھے انھیں کی اولاد
 بھولی توحید کو ہے قوم مسلمان افسوس
 دیوتا ہند میں دھل تھے۔ تو مسلمانوں نے
 اسے انصاف کر کے کوئی موجد ہم میں
 اسے سے کہتے ہیں خدا تین ہیں لیکن دہلیں
 اور ہم لوگوں میں وہ جہل۔ کہ خالق ہر شے
 بخش کے ساتھ عمر۔ زید۔ بکر کی ترکیب
 کوئی غازی کہیں بچتا ہے کہیں کوئی شہید
 پیر شاہ صفی قوم کے اعلیٰ افراد
 گنبد و قبر پرستی سے تھی نفرت پہلے
 خرم ہو کر ہے بنی کی نہ خدا کا ڈر ہے
 گھر میں بیواؤں چھپے چوری ہو جاہن کیوں
 پردہ داری سے ہر مقصود و منہ پر پردہ داری
 ہوں جو ہے کے گھر سے بیٹھے تو میرا کون
 دوانے بارود کے قلعوں کو اڑا دیتے ہیں

سب کی قسمت سے جبری آج ہمارے قسمت
 تیری قوموں کا عروج اور وہ انکی رفعت
 ظل ذلت کو سمجھتی ہے فروغ عزت
 جسکی تکمیل میں قاصر ہو ہماری ہمت
 بت پرستی کو سمجھتی ہے شعار ملت
 ہیں اگر ہم میں موجد تو نشانِ ندرت
 کر دیے ہیں یہ ہے شرک کی انکے حالت
 یا یہ عیسا کی تخلیق ہون کی ملت
 یہ سمجھتے ہیں کہ سب میں نہیں خالق کی صفت
 روح کو مردوں کے حاصل ہو یہ قدرت
 نام ہی سے ہر عیان قوم کی پوری حالت
 کم کہیں پیر و پیر سے خدا کی طاقت
 ہند میں آئے تو انکی بھی بنی کیسی گت
 اب اسی کو وہ سمجھتے ہیں شعار ملت
 کفر سے شرک سے ملو ہی ہماری ہمت
 عقد کا نام کہیں آئے تو آئے شامت
 ایسے پردوں سے دبا ہر کہیں زور و نفرت
 دیکھ لو انکے سے تم بیگے چنوں کی طاقت
 دہرے کیسے ہی مضبوط ہوں انکے شامت

کو لیجیں کہبت کے ڈھیلوں کو بٹھا دیتی ہیں
 پھاڑ کر پیٹ زمین کا نکل آئیں شاخین
 فرض کر لے کہ ہزار دن میں کہیں ہیں دو چار
 ایک کا سرور الزام بھی ہونا ہے بہت
 قوم کی رسم نے مجبور کیا خاطر کی
 کاسیابی بھی اگر تک کو ہوئی فرض کیا
 تو بھی سمجھو کہ ہوا کام یہ تم سے کیسا
 مرد و زن کی کبھی رکنے کی نہیں کچائی
 آفرینش کے قوانین بدلے کوئی
 آفرینندہ عالم کو بڑھانا مقصود
 چاند پر خاک نہ آلو کہ غلط ہو کوشش
 یہ لڑائی تو ہے اللہ سے توبہ توبہ
 کج روی تم میں جہالت کی ہو کیا کام چلے
 اس شرافت سے رذالت ہی کہیں سہجے
 انکی بوائیں کرین عہد رہیں عصمت سے
 اپنے دستور سے پابندیہ عصمت کی رہیں
 یہی اطوار رہے اور جو کچھ دن قائم
 تازہ صیحات پہ اسلاف کو تھا آج وہی
 عورتوں پر جو مظالم ہیں وہ لاکھوں ہیں

دانے دانے میں ہی پوشیدہ نمر کی قوت
 رد کرنے سے کبھی رکتا نہیں زور و فطرت
 ایسے گھر جن میں کم آتی ہے گنہ کی ذبت
 منہ دکھائے نہ کبھی قوم جو کچھ غیرت
 قوم کے فعل سے پہنچی گینہ کی ذبت
 رہ گئی عفت و عصمت کی سراسر عزت
 ہاے وہ کام سراسر جو خلاف سنت
 جان لو خوب کہ اس پر ہے مداخلت
 غیر ممکن ہے۔ نہیں اتنی کسی میں قدرت
 ہاے افسوس گناہ کی تھاری نیت
 خاک بر سر تھیں رکھے گی تھاری نیت
 اُسکے احکام سے آئیں سے تکرار نفرت
 کام آہی نہیں سکتی ہے کبھی انی مت
 اچھے اچھوں سے رذیلوں کی ہر اچھی حالت
 انکی بوائیں رہیں قید گناہ میں ذلت
 جن گھروں میں کہ ہو قرآن دان یہ حالت
 کیا عجب ہے جو رذیلوں سے جو بدتر حالت
 فہم و دانش میں ہمارے ہے ہماری ذلت
 بڑھتی ہی جاتی ہے جو اور ستم کی شدت

عورتوں کے جوہن مرقوم حصہ قرآن میں
وہ تو آرائشیں قرآن زبان میں ان کی
ہر جگہ اپنی جہالت کا اثر دکھاتے
کفر ہے کفر کہ قرآن کو اچھا نہ کہیں
کے اللہ کہ دختر کو سپر سے دو نصف
عشر بھی دیتے ہیں دشمن میں میں پکار کہیں
اکو ترکہ کی ریاست کی نہیں کچھ پروا
لو کیا ہوں کہ وہ نہیں شرفا کا ہی یہ قول
بعض ایسے ہیں کہ انکا ہی شعار مذہب
قول یہ اور عمل یہ کہ عیاذ باللہ
کم ہیں وہ لوگ کہ لین کام جو تادیلوں سے
کیسے کیسے شرفا ان میں سزیمت از
ناز اس فعل پہ جو فعل کہ قرآن کے خلاف
کوشش اسکی کہ نہ دے قوم سے کوئی حصہ
باب مان کی جو یہ حالت ہو تو بیکائی ناحق
سیرشتی کے سبق بھول گئے ہیں سب
کوئی مہمان جو تجائے تو گھبرا جائیں
وہ مکمل جاے جو آئے کوئی مہمان کبھی
کے اللہ کہ وعدے کرو ایسا اپنے

ناخوش اسپر ہے رسول عربی کی امت
کیا غضب تھا جو سمجھ جاتے یہ ٹکائی آیت
اور کھا جاتے یہ تو ریٹ کی ہر اک آیت
یا یہ سمجھیں کہ ہے قرآن خلاف حکمت
یہ کرین عشر کے دینے میں بھی تلو مجت
ور نہ کہہ دیتے ہیں لڑکی کو نہیں ہر غربت
گو کرین نبت نبی باغ فدک پر حجت
انکو ہے مال زرو سیم سے از حد نفرت
غضب اور ظلم پہ قبیح میں پڑنا احنت
شیر مادر کی طرح بنوں کے حق سے غربت
بہت ایسے نہیں تادیل کی جنکو جہت
خود بھی وہ جانتے ہیں آپکو فخر بقیت
حق منصوص کے دینے میں ہر کیا کیا حجت
کہ نہیں دفت و نسا کو کچھ اسکی جہت
کیون ہو بدنام کہ انسان ہر حصہ تخلقت
بخل اسراٹ سے ہر دل کو ہر غربت
ہم کو مہمان کی صورت ہر قضا کی صورت
وقف ہے کھیل تماشے کے لیے سب لذت
اور وعدوں کی ہر دل میں ہر غرت

ہندوؤں کی حالت
یہ ایک آیت
ہر ایک آیت
فہمکیت
نہ تو غیرت ہے نہ بہت نہ محبت ہم میں
کر لیا آ کے توکل نے گھرا پنا ہم میں
نہ سفر کرنے کا ہے شوق نہ غم روزی کا
ہم کو کچھ فکر نہیں کل کی کہ ہم کیا ہونگے
جھوٹ سچ ہے جو بزرگوں کی کمائی باقی
ہائے کیا ہو گیا وہ خلق وہ بھاری قوم
یا وہی ہم تھے کہ تھے رونق بزم تمکین
یا وہ سطوت کہ جھکتے تھے بساں خورشید
یا وہ سرگرمی تحصیل کہ اللہ اللہ
یا اسی ہندوین تھے تاج سمر ایل غرور
پلو فخر قہر
ہر کیا کیا محبت
پیدا اسکی حیات
ہر دھنیں خلقت
دوہار رغبت
نفا کی صورت
یہ سب لک
نہار غرت

مہوئے محتاج کہ تھے مست جلیں غرور
جہل و غرور سے سروکار ہر ہکو بالکل
نہ تو غیرت ہے نہ بہت نہ محبت ہم میں
کر لیا آ کے توکل نے گھرا پنا ہم میں
نہ سفر کرنے کا ہے شوق نہ غم روزی کا
ہم کو کچھ فکر نہیں کل کی کہ ہم کیا ہونگے
جھوٹ سچ ہے جو بزرگوں کی کمائی باقی
ہائے کیا ہو گیا وہ خلق وہ بھاری قوم
یا وہی ہم تھے کہ تھے رونق بزم تمکین
یا وہ سطوت کہ جھکتے تھے بساں خورشید
یا وہ سرگرمی تحصیل کہ اللہ اللہ
یا اسی ہندوین تھے تاج سمر ایل غرور

آیا ادا بار کہ مخی علم و ہنر کی قلت
اور تعلیم و تعلم سے نہیں کچھ نسبت
کمپیشن میں ٹھہرنے کی یہی ہے صورت؟
ہو گئی کسب معیشت سر بہن جہنمت
نہ تجارت سے تعلق ہے نہ شوق محنت
جہتے ہی نہیں دنیا کی سوا کیا حالت
ہوئی جاتی ہے وہ سب نذر بباط و غرور
ہائے کیا ہو گئی آخر وہ محبت الفت
یا وہی ہم ہیں کہ ہیں نقش بساط نفرت
یا یہ حالت کہ ہیں اب شمع سحر کی صورت
یا یہ درد مند کی شوق کہ عبرت عبرت
یا یحییٰ ٹھوکرین کہاتے ہیں خدا کی قدرت

نہ وہ اسلام نہ اب وہ برکات اسلام
بستر عیش یہ ہے قوم کو خواب غفلت

۱۶۰۰۸	تمام
الف ۱۲	من ممبر
۱۲	کتاب منبر

کاتب الحروف عالیہ شریف علی خان شریف علی خان شریف علی خان شریف علی خان شریف علی خان



اشتمد

جملہ مولفات و مصنفات

علامہ ابوالفضل محمد احسان اللہ عباسی

انگریزی علم تمام ہائی کورٹوں کے فیصلے تا اندیمہ انگریزی میں نہایت خوش اسلوبی سے درج کیے گئے ہیں اور بطور نمونہ کے مختلف ٹیسٹ بکس سے کتاب الشفہ اصل زبان میں نقل کی گئی ہے۔

اردو علم مسلمانوں اور تمام بلاد اسلام کے حالات شروع سے آج تک مجملہ اور پیپر اور خطائے اربعہ کا نامہ مفصل۔

اردو علم آس کتاب بین قرآن اور احادیث سے وہ تمام باتیں منتخب کی گئی ہیں جو مسلمانوں کو ان کی ترقی اور بیوی دارین کے لیے ضروری ہے اور دیگر زبانوں سے اسلام کا مقابلہ کرنے اس میں اسلام کی قربانیاں دکھائی گئی ہیں اور مفسرین کے جواب دیے گئے ہیں۔

اردو علم ایک کتاب جو مسلمانوں کی تعلیم و ترقی کے لیے لکھی گئی ہے اور اس میں مسلمانوں کی ترقی اور بیوی دارین کے لیے ضروری ہے اور دیگر زبانوں سے اسلام کا مقابلہ کرنے اس میں اسلام کی قربانیاں دکھائی گئی ہیں اور مفسرین کے جواب دیے گئے ہیں۔

اردو علم ایک کتاب جو مسلمانوں کی تعلیم و ترقی کے لیے لکھی گئی ہے اور اس میں مسلمانوں کی ترقی اور بیوی دارین کے لیے ضروری ہے اور دیگر زبانوں سے اسلام کا مقابلہ کرنے اس میں اسلام کی قربانیاں دکھائی گئی ہیں اور مفسرین کے جواب دیے گئے ہیں۔

اردو علم ایک کتاب جو مسلمانوں کی تعلیم و ترقی کے لیے لکھی گئی ہے اور اس میں مسلمانوں کی ترقی اور بیوی دارین کے لیے ضروری ہے اور دیگر زبانوں سے اسلام کا مقابلہ کرنے اس میں اسلام کی قربانیاں دکھائی گئی ہیں اور مفسرین کے جواب دیے گئے ہیں۔

تاریخ الاسلام

الاسلام

قبضہ رضی مالک اری

ریونیو کورٹ مینول

زاتہ

المجاہد

فناؤ ولید

پارہ عم مشتمل

اندیشہ برائش

مستند

مجھ سے بذریعہ دیول سکتی ہیں

محمد سعید زار مقام سابق دفتر الوقت گورکھ پور ممالک متحدہ

